سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

موت کے سوداگر

حصہ
27

PDFBOOKSFREE.PK

PVL
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

ستائیسواں حصہ

ترتیب و پیشکش: سعید خان

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبرز بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

15-10-98

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی دوا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ اجمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ کے لیے مجھے اولمی خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقابلہ میرا تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر شی کے بے انداز مال و سائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی یہودی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مقتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈنیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں قتل کرانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈوز تھے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ بک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھل کھیلی ہوئی عورت تھی فوراً ہی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوبھراج کو سنیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دو مارشدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوبرو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن نوری حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوبھراج نے بتایا کہ رات کو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مکروہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار ہی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کرا لی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبی کا ہرکارہ بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران راکے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ راکے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف سوبھراج کے گرگے جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہانگیر زیادہ دیر ان کی قید میں نہیں رہ سکا اور ایس ٹی ایف کی مدد سے ہم نے بہت جلد اسے بازیاب کرا لیا۔ اسی اثنا میں میری ملاقات سوبھراج سے ہوئی اور اس نے بتایا کہ گرین کو برا فائل اس کے قبضے میں تھی اور وہ اسے اپنے تحفظ کی ضمانت قرار دے رہا تھا۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکراتا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع خالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر تمام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور تمام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش و خروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کو برا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تنہائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے بھنوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ماورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیار کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے عام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہو گئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہو گئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہماری منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان ہرنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان ہرنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلچر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ حملہ آور کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالف پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریفک سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی راشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔

اب آپ قسط نمبر 249 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''ڈان! تمہاری باتیں بہت عجیب و غریب ہیں۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر ماؤتھ پیس میں' تھکی ہوئی آواز میں کہا ''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

''زیادہ سوچنے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' ڈان کی طرف سے خشک لہجے میں جواب آیا ''آدمی کو اپنی بساط سے بڑھ کر نہیں سوچنا چاہیے۔ جب میں نے تم سے کہہ دیا کہ سامے کو میں نے تمہارے کمرے میں بھیجا تھا' وہ کسی کی جاسوسہ نہیں تھی تو تم کو وہ قصہ بھول جانا چاہیے۔''

''ڈان! میں کوئی روبوٹ نہیں ہوں۔'' میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں التجا کی ''جس وقت تم میری کارکردگی پر خوش ہو کر' چاؤ فان کی گاڑی میں مجھے ایک لاکھ بھات کے نوٹوں کی گڈی انعام میں دے رہے تھے' شاید عین اسی وقت سامے میری بیوی پر ہیروئن کی اسمگلنگ میں ملوث ہونے کا الزام لگا رہی تھی۔ یہ تضاد میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''کوئی تضاد نہیں ہے۔'' ڈان نے کسی جھجک کے بغیر' فوری طور پر جواب دیا ''تم نے اپنی کامیابیوں سے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں نے دنیا دیکھی ہے لیکن آج تک تم جیسے کسی اور آدمی سے ملنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ یہ بات مجھے الجھا رہی تھی کہ باہر سے آیا ہوا ایک بے سرو سامان پردیسی' چھوٹا راجن کو کیسے ناک چنے چبوا سکتا ہے۔ چاؤ فان سے جب بات کرتا ہوں' وہ تمہارے قصیدے پڑھنے لگتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے نے مجھے تمہاری طرف سے شبہے میں ڈال دیا تھا اور میں نے تمہیں آزمانے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ چالاک لوگ تمہارے ساتھی ہوتے تو سامے ان کے ہاتھوں ماری جاتی۔ اسے میں نے چارا بنایا تھا۔ وہ تمہاری بیوی سے چھیڑ چھاڑ کر کے' صحیح سلامت لوٹ آئی۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھ سے اس واقعے کا بلاتاخیر ذکر کر دیا۔ تم خاموش رہتے تو میرا ذہن صاف نہ ہوتا۔''

''تو یوں کہو کہ تم میرا امتحان لے رہے تھے!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''تم جو چاہو سمجھتے رہو' میں نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔''

''یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''اب اسے ختم ہی سمجھو۔ تمہارا دامن بے داغ ہے۔ تم اکیلے رہ کر بھی وہ سب کر سکتے ہو جو چاؤ فان جیسے پچاس آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مل کر نہیں کر سکتے۔''

''تم اس کی تذلیل کر رہے ہو۔''

''سچ صرف سچ ہوتا ہے۔ اس سے کسی کی تذلیل ہوتی ہے نہ توہین۔ میں بتا چکا ہوں کہ وہ دل سے تمہارا گرویدہ ہو چکا ہے۔ اس مواز نے کا وہ بھی برا نہیں مانے گا۔''

''تم نے مجھے ہوشیار کر دیا ہے۔ مجھے اپنی رفتار دھیمی کرنا ہوگی۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا ''پھر کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوگئی تو تمہیں شبہ ہوگا کہ کچھ نامعلوم آدمی میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ کوئی نیا امتحان میرا مقدر بن جائے گا۔''

''شٹ اپ!'' ڈان کی آواز میں تحکم کے بجائے محبت تھی ''بعض لوگوں کو قدرت بہت زیادہ حوصلہ عطا کرتی ہے۔ وہ اپنی راہ میں آنے والی کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اب میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا شمار انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔''

''لیکن اب بھی تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے۔'' میں نے موقع پا کر چٹکی لی۔

''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟'' ڈان نے کسی برہمی کے بغیر پوچھا۔

''تم نے ہمارے پاسپورٹ روکے ہوئے ہیں۔'' میں نے بے دھڑک ہو کر کہہ دیا ''تمہیں اندیشہ ہے کہ میں خاموشی سے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔ ہلٹن ہوٹل چھوڑنے کا واقعہ بہت سیدھا سا تھا مگر وہ تمہارے دماغ میں جم کر رہ گیا ہے۔''

اس وقت میں نے پہلی مرتبہ اس موضوع پر ڈان سے کھل کر بات کی تھی۔ اس سے پہلے میں چاؤ فان سے جو کچھ کہتا رہا' وہ پوری طرح ڈان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ چاؤ فان نے اس سے اتنی وضاحت ضرور کر دی تھی کہ ہوٹل بدلنے کا ابتدائی مشورہ اسی کا تھا۔

ڈان نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ چند ثانیوں کے لیے لائن پر سکوت چھایا رہا پھر ڈان کی بھاری اور تفکر آمیز آواز سنائی دی ''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم جیسا شیر دل آدمی میدان چھوڑ کر بھاگے گا۔ تم گہری باتیں کرتے ہو' دوسروں کی کہی ہوئی باتوں کے بھی گہرے معانی نکالتے ہو۔ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے پسِ پردہ رہنے پر مجبور ہوں' تمہارا واسطہ چاؤ فان سے ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں مگر ایک خرابی بھی ہے۔ وہ سطحی سوچ والا آدمی ہے۔ جو کچھ اس کے دماغ میں آتا ہے' وہ بک دیتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں اس وقت سے جب اس کی کہی ہوئی کوئی بات تمہیں بری لگ جائے اور تم خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔''

اس طویل وضاحت کے بعد ڈان لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''یہ لڑائی تم نے چھیڑی ہے' چھوٹا راجن کے پاؤں کسی بھی وقت اکھڑ سکتے ہیں۔ اس نے پیٹھ نہ دکھائی تو وہ جلد ہی تمہارے ہاتھوں مارا جائے گا۔ یہ نوشتہ دیوار مجھے صاف نظر آ رہا ہے۔ میں یہ نہیں چاہوں گا کہ چاؤ فان کی کسی حماقت کی وجہ سے میں جیتی ہوئی یہ بازی ہار جاؤں۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میرے دل کی تسلی کے لیے صورتِ حال کو جوں کا توں رہنے دو۔''

ڈان جیسے انا پرست کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو مسترد کرنا میرے بس سے باہر تھا۔ گفتگو براہِ راست ہم دونوں کے درمیان ہو رہی تھی' بیچ میں چاؤ فان یا کسی اور کا دخل نہیں تھا۔ اس لیے ڈان تقریباً خوشامد کی حد تک آ گیا تھا۔ میں نے عارضی طور پر پاسپورٹوں کو بھول جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''یہ صرف تمہاری نہیں' میری بھی جنگ ہے۔ میں چاؤ فان یا کسی اور کی کسی بے وقوفی کی وجہ سے اس سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ میں چھوٹا راجن کو فنا کرنے کے لیے پاکستان سے یہاں آیا ہوں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں میں تم سے ٹکرا گیا۔ تم نہ ملے ہوتے تو میں تنہا اس خبیث کو اس کے کیفرِ کردار کو پہنچا تا یا خود بھی یہیں پیوندِ زمین ہو جاتا۔''

''گڈ! میں تمہارے جذبات کو سمجھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری سمجھ گئے ہوگے۔ اب ہم دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔''

''اب تم میری زبان سے پاسپورٹوں کا ذکر نہیں سنو گے۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

ڈان نے فون بند کر دیا۔ میں نے بے دلی سے لائن منقطع کر کے اپنا موبائل فون مسہری کے سرہانے رکھ دیا۔

میری دانست میں وہ گفتگو رائگاں گئی تھی۔ میں ڈان سے اپنی بات منوانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ صرف اتنا فرق پڑا تھا کہ میری زبان سے سامے نامی لڑکی یا عورت کی شکایت سن کر ڈان کو میری نیت اور ارادوں پر کامل یقین آ گیا تھا۔

اس وقت تک جو کچھ ہوا' وہ بس ہوتا چلا آیا تھا۔ میری کوششوں کے ساتھ کچھ غیبی عوامل بھی کارفرما تھے جن کے نتیجے میں سوبھراج جیسے فتنے سے ناقابلِ یقین انداز میں چھٹکارا حاصل ہو چکا تھا۔ میں نے ڈان اور چاؤ فان کی بے خبری کا فائدہ اٹھا کر' موتی محل میں ہونے والے دھماکے کا کریڈٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی نہ کسی طرح قبول کر ہی لیا تھا۔ اس بارے میں اصل حقیقت کا مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔ حالات کی روشنی میں' میں نے امریکیوں کے ملوث ہونے کا جو نظریہ اپنایا تھا' وہ میرے اندازے سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھے اس بارے میں تگ ودو کرنا تھی تاکہ راجن کا تیسرا دشمن میری نگاہوں میں آجائے اور میں اس سے کوئی گٹھ جوڑ کر کے راجن کا کام تمام کرسکوں۔

قرائن یہ بتا رہے تھے کہ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی راجن سے پنجہ آزمائی کرنا پڑے گی۔ اس کانٹے کو راہ سے ہٹائے بغیر' ڈان سے پاسپورٹوں کی بازیابی ناممکن نظر آرہی تھی۔

ان پاسپورٹوں کو بھول کر میں صرف پاکستان کی طرف واپسی کا سفر اختیار کرسکتا تھا۔ وہاں سے آنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں تھیں۔

دشمن تو ایک طرف تھے' حالات کچھ اس نہج پر چل پڑے تھے کہ غیروں نے دباؤ میں آکر اپنوں نے بھی میرا کھوج لگانا شروع کردیا تھا۔ میرے ذمے دار ہمدردوں کا کہنا تھا کہ میری تلاش کی وہ مہم رسمی تھی جو کاغذوں کا پیٹ بھرنے کے لیے جاری تھی لیکن کون کس کے ذہن کو پڑھ سکتا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ باتیں میری اشک شوئی کے لیے کہی جارہی تھیں۔

میرے اندرونِ خانہ کردار سے وہی لوگ واقف تھے جو مجھ سے بہت قریب تھے۔ عام سرکاری اہلکاروں اور لوگوں کو تصویر کا وہی رخ معلوم تھا جس کی تشہیر کی جارہی تھی۔ بے خبری کے باعث پاکستان کا کوئی بھی عام شہری میرے لیے ایک سنگین خطرہ بن سکتا تھا۔ ایسی صورت احوال میں میرے لیے اپنے ملک کا رخ کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

بنکاک سے کسی اور ملک کا رخ کرنے کے لیے پاسپورٹوں کا حصول ناگزیر تھا جن پر جلال کی پیش بینی کے سبب کئی ملکوں کے ویزے لگے ہوئے تھے۔ ڈان سے فون پر ہونے والی تازہ ترین گفتگو کے نتیجے میں میری ہر خوش گمانی دور ہوچکی تھی۔ ڈان نے واضح کردیا تھا کہ ہمارے پاسپورٹوں کی واپسی' راجن کے انجام سے مشروط ہوچکی تھی۔

میں بنکاک میں رک کر کسی نئے بکھیڑے میں الجھنے سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ جلال اور اول خان نے مجھے پاکستان کے مخدوش حالات کی بنا پر روپوشی اختیار کرنے کے لیے بنکاک بھیجا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں سوبھراج کو اپنا ہدف بنایا ہوا تھا۔ یہ اس کی بدنصیبی یا میری خوش نصیبی تھی کہ وہ ہر طرف سے ہراساں ہونے کے بعد وہیں آپہنچا اور لوپ بوری کے جنگل میں خاموشی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

وہ ہدف حاصل کرلینے کے بعد میرا بنکاک میں رکنا بے سود تھا۔

وہ میری ذاتی رائے تھی جس سے ڈان کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا۔ میں سوبھراج کے خون کا پیاسا تھا' اسے راجن سے نفرت تھی۔ اس کا تعاون حاصل کرنے کے لیے میں نے اس کی اسی نفرت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اب مجھے ناچار' راجن کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا تھا تاکہ ڈان کی تسلی ہوسکے اور ہمیں بنکاک سے کہیں اور روانگی کا پروانہ مل سکے۔

اس بارے میں غزالہ کے ذہن میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میں ڈان سے تصادم کی راہ اختیار کرکے کچھ بھی حاصل نہ کرسکوں گا۔ وہی توانائی راجن کے خلاف استعمال کرکے میں ڈان کا دل جیت سکتا تھا۔

فیصلہ ہوگیا لیکن مجھے فوری طور پر کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔

راجن کوئی آسان شکار نہیں تھا۔ بنکاک میں اس کی رہائش گاہ کسی قلعے سے کم نہیں تھی۔ وہاں کے حفاظتی حصار کو توڑ کر اندر گھسنا ناممکنات میں سے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر کے کسی آدمی نے موتی محل میں گھس کر دھماکا نہیں کیا ہوگا' امریکیوں نے اندر افراتفری کی صورتِ حال پیدا کرنے کے لیے اندر ہی کے کسی آدمی کو استعمال کیا ہوگا۔ ڈان کو بھی معلوم تھا کہ موتی محل کے دفاعی حصار میں دراڑ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ راجن دو سال سے اس کے سینے پر مونگ دل رہا تھا۔ اس نے بتدریج طاقت حاصل کرکے' زیرِ زمین دنیا میں اقتدار کا خلا پر کیا تھا۔ ڈان کی چھوڑی ہوئی جگہ پر قابض ہونے کے بعد وہ مزید مستحکم ہوگیا تھا۔

گھر میں گھس کر اسے مارنے کا خیال احمقانہ تھا۔ وہ باہر نکلتا تھا تو اس کے بھارتی نژاد' مسلح محافظ اسے اپنی گھیرے میں لیے رہتے تھے۔ مسلح لڑاکا افراد کے ایک جتھے کے بغیر' اس پر وار کرنا مشکل تھا۔ ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر خون ریزی ناگزیر ہوتی۔ لے دے کر راجن کے کاروباری اڈے ہی رہ جاتے تھے جنہیں آسانی سے نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔

گولڈن ڈریگن اور دیگر ٹھکانوں کے واقعات پرانے نہیں تھے۔ ان کو بار بار نشانہ بنا کر راجن کے گھناؤنے کاروبار کو تباہ کیا جاسکتا تھا لیکن ذاتی طور پر اسے کوئی جسمانی نقصان پہنچانا مشکل تھا۔ وہ باقاعدگی سے اپنے کسی ٹھکانے پر نہیں بیٹھتا تھا۔ دن میں کسی بھی وقت' اپنے مسلح چیلوں کے حصار میں وہاں آتا اور چلا جاتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ان ٹھکانوں پر بے معنی کشت وخون کے حق میں نہیں تھا۔ ایک اچھی بات یہ تھی کہ راجن سے لڑائی میں ڈان بھی بے گناہوں کے خون سے دامن آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ دشمن میرے سامنے تھا' میں اس پر حملہ نہیں کرسکتا تھا۔

اس ادھیڑ بن میں غزالہ کے ساتھ بحث اور تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں اچانک مجھے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا خیال آیا۔

سوبھراج اسے اپنی جان کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ کئی مواقع پر اچانک فرار ہوتے ہوئے بھی اس نے سیٹ لائٹ فون کو اپنے ساتھ لے جانے کا دھیان رکھا تھا۔ اس مواصلاتی آلے کے ذریعے وہ دنیا کے ہر گوشے میں دوسروں سے رابطے میں رہ سکتا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ موتی محل سے لوپ بوری کی طرف جاتے ہوئے وہ اسے ساتھ لے جانا نہیں بھولا ہوگا۔ ریسٹ ہاؤس سے اسے یکا یک بھاگنا پڑا۔ وہاں موت اس کے سر پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے پاس اتنی مہلت نہیں تھی کہ وہ اپنا سیٹ لائٹ فون اپنے ساتھ لیتا۔ اس کی عبرت اثر لاش کے قریب ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی تھی جس سے یہ شبہ ہوتا کہ اپنی زندگی کے آخری فرار میں سیٹ لائٹ فون اس کے ساتھ تھا۔

سوبھراج کی موت کے بعد وہ اپریٹس پولیس یا پھر راجن کی تحویل میں ہونا چاہیے تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ راجن کے گرگوں نے اپریٹس ریسٹ ہاؤس سے اڑالیا ہو۔ وہ مل جاتا تو پولیس کو تفتیش کے نتیجے میں یہ سراغ مل سکتا تھا کہ مرنے والا شرما نہیں' سوبھراج تھا۔

لوپ بوری کے مضافاتی جنگل سے ملنے والی لاش کے بارے میں کہیں سے یہ خبر نہیں آئی تھی کہ متوفی کی شناخت پر شبہ کیا جارہا ہے۔ اسے راجن کے بیان کے مطابق شرما تسلیم کرلیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہورہا تھا کہ سیٹ لائٹ فون راجن کے قبضے میں تھا۔

میرے پاس اس کے دوسرے نمبر بھی موجود تھے جن پر اس سے رابطہ کیا جاسکتا تھا لیکن سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر رابطہ بہت معنی خیز ہوتا۔ اگر وہ میری کال وصول کرلیتا تو میں اسے یہ دھمکی دے سکتا تھا کہ میں اس کے جھوٹ سے باخبر ہوں۔ اس نے امریکیوں سے جھوٹ بول کر سوبھراج کو موتی محل سے نکالا' وہ مارا گیا تو اس نے سوبھراج کو شرما قرار دے کر اپنے پہلے جھوٹ کو چھپانے کی کوشش کی۔

یہ نکتہ ایسا تھا کہ اس سے کوئی نئی راہ نکل سکتی تھی۔ اس بارے میں' میں نے سرسری طور پر اسد سے بات بھی کی تھی مگر میرے بڑھتے ہوئے ذہنی خلفشار کی وجہ سے وہ بات ادھوری رہ گئی تھی۔ اس وقت بھی میرا یہی خیال تھا کہ مجھے ایک بار سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملا کر آزمانا چاہیے کہ دوسری طرف سے کون لائن پر آتا ہے۔

وہ ایک بے ضرر سی تجویز تھی جس سے کوئی نئی راہ کھلنے کی امید نظر آرہی تھی۔ اس فون پر راجن سے رابطہ قائم کرنے میں ناکامی ہوتی تو ہمیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ غزالہ کی سوچی سمجھی رائے تھی۔ اس نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اس معاملے کو دو دفتروں میں سمیٹ دیا تھا۔ میں نے اسی وقت طبع آزمائی کرنے کا ارادہ کرلیا۔

اس وقت بنکاک میں شام نہیں ڈھلی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر' فضا میں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سہ پہر کو آرام کے عادی امیر زادوں اور نو دولتیوں کے لیے وہ فرصت کا وقت تھا۔ میں نے غزالہ سے مشورہ کرکے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا نمبر ملالیا۔

جب ابتدائی گھنٹیوں پر کوئی جواب نہیں ملا تو میرے اس یقین میں پختگی آگئی کہ وہ فون پولیس کی تحویل میں نہیں تھا۔ پولیس اس پر قابض ہوتی تو کسی نئے شکار کے پھنسنے کی امید پر' پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا جاتا۔ رابطے میں تاخیر سے ظاہر ہورہا تھا کہ سوبھراج کے فون میں بجنے والی' بے وقت کی گھنٹیوں نے دوسرے آدمی کو پریشان کردیا تھا۔

میں نے صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔ ساتویں گھنٹی پر دوسری طرف لمحہ بھر کے لیے سکوت ہوا پھر ایک دبی دبی اور تفکر آمیز' مردانہ غراہٹ سنائی دی ''کون ہے؟''

میرے کانوں کے لیے راجن کی آواز اجنبی نہیں رہی تھی۔ بولنے والے کی آواز اس سے مختلف تھی۔ میں نے نرمی سے کہا ''فون راجن کو دے دو۔''

''استاد! تمہارے بارے میں پوچھ رہا ہے!'' میرے کانوں میں وہی آواز' ذرا مدھم ہوکر آئی۔ میرے غیر متوقع فون نے ان لوگوں کو اتنا بوکھلا دیا تھا کہ اس نے اپنے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر شاید راجن کو میرے پیغام سے آگاہ کیا تھا۔

''بول! کیا کام ہے؟'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد راجن کی آواز آئی۔

''بدتمیزی میں' میں تمہیں بری طرح ہرا سکتا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم ڈھنگ سے بات کرو۔'' میں نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اپنے ممبئی میں سب ایسا ہی چلتا ہے۔ تُو بولتا ہے تو اپنا خیال رکھے گا۔'' جواب دیتے ہوئے وہ اپنے بے ساختہ انداز پر قابو نہیں رکھ سکا ''تم کون بولتا ہے؟''

اسے اپنے سیٹ پر نمودار ہونے والے نمبر سے میرے بارے میں علم ہو چکا تھا مگر وہ انجان بن رہا تھا۔ میں نے کہا ''میں ڈینی بول رہا ہوں۔''

''میرے کو معلوم ہے۔ میں تم کو آزما رہا تھا۔ تم کدھر ہو؟'' اس بار وہ ہنتا رہا۔

''میں بنکاک آ چکا ہوں۔ تم سے کچھ حساب کتاب کرنا ہے۔'' میں نے ذومعنی لہجے میں کہا ''تم نے یہ کال سن کر اچھا نہیں کیا۔ مجھے سب کچھ پہلے سے معلوم تھا۔ فون سن کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ سوبھراج، شرما کے نام سے نرگباش ہو چکا ہے اور اس کا فون اب تمہارے استعمال میں آ رہا ہے۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔ مرنے والا نرائن پرشاد شرما تھا۔ سوبھراج نے یورپ جاتے ہوئے یہ فون میرے پاس رکھوایا ہے۔''

''وہ یہاں سے اچانک یورپ کیوں چلا گیا' پیارے؟''

''اپنے معاملات وہ خود جانتا ہے۔'' اس بار راجن کی آواز میں ہلکی سی برہمی نمایاں تھی ''تمہیں معلوم ہے کہ اسے کئی لوگوں سے اپنی جان کا خطرہ تھا۔''

''مجھ سے زیادہ یہ بات تم جانتے ہو کہ وہ ایف بی آئی والوں سے بری طرح خوف زدہ تھا۔'' میں نے پرسکون لہجے میں کہا ''انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ سوبھراج کو تم نے یورپ بھیجا ہے تو وہ ہر قیمت پر تم سے اس کا یورپ کا پتا جاننا چاہیں گے۔''

''کک..... کیوں!'' میری بات سن کر وہ بوکھلا گیا ''میں اس کا ٹھیکے دار نہیں ہوں۔ وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جدھر منہ اٹھا' اسی طرف چل دیا۔''

''اس کے لیے تم ماضی کا صیغہ استعمال کر رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کی بچی ہوئی ہڈیوں کے ٹیسٹ سے یہ بات ثابت ہو جائے گی۔''

''تم خود اس کی جان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اب تمہیں اس کی فکر کیوں ہو رہی ہے؟''

''اس کے بعد اب مجھے تمہاری فکر ہے' اس لیے میں یہاں آیا ہوں۔ مان لو کہ اب سوبھراج زندہ نہیں ہے۔ تمہارے ڈرائیور کو مار کر میرے آدمی نے اسے لوپ بوری کے گیسٹ ہاؤس میں گھیر لیا تھا۔ وہ وہاں سے نہ بھاگا ہوتا تو اتنے برے انجام سے دوچار نہ ہوتا۔ بھیڑیے کسی برے سے برے انسان سے بھی بدتر اور زیادہ خودغرض ہوتے ہیں۔''

''تم مجھے یہ سب کیوں سنا رہے ہو؟'' اس کی آواز سے ہلکا سا خوف جھلکنے لگا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی پوزیشن کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ اب تم بے لگام نہیں رہے۔ تمہارے منہ میں لگام پڑ چکی ہے جس کا دوسرا سرا میرے ہاتھ میں ہے۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ تم کو تمہاری شامت یہاں لائی ہے۔''

''ایف بی آئی والوں کو یہ جان کر صدمہ ہوگا کہ تم نے ان کے بھیجے ہوئے فوجیوں سے سوبھراج کے بارے میں سفید جھوٹ بولا اور اسے موتی محل کے پچھلے راستے سے نکال دیا۔ یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ بعد میں وہ بھیڑیوں کی خوراک بن گیا۔''

''انہیں یہ جان کر بھی خوشی ہوگی کہ اس وقت تم بنکاک میں ہو۔ تم مجھ سے زیادہ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے ان سے میری اَن بن کرانے کی کوئی کوشش کی تو تم زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکو گے۔'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔

''تم سے زیادہ انہیں کون جان سکتا ہے!'' میں نے استہزائی لہجے میں کہا ''مجھے معلوم ہے کہ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے زرخرید ہو۔ اس کو پاکستان میں پالا گیا۔ تمہیں ممبئی سے لا کر بنکاک میں پالا پوسا گیا ہے۔''

''اپنی زبان بند رکھو!'' فون پر راجن کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ میرا اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر لگا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''میرے کسی دشمن نے تمہیں میرے خلاف ورغلایا ہے۔''

اس کی کمزوری بھانپ کر میں نے کہا ''سوبھراج تمہارا دشمن نہیں تھا۔ یہ نہ بھولو کہ اپنے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مجھ سے ٹکرانے سے پہلے وہ میرا دوست تھا۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ تم دونوں ایک دوسرے کے رازداں..... اور امریکیوں کے ایجنٹ تھے.....''

''تم جھوٹے ہو' تمہاری ان باتوں پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔'' وہ میری بات کاٹ کر اضطراری انداز میں بول پڑا۔

''مجھے یہ باتیں کسی کو سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایف بی آئی والوں کو سچ اور جھوٹ کا علم ہے۔ وہ تمہاری کہانی میری زبانی سنیں گے تو اس پر بلاعذر ایمان لے آئیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انہیں رنج ہوگا کہ تم دونوں نے رازداری کے حلف کی خلاف ورزی کر کے مجھے ہر بات بتادی..... راجن! یہ یاد رکھو کہ وہ خونی درندے ہیں۔ وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔''

لائن پر سکوت چھا گیا۔ میری کہی ہوئی باتوں نے اسے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ سوچ کر کچھ کہتا' میں نے اپنی بات دوبارہ شروع کر دی ''مجھے اس کی پروا نہیں کہ تم میرے خلاف کیا کہتے ہو' میں اپنے دشمنوں کے لیے صرف ایک نام ہوں۔ وہ میرے صورت آشنا ہیں نہ میرے ٹھکانے سے واقف ہیں۔ انہوں نے برسوں سے میرے خلاف اپنے بہت سے وسائل جھونکے ہوئے ہیں پھر بھی وہ مجھ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم ایک جانے بوجھے آدمی ہو جسے وہ ہر وقت اپنا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ تم میری طرح روپوشی اختیار نہیں کر سکتے' اپنی بے اندازہ دولت اور آسایشوں کو بھول کر خانہ بدوش بن جانا بہت مشکل کام ہے۔ میرے ایک اشارے پر تمہاری زندگی عذاب بن جائے گی۔''

''تم..... تم خوفناک بلیک میلر ہو۔'' اس کی آواز غصے اور خوف کے امتزاج سے کانپ گئی' وہ کہہ رہا تھا ''تم نے اپنے ان ہی حربوں سے سوبھراج کی زندگی برباد کی اور اب میرے پیچھے پڑ گئے ہو' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو!''

''جہاں سے آئے ہو' خاموشی سے وہیں لوٹ جاؤ۔ یہاں سے اپنا سب کچھ سمیٹ لو۔''

''یہ ظلم ہے تم دیوانگی کی باتیں کر رہے ہو۔''

''انہیں مان لو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا ''تمہیں اپنے قاتل کا انتخاب کرنے کی آزادی ہوگی۔ امریکی اور پاکستانی دونوں تمہارے پیچھے لگ جائیں گے۔''

''تم بلیک میلر ہو تو مجھ سے اپنی زبان میں بات کرو۔ میں تمہیں رقم دے سکتا ہوں' عورتیں فراہم کر سکتا ہوں' جو کچھ میرے بس میں ہے کروں گا' مجھ سے ناجائز مطالبے مت کرو۔''

''راجن! کم از کم رتبے کا خیال کرو۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''تم نے کول کتے کا سونا گھاچی بازار دیکھا ہوگا۔ وہاں کا ایک معمولی دلال بھی عورتیں فراہم کر سکتا ہے۔ خاموشی سے اپنی دنیا' اپنے وطن میں لوٹ جاؤ یا دوسری دنیا میں جانے کی تیاری کر لو۔''

''تم اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو' باخبر ہونے کے دعوے کر رہے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی اپنی مرضی سے ان کی صفوں میں جاتا ہے لیکن ان کی مرضی کے بغیر واپس نہیں لوٹ سکتا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکستہ لہجے میں جواب دیا ''میں اپنی مرضی سے ممبئی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ سوبھراج کے تجربات میرے سامنے ہیں۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ آخر کار اس نے اپنی زبان سے بالواسطہ طور پر یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے امریکی ایجنٹوں کی صف میں شامل ہوا تھا۔ ان بے ضمیر لوگوں نے اپنے اثر رسوخ کے ذریعے سوبھراج کو سیاست کے میدان میں آگے بڑھایا اور راجن کو بدمعاشی کے فن میں ایسے گر سکھائے کہ وہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔

اس سے فون پر بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال جنم لے چکا تھا کہ ڈان کے لیے راجن کی زندگی یا موت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی خواہش صرف اتنی تھی کہ راجن اس کے لیے بنکاک کا میدان خالی کر دے تاکہ وہ اطمینان سے دوبارہ اپنا منصب حاصل کر سکے۔ ڈان نے اپنی بیوی کی بدسلوکی سے دل برداشتہ ہو کر از خود گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ اس کے اچانک منظر سے غائب ہونے سے امریکیوں کو کھلا موقع مل گیا کہ وہ راجن کو ممبئی سے وہاں لا کر' بدمعاشوں کا سرغنہ بنا دیں۔ اگر راجن ممبئی واپس چلا جاتا تو ڈان کا مطلب پورا ہو سکتا تھا۔ وہ جس طرح غائب ہوا تھا اسی طرح بنکاک میں دوبارہ اپنی بادشاہی قائم کر سکتا تھا۔

ڈان کو منطقی طور پر آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے تھا' پیڑ گننے سے نہیں۔ یہ میرا اپنا طریقہ کار ہوتا کہ میں راجن کو کیسے پس منظر میں دھکیلتا ہوں۔ اگر راجن کسی مار دھاڑ اور کشت و خون کے بغیر پسپا ہونے پر آمادہ ہو جاتا تو میرا کام بہت سہل ہو جاتا۔

''یہ تمہارے سوچنے کی باتیں ہیں' مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' میں نے لاتعلقانہ انداز میں جواب دیا ''میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔''

میری کھلی کھلی باتیں سن کر اس کا سارا دم خم رخصت ہو گیا تھا اور وہ مدافعانہ انداز پر اتر آیا تھا۔ وہ دیر تک بحث کر کے مجھے اپنی مجبوریاں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ میں نے بھی جان بوجھ کر اس بحث کو خاصا طول دیا کیونکہ اس کے نتیجے میں راجن کی متعدد چھوٹی چھوٹی کمزوریاں میرے علم میں آ رہی تھیں۔ اس کے لیے میرا آخری جواب نفی میں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بہت بڑا مطالبہ کر رہے ہو۔ میں گن پوائنٹ پر اس کا جواب نہیں دے سکتا'' آخر کار اس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا ''مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔''

میں نے اسے فون کیا تو میرے ذہن میں اس کی پسپائی کا کوئی موہوم ترین امکان بھی نہیں تھا۔ بات سے بات نکلی تو نکلتی چلی گئی اور وہ مجھ سے مہلت طلب کرنے پر مجبور ہو گیا۔

میرے لیے وہ مفت کی کامیابی تھی' مہلت کے معاملے پر مجھے پھر اسے رگڑنے کا موقع مل گیا۔ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر میں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دے دیا۔

راجن میرے اصرار کے باوجود' وقت کے تعین پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوا۔ اس کے پاس معقول عذر موجود تھا کہ تھائی لینڈ میں اس کا کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا' اپنی سرمایہ کاری سمیٹنے سے پہلے اسے اپنے دوستوں کے تیوروں کا جائزہ بھی لینا تھا۔ وہ کام ایک دو روز میں مکمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے لیے زیادہ وقت درکار تھا۔

اس کے پاس میرا نمبر محفوظ تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ کسی بھی فیصلے پر پہنچتے ہی وہ خود مجھ سے رابطہ کرے گا۔ اسی کے ساتھ اس نے التجا کی کہ میں سوبھراج کی موت کا راز اپنی ذات تک محدود رکھوں۔ کسی غیر متعلق آدمی کو اس کی بھنک بھی مل جاتی تو اس کے لیے سنگین مسائل پیدا ہو جاتے۔

میں نے اس پر احسان جتانے کے لیے' اس کی وہ التجا بھی قبول کر لی' باتوں کی روانی میں' میں نے اسے راز فاش کرنے کی دھمکی دے دی تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں خود وہ راز فاش کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ سوبھراج کی موت کی خبر پھیلنے کے نتیجے میں جو عالمی ردِعمل سامنے آتا' وہ کسی بھی طرح پاکستان کے لیے سودمند نہیں ہو سکتا تھا۔

راجن خالص اور پیشہ ور بدمعاش تھا جو منشیات' جوئے اور جسم فروشی جیسے گھناؤنے دھندوں سے اپنی روزی کماتا تھا اور ان ہی دھندوں کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف تھا' سوبھراج کے قتل کی رازداری میں مضمر باریکیوں کا اسے مطلق اندازہ نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ بھانڈا پھوٹ گیا تو وہ بے موت مارا جائے گا۔ اسے اپنے دباؤ میں رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اسے ہماری مجبوریوں کا اندازہ نہ ہو سکے۔

اس نے گفتگو کی ابتدا بدکلامی سے کی تھی۔ اختتام پر وہ میری نرمی اور معاملہ فہمی کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی خواہش پر اسے سوچنے کی مہلت دے دی تھی لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی طرح میری بات ماننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اپنے مقام سے یکا یک مراجعت اس کے لیے ناممکن تھی۔ وہ کسی طرح رضامند ہو جاتا تو اس کے آقا اسے واپسی کی اجازت نہ دیتے۔ انہوں نے اسے کسی خاص مقصد کے لیے بنکاک میں پروان چڑھایا تھا۔ وہ تجربے کار شکاری اپنے شکار کو آسانی سے جال کرنے کا موقع نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح میں ناشتے سے فارغ ہو کر ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔

میں نے ڈان سے براہِ راست سامے کی شکایت کر کے اسے مدافعانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور کسی حد تک یہ بھی جتا دیا تھا کہ سامے والے واقعے کے بعد اسے میری نیت اور ارادوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا مگر میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ ڈان آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتبار کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اس نے میری بددلی کے ازالے کے لیے کچھ یقین دہانیاں کرادی تھیں۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ ان کی پابندی کرتا۔

مجھے شبہ تھا کہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی میری نگرانی کر رہا ہوگا تاکہ بنکاک میں میرے پوشیدہ روابط کا سراغ لگا سکے۔

وہاں اسد کے سوا رکھا ہی کون تھا' میں نے ڈان کو اسد کے کردار کے بارے میں خود ہی محتاط بریفنگ دے دی تھی۔ میں نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں بندرگاہ کا رخ کر کے' اپنے متعاقب کو یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ میں نے راجن کے خلاف اپنا کام پورے زور و شور سے جاری رکھا ہوا ہے۔

ہوٹل سے نکل کر میں نے ٹیکسی پکڑی اور کرایہ طے کر کے بندرگاہ کی طرف ہو لیا۔ وہ سفر خاصا طویل ثابت ہوا۔ بندرگاہ کا راستہ ڈان کے سیلرز بار کے سامنے ہو کر گزرتا تھا۔ معمول کے مطابق اس وقت بار بند تھا' ٹیکسی تیزی کے ساتھ اس کے سامنے سے گزر گئی۔

پورٹ کے ٹیکسی اسٹینڈ پر میں نے خود گاڑی رکوالی اور کرایہ ادا کر کے بے فکری سے نیچے اتر گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ بندرگاہ کے حسّاس اور ممنوعہ علاقے میں میرا داخلہ ممکن نہیں ہوگا۔

اس علاقے میں سو فیصد مقامیوں کا راج تھا۔ میں نے شہر میں لوگوں کی زندگی کے دوڈھنگ دیکھے تھے۔ عام شہری ہر قسم کی خرافات سے دور رہ کر اپنے معمولات میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ دوسرا رخ شہر کے عشرت کدوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر آتا تھا جہاں دنیا بھر سے آئے ہوئے سیاحوں کی بھیڑ میں خال خال تھائی باشندے بھی عیش ونشاط کی محفلوں سے لذتیں کشید کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ بندرگاہ کے علاقے میں رنگ ہی کچھ اور تھا' صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس لوگوں کے ساتھ کثرت سے جفاکش تھائی' باشندے بھی نظر آرہے تھے جن کی پسینے میں نہائی ہوئی سرمئی پیشانیاں محنت کے نور سے چمک رہی تھیں۔ ٹی شرٹس کی آستینوں میں پھنسی ہوئی' ان کے کسرتی بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیاں ظاہر کررہی تھیں کہ ان کڑیل مردوں کا خمیر صرف اور صرف محنت سے اٹھا ہے' گودی کی شب وروز کی سرگرمیاں ان کے دم سے چل رہی تھیں۔

گرد وپیش سے بے پروا ہوکر گزرنے والے وہ تھائی مزدور اپنے ان ہم وطنوں کی بھاری اکثریت کی نمائندگی کررہے تھے جنہیں عیش وعشرت اور آوارگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ وہ اپنے زور بازو سے نہ صرف اپنی روزی کماتے تھے بلکہ اتنا کچھ کماتے تھے کہ اس کے بل پر ان کے وطن کا مراعات یافتہ طبقہ عیش کی زندگی بسر کررہا تھا۔

میں ستایشی نظروں سے ان لوگوں کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ میری نگاہیں کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھیں جسے اختیار کرکے میں ممنوعہ علاقوں سے گزرے بغیر ساحل تک پہنچ سکوں۔

میں اپنی دھن میں چلا جارہا تھا کہ مجھے ایک سستے سے ریستوران سے چاؤفان نکلتا ہوا نظر آیا۔ شاید اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور فضا میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر تقریباً دوڑتا ہوا میری طرف چلا آرہا تھا۔

میں ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ چاؤفان نے اس ریستوران سے برآمد ہونے کی اداکاری کی ہے۔ درحقیقت وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔

بنکاک جیسے وسیع اور گنجان آباد شہر میں دو مخصوص افراد کا یوں یک جا ہونا' کم از کم میرے لیے حیرت ناک تھا۔ میں اپنی جگہ جما کھڑا رہا۔ چاؤفان میرے قریب آیا اور والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

''ماسٹر! تم اس مشینی اور بدبودار فضا میں کہاں بھٹک رہے ہو..... تم پر پہلی نظر پڑی تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ کیسا عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں یہاں موجود ہیں.....''

میں نے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا ''تمہارے پسینے کی بو خاصی ناگوار ہے' کوئی پرفیوم استعمال کیا کرو۔''

''اوہ ماسٹر! تم مجھے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے۔'' اس نے دانت نکال دیے۔

''کاش! کوئی تمہیں شرمندہ کرسکے..... تم کب سے میرا پیچھا کررہے تھے؟'' میں نے اس کی مسرت کو نظرانداز کرکے خشک لہجے میں سوال کیا۔ میں نے اپنی سمت میں آگے چلنا شروع کردیا۔ چاؤفان بھی میرے ساتھ ہولیا۔

''پیچھا کررہا ہوں!'' اس نے حیرت سے میرے الفاظ دہرائے پھر بولا ''ماسٹر! یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ میں بھلا تمہارا پیچھا کیوں کروں گا..... تم دیکھ رہے ہو کہ میرا پورا بدن پسینے میں نہایا ہوا ہے' میں پچھلے دو گھنٹوں سے یہیں بھٹک رہا ہوں' پسینے کا خسارہ پورا کرنے کے لیے ریستوران سے بیئر کا ایک مگ پی کر باہر نکلا تو اچانک تم نظر آگئے۔''

''کیا میں تمہاری اس بات کا یقین کرلوں؟'' میں نے طنز سے پوچھا۔

''یقین نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنا سر جھٹک کر بولا ''تمہاری سب سے بڑی خوبی یا خامی یہ ہے کہ تم سب سے پہلے ہر بات کے منفی پہلو کے بارے میں سوچتے ہو۔ اپنی بات کو درست ثابت کرنا تمہارے مخاطب کی ذمے داری ہوتی ہے۔''

''یہ جانتے ہو تو اپنی یہاں موجودگی کا کوئی معقول سبب بتاؤ۔'' میں نے اس پر ایک گہری نظر ڈال کر ناپسندیدگی سے کہا۔

''میں چھوٹا راجن کے چکر میں یہاں آیا تھا۔'' اس نے چلتے چلتے اچک کر میرے کان میں سرگوشی کی ''مجھے معلوم ہے کہ بڑا آدمی اب اس کا وجود برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔''

''تم کن سوئیاں لیتے پھرتے ہو یا بڑے آدمی نے اس بارے میں خود کچھ بتایا ہے؟'' میں نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

اس وقت ہم لوگوں کی بھیڑ میں سے گزر رہے تھے اس لیے میں نے بھی چاؤفان کی طرح ڈان کا نام لینے سے گریز کیا تھا۔ مجھے تجربہ ہوچکا تھا کہ اس بارے میں کسی بھی بے احتیاطی پر چاؤفان ایک دم تو بدل سکتا تھا۔

''دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے جواب دیا ''یہ میرا اندازہ ہے' تمہارے کارناموں نے اس کی توقعات میں اضافہ کردیا ہے۔''

''تمہیں پچھلی شام کو پیش آنے والے ناخوشگوار واقعے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟'' چند ثانیوں تک خاموشی رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''کیسا واقعہ..... کیا ہوا تھا؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔

''جب میں تمہاری گاڑی میں بڑے آدمی کے ساتھ شہر کی سڑکوں پر گھوم رہا تھا تو سامنے نام کی ایک عورت نے ہوٹل پہنچ کر میری بیوی کو پریشان کیا تھا۔''

''کیا اس عورت نے تمہاری عورت کو اپنا یہی نام بتایا تھا؟'' میری بات سن کر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے۔

اس کی زبان سے غزالہ کے لیے عورت کا لفظ سن کر مجھے سخت تاؤ آیا لیکن میں اپنا غصہ پی گیا۔ میں نے اس بارے میں اسے تفصیل سے سمجھایا تھا لیکن وہ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ میرے ایما پر اپنی گفتگو کا بے ساختہ قرینہ بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔

''وہ لیڈی پولیس افسر بن کر آئی تھی' اس کا اصل نام بڑے آدمی نے بتایا ہے۔''

''تمہاری اس سے بات ہو گئی ہے تو سب ٹھیک ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا ''سامنے اس کی خاص اور چہیتی ورکر ہے۔ وہ کسی کام سے وہاں گئی ہو گی۔''

ڈان کا ذکر آ جانے کے بعد اس نے اس قصے میں زیادہ دلچسپی نہیں لی' نہ یہ جاننے کی کوشش کی کہ وہ پولیس افسر کے بھیس میں وہاں کیوں آئی تھی۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

''ماسٹر! ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' کچھ دیر تک خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے سکوت توڑتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے؟'' میں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''تم ایک طرف چلے جا رہے ہو۔ رفتہ رفتہ ہم ویرانے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ تم پردیسی ہو۔ یہ علاقہ تمہارے لیے نیا ہے۔ سناٹے میں ٹھگوں کی کسی ٹولی سے سامنا ہو گیا تو ہم دونوں لٹ جائیں گے۔ مزید آگے جانا مناسب نہیں ہے۔''

دن دیہاڑے ٹھگوں کے ہاتھوں لٹنے کا تصور بہت توہین آمیز تھا لیکن چاؤ فان چکنا گھڑا تھا' اس نے بہت بے فکری سے وہ امکان ظاہر کر دیا تھا۔ میں نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر کہا ''میں بھی یہاں اسی مقصد سے آیا ہوں جس کا تم ذکر کر چکے ہو۔''

وہ خوش ہو گیا ''ہم دونوں ایک جیسے انداز میں سوچتے ہیں' اسی لیے بڑا آدمی ہم سے بہت خوش ہے۔ آؤ کہیں بیٹھتے ہیں۔ میں تمہیں اپنی کارگزاری سناؤں گا۔''

اس وقت تک ہم پورٹ کے پرہجوم علاقے سے دور نکل آئے تھے۔ ہمارے آس پاس سے اِکّا دُکّا آدمی گزر رہے تھے۔

چاؤ فان نے چلتے چلتے کسی اونٹ کی طرح اپنا سر گھما کر قرب و جوار کا جائزہ لیا پھر اچانک داہنی طرف مڑ گیا جہاں ایک چھوٹا سا' اجڑا ہوا پارک نظر آ رہا تھا۔

پارک اپنی زبانِ حال سے اپنے رکھوالوں کی غیر ذمے داری کی کہانی سنا رہا تھا۔ زرد اور خشک گھاس پر چلتے ہوئے ہم ایک تناور درخت کے سائے میں نصب آہنی بنچ پر جا بیٹھے۔ وہ خستہ حال پارک تقریباً ویران تھا۔ کہیں کہیں چند آوارہ گرد مقامی' درختوں کے سائے میں بیٹھے یا لیٹے ہوئے نظر آ رہے تھے جنہیں ہم سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

''اب بتاؤ کہ تم یہاں کیسے آئے!'' بنچ پر بیٹھتے ہی چاؤ فان نے سوال کیا۔

''میں وائٹ ہاک کا جائزہ لینے آیا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے' رسانیت سے کہا ''راجن کے پیر اکھاڑنے کے لیے اس بوٹ پر کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔''

''ماسٹر! تم کمال کی باتیں سوچتے ہو۔ میں بھی اسی بوٹ کی خیر خبر لینے کے لیے آیا تھا۔'' اس نے پُرجوش لہجے میں کہا ''مجھے سن گن ملی ہے کہ ایک دو روز میں چھوٹا راجن کا وہ بحری کلب چند دنوں کے لیے بند ہونے والا ہے۔''

''کیوں..... اسے بند کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سنا ہے کہ اسے مرمت اور دیکھ بھال کے لیے بند کیا جا رہا ہے۔ ابھی تک ان خبروں کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ میں اس چکر میں لگا ہوا تھا کہ تم نظر آ گئے۔''

''تم نے بتایا تھا کہ وہ بہت شان دار اور نئی بوٹ ہے۔ اس میں مرمت کی ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔''

''میں نے کہا نا کہ ابھی مجھے ابتدائی خبریں ملی ہیں' ان کی تصدیق باقی ہے۔''

''اگر عیاشی کا وہ اڈا چند روز کے لیے بند کیا جا رہا ہے تو اس سے ہمیں کیا حاصل ہو گا؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

''ماسٹر! تم ہی نے تو کہا تھا کہ وائٹ ہاک کو اڑایا تو اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ساتھ بہت سے بے گناہ لوگ مارے جائیں گے۔ اب موقع ملنے والا ہے۔''

''اسے گاہکوں کے لیے بند کیا جائے گا' عملہ تو موجود رہے گا۔''

''ہوٹل کا دھندا بہت گندا ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے وہ کھلے رہتے ہیں۔ جب ہر جگہ چھٹی ہوتی ہے تو وہاں کاروبار چمک اٹھتا ہے۔ یہی حال وائٹ ہاک کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ عملے کو بھی چھٹی دے دی جائے گی۔ وہاں گنتی کے دو چار آدمی رہ جائیں گے۔''

''تمہارے یہ اندازے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ ایک نئی بوٹ پر ایسا کیا کام ہوسکتا ہے کہ اس کے لیے کئی دنوں تک سارا کام ٹھپ کر دیا جائے۔''

''ماسٹر! یہ میرے اندازے نہیں' سنی سنائی باتیں ہیں۔ یہاں آ کر میں نے اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ کام کی جگہوں میں جھانکتا پھرا ہوں۔''

''اگر یہ اطلاعات درست ہیں تو پھر وائٹ ہاک پر کوئی اور کھیل کھیلا جانے والا ہے۔ میں اس کی مرمت اور دیکھ بھال کے ڈھکوسلے کو نہیں مانتا۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے متجسس لہجے میں دریافت کیا۔

''راجن عورتوں کی اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اس کے اڈے عورتوں کے زور پر چلتے ہیں۔ بے بی کلب اس کی چھوٹی سی مثال ہے۔ وائٹ ہاک کی ساری کشش بھی وہاں پائی جانے والی عورتوں کی وجہ سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سمندری راستے سے عورتوں کی کوئی نئی کھیپ وائٹ ہاک پر لائی جا رہی ہو.....''

''ہوسکتا ہے کہ یہی ہونے والا ہو۔'' اس نے میری بات کاٹ کر پُرجوش لہجے میں کہا ''آج کل پورے تھائی لینڈ میں ہر قسم کی اسمگلنگ کے خلاف زبردست مہم چل رہی ہے۔ کسٹم والوں نے فوج کی مدد سے ساری زمینی اور بحری سرحدیں سیل کی ہوئی ہیں۔ خریدی اور اغوا کی ہوئی عورتوں کو یہاں لا کر فروخت کرنا' چھوٹا راجن کا سب سے بڑا کاروبار ہے۔ وہ خود بھی عورتوں کا رسیا ہے۔ اس کے لیے یہ آسان ہوگا کہ رات کے اندھیرے میں کوئی لانچ کھلے سمندر میں عورتوں کی کھیپ وائٹ ہاک پر اتار دے۔ وہاں سے ایک ایک کر کے انہیں شہر میں پہنچا دیا جائے۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے تم یہ معلوم کرو کہ تمہیں ملنے والی خبروں میں کتنی صداقت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ فوج وغیرہ کی مہم کی وجہ سے راجن اپنا پروگرام کسی مناسب وقت کے لیے ملتوی کر دے۔ ایسی صورت میں ہمیں کچھ اور سوچنا ہوگا۔''

''وہ اس مہم کی پروا نہیں کرے گا۔'' چاؤفان نے وثوق سے کہا ''تمہیں اس کے اثر رسوخ کا اندازہ نہیں ہے۔ کوئی بھول کر بھی وائٹ ہاک کا رخ نہیں کرے گا۔ عورتوں کی کھیپ لانے والی لانچ راستے میں پکڑی جائے تو اور بات ہے، وائٹ ہاک کے قریب کوئی اسے نہیں چھیڑے گا۔''

میں نے چاؤفان کی خیال آرائی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے راجن کی سرگرمیوں کے پیش نظر، عورتوں کی اسمگلنگ کی بات روا روی میں کہہ دی تھی جسے چاؤفان نے بہت سنجیدگی سے پکڑ لیا تھا۔

وہ ایک امکان ضرور ہوسکتا تھا لیکن لازم نہیں تھا کہ راجن کا منصوبہ وہی رہا ہو۔ وہ بنکاک میں ہر قسم کے غیر قانونی دھندوں کا بادشاہ بنا ہوا تھا۔ غیر ضروری طور پر وائٹ ہاک کو چند دنوں کے لیے ویران کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے اعتماد کے چند آدمیوں کی موجودگی میں وہاں کوئی غیر قانونی کام سرانجام دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ کام کی نوعیت کے بارے میں پہلے سے کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم خاموش کیوں ہو گئے..... کیا سوچ رہے ہو؟'' مجھے خاموش پا کر چاؤفان نے ٹوکا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اطمینان سے ایک سگریٹ سلگائی اور اس کا گہرا کش لے کر کہا۔ ''میری زبان خارش کے مرض سے قطعی محفوظ ہے۔''

وہ بھونڈے انداز میں ہنس پڑا ''ماسٹر! تم خوب چوٹ کرتے ہو۔ تمہاری کڑوی کسیلی باتیں سن کر بھی طبیعت بے مزہ نہیں ہوتی۔ کیا تم نے مجھے کبھی زبان کھجاتے ہوئے دیکھا ہے؟''

''زبان کی خارش کھجانے سے نہیں، بولتے رہنے سے دور ہوتی ہے۔''

''تم بھی بولتے رہا کرو!'' اس نے مجھے مشورہ دیا۔ ''تم خاموش ہوتے ہو تو مجھے پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ پتا نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''اگر میں تمہاری بات درست مان لوں تو ہم دونوں یہاں اپنے اپنے کام سے آئے ہیں۔ ہم دونوں کے کام ابھی ادھورے ہیں.....''

''ماسٹر! درست ماننے کی بات نہ کرو، میں نے تمہیں بتایا ہے۔'' اس نے احتجاج کیا ''میری کارکردگی میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دعوے کو ثابت کرتی ہے۔''

''چلو، یوں ہی سہی!'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''مجھے وہ راستہ بتا دو جو مجھے ساحل پر پہنچا دے میں اپنی آنکھوں سے وائٹ ہاک کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔''

''وہ لوگ ہر تھوڑے دنوں بعد لنگر اٹھا کر اپنی جگہ بدل لیتے ہیں۔ آج کل وہ ساحل سے نظر آ رہی ہے۔ تم صحیح رخ پر جا رہے تھے۔ آگے ویران سمندری کھاڑیوں سے دور تک کا منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔ تم چاہو تو ہم گھاٹ سے کرائے کی بوٹ لے کر ادھر کا چکر لگا سکتے ہیں۔''

اس کی تجویز نے مجھے چونکا دیا۔ اس سے بہتر صورت کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ مجھ سے ٹکرا ہی گیا تھا تو مجھے اس ملاقات سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ ڈان کے لیے یہ خبر کافی اطمینان بخش ہوتی کہ میں بہ نفس نفیس راجن کے بحری قید خانے کا جائزہ لے چکا ہوں۔

''ایسا کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ اس کے ننھے سے دماغ کو اونچی پرواز سے روکے رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی اچھی سے اچھی بات کو بھی زیادہ اہمیت نہ دی جائے میں ابتدا سے اس اصول پر کار بند رہا تھا۔

''اب ہمیں واپس جانا ہوگا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''پرائیویٹ کشتیاں وغیرہ دوسری طرف کھڑی ہوتی ہیں۔ وہ راستہ گودی کے برابر سے جاتا ہے۔''

ہم دونوں واپس چل دیے۔ میں نے راستے میں اسے احتیاطی تدابیر کے بارے میں یاد دلایا تو اس نے بے فکری سے بتایا کہ سمندر میں بہتیرے لوگ تفریحی چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کوئی ہم دونوں کی بوٹ پر شبہ نہیں کرے گا۔ بنکاک کا ساحل ناہموار اور گندا ہونے کی وجہ سے لوگ وہاں پیرا کی سے گریز کرتے ہیں۔ سارا زور کشتیوں اور موٹر بوٹس میں سیر کرنے پر ہوتا ہے۔ نہانے کے شوقین پتایا کے طویل اور صاف ستھرے ساحل کا رخ کرتے ہیں جو بنکاک سے زیادہ مسافت پر نہیں ہے۔

ہم ایک مرتبہ پھر گودی کے بیرونی علاقے سے گزرے جہاں مزدوروں اور دوسرے متعلقہ لوگوں کا ایک سیل رواں نظر آ رہا تھا۔ گودی کے دیو ہیکل فولادی پھاٹک سے کافی آگے، احاطے کی دیوار کے ساتھ ایک سڑک سمندر کی طرف جا رہی تھی، چاؤ فان اسی پر ہو لیا۔

موڑ سے وہ سڑک گودی کے احاطے سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہ مسافت خاصی طویل تھی۔ تیز دھوپ میں پیدل چلنا مجھے ناگوار گزر رہا تھا لیکن چاؤ فان کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے کوئی حرفِ شکایت زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھا۔

ساحل کے ساتھ تعمیرات کا سلسلہ نظر آیا تو چاؤ فان نے بتایا کہ وہ بنکاک کے مہنگے بوٹ کلب تھے جہاں ممبروں کو کھلے سمندر میں تفریح کے لیے ساری سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ ان وسیع و عریض اور شان دار عمارتوں کے درمیان سے گزر کر ہم بنکاک کے عوامی گھاٹ پر پہنچ گئے جہاں متعدد موٹر بوٹس اور بادبانی کشتیاں پانی کی متلاطم سطح پر ہچکولے کھا رہی تھیں۔

میں نے وہیں سے دیکھ لیا کہ اس وقت بھی کھلے سمندر کے سینے پر متعدد کشتیاں رواں تھیں۔ ایک طرف بندرگاہ میں کھڑے ہوئے دیو ہیکل جہازوں کی قطار نظر آ رہی تھی جن میں سے بعض کی چمنیوں سے دھواں خارج ہو رہا تھا۔ ان جہازوں کے عرشوں پر چلتے پھرتے ہوئے ملاح اور خلاصی، دور سے کھلونوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

ہمیں گھاٹ کی طرف آتا ہوا دیکھ کر کئی افراد ہماری طرف لپکے۔ سمندر سے اپنی روزی کمانے والے وہ ملاح ان پڑھ تھے لیکن انگریزی کے چند الفاظ سے واقف تھے۔ انہوں نے چاؤ فان کو گائیڈ سمجھ کر یکسر نظر انداز کر دیا، میری ذات ان کا ہدف تھی۔

چاؤ فان نے فضا میں ہاتھ لہرا کر تیزی سے ان سے کچھ کہا۔ وہ صلح جو لوگ تھے۔ ان کی پیش قدمی رک گئی۔ چاؤ فان نے بڑھ کر ایک ادھیڑ عمر شخص سے کچھ مذاکرات کیے اور مول تول ہو جانے کے بعد ہم اس کی رہنمائی میں گھاٹ کی طرف بڑھ گئے۔

اس کی چھوٹی موٹر بوٹ پختہ گھاٹ سے خاصی دور تھی۔ ہم ہچکولے لیتی ہوئی کئی کشتیوں پر سے ہوتے ہوئے اس صاف ستھری بوٹ پر پہنچ گئے۔

چند منٹ بعد انجن اسٹارٹ ہوا اور راستہ کھلنے کے بعد بوٹ کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ''مجھے ابھی تک سفید لانچ کہیں نظر نہیں آئی۔'' کچھ دیر بعد میں نے چاؤ فان سے کہا۔

''وہ ان دنوں دوسرے رخ پر لنگر انداز ہے۔ آگے بڑھیں گے تو وہ نظر آ جائے گی۔''

چاؤ فان ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے ملاح سے سمندر کی سیر کا سودا کیا تھا۔ وہ ہمیں گودی میں لنگر انداز جہازوں کے قریب سے گھماتا ہوا سمندر کی طرف نکلا تو کچھ دیر بعد مجھے وائٹ ہاک نظر آ گئی۔ اس کے بارے میں مجھے چاؤ فان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اپنے نام کی مناسبت سے وہ نیچے سے اوپر تک بالکل سفید تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو ایک چھوٹا بحری جہاز معلوم ہو رہا ہے۔ تم بلاوجہ اسے لانچ کہتے ہو۔'' میں نے چاؤفان سے کہا۔

کچھ دیر تک سمندر میں لہروں کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے بعد چاؤ فان نے اپنے ملاح کو وائٹ ہاک کی طرف چلنے کے لیے کہا تو دونوں میں بحث شروع ہوگئی۔ بعد میں اس نے بتایا کہ وہ ادھر جانے سے ہچکچا رہا تھا۔

رفتہ رفتہ ہم وائٹ ہاک سے قریب ہوتے گئے۔ پھر مجھے وہ مسلح گارڈ نظر آنے لگے جو راجن کی لانچ کے عرشے پر ٹہل کر اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔

اس وقت ہمارے آس پاس دوسری کوئی بوٹ نہیں تھی۔ شاید ملاح عام طور پر وائٹ ہاک سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔

رفتہ رفتہ اس لانچ کا نقشہ واضح ہونے لگا۔ ہماری بوٹ سمندری لہروں کے ساتھ زیروبم سے گزر رہی تھی۔ ساحل ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن بندرگاہ پر کھڑے ہوئے جہازوں اور دیوہیکل کرینوں کے اوپری حصے ہمیں دکھائی دے رہے تھے۔

میں نے دیکھا کہ وائٹ ہاک کے عرشے پر موجود دو محافظوں نے ٹہلنے کا عمل ترک کر دیا تھا اور وہ ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر مسلسل ہماری بوٹ کا جائزہ لے رہے تھے۔

ہمارے بوٹ پائلٹ نے مڑ کر چاؤفان سے کچھ پوچھا اس نے اسے تسلی دی اور ہماری بوٹ کا رخ قدرے تبدیل ہوگیا۔ وہ وائٹ ہاک کی طرف جانے کے بجائے اس کے گرد گھومنے کی پوزیشن لے رہی تھی۔

اچانک ان دونوں میں سے ایک محافظ اپنے حلق کے بل چیخا۔ لہروں کے دھیمے شور میں اس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ وہ یقینی طور پر ہمیں واپس لوٹنے کا حکم دے رہا تھا۔

ہمارے ملاح کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ چاؤفان سے تیزی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر وائٹ ہاک کے عرشے سے ایک فائر ہوا۔ گولی ہمارے اوپر سے گزر کر سمندر میں کہیں گم ہوگئی۔ وہ پیغام ضرورت سے زیادہ واضح تھا۔ وائٹ ہاک والے ہمیں واپس لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔ تاخیر کی صورت میں وہ براہِ راست ہم پر بھی گولی چلا سکتے تھے۔

فائر ہونے کے بعد مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ملاح نے اتنی تیزی کے ساتھ بوٹ کو واپسی کے لیے گھمایا کہ میں دہل کر رہ گیا۔ ملاح کی بوکھلاہٹ کے نتیجے میں ہماری بوٹ الٹ کر ڈوب سکتی تھی۔

وائٹ ہاک کے عرشے سے کسی نے چیخ کر پھر کچھ کہا۔ اس بار اس کا پیغام قدرے طویل تھا۔ میں نے مستفسرانہ انداز میں چاؤفان کی طرف دیکھا تو اس نے بتایا کہ وہ سنگین دھمکی دے رہے تھے۔ ''دوبارہ ادھر نظر آئے تو ہم بوٹ غرق کر دیں گے۔''

اس سخت اور جارحانہ پیغام سے صاف ظاہر تھا کہ راجن اور اس کے آدمیوں کو مقامی قانون کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ کھلے سمندر کے سینے پر بھی انہوں نے اپنی جاگیر قائم کی ہوئی تھی جہاں سے دوسرے کو گزرنے کا بھی حق نہیں تھا۔

سمندر میں تقریباً ایک گھنٹا گزار کر ہم واپس گھاٹ پر آ گئے۔ باہر خالی ٹیکسی موجود تھی میں نے چاؤفان کو پیش کش کی کہ وہ میرے ساتھ چلے اور گودی کے دروازے پر اتر جائے لیکن اس نے خوش دلی سے انکار کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ گھاٹ پر موجود ملاحوں کی بھیڑ میں گھل مل کر وہ اپنا کام بہتر انداز میں کر سکے گا۔

میں نے اسے الوداع کہا اور وہاں سے واپس ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا۔

میرے ذہن میں وائٹ ہاک کو نشانہ بنانے کا مبہم سا خیال موجود تھا۔ میں اسی رو میں ساحل سے اس لانچ کا جائزہ لینے کے لیے اس طرف آیا تھا۔ دوسرا خیال وہی تھا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو تو وہ ڈان کو یہ خبر پہنچا دے کہ میں راجن کے پیچھے لگ گیا تھا۔

چاؤفان نے اپنی صفائی پیش کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ میری روانگی کے بعد اس نے پورٹ پر رک کر ثابت کرنا چاہا تھا کہ وہ واقعی کام میں مصروف تھا لیکن اس کے بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہو سکا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ میرا پیچھا کرتا ہوا گودی تک پہنچا تھا۔

اس نے اچانک میرے سامنے آ کر مجھے حیران کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ میں حیرانی سے زیادہ فکر و تشویش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اس کی موجودگی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے وائٹ ہاک کا قریب سے جائزہ لے کر ان کے حفاظتی بندوبست کا تجربہ بھی کر لیا۔ دن کی روشنی میں ان محافظوں کی مستعدی قابلِ رشک تھی۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ اجالے میں کوئی بھی ان کی مرضی کے بغیر وائٹ ہاک کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔

راجن نے اس لانچ پر نائٹ کلب قائم کیا ہوا تھا۔ اپنے دھندے کے اوقات میں وہ حفاظتی انتظامات سے غافل نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوسکتا تھا۔ سمندر کی سمت میں روشن کی جانے والی چند سرچ لائٹس رات کے گھور اندھیرے میں بھی محافظوں کی ان حدود کی پاسبانی میں مدد دینے کے لیے کافی ہوتیں۔

وائٹ ہاک سمندر کے سینے پر تیرتا ہوا ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جہاں صرف راجن کا راج تھا۔ پانی کی سطح سے گزر کر اس لانچ تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ اسے نقصان پہنچانے کے لیے صرف زیرِ آب کارروائی کامیاب ثابت ہوسکتی تھی۔

پہلے میرے دماغ میں اس لانچ کو تباہ کرنے کا خیال راسخ نہیں تھا۔ لانچ پر ہر وقت موجود رہنے والے بھاری عملے کی تباہی کے تصور نے مجھے ان خطوط پر کسی پیش رفت سے روکا ہوا تھا۔ چاؤفان کی زبان سے وائٹ ہاک پر ہونے والی متوقع تعطیلات کا ذکر سنتے ہی میری وہ خواہش دوبارہ ابھر آئی تھی۔ وائٹ ہاک راجن کی طاقت اور بڑائی کی علامت تھی۔ اس کو غرقاب کرکے راجن کی کمر توڑی جاسکتی تھی۔ اس پر رہنے والے چند لوگ اگر لانچ کے ساتھ لقمۂ اجل بن جاتے تو مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ وہ یقینی طور پر وہی لوگ ہوتے جو راجن کے کالے دھندوں میں اس کے قریبی معاون تھے اور ہر پیمانے سے موت کے سزاوار تھے۔

میں ان ہی خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی نے تیز رفتاری سے طویل مسافت طے کرکے مجھے ہلٹن ہوٹل کی حدود میں پہنچادیا۔

میں ہوٹل کے صدر دروازے سے گزر کر اندر داخل ہوا تو مجھے اسد ایک صوفے سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ وہ ایسی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا جہاں سے ہوٹل میں آنے والوں پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ اس کی ہوٹل میں موجودگی کا مطلب تھا کہ وہ کافی دیر سے وہاں بیٹھا میرا انتظار کررہا تھا۔

اس کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ غزالہ بھی وہیں صوفے پر براجمان تھی۔

اسد جب بھی میرے پاس آتا، ہوٹل کی لابی سے انٹر کام پر رابطہ کرتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے اجازت لیے بغیر میرے کمرے کے دروازے پر آگیا ہو۔ میں کمرے میں نہیں تھا۔ وہ نیچے رک کر میری واپسی کا انتظار کرنے لگا، غزالہ اخلاقاً اس کے پاس آگئی۔

''خیریت ہے..... آج صبح سویرے کہاں نکل گئے تھے!'' اس نے مجھ سے ہلکا سا معانقہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہاری قمیص پسینے میں تر ہورہی ہے۔''

''گودی کی طرف چلا گیا تھا..... آؤ اوپر چلتے ہیں۔ یہاں ڈھنگ سے بات نہیں ہوسکے گی۔''

اس کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم پھیل گیا۔ ہم تینوں لفٹ کی طرف ہولیے۔

''مجھے بھائی سے ڈان کے دوغلے پن کا پتا چلا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہ رہا ہے؟'' اس نے کمرے میں پہنچتے ہی متاسفانہ لہجے میں پوچھا۔

''اسے میرے ذریعے اپنے خواب پورے ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔ ''اس مرحلے پر وہ کوئی رسک لینے کے موڈ میں نہیں ہے۔ مجھے ہر طرف سے گھیر کر اپنے قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے الٹی سیدھی حرکتیں کررہا ہے۔''

''تم گودی کی طرف کیوں گئے تھے..... وہ اچھا علاقہ نہیں ہے۔''

''اس وقت تم بزرگانہ انداز میں باز پرس کررہے ہو۔'' میں نے کہا اور قدرے سکوت کے بعد ان دونوں کو اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔

''ڈان اور چاؤفان۔ یہ دونوں جونک بن کر تمہاری جان کو لپٹ گئے ہیں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

''تمہارا شبہ بالکل درست ہے۔ چاؤفان نے تمہارا تعاقب کیا ہوگا۔''

''لیکن اس کے پاس وائٹ ہاک کے بارے میں کئی خبریں تھیں۔'' غزالہ نے اعتراض کیا۔ ''وہ ان کا پیچھا کررہا تھا تو اسے اتنا وقت کیسے مل گیا کہ وہ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔''

اسد نے لاجواب ہوکر بے بسی سے میری طرف دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ باتیں اسے پہلے سے معلوم ہوں۔ موقع دیکھ کر اس نے وہ اپنی تازہ کارکردگی کے طور پر سنادی ہوں۔''

''اب تمہیں ہر وقت ہوشیار رہنا ہوگا۔'' اسد بولا۔ ''مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اب راجن خود ہمارے جال میں آرہا ہے تم اس کا قصہ پاک کردو تاکہ تم کو ڈان سے نجات ملے۔ ایک بار پاسپورٹ ہاتھ میں آجائیں تو تمہیں بلا تاخیر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ راجن ہمارے جال میں آرہا ہے۔''

''ابھی تم نے زیرِ آب کارروائی کا ذکر کیا ہے۔''

''سوچنا آسان ہے، اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا کیا اس سلسلے میں تم کوئی مدد کرسکو گے؟'' میں نے پوچھا۔

''اچھا ہوا کہ میں شروع سے الگ رہا۔ میں دور رہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہاری ہر طرح مدد کر سکتا ہوں۔ عملی طور پر تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ راجن، ڈان کا شکار ہے۔ وہ تم کو ہر قسم کے وسائل فراہم کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔''

''میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔ اتنی سی بات پر یہ خوش فہمی مناسب نہیں کہ ہم راجن کو اپنے جال میں آتا ہوا سمجھ لیں۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اس سے تمہاری ملاقات کی راہ نکال لی ہے تو تم کیا کہو گے؟'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھنا ہوگا کہ ملاقات کہاں اور کن حالات میں ہوتی ہے۔'' میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''کیا اس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا ہے۔''

''کل رات اس کا ایک آدمی میرے پاس آیا تھا۔'' اسد کا وہ انکشاف سنتے ہی میں اپنی جگہ پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''راجن کی خواہش ہے کہ میں فوری طور پر اس سے ملوں۔''

''اوہ!'' میں نے بے ساختہ اپنی حیرت ظاہر کی ''تم نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ وہ پہلے سے تم کو جانتا ہے۔''

''میری اس سے کوئی شناسائی نہیں ہے۔ وہ آدمی اچانک آیا تھا۔'' اسد نے وضاحت کی۔

''تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ وہ تم سے کس حیثیت سے ملنا چاہتا ہے۔'' غزالہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اسے معلوم تھا کہ میں بنکاک میں اپنے محکمے کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ راجن کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہے۔ اس کے لیے یہ باتیں معلوم کرنا مشکل نہیں تھا۔ میں حیران ہوں کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔''

''وہ تم سے میرا سراغ معلوم کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔ ''کل شام میں نے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر اس سے بات کی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنا قاصد تمہاری طرف بھیجا ہوگا۔''

''میں تمہاری اور اس کی گفتگو سے ابھی تک بے خبر ہوں اس نے دیدہ دلیری کے ساتھ مجھ سے رجوع کیا ہے تو اس کے کچھ نہ کچھ محرکات بھی رہے ہوں گے۔''

میں نے اسے راجن سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

''تم نے اس سے بہت بڑا مطالبہ کیا ہے۔ وہ مر جائے گا مگر یہاں سے پسپا ہونے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اس نے تم سے وقت خریدا ہے۔ مجھ سے رابطہ کر کے اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اب وہ ہر قیمت پر تم تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ پہل کرنے والا یہ لڑائی جیت جائے گا۔''

''تم اس سے میری ملاقات کا ذکر کر رہے تھے۔ وہ کیا قصہ تھا؟''

''میں نے اس کے آدمی سے کہہ دیا ہے کہ میں تنہا راجن سے نہیں مل سکتا۔ میرا ایک معاون ضرور میرے ساتھ ہوگا۔ یہ شرط عائد کرتے ہوئے میرے ذہن میں تمہارا نام تھا۔''

''نہیں، میں اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی۔ ''ابھی تم خود کہہ رہے تھے کہ وہ بہت باخبر آدمی ہے۔ اسے یہ معلوم ہوگا کہ تم یہاں اپنے محکمے کے اکلوتے نمائندے ہو۔ یہاں تمہارا ساتھی کون ہو سکتا ہے۔ اسے ذرا بھی شبہ ہو گیا تو یہ مشکل میں پڑ جائیں گے۔''

''میں نے گنجائش نکالی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تم میرے ساتھ جاؤ۔'' اسد نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اپنی ذات کو اس کے شک و شبہے سے بالا رکھنا تمہارا کام ہوگا۔''

''کیا تم نے یہ یقین کر لیا تھا کہ یہاں آتے ہوئے تمہارا پیچھا نہیں کیا گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میری ساری زندگی ایسے کھیلوں میں گزری ہے۔'' وہ بولا ''گھر سے قدم باہر نکالنے سے پہلے میں نے اس امکان کو ذہن میں رکھا تھا۔ باہر اس کا آدمی موجود تھا۔ آج کل میں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہتا ہوں۔ مارکیٹ کے علاقے میں، میں اسے جل دینے میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد میں نے تمہارے ہوٹل کا رخ کیا تھا۔''

''تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔''

''یہ جبری فیصلہ ہے جو مجھے کرنا پڑا۔ وہ یہاں کا طاقت ور آدمی ہے۔ میرے انکار کی صورت میں میرے خلاف کوئی بھی ایکشن بن سکتا ہے۔ وہ اخباری نامہ نگاروں سے پولیس افسران تک کسی کو بھی خریدنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''

''میرا بھی یہی مشورہ ہوتا۔ اس سے ضرور ملو مگر اپنے دفتر میں، تمہارے لیے موتی محل میں جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ ''تمہارے دفتر میں کتنے کمرے ہیں۔''

''ایک ہی کمرا ہے۔ اس سے ملا ہوا باتھ روم اور چھوٹا سا کچن ہے۔ تم کیا سوچ رہے ہو؟''

''وہاں میرے لیے کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کچن اور باتھ روم پر دو چھتی بنی ہوئی ہے۔ وہاں تم آرام سے چھپ سکتے ہو لیکن اس طرح تم کیا کر سکو گے۔''

''وہ کمینہ آدمی ہے۔ تمہارے تحفظ کے لیے کسی نہ کسی کا ہونا ضروری ہے۔ بات بگڑتی ہوئی نظر آئی تو میں نتائج کی پروا کیے بغیر سامنے آجاؤں گا۔''

''مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔'' غزالہ کمزور آواز میں بولی ''اس کے ساتھ کھلا تصادم ہم تینوں کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔''

''بھابی کا خیال درست ہے۔'' اسد نے اس کی تائید کی ''میرے جانے یا اس کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ آیا تو اس کے ساتھ محافظوں کا ٹولا بھی ہوگا۔ ان میں سے کسی کو دو چھتی کا خیال آ گیا تو تم بے بسی سے دو چار ہو جاؤ گے۔''

اس کا اندیشہ درست تھا۔ میں جوش میں آ کر یہ فراموش کر گیا تھا کہ راجن ہر وقت محافظوں کے نرغے میں رہنے کا عادی تھا۔ وہ اکیلا ہوتا تو میں اس سے نمٹ سکتا تھا۔ محافظوں کی مسلح بھیڑ سے نمٹنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

سوبھراج کی موت اور پھر موتی محل میں بم کا دھماکا ہونے کے بعد یہ توقع بے سود تھی کہ راجن اپنی کمین گاہ سے تنہا باہر نکلنے کی ہمت کر سکے گا۔

''بہتر یہی ہے کہ فی الحال مزاحمت کا خیال دل سے نکال دیا جائے۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد میں نے کہا ''ہم اس کی تجویز کے مطابق اس سے مل لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''اگر اس نے آپ کو پہچان لیا تو کیا ہوگا؟'' غزالہ نے پرتشویش انداز میں کہا۔

''یہی میری اب تک کی کامیابیوں کا راز ہے کہ کوئی مجھے نہیں پہچان سکتا۔ میں حتی الامکان اپنی زبان بند رکھوں گا۔ میں قریب سے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ میری دھمکی کے بعد اس میں کتنا دم خم باقی رہ گیا ہے۔''

''اتنی سی بات کے لیے تم بہت بڑا خطرہ مول لو گے!''

''ڈان نے اس سے محاذ آرائی پر مجبور کر دیا ہے تو مجھے قریب سے اس کا جائزہ لینا ہی پڑے گا۔''

پچھلی شام تک سب کچھ پرسکون تھا۔ جب سے میں نے سیٹ لائٹ فون پر راجن سے بات کی تھی' واقعات میں اچانک تیزی آ گئی تھی۔ چاؤ فان نے اپنے طور پر بھاگ دوڑ شروع کر دی تھی' راجن جوابی وار کی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آنے والے ایک دو روز اس معاملے میں فیصلہ کن ثابت ہوں گے۔

''آج شام وہی آدمی مجھ سے رابطہ کرے گا۔'' اسد کہہ رہا تھا ''میں اس سے کیا کہوں؟''

''ملاقات کا وقت اور مقام طے کر کے مجھے بتا دو۔ میں تیار رہوں گا۔''

فیصلہ ہو گیا۔ یہ مناسب نہیں تھا کہ اس ملاقات کے لیے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے اسد میری طرف آتا۔ ہمارا واسطہ ایک چالاک مجرم سے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح راجن یا اس کے آدمیوں کو میرے ٹھکانے کا علم ہو۔ یہ طے ہو گیا کہ میں اس سے کسی طے شدہ مقام پر ملوں گا۔

ہم خاصی دیر تک اس متوقع ملاقات کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کرتے رہے۔ اس دوران میں راجن کے امکانی سوالات کے جواب بھی زیر بحث آئے۔ ان میں... سرفہرست میرا معاملہ تھا۔ اسد کو اس بارے میں اپنی مکمل لاعلمی کا اظہار کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اسد واپس چلا گیا۔

میں نے غزالہ پر اپنی فکرمندی کا سایہ نہیں پڑنے دیا لیکن اندر سے میں مضطرب تھا۔ راجن نے اسد سے رابطہ کر کے معاملات کو بہت زیادہ الجھا دیا تھا۔ اس وقت راجن اور ڈان ایک چکی کے دو پاٹ بنے ہوئے تھے جن کے درمیان ہم کسی بھی وقت بری طرح پس سکتے تھے۔

تین بجے میرے کراچی والے موبائل فون پر جلال کی کال آ گئی۔

خیر خیریت کے تبادلے کے بعد اس نے پاسپورٹوں کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے اسے ڈان کا حتمی فیصلہ سنا دیا ''وہ مجھ سے بہت خوش ہے لیکن پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ راجن کے خاتمے کے بعد ملیں گے۔''

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟'' جلال نے سوال کیا۔

''میرے سوچنے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ تمہاری خواہش پوری ہوگی اور مجھے راجن کے فتنے سے نمٹنا ہوگا۔ اس معرکے میں زندگی رہی تو ملاقات ہوگی۔''

''مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ تم اس سے بڑے معرکے سر کر چکے ہو۔ اللہ نے چاہا تو تم اس مقابلے میں بھی سرخ رو رہو گے۔''

''دعائیں اور بددعائیں اس قدر کارگر ہوتیں تو میں ابھی سے راجن کو کوسنا شروع کر دیتا۔''

''یہ دلوں کا معاملہ ہے۔ ہم ہونٹ ہلاتے ہیں لیکن دل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہماری دعاؤں کا ساتھ نہیں دیتے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی ہر دعا اور بددعا اثر رکھتی ہے۔''

''مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔ میرا رواں رواں راجن کی تباہی کے لیے دعا گو ہے۔''

''راجن نے سوبھراج کی شناخت نہ بدلی ہوتی تو اس وقت میں تمہارے پاس ہوتا۔ کل تک اسد بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ وہ.....''

''کیوں.....؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے سوال کیا ''کیا تم نے اسے معطل کر دیا ہے؟''

''نہیں۔ بنکاک میں اس کے تقرر کو دو سال پورے ہو چکے ہیں۔ اسے واپس بلایا جا رہا ہے۔ رات کو اسے آرڈر فیکس کر دیا جائے گا جو وہ صبح دیکھ لے گا۔ اس بارے میں تم اس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''کیا اس حکم کو کچھ دنوں کے لیے ٹالا نہیں جا سکتا تھا؟''

''تقرر اور تبادلے اپنے روٹین کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔''

''میرے لیے یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ اس سے میری ذہنی ہم آہنگی ہو گئی تھی۔ اس کی جگہ آنے والا میرے کسی کام نہیں آ سکے گا۔''

''یہ بات میں بھی سمجھتا ہوں' ہر آنے والے کو اپنے قدم جمانے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اسے میرا مشورہ ماننے کی سزا دی جا رہی ہے۔''

''اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ وہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہوئی تھی۔ کسی تیسرے کو اس کی بھنک بھی نہیں ملی۔ یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک دو۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''اس بے وقت تبادلے سے اسے رنج ہوگا۔ وہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں میرے ساتھ راجن سے ملنے والا ہے۔'' میں نے اسے اس اہم واقعے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

''اس ملاقات کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میرے الفاظ نے اسے چونکا دیا۔

''مجبوری ہے۔ راجن خود اس سے ملنا چاہتا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ اسد سے میرے بارے میں جاننے کی کوشش کرے گا۔''

''یہ کیا کہانی شروع ہو گئی۔ مجھے کچھ تفصیل سناؤ۔'' جلال کی آواز سے بے چینی مترشح تھی۔

''میں اسی لیے کہہ رہا تھا کہ یہ اسد کے تبادلے کا موزوں وقت نہیں ہے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور اختصار کے ساتھ واقعات دہرانے شروع کر دیے۔ میں نے یہ ذکر گول کر دیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ راجن کے بحری اڈے کا جائزہ لے چکا تھا۔

''ہمارے اندازے درست ثابت ہو رہے ہیں۔'' پوری کہانی سن کر جلال مضطربانہ لہجے میں بولا ''سوبھراج کی طرح وہ بھی ایف بی آئی یا سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔ تم نے یکا یک اس پر خطرناک دباؤ ڈالا ہے۔

''.....اسے یقین ہوگا کہ ڈینی بنکاک میں ہے تو وہ اسد سے ضرور ملا ہوگا۔ اس وقت اسے تمہارے سوا کسی اور کی تلاش نہیں ہو سکتی۔''

میں فون پر جلال سے بات کر رہا تھا مگر میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میرے نزدیک یہ بات طے تھی کہ راجن سے ہماری ملاقات ناکام ثابت ہونا تھی۔ اسد سے میرے بارے میں کچھ معلوم نہ ہونے پر راجن کا چراغ پا ہونا قرین قیاس تھا۔ اس کے بعد وہ اسد کا دشمن ہو سکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے بعد اسد بنکاک سے روانہ ہو جاتا تو راجن کی کسی سازش کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس کی جگہ آنے والا آدمی راجن کے لیے نیا ہوتا۔ وہ اسد کا بدلہ اس سے نہیں لے سکتا تھا۔ میرے بارے میں ان خطوط پر اپنا کام جاری رکھنے کے لیے راجن کو نئے آدمی سے از سر نو رابطہ کرنا ہوتا اور بات دور نکل جاتی۔

''اس وقت یہاں کے حالات بہت نازک ہیں۔'' میں نے جلال سے کہا ''افسران بالا نے اسد کے تبادلے کے احکام جاری کر دیے ہیں تو میری ایک گزارش ہے۔ اسے پابند نہ کیا جائے کہ وہ اپنے جانشین کی آمد تک بنکاک میں رکا رہے۔ اسے اپنی صوابدید کے مطابق یہاں سے واپس لوٹنے کی خصوصی آزادی حاصل ہونی چاہیے۔''

''میں ان نزاکتوں کو سمجھ رہا ہوں۔ دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ ضروری ہوا تو میں خود اس سے بات کر لوں گا۔ تم اس سے کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''میری طرف سے بے فکر رہو' میں اس کی سلامتی کے بارے میں فکر مند ہوں' ہو سکتا ہے اس کے تبادلے کا حکم اس کے لیے انعام بن جائے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس نے راجن کے بارے میں ابھی تک کوئی رپورٹ نہیں بھیجی۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی رپورٹ دفتری پروسیس سے گزر رہی ہو۔ یہ کوئی عام معاملہ نہیں ہے۔ تمہیں اس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خصوصی توجہ دینا ہوگی۔''

جلال کی یقین دہانی کے بعد بات ختم ہوگئی۔ وہ تمام تفصیلات اس کے لیے اس قدر پریشان کن ثابت ہوئی تھیں کہ اس نے راجن سے میری ملاقات کے معاملے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

''کیا اسد کا تبادلہ ہو رہا ہے؟'' میرے فارغ ہوتے ہی غزالہ نے سوال کیا۔

''ہاں' جلال بتا رہا تھا کہ آرڈرز جاری ہو چکے ہیں۔ شاید یہ اچھا ہی ہوا۔ راجن کی مخاصمت مول لے کر یہاں رہنا خاصا دشوار ہو سکتا ہے۔''

''آپ سے زیادہ مخاصمت کس نے مول لی ہوگی۔ اسے فون کر کے آپ نے اور زیادہ مشتعل کر دیا ہے۔ اسد اسی وجہ سے اس کی نگاہوں میں آیا ہے۔''

''میری اور بات ہے۔ اس کے لیے مجھ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ اسد ایک شناخت کے ساتھ یہاں رہ رہا ہے' وہ جانا بوجھا آدمی ہے' راجن اس کے ساتھ کوئی بھی گھٹیا حرکت کر سکتا ہے۔''

''اسد چلا گیا تو راجن اس کے جانشین کے پیچھے پڑ جائے گا۔'' وہ بولی۔

''نئے آدمی پر وہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں رکھ سکے گا۔ یہ بات وہ جانتا ہوگا کہ نئے آنے والے کو حالات و واقعات کا رخ سمجھنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ تبادلے کے بہانے اسد کو جان بوجھ کر یہاں سے واپس بلایا گیا ہے تو اس کا ردِعمل ہوگا؟''

''جو بھی ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔ اب مجھے چاؤ فان اور اس کے آدمیوں پر انحصار کرنا ہوگا۔'' میرے موڈ کا اندازہ کر کے غزالہ نے خاموشی اختیار کر لی۔

شام تک چاؤ فان کی طرف سے کوئی خبر نہیں ملی تو میں نے اس کا نمبر ملایا۔ اس نے مایوسی کے ساتھ بتایا کہ گودی کے علاقے میں اپنا آدھا دن برباد کرنے کے باوجود وہ وائٹ ہاک پر لمبی چھٹی کی افواہوں کی تصدیق کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس نے ایک اچھا کام کیا تھا کہ ڈان کو میری سرگرمیوں سے باخبر کر دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ میں وائٹ ہاک کو کسی زیرِ آب کارروائی کے ذریعے تباہ کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے وہ بات مجھے اپنے کارنامے کے طور پر بتائی تھی مگر میں سمجھ رہا تھا کہ اس نے ڈان کو میرا پیچھا کرنے کے بارے میں اپنی رپورٹ دیتے ہوئے ان نکات کا ذکر کیا ہوگا۔ اس کی طرف سے میرا ذہن صاف نہیں تھا لیکن بنکاک میں' میں ڈان اور اس کے آدمیوں سے بنائے رکھنے پر مجبور تھا۔

رات کے آٹھ بجے اسد کا فون آ گیا۔ راجن کے آدمی نے اپنے وعدے کے مطابق اس سے رابطہ کیا تھا اور اسد کو اسی رات' دس بجے موتی محل پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

''پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے پوچھا۔

''اس نے بلایا ہے تو جانا پڑے گا۔'' اس نے کہا ''میں بالکل خالی ہاتھ جاؤں گا۔ چاہو تو تم اب بھی اپنا ارادہ بدل سکتے ہو۔''

اس کے لب و لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے اس وقت تک اپنے تبادلے کی خبر نہیں ملی تھی۔

''میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا' میرا ارادہ اٹل ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے افسرانِ بالا کو اس جبری ملاقات کے پس منظر سے آگاہ کر دیا ہے۔''

''میں اپنے بڑوں کو پوری طرح باخبر رکھنے کا عادی ہوں۔'' اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا ''میں نے کسی مبالغہ آرائی کے بغیر ایک نوٹ فیکس کر دیا تھا۔ اس میں تمہارا کوئی ذکر نہیں تھا۔ دفتری خط کتابت میں تمہارا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔''

''یہ ضروری تھا۔ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو وہ لوگ بات سنبھال لیں گے..... مجھے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کب اور کہاں سے لو گے۔''

''ساڑھے نو بجے اپنے ہوٹل سے بائیں طرف برگر شاپ پر مل جاؤ' کوئی اسلحہ ہرگز ساتھ نہ لینا۔ میرا خیال ہے کہ تلاشی کے بغیر ہمیں اس سے ملنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میری پوری کوشش ہوگی کہ میری وجہ سے تمہیں کسی نئی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ساڑھے نو بجے وہاں مل جاؤں گا۔''

میں فون بند کر کے مڑا تو غزالہ کرسی پر گمبھیر صورت بنائے' خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ اداس لہجے میں بولی ''میں پھر کہہ رہی ہوں کہ آپ وہاں نہ جائیں۔ اسد خود اس کو سنبھال لے گا۔''

''سوگوار ہونے کی ضرورت نہیں' میں اسد سے کم نہیں ہوں۔ راجن کے درشن کر کے تھوڑی دیر میں واپس لوٹ آؤں گا۔'' میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسد کی بات دوسری ہے' وہ سرکاری آدمی ہے راجن اس سے بدکلامی کر سکتا ہے' اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آپ کے ساتھ وہ کوئی بھی بدسلوکی کر سکتا ہے۔''

''میں اب اس شہر سے اکتا گیا ہوں۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''میری خواہش ہے کہ ہم جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں۔ اس کے لیے راجن کا قصہ پاک ہونا ضروری ہے۔ میں اس تک رسائی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا۔''

غزالہ نے مایوس ہو کر خاموشی اختیار کر لی۔ وہ جانتی تھی کہ کسی خوف کی وجہ سے میرے ارادوں میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ پھر بھی وہ اپنی فطرت سے مجبور تھی۔ ہمیشہ مجھے خطرات سے دور رہنے کے مشورے دیتی رہتی تھی۔

اسد سے بات ہونے کے بعد میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہا تھا۔ میں نے روم سروس کو آرڈر دے کر کمرے میں کھانا منگوا لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ غزالہ میری واپسی تک بھوکی بیٹھی رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے تیاری کی اور ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا۔ اسد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے بیم گن اپنے ساتھ نہیں لی تھی البتہ انگلیوں میں سفاک نگینوں والی انگوٹھیاں موجود تھیں۔

میں ہوٹل کی لابی میں ٹہل کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ میرے قرب و جوار میں نگرانی کرنے والا کوئی شخص موجود نہ ہو۔ پوری طرح اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں ہوٹل کے صدر دروازے کے بجائے دوسری سمت سے باہر نکل گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ چاؤ فان نے اپنی رپورٹ دیتے ہوئے ڈان کو یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ میں اس پر اپنی نگرانی کرنے کا شبہ کر رہا تھا۔ اس شکایت کے بعد ان دونوں کو محتاط ہو جانا چاہیے تھا۔ شاید ڈان نے میرے شبہات سے آگاہ ہونے کے بعد نگرانی کا سلسلہ ختم کرا دیا تھا۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد بھی میں محتاط رہا۔ اس علاقے کی سڑکیں دور تک روشن تھیں۔ کسی کے لیے یہ موقع نہیں تھا کہ وہ نیم تاریکی کی آڑ لے کر کسی کا تعاقب کر سکے۔

میرے پاس برگر شاپ پہنچنے کے لیے کافی وقت تھا' میں ٹہلنے کے انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ ایک جگہ رک کر میں نے سگریٹ سلگانے کے بہانے' اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا۔ مقررہ وقت سے تین منٹ پہلے میں برگر شاپ کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

میں برگر شاپ کی تیز روشنیوں سے بچ کر ایک کھمبے کی اوٹ میں رکا ہی تھا کہ کسی طرف سے گاہکوں کو تاڑنے والا ایک نوجوان تھائی لپک کر میرے قریب آ گیا۔

''سر یو دانت گالز..... بیگ..... ویری بیوٹی فل!'' اس نے میری طرف جھک کر سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔ وہ اپنے لب و لہجے سے پڑھا لکھا معلوم ہو رہا تھا۔

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور درشت لہجے میں' انگریزی میں کہا ''دفع ہو جاؤ ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔''

اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس کے نزدیک میری دماغی صحت مشکوک ہو' غنیمت یہ ہوا کہ وہ مزید کچھ کہے بغیر رخصت ہو گیا۔

اسی اثنا میں ایک ٹیکسی میرے قریب آ کر رک گئی۔ پچھلی کھڑکی میں اسد کا چہرہ دیکھ کر میں پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہو گیا۔ اسد نے اپنی چہرہ نمائی کراتے ہی سرک کر میرے لیے جگہ خالی کر دی تھی۔

میرے سوار ہوتے ہی ٹیکسی ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

''تم بروقت آ گئے ورنہ عزت کو خطرات لاحق ہونے لگے تھے۔'' میں نے ہنس کر اس سے کہا ''کہیں رکنے کے لیے یہ وقت بہت نامناسب ہے۔''

''شام ہوتے ہی جسموں کے بیوپاری اس علاقے کی ساری گلیوں اور سڑکوں میں پھیل جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تمہیں بھی تاک لیا۔'' وہ بولا۔

''قدم قدم پر ملنے والے ان دلالوں نے اس شہر کی شناخت تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔''

''یہ اس علاقے میں ہونے والی طویل جنگوں کا شاخسانہ ہے جو شہر کے شرفا ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد آٹھ برس انڈوچائنا وار ہوتی رہی۔ اس کے شعلے سرد ہوئے تو ویت نام وار چل پڑی۔ اس نے آس پاس کے ملکوں میں سب کچھ تباہ کر دیا۔ وہ بیس اکیس برس اس خطے کے بدترین ماہ و سال تھے.....''

''یہ کہانیاں میرے لیے اب نئی نہیں رہیں۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''شاید یہاں کا ہر باسی اپنے دفاع میں یہی کہانیاں دہراتا ہے۔''

''تمہیں بری لگتی ہوں گی مگر یہ باتیں اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔''

''اس وقت تاریخ کو چھوڑو اور اپنے جغرافیے کا خیال رکھو۔ پیچھے کوئی مشتبہ گاڑی تو نہیں چلی آ رہی!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ جہاں دیدہ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ میری اچانک یاددہانی پر پیچھے سر گھمائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ابھی تک تو میدان صاف ہے۔'' چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

''آج تم دفتر سے کس وقت لوٹے تھے؟'' میں نے پوچھا۔

''تین بجے آ گیا تھا اس وقت بھی وہیں سے آ رہا ہوں میں نے اسلام آباد کو رپورٹ بھیج دی ہے کہ میں دس بجے اس سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''ویری گڈ!'' میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوال کر کے میں صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ تبادلے کی خبر اس تک پہنچی یا نہیں۔ وہ اس وقت تک اس معاملے سے بے خبر تھا۔ پاکستان کا وقت تھائی لینڈ سے دو گھنٹے پیچھے ہوتا ہے۔ وہاں سے رات گئے فیکس کیا جانے والا پیغام بنکاک کے وقت کے مطابق آدھی رات کے بعد ہی موصول ہونے کا امکان تھا۔ جلال کا حساب بالکل درست تھا کہ اسد کو تبادلے کی خبر صبح ملے گی۔

راستے میں ہمارے درمیان راجن یا موتی محل کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ ہماری ٹیکسی سبک رفتاری سے شہر کی مصروف سڑکیں طے کرتی ہوئی دس بجے سے پہلے موتی محل کے دیوہیکل آہنی پھاٹک کے سامنے رک گئی۔

ڈرائیور پھاٹک کی ہیبت سے مرعوب تھا۔ اسد کے ایما پر اس نے ہلکا سا ہارن بجایا۔ اسی وقت ایک پھاٹک کھل گیا۔ شاید کسی پوشیدہ کیمرے کی آنکھ سے ٹیکسی کو اندرونی چیک پوسٹ پر دیکھ لیا گیا تھا۔ ٹیکسی اندر داخل ہوتے ہی پھاٹک بند ہو گیا۔ گاڑی کو ایک مسلح محافظ نے روک لیا۔

''اسد!'' کسی کے سوال کرنے سے پہلے اسد نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر اپنا نام بتایا ''مجھے دس بجے یہاں بلایا گیا تھا۔'' اس نے وہ فقرے انگریزی میں ادا کیے تھے۔

''تمہیں زحمت ہوگی' ذرا نیچے آ جاؤ!'' اسی محافظ نے سپاٹ لہجے میں کہا ''میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ہتھیاروں کا سراغ لگانے والا ایک برقی آلہ موجود تھا۔

ہم لاکھ راجن کے مہمان سہی لیکن وہاں چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ہم دونوں اپنی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے۔

اس محافظ نے وہ آلہ باری باری ہم دونوں کے جسموں کے گرد' اوپر سے نیچے تک گھمایا پھر سرسری انداز میں ہمارے جسموں کو ٹٹول کر مطمئن ہو گیا۔ اس دوران میں پھاٹک کے ساتھ بنے ہوئے کمرے سے ایک اور محافظ نمودار ہو کر اپنی سرچ لائٹ کی روشنی میں ٹیکسی کے اندرونی حصوں کی تلاشی لے چکا تھا۔

ہمیں ٹیکسی میں سوار ہو کر برآمدے تک جانے کی اجازت مل گئی۔

وہ واقعی ایک پرشکوہ محل تھا۔ پھاٹک سے آگے اس قدر وسیع و عریض صحن تھا کہ اس میں پھولوں کے تختوں اور گھاس کے طویل قطعات کے درمیان گاڑیاں لانے اور لے جانے کے لیے دو الگ الگ پختہ راستے بنے ہوئے تھے۔ وہ راستے بھی اتنے کشادہ تھے کہ ان پر بہ یک وقت دو گاڑیاں برابر برابر چل سکتی تھیں۔

پورے صحن میں کھمبوں پر جا بجا لگی ہوئی روشنیوں نے ہر طرف تیز اجالا پھیلایا ہوا تھا۔ پھاٹک سے اصل عمارت کا فاصلہ کافی زیادہ تھا۔ ہماری ٹیکسی برآمدے کے سنگی زینوں کے قریب رکی تو وہاں بھی ایک مسلح اور باوردی شخص ہماری پیشوائی کے لیے تیار کھڑا ہوا تھا۔ موتی محل میں داخل ہوتے ہی میں نے خود کو بونا محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔

بنکاک کے قلب میں واقع اس وسیع رقبے کی مالیت کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ میں ٹیکسی سے اتر کر مسحور نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میں کچھ دخل تصنع کا بھی تھا۔ میں دیکھنے والوں کو یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ اس عمارت کی وسعت اور بناوٹ نے مجھے بہت زیادہ مرعوب کیا تھا۔ اس وقت ایک عام آدمی کی حیثیت سے میرا مرعوب ہونا ہی قرین مصلحت تھا۔

اسد نے ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر فارغ کیا اور ہم دونوں محافظ کے ساتھ سنگ مرمر کے چوڑے زینے طے کر کے وسیع برآمدے میں داخل ہوئے اور اونچے صدر دروازے سے گزر کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جہاں بہ یک وقت ساٹھ ستر افراد کے بیٹھنے کا بندوبست موجود تھا۔

ہمیں احترام کے ساتھ ایک صوفے پر بٹھا کر وہ محافظ صدر دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں نے معنی خیز نظروں سے اسد کی طرف دیکھا تو وہ مجھے آنکھ مار کر بولا ''یہ واقعی شان دار محل ہے' ہر چیز سے فراغت اور خوش حالی جھلک رہی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ راجن کا گھر ایسا پرشکوہ ہوگا۔''

میں خاموش رہا۔ چند منٹ بعد ڈرائنگ روم کے دور افتادہ' اندرونی دروازے سے کرتے اور پاجامے میں ملبوس' ایک سیاہ فام شخص نمودار ہوا جس میں مردانہ حسن و وجاہت نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ متوسط قامت اور گٹھیلے جسم کا مالک تھا۔ اس کی گردن اتنی مختصر تھی کہ سامنے سے اس کا سر شانوں کے درمیان ٹکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے دونوں کان عجیب انداز میں باہر کی طرف نکلے ہوئے تھے مگر اس کے چلنے کا پرغرور انداز بتا رہا تھا کہ وہی اس محل کا مالک تھا۔

اسد اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تو مجھے بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

''ویلکم!'' اس نے دور سے ہاتھ لہرا کر گویا اس تعظیم کو شرف قبولیت بخشا اور کہا ''مجھے خوشی ہے کہ تم وقت پر بلکہ وقت سے ذرا پہلے آ گئے۔ تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

اپنی بات مکمل کرتا ہوا' وہ ہم سے کافی دور بیٹھ گیا۔ کبر و نخوت کے باعث اس نے قریب آ کر ہم سے رسماً ہاتھ ملانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

''تلاشی کے سوا کوئی زحمت نہیں ہوئی۔'' اسد نے اپنی جگہ سنبھال کر کہا۔

''یہ مجبوری ہے۔'' وہ بولا ''موتی محل کا پروٹوکول ہے کہ یہاں صرف میرے آدمی مسلح رہتے ہیں۔ باہر سے آنے والوں کے ہتھیار گیٹ پر لے لیے جاتے ہیں جو واپسی پر انہیں لوٹا دیے جاتے ہیں۔''

''میں نے سنا تھا کہ چند روز پہلے بہت سے مسلح امریکی فوجی کافی دیر تک یہاں رہے تھے۔'' اس بار میں اس کی اوقات یاد دلائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہاں..... وہ حرامی کسی قاعدے قرینے کی پروا نہیں کرتے۔ یہاں آئے تھے اور معافیاں مانگ کر واپس چلے گئے..... تمہیں یہ بات دہرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' اس نے برہمی سے کہا۔

''میں نے افسوس کے اظہار کے لیے وہ ذکر کیا ہے۔'' میں نے جلدی سے بات گھما دی ''یہ واقعی اندھیر ہے کہ وہ کسی بات کا لحاظ نہیں کرتے۔''

''تم دونوں میں اسد کون ہے؟'' اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر خفگی سے پوچھا اور میں نے اسد کی طرف اشارہ کر دیا۔

''تمہارا ساتھی بدتمیز ہے۔'' اس بار وہ اسد سے مخاطب ہو گیا ''اسے یہ نہیں معلوم کہ ہمدردی جتانے کے لیے زخموں کو کریدا نہیں جاتا..... اور پھر اسے میرے معاملات پر افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ میرے برابر کا آدمی نہیں ہے۔''

''بالکل!'' اسد نے سر ہلا کر اس کی تائید کی ''تمہارا سماجی رتبہ بہت بلند ہے۔''

''جانتے ہو' میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' اسد نے اس کے سوال پر بے بسی سے اپنا سر ہلا دیا۔

''ڈینی..... وہ اس وقت کہاں ہوگا؟'' راجن نے صبر و تحمل کو بالائے طاق رکھ کر براہِ راست سوال کر ڈالا ''مجھے اس کی تلاش ہے۔''

''نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے مگر میں اس سے واقف نہیں ہوں۔''

''تم یہاں آئی بی کا بیورو چلاتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ڈینی کو کس کس نے پالا ہوا ہے؟''

''ڈینی پاکستان میں ہے میں دو برس سے یہاں ہوں۔ اس سے پہلے مصر اور مسقط میں چار برس گزار چکا ہو۔ ان چھ برسوں میں وہاں کیا ہوتا رہا ہے' میں اس سے بہت زیادہ باخبر نہیں ہوں۔'' اس نے بے مثال صداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ پاکستان میں نہیں ہے' بنکاک آیا ہوا ہے۔ اس کا کوئی ساتھی پہلے سے یہاں موجود ہے یہ ممکن نہیں کہ اس نے تم سے رابطہ نہ کیا ہو۔'' وہ غصیلی آواز میں گرجنے لگا ''اسے تمہاری کئی ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے وہ بدمعاش اور دہشت گرد ہے۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔''

''کم از کم میری ایجنسی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اسد نے اس کے لب و لہجے سے مرعوب ہوئے بغیر کہا ''وہ بلیک میلر ہے اگر میرے ادارے کے کسی افسر کو بلیک میل کر رہا ہو تو دوسری بات ہے ورنہ محکمے کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں' وہ پکا بلیک میلر ہے تم پتا چلاؤ کہ وہ بنکاک میں کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس کا کھوج نکالو میں تمہیں نہال کر دوں گا۔''

''میرے لیے یہی عزت افزائی کافی ہے کہ تم نے اپنی ہم نشینی کی عزت دی ہے' میں اس سے زیادہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا محکمہ کہے گا تو میں ضرور اسے تلاش کروں گا۔ میں اسے چھیڑ کر اپنے لیے مشکلات پیدا نہیں کروں گا۔''

''تمہارے محکمے کے بارے میں' میں نے اڑتی اڑتی خبریں سنی ہیں مگر اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ تمہاری اسپیشل ٹاسک فورس اس کی پشت پناہ ہے۔''

''میرے لیے اس فورس کا نام بھی نیا ہے۔'' اسد نے نرمی سے کہا۔

''بکومت!'' راجن غصے سے پیر پٹخ کر دہاڑا ''وہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلا راز ہے تم لوگ اس کے وجود سے انکار کرتے ہو مگر وہ میری اور تمہاری طرح موجود ہے۔''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں چھ برس سے پاکستان سے باہر ہوں.....''

''مجھے بار بار یہ بات مت جتاؤ' ایجنسیوں کے آدمی دنیا میں جہاں بھی ہوں' اپنے مرکز سے ہر وقت رابطے میں رہتے ہیں' باخبر رہنا ان کی ڈیوٹی میں شامل ہوتا ہے۔''

''مگر اپنے کاموں کی حد تک۔'' اسد نے اس کی بات میں ٹکڑا لگایا ''ہم لوگ دوسروں کے معاملات میں غیر ضروری طور پر اپنی ٹانگ نہیں اڑاتے۔''

''ڈینی نے اس شیطانی فورس کے ساتھ مل کر پاکستان میں میرے کئی دوستوں کی زندگیاں برباد کی ہیں۔ اب وہ یہاں ہے اور اس کی نظر مجھ پر ہے۔ تم اتنے معصوم بن رہے ہو کہ تمہیں ڈینی کی خبر ہے نہ تم ایس ٹی ایف کو جانتے ہو!'' وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

''راجن! میں دو برس سے یہاں ہوں' میں نے کبھی تمہارا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہارے باطن میں جھانکے بغیر میں تمہارے ظاہری مقام کی عزت کرتا ہوں۔ اسی لیے میں یہاں نظر آ رہا ہوں۔ مجھے دباؤ میں لانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہو تو اسلام آباد میں میرے بڑوں سے بات کرو۔ میں پاکستان اور تھائی لینڈ کے قوانین کا پابند ہوں۔ تم مجھے کسی غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کر سکتے۔ میرا ڈینی وغیرہ سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہے۔''

اسد نے پوری بے خوفی سے راجن کو جواب دے کر مجھے حیران کر دیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بدمعاش کا اتنی پامردی سے سامنا کر سکے گا۔

''مجھے قانون پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ سب جانتے ہیں کہ ممبئی سے بنکاک تک میرا کہا ہوا ہر لفظ قانون پر بھاری ہوتا ہے۔ میں نے سب کچھ اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے۔ میں نکے نکے کے افسروں کو چیونٹیوں کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اس بار تم غلط آدمی سے ٹکرائے ہو۔ میں اپنی ارجنٹ رپورٹ میں تمہاری ان دھمکیوں کا ذکر بھی کروں گا۔ فرائض کی بجا آوری کے دوران مجھے تحفظ فراہم کرنا میری حکومت کے ساتھ تھائی حکومت کی بھی ذمے داری ہے۔'' وہ بہت خوب صورتی سے اپنا دامن بچا کر بات کر رہا تھا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں وہ سب کچھ کہہ گیا تھا۔ اس نے راجن کو براہِ راست مشتعل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

راجن اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر چند ثانیوں تک اسد کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر پھٹ پڑنے والے انداز میں بولا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں بنکاک کے پولیس کمشنر کو ہر مہینے ایک لاکھ بھات دیتا ہوں۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ میں تمہاری قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ڈینی میرے سائے سے بھی بھڑکے گا۔ تم اسے آسانی سے تلاش کر سکتے ہو۔ اسے ڈھونڈو' گھیرو اور مجھے بتا دو۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔''

اسد کے ہونٹوں پر استہزائی مسکراہٹ تیر گئی۔ اس نے پرسکون لہجے میں کہا ''ڈینی پر امریکا نے دو ملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا ہے' پاکستانی حکومت نے ایک لاکھ روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ کسی بکنے والے کے لیے یہ بڑے انعام ہیں۔ اس کے باوجود ڈینی آزاد ہے۔ خود سوچو کہ مجھ جیسا تنہا آدمی اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے! ایسی باتیں کر کے تم اپنی توقیر گھٹا رہے ہو۔''

''میری آمدنی بے حساب ہے۔ مجھے ان انعاموں کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گا' دونوں انعام بھی تمہارے ہوں گے۔ ایسے سودے زندگی میں کبھی کبھار ملتے ہیں۔ میری بات مان لو۔ تمہاری آنے والی نسلیں عیش کریں گی۔''

''میں اپنی آیندہ نسلوں کا سودا نہیں کر سکتا۔'' اسد نے ایک جھٹکے سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ''تم فوری طور پر میری واپسی کا بندوبست کرو۔''

''بیٹھ جاؤ!'' اس نے اپنا ہاتھ فضا میں جھٹک کر سختی سے کہا ''میں گھر میں بلائے ہوئے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھاتا..... میں تمہیں سولی نہیں لگاؤں گا۔ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرو۔ میں تمہیں جانے سے نہیں روکوں گا۔''

اسد نے بادل نخواستہ' صوفے پر دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا ''مجھے یہ اندازہ ہوتا کہ تم میرے دام لگانے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارے آدمی سے معذرت کر لیتا' ہرگز یہاں نہ آتا۔ تم گھر بلا کر میری توہین کر رہے ہو۔''

میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اسد کی طرح راجن بھی اپنا دامن بچا کر بات کر رہا تھا۔ اس نے پاکستان میں اپنے کئی دوستوں کی زندگیاں برباد ہونے کا تذکرہ کیا لیکن بھول کر بھی سوبھراج کا نام اپنی زبان پر نہیں لایا تھا۔ اس نے سوبھراج کی موت کو چھپایا تھا۔ اس وقت بھی وہ اس کا نام درمیان میں لانے سے گریز کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ انسان کی زندگی کتنی حقیر اور بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقعت ہے!'' اس نے اپنی جگہ پر آگے جھک کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''سڑک پر کوئی گاڑی اسے ٹکر مار دے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں کوئی لٹیرا پیچھے سے آ کر چاقو گھونپ سکتا ہے' ہزار طریقے ہیں۔ آدمی ایک پل میں کسی اور جہان میں پہنچ جاتا ہے۔''

''تمہیں یہ سب باتیں بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اسد نے ترش روئی سے اس کی بات کاٹ کر کہا ''تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ میں مسلمان ہوں' میرا ایمان ہے کہ میرا وقت پورا نہ ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں مار سکے گی' سانس پورے ہو گئے تو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ تم ان باتوں سے ڈرا کر مجھے خریدنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔''

''میں ڈرانے دھمکانے کا قائل نہیں ہوں۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولا ''تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر مول نہیں لیا جاتا۔ تم سرکاری افسر ہو میں تمہیں ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ دعوت دے کر بلایا ہے تو عزت سے رخصت کروں گا مگر بنکاک بہت برا شہر ہے' یہاں سے جانے کے بعد تمہارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہو گی۔''

''میں اس کا جواب دے چکا ہوں۔ میں ڈینی کو نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ بنکاک آیا ہوا ہے۔ تم اس شہر کے بارسوخ اور نامور آدمی ہو۔ وہ یہاں ہے تو تم خود اسے تلاش کر لو۔''

''تم کیوں خاموش ہو؟'' وہ اچانک مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

''تم نے مجھے بدتمیز قرار دے کر خاموش کرایا ہے۔'' میں نے اداسی سے کہا ''میں حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اجازت ہو گی تو بولنا شروع کر دوں گا۔''

میرے جواب پر وہ اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گیا۔ مجھے گھورتا رہا پھر ترش لہجے میں بولا ''تم نے سب باتیں سنی ہیں' کیا اسد سمجھداری سے کام لے رہا ہے؟''

''اسد بکنے والا آدمی نہیں ہے۔ اس کے دام لگا کر تم نے اسے بھڑکا دیا ہے۔ سیدھی بات کرتے تو یہ ڈینی کی تلاش میں تمہاری مدد کر سکتا تھا۔ یہ اسے پسند نہیں کرتا۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی ہے تو اب تم اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''بے سود کوشش سے کیا حاصل ہو گا..... تم نے بات بگاڑ دی ہے۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ ڈینی کو پاکستانی ایجنسیوں نے پالا ہوا ہے۔ وہ بدمعاش اور اول درجے کا بلیک میلر ہے۔ اس کے چنگل میں پھنسے ہوئے افسر اس کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہیں اور اس کے گن گاتے رہتے ہیں۔ وہ کسی طرح تم سے کم نہیں ہے۔''

''کیا بکتے ہو!'' وہ بپھر کر دہاڑا۔ ''میں بدمعاش اور بلیک میلر ہوں؟''

میں نے سہم جانے کی اداکاری کی اور کہا ''دونوں باتوں کو ایک ساتھ نہ ملاؤ' مم..... میرا مطلب تھا کہ تمہاری طرح اس کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔''

میں نے اس کی زبان سے سن لیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ وہ بات میرے لیے حوصلہ افزا تھی۔ میں کسی خوف کے بغیر اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر سکتا تھا' موتی محل سے نکلنے کے بعد جو کچھ ہوتا اسے بعد میں دیکھ لیا جاتا۔

''وہ دو ٹکے کا لفنگا ہے' چور کی طرح چھپتا پھرتا ہے' ہزاروں لوگ اس کے دشمن ہیں' میں عزت کے ساتھ کھلے بندوں رہتا ہوں۔ میرا اور اس کا کیا مقابلہ ہے!''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ لوگوں کو بلیک میل کرتا ہے' تم انہیں خرید لیتے ہو۔ دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔''

''اسد نہیں مانتا تو کیا تم میرے لیے کام کرو گے؟''

''میں اسد کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔'' میں نے اسے گول مول جواب دیا ''سچ پوچھو تو میں خود بھی اس بات سے بے خبر ہوں کہ ڈینی یہاں آیا ہوا ہے۔ یہاں ہونے والے واقعات سے اسد فکرمند تھا کہ کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہے.....''

''تم کن واقعات کی بات کر رہے ہو؟'' راجن نے میری بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''تم پھر کہو گے کہ میں تمہارے زخموں کو کرید رہا ہوں۔''

''تم میرے کاروباری ٹھکانوں پر دھماکوں کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے تصدیق چاہی۔

''دھماکے ہوئے' گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی مارا گیا پھر لوپ بوری میں تمہارا ڈرائیور قتل ہوا اور ایک مہمان کی لاش جنگل سے ملی۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے کسی سے تمہاری گینگ وار چل رہی ہو۔'' میں نے موقع ملتے ہی اس کے سارے زخموں پر نمک پاشی کر ڈالی۔

''کسی میں مجھ سے لڑنے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' اس نے تلخی سے کہا ''جسے کریم لالہ اور حاجی مستان نے تربیت دی ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ یہاں ڈان برنارڈ کا راج ہوا کرتا تھا۔ میں آیا تو وہ چوہے کی طرح اپنے بل میں دبک گیا۔ یہ سب کسی اوچھے دشمن کی حرکتیں ہیں اور وہ ڈینی ہے۔ اسی لیے مجھے اس خبیث کی تلاش ہے۔''

یخی بگھارنے کے چکر میں اس نے اپنے استادوں کے نام بھی کھول دیے۔ وہ ممبئی کی زیرِ زمین دنیا کے معروف نام تھے جن کے سامنے بھارتی پولیس اور انٹرپول بھی بے بس تھی۔

''اب سمجھ میں آیا کہ تم نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ ڈینی تمہیں دکھ دے رہا ہے اور تمہاری دسترس سے باہر ہے۔ تم چاہتے ہو کہ ہم اسے پکڑ لیں۔'' میں نے احمقانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

''یہ بات اسد کو بھی سمجھ لینی چاہیے۔ چاہو تو میں تمہیں وقت دے سکتا ہوں۔'' اس نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میری زبان سے اپنی ناکامیوں کا ذکر سننے کے بعد اس کا ابتدائی دم خم رخصت ہو چکا تھا۔ اس کے تاریک چہرے پر اشتعال کی جگہ فکر و تشویش نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ اپنی طرف سے وقت دینے کی پیشکش کر کے اس نے میرا دل خوش کر دیا۔ اس وقت میں خود بھی یہی چاہ رہا تھا۔

راجن سے ہمارا آمنا سامنا ہو گیا' کھل کر باتیں ہو گئیں۔ اس کے بعد اسد کو پاکستان لوٹ جانا تھا۔ اس کی واپسی پر راجن اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا۔ اس کے لیے میری حیثیت اسد کے معاون سے زیادہ نہیں تھی' بنکاک میں سیکڑوں پرجوش پاکستانی رہ رہے تھے جو وطن سے دوری کے باعث ہر وقت اپنے ملک کے لیے کچھ کر گزرنے کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔ راجن نے مجھے ان میں سے سمجھ لیا تھا اور میرے بارے میں زیادہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے شاید یہ فرض کر لیا تھا کہ میں اسد کا طفیلی تھا۔ وہ جب چاہتا' اسد کے ذریعے مجھ سے رابطہ کر سکتا تھا۔

میں نے اسد سے نظریں بچا کر راجن کو آنکھ ماری اور کہا ''بڑے فیصلے چٹکی بجاتے میں نہیں ہوتے۔ بہتر یہی ہے کہ فیصلے کو کسی بھلے وقت کے لیے ملتوی کر دو۔''

''یہی ٹھیک ہے!'' اس نے بلاتردد میری بات مان لی' میرے آنکھ مارنے سے اسے یہ خوش فہمی ہو گئی کہ مجھ پر اس کا جادو چل گیا ہے۔

''تم کو غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنی حرکتوں سے تمہارے ملک کو بدنام کر رہا ہے۔'' راجن اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا ''بھارتیوں کا دشمن ہے' غریب امریکیوں کو مار رہا ہے' حد تو یہ ہے کہ اس کے عزت دار ہم وطن بھی اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے میری دشمنی کو ایک طرف رکھ دو تب بھی تمہیں اس کو روکنا چاہیے۔''

''تم اس طرح بات کر رہے ہو جیسے وہ ہماری پہنچ میں ہے اور ہم نے دانستہ اسے ڈھیل دی ہوئی ہے۔'' اسد نے شکوہ کیا وہ تسلسل کے ساتھ اپنے ایک ہی موقف پر قائم تھا۔

''اس کا پیچھا نہ کرنا اسے ڈھیل دینے کے برابر ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا ''میری ان باتوں پر غور کرو۔ جلد ہی ہماری دوسری ملاقات ہو گی اور ہاں اس وقت جو تلخیاں پیدا ہوئی ہیں' انہیں بھلا دینا!''

اس نے کسی کو آواز دی۔ ہمیں اندر لانے والا محافظ اسی لمحے ڈرائنگ روم میں آ گیا' راجن ہمیں اس کے حوالے کر کے اندر چل دیا۔

ہم موتی محل میں داخل ہوئے تو پورچ میں نئے ماڈل کی دو چمکتی ہوئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہماری واپسی پر ان میں اس سفید لینڈ کروزر کا اضافہ ہو چکا تھا جسے لوپ بوری کے ریسٹ ہاؤس کے باہر دیکھا گیا تھا۔ اس گاڑی نے سوبھراج کو موتی محل کی عافیت سے نکال کر لوپ بوری کے مقتل تک پہنچایا تھا۔

محافظ نے برآمدے کی سیڑھیوں پر ہمیں رخصت کر دیا اور ہم پیدل پھاٹک کی طرف چل دیے۔

''تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی؟'' برآمدے سے کچھ دور نکل کر آنے کے بعد اسد نے دھیمی اور متجسس آواز میں پوچھا۔

''بے چارے کو کسی نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا کرنا ضروری تھا۔ دوسری صورت میں یہ ملاقات بہت زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔ اگلی ملاقات میں اس کی توقعات زیادہ ہوں گی۔''

''ہو سکتا ہے کہ اس سے اگلی ملاقات کی نوبت ہی نہ آئے۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''نوبت آئے یا نہ آئے' تم نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔'' وہ مسکرا کے بولا ''ایک ایک کر کے اس کے سارے زخم تازہ کر دیے۔'' میرا ذو معنی تبصرہ اس کے لیے سپاٹ ثابت ہوا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اپنے کرتوتوں کی طرح بدصورت ہو گا۔ یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ بعض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوگوں کی صورت پیدائش کے وقت سے ہی ان کے مستقبل کا آئینہ ہوتی ہے۔ اگر شیطان کا تصویری خاکہ بنانے کے لیے کہا جائے تو میرے ذہن میں اسی کی صورت ابھرے گی۔''

موتی محل سے نکل کر ہم نے ٹیکسی پکڑی اور واپس روانہ ہو گئے۔ پروگرام کے مطابق اسد کو مجھے چھوڑ کر آگے نکل جانا تھا۔

راجن سے ملاقات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی تھی کہ میری دھمکی نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا وہ اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ میری دی ہوئی مہلت ختم ہونے سے پہلے میرا کام تمام کر سکے۔ میرے اور اس کے درمیان شروع ہونے والی سرد جنگ بہت تیزی سے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور مقامی تھا۔ ہم دونوں بے فکری سے اردو میں باتیں کرتے رہے اور سفر جاری رہا۔

رات کے ان لمحات میں بنکاک کی سڑکوں پر ٹریفک کی بھیڑ بڑھ جاتی ہے، سیر و سیاحت کے لیے آنے والوں کے ساتھ مقامی باشندے بھی رات کے کھانے سے فارغ ہو کر سیر و تفریح کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ ڈرائیور اس بھیڑ بھاڑ سے بچنے کے لیے شہر کی پر پیچ گلیوں سے گزر کر ہمیں منزل تک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں راستے بھر مڑ مڑ کر پیچھے کا جائزہ لیتا رہا۔ راجن جیسے بدفطرت انسان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ ہمیں مفاہمانہ انداز میں رخصت کر کے وہ اپنے غنڈوں کو ہمارے پیچھے لگا دے۔ اندھیرے میں پیچھے سے آنے والی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کے سوا کچھ اور دیکھنا ممکن نہیں تھا پھر بھی مجھے اطمینان تھا کہ ان ٹیڑھی میڑھی اور نیم تاریک گلیوں میں کوئی مشتبہ کار ہمارے پیچھے نہیں لگی ہوئی تھی۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک کے بھی کئی چہرے ہیں۔ تفریح گاہوں، معروف سڑکوں، بازاروں اور سیاحوں کی گزرگاہوں کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی یہ علاقے رنگا رنگ روشنیوں سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کی ساری دولت ان ہی علاقوں میں سمٹ آئی ہے لیکن شہر کے اندرونی حصوں کا حال مختلف ہے۔

صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال کا فقدان وہاں پاکستان کی یاد دلاتا ہے۔ شہر کے کئی حصوں میں کچی آبادیاں بھی ہیں جہاں کوئی غیر ملکی نہیں جاتا۔ اس وقت ٹیکسی میں اندرون شہر کے راستوں سے گزرتے ہوئے مجھے شدت سے روشنی کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان پتلی پتلی سڑکوں پر سرے سے اسٹریٹ لیمپس نہیں تھے اور تھے تو وہ روشن نہیں تھے۔

ہماری ٹیکسی ایسی ہی پتلی سی سڑک سے گزر رہی تھی کہ پیچھے سے ایک کار تیز رفتاری سے ہمارے قریب آئی۔ اس کے ہارن پر ڈرائیور نے ٹیکسی ایک کنارے پر لے کر اسے آگے نکلنے کا راستہ دے دیا۔ وہ سفید رنگ کی کرولا تھی۔ ہماری ٹیکسی سے آگے نکلتے ہی اچانک کار ترچھی ہو گئی۔ اس کی رفتار بھی کم ہو گئی ٹیکسی ڈرائیور کے پاس بریک لگانے کے سوا کئی چارہ نہیں تھا۔ اسے بریک لگانے میں ذرا بھی تاخیر ہوتی تو اس کی گاڑی کا اگلا فینڈر سفید کرولا میں گھس جاتا۔

ہمارا ڈرائیور اپنی زبان میں بڑبڑا رہا تھا۔ لمحہ بھر میں ٹیکسی کے آگے بڑھنے کی راہ مسدود ہو گئی اور کرولا سے چار تنومند .... مقامی پھرتی سے نیچے اتر آئے۔

ان کے تیور خراب اور ارادے خطرناک تھے۔ ان کے قریب آنے سے پہلے میں ٹیکسی سے نیچے اتر چکا تھا۔ نیچے قدم رکھتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ہم غلط جگہ گھر لیے گئے تھے۔ وہ شہر کا کوئی تجارتی بازار تھا جو اس وقت بند پڑا ہوا تھا۔ گلی میں پھیلی ہوئی اجناس وغیرہ کی بو تیزی سے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔ میرے پاس ان جزئیات پر غور کا وقت نہیں تھا۔ کرولا سے اترنے والے دو پستہ قامت مقامی میری طرف بڑھے۔ بقیہ دو نے اسد کو ٹیکسی سے اترنے سے پہلے چھاپ لیا۔

میں نے پوری قوت سے ایک کے منہ پر مکا رسید کیا۔ اس کے منہ سے تیز ہچکی جیسی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا گیا۔ دوسرے کو مجھ پر وار کرنے کا موقع مل گیا۔ میں نے اس کا مکا اپنی کلائی پر روک کر اپنا داہنا گھٹنا پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر مارا۔ وہ اوغ کی آواز کے ساتھ، اپنا پیٹ تھام کر دہرا ہو گیا۔ میں نے بڑھ کر اسے اپنے زوردار مکوں کی زد پر لے لیا۔

میرا گھونسا کھا کر اٹھنے والا سنبھل کر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ میں اس کے ساتھی کے ساتھ گتھا ہوا تھا۔ وہ کسی جونک کی طرح میری ٹانگوں سے لپٹ کر مجھے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔

وہ دونوں گینڈوں کی طرح سخت جان اور زور آور تھے۔ میں نے پہلی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ ان چاروں کی جسمانی ساخت کم و بیش یکساں تھی۔ ان سے اپنی لڑائی لڑتے ہوئے مجھے اسد کی فکر تھی اور میرے کان ادھر سے آنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اسد بھی جم کر اپنے حریفوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ میں نے یکسو ہو کر اپنی ساری توجہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے حریفوں پر مرکوز کر دی۔

ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں کسی قسم کا اسلحہ نہیں تھا۔ واضح طور پر وہ ہمیں جان سے مارنے کے ارادے سے نہیں آئے تھے۔ شاید راجن نے انہیں ہماری ٹھکائی کرنے کے لیے ہمارے پیچھے روانہ کیا تھا۔

میں نے اپنے جسم کو بل دے کر ذرا سی گنجائش پیدا کی اور اپنے سامنے والے کے چہرے پر شدید ٹکر رسید کر دی۔ وہ کراہ کر لڑکھڑایا۔ اس کے بوجھ کے نیچے دبتے ہی دوسرے آدمی کی گرفت کمزور ہوگئی۔ اپنی پنڈلیوں کو ذرا سی آزادی ملتے ہی میں نے نیچے جھکے ہوئے حریف پر اندھا دھند گھٹنے کی ضرب لگائی جو میری خوش قسمتی سے اس کے چہرے پر پڑی اور مجھے ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہونے کا موقع مل گیا۔

میری ٹکر کھانے والے کی پیشانی اور ناک خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ اس کے خون کی چپچپاہٹ میں اپنی پیشانی پر محسوس کر رہا تھا۔ میں نے قدرے پیچھے سرک کر پختہ سڑک پر اپنے قدم جمائے اور ان دونوں کو بہ یک وقت اپنے مکوں کی زد میں لے لیا۔

اس دھینگا مشتی میں ہم گاڑیوں سے کچھ دور ہٹ گئے تھے۔ ہمارا ٹیکسی ڈرائیور اچانک ہونے والے تصادم سے دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ موقع ملتے ہی اس نے ٹیکسی ریورس کی اور اپنے کرائے وغیرہ کی پروا کیے بغیر وہاں سے فرار ہو گیا۔

اس وقت تک میرے دونوں حریف مجھے کوئی ضرب لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ وہ اپنی عددی برتری اور طاقت کے گھمنڈ میں اندھا دھند حملہ آور ہوئے تھے نتیجہ ان کے خون آلود چہروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ دو تھے اور چار ہاتھوں سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ یکے بازی کے اس مقابلے میں میرے جبڑے پر دو چوٹیں آئیں تو میں ہل کر رہ گیا۔ وہاں دور دور تک بیچ بچاؤ کرانے والے کسی تنفس کا پتا نہیں تھا۔ وہ مقابلہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔

ان میں سے ایک نے میرے دوسرے جبڑے کا نشانہ لے کر مکا چلایا۔ میں نے اپنے جسم کو پھرتی سے پیچھے سمیٹ کر اس ضرب سے بچا لیا حملہ آور اپنی جھونک میں جیسے ہی آگے جھکا، میں نے اس کی بائیں کنپٹی پر اپنی پوری قوت سے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ تیورا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر دوسرے کے پیر اکھڑ گئے۔ وہ ایک پر ایک کا مقابلہ تھا۔ اسے اپنا انجام سامنے نظر آ رہا تھا ایک مرتبہ میں نے جوں ہی اسے جھکائی دی، وہ مجھ پر دوسرا حملہ کرنے کے بجائے' پلٹ کر پوری قوت سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ اس وقت میرے دماغ پر مارنے یا مر جانے کا جنون سوار ہو چکا تھا۔

بھاگنے والے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اپنے بھاری وجود کے ساتھ وہ سبک رفتاری سے دوڑ رہا تھا اور لمحہ بہ لمحہ ہمارا درمیانی فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اپنی پوری طاقت صرف کر کے بھی اسے نہیں پکڑ سکوں گا۔ میرے سر پر اسد کی فکر بھی سوار تھی۔ میں تیزی سے واپس ہو لیا۔

میں واپس لوٹا تو میرا گھونسا کھا کر تیورانے والا غائب تھا۔ موقع غنیمت جان کر وہ خاموشی سے کہیں کھسک گیا تھا۔ دوسری طرف اسد ان دونوں سے اپنے بچاؤ کی جان توڑ کوششوں میں مصروف تھا۔ میں بھگوڑوں کی فکر چھوڑ کر اسد کی مدد کو پہنچ گیا۔ ان تینوں کے چہرے بری طرح سوجے ہوئے تھے اسد ان سے پٹا ضرور تھا لیکن اس نے بھی ان دونوں کو بہت بے رحمی سے ادھیڑا تھا۔

میں نے جاتے ہی، ان میں سے ایک کو کمر سے پکڑ کر زمین سے اوپر اٹھایا اور بے رحمی سے نیچے پھینک دیا۔ پیچھے سے ہونے والا حملہ اس کے لیے ہمت شکن ثابت ہوا۔ وہ اپنی کمر تھام کر سڑک پر لہراتا رہ گیا۔ میں پھرتی سے چوتھے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

طاقت کا توازن اچانک الٹ گیا تھا۔ پہلے وہ دونوں مل کر اسد کو مار رہے تھے۔ اب وہ اکیلا ہم دونوں کے رحم و کرم پر تھا۔

مجھے ان کی لڑائی میں حصہ نہیں لینا پڑا۔ میری موجودگی نے چوتھے آدمی کو اتنا حواس باختہ کر دیا کہ اسد نے اس کے چہرے پر تابڑ توڑ گھونسے رسید کر کے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے اور وہ سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

اسد نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکر مار کر، ہانپتے ہوئے کوئی سوال کیا۔ جواب میں اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر، گڑگڑاتے ہوئے کچھ کہا۔ ان دونوں کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

ہماری ٹیکسی واپس جا چکی تھی۔ وہ ویران سڑک کافی لمبی تھی۔ مار دھاڑ میں ہمارے حلیے بگڑ گئے تھے۔ مجھے واپسی کی فکر لاحق ہو گئی۔

اسد کو اپنے حریف سے باز پرس میں مصروف چھوڑ کر میں سفید کرولا کے قریب پہنچا تو ڈرائیونگ سیٹ والا کھڑکی میں سے اندر جھانکتے ہی میری طبیعت خوش ہو گئی۔ اگنیشن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چابی موجود تھی۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اونچی آواز میں کہا۔ ''ان پر لعنت بھیجو اور یہاں سے نکلو۔ یہ کچھ نہیں بتائیں گے۔''

اسد نے سڑک پر پڑے ہوئے دونوں بدمعاشوں کی کھوپڑیوں پر الوداعی ٹھوکریں رسید کیں اور تیزی سے گاڑی کی طرف آ گیا۔

''کچھ نہیں اگلتا۔'' اس نے میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھ کر، ہانپتے ہوئے کہا۔ ''آلو کا پٹھا معافیاں مانگے جا رہا ہے۔ یہ چاروں اسی کے بھیجے ہوئے گرگے تھے۔''

گاڑی چلاتے ہوئے میں بے اختیار ہنس پڑا۔ ''یہ مقابلہ بھی عجیب تھا۔ ہاتھ پیر کھل گئے۔ تمہارے چہرے پر کافی چوٹیں آئی ہیں۔ کپڑوں پر خون کے دھبے ہیں۔''

''چوٹیں تو آنی تھیں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے رخساروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''ان کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ہوگا۔ میں نے انہیں بہت بے رحمی سے مارا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے رخساروں کی ہڈیاں تک چٹخ گئی ہوں۔''

''ان چاروں کا حشر راجن کی آنکھیں کھول دے گا۔ یہ بتاؤ کہ میرا کیا حلیہ ہے۔ اس حالت میں ہم کہیں نہیں جا سکتے۔''

''تم بہتر ہو۔ بائیں جبڑے پر کچھ ورم ہے اور پیشانی پر خون لگا ہوا ہے۔ اسے کپڑے سے پونچھ لو اور میرے گھر چلو، وہاں سے حلیہ درست کر کے ہوٹل چلے جانا۔''

''اس گاڑی میں وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''پروا مت کرو۔ اب کھل کر ٹھن گئی ہے تو احتیاط بے کار ہے۔ اپنی حالت درست کرنے کے بعد گاڑی کو کہیں بھی چھوڑ دیں گے۔ اس حال میں گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی لینا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور ہی راستے میں ہمیں پکڑوا دے گا۔''

اس کا مشورہ معقول تھا۔ وقت بچانے کے لیے میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

چہروں پر آئے ہوئے ورم اور نیل کے نشانات کو فوری طور پر غائب کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔ اسد کے چھوٹے سے فلیٹ میں ہم دونوں امکانی حد تک اپنے حلیوں کو معمول پر لائے پھر کرولا میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

اسد مجھے اسی کار میں ہوٹل تک پہنچانے پر مصر تھا مگر میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ راستے میں ایک مصروف بازار میں اس نے اطمینان سے گاڑی پارک کی اور چابی پائیدان پر ڈال کر ہم دونوں باہر نکل آئے۔

اسد وہاں سے واپس اپنے گھر روانہ ہوگیا۔ میں ٹیکسی میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔

جب سے مجھے جلال کی زبانی یہ پتا چلا کہ اسد کو فوری طور پر پاکستان واپس بلایا جا رہا ہے، میرے دل کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔ وہ ان احکام سے بے خبری کے عالم میں پوری تن دہی سے اپنا فرض پورا کر رہا تھا۔ میرے دل میں کئی بار آئی کہ اسے اعتماد میں لے کر اس خبر سے آگاہ کر دوں لیکن جلال سے کیے ہوئے وعدے نے میری زبان پر تالے ڈال دیے۔

میرے لیے یہ بات خاصی افسوسناک تھی کہ بنکاک سے جاتے جاتے اسے ایک ایسے معرکے سے دوچار ہونا پڑا تھا جس کے نتیجے میں اس کے خدوخال خاصے بگڑ گئے تھے۔ اس وقت تک میں محض ڈان کے ایما پر مجبور ہو کر راجن کے خلاف میدان میں اترا ہوا تھا لیکن اس واقعے کے بعد میرے دل میں اس مکروہ صورت شیطان کے لیے نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کا کریہہ چہرہ اس حد تک بگاڑ دوں کہ اس کے لیے خود کو پہچاننا مشکل ہو جائے۔

میں ان خیالات میں غلطاں، پیچ و تاب کھاتا ہوا، ہوٹل پہنچا تو غزالہ میرے چہرے پر نظر ڈالتے ہی بے چین ہوگئی۔ میں اس کی محبت آمیز تیمارداری سے لطف اندوز ہونے کے لیے بستر پر دراز ہوگیا وہ میرے چہرے کے نیل سہلا رہی تھی اور میں اسے گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ کر رہا تھا۔

اسے یہ جان کر قدرے خوشی ہوئی کہ میرا براہ راست راجن سے تصادم نہیں ہوا' اس نے بزدلانہ انداز میں اپنے... گرگوں کے ذریعے حملہ کیا تھا۔

وہ سب سن لینے کے بعد اس نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں چاؤ فان اور ویرا کے فون آئے تھے۔ ویرا گپ شپ کے موڈ میں تھی۔ چاؤ فان نے میرے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ میں پہلی فرصت میں بڑے آدمی سے بات کر لوں۔

''کیا اس نے ہوٹل کے نمبر پر فون کیا تھا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں، اس نے یہاں والے موبائل نمبر پر فون کیا تھا۔ ویرا نے کراچی والے موبائل کا نمبر استعمال کیا' ہوٹل کے نمبر پر کسی نے رابطہ نہیں کیا۔'' وہ جھجک کر خاموش ہوئی تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کہو، تم اور کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''وعدہ کریں کہ آپ چاؤ فان سے لڑائی نہیں کریں گے!''

''اب میں اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔'' راجن سے بات بگڑ گئی ہے، اسد کسی بھی وقت واپس چلا جائے گا۔ بنکاک میں مجھے ان ہی لوگوں کا سہارا ہے..... کیا اس مردود نے تم سے کوئی بدتمیزی کی ہے۔''

''بدتمیزی تو نہیں کی۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔'' کچھ عجیب سی بات کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میری زبان سے آپ کی برائیاں سننا چاہتا ہو۔ میں نے اسے ڈانٹ دیا۔''

''تم نے بہت اچھا کیا۔'' میں نے شگفتگی سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔'' اس بے چارے کا زیادہ قصور نہیں ہے۔ ڈان عورت کا ستایا ہوا ہے۔ اس کے پیٹ میں گھسنے کے لیے میں نے اس کے سامنے تمہاری خاصی کردار کشی کی ہے۔ چاؤ فان کو بھی کچھ بھنک مل گئی ہوگی۔ جب میاں بیوی میں ان بن ہو تو کوئی مشترک شناسا ایسی حرکتیں کرسکتا ہے۔ وہ تم سے دوبارہ ایسی کوئی بات نہیں کرے گا۔''

''آپ کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس نے دوبارہ میرے منہ لگنے کی کوشش کی تو میں خود اسے سنبھال لوں گی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ آپ نے مجھے پس منظر کے بارے میں بتا دیا۔'' اس نے میری بات ختم ہوتے ہی جلدی سے کہا۔

''کیوں نہ میں ڈان سے پہلے اس سے بات کرلوں!'' میں نے اس سے رائے مانگی۔

''یہ بات وہ بھی کہہ سکتا تھا۔ آپ بلاوجہ اسے منہ نہ لگائیں۔ ڈان سے بات کریں۔''

میں نے غزالہ کا مشورہ مان کر اسی وقت ڈان کا موبائل فون نمبر ملالیا۔

وہ سیلرز بار میں رش کا وقت تھا۔ ڈان اپنے بار کے کیش پر خود موجود رہتا تھا تاکہ اپنے عملے کی کارکردگی کے ساتھ وہاں آنے والے ناپسندیدہ عناصر پر بھی کڑی نظر رکھ سکے۔ چاؤ فان کے کہنے کے مطابق ڈان کی گہری دلچسپی کے سبب سیلرز بار کا ماحول ہر قسم کی شرپسندی سے پاک تھا۔ وہاں آنے والے اپنی دھن میں مگن رہتے تھے۔ کوئی غیر ضروری طور پر دوسروں کی تفریحات میں مخل نہیں ہوتا تھا۔ ان خوبیوں کی بنا پر سیلرز بار پینے پلانے کے شوقینوں میں بہت مقبول تھا۔

گھنٹیاں بجتی رہیں، میں ڈان کی بڑھی ہوئی مصروفیات کے پیش نظر تحمل سے انتظار کرتا رہا۔ چوتھی گھنٹی پر ڈان کی طرف سے ہیلو کی صورت میں جواب آ گیا۔

''میں علی بول رہا ہوں۔ مجھے تمہارا پیغام ملا تھا.....''

''میں دو بجے فارغ ہوکر اوپر چلا جاؤں گا۔ تم یہاں آجاؤ۔'' ڈان نے میری بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں اپنا نادر شاہی فرمان سنا دیا۔

''رات کے دو بجے!'' میں نے حیرت سے کہا۔'' کیا یہ ملاقات کل کے لیے ملتوی نہیں ہوسکتی؟''

''بک بک مت کرو!'' ڈان کی آواز میں تحکم کے ساتھ اپنائیت بھی رچی ہوئی تھی۔'' تم نے میرے دماغ میں آگ لگا دی ہے میں چاؤ فان سے کہہ دوں گا۔ وہ ناہنجار تمہیں لینے کے لیے آجائے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ دو بجے تمہیں یہاں پہنچنا ہے۔''

''تمہارا حکم ہے تو میں سر کے بل آؤں گا۔'' میں نے بے چارگی سے کہا۔'' سچ بات یہ ہے کہ میں آرام کرنا چاہ رہا تھا۔ آج بنکاک کے لٹیروں سے میری جھڑپ ہوگئی تھی۔'' میں نے تمہید کے طور پر جھڑپ کا ذکر چھیڑ دیا تاکہ میرے چہرے کے نیل ڈان کے چونکنے کا سبب نہ بن سکیں میں اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میرا راجن کے آدمیوں سے تصادم ہوا تھا۔

وہ کہانی کچھ اور تھی جو ڈینی اور آئی بی کے ذکر کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ ڈان ذہین اور چالاک آدمی تھا۔ اصل واقعات سن کر وہ ایسے ایسے سوال کرتا کہ میرے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔ ان مسائل سے بچنے کے لیے لٹیروں کا مفروضہ سب سے موزوں تھا۔

ڈان نے لٹیروں کے ذکر کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی۔ اسی لہجے میں کہا۔'' تم آرہے ہو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

اس نے میرا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر فون بند کر دیا۔

''رات کے دو بجے اسے آپ سے کیا کام پڑ گیا؟'' غزالہ میرے جوابات سے پوری بات سمجھ چکی تھی اور خاصی متجسس نظر آنے لگی تھی۔

''دو بجے وہ بار بند کر کے فارغ ہو جاتا ہے۔'' میں نے پرخیال لہجے میں جواب دیا۔'' کہہ رہا تھا کہ میں نے اس کے دماغ میں آگ لگا دی ہے۔''

''ایسا تو نہیں کہ اسے آپ کے کارنامے کے خبر مل گئی ہو۔ چار پیشہ ور بدمعاشوں سے مار کٹائی کے بعد صحیح سالم نکل آنا معجزے سے کم نہیں ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''جس وقت وہ چاروں حملہ آور ہوئے، سڑک دور تک سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ڈان کا کوئی آدمی ہمارا پیچھا کر رہا ہوتا تو اس نازک موقع پر الگ تھلگ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ ضرور ہماری مدد کے لیے سامنے آجاتا۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔'' غزالہ نے اعتراف کیا۔ ''میں وقت کے تعین کو بھول رہی ہوں۔ آپ کے جانے کے بیس پچیس منٹ بعد چاؤ فان کا فون آیا تھا۔ اس وقت تک آپ دونوں موتی محل تک بھی نہیں پہنچے ہوں گے۔ جھگڑا اس کے بہت بعد ہوا میں ہوگا۔ ڈان یا چاؤ فان کو آنے والے واقعات کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔''

''یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے۔ ڈان کے لب و لہجے سے ستائش کی بو آرہی تھی۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا کہ لٹیروں سے لڑائی کی بات اس کے کان میں ڈال دی۔ اب وہ آپ کی چوٹوں کے بارے میں زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ڈان سے بات کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑتا ہے۔ جس وقت کوئی چوک ہوئی اس کے غیظ و غضب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں آر یا پار کے سوا تیسرا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''آپ کو اس ٹیڑھے وقت میں ویرا کی کمی تو ضرور محسوس ہوتی ہوگی!'' غزالہ نے اچانک وہ سوال کر کے مجھے چونکا دیا۔ میری تادیب کے باوجود، ویرا کا نام ایک آسیب بن کر اس کے اعصاب پر بری طرح سوار تھا۔

''مجھے کسی کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔'' میں نے غزالہ کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''جب تک وہ ہمارے ساتھ تھی۔ قدم قدم پر اس کی اور اس کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ وہ الگ ہوگئی ہے تو میں اپنے فیصلے خود کر رہا ہوں۔ ان میں تمہارے سوا کسی کا مشورہ شامل نہیں ہے۔ یہ شکر کا مقام ہے کہ میں نے ابھی تک کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔''

''آپ مرد ہیں۔'' وہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''ان معاملات میں مردوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ رشتوں ناتوں کو آسانی سے فراموش کر دیتے ہیں۔ ویرا کے لیے آپ کو بھلانا ممکن نہیں ہے بے چاری آپ کو فون کرتی رہتی ہے۔''

میں چکرا کر رہ گیا، میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے جو بات کہی تھی، غزالہ نے اس میں بھی تنقید کا پہلو تلاش کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے اس کے خیال کی تائید کی ہوتی تو وہ شکایت لے بیٹھتی کہ میں ویرا کو اس سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔

آخر کو وہ ایک عورت تھی اور عورت کو مرد کی اس ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا جو کبھی سیدھی نہیں ہوسکتی، نرمی سے اس کی ٹیڑھ نہیں جاتی، تختی کرو تو ٹوٹ جاتی ہے۔

''وہ فون کرتی ہے تو کیا کرے۔ میں اس کے کسی فعل کا ذمے دار نہیں ہوں۔''

''ان دونوں کی خیر خبر رکھنا آپ کی ذمے داری ہے۔'' غزالہ کو اس وقت شاید اس تذکرے میں مزہ آرہا تھا۔ اس نے بات بڑھالی۔ ''وہ آپ کو اپنا بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں البرٹو کا چکر بھی چلا ہوا ہے، پتا نہیں اس کا کیا بنا ہوگا۔''

''ویرا سے تمہاری بات ہوئی تھی۔ یہ خبر گیری تم بھی کرسکتی تھیں۔''

''اسے آپ ہی گھیر سکتے ہیں۔ میرے لیے بال کی کھال نکالنا ناممکن ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ میرے لیے اس کا ساتھ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

وہ بہترین اور مثالی بیوی تھی۔ میرے لیے اس کی خوبیوں کا شمار ممکن نہیں تھا.... اس میں بس ایک ہی خرابی تھی کہ وہ عورت تھی!

☆☆☆

ٹھیک دو بجے ہم سیلرز بار کے دروازے پر موجود تھے۔

ڈان کے معاملے میں چاؤ فان ضرورت سے زیادہ حساس اور محتاط رہا کرتا تھا۔ وہ مجھے فون کر کے ایک بجے ہوٹل کے باہر آپہنچا۔ اس وقت بنکاک میں رات گہری ہوچکی تھی۔ عام شہری دن بھر کی مشقت آمیز مصروفیات کے بعد اپنے گھروں میں گہری نیند سو رہے تھے لیکن شہر کے چیدہ چیدہ تفریحی مقامات پر بنکاک کی پراسرار شبینہ سرگرمیاں اپنے جوبن پر تھیں۔

چاؤ فان اپنی گاڑی کو ان علاقوں میں گھمانے کے ساتھ رواں تبصرے بھی کرتا جا رہا تھا۔ جن پر معلومات سے زیادہ خرافات کا غلبہ تھا۔

اپنا فاضل وقت ان شب بیدار گلی کوچوں میں گزارنے کے بعد اس نے سیلرز بار کا رخ اختیار کیا۔ اس وقت شہر کی سڑکیں تقریباً خالی پڑی ہوئی تھیں۔ چاؤ فان چاہتا تو ان سڑکوں پر گاڑی بھگانے کا وحشیانہ شوق پورا کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ دو بجے سے پہلے منزل پر پہنچ گیا تو اسے سیلرز بار میں گھسنے کی اجازت نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملے گی۔ وہاں رک کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ رفتار دھیمی رکھ کر وقت کا فرق راستے میں پورا کرلیا جائے۔

''دروازے پر دستک دو، ڈان اوپر جانے والا ہوگا۔'' گاڑی روکتے ہی اس نے مجھے اکسایا۔

میں نے دستک دینے سے پہلے دروازے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ وہ اندر سے بولٹ یا مقفل تھا، پھر مجھے دروازے کے شفاف شیشوں کے پیچھے ڈان آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے دستک دینے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ ڈان نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا، اس کی متجسس نظریں میرے شانوں کے پیچھے گئیں پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''پیچھے سے آؤ۔ اسے بھی ساتھ لے آؤ!''

دروازہ بند ہوگیا۔ اس بار ڈان نے بولٹ لگانے کے ساتھ دروازے کے ہضمی قفل میں چابی گھمائی اور مڑ کر اندر کی کئی بتیاں گل کردیں۔ اندر چھا جانے والی نیم تاریکی میں اس کا دیوہیکل ہیولا واپس چل پڑا۔ بار کے اندرونی حصے میں اس وقت بھی خاصی روشنی تھی۔ وہاں کام کرنے والی لڑکیاں تیزی سے اپنا کام سمیٹ رہی تھیں۔

''تم ہمیشہ ذلیل کروانے والے کام کرتے ہو!'' میں نے پلٹ کر چاؤ فان کو آنکھیں دکھائیں۔ ''ہمیں پچھلے دروازے سے اندر جانا پڑے گا۔''

''ماسٹر! ڈان اپنا مربّی ہے۔ اس کے سامنے عزت اور ذلّت کی باتیں مت سوچا کرو۔ پتا نہیں اسے کیا ہوگیا ہے۔ وہ اچانک تمہاری بہت عزت کرنے لگا ہے۔'' وہ یہ کہتا ہوا گاڑی سے اتر آیا۔

''اس نے دروازہ کھول کر بند کیا ہے۔ وہ چاہتا تو مجھے اندر بلا سکتا تھا۔'' میں نے ترشی سے کہا۔ ''تم اس کو عزت افزائی سمجھتے ہو۔'' میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! بڑے لوگوں کی باتیں نرالی ہوتی ہیں۔ وہ تھپڑ مار کر بھی عزت دے سکتا ہے..... اب یہی دیکھ لو کہ تم بات بات پر مجھ سے ناراض ہوتے رہتے ہو۔ میں بالکل برا نہیں مناتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کھرے دل کے آدمی ہو اور اپنے اس خادم کی قدر کرتے ہو۔''

''چاؤ فان! یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ کبھی کبھی تم اتنا غصہ دلاتے ہو کہ تمہاری گردن دبا دینے کو دل چاہتا ہے مگر میں ہمیشہ صبر و ضبط سے کام لیتا ہوں۔''

''ضرور لیتے ہوگے مگر اپنی آواز نیچی رکھو!'' اس نے سر ہلاتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ ''کسی نے سن لیا تو سوچے گا کہ ہم چلتے چلتے لڑ رہے ہیں۔''

''میرے اتالیق بننے کی کوشش مت کرو۔ میری آواز اونچی نہیں ہے۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ماسٹر! تم میری ناقدری کرتے ہو۔'' وہ اداسی سے بولا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ میں مرگیا تو تم چار دنوں تک میرے قبر پر روتے رہوگے۔''

''یہ چار دنوں کا حساب تم نے کہاں سے نکال لیا؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے قبیلے میں مرنے والے کا سوگ صرف تین دنوں کا ہوتا ہے۔ چوتھے دن رونے والے، مرنے والے کے چہیتے اور قریبی عزیز ہوتے ہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے بتایا۔

میں نے دل ہی دل میں اس پر اور اس کے قبیلے پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا۔ ''تم عقل سے زیادہ اپنی زبان استعمال کرتے ہو۔ یہی توانائی ڈھنگ کی باتیں سوچنے میں استعمال کرو تو کہیں نا کہیں پہنچ سکتے ہو۔''

''میں کہیں پہنچنا نہیں چاہتا، جہاں ہوں وہیں خوش ہوں۔'' وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''تم مجھ پر ایک کرم کرنا..... ڈان کے سامنے میری زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو مجھے سرزنش نہ کرنا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد تمہیں آزادی ہوگی کہ اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لو۔''

''کیا ڈان تم کو عقلِ کل سمجھتا ہے؟'' میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھا۔

''ڈان کے سامنے کوئی کچھ نہیں ہے۔'' اس نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔ ''بات صرف اتنی ہے کہ تم مجھ پر ایک تنقید کروگے۔ ڈان مجھے دس گالیاں سنائے گا۔ وہ ایسی خوفناک گالیاں ایجاد کرتا ہے کہ ان پر ذرا سا غور کرنے سے دل دہل جاتا ہے۔''

''تم ڈان کے پرانے آدمی ہو تمہیں ایسی ہزاروں مثالیں یاد ہوں گی۔'' میں نے عقبی گلی میں مڑتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! تم پھر چوٹ کرگئے۔'' اس نے کمزور آواز میں شکایت کی۔ ''میں اتنا گیا گزرا نہیں ہوں کہ ہر وقت ڈان سے گالیاں سنتا رہوں۔ موڈ خراب ہو تو وہ کبھی کبھی بگڑ جاتا ہے ورنہ عام طور پر میری بات سن لیتا ہے۔ یہی دیکھ لو کہ تمہارے لیے اس نے پورے بنکاک سے صرف میرا انتخاب کیا ہے۔''

''کبھی کبھی میں بھی سوچتا ہوں کہ ڈان نے میرے لیے تمہارا انتخاب کیوں کیا ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ فقرہ اس کے سر پر سے گزر گیا۔ ڈان کی قیام گاہ کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اور سناؤ برخوردار.....! کیسی گزریں چھٹیاں.....؟''

عقبی دروازہ قریب آرہا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

سیاہ چوبی دروازے کے پیچھے ایک لڑکی ہماری منتظر تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر زینوں کی طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں خاموشی سے ان نیم تاریک زینوں پر چڑھتے چلے گئے۔ میں آگے تھا۔ چاؤ فان سر جھکائے میرے پیچھے آرہا تھا۔

خلافِ توقع ڈان زینوں کے اختتام پر نظر نہیں آیا۔ میں آخری زینہ عبور کرکے اوپر پہنچا تو وہ لباس تبدیل کیے بغیر، اپنی مسہری کے قریب ایک کرسی پر نیم دراز تھا۔

''چلے آؤ!'' ڈان نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔

میں اس کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اس ہال کے دور افتادہ فرشی گدوں پر ڈان کے پالے ہوئے چاروں مسٹنڈے دنیا سے بے خبر ہوکر تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔

میں ڈان سے چند قدم دور تھا کہ چاؤ فان دورے کی سی حالت میں اچانک دوڑ کر آگے بڑھا اور ڈان کے قدموں میں تقریباً گر گیا۔ اس نے ڈان کے دونوں پیر چھونے کے بعد ادب واحترام سے اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے اور الٹے قدموں لوٹنے لگا۔

میں وہ تماشا دیکھنے کے لیے ٹھٹک کر اپنی جگہ پر رک گیا۔

ایک گوشہ نشین بدمعاش کے لیے چاؤ فان کی عقیدت میرے لیے حیرت انگیز تھی۔

ڈان نے چاؤ فان کو اپنی زبان میں کوئی ہدایت دی، چاؤ فان نے سر کو آگے خم دے کر ادھر کا رخ کرلیا جہاں چار حرام خور جواری بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ڈان کے مال پر پل رہے تھے۔ شراب نہیں پیتے تھے مگر جوئے کی لت میں بری طرح مبتلا تھے۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' ڈان نے مجھے پیشکش کی اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''میں نے تمہیں سیکرز بار میں آنے سے منع کیا تھا۔ تم اس کے دروازے پر کیوں آئے تھے؟''

''چاؤ فان نے گاڑی وہیں روکی تھی۔ دو بج رہے تھے۔ میں روانی میں سیدھا آگیا۔'' میں نے اضطراری انداز میں ذمے داری چاؤ فان کے سر ڈال دی۔

ڈان نے برہمی کا اظہار کرنے کے بجائے نرمی سے کہا۔ ''وہاں ہر رنگ کے لوگ آتے ہیں۔ اس وقت بھی میرا عملہ صفائی ستھرائی میں لگا ہوا ہے۔ پچھلا دروازہ خاص لوگ کھولتے ہیں۔ اب یہ بات گرہ میں باندھ لینا۔ چاؤ فان کو میں دوسری زبان میں سمجھاؤں گا۔''

''آیندہ تمہیں شکایت نہیں ہوگی!'' میں نے سعادت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مندی کا مظاہرہ کیا۔ ''راز داری کے لیے یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔''

ڈان نے مضطربانہ انداز میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کے احترام میں، میں نے اٹھنا چاہا تو اس نے میرے شانے دبا کر مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ جینز اور مختصر آستینوں والی سیاہ ٹی شرٹ میں بہت وجیہہ اور اپنی اصل عمر سے کئی برس چھوٹا نظر آرہا تھا۔

''میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ میری کن باتوں نے تمہارے دماغ میں آگ لگائی ہوئی ہے!'' اسے خاموشی سے ٹہلتا دیکھ کر میں نے دھیرے سے کہا۔

وہ رک کر میری طرف گھوما، اس نے اپنے دونوں ہاتھ کسرتی بازوؤں پر جما کر سینے پر باندھے اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہاری چوٹوں کے بارے میں فکرمند ہوں۔ تمہارا چہرہ کس نے بگاڑا؟''

''میں نے فون پر تمہیں بتایا تھا کہ آج ایک گلی میں لٹیروں نے گھیر لیا تھا.....'' میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے میری بات پوری نہیں ہونے دی اور بولا۔ ''یاد آگیا، تم نے ایسی کوئی بات بتائی تھی۔ وہ رش کا وقت تھا۔ میں بہت زیادہ مصروف تھا، بات میرے ذہن سے نکل گئی۔ کوئی اور ٹوٹ پھوٹ بھی ہوئی ہوگی!''

''میری نہیں، ان کی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔ میرے ہاتھوں پٹنے کے بعد وہ خالی ہاتھ بھاگ گئے۔''

''وہ شہر کے شوقین لڑکے ہوں گے۔ یہاں کے لٹیرے مسلح رہتے ہیں۔ مار پیٹ کی نوبت آنے سے پہلے گولی مار کر تمہیں ٹھنڈا کر دیتے۔ تم خوش نصیب ہو کہ ایسے حادثے سے بچ گئے۔''

ڈان نے مجھے دیکھتے ہی چوٹوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی ہر ادا میں صبر و تحمل، وقار اور بردباری کا پیکر نظر آتا تھا۔ اس نے بہت قرینے سے اپنی فکرمندی ظاہر کی تھی۔

''اگر تم علاقے کے نشان دہی کرو تو چاؤ فان لڑکوں کو ڈھونڈ لے گا۔ کچھ دنوں سے شہر کے خوش حال گھرانوں کے بچے تفریح کے طور پر چھینا جھپٹی کی وارداتیں کرنے لگے ہیں۔ شہر کا ماحول ستھرا رکھنے کے لیے انہیں سزا دینا ضروری ہے۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پیشکش کی۔

ڈان اس واقعے کو اپنے انداز سے دیکھ رہا تھا جب کہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں ڈان یا اس کے آدمیوں کو کسی طرح اس واقعے میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا ''میں بعض علاقے پہچان سکتا ہوں لیکن بنکاک کی سڑکوں اور علاقوں کے نام اب تک مجھے یاد نہیں ہو سکے۔ شاید میں دوبارہ وہاں نہ پہنچ سکوں۔ ان لڑکوں کے لیے اتنا سبق کافی ہے کہ وہ خوب مار کھا کر بھاگے اور مجھ سے ایک بھات بھی نہیں چھین سکے۔''

ڈان مسہری کے بجائے' میرے قریب ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے۔ میں تم پر زور نہیں ڈالوں گا۔'' وہ بولا۔

''کیا تم مجھے اس ملاقات کے سبب سے آگاہ نہیں کرو گے؟'' اسے خاموش پا کر میں نے نہایت نرمی اور ادب سے کہا۔

''میں وہی سوچ رہا ہوں۔ تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ چاؤ فان سے پتا چلا ہے کہ تم آج صبح چھوٹا راجن کی لانچ کا جائزہ لینے کے لیے اکیلے پورٹ ایریا میں پہنچے ہوئے تھے۔''

''جب تک اس پر ہاتھ نہیں پڑتا' میں کچھ نہ کچھ کرتا رہنا چاہتا ہوں۔ اس کی وائٹ ہاک کی تباہی کی کوئی صورت بن جائے تو راجن کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''تمہاری سوچ بہت ٹھوس اور واضح ہے۔'' ڈان نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''اسے وائٹ ہاک پر بہت گھمنڈ ہے۔ لوگ سمندر میں عیاشی کے لیے کشتیاں کرائے پر لے کر جاتے رہتے تھے۔ چھوٹا راجن نے تیرتا ہوا کلب اور کیسینو کھول کر لوگوں کو نئی راہ دکھائی ہے۔ اس کی اس کامیابی سے مجھے حسد ہونے لگا ہے۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ میں اس کی ایک ایک حرکت کا گہری نظروں سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے چاؤ فان کو مفت خورے جواریوں میں بھیج کر یہ واضح کر دیا تھا کہ اس کے لیے ساری اہمیت میری تھی' چاؤ فان کا کوئی مقام نہیں تھا۔

ڈان ٹہلتا ہوا اپنی مسہری تک گیا اور تکیے کے نیچے سے پاسپورٹ نکال لیے۔ وہ جوں کے توں وہیں رکھے ہوئے تھے جہاں اس نے انہیں پہلی بار رکھا تھا۔

میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس نے ہمارے پاسپورٹ تلف کرنے کے لیے نکالے ہوں گے۔ وہ راجن کی موت سے پہلے انہیں لوٹانے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس نے تکیے کے نیچے سے پاسپورٹ کیوں نکالے تھے۔

وہ بے نیازی سے چلتا ہوا واپس آیا اور اس نے دونوں پاسپورٹ اچانک میری گود میں ڈال دیے ''انہیں احتیاط سے رکھ لو' تم ان کی واپسی کے لیے بہت بے چین تھے!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈان کی وہ حرکت میرے لیے اتنی غیر متوقع تھی کہ میں سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر جمارہ گیا۔

چند ثانیوں بعد وہ سحر ٹوٹا تو بے اختیار میرا جی چاہا کہ پاسپورٹ اپنی جیب میں ڈال کر پورے خلوص سے ڈان کا شکریہ ادا کروں مگر ذہن کے کسی گوشے میں ایک للکار سی گونجی اور میں کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔

میرے ذہن نے یکا یک بہت تیزی سے کام کرنا شروع کردیا تھا۔ راجن سے ابتدا میں میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ مجھے اس سے صرف اتنی پرخاش تھی کہ بنکاک میں وہ سوبھراج کا میزبان ہوا کرتا تھا۔ جبکہ ڈان اس کے لہو کا پیاسا تھا۔ میں نے ڈان اور راجن کی اس دشمنی سے کھل کر فائدہ اٹھایا۔ سوبھراج کا نام لیے بغیر، میں نے بھی راجن کے دشمن کا روپ دھار لیا اور ڈان نے اس مشترک جذبے سے مغلوب ہوکر، میری آزمائش کے بعد، مجھے گلے سے لگالیا۔

سوبھراج کو مار لینے کے بعد میرے لیے راجن کی اہمیت ختم ہوگئی۔ ڈان بہ دستور اس کا دشمن تھا۔ جس وقت ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لیے، میں سب کچھ بھول بھال کر تھائی لینڈ سے نکل جانے کی کوشش کررہا تھا۔

پچھلی رات موتی محل میں راجن سے ملاقات اور پھر اس کے بھیجے ہوئے غنڈوں سے مقابلے کے بعد وہ صورت حال یکا یک تبدیل ہوگئی تھی۔ میں خود بھی راجن کو اس کے تکبر کا مزہ چکھانے پر تل گیا تھا۔ وہ صرف ڈان کا دشمن نہیں رہا تھا، میرے دل کا کانٹا بھی بن گیا تھا۔

جب مجھے راجن کے خاتمے یا زوال تک بنکاک ہی میں رکنا تھا تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ہمارے پاسپورٹ ہمارے قبضے میں رہتے ہیں یا ڈان کے پاس رہتے ہیں۔

ڈان کے دل میں میری طرف سے ایک شبہ جگہ پاچکا تھا کہ میں اسے جل دے کر تھائی لینڈ سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ڈان کے ذہن سے وہ شبہ نہیں کھرچ سکا تھا۔ جب تک ہمارے پاسپورٹ اس کے پاس رہتے، وہ مطمئن رہتا کہ میں اسے دغا دے کر ملک سے کہیں نہیں جاسکوں گا۔ اس اطمینان کے لیے اسے ہماری نگرانی کرانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

ڈان جذباتی ہوکر یا کسی مصلحت کے تحت پاسپورٹ واپس کررہا تھا تو اس کا وہ عمل میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ وقتی جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد اس کے ذہن میں شبہ دوبارہ سر ابھارتا تو میری مسلسل نگرانی کا سلسلہ شروع ہوسکتا تھا۔ پاسپورٹ لوٹانے کے بعد، میرے عزائم سے باخبر رہنے کے لیے ڈان کے پاس ایک ہی راہ رہ جاتی کہ چوبیس گھنٹے میری نقل و حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

وہ ایک خطرناک صورت حال ہوتی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ راجن کو مار گرانے کے لیے مجھے کن مراحل سے گزرنا پڑتا۔ تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اسی رات میں اسد کے ساتھ راجن سے مل چکا تھا لیکن ڈان اس ملاقات سے بے خبر تھا۔ اس کے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آنے کے بعد میں ان آزادیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ڈان سے پاسپورٹ واپس لینے کی قیمت مجھے بہت مہنگی پڑسکتی تھی۔

اسے ذرا بھی شک ہوجاتا کہ میں اسے فریب دے کر ابتدا سے ہی اس کے ساتھ کوئی دہرا کھیل کھیل رہا تھا تو بنکاک میں مجھے کہیں امان نہیں مل سکتی تھی۔

میں نے چند ثانیوں میں بہت تیزی کے ساتھ وہ تجزیہ کیا اور اپنی گود سے دونوں پاسپورٹ اٹھا کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''مجھے ان کی طرف سے کوئی بے چینی نہیں تھی۔'' میں نے وہ پاسپورٹ دونوں ہتھیلیوں پر رکھ کر ڈان کو پیش کردیے ''ہوٹل کے کمرے کے مقابلے میں یہ تمہارے پاس زیادہ محفوظ ہیں۔ وہاں سے کوئی سامے انہیں آسانی سے اڑا سکتی ہے۔''

ڈان کی تیوریوں پر بل پڑ گئے ''چاؤ فان کہہ رہا تھا کہ تم

مختصر مختصر

☆ ''نہیں بیگم! ہم اس سال مری نہیں جاسکتے۔ ذرا ان تمام بلوں کے بارے میں سوچو جو ہمیں ابھی ادا کرنے ہیں۔''

''تو کیا ہم مری جاکر ان کے بارے میں نہیں سوچ سکتے؟''

☆ میری جان کی قسم کھا کر بتایئے، آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟''

''پہلے تم بتاؤ، تمہیں کتنی محبت کی ضرورت ہے؟''

☆ ''آدھی رات ہوگئی ہے..... میرے میاں ابھی تک نہیں آئے۔ میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہورہی ہوں کہ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔''

''بہن! پریشان مت ہو..... اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ اس وقت وہ کہاں ہیں..... تو ہوسکتا ہے تمہاری پریشانی دگنی ہوجائے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کئی بار ان کی واپسی کی بات کر چکے ہو۔ میں اس جھوٹے کا سر توڑ دوں گا۔'' اس نے پاسپورٹوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

''وہ جھوٹا نہیں ہے۔'' چاؤ فان کو ڈان کے کسی عتاب سے بچانے کے لیے میں نے جلدی سے اس کی صفائی پیش کی ''میرے ساتھ خاصا وقت گزارتا ہے۔ اس سے میری بے تکلفی ہوگئی ہے۔ دل بہلانے کے لیے میں اسے چھیڑتا رہتا ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ مذاق میں کہی ہوئی باتیں سنجیدگی سے تم تک پہنچا دیتا ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔''

''اس اُلّو کے پٹھے کی عقل موٹی ہے۔'' ڈان نے بیزاری سے کہا ''وہ بلاوجہ مجھے پریشان کرتا ہے۔ بعد میں اسے بتا دیا کرو کہ تم اس سے مذاق کر رہے تھے۔''

چاؤ فان ان باتوں سے بے خبر اسی ہال کے ایک سرے پر جواریوں کے ساتھ تاش کے کھیل میں منہمک تھا۔ اس وقت میری جان میں جان آئی جب ڈان نے چاؤ فان کے ذکر کو کوئی طول دیے بغیر میرے ہاتھوں سے دونوں پاسپورٹ اٹھا لیے۔

''اب یہ میرے پاس تمہاری امانت ہیں۔'' اس نے کہا ''جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔ تمہارا یہ خوف بجا ہے کہ یہ ہوٹل کے کمرے سے چوری ہو سکتے ہیں۔''

اس نے وہیں کھڑے کھڑے بے پروائی سے دونوں پاسپورٹ مسہری کی طرف اچھال دیے۔

ہال کے دیوار گیر کلاک میں ڈھائی بجنے والے تھے۔ جواری اپنے کھیل میں کھوئے ہوئے تھے ڈان نے اس وقت تک مجھ سے اصل موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس کے اطمینان اور وہاں کے ماحول سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پوری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ میں ڈان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکا کہ وہ سونے کے لیے کب لیٹے گا۔

''وائٹ ہاک کی بات ہو رہی تھی۔'' یہ کہہ کر ڈان دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا ''اس کی تباہی کے بارے میں تمہارا منصوبہ مجھے پسند آیا ہے۔ میں چشم تصور سے اس لانچ کو کئی بار تباہ ہوتے ہوئے دیکھ چکا ہوں۔ میں نے اس پر بات کرنے کے لیے تمہیں بلایا تھا۔''

''میں نے کئی منصوبوں پر غور کیا ہے.....''

''میں صرف زیر آب کارروائی کی بات کر رہا ہوں۔'' ڈان نے مجھے درمیان میں ٹوک دیا ''سطح سمندر سے کی جانے والی کوئی کارروائی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ تم نے دیکھ لیا کہ دن میں بھی اس کے آدمی ہوشیار رہتے ہیں۔ کسی اجنبی کو وائٹ ہاک کے قریب نہیں پھٹکنے دیتے۔''

''ہماری بوٹ ان سے کافی دور تھی پھر بھی انہوں نے فائر کر کے ہمیں واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔''

''انہوں نے سمندر کے اس حصے میں اپنی بدمعاشی قائم کی ہوئی ہے۔'' اس نے غصے سے پہلو بدلتے ہوئے کہا ''ہمارے افسر اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ چھوٹا راجن ان کی جیبیں بھر کر ہر طرف اپنی من مانیاں کرتا پھرتا ہے۔ اسے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔''

''بہت جلد اس کے دن پورے ہونے والے ہیں!''

''تمہارا چہرہ زخمی ہے۔ مار پیٹ کی وجہ سے ہاتھ پیر بھی دکھ رہے ہوں گے۔ مجھے احساس ہے کہ اس وقت تمہیں آرام اور بستر کی ضرورت ہے مگر میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ منصوبہ بناؤ' سامان اور آدمی جمع کرو اور وائٹ ہاک کو غرق کر دو۔''

''چاؤ فان بتا رہا تھا کہ اس پر مرمت اور دیکھ بھال کے لیے چند روز کی چھٹی ہونے والی ہے۔ لانچ پر گنتی کے دو چار آدمی رہ جائیں گے۔ ہمارے لیے وہ بہترین وقت ہوگا۔''

''چاؤ فان نے بہت مال بنا لیا ہے لیکن وہ اب بھی گھٹیا لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ مجھ سے فالتو بات نہیں کرتا' تمہیں مرعوب کرنے کے لیے چنڈو خانے کی خبریں سناتا ہے۔ لانچ بالکل نئی ہے۔ سالوں اس کی مرمت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ چھوٹا راجن چالاک آدمی ہے۔ باہر سے آنے والا سارا مال وائٹ ہاک پر اتارتا ہے اور چھوٹی کھیپوں میں شہر میں پہنچا دیتا ہے۔ اس مال میں ہیروئن سے لے کر عورتیں تک ہوتی ہیں۔ مجھے اس کی ایک ایک حرکت کی خبر رہتی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ''ایسے وقت پر لانچ میں کم آدمی ہوں گے۔ ہم بے گناہوں کے خون سے بچ جائیں گے۔''

''چاؤ فان کی باتوں پر مت جاؤ۔'' ڈان نے ناصحانہ لہجہ اختیار کر لیا ''میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں اس کا مال کب آئے گا۔''

ڈان کے ذہن میں زیر آب کارروائی کی بات بیٹھ گئی تھی۔ مین نے اس پر غور کرتے ہوئے کہا ''مجھے غوطہ خوروں کی ضرورت ہوگی۔ انہیں سمندر میں اتار کر ہم وائٹ ہاک کا پیندا اڑا سکتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' ڈان نے اپنے جوش پر قابو رکھتے ہوئے' بردباری سے کہا ''مجھے اندازہ تھا کہ تم نے ایک بات زبان سے نکالی ہے تو تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ بھی ہوگا۔ میں تم کو ڈائنامائیٹ فراہم کر دوں گا۔ وہ بہت بڑی لانچ ہے۔ بہت دھیرے دھیرے سمندر میں غرق ہوگی۔ اس پر موجود لوگوں کو اپنی جانیں بچانے کے لیے کافی وقت ملے گا۔ ہمیں انتظار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کی ضرورت نہیں ہو سکے تو یہ کام کل ہی ہو جانا چاہیے۔ میں چھوٹا راجن کے گھر میں ماتم برپا کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے یہاں بہت خوشیاں دیکھ لیں۔ اب میرے دن آنے والے ہیں۔"

اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کی بحالی کے تصور سے ڈان کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک نمودار ہوگئی۔ اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں تھی کہ وہ میرے کندھوں پر سوار ہو کر اپنی لڑائی جیتنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ حاکمانہ انداز رکھنے والے ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے مفاد کے لیے دوسروں سے ہر قسم کا کام لینا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔

"ڈائنا مائیٹ کام نہیں کریں گے۔" میں نے آہستگی سے کہا "سمندری پانی میں بھیگ کر عام بارودی ہتھیار ناکارہ ہو جائیں گے۔ وائٹ ہاک کی تباہی کے لیے ہمیں واٹر پروف ریموٹ کنٹرولڈ بم درکار ہوں گے۔"

"تمہارے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا ہے۔" ڈان نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "مجھے ان لوگوں سے چڑ ہے جو مسائل پیدا کرنے میں ماہر ہوتے ہیں، ان کے پاس کوئی حل نہیں ہوتا یہاں کے چور بازار میں ہر قسم کے ہتھیار اور اسلحے کی فراوانی ہے۔ امریکی اسلحہ خانے سے چرائے ہوئے واٹر پروف بم آسانی سے مل جانے چاہئیں..... یہ بندوبست چاؤفان کو کرنا ہوگا۔ اسے بھی بلا لینا چاہیے۔"

ڈان نے اسے آواز دی تو وہ پانچوں چونکے۔ چاؤفان ہاتھ کے پتے پھینک کر تقریباً دوڑتا ہوا ہماری طرف آ گیا۔

"اسے بتاؤ کہ تمہیں کیا کیا درکار ہوگا۔" ڈان نے مجھے اشارہ کیا۔ اس نے چاؤفان کو بیٹھنے کے لیے نہیں کہا۔ وہ ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑا ہوا تھا۔

"دو واٹر پروف بم جو ریموٹ کنٹرولڈ ہوں اور دو ماہر غوطہ خور جو دیر تک پانی میں رہ سکیں۔" میں نے اسے اپنی ضروریات سے آگاہ کیا۔

"لانچ کی بیرونی چادر، جہازوں کی طرح موٹی اور بہت مضبوط ہوتی ہے۔" ڈان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہم نے طے کیا ہے کہ سمندر پر ناچنے والی لانچ کو جلد از جلد غرق کر دیا جائے۔ دونوں بم کم از کم بیس پاؤنڈ بارودی قوت کے ہونے چاہئیں تاکہ ناکامی کا خطرہ نہ رہے۔"

"بندوبست ہو جائے گا۔" چاؤفان نے سر جھکا کر مشینی لہجے میں جواب دیا۔ "میں دیکھتا ہوں کہ اپنے آدمیوں میں کون کون غوطہ خوری کر سکتا ہے۔"

"وقت برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ماہی گیروں کی بستی میں آدمی مل جائیں گے۔" ڈان غرایا۔ "میں دس بیس ہزار بھات کی پروا نہیں کروں گا۔"

چاؤفان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا، میں نے سر ہلا کر اسے حوصلہ دیا۔ اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈان سے کہا۔ "بنکاک میں سب جانتے ہیں کہ وائٹ ہاک چھوٹا راجن کی لانچ ہے۔ آج کل شہر میں اس کی دھاک ہے۔ شاید باہر کا کوئی آدمی اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی میں اپنی کوشش کروں گا۔"

ڈان کی غضب ناک آنکھیں دیکھ کر اس نے جلدی سے آخری فقرہ ادا کیا۔ چاؤفان کی بات معقول تھی لیکن ڈان ذرا سی دیر پہلے مجھ سے کہہ چکا تھا کہ وہ مسائل کے بجائے ان کے حل سننا پسند کرتا ہے۔ وہ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "ان ڈھیلے گھٹنوں کی وجہ سے آج چھوٹا راجن یہاں راج کر رہا ہے اس کو یہاں سے نکلے بغیر الہام ہو گیا کہ شہر کے سارے لوگ اس مردود سے ڈرتے ہیں۔"

"ڈان.....! یہ باتیں تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اسے اڑانا چاہتے ہو، ہم اس کا بندوبست کر لیں گے۔ تم کو ان جزئیات میں اپنا سر کھپانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہ سوچو کہ وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈبونے کے بعد ہم راجن کا سر کیسے اتار سکیں گے۔"

مالکن نے شرم دلانے کے انداز میں ملازمہ سے کہا "یہ پلیٹ دیکھ رہی ہو تم.....؟ کتنی گندی ہے۔ تمہیں اس کو مہمانوں کے سامنے رکھتے ہوئے شرم نہیں آئی؟"

"اس میں میرے لیے شرم کی کیا بات ہے بیگم صاحبہ؟" ملازمہ نے اطمینان سے کہا "یہ ٹھیک ہے کہ اس پر انگلیوں کے نشان میرے ہیں..... لیکن سالن کی چکنائی تو اس پر میرے اس گھر میں آنے سے پہلے موجود تھی۔"

اسی طرح ایک اور مالکن نے شرم دلانے کے لیے اپنی ملازمہ سے کہا "تمہیں معلوم ہے کل ڈائننگ ٹیبل پر اتنی مٹی جمی ہوئی تھی کہ میں نے انگلی سے اس پر تمہارا نام لکھا تو وہ دور سے پڑھا جا سکتا تھا۔"

"جی ہاں..... پڑھا تو جا سکتا تھا لیکن اس کے ہجے غلط تھے۔" ملازمہ نے منہ بنا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کے پیندے میں بڑا سوراخ ہونا چاہیے تاکہ لانچ میں تیزی سے پانی بھرنا شروع ہوجائے۔'' ڈان نے اپنی برتری جتانے کے لیے بولنا شروع کردیا۔ ''لنگر کی زنجیر کی کڑیاں بہت مضبوط اور موٹی ہوں گی۔ اگر لنگر کاٹ دیا جائے تو پانی بھرنے کے ساتھ لانچ اپنی جگہ پر گھومنے لگے گی اور آہستہ آہستہ پانی میں غرق ہوجائے گی۔''

لنگر کاٹنے کا ذکر سنتے ہی میرا دھیان بیم گن کی طرف گیا اس کے نوزل سے خارج ہونے والی، نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار پلک جھپکتے میں زنجیر کی کڑیوں کو گلا سکتی تھی۔ ہمیں وہ کارروائی پانی کی سطح سے کافی نیچے رہ کر کرنا تھی تاکہ لانچ کے عرشے پر موجود، مسلح محافظ ہماری موجودگی سے باخبر نہ ہوسکیں۔ میں نے نازک مواقع پر بارہا بیم گن کے ہولناک کمالات آزمائے تھے لیکن میں اس کی زیرآب کارکردگی سے بے خبر تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ غیرضروری طور پر ڈان کی خواہشات کی حوصلہ افزائی کرنا مناسب نہیں تھا۔

ڈان کی بات کا کوئی نہ کوئی جواب دینا ضروری تھا۔ مجھے خاموش پاکر چاؤفان کو ناچار اپنی زبان کھولنا پڑی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''بالکل ایسا ہی ہوگا۔ لنگر کاٹ دینے کے بعد وہ موجوں کے زور پر کھسکنا شروع کردے گی۔ ہوسکتا ہے کہ لانچ کسی سخت چٹان سے ٹکرا جائے۔ یوں اس کے ڈوبنے کا عمل تیز ہوجائے گا۔''

ڈان نے اسے تیز نگاہوں سے گھورا لیکن زبان سے کچھ نہیں بولا۔ چند لمحوں کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''یہ کام کب تک پورا ہونے کی امید ہے۔''

''میں کل تمہیں جواب دے سکوں گا۔ سارا انحصار غوطہ خوروں کے بندوبست پر ہے۔''

''بس، اب تم جاؤ۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑنے میں تاخیر نہیں کی۔ چاؤفان پہلے ہی کسی مجرم کی طرح اپنے دونوں ہاتھ باندھے کھڑا ہوا تھا۔ ڈان زینوں کی طرف چل دیا۔

آدمی شریف ہو تو عام طور پر خلیق اور منکسر المزاج ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تھا کہ بدمعاش اس وصف سے یکسر محروم ہوتے ہیں۔ جو جتنا بڑا بدمعاش ہوتا ہے، اپنی طاقت کے نشے میں اتنا ہی زیادہ مست ہوتا ہے، سوبھراج اور راجن کی طرح ڈان برنارڈ بھی بہت مغرور شخص تھا۔ دوسروں کے ساتھ وہ ہر لمحے اپنی بالادستی کا مظاہرہ کرتا رہتا تھا مگر میرے ساتھ، پہلے دن سے اس کا رویہ قدرے بہتر تھا جس میں وقت گزرنے کے ساتھ مزید بہتری آتی جارہی تھی۔ اس کا سبب صرف یہ تھا کہ اس کے لیے میری کارکردگی بڑی حد تک اطمینان بخش تھی۔

اس نے رعونت کے ساتھ ہمیں رخصت نہیں کیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ زینوں پر ہمیں الوداع کہہ دے گا مگر وہ نیچے اترتا چلا گیا۔ میرے لیے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بہت اہم تھیں۔ ان سے اندازہ ہورہا تھا کہ میں ڈان کے دل و دماغ میں بہ تدریج اپنی جگہ بناتا جارہا تھا۔

ڈان نے ہمیں سیاہ چوبی دروازے سے باہر نکال کر خود دروازہ بند کرلیا۔

چاؤفان نے گلی میں آکر، کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لیے پھر دھیمی آواز میں بولا ''وہ مجھے نکما سمجھتا ہے پھر بھی زیادہ تر کام مجھ ہی سے لیتا ہے۔''

''وہ تمہیں دباؤ میں رکھنے کے لیے ایسی باتیں کرتا ہے۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا ''تم دیکھ لینا کہ ڈان کے دن پھر گئے تو تم بنکاک میں راج کروگے۔ وہ تمہیں بہت عزیز رکھتا ہے۔''

''تم خود بتاؤ کہ میں غوطہ خور کہاں سے پیدا کروں۔ میں تو تیرنا بھی نہیں جانتا۔'' وہ سخت ذہنی الجھن کا شکار نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''گھر اور سیکرٹریٹ محدود رہنے کے باوجود اسے ہر بات کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لوگ چھوٹا راجن سے ڈرنے لگے ہیں۔ وہ اپنے سامنے آنے والوں کو بہت بے دردی سے مروا دیتا ہے۔ نوٹوں کے لالچ میں کوئی اپنی گردن کٹوانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔''

ہم باتیں کرتے ہوئے چاؤفان کی گاڑی تک پہنچ گئے۔ اس دوران میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ سانس روک کر پانی میں غوطہ خوری کرنے والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ ایسے لوگ چند منٹ سے زیادہ زیرآب نہیں رہ سکتے۔ سانس کے لیے انہیں ہر حال میں اوپر آنا ہوتا ہے۔ لانچ میں بم لگانے کا کام ان کے بس کا نہیں تھا۔ ہمیں ایسے آدمی درکار تھے جو غوطہ خوری کے مکمل لباس اور آکسیجن سلنڈر کے ساتھ دیر تک پانی میں رہ سکیں۔

اس کے نزدیک ایسے پیشہ ور لوگوں کا کسی مجرمانہ کام کے لیے تیار ہونا اور بھی مشکل تھا۔ وہ بھاری معاوضے لے کر کام کرتے اور خوش حال زندگی گزارتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا مالی لالچ بھی انہیں قانون شکنی پر نہیں اکسا سکتا تھا۔

لانچ کے پیندے میں بم لگانا بھی آسان کام نہیں تھا۔ سپاٹ اور ڈھلوان فولادی دیواریں جو نیچے جاکر ایک دوسرے سے مل رہی ہوں، ایک مسئلہ بن سکتی تھیں۔ ان پر بم باندھنا تقریباً ناممکن تھا۔ کافی دیر تک تبادلۂ خیال کے بعد مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجینئرنگ کے شعبے میں استعمال ہونے والے وہ مقناطیس یاد آ گئے جو سوئچ گھمانے سے آن اور آف ہو جاتے ہیں۔ ایسے چند مقناطیس باندھ کر بموں کو لانچ کی دیواروں کے قریب چھوڑ دیا جاتا اور مقناطیس آن ہوتے تو وہ بم از خود لوہے کی طرف کھنچ کر چپک جاتے۔ چاؤ فان کے لیے وہ انوکھی بات تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ کسی بھی دکان پر ڈائل انڈی کیٹر کا بلاک دیکھے گا تو بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔

راستے بھر میں اسے یہی سب باتیں بتاتا رہا۔ اس نے ڈان کے سامنے ہر بات پر سر ہلا دیا تھا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اسے وہ منصوبہ بری طرح ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا کیونکہ ضروری سامان اور افرادی قوت کی فراہمی اس کے لیے دشوار تھی۔

اس چکر میں چاؤ فان کی ساری شوخی اور چرب زبانی رخصت ہو گئی۔ اپنی بریفنگ ختم کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا ''منصوبے پر عمل درآمد اب تمہاری ذمے داری ہے۔''

''میں تم سے یہی کہہ رہا تھا۔ میں نکما ہوں تو وہ مجھے اتنی بھاری ذمے داریاں کیوں سونپتا ہے۔ اب مجھے نو من تیل مہیا کرنا ہے تاکہ رادھا ناچ سکے۔''

''اوہ..... تم اس اردو محاورے سے واقف ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''ماسٹر! اس وقت یہ محاورہ نہیں، حقیقت ہے۔ اگر یہ کوئی اردو محاورہ ہے تو میرے ایک ہندی دوست نے مجھے اس کا انگریزی ترجمہ سنایا تھا۔ وہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔''

''بندوبست میں دیر ہوئی تو ڈان ہم دونوں کو سمندر میں دھکیل دے گا۔ اب اس کے لیے صبر کرنا مشکل نظر آ رہا ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''ماسٹر! یہ میرے لیے افسوس کی بات ہے۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم ہنس رہے ہو۔''

''رونا بدشگونی ہے اس لیے ہنسنا ہی بہتر ہے۔ میں تیر کر اپنی جان بچا لوں گا۔ تمہیں تو تیرنا بھی نہیں آتا۔ ڈان کا دماغ سنک گیا تو تم وائٹ ہاک سے پہلے ڈوب جاؤ گے۔''

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا ''بدھا میری مدد کرے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو ایسی مشکل تجویز پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں سب بھول بھال گیا تھا۔ یہ تمہاری رپورٹ کا کرشمہ ہے جو ڈان کے دماغ میں بیٹھ گئی۔ اس نے خود لانچ کو ڈبونے کی بات چھیڑی تھی۔''

''میری مت ماری گئی ہوگی۔'' وہ واقعی بہت زیادہ پریشان تھا ''سوچنا ہر ایک کا حق ہے۔ میں نے تمہاری فرض شناسی اجاگر کرنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ تم چھوٹا راجن اور اس کی لانچ کے بارے میں کیا، کیا سوچ رہے ہو۔ مجھے پتا ہوتا کہ ڈان ان باتوں کو پکڑ کر بیٹھ جائے گا تو میں بھول کر بھی اپنی زبان نہ کھولتا۔''

''ڈان تمہارے اس پچھتاوے سے خوش نہیں ہوگا۔''

''ماسٹر! یہ کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ بوکھلا کر بولا ''میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا ہوں۔ یہ باتیں ڈان کے کان میں نہ پھونک دینا۔''

وہ اتنا گھبرا گیا کہ لمحہ بھر کے لیے اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ بہک گئے۔ میں نے جلدی سے کہا ''میں بھی مذاق کر رہا ہوں۔ تم ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ کہیں گاڑی نہ مار دینا۔''

''ماسٹر! اب ہم ایک دوسرے کے لیے نئے نہیں رہے ہیں۔ میں تمہارا مزاج سمجھ گیا ہوں، تم بھی میری طبیعت سے واقف ہو گئے ہوگے۔ ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا میں کبھی ڈان سے غداری کر سکتا ہوں؟''

''مسٹر چاؤ فان! تمہیں اتنی سنجیدگی سے صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ اس وقت تم ڈان کی سونپی ہوئی ذمے داریوں سے زچ آئے ہوئے ہو۔ جل بھن کر اسے گالیاں بھی دیتے تو میں انہیں اہمیت نہ دیتا۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو..... میں خواب میں بھی ڈان کو گالیاں دینے کا تصور نہیں کر سکتا۔''

''یہ بات پرانی ہو گئی۔ میں شرط لگاتا ہوں کہ اب سوؤ گے تو خواب میں وہی نظر آتا رہے گا۔'' میں نے استہزائی لہجے میں کہا۔

''یہ بتاؤ کہ تمہارے پاسپورٹ ڈان کی مسہری پر کیوں پڑے ہوئے تھے۔ یہ سبز کتابیں میں اکثر پاکستانیوں کے پاس دیکھتا رہا ہوں۔''

اس نے یکا یک موضوع بدل دیا۔ وہ بیشتر وقت جوا کھیلنے میں منہمک رہا تھا، اسے قطعی علم نہیں تھا کہ اس دوران میں میرے اور ڈان کے درمیان کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ ڈان نے میرے پاسپورٹ لوٹا دیے تھے، میں نے انہیں واپس لینے سے انکار کر دیا تو وہ حیرت سے اپنی نشست میں تقریباً اچھل پڑا۔

''انکار کر دیا!'' اس نے بے یقینی سے میری بات دہرائی پھر کہا ''تم تو ان کی واپسی کے لیے بے چین تھے۔''

''شاید ہم دونوں ایک دوسرے کو آزما رہے تھے۔'' میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''ڈان نے جس طرح ہمارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پاسپورٹ اپنے قبضے میں لیے، اس سے مجھے توہین کا احساس ہوا تھا ورنہ میں ان کا کیا کروں گا۔ مجھے راجن کا شکار کھیلنے کے لیے ہر حال میں یہاں رکنا ہے۔"

"ماسٹر!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا "ڈان کے بعد تم مجھے دوسرے آدمی ٹکرائے ہو جسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت رات کی ویرانی کا مکمل راج تھا۔ کشادہ اور روشن سڑکوں پر دور دور تک ہماری گاڑی کے سوا کسی مشینی سواری کا نام ونشان نہیں تھا۔ چاؤفان اپنے ذہنی دباؤ کی وجہ سے خاصا بجھا بجھا سا تھا۔ وہ معمول کی رفتار سے گاڑی دوڑاتا رہا۔

میں نے ہوٹل کے قریب اس کی گاڑی چھوڑی تو چار بجنے والے تھے۔

ہوٹل کی لابی سونی پڑی ہوئی تھی۔ شب بیداری کی وجہ سے عملہ تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لابی میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اپنی پسند کے مشروبات پیتے ہوئے، مذاکرات میں مصروف تھے۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی تھیں۔ ان کے انداز بتا رہے تھے کہ خانہ داری سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ وہ تیزی سے گزرتی ہوئی رات کے بقیہ لمحوں کا مول تول تھا۔

کمرے میں غزالہ بہت بے چینی سے میری منتظر تھی۔ لباس تبدیل کرنے کے دوران میں نے اسے اپنی اور ڈان کی ملاقات کا خلاصہ سنا دیا۔

"تو کیا آپ وائٹ ہاک کو غرق کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہیں؟"

"ان زخموں کی کسک دور کرنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے اپنے چہرے کے زخموں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا "اب راجن سے میری لڑائی چل پڑی ہے۔"

"زخم کہاں، یہ تو ایک دو نیل ہیں۔ آپ اس کے آدمیوں سے دل کھول کر ان کا بدلہ لے چکے ہیں۔"

"میں یہ بدلہ راجن سے بھی لوں گا۔ اس کے چاروں آدمیوں کو ان کا حصہ مل گیا۔ کچھ نہ کچھ راجن کو بھی ملنا چاہیے۔" میں نے تلخی سے کہا۔

میں نے بستر پر دراز ہو کر روشنی گل کی تب بھی غزالہ کے سوالات کا سلسلہ جاری تھا۔ اسے فکر تھی کہ لانچ کو اچانک غرق کر دیا گیا تو اس پر موجود عملے کا کیا بنے گا؟

وہ سوال خاصا مشکل تھا۔ میں نے اسے سمجھانا شروع کیا تو ایک مرتبہ پھر بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ سونے کا وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت تک جو کچھ میرے ذہن میں آ سکا تھا۔ میں نے غزالہ کو سنانا شروع کر دیا۔

اندھیرے کمرے کی خنکی میں بستر کی نرمی نہ جانے کب میرے حواس پر غالب آ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھ پر غنودگی کی لہر سوار ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی ہو۔

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کے چمکتے ہوئے ڈائل کی طرف گئیں اور میں حیران رہ گیا۔ وہاں سوئیاں چھ بجا رہی تھیں۔ وہ غنودگی کی مختصر سی لہر نہیں تھی، میں کم از کم ایک گھنٹے کی نیند لے چکا تھا۔

صبح کے چھ بجے مجھے کون فون کر سکتا تھا؟ وہ سوال بہت تیزی سے میرے ذہن میں ابھرا جس کے جواب میں صرف چاؤفان کا نام یاد آ سکا۔ اس رات میں نے اسے ضرورت سے زیادہ منہ لگا لیا تھا۔ شاید وہ لاڈ میں آ کر اپنے کسی مسئلے پر مجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔

فون کی دوسری گھنٹی بجنے سے پہلے میں نے موبائل فون آن کر کے اپنے کان سے لگا لیا۔

"علی! ابھی میری ڈور بیل بجی ہے۔" میرے کان میں اسد کی دبی دبی، پرجوش آواز گونجی "میں نے کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا ہے۔ باہر راجن کا وہی آدمی موجود ہے جو پہلے اس کا پیغام لایا تھا، پتا نہیں کیا ہونے والا ہے۔ میں نے سوچا کہ اس سے ملنے سے پہلے تمہیں بتا دوں!"

میں سناٹے میں آ گیا۔ میرے خوابیدہ اعصاب کے لیے وہ پیغام بہت خوفناک تھا۔ راجن میری توقع سے زیادہ کینہ پرور ثابت ہو رہا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اپنے چاروں آدمیوں کے پٹنے کے بعد وہ اتنی سرعت سے کوئی جوابی قدم اٹھائے گا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور آدمی بھی آئے ہوں اور باہر چھپے ہوئے ہوں۔" میں نے جواب دیتے ہوئے اپنے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی "تمہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مایوس ہو کر لوٹ جائے گا۔"

"نہیں علی، مجھے باہر جانا ہوگا۔ وہ لوگ کسی بری نیت سے آئے ہیں تو اپنی تسلی کرنے کے لیے زبردستی میرے گھر میں گھس آئیں گے..... لو، گھنٹی پھر بجی ہے، میں جا رہا ہوں۔"

مجھے اپنے فون پر ڈور بیل کی تیز آواز بہت صاف سنائی دی تھی۔ اسد نے اپنی بات پوری کر کے فون بند کر دیا۔ میں نے بے چین ہو کر بستر چھوڑ دیا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں ناہلا تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنا میہودی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس نٹلے کی بہترین بیرئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں شمس کرا سے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنبل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر مچھلی جھیل کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا سب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ اس وقت جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خو میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی راشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے مای پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ وہ اسد کی بنکاک میں آخری رات تھی۔ جب اس نے فون پر مجھے بتایا کہ راجن کے گرگے اس کے گھر کے باہر موجود تھے اور ان کے ارادے نیک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اب آپ قسط نمبر 250 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ بے چینی کی ایک لہر تھی جس کے تحت میں نے اضطراری طور پر اپنا بستر چھوڑ دیا تھا۔ اسد اتنی عجلت میں تھا کہ اس نے مجھے صرف اپنی بات سنائی تھی۔ ایک مشورہ دینے کے سوا، مجھے اس سے کچھ پوچھنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔

راجن کا آدمی اس کے دروازے پر کھڑا گھنٹیاں بجا رہا تھا۔ ایسی صورت میں اسد کو فون کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے لہجے سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ دھن کا پکا ہے۔ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کے بجائے ہر حال میں اپنے خطرناک ملاقاتی سے ضرور ملے گا۔ ایسے میں فون کی گھنٹی اس کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی توجہ گھنٹی کی طرف مبذول ہوتی اور اس کے حریف کو اس پر کوئی داؤ لگانے کا موقع مل جاتا۔ غالب امکان یہ تھا کہ وہ میری کال کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب ہی نہ دیتا۔ مقابلے کی فضا میں وہ اپنے حریف سے ٹائم آؤٹ لے کر فون نہیں سن سکتا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسد کے لیے کیا کروں۔ وہ ذہین، مخلص اور بے خوف آدمی تھا۔ ضابطوں اور طریقوں میں بندھا ہوا ہونے کے باوجود اس نے بنکاک میں میری قابلِ قدر مدد کی تھی۔ اس کے مشکل وقت میں اس کی مدد کے لیے پہنچنا میری ذمے داری تھی۔

میں نے اس کا گھر ضرور دیکھا ہوا تھا لیکن میرے لیے از خود وہاں پہنچنا ناممکن تھا۔ مجھے گلیوں اور سڑکوں کے نام معلوم تھے نہ محلے کا علم تھا۔ کوئی مجھے اس علاقے میں لے جا کر کھڑا کر دیتا تو میں ایک نظر میں اسد کا گھر پہچان لیتا۔

میں مضطربانہ انداز میں قالین پر ٹہلتا رہا۔ اسی دوران میں، میں نے بے خیالی میں سگریٹ سلگالی۔ اعصابی دباؤ کے سبب میں یہ حقیقت فراموش کر بیٹھا کہ اس وقت میں کمرے میں اکیلا نہیں تھا۔ بستر پر غزالہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اندھیرے کمرے میں لائٹر کا شعلہ بھڑکا تو اس کی چمک سے غزالہ ہڑبڑا کر بیدار ہوگئی۔

لائٹر جل کر بجھ گیا۔ اندھیرے میں ایک انسانی ہیولے کے موہوم سے خدوخال دیکھ کر غزالہ ڈر گئی ''کک..... کون ہے؟'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی اور خوف زدہ آواز برآمد ہوئی۔

''ڈرو نہیں، میں کمرے میں ٹہل رہا ہوں!'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

میری آواز سنتے ہی غزالہ نے بیڈ سوئچ دبا کر کمرا روشن کر دیا ''آ..... آپ اس وقت ٹہل رہے ہیں..... وقت دیکھا ہے آپ نے!'' اس نے پریشان ہو کر کہا۔

''میں ابھی گہری نیند سے اٹھا ہوں، اسد کا فون آیا تھا۔ اس وقت راجن کا ایک آدمی اس کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔''

''اوہ خدا!'' غزالہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا ''یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے۔''

''کچھ نہیں معلوم۔'' میں نے ذہنی انتشار کے عالم میں جواب دیا ''اس نے اپنے دروازے پر جانے سے پہلے مجھے فون کر کے خبر دی ہے تاکہ اس کے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہونے کی صورت میں ہمیں یہ معلوم رہے کہ اس کا آخری ملاقاتی کون تھا۔''

''پھر کیا سوچ رہے ہیں؟'' وہ پھرتی سے بستر سے اتر آئی۔ اصل صورتِ حال کا اندازہ ہوتے ہی اس کا نیند کا خمار رخصت ہوگیا۔ وہ کہہ رہی تھی ''اسد کا گھر آپ کا دیکھا ہوا ہے، ہمیں بلا تاخیر وہاں پہنچنا چاہیے۔ پتا نہیں وہ بے چارہ کس مشکل سے دوچار ہے۔''

اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ میری دلی خواہش بھی وہی تھی لیکن اسے عملی جامہ پہنانا کسی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ میں نے غزالہ کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا تو اس کی پیشانی پر فکرمندی کی لکیریں ابھر آئیں۔

''یہ تو بہت زیادہ پریشان کن صورتِ حال ہے۔'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس پریشانی سے دوچار ہے اور ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔''

میں خاموش رہا۔ میرے پاس اس موقع پر کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ اپنے دفتر کا رخ کرتا تو وہاں اسے فیکس مشین پر اپنے تبادلے کا حکم نامہ مل جاتا پھر شاید کوئی اسے فون پر یہ بھی بتا دیتا کہ اس کے لیے اپنے جانشین کا انتظار کرنا ضروری نہیں، وہ جب چاہے اپنی سہولت کے مطابق پاکستان روانہ ہو سکتا ہے۔

اسد اس بات سے قطعی بے خبر تھا۔ دوسری طرف راجن نے بھی نہایت عجلت اور بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر وہ اپنے آدمی کو اسد کے گھر بھیجنے میں چند گھنٹے کی تاخیر کرتا تو اسد کے سارے مسائل از خود حل ہو جاتے۔ وہ اپنے حریفوں میں سے کسی کا سامنا کرنے سے پہلے بنکاک سے نکل جاتا۔

انسان لاکھ تدبیریں کرلے، ہوتا وہی ہے جو کاتبِ تقدیر نے اس کے مقسوم میں لکھ دیا ہو۔ اسد اپنے مقدر کی اسی بے رحمی کا شکار ہوا تھا۔ میں نے غزالہ سے زیادہ کھل کر بات نہیں کی لیکن میں دل ہی دل میں نہایت فکرمندی کے ساتھ دعائیں مانگ رہا تھا کہ اسد اس مرحلے سے گزر کر کم از کم اس حال میں ضرور رہے کہ فوری طور پر سفر کر سکے۔ متوقع مار دھاڑ کے نتیجے میں اگر وہ زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا تو اس کی روانگی التوا کا شکار ہو سکتی تھی۔

ذہن پر کوئی دباؤ نہ ہو تو وقت یوں چپکے سے گزر جاتا ہے کہ گھنٹوں اور پہروں کا بھی پتا نہیں چلتا۔ انتظار کیا جا رہا ہو تو ایک ایک پل یوں رینگ رینگ کر گزرتا ہے کہ اعصاب چٹخنے لگتے ہیں۔ دس منٹ بعد میرے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی اور میرے دل کی دھڑکنیں یک لخت تیز ہوگئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے گھنٹوں بعد میرے فون میں جان پڑی ہو۔

میں نے نہایت عجلت کے عالم میں کال وصول کی۔ دوسری طرف سے اسد کی آواز سنتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ٹھہرتے ہوئے اعصاب میں یکا یک جان پڑ گئی ہو۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقت اہم ترین بات یہ تھی کہ اسد کی آواز میں خوف یا گھبراہٹ کا کوئی عنصر نمایاں نہیں تھا۔ اس نے نہایت پرسکون اور آسودہ آواز میں ہیلو کہا تھا۔

''کہو..... میں سن رہا ہوں!'' اس کی زبان سے وہ لفظ ادا ہوتے ہی میں نے بے تابانہ انداز میں اسے لقمہ دیا ''وہ کہاں ہے..... کیوں آیا تھا؟''

''راجن کی طرف سے دوستی کا پیغام لایا تھا۔ میں نے بہت رکھائی سے اسے اپنے دروازے سے ہی رخصت کردیا۔'' اسد کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی ''اس کے بارے میں میرے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے وہ سراپا انکسار بنا ہوا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ راجن آج رات مجھ سے دوبارہ ملنے کا خواہش مند ہے۔''

''تم کو اس کے منہ پر تھوک دینا چاہیے تھا وہ.....!''

''غصہ نہ کرو' صبر سے کام لو!'' اس نے میرے اشتعال کا اندازہ کرکے میری بات کاٹتے ہوئے کہا ''میں نے اسے بتادیا کہ میں راجن کی گھٹیا حرکتوں سے بے خبر نہیں ہوں' شاید وہ مجھے بہانے سے دوبارہ بلا کر پچھلی رات کا حساب بے باق کرنے کے چکر میں ہے۔''

''سو فی صد یہی چکر ہے۔'' میں نے پُرزور انداز میں اس کی تائید کی ''رات کو اس کے بھیجے ہوئے چاروں بدمعاشوں نے منہ کی کھائی ہے' اب اس ملعون کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔''

''اس نے میرے لگائے ہوئے الزام کی تردید نہیں کی۔'' اسد کی آواز میں نرمی اتر آئی ''اس نے راجن کی طرف سے پچھلی رات کے واقعے پر معذرت کی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ راجن سے میرے بارے میں اندازے کی غلطی ہوئی ہے۔ ہم دونوں کی دلیری نے اسے بہت متاثر کیا ہے اب وہ ہم سے دوستانہ فضا میں ملنا چاہتا ہے۔ اس نے یقین دلایا ہے کہ اس بار ہمارے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آئے گا۔''

''تمہارے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اس سے ملنے کا فیصلہ کرچکے ہو!'' میں نے قدرے ترش لہجے میں شبہ ظاہر کیا۔

''دوستی یا دشمنی..... میرے لیے ان دو میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب ناگزیر ہوچکا ہے۔'' اس نے جواب دیا ''اس کی نظروں میں آجانے کے بعد اب غیر جانب دار رہنا ناممکن ہوچکا ہے' راجن کے قاصد سے بات کرتے ہوئے یہ نکتہ میرے ذہن میں پوری طرح واضح ہوچکا تھا پھر بھی میں نے اسے کوئی واضح جواب دیے بغیر لوٹا دیا۔''

مجھے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ اسد نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اگر وہ راجن کے آدمی سے کچھ وقت لے چکا تھا تو اس کے لیے یہی کافی تھا۔ اسد کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے دفتر کی فیکس مشین پر اس کے تبادلے کا حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ دن طلوع ہونے کے بعد اس کے لیے سب کچھ تبدیل ہونے والا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے راجن کو کوئی جواب دینے کی ضرورت پیش آتی' وہ بنکاک سے کراچی یا لاہور کی طرف پرواز کرچکا ہوتا۔

''تم نے اس سے کس طرح گلوخلاصی حاصل کی؟''

سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی میں اپنے تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

میرے کان میں اسد کی ہنسی کی ہلکی سی آواز گونجی پھر وہ بولا ''زمانہ خراب ہے۔ جو دبتا ہے اسے بے رحمی سے دبا دیا جاتا ہے۔ آنکھیں نکال کر سینہ زوری کرنے والے سے ہر ایک ڈرتا ہے میں نے اسی اصول پر عمل کیا اور کامیاب رہا۔ اس کا نرم اور مفاہمانہ رویہ دیکھتے ہوئے میں نے جارحانہ تیور اختیار کرلیے' میں نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ میں نے اس بات پر خاصی برہمی ظاہر کی کہ وہ نامناسب وقت پر میرے گھر کیوں آیا۔''

اسد نے مزے لے کر وہ تفصیل سنائی۔ میں پوچھا ''تمہارا آخری سوال بہت معقول تھا۔ تم کو اس کا کیا جواب ملا؟''

''اس کی وضاحت سن کر میں اپنی چوٹوں کا درد کچھ دیر کے لیے بھول گیا۔'' ایک بے ساختہ ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا ''ہمارے ہاتھوں پٹنے والوں کا حشر بہت برا ہوا۔ شاید انہوں نے موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے کہیں رک کر اپنے اوسان درست کیے ہوں گے۔ قاصد کا کہنا تھا کہ ان کی رپورٹ ملتے ہی راجن نے اسے میری طرف روانہ کردیا۔''

''کیا وہ چاروں موتی محل کے آدمی تھے؟''

''مجھے یہ سب جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اس کا یہ اعتراف کافی تھا کہ راستے میں ہم پر حملہ آور ہونے والے راجن کے آدمی تھے۔ وہ کہاں سے آئے' کہاں گئے انہوں نے اپنے آقا کو کیسے رپورٹ دی' یہ سب باتیں میرے لیے غیر اہم ہیں۔''

''میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''میں نے تمہارا گھر دیکھا ہوا ہے لیکن وہاں پہنچنا میرے لیے ناممکن ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ میں تمہارے لیے کیا کروں۔ غنیمت ہے کہ وہ بلا ٹل گئی۔''

''اس کی پہلی جھلک دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے تھے اور میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ چاروں آدمیوں کی ناکامی کا بدلہ لینے کے لیے' پوری تیاری کے ساتھ آیا ہے اور دروازہ کھلتے ہی گولیوں کی باڑ میرا استقبال کرے گی۔''

اسد کے پہلے اور دوسرے فون کا درمیانی وقفہ میرے لیے بہت ہولناک اور اعصاب شکن تھا۔ خوف' تذبذب اور بے یقینی کے وہ روح فرسا لمحات کسی ڈراؤنے خواب کی طرح آکر گزر گئے تھے۔ اسد اس بارے میں زیادہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن میں اس سے باتوں میں لگا رہا۔ وہ بے خبر تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ وہ بنکاک میں زیادہ دیر کا مہمان نہیں تھا۔ اس کی روانگی سے پہلے مجھے اس سے زیادہ سے زیادہ امور کے بارے میں آگاہی حاصل کرلینی چاہیے تھی۔

اس دوران میں کئی بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں اسے اعتماد میں لے کر تبادلے کی خبر سے آگاہ کردوں لیکن جلال سے کیا ہوا' رازداری کا وعدہ ہر بار میرے ہونٹوں کا قفل بن گیا اور کچھ دیر بعد گفتگو کا وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

''آج کی رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ گئی.....'' اسد سے بات ختم ہوتے ہی غزالہ نے اپنی طرف سے کچھ کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کم از کم تم یہ نہیں کہہ سکتیں۔ تم نے لمبی اور گہری نیند لی ہے۔''

''میں اپنے نہیں' آپ کے بارے میں کہہ رہی تھی۔''

اس نے خفت آمیز لہجے میں جواب دیا ''راجن کو صلح اور دوستی کا پیغام بھیجنا ہی تھا تو وہ دن نکل آنے کا انتظار نہیں کرسکتا تھا!''

''یہ اس کی بوکھلاہٹ کی کھلی علامت ہے۔'' میں نے کہا ''اپنے آدمیوں کے پٹنے کی خبر ملتے ہی اس نے اپنے قاصد کو اس کی طرف دوڑایا۔ اسد یہاں پاکستان کی سرکاری نمایندگی کررہا ہے۔ راجن کو خوف ہوگا کہ دن طلوع ہونے کے بعد اسد نے رات کے واقعے کی کوئی باضابطہ رپورٹ درج کرادی تو وہ مشکلات کا شکار ہوجائے گا۔ مفاہمت کا ہنگامی پیغام بھیج کر اس نے اپنے سر سے وہ خطرہ ٹالنے کی کوشش کی ہے۔''

''اس کا یہ خوف بے بنیاد ہے' ہوسکتا ہے کہ کل اسد یہاں سے نکل جائے۔'' اس نے فکرمندانہ لہجے میں کہا ''وہ ان الجھنوں سے بچ جائے گا' آپ کو ہر لمحے ہوشیار رہنا ہوگا

> ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا ''تمہارا کہنا ہے کہ تم جس لڑکی سے شادی کرنے جارہے ہو وہ کروڑوں کی دولت اور جائیداد کی مالک مگر نہایت بدصورت ہے؟''
>
> ''ہاں۔'' دوسرے دوست نے تائید کی۔
>
> ''اس کے باوجود تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ محبت کی شادی ہے؟'' پہلے دوست نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
>
> ''ہاں..... مجھے دولت سے محبت ہے نا.....'' دوسرے دوست نے اطمینان سے جواب دیا۔

کیونکہ اب آپ راجن کی نظروں میں آچکے ہیں۔''

''دیکھ لیا جائے گا۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر بے پروائی سے کہا ''ابھی صبح ہونے میں دیر ہے۔ آؤ سونے کی کوشش کرتے ہیں۔''

اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ میری گرفت سے چھڑایا اور عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ میں اسے نظر انداز کرکے دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔

تھکن کے باعث نیند نے جلد ہی مجھ پر غلبہ پالیا۔ شاید میں اس روز دن چڑھے تک سوتا رہتا لیکن دس بجے کے قریب غزالہ نے مجھے جھنجوڑ کر جگا دیا۔

''کیا مصیبت ہے..... مجھے نیند پوری کرلینے دو!'' میں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر غنودگی کے عالم میں احتجاج کیا۔

''ابھی ابھی دفتر سے اسد کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ ادھر آرہا ہے۔'' غزالہ نے اپنی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا ''وہ بہت خوش معلوم ہورہا تھا۔ شاید تبادلے کا حکم نامہ اس کے دفتر میں پہنچ گیا ہے۔''

وہ خبر ایسی تھی کہ مجھے نا چار بستر چھوڑنا پڑا۔ وال کلاک پر سرسری نظر ڈال کر میں سیدھا باتھ روم میں گھس گیا۔

ہم دونوں کمرے میں ناشتے میں مصروف تھے کہ اسد آپہنچا۔ اس نے معمول کے مطابق ہوٹل کی لابی سے فون کرکے اپنی آمد کی اطلاع دی اور اجازت پاکر اوپر آگیا۔

اس نے اپنی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگائی ہوئی تھی جس نے اس کی آنکھوں کے گہرے نیل چھپالیے تھے۔ چہرے کی دوسری خراشیں زیادہ گہری نہیں تھیں۔

میں نے پُرتپاک انداز میں اس کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا کہ کہیں وہ کسی کو اپنے پیچھے تو نہیں لگا لایا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے ہنس کر مجھے یقین دہانی کرائی کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔

''رات کو بھی آپ دونوں کو یہی خوش فہمی تھی کہ آپ کا پیچھا نہیں کیا جا رہا تھا۔'' غزالہ نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بند بازار میں ان چاروں نے آپ کو گھیر لیا۔ وہ آسمان سے نہیں ٹپکے ہوں گے' شروع سے پیچھا کر رہے ہوں گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ رات کو ٹیکسی ڈرائیور کی ہوشیاری ہمارے گلے پڑ گئی۔'' اسد نے ایک کرسی سنبھال کر کہا ''ہم دونوں میں سے کوئی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا۔ صرف عقب نما آئینوں سے پیچھے آنے والوں پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔ ہمیں مڑ کر دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اس میں چوک ہو گئی۔ وہ گدھا ٹریفک سے بچنے کے لیے شہر کی گلیوں میں گھس گیا۔ وہاں کی تاریکی نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ مجھے یقین ہے کہ اندھیرے راستے پر انہوں نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس گل کر لیے ہوں گے۔ اس سے ہم دھوکا کھا گئے۔''

''اس وقت بھی تم ٹیکسی سے آئے ہو گے!'' غزالہ نے تصدیق چاہی۔

اسد اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے بولا ''دن کا اجالا میرا معاون تھا۔ ابتدائی سفر میں نے بس میں کیا اور ایک جگہ اترتے ہی ٹیکسی لے لی۔ بس میں کوئی میرا پیچھا کر بھی رہا تھا تو اسے اتنا موقع نہیں مل سکا کہ وہ دوسری ٹیکسی لے سکے۔ میرے روانہ ہونے تک سڑک پر دور تک کوئی اور خالی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔''

''خوب!'' میں نے اس کے جواب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا ''شاید اپنی اس ہوشیاری کی وجہ سے تم شگفتہ موڈ میں نظر آ رہے ہو۔''

''اس وقت میرا ذہن ہلکا ہو کر بہت بلندیوں پر پرواز کر رہا ہے۔'' اس نے غزالہ کی پیشکش پر ناشتے میں شامل ہوتے ہوئے' شوخی سے جواب دیا ''بگڑتے ہوئے حالات یکا یک سازگار ہو گئے ہیں۔ اب راجن سے دوبارہ سامنا ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''اوہو.....! کیا وہ بنکاک سے کہیں بھاگ گیا ہے؟'' میں نے انجان بن کر حیرت سے پوچھا۔

''وہ نہیں بھاگا میرے کوچ کا فرمان آ گیا ہے۔'' اس نے مسرت آمیز لہجے میں انکشاف کیا۔

''راجن سے گلو خلاصی ہونے پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔''

''اس کا مجھے قلق ہے۔'' اس نے بلا تردد میری تردید کر ڈالی۔'' میں اپنی سرکاری پوزیشن کی وجہ سے کھل کر اس سے تصادم مول نہیں لے سکا لیکن میری خواہش تھی کہ میری آڑ لے کر تم اس کا تیا پانچا کر ڈالو۔ میرے ساتھی کی حیثیت سے تمہیں اس تک رسائی حاصل ہو چکی تھی۔ اکیلے رہ جانے کے بعد تم اس کے قریب نہیں جا سکو گے۔''

''لیکن تمہارے مجروح چہرے سے اندر کی خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے۔'' غزالہ نے اس کی پوری بات سن لینے کے بعد کہا۔

''یہ خوشی کچھ اور ہے' تم دونوں کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکے گا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں جواب دے کر اپنا سر جھکا لیا۔

''بتاؤ گے تو اندازہ ہو جائے گا۔'' غزالہ نے اسے چھیڑا۔

''نہیں ہو سکتا۔'' اس نے زور دے کر کہا ''روزی مرد کا زیور ہوتی ہے۔ وہ جہاں بھی اور جیسے بھی ملے' اس کی قدر کرنا چاہیے۔ دیکھ لو کہ میں روزی کی خاطر اپنے گھر بار اور بال بچوں کو چھوڑ کر یہاں پڑا ہوا ہوں۔ بھابی.....! یہ بہت بڑا کرب ہوتا ہے۔ لوگ بہت مجبور ہو کر اپنوں کو چھوڑتے ہیں اور ہزاروں میل دور جا کر محنت اور مزدوری کرتے ہیں۔ ان کے دکھ درد کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ بیمار ہوتے ہیں تو خاموشی سے کسی کونے میں اکیلے پڑے رہتے ہیں' کسی سے دل کی بات نہیں کر سکتے۔ کبھی کبھی تو ایسے خوفناک جذباتی لمحے آتے ہیں جب آدمی چاہتا ہے کہ پر لگا کر لمحہ بھر میں اپنوں میں پہنچ جائے' وقت گزر جاتا ہے اور ایسا نہیں ہو پاتا۔ اس وقت میری خوشی یہ ہے کہ میں دو برس سے زیادہ کی دوری کے بعد اپنے بیوی بچوں میں جانے والا ہوں۔ اس خوشی نے میرے دل کے سارے داغ دھو دیے ہیں۔''

''تم بہت خوش نصیب اور باکردار آدمی ہو۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا ''کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے گھروں سے دور رہ کر خوش رہتے ہیں۔ ہر وقت ایسی نشاط گاہوں کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جہاں انہیں جاننے اور پہچاننے والا کوئی نہ ہو..... ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ اچانک کیا ہوا ہے۔''

''اچانک کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ بنکاک میں میرے دو سال مکمل ہو چکے ہیں' تبادلے کا حکم کسی بھی وقت آ سکتا ہے اور وہ آ گیا۔ میں دفتر پہنچا تو وہاں دو فیکس آئے ہوئے تھے۔ ایک میں مجھے بنکاک کا چارج چھوڑ کر اسلام آباد ہیڈ کوارٹرز میں رپورٹ کرنے کی ہدایت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی گئی ہے۔ دوسرا پیغام جلال کی طرف سے تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ میں اپنی جگہ آنے والے کا انتظار کیے بغیر اولین فرصت میں یہاں سے چل دوں۔ آنے والا سب کچھ خود سنبھال لے گا۔'' اس نے بتایا۔

''تم چاہو تو دو چار دن یہاں رک سکتے ہو۔'' میں نے اسے ٹٹولنے کی نیت سے کہا۔

''اب رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جلال بہت مہربان افسر ہے۔ میں اس کا حکم نہیں ٹال سکتا۔ میں نے آج رات کی پرواز سے اپنی سیٹ بک کرالی ہے۔''

''اوہ..... تو یہ کہو کہ تم الوداعی ملاقات کے لیے آئے ہو۔'' اس بار میں واقعی چونک گیا۔

''سیٹ کا کنفرمیشن مل جانے کے بعد میں نے دفتر چھوڑا ہے۔ یہ چکر نہ ہوتا تو میں بہت دیر پہلے یہاں پہنچ گیا ہوتا۔''

''میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر اس سے پوچھا ''تم نے ابھی تک سوبھراج کی ہلاکت کے بارے میں کوئی رپورٹ اپنے بڑوں کو بھیجی ہے؟''

''ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ اس خبر کو دبا دیا جائے۔'' اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''تم کو اچانک یہ سوال کیوں یاد آگیا؟''

''تم جا رہے ہو' میں نے سوچا کہ اس اہم نکتے پر بھی بات کرلی جائے۔''

''تمہارے مشورے کے بعد میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ راجن نے سوبھراج کی بچی کھچی ہڈیوں کو شرما کا نام دے کر یہاں قصہ ختم کردیا ہے لیکن میں ایک بات لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ اصل واقعہ پاکستانی ایجنسیوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔ ہمارے آدمیوں کی کارکردگی سے شہرت یافتہ عالمی ایجنسیاں بھی خائف رہتی ہیں۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہاری رپورٹ پر اعتبار نہیں کیا جائے گا؟''

''میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ فی الحال میری رپورٹ حرفِ آخر سمجھی جائے گی پھر سوبھراج کی تلاش شروع ہوگی۔ اس کی اچانک روپوشی ہمارے ذمے داروں کے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ قلیل سی مدت میں ہمارے آدمی یہ معمّا حل کرلیں گے۔''

''اس وقت تمہاری پوزیشن کیا ہوگی؟'' میں کھل کر اسے کچھ بتائے بغیر' ذہنی طور پر آنے والے غیر متوقع واقعات کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ جلال شاید اسے دفتری چکروں میں مبتلا نہ کرے لیکن سوبھراج کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے پر اسے ضرور رگڑے گا۔ اسد نے جو کچھ کیا میرے ایما پر کیا تھا۔ میری کوشش تھی کہ میں اس معاملے میں حتی الامکان اس کی مدد کرسکوں۔

''میری پوزیشن پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ راجن نے مرنے والے کو نرائن پرشاد شرما قرار دے کر میرا کام بہت آسان کردیا۔ سوبھراج میرا ہدف نہیں تھا۔ اپنی عمومی ذمے داریوں کے دائرے میں رہتے ہوئے مجھے اس کی خیر خبر رکھنا تھی۔ اس کا پیچھا کرکے میں اپنی سرکاری پوزیشن کو داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا۔ جو کچھ میرے سامنے آیا' میں نے آگے رپورٹ کردیا۔ بعد کی تفتیش سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے تو میری ذات پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

''اگر تمہارا کوئی افسر..... یا جلال ہی یہ کہے کہ تم نے دانستہ سوبھراج کے مرنے کی خبر چھپائی تھی تو تمہارا موقف کیا ہوگا؟'' میں نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ خیالی مفروضہ ہے۔ یہ راز ہم تینوں کے درمیان ہے ہم میں سے کسی کی مخبری کے بغیر جلال کے ذہن میں یہ خیال نہیں آسکتا۔ اپنے محکمے میں محنت کرکے میں نے صرف اپنے گھر کا چولہا روشن رکھا ہے۔ میری عمر بھر کی کمائی صرف میری ساکھ ہے۔ جلال تو کیا اس سے اوپر والے بھی میری ساکھ پر کوئی شبہ نہیں کرسکتے۔''

اس نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ میں نے وہ موضوع وہیں ختم کردیا۔

''راجن تمہارے جواب کا منتظر رہے گا' تم آج رات یہاں سے روانہ ہوجاؤ گے۔ اس کے بعد راجن کا کیا بنے گا۔''

''میرا امتحان لے رہے ہو؟'' اس نے مسکرا کر سوال کیا پھر کہا ''تم گرو ہو یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اس کی گردن توڑ دو گے۔ اس کے ساتھ تم کو ڈان کی پراسرار قید سے بھی نجات مل جائے گی۔ افسوس اس بات کا رہے گا کہ میں ان کامیابیوں میں تمہارا شریک نہیں رہوں گا۔''

''تمہارے چلے جانے کے بعد میں تمہارا نام استعمال کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ میرے لیے عزت کی بات ہوگی کہ تم جیسا عظیم آدمی میرے نام سے فائدہ اٹھانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بارے میں سوچے لیکن یہ کیسے ہوگا۔ میری روانگی راجن سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ مجھے روانگی سے پہلے تھائی حکام کو آگاہ کرنا ہوگا۔ یہ کام میں نے آخری مرحلے کے لیے التوا میں ڈالا ہوا ہے۔''

''مجھے تمہاری اجازت درکار تھی۔ اب دیکھوں گا کہ کیا کیا جاسکتا ہے۔ میں تمہارا ساتھی بن کر راجن سے ملا تھا۔ اسی حیثیت میں اس سے کوئی رابطہ کرسکتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارا کوئی معذرتی پیغام اس تک لے جاؤں۔''

''یہ واقعی ممکن ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ''تم تیزی کے ساتھ نت نئی راہیں نکالنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔''

''زندگی اور موت کا کھیل جاری ہو تو ہر شخص کا ذہن ایسی تیزی دکھانے لگتا ہے۔''

اس کی روانگی کا پروانہ اچانک نازل ہوا تھا۔ اس کے پاس صرف چند گھنٹے رہ گئے تھے۔ اس مدت میں اسے کئی کام نمٹانے تھے۔ یہ اس کی بڑائی تھی کہ وہ وقت نکال کر مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک میرے پاس نہیں ٹھہر سکا۔ میں نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ اسے اپنے ہوٹل کے کمرے سے رخصت کردیا۔

''یہ بھی چلا گیا۔'' اس کے جانے کے بعد غزالہ نے اداسی سے کہا ''اب ہم یہاں ڈان اور چاؤ فان کے رحم و کرم پر رہ گئے ہیں۔''

''راجن، ڈینی کے خون کا پیاسا ہے۔'' میں نے بائیں آنکھ دبا کر کہا ''دعا کرو کہ وہ اسد کے ساتھی کا خیر خواہ بن جائے۔ دشمن کی صفوں میں گھل مل کر کام کرنے کا اور ہی مزہ ہوتا ہے۔''

''تو کیا آپ اس بارے میں سنجیدہ ہیں؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''سنجیدہ نہ ہوتا تو اسد سے اس بارے میں ہرگز بات نہ کرتا۔''

''یہ بہت مشکل راستہ ہوگا۔'' غزالہ کی پیشانی پر تشویش کی لکیریں ابھر آئیں ''راجن کے بارے میں اب تک جو کچھ سامنے آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فطری اعتبار سے سفاک قاتل ہے۔ اسے آپ پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ کوئی رورعایت نہیں دے گا۔''

''مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''میں اسی قسم کے جانوروں سے لڑ کر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میں غزالہ سے حوصلہ مندی کی باتیں ضرور کررہا تھا لیکن اسد کے لیے میرا دل اداس تھا۔ اس شریف النفس آدمی سے میری رفاقت بہت مختصر رہی تھی لیکن اس نے اپنا دامن بچاتے ہوئے روز اول سے مجھے ایسی بھرپور معاونت فراہم کی تھی کہ اس کا بدل ملنا مشکل تھا۔ اگر اس نے اپنے تھائی دوست کے ذریعے یہ سراغ نہ لگایا ہوتا کہ راجن کی سفید لینڈ کروزر شہر سے دور لوپ بوری میں موجود ہے تو ہمارے لیے سوبھراج ایک بھولا ہوا خواب بن کر رہ جاتا اس کے تابوت میں آخری کیل اسد نے لگائی تھی۔

اس کے چلے جانے کے بعد میرے بوجھ میں اضافہ ہونا ناگزیر تھا۔ سب کچھ مجھے خود ہی کرنا تھا۔ سوبھراج کا فتنہ ختم ہوگیا تھا۔ ابتدا میں مجھے راجن کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ڈان کی خوشنودی کے لیے مجھے راجن سے بدترین دشمنی کا سوانگ رچانا پڑا تھا۔ بعد میں جلال نے بھی اس کی سرکوبی کی خواہش ظاہر کی اور میں راجن کی راہ پر لگ گیا۔

ڈان کی خواہش تھی کہ بنکاک سے جلد از جلد راجن کا صفایا ہوجائے۔ وہ خود گوشہ نشین ہونے کے باوجود خاصا طاقتور آدمی تھا لیکن خود راجن کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا یا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ذمے داری مکمل طور پر میرے سر آپڑی تھی۔

اس وقت میں کم از کم تین سمتوں سے راجن کے خلاف محاذ کھولنے کی پوزیشن میں آچکا تھا۔

سب سے پہلے اس کی وائٹ ہاک نامی لانچ میری نظروں میں آئی۔ اگر چاؤ فان ذرا سی بھی دل جمعی سے کام لیتا تو آنے والے چند دنوں میں راجن کی وہ پرشکوہ لانچ سمندر میں غرق ہوسکتی تھی۔ دوسری طرف میں نے اپنے اصل روپ میں اس سے رابطہ کرکے اسے دھمکی دی ہوئی تھی کہ اس نے جلد ہی بنکاک کا میدان خالی نہ کیا تو میں سوبھراج کی موت کا راز فاش کرکے امریکیوں کو راجن کے لہو کا پیاسا بنادوں گا۔ میں جانتا تھا کہ میرے لیے اپنی اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانا ممکن نہیں تھا مگر راجن ان نزاکتوں سے بے خبر تھا۔ بوکھلاہٹ میں وہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھا سکتا تھا جس کے نتیجے میں مجھے اس کے خلاف کوئی بڑی کامیابی حاصل ہوسکتی تھی۔

اس ضمن میں اسد نے مجھے اپنے معاون کے طور پر موتی محل میں لے جاکر تیسری راہ نکالی تھی۔ مجھے وہ راہ سب سے بہتر نظر آرہی تھی۔ اگر میرا داؤ چل جاتا اور راجن اس روپ میں مجھے اپنا ہم نوا تسلیم کرلیتا تو میں اس پر بہت قریب سے ایسا کاری وار کرسکتا تھا کہ وہ جاں بر نہ ہوپاتا، جلال کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خواہش پوری ہو جاتی' ڈان کے لیے راستہ صاف ہو جاتا اور مجھے بنکاک کی غیر رسمی قید سے آزادی مل جاتی۔

جب تک اسد بنکاک میں تھا' میں کسی سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ راجن کے چنگل میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ اسے وہاں سے نکل جانے کا موقع مل گیا تھا تو اسے پوری رازداری اور خاموشی کے ساتھ بنکاک سے نکل جانا چاہیے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کسی کارروائی کی وجہ سے اسد کی روانگی میں کوئی موہوم سی رکاوٹ بھی پیدا ہو۔ ایک بار اس کا طیارہ تھائی زمین چھوڑ دیتا تو میں پوری بے فکری سے اپنے کام کا آغاز کر سکتا تھا۔

کچھ لوگ ایسے کاہل اور آرام طلب ہوتے ہیں کہ کام کے نام سے ان کی جان نکلتی ہے۔ وہ اپنا سارا وقت بے عملی اور عیش کوشی میں گزارنا چاہتے ہیں۔ میرا مزاج بالکل مختلف ہے۔ سامنے کوئی مصروفیت نہ ہو تو میرے لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو جاتا ہے۔

راجن میرا بڑا ہدف تھا مگر میں اسد کی روانگی تک خاموش رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کی پرواز رات کو روانہ ہونے والی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ مجھے وہ دن خالی رہ کر گزارنا تھا۔ ہوٹل کے بند کمرے میں مسلسل آٹھ دس گھنٹے گزارنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے غزالہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا تو اس نے سنجیدگی کے ساتھ مجھے آئینہ دیکھنے کا مشورہ دیا۔

مجھے شبہ ہوا کہ وہ مجھ سے مذاق کر رہی تھی۔ میں نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہاں سنجیدگی کے سوا کچھ نہ پایا۔ غیر ارادی طور پر میرے قدم ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

آئینے میں مجھے اپنے چہرے پر دو ہلکے نیل نظر آئے جو پچھلی رات کو ہونے والی مار دھاڑ کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئے تھے۔

''نشان اتنے گہرے اور نمایاں نہیں ہیں۔'' میں نے اپنے چہرے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے' دھیرے سے کہا'' یہ بنکاک ہے یہاں تشدد آمیز تفریحی مشاغل میں ہر رات نہ جانے کتنے مردوں کے چہروں پر عورتیں ایسے یادگار نشانات چھوڑتی ہوں گی۔''

''میرا کام توجہ دلانا تھا۔ فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔'' اس نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا'' آپ ہر شخص کو عقابی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ میں نے بازار میں چلتے پھرتے ہوئے یہ بات نوٹ کی ہے کہ بہت سے نوجوان غیر ملکیوں کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں پر ایسی ہلکی پھلکی چوٹوں اور خراشوں کے نشان نظر آتے ہیں۔ اب آپ نے اس کا سبب بھی بتا دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تشدد شامل ہونے کے بعد کوئی بھی تفریح کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسے تو عذاب کہنا چاہیے۔''

''ایسی باتوں کا سمجھ میں نہ آنا ہی بہتر ہے۔ یہ سب بگاڑ کی نفسیاتی گرہیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگوں کو پٹنے میں مزہ آتا ہے' بعض مار دھاڑ کیے بغیر آسودگی حاصل نہیں کر پاتے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نشان کسی پریشانی کا سبب نہیں بنیں گے۔ بے چارے اسد کا چہرہ تو بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے پھر بھی وہ یہاں دوڑا چلا آیا۔''

''اس میں اور آپ میں فرق ہے۔ وہ آج رات اس شہر خرابات کو خیر باد کہہ رہا ہے' آپ کو یہاں رہنا ہے۔ آپ سے رات کو ٹکرانے والے چاروں آدمیوں میں سے کسی نے دیکھ لیا تو مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔''

میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا'' انہیں چار چوٹ کی مار پڑی ہے۔ وہ کئی دنوں تک باہر نہیں نکل سکیں گے۔ ویسے بھی راجن کی طرف سے اسد کے لیے آنے والے مصالحتی پیغام کے بعد ان لوگوں سے کسی فوری تصادم کا خطرہ ٹل گیا ہے۔''

''آپ کہاں جانا چاہ رہے ہیں؟'' غزالہ نے تجسس سے پوچھا۔

''کمرے میں بند رہ کر وحشت ہو رہی ہے۔ شہر بہت وسیع ہے' کہیں بھی نکل جائیں گے۔''

''میں پانچ منٹ میں تیار ہو رہی ہوں۔'' اس نے بلا کسی پس و پیش اپنی جگہ چھوڑ دی۔

ہم دونوں کمرے سے نکلنے ہی والے تھے کہ میرے موبائل پر چاؤفان کی کال آ گئی۔

''ماسٹر! تمہارا خادم ہوٹل کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔'' رابطہ ہونے پر چاؤفان کی خوشامدانہ آواز میرے پردۂ سماعت سے ٹکرائی۔

''کرتا رہے..... میں اس وقت باہر جا رہا ہوں۔'' میں نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔

''ماسٹر! یہ ملاقات ضروری ہے۔ میں فون پر سب کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''بعض اوقات تم خدا کے بھیجے ہوئے عذاب کی طرح میرے سر پر مسلط ہو جاتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔'' میں نے مصنوعی برہمی کا مظاہرہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم یقین کرو.....اس وقت مجھے کسی نے تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ میں خود تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔'' میری کہی ہوئی بات اس کی موٹی عقل کے اوپر سے گزر گئی۔

''رکے رہو' میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' میں نے بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فون بند کیا اور غزالہ کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لو یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ چاؤفان یہاں آپہنچا ہے۔''

''آپ اس پر غصہ ہو رہے تھے' اب خوش نظر آرہے ہیں!'' اس نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہ بہت ڈھیٹ اور منہ پھٹ ہے۔ میں اسے اس کی اوقات میں نہ رکھوں تو وہ مجھے ہدایات دینا شروع کردے گا۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

''کیا آپ اس کے ساتھ جانے کے لیے پرتول رہے ہیں؟''

''بہتر یہی ہوگا کہ ہم دونوں ایک ساتھ باہر نہ نکلیں۔ وہ نہ آتا تو ہمیں مجبوراً جانا ہی پڑتا۔ اب تم اپنی مرضی سے شہر گھوم سکتی ہو۔ میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزار لوں گا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت میں لوٹ آؤں گا۔''

غزالہ نے غور سے میری طرف دیکھا پھر سر جھکا کر بے چارگی سے بولی ''جیسی آپ کی مرضی..... میں آپ کی خواہش پر باہر جانے کے لیے آمادہ ہوئی تھی۔ آپ نے اپنا پروگرام بدل لیا ہے تو میں یہیں رک کر وقت گزاروں گی۔''

وہ ناراض نہیں ہوئی تھی لیکن میرے فیصلے کی تبدیلی سے اسے مایوسی ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ بات تسلی بخش تھی کہ اسے چاؤفان سے میری ملاقات کی اہمیت کا پورا ادراک تھا۔ اسے افسوس اس بات کا تھا کہ چاؤفان نے اچانک دخل انداز ہوکر ہم دونوں کے سیر کے پروگرام کو درہم برہم کردیا تھا۔

چاؤفان تھکی سڑک کے کنارے میرا انتظار کررہا تھا۔ میرے پاس غزالہ کی ناز برداری کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے اس سے تسلی کے چند بول کہے اور چاؤفان سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔

اس نے معمول کے مطابق' پُرتپاک انداز میں چہک کر میرا استقبال کیا اور میرے سوار ہوتے ہی گاڑی آگے بڑھادی۔

''ماسٹر! تمہارے چہرے پر پڑے ہوئے نشانات دیکھ کر مجھے دکھ ہورہا ہے۔''

''میری طرف دیکھنے کے بجائے اپنی نگاہیں سڑک پر مرکوز رکھو۔'' میں نے خشک لہجے میں اسے مشورہ دیا۔

''میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی بدتمیز تم پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔''

''محبت اور جنگ میں سب کچھ چلتا ہے۔ دشمن بھاری پڑ جائے تو ڈان جیسا آدمی میدان میں اترنے سے ہچکچاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو کہ میں تمہارے شہر کے اچکوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں' تمہارے ساتھ گھوم رہا ہوں۔''

''یہ بات ڈان بھی مانتا ہے' تم بہت نڈر ہو۔''

''کیا تم نے ان فضول باتوں کے لیے مجھے بلایا ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''تم نے مجھے بہت بڑی مشکل میں پھنسایا ہوا ہے۔ ابھی تک کسی غوطہ خور کا بندوبست نہیں ہوسکا۔''

''باقی سامان بھی نہیں مل رہا ہوگا!'' میں نے طنز سے کہا۔

''میں اتنا گیا گزرا نہیں ہو۔ سب بندوبست ہوگیا ہے۔ تمہارے بتائے ہوئے طوفانی مقناطیس بھی مل گئے ہیں' بوٹس میری اپنی ہیں۔ انہیں ایک ویران کھاڑی میں لگا کر سارے شناختی نشان چھپائے جارہے ہیں تاکہ وائٹ ہاک کے محافظ اپنی دوربینوں سے بھی ہماری بوٹس کو نہ پہچان سکیں۔''

''غوطہ خور کا بندوبست نہ ہوا تو پھر یہ کام میں خود سرانجام دینے کی کوشش کروں گا۔ کاسٹیوم اور دوسرا سامان تو مل جائے گا نا!''

''سب مل جائے گا۔'' وہ چونک کر بولا ''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم بھی غوطہ خوری جانتے ہو!''

''میں صرف تیرنا جانتا ہوں' زندگی میں کبھی غوطہ خوری نہیں کی۔ ذرا سی مشق کے بعد یہ بھی ہوجائے گا۔ غوطہ خور آسمان سے نہیں اتارے جاتے۔ وہ ہم جیسے انسان ہوتے ہیں۔''

''تم ہر فن مولا ہو' میں تو ڈھنگ سے ڈوبنا بھی نہیں جانتا۔'' اس نے بے ہنگم سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس سکوت کو چاؤفان نے ہی توڑا۔ ''ماسٹر! تم ڈینی نام کے کسی پاکستانی سے واقف ہو؟''

اس کی زبان سے اپنا نام سن کر میں چونک گیا۔ اپنی حیرت چھپاتے ہوئے میں نے سرسری انداز میں کہا ''نام ہی نام سنا ہے' اس سے ٹکرانے کی آرزو ہے۔ تمہیں بیٹھے بیٹھے یہ نام کیوں یاد آگیا؟''

''رات سے چھوٹا راجن کے آدمیوں نے شہر میں ڈینی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نام کے ایک آدمی کی تلاش شروع کردی ہے۔'' اس نے انکشاف کیا''انہوں نے کئی مشتبہ پاکستانیوں سے مار پیٹ بھی کی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی چھوٹا راجن کا بڑا دشمن ہے۔''

''یہ اچھا ہے۔راجن کی توجہ بٹ جائے گی۔ہوسکتا ہے کہ ہمارا کام آسان ہوجائے۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

میرے لیے وہ خبر انوکھی نہیں تھی۔سوبھراج کے چھوڑے ہوئے سیٹ لائٹ فون پر راجن سے میری بات ہونے کے بعد اسے ہر حال میں مجھے تلاش کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔ میں نے فون پر اسے بہت سنگین دھمکیاں دی تھیں۔ اس نے مجبور ہوکر مجھ سے وقت مانگا جو میں نے دے دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر مجھے ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا۔ میرا قصہ پاک کرکے وہ بہت سے مصائب سے نجات حاصل کرسکتا تھا۔

''ماسٹر! آثار بتا رہے ہیں کہ ڈینی خطرناک آدمی ہے۔'' چاؤفان نے دھیمی اور پرجوش آواز میں کہا''کیوں نہ ہم بھی اسے تلاش کریں۔ اسے اپنے ساتھ ملا کر ہم چھوٹا راجن کو بہت جلد مار لیں گے۔''

''اس سے پہلے ڈینی تمہاری گردن مار دے گا۔'' میں نے غرا کر کہا''وہ پاکستان کا اشتہاری مجرم ہے۔امریکیوں نے اس پر دو ملین ڈالر کا انعام رکھا ہوا ہے پھر بھی وہ آزاد ہے.....وہ اپنے سائے پر بھی بھروسا نہیں کرتا' تمہیں کیسے اپنے قریب آنے دے گا۔''

''وہ ایسا وحشی درندہ ہے تو اسے چھوڑو۔ہوسکتا ہے کہ چھوٹا راجن اسی کے ہاتھوں مارا جائے۔ڈان اس کی موت کا خواہش مند ہے۔ہم اسے ماریں یا ڈینی مار دے' بات ایک ہی ہوگی۔نتیجہ ہمارے اور ڈان کے حق میں ہوگا۔''

''کسی پگوڈا میں بیٹھ کر اسے کوسنا شروع کردو۔'' میں نے جل کر کہا''اگر وہ طاعون یا ہیضے سے مرجائے تو کسی کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔''

''ماسٹر! مجھے ایسی جلی کٹی باتیں نہ سنایا کرو۔'' اس نے غم زدہ لہجے میں شکوہ کیا''دو دشمنوں کی لڑائی سے اپنا فائدہ ہو رہا ہو تو خاموشی سے تماشا دیکھنا عقل مندی ہے۔اس میں کودنے سے فائدے کے بجائے نقصان ہوسکتا ہے۔''

''اپنے ان نادر خیالات سے ڈان کو آگاہ کردو۔ وہ تمہیں ایسے انعام سے نوازے گا کہ تمہارا دل باغ باغ ہوجائے گا۔''

اس نے ایک لمبا سا ٹھنڈا سانس لیا پھر بولا''ڈان کی بات نہ کرو' ہر معاملے میں اس کی سوچ انوکھی ہوتی ہے۔ میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا تھا۔اگر تم بھی میرے ہم خیال نہیں ہو تو میں صبر کیے لیتا ہوں۔ بدھا نے کہا ہے کہ صبر میں روح کی شانتی ہوتی ہے۔''

''شانتی اسی وقت ہوگی جب روح جسم میں قید رہے۔تم نے ڈینی کی تلاش کا بیڑا اٹھایا تو تمہاری روح پہلی فرصت میں بدن کا ساتھ چھوڑ دے گی.....میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ڈینی یہاں کیا کر رہا ہے۔اسے راجن سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔''

''اپنی لائن میں بڑے لوگوں کے چکر بھی بڑے ہوتے ہیں۔ہمیں ان باتوں سے کیا لینا۔ہمیں اپنی توجہ اس کام پر مرکوز رکھنی چاہیے جو ڈان نے ہمیں سونپا ہے۔'' وہ ایک جھٹکے میں راہِ راست پر آ گیا۔

اس کے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا ایک اہم کارندہ ضرور تھا لیکن اس سے آگے وہ بے خبری کے بازار میں رہ رہا تھا۔اسے میرے یعنی ڈینی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس معاملے میں ڈان اتنا بے خبر نہیں ہوگا۔

''یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کیوں آئے ہو؟'' کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے اچانک اس سے سوال کیا۔

''میں غوطہ خور کے مسئلے پر پریشان تھا۔تم نے ذرا سی دیر میں اس کا حل پیش کردیا۔'' اس نے بلاتامل جواب دیا''تمہاری پیشکش اپنی جگہ پر ہے' میری کوششیں جاری رہیں گی۔یہ کام کسی پیشہ ور آدمی کو کرنا چاہیے۔کوئی نہیں مل سکا تو پھر تم کو زحمت کرنا ہوگی۔تمہارا متبادل سامنے آنے کے بعد میری پریشانی دور ہوچکی ہے۔''

''تمہاری کوششوں کا نتیجہ کب تک سامنے آجائے گا.....ہم زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرسکتے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''میرے اوپر تم سے زیادہ ڈان کا دباؤ ہے۔ مجھے آج شام تک کا وقت درکار ہے۔صبح ہم فیصلہ کرلیں گے۔'' اس نے پراعتماد لہجے میں بتایا۔

کچھ دیر بعد چاؤفان نے اپنی گاڑی ایک سرسبز پارک میں سے گزرنے والی سڑک کے کنارے روک دی۔گاڑی کا انجن اور اس کے ساتھ ایرکنڈیشنر چل رہا تھا۔اندر کی خنک فضا میں بیٹھ کر باہر کا منظر بہت دلفریب نظر آرہا تھا۔ہم دونوں گاڑی میں بیٹھے' باتیں کرتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکلتے ہی گرم ہوا کے تھپیڑے دو منٹ میں حواس باختہ کر دیں گے۔

چاؤ فان چاپلوسی اور چرب زبانی میں یکتا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح بنکاک کی عورتوں کا تذکرہ نکال لیا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی ڈھنگ کے موضوع پر بات کرے گا۔ اس کے تذکروں کا محور شہر کی وہ پری پیکر اور خوش خصال خواتین تھیں جو مناسب معاوضہ لے کر چاؤ فان جیسے آدمی کو بھی ہنسی خوشی برداشت کر سکتی تھیں۔

''ماسٹر! ایک بات بتاؤ..... تم اپنی عورت ..... مم ..... میرا مطلب ہے کہ اپنی بیوی سے تنگ آئے ہوئے ہو نا!'' ان باتوں کے درمیان اس نے اچانک سوال کر ڈالا۔

''کیوں؟'' میں نے آنکھیں نکال کے کہا ''کیا اس پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے۔''

''میری توبہ!'' اس نے بے اختیار اپنے دونوں گالوں پر تھپڑ لگائے اور جلدی سے بولا ''میں ایسی گھٹیا بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ بیوی کیسی ہی گئی گزری کیوں نہ ہو' مرد اسے کسی اور کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تم تو ویسے ہی غصے کے تیز ہو۔ اس بات پر کسی کا خون بھی کر سکتے ہو۔''

''پھر یہ نازیبا سوال تمہاری زبان پر کیوں آیا؟''

''ماسٹر! دماغ ٹھنڈا رکھو!'' اس نے بوکھلائے ہوئے دفاعی انداز میں کہا ''میں تمہارے لیے فائدے کی بات سوچ رہا تھا۔''

''کیا.....؟ جلدی بتاؤ۔'' میں نے سخت لہجے میں مطالبہ کیا۔

''مم ..... میں تمہیں ایک زبردست عورت سے ملوانا چاہتا ہوں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''شوقین اور بہت خوبصورت ہے' انگریزی روانی سے بولتی ہے۔ تم .....''

''بس!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرا دیا ''میں گندے پراٹھوں پر اپنی سوکھی روٹی کو ترجیح دیتا ہوں۔ آیندہ مجھے ورغلانے کی کوشش نہ کرنا۔''

''پھر میں خود ہی اس سے ملوں گا۔'' اس نے مایوسی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ وہ لانچ میں آ کر ہمارے کام کے لیے راضی ہو جائے۔''

''کس کام کی بات کر رہے ہو؟'' میں جھلاہٹ کے باوجود اس سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''غغ ..... غوطہ خوری!'' اس نے جلدی سے کہا ''وہ تین سال تک ایک مسافر بردار لانچ پر کام کر چکی ہے' شاید وہیں سے بگڑی ہو گی۔ زبردست تیراک ہے اور غوطہ خوری میں بھی مہارت رکھتی ہے۔ بڑی رقم کمانے کے لالچ میں وہ ہمارا ساتھ دے سکتی ہے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ چند روز میں آدھے بنکاک کو پتا چل جائے گا کہ وائٹ ہاک کے پیندے میں تم نے بم لگوائے تھے۔''

''زبان کھولے گی تو مجھ سے پہلے وہ ماری جائے گی۔''

چاؤ فان نے دبی دبی' سفاکانہ ہنسی کے ساتھ کہا ''میں اسے دھوکا دے کر استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ اسے یہ نہیں بتایا جائے گا کہ ہم وائٹ ہاک میں بم لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے میں نے وائٹ ہاک کی جاسوسی کی کہانی سوچی ہوئی ہے۔ وہ سمجھے گی کہ اسے حساس آلات کا ایک بکس لانچ کے زیر آب حصے میں لگانا ہے جس کے ذریعے وائٹ ہاک کی دن رات نگرانی کی جا سکتی ہے۔ وائٹ ہاک کی بربادی کی خبر سن کر اس کے ہوش اڑ جائیں گے۔''

میں اس مکار کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر رہ گیا۔ کسی جاننے والی عورت کو کھلا دھوکا دے کر اتنی بے رحمی سے استعمال کرنا اسی کے بس کی بات تھی۔

''ماسٹر! دل ہی دل میں تم مجھے ملامت کر رہے ہو گے۔'' اس بار وہ میرے دل کی بات پڑھ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا ''وہ بہت دل پھینک اور ہرجائی قسم کی عورت ہے۔ اس کی وجہ سے کئی گھرانے برباد ہوئے اور کم از کم ایک شریف آدمی نے خاموشی سے خودکشی کر لی۔ وہ ان بربادیوں کو اپنے کارناموں میں شمار کرتی ہے۔ تم خود بتاؤ کہ کیا ایسی عورت رحم یا ہمدردی کی حق دار ہو سکتی ہے.....؟ اگر وہ میرے جال میں پھنس گئی تو یوں سمجھو کہ اپنے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے گی۔ حقیقت کھلنے کے بعد اس کا جو حال ہو سو ہو' سمندر کے سینے پر تیرنے والے بدی کے اڈے کی تباہی میں حصہ لینے سے اس کے بہتیرے گناہ دھل جائیں گے۔''

''چاؤ فان! یہ نہ بھولو کہ غیبی ہاتھ بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ اس نے تمہارے گناہوں کی دھلائی شروع کر دی تو تم پر چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔''

''میرا کام ڈرائی کلیننگ سے بھی چل جائے گا۔'' اس نے بے پروائی سے ہنستے ہوئے کہا ''یہ بتاؤ کہ میرا پلان کیسا ہے!''

''کامیاب ہو جائے تو یہ سفاکی کا ایک شاہکار ہو گا۔''

''میں نے تمہاری بیوی کی بات چھیڑی اور تم ناراض ہو گئے۔ میرا مطلب صرف اتنا تھا کہ شام کو تم بھی میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ مادام سے ملنے چلتے تو تمہارا وقت بہت اچھا گزرتا۔ تم وجیہ مرد ہو۔ وہ تم پر مہربان ہو سکتی تھی۔ میری کامیابی بھی یقینی ہو جاتی۔''

مجوزہ کام کے بارے میں مجھے اس عورت کا کردار دلچسپ محسوس ہوا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ چاؤ فان کے ساتھ، میں بھی اس سے ملنے کے لیے جاؤں مگر میں نے اس خیال کو وہیں کچل کر فراموش کر دیا۔

چاؤ فان پکا بدمعاش تھا۔ اس نے میری وجاہت اور مادام کی مہربانی کا ذکر کر کے ایک مرتبہ پھر مجھے بہکانے کی کوشش کی تھی میں اس کے ساتھ چلنے کے لیے رضامند ہو جاتا تو چاؤ فان یہ سمجھتا کہ آخر کار میں نادیدہ مادام کے سحر کا اسیر ہو گیا۔

''تم سہاروں کے عادی ہو گئے ہو۔ اپنا شکار خود کھیلنے کی کوشش کیا کرو تم بھی کم وجیہ نہیں ہو، بس قد سے مار کھاتے ہو۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ میں نے یہاں دراز قامت لوگ کم دیکھے ہیں جن میں ڈان بھی شامل ہے۔''

''ڈان کا قد اپنے باپ پر گیا ہے۔ شاید میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس کا باپ امریکی سپاہی تھا جو ویت نام کا ایندھن بننے کے لیے بھیجا گیا تھا۔'' اسے یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں نے اس کے قد کا موازنہ ڈان سے کر ڈالا تھا۔

''دوغلی نسل کے مقامی کشیدہ قامت ہو سکتے ہیں۔'' میں نے اپنے سر کو مفاہمانہ انداز میں جنبش دیتے ہوئے اسے اخلاقی سہارا دیا۔ ''اصل نسل تھائی باشندوں کے قد زیادہ لمبے نہیں ہوتے۔''

چاؤ فان کی گاڑی کا انجن بہ دستور چل رہا تھا، اس نے گاڑی گیئر میں ڈالی اور پارک سے روانہ ہو گیا۔

''ماسٹر!'' کچھ دیر تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر انداز میں اپنی زبان کھولی۔ ''سب انسانوں کا تعلق ایک نسل سے ہے تو ان کے قد کاٹھ یکساں کیوں نہیں ہوتے؟''

''تم بلاوجہ اس بات کو اپنے دل پر لے گئے۔'' میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''چھوٹا قد ہونے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ دنیا میں چھوٹے قد والوں کے کارنامے آج بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ تاریخ ان کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔''

''مگر میں تاریخ ساز نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اداسی سے کہا۔ ''اپنی قوم کے لحاظ سے میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ تمہارے مقابلے میں مجھے یکایک کم تری کا احساس ہونے لگا ہے۔ چہرہ خراب ہو تو آدمی رقم خرچ کر کے پلاسٹک سرجری کروا سکتا ہے۔ قد کا تو کوئی علاج نہیں ہے۔''

''اونچی ایڑی کے جوتے پہنا کرو۔'' میں نے وہ بات مذاق میں اڑانے کی کوشش کی۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ مادام سے ملاقات کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے۔''

''مجھے اس سے ملنا پڑے گا۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''ڈان اس معاملے میں زیادہ تاخیر برداشت نہیں کرے گا۔''

''یہ بتاؤ کہ موتی محل میں ہونے والے دھماکے کے بارے میں کیا خبریں ہیں۔'' میں نے اسے باتوں میں مصروف رکھنے کے لیے اس انداز میں کہا جیسے میں اس کی زبان سے اپنی تعریف سننا چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس بارے میں مجھے سر پیر کا کوئی پتا نہیں تھا۔ دھماکے کی خبر آئی اور ان لوگوں نے اس کا سہرا میرے سر منڈھ دیا بعد میں اس بارے میں کیا پیش رفت ہوئی، اس کی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔

''تمہارے کام بہت پکے ہوتے ہیں۔'' اس نے سڑک خالی دیکھ کر اپنی گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا ''موتی محل میں دھماکا کرنے والا زندہ بچا ہوتا تو بات ضرور آگے بڑھتی۔ اس کے مارے جانے کی وجہ سے سب کچھ وہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ سب حیران ہیں کہ وہ دھماکا کیسے ہو گیا۔ سننے میں آیا ہے کہ موتی محل میں اب خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی ہے سب ایک دوسرے کو شک و شبہے کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔''

''وہ مارا ضرور گیا لیکن اس کی نشان دہی ہو چکی ہے کہ وہ کون تھا۔ اس شناخت کی مدد سے کوئی نہ کوئی پیش رفت ہوئی ہو گی۔''

''ماسٹر! کچھ نہیں ہو سکتا بڑی سازشوں کا سراغ مل جاتا ہے، ایسے واقعات کے سر پیر کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ مرنے والا ہر راز اپنے سینے میں لے کر دفن ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں تم جانتے ہو یا تمہارا وہ آدمی جس نے بیچ کا کردار ادا کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں اس کالے شیطان کو کچھ بتانے نہیں جاؤ گے۔''

''کس کالے شیطان کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے اس کے بیان سے محظوظ ہوتے ہوئے روا روی سے سوال کیا۔

چاؤ فان نے یوں چونک کر میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی عجیب سوال کیا ہو۔ لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ ''ماسٹر! حیرت کی بات ہے کہ اس سے تمہاری دشمنی ہے، اس کے باوجود تم نے اسے نہیں دیکھا!''

چاؤ فان کی حیرت کا سبب سمجھ میں آتے ہی میں نے جلدی سے کہا۔ ''اگر تم راجن کو یہ نام دے رہے تھے تو بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوب ہے۔ وہ کالا بھی ہے اور بدصورت بھی۔ اس کے بڑے بڑے کان یوں آگے کی طرف مڑے ہوئے ہیں کہ انہیں کاٹ دینے کو دل چاہتا ہے۔"

میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر راجن کے کانوں پر بھی تبصرہ کر ڈالا تھا۔ چاؤفان کی حیرت رفع ہوگئی۔

کچھ دیر بعد اس نے مجھے ہوٹل کے قریب اتار دیا۔

راستے میں گفتگو کے دوران میں یہ طے ہو چکا تھا کہ وہ مادام سے ملاقات کے بعد مجھے اپنی رپورٹ سے آگاہ کرے گا۔ نتیجہ مثبت رہنے کی صورت میں ڈان سے رابطہ کر کے پروگرام طے کرنا تھا۔

میں چاؤفان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے بتایا کہ میری عدم موجودگی میں پاکستان سے جلال اور جہانگیر کے فون آئے تھے دونوں نے اس سے خیر خیریت سے زیادہ بات نہیں کی تھی۔

غزالہ کی رائے تھی کہ جہانگیر بہت زیادہ مضطرب تھا اور یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ مجھ سے کب رابطہ ہو سکے گا۔ غزالہ میرے پروگرام سے بے خبر تھی۔ وہ اسے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکی۔

ان دنوں میرے پاس دو موبائل فون ہوا کرتے تھے۔ ایک اول خان کا دیا ہوا سیٹ تھا جس پر اس نے بین الاقوامی رومنگ کھلوائی ہوئی تھی۔ اس فون کے بل کی ادائی ایس ٹی ایف یا اول خان کی ذمے داری تھی۔ اپنے لوگوں سے بات چیت کے لیے میں ہمیشہ وہی فون استعمال کیا کرتا تھا۔ بنکاک میں چاؤفان اور ڈان وغیرہ سے مقامی رابطوں کے لیے میں نے اسد کے ذریعے ایک لوکل موبائل لیا ہوا تھا۔

میں نے ابتدا سے یہ احتیاط رکھی تھی کہ جب بھی مجھے چاؤفان یا ڈان سے ملنے کے لیے جانا ہوتا تو میں اول خان کا دیا ہوا فون غزالہ کے پاس چھوڑ دیتا تھا۔ ان دونوں کو اس بات کی ہوا نہیں لگ سکی تھی کہ میرے پاس کوئی دوسرا موبائل فون بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت جہانگیر اور جلال مجھ سے براہِ راست بات کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

میرے لیے جلال کا فون آنا معمولات میں شامل تھا۔ بنکاک سے اسد کے فوری تبادلے کے پیش نظر اس کی کال متوقع تھی لیکن جہانگیر کی کال نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا تھا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے اس کی خیریت جاننے کے لیے شاید ایک آدھ بار اسے فون کیا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی کال نہیں آئی تھی۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس نے کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

جہانگیر سے میری گفتگو طویل ہو سکتی تھی میں نے اپنے تجسس کو بالائے طاق رکھ کر پہلے جلال کا نمبر ملا لیا۔

محکمے میں اسد اس سے بہت جونیر تھا۔ وہ اس سے زیادہ کھل کر اور بے تکلفی سے بات نہیں کر سکتا تھا اس لیے اس نے میری طرف رجوع کیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ بنکاک میں کیا ہو رہا ہے اور اسد کے تبادلے کے احکام جاری ہونے کے بعد کی صورتِ حال کیا ہے۔

اس سے میری بات ہوتی رہی تھی۔ وہ بنکاک میں رونما ہونے والے واقعات سے بڑی حد تک باخبر تھا۔ میں نے اختصار کے ساتھ اسے بتایا کہ راجن سے میری اور اسد کی ملاقات ہو چکی تھی جس میں میری ذات گفتگو کا مرکز رہی تھی۔

"تمہیں یقین ہے کہ موتی محل سے واپسی پر اس کے آدمیوں نے تم دونوں پر حملہ کیا تھا؟" اس نے میری کہانی سننے کے بعد بے چینی سے پوچھا۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے کہ آج منہ اندھیرے راجن کے آدمی نے اسد کے گھر پہنچ کر اس واقعے پر معذرت کی ہے۔ اس کے بعد شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔"

"ایک طرف ڈان ہے اور دوسری طرف راجن تمہارے پیچھے لگ گیا ہے۔" اس کی تشویش زدہ آواز ابھری۔ "اس موقع پر تم کو اسد کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"اسے بھول جاؤ۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اسے تمہارا فیکس بھی مل گیا۔ وہ آج رات کی پرواز سے بنکاک چھوڑ رہا ہے۔"

"تم اس کے تبادلے سے ناخوش ہو؟" جلال نے نرم آواز میں پوچھا۔

"ناخوش تھا۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زبان سے نکلتی ہیں اور پتھر پر لکیر کی طرح اٹل ہو جاتی ہیں۔ اس بار یہی ہوا ہے۔ اسد بروقت یہاں سے نکل رہا ہے۔ راجن اسے گھیرنے کے چکر میں ہے۔ اس کے ذریعے وہ مجھے تلاش کرنا چاہتا ہے۔ اسد یہاں رکا رہتا تو اس کے چنگل میں پھنس کر بے بس ہو جاتا۔ راجن کو اس کی روانگی کا علم ہوگا تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ جائے گا۔"

"یوں کہو کہ اندھیرے میں خود بہ خود چلنے والا یہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں، اس وقت تبادلے کا حکم اسد کے لیے نعمت ثابت ہوگا۔ میں تم کو ایک بات بتادوں کہ سوبھراج کے معاملے میں اسے موردالزام ٹھہرایا گیا تو مجھے دلی صدمہ ہوگا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اب بھی مجھ پر شبہ کررہے ہو..... تم کو یقین کیوں نہیں آتا کہ اس کے تبادلے میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہ خالص انتظامی مسئلہ ہے۔ مدت پوری ہونے کے بعد اسے بلایا گیا ہے۔''

''جلال! مجھے اس محکمہ جاتی باریکی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں اسد کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ ضمانت صرف تم دے سکتے ہو۔''

''خاطر جمع رکھو۔ میں یہ بھول جاؤں گا کہ وہ سوبھراج کی ہلاکت کے راز سے واقف ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا!''

اس کا جواب سن کر میرا دل کھل اٹھا۔ میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''میرے لیے تمہارے یہ الفاظ کافی ہیں۔ اب میں یکسوئی سے اپنے کاموں پر دھیان دے سکوں گا۔''

''تمہارے سامنے اب ایک ہی کام رہ گیا ہے۔ تم کن کاموں کی بات کررہے ہو؟'' میرے جواب نے جلال کو چونکا دیا۔

''کام ایک ہی ہے جو تم نے سونپا ہے یعنی راجن کا جھنگا..... اس میں کئی بکھیڑے ہیں ابھی اس کی ایک لانچ کی تباہی کا مشن سامنے ہے۔''

''ویری گڈ! جلال کی مسرت آمیز آواز آئی۔'' یہ لڑائی کا بنیادی اصول ہے۔ جب تک دشمن کے قلب پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے، اس کے دوسرے مفادات پر ضربیں لگاتے رہنا چاہیے۔ اس طرح تم ڈان کو بھی خوش رکھ سکو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی مرحلے پر وہ تمہارے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہوجائے۔''

''پچھلی رات یہ مرحلہ آگیا تھا مگر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ شبہ اس کے دل میں گھر کر چکا ہے۔ میں نے پاسپورٹ واپس لے لیے تو وہ نگرانی شروع کرادے گا.....''

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے میری بات درمیان ہی سے اچک لی۔'' تم دوررس فیصلے کرتے ہو۔ میں تمہاری اس صلاحیت کی قدر کرتا ہوں۔''

''اول خان کی کیا خبریں ہیں؟'' میں نے اچانک پوچھ لیا۔

''اس سے براہِ راست بات نہیں ہوسکی۔ اپنے اسٹاف سے خبریں ملتی رہتی ہیں کہ اس نے آج کل صوبہ سندھ میں ہتھیار لانے والوں کے ایک بڑے گروہ پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ ان کی اگلی کھیپ آتے ہی یہاں کوئی بڑا دھماکا ہوگا۔''

اسپیشل ٹاسک فورس لاکھ غیر آئینی سہی۔ عملی طور پر وہ سرکار ہی کے دائرہ کار میں آتی تھی۔ اول خان اور جلال، دونوں سرکاری افسر تھے، ان کی اپنی اپنی حدود متعین تھیں لیکن آپس میں خوشگوار تعلقات ہونے کے باوجود، ان کے درمیان ایک عجیب سی سرد مہری پائی جاتی تھی۔

وہ ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ملتے تھے لیکن الگ ہونے کے بعد مشکل ہی سے ایک دوسرے سے کوئی رابطہ کرتے تھے۔ میں نے کئی مواقع پر محسوس کیا کہ باہمی ربط ضبط کے لیے وہ دونوں کئی مواقع پر میری مدد لے چکے تھے۔

جلال سے پاکستان کے بارے میں کچھ عمومی باتوں کے بعد گفتگو ختم ہوگئی۔ اپنے عہدے کے اعتبار سے وہ بہت باخبر افسر تھا۔ وہ عام طور پر ان باتوں سے بھی باخبر رہتا تھا جو اس کے دائرہ کار میں نہیں آتی تھیں۔

فون بند کرکے میں نے سگریٹ سلگائی تو غزالہ سے نہ رہا گیا اور بول پڑی۔'' جہانگیر آپ کا جگری دوست ہے، آپ کو سب سے پہلے اس کی خبر لینی چاہیے تھی۔ ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے اب آپ کو اس کی پروا نہ رہ گئی ہو۔''

''تم جیسی محتسب کی موجودگی میں کسی کو فراموش کرنا بہت مشکل کام ہے۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔'' اس بے چارے کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اس کی بیوی ہے۔''

''وہی اس کے مسئلوں کا حل بھی ہے۔'' غزالہ نے بلا تردد کہا۔'' میں شرط لگا سکتی ہوں کہ سلمٰی کے بغیر وہ چین سے نہیں رہ سکتا۔''

''میں تمہارے مشاہدے کو چیلنج نہیں کروں گا۔ دیکھتا ہوں کہ اس نے مجھے کیوں یاد کیا ہے۔ ذرا یہ سگریٹ ختم کرلوں۔''

☆☆☆

جہانگیر ہمیشہ سے سحر خیز پرندہ رہا تھا۔ دیر سے سونا اور صبح سویرے بیدار ہوجانا اس کی دو فطری کمزوریاں تھیں جن پر اس کی بسیار نوشی بھی کبھی غالب نہیں آسکی تھی۔ دن میں زیادہ پی کر کچھ دیر کے لیے مدہوش ہوجانے کا قصہ اس سے الگ تھا۔

اس دن بھی وہ صبح سویرے بیدار ہوگیا۔ سلمٰی اس کے پہلو میں بہ دستور گہری نیند سو رہی تھی۔ بستر چھوڑ کر وہ قالین پر اترا اور مسہری کے قریب کھڑا ہوکر غور سے سلمٰی کی طرف دیکھتا رہا جو بے حجابی کے ساتھ گہری نیند سو رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اس وقت اتنی حسین اور معصوم نظر آ رہی تھی کہ جہانگیر کے دل کے کسی گوشے سے بے ساختہ، ملامت کی ایک لہر ابھری اور اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی فرض شناس اور وفا شعار بیوی کو بلاوجہ ستاتا رہتا ہے۔

عین ممکن تھا کہ وہ جذبات کی رو سے مغلوب ہو کر سلمیٰ کے سرہانے جا بیٹھتا لیکن اسی لمحے بجنے والی انٹرکام کی گھنٹی نے اسے تصورات کی دنیا سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے ملاقاتیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ پریشان ہو گیا کہ انٹرکام پر اتنے سویرے کون ہو سکتا تھا۔

گھنٹی دوبارہ بجی اور اس نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے عمارت کا سکیورٹی افسر اسے ہوپر نامی کسی غیر ملکی مہمان کی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔

وہ نام اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ آنے والا غیر ملکی تھا۔ جہانگیر کی کھوپڑی چکرا گئی وہ چند لمحوں پہلے گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس کے شب گزیدہ ذہن میں کوئی ڈھنگ کی بات نہیں آ سکی۔ اس نے غیر ارادی طور پر مہمان کو اوپر بھجوانے کی ہدایت دے دی۔

اس نے باتھ روم میں جا کر تیزی سے چند کلیاں کیں اور پھر شب خوابی کا لباس تبدیل کیا۔ وہ پوری طرح اپنا حلیہ درست نہیں کر پایا تھا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔

جہانگیر نے اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے، بوکھلاہٹ کے عالم میں دروازہ کھولا تو اپنے سامنے ایک کشیدہ قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو کھڑے پایا۔ عینک کے پیچھے اس کی نیلی اور سرد آنکھوں سے سفاکی جھلک رہی تھی۔

جہانگیر کے لیے وہ چہرہ اجنبی تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی جہانگیر کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کے اوسان ٹھکانے آ گئے۔

''کیا میں تم کو جانتا ہوں؟'' اس نے رواں انگریزی میں سرد مہری سے سوال کیا۔

''یہ سوال غیر اہم ہے۔'' غیر ملکی کا لب و لہجہ اس کے امریکی ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔ ''اہم تر بات یہ ہے مسٹر جہانگیر کہ میں تم کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''میں اپنی چھت کے نیچے کسی اجنبی کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتا۔'' جہانگیر اندر آنے کا راستہ روک کر اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔

''پلیز! مجھے اندر آنے دو!'' پتلون کی جیب میں اجنبی کے بائیں ہاتھ نے جنبش کی اور جہانگیر کو وہاں کسی ریوالور کی نال کا ابھار بہت واضح طور پر نظر آ گیا۔

''کسی مہمان کو اندر نہ بلانا بد اخلاقی کی نشانی ہے۔'' ہوپر نے اپنی بات جاری رکھی۔

جہانگیر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں چیونٹیوں کا کوئی جلوس گھس گیا ہو۔ آنے والے کے نرمی سے محروم چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ اس نے غیر ارادی طور پر اسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

''گڈ..... تم سمجھ دار اور معاملہ فہم آدمی ہو!'' وہ بڑھ کر فلیٹ میں داخل ہو گیا۔

''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟'' جہانگیر نے دروازہ بند کرتے ہوئے، ترش لہجے میں سوال کیا۔

''میں ہوپر ہوں اور تم سے ملنے کے لیے آیا ہوں۔'' اس نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا اور راہداری سے گزر کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

ہوپر کا بایاں ہاتھ جیب سے برآمد ہوا تو وہ خالی نہیں تھا۔ اس میں چھوٹے بور کا، ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور دبا ہوا تھا۔ وہ اطمینان سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس وقت جہانگیر کے دل کی حالت غیر تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میری وجہ سے وہ ایک مرتبہ پھر کسی ناگہانی صورت حال سے دوچار ہونے والا تھا۔ وہ اندر سے خوف زدہ ہونے کے باوجود تن کر ہوپر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کے وجود میں سویا ہوا، شی کا پرانا گروہ بند رفتہ رفتہ بیدار ہو رہا تھا۔

''مجھ سے مل لیے، اب لوٹ جاؤ۔'' جہانگیر نے سختی سے کہا ''میری بیوی آرام کر رہی ہے۔ میں صبح سویرے اس کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتا۔''

''کھڑے کھڑے تھک جاؤ گے، سامنے بیٹھ جاؤ۔'' ہوپر نے ریوالور کو اپنے ہاتھ میں نچاتے ہوئے کہا ''تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ گولی مار دوں گا۔ یہ خوب صورت ضرور ہے لیکن کھلونا نہیں، اصلی ہے، اس کا چیمبر بھرا ہوا ہے۔''

''تم نے ابھی تک اپنا مدعا بیان نہیں کیا۔'' جہانگیر نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

''تم ڈینی کے گہرے دوست ہو!'' ہوپر نے اس کے چہرے پر نظر جما کر تصدیق چاہی۔

''میں بہت سے لوگوں کا دوست ہوں۔'' جہانگیر کا جواب گول مول تھا۔

''ڈینی کہاں ہے؟'' ہوپر نے پلکیں جھپکائے بغیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔

''وہ میرا ملازم نہیں ہے' آزاد خود مختار آدمی ہے۔ کہیں بھی ہوسکتا ہے۔''

''تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں بلاوجہ یہاں نہیں آیا۔ تم کو ہر صورت میں بتانا ہوگا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔''

''اس کی دشمنی میں تمہاری عقل مفلوج ہوگئی ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میں ابھی سو کر اٹھا ہوں۔ میں جھوٹ بول کر تمہیں ٹال سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ اگر تم ڈینی کو ذرا بھی جانتے ہو تو تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اپنے ٹھکانے کے سلسلے میں وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ پتا کھڑکتا ہے اور وہ اپنا ٹھکانا بدل لیتا ہے۔ مجھ سمیت کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں ہوگا۔''

''وہ کراچی میں ہے؟'' ہوپر نے تخمل سے اگلا سوال کیا۔

''پرسوں تک یہیں تھا۔ اس کے بعد اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔'' جہانگیر نے نہایت اعتماد سے جھوٹ بولا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' ہوپر غرایا ''وہ یہاں نہیں ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے تو بلاوجہ میرا امتحان کیوں لے رہے ہو؟''

''جہانگیر..... سچ بولو۔ تم دو ملین ڈالر کے حق دار بن سکتے ہو۔ چاہو گے تو تمہیں روزگار کی ضمانت کے ساتھ امریکا کی شہریت بھی مل جائے گی۔ تم یہ موقع کھو دو گے تو کوئی اور اس سے فائدہ اٹھالے گا۔ ڈینی ایک خوفناک فتنے کا روپ دھار چکا ہے۔ اب اس کا وقت پورا ہو چکا ہے' دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں بچا سکتی۔''

''میں یہ دعوے اس وقت سے سن رہا ہوں جب یہ انعام ایک ملین ڈالر ہوا کرتا تھا۔'' جہانگیر نے طنز سے کہا ''جب تک لوگ تمہارا ساتھ نہیں دیں گے' تم ڈینی کی گرد بھی نہیں پاسکو گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم ڈینی کے ستائے ہوئے ہو یا اس وقت کسی ایجنسی کی نمائندگی کر رہے ہو لیکن میری یہ بات لکھ لو کہ تم ڈینی کو آسانی سے نہیں پکڑ سکو گے۔''

''تم اس کے ہمدرد اور دوست ہو اس لیے یہ ہذیان بک رہے ہو۔ یہ مت بھولو کہ ایف بی آئی کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ ہم تحت الثریٰ میں چھپے ہوئے دشمن کو بھی کھینچ کر نکال سکتے ہیں۔ ہم نے اس کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ وہ کسی بھی وقت ہمارے قدموں میں ہوگا۔''

اس کی زبان سے ایف بی آئی کا ذکر سن کر جہانگیر کچھ پریشان ہوگیا۔ ایک غیر ملکی' سرکاری اہلکار پر ہاتھ ڈالنے کی قیمت اسے بہت مہنگی پڑ سکتی تھی۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے کہا ''تم نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا ہوتا تو ریوالور تان کر زبردستی میرے گھر میں نہ گھستے۔ یہ افسوس ناک بات ہے کہ ایف بی آئی کے افسر میرے شہر میں غنڈا گردی کر رہے ہیں.....''

''بکو مت!'' ہوپر نے جھلا کر اس کی بات کاٹ دی ''تم سب بدمعاش ہو اور سب مل کر ڈینی جیسے بدمعاش کی سرپرستی کرتے ہو۔''

''کوئی کسی کی سرپرستی نہیں کرتا' یہ تمہاری خام خیالی ہے۔'' جہانگیر نے سکون سے جواب دیا ''اصل بات یہ ہے کہ دنیا کا ہر مہذب شخص تم لوگوں کی متکبرانہ حرکتوں کی وجہ سے تم سے نفرت کرنے لگا ہے۔ اس نفرت کی وجہ سے کوئی تمہارا ساتھ نہیں دیتا' تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے دشمنوں کے ہمدرد ہیں۔ برے آدمی کا کوئی ہمدرد نہیں ہوتا۔''

''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ بہتیرے لوگ بلکہ قوم تک امریکیوں کے پیر چاٹتی ہیں۔''

''یہی تمہارا بڑبولا پن ہے جو آخر کار تمہیں لے ڈوبے گا۔'' جہانگیر نے وہیں اس کی بات پکڑ لی ''تمہارا ساتھ وہ دیتے ہیں جو تمہارے چنگل میں پھنس کر بے بس ہیں یا انہیں تم سے کوئی لالچ ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہاں کوئی بھی تمہارے دو ملین ڈالر کے انعام کے پیچھے نہیں بھاگ رہا۔''

''یہاں کی ایجنسیاں اسے پال رہی ہیں' کون اس کا پیچھا کرے گا؟''

''کروڑوں کی آبادی میں ساری ایجنسیوں کی نفری چند ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔'' موقع پا کر جہانگیر نے اسے بحث میں الجھا لیا ''پاکستان ایک غریب ملک ہے' یہاں بہت سے لوگ بھوکے سوتے ہیں' پڑھے لکھے لوگوں میں بے روزگاری عام ہے۔ یہ ماحول تحریص' ترغیب اور لالچ کے لیے بہت زرخیز ہے۔ اس کے باوجود کسی کو دو ملین ڈالر سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تمہارے لیے لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔''

''تمہارے ان فلسفوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ہوپر نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تم آسانی سے زبان نہیں کھولو گے، تم کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔''

یہ کہتے ہی ہوپر نے جہانگیر پر اپنا ریوالور تان لیا۔

اس وقت تک ہوپر رعونت کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جہانگیر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے، اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ اسے صاف نظر آرہا تھا کہ ہوپر جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عمل کرنے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔ عمارت کا حفاظتی نظام بہت سخت تھا۔ پہلے بھی وہاں وارداتیں ہوتی رہی تھیں جن کے بعد سیکورٹی سسٹم میں مزید سختی آ گئی تھی۔ ہوپر نے یقینی طور پر اس کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ سوچ لیا ہوگا۔ اس جیسا تجربے کار سیکرٹ ایجنٹ آنکھیں بند کر کے کسی کے گھر میں گھسنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

جہانگیر کے پاس سوچنے اور فیصلہ کن قدم اٹھانے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ ہوپر ایک مرتبہ اپنی جگہ چھوڑ دیتا تو جہانگیر کے لیے دشواری پیدا ہو سکتی تھی۔ وہ بہترین موقع تھا۔

''اگر میں تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دوں؟''

جہانگیر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دلیری سے سوال کیا۔

''پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ڈینی کا ہر حمایتی کسی کیڑے سے زیادہ حقیر ہے!'' اس نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دے کر کہا۔

اس دوران میں جہانگیر اپنے قدموں کا توازن درست کر چکا تھا۔ ہوپر کا فقرہ مکمل ہوتے ہی اس کی داہنی ٹانگ بہت پھرتی سے حرکت میں آئی۔ جہانگیر کا وہ ردِعمل اس قدر تیز تھا کہ اپنے بائیں ہاتھ پر زوردار ٹھوکر پڑنے تک ہوپر کو مطلق اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کیا کرنے والا تھا۔

ہوپر کے حلق سے ایک دبی دبی اضطراری چیخ نکلی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر، صوفے کے پیچھے قالین پر جا گرا۔

جہانگیر نے ہوپر کو صوفے سے اٹھنے کی مہلت نہیں دی، اچھل کر اس کے اوپر سوار ہو گیا اور اس کے چہرے پر تابڑ توڑ مکے برسانے شروع کر دیے۔

ہوپر کا سارا زعم اپنے ہتھیار پر تھا۔ نہتے حریف کو ہتھیار کے زور پر دھمکانا اس کا محبوب مشغلہ معلوم ہوتا تھا، نوبت ہاتھا پائی پر پہنچی تو وہ بوکھلا گیا۔

چند مکے کھانے کے بعد اس نے بھی ہاتھ پیر چلانا شروع کر دیے۔

اس اثنا میں ان دونوں کی پرشور اضطراری آوازیں سن کر سلمٰی بیدار ہو گئی۔ وہ بستر سے اٹھ کر بدحواسی کے عالم میں ڈرائنگ روم کے دروازے تک آئی۔ جہانگیر کو ایک سفید فام کے ساتھ گتھم گتھا دیکھ کر اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کہ جہانگیر کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں اس لمحے کو کوسا جب ان دونوں نے اسٹیشن فور کے محفوظ حصار کو چھوڑ کر اپنے گھر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ جہانگیر کے پرانے زخم پوری طرح مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ اس پر نئی افتاد آن پڑی تھی۔

اسے قالین پر پڑا ہوا سفید دستے والا ریوالور بھی نظر آ گیا تھا لیکن وہ آتشیں ہتھیاروں کے استعمال سے ناواقف تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے شوہر کی مدد کے لیے کیا کرے۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے سفید فام نے جہانگیر کو اپنے اوپر سے اتار پھینکا تھا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم کے قالین پر وحشی درندوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

وہ کوئی آواز نکالے بغیر، پھٹی پھٹی نظروں سے وہ وحشیانہ لڑائی دیکھتی رہی پھر گھبراہٹ کے عالم میں اندر بھاگ گئی۔

گھر کے کمروں میں جہانگیر کے آتشیں کھلونوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کہاں جائے۔ اس گھبراہٹ میں وہ غیر ارادی طور پر باورچی خانے میں جا گھسی وہاں کا چپا چپا اس کا دیکھا بھالا تھا؟

باورچی خانے میں گھستے ہی اس کی نظر وزنی چوبی بیلن پر پڑی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بیلن اٹھایا اور واپس ڈرائنگ روم کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ وہاں پہنچی تو صورتِ حال میں کوئی واضح تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ ہوپر، جہانگیر کی توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہو رہا تھا۔

سلمٰی نے ایک طرف سے بیلن تھاما اور قریب پہنچ کر پوری قوت سے ہوپر کی داہنی کنپٹی پر رسید کر دیا۔

ہوپر کے حلق سے ہلکی نما تیز آواز برآمد ہوئی اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

جہانگیر نے اس کے ڈھلکتے ہوئے وجود پر ایک مکا رسید کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ کھیل ختم ہو چکا تھا۔ بیلن کی ضرب نے ہوپر کو ہوش و حواس سے بے گانہ کر دیا تھا۔

اس نے اٹھ کر سلمٰی کی طرف دیکھا، دونوں کی نظریں چار ہوئیں پھر وہ قالین پر گرے ہوئے بے حس و حرکت دشمن کی پروا کیے بغیر والہانہ انداز میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

سوبھراج کے آدمیوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد وہ جہانگیر پر نازل ہونے والی دوسری مصیبت تھی جو کسی نہ کسی طرح ٹل گئی تھی۔

وہ لوگ ہر بار انداز بدل کر اس پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ نیچے ایس ٹی ایف کے کم از کم دو مسلح اہل کار ان کی حفاظت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے موجود رہے ہوں گے لیکن ان میں سے کوئی بھی ملاقاتی کے دوستانہ روپ میں آنے والے ہوپر پر شبہ نہیں کرسکا۔

جذبات کے لمحاتی گرداب سے نکلتے ہی جہانگیر اپنے بے ہوش حریف کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے فرشتے کوچ کر گئے۔ ہوپر بے ہوشی کے مرحلے سے بہت آگے نکل کر موت کی اندھی اور بے رحم وادیوں میں پہنچ چکا تھا۔

ان کے فلیٹ میں ایف بی آئی کے ایک افسر کی لاش کا پایا جانا بہت سنگین واقعہ ہوتا۔ جہانگیر کو اندازہ تھا کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پاکستانی قانون کی رو سے تختہ دار تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

فلیٹ میں جو کچھ ہوا، غیر ارادی طور ہوا۔ سلمٰی کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ جنون کے عالم میں لگائی ہوئی، بیلن کی ضرب مہلک ثابت ہوگی۔ اس کے باوجود وہ قتل کی واردات تھی۔ ان کے فلیٹ میں ہوپر کا غیر قانونی داخلہ بھی انہیں اس الزام سے نہیں بچا سکتا تھا۔

ہوپر کی موت کی خبر سنتے ہی سلمٰی نے رونا شروع کر دیا۔ جہانگیر کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ اول خان سے رابطہ کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ اس آڑے وقت میں وہ صرف اور صرف مجھ پر اعتماد کرسکتا تھا اور میں غائب تھا۔

اس نے منت سماجت کرکے اور واقعے کے مضمرات کا خوف دلا کر سلمٰی کو بہ دقت تمام خاموش کیا اور خاموشی سے اس لاش کو گھسیٹ کر ایک قریبی کمرے میں بند کر دیا۔ غنیمت یہ ہوا کہ بیلن کی چوٹ سے ہوپر کی کنپٹی نہیں پھٹی جس کے سبب کہیں خون کا کوئی دھبا نہیں آیا تھا۔ کسی بے تکی اندرونی ضرب سے ہوپر کا کام تمام ہوا تھا۔

جہانگیر نے ہوپر کی لاش کا ذکر کیے بغیر، ایک اہم ضرورت کا حوالہ دے کر اول خان سے میرا فون نمبر حاصل کیا اور فوری طور پر مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کر ڈالی۔ اسے یہ جان کر صدمہ ہوا کہ میں موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنے مسئلے پر غزالہ سے کوئی بات نہیں کی اور تن بہ تقدیر ہوکر میری جوابی کال کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

میرے فون کرنے پر جب مجھے وہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو میرے دل میں مجرمانہ احساس عود کر آیا اس سے پہلے جلال کو فون کرکے میں نے زیادتی کی تھی۔ جہانگیر کے لیے ایک ایک لمحہ اہم تھا۔ اس کی روداد سنتے ہوئے میرے ذہن میں جس حل نے سر ابھارا تھا، اس کے لیے ہوپر کی لاش کا گرم رہنا ضروری تھا۔ لاش ٹھنڈی ہوکر اکڑ جاتی تو مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

''تم آرام سے بیٹھے رہو، میں ابھی اول خان سے بات کرتا ہوں، وہ آکر لاش لے جائے گا۔ وہ خود آئے یا اپنے آدمیوں کو بھیجے۔ تم اس واقعے کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہیں کروگے۔'' میں نے سب کچھ سن لینے کے بعد کہا۔

اس کی کہانی سنتے ہوئے میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا تھا۔ جہانگیر کو بچانے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ لاش کی برآمدگی اس کے فلیٹ سے ظاہر نہ ہو۔

''اگر کسی نے کچھ پوچھ لیا؟'' جہانگیر اس واقعے سے خائف تھا۔

''جب میں کہہ رہا ہوں تو کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔'' میں نے سختی سے کہا۔ ''حوصلہ رکھو، گھر صاف کرلو اور اپنے معمولات کو برقرار رکھو۔''

''ہمارے حلق سے پانی تک نہیں اتر رہا، بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں سے چھ فٹ کی لاش لے جائی جائے گی تو ہم کس کس کا منہ بند کریں گے۔''

''یہ پریشانیاں اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ ابھی لاش گرم ہوگی۔ وہ اسے بوری میں ڈال کر لے جائیں گے۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ تمہارے گھر سے کیا گیا ہے۔''

''یار، تم گریٹ ہو!'' جہانگیر کی تشکر آمیز آواز آئی۔ ''تم نے بہت انوکھی ترکیب سوچی ہے۔ ہم دونوں یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے کہ ہمارے گھر سے لاش کیسے جائے گی۔ تم نے یہ مسئلہ چٹکی بجاتے میں حل.....''

''میں اول خان سے بات کرکے دوبارہ فون کرتا ہوں۔'' میں نے اس کی بات درمیان سے اڑا کر فون بند کر دیا۔

اول خان کی تلاش میں ادھر ادھر فون کرنے میں وقت کا زیاں ہوتا، میں نے اس کے موبائل نمبر پر اسے گھیر لیا۔

''فوری طور پر اپنے دو آدمی ایک بڑے بورے کے ساتھ جہانگیر کے گھر بھیج دو۔'' سلام دعا کے بعد میں نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ''وہاں ایک گورے کی لاش موجود ہے۔ اسے بوری میں ڈال کر وہاں سے نکالو اور اسٹیشن فور منگوالو۔''

''کس کی لاش ہے۔ وہاں کیا ہوا ہے، ابھی تک میرے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ نہیں آئی۔ وہ دن رات وہاں مامور ہیں۔'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔

''دشمنوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس عمارت کی نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ اس کا توڑ کر لیتے ہیں تم آدمی بھیجو۔ لاش اکڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی تو اسے تابوت میں لانا پڑے گا۔ اسے بوری میں نکالنا اہم ہے تم اپنے آدمیوں سے کہہ دو..... باقی باتیں ہوتی رہیں گی۔''

میں نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی کہ وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ اسے اپنی نادر شاہی ضروریات سے آگاہ کر دیا۔

یہ غنیمت تھا کہ وہ اس وقت اسٹیشن فور پر ہی تھا کیونکہ میں نے اپنے ریسیور میں وہ سب سن لیا جو اس نے اپنے کسی آدمی سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

''یہاں سے کسی کو دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اپنے آدمی کو ہدایات دینے کے بعد اول خان مجھ سے مخاطب ہو گیا۔ ''میں نے اس کے فلیٹ کی نگرانی کرنے والوں کے لیے آرڈر دے دیا ہے۔ ابھی وائرلیس پر ان سے کہہ دیا جائے گا۔ وہ بوری لے کر چند منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ جہانگیر کے گھر پر کیا ہو رہا ہے۔''

اول خان کے زبردست بندوبست کے بارے میں جان کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ میں نے اسے جواب دیا تو میری آواز سے تناؤ رخصت ہو چکا تھا۔ میں نے کہا۔ ''وہاں بیلن چلا ہے۔ زبردستی آنے والے نے اپنا نام ہو پر بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایف بی آئی کا ہی افسر ہو۔''

''میرے آدمی وہاں دن رات بیٹھے رہتے ہیں۔ وہ اوپر کیسے پہنچ گیا؟'' اول خان کو خلش تھی کہ اس کے مستعد آدمی ایک مرتبہ پھر بیٹھے رہ گئے تھے، دشمن کامیاب ہوتے ہوتے رہ گیا۔

اول خان کو اس واردات کی تفصیلات سے آگاہ کرنا بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ پے در پے سوالات کیے جا رہا تھا۔ لاش اٹھوانے کا بندوبست ہو چکا تھا۔ مجھے وقت گزرنے کی پروا نہیں رہی تھی۔ میں سکون سے تفصیلی جوابات دیتا رہا۔

''تو یوں کہو... کہ آج سلمٰی بھی صفِ اول میں آ گئی ہے!'' وہ سب کچھ سن کر بولا۔

''اسے ہول اٹھ رہے ہوں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''وقتی جوش یا اشتعال میں آ کر آدمی ہر کام کر گزرتا ہے، ہوش آتا ہے تو وہ اپنی کارروائی پر لرز کر رہ جاتا ہے۔''

''جو کچھ ہوا، وہ ناگزیر تھا۔ سلمٰی بیلن استعمال نہ کرتی تو وہ جہانگیر کو نکال لے جاتا یا پھر اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا دیتا۔ تم نے لاش اٹھوانے کے لیے کہہ دیا ہے لیکن یہ معاملہ کیسے ہینڈل ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنا نام غلط بتایا ہو مگر وہ کوئی نہ کوئی امریکی ایجنٹ ہی ہوگا۔ اس بار ہم بری طرح پھنستے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔''

''پھنسے ضرور ہیں لیکن اس الجھن سے نکلنے کا ایک راستہ بھی نظر آ رہا ہے۔'' میں نے محتاط انداز میں کہا۔ ''اگر تمہارے آدمی پوشیدہ طریقے سے لاش کو چھپا کر لانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''اس بارے میں تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اول خان نے مجھے یقین دلایا۔ ''تمہارے منشا کے مطابق میں نے اپنے آدمیوں کے لیے ہدایات جاری کر دی ہیں، لاش ٹھنڈی ہو کر اکڑ گئی تب بھی وہ خوش اسلوبی سے اپنا کام کر لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ اس سے آگے تم کیا سوچ رہے ہو۔ آج کل میں ایک بڑے مسئلے میں پھنسا ہوا ہوں۔ تمہارے دی ہوئی خبر نے میرا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس اتفاقی حادثے کا کیا بنے گا۔''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر کا بندوبست کر لو۔ ہو پر کی لاش کو حیدرآباد کے گرد و نواح میں کسی کچی نہر سے برآمد ہونا چاہیے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' اول خان کی آواز سے مایوسی مترشح تھی۔ ''یہ بھاگ دوڑ رائیگاں جائے گی، پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سر کی چوٹ کو موت کا سبب قرار دے گی۔ ہم اسے پانی میں ڈوبنے کا واقعہ قرار نہیں دے سکیں گے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''اسی لیے میں نے کچی نہر کی بات کی ہے۔ آب پاشی کی ایسی نہروں کے گدلے پانی میں جا بجا پتھر اور آبی جھاڑیوں موجود ہوتی ہیں۔ پانی کے تیز بہاؤ میں آدمی کا سر کسی بھی پتھر سے ٹکرا سکتا ہے۔''

''ہاں، یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔'' اس کی... پُرخیال آواز ابھری۔ ''تیز رو نہروں میں اچھے اچھے پیراک چوکڑی بھول جاتے ہیں۔ اگر وہ نہر میں نہا رہا تھا تو ہمیں لاش پر موجود لباس بھی بدلنا ہوگا.....''

میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے، کچھ بدلنے کی ضرورت نہیں یہ سمجھ لو کہ وہ اس علاقے میں موجود تھا۔ وہاں اس کا سامنا کسی خطرناک شخص سے ہو گیا۔ اپنی جان کو خطرے میں پا کر ہو پر نے کپڑوں سمیت قریبی نہر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ اس شخص سے بچ گیا لیکن بدنصیبی اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ نہری پانی کے تیز بہاؤ میں وہ خود کو نہیں سنبھال سکا۔ اس کا سر، جھاڑیوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھپے ہوئے ایک پتھر سے ٹکرایا اور وہ مر گیا۔ پانی میں رہنے کے بعد اس کی پھولی ہوئی لاش برآمد ہوگی تو اس پر سے دوسرے نشانات غائب ہو چکے ہوں گے۔ تمہاری کہانی کو چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔''

''خوب..... تم نے ہر پہلو کے بارے میں سوچا ہوا ہے۔'' اول خان وہ تفصیل سن کر خوش ہو گیا۔ ''اس منصوبے میں ایک جھول ہے۔ اس کے بڑوں یا ساتھیوں کو علم ہوگا کہ وہ جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ لاش کہیں اور سے برآمد ہوگی تو وہ احتجاج کریں گے۔ حادثے کو قاتلانہ سازش قرار دے کر وہ مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔''

''ہو پر وہاں اپنی گاڑی سے آیا ہوگا۔ تلاش کر کے وہ گاڑی کینٹ ریلوے اسٹیشن پہنچا دو۔ اس کے بعد کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے جہانگیر کے گھر کا نام لیا تو انہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ وہاں کیوں گیا تھا۔ اپنی زبان کھول کر وہ اس جواب دہی میں گرفتار ہونا پسند نہیں کریں گے۔ یہ سرد جنگ ہے، ہماری طرح وہ بھی سب کچھ جانتے ہیں اور جان لیں گے لیکن انہیں کسی قانونی موشگافی کا موقع نہیں مل سکے گا۔''

''ان سے یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ مقامی حکام کو مطلع کیے بغیر، ہو پر حیدر آباد کیوں گیا تھا اور وہاں کیا کر رہا تھا۔'' اول خان کی تشویش رفع ہو گئی اور اس کی آواز سے نیا جوش مترشح ہونے لگا۔

''حفاظتی وجوہ کی بنا پر ان کی حکومت نے ان لوگوں کی نقل و حرکت کو محدود کیا ہوا ہے۔ ضابطوں کی خلاف ورزی پر ہمارے اہل کاران کو بری طرح رگڑ سکتے ہیں۔''

''یہ لوگ کھسیائے ہوئے ہیں۔'' وہ بولا۔ ''تمہارا آسیب ان کے دل و دماغ پر سوار ہے۔ وہ کوئی بھاری نقصان اٹھاتے ہیں' کچھ دنوں بعد اسے بھول کر مفروضہ کامیابی کی امید میں پھر کوئی نئی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے کئی آدمی کھو چکے ہیں۔''

''یہ مومن کی خوبی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔ ''ان لوگوں سے حق اور ایمان بہت دور ہے، یہ بار بار غلطیاں دہراتے ہیں۔''

''ان کی غلطیاں آسانی سے گرفت میں نہیں آتیں۔'' ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی۔ ''اس معاملے پر تم نے مغز زنی نہ کی ہوتی تو میں اسے اتنی آسانی سے نہیں سلجھا سکتا تھا۔ ان کا مقابلہ تم ہی کر سکتے ہو..... اپنی اس مجبوری کا اندازہ ہونے کے باوجود مجھے شکایت ہے کہ جہانگیر نے ایک شہر میں ہوتے ہوئے، مجھ سے اس معاملے کا ذکر نہیں کیا۔ یہاں ہونے والے واقعے کی خبر تم ہزاروں میل دور سے دے رہے ہو۔''

''جہانگیر سے یہ شکایت نہ کر بیٹھنا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔ ''وہ اس واقعے سے بہت پریشان ہے۔ بات مار دھاڑ تک محدود رہتی تو وہ تم ہی سے بات کرتا۔ کسی سے خون کا اعتراف کرنے کے لیے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ وہ خوف زدہ ہے، اس کی نگاہوں میں پھانسی کا پھندا ناچ رہا ہے۔ وہ اس چکر سے بچ نکلنے پر لاکھ بار خدا کا شکر ادا کرے گا۔''

''مجھے شکایت نہیں، بس طبیعت کو ملال ہے۔ میرا خیال تھا اسٹیشن فور میں کچھ دن گزار کر اس نے مجھے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا۔''

شاید اول خان اپنی اس شکایت میں حق بجانب ہو، میں نے اس مسئلے پر مزید بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ واقعات اپنی رو میں ہوتے چلے گئے تھے۔ خطرات کا مداوا کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا چکی تھی۔ اس بارے میں مزید سر کھپانا لاحاصل تھا۔

''وقت ملا تو میں رات میں کسی وقت دوبارہ فون کروں گا۔'' میں نے گفتگو ختم کرنے کی نیت سے کہا۔ ''تم جہانگیر کی طرف سے اپنا دل برا مت کرو۔ بڑے مصائب میں گھرنے کے بعد اچھے خاصے آدمی سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔''

''تم کو وقت کہاں ملتا ہے۔ وہاں جا کر یہاں سے زیادہ مصروف ہو گئے ہو۔''

''کسی بھی وقت تم کوئی بڑی خبر سن لو گے۔'' میں نے سوبھراج کا قصہ چھیڑے بغیر کہا۔ ''یہاں میں شدت سے تمہاری کمی محسوس کر رہا ہوں۔''

اس وقت تک میں نے اول خان کو سوبھراج کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ میرے ذریعے وہ خبر صرف جلال تک پہنچی تھی۔ مجھے اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ اس نے اس بارے میں از خود اول خان کو اعتماد میں لیا ہو۔ اول خان کو اس کامیابی کی ذرا بھی بھنک مل گئی ہوتی تو وہ میری آواز سن کر چھوٹتے ہی اس فتح کی مبارک باد دیتا۔

وہ بے خبر تھا، میں نے بھی اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ سبب یہ نہیں تھا کہ میں اول خان سے وہ اہم ترین واقعہ چھپانا چاہتا تھا۔ وہ ذکر نکالتا تو بات بہت لمبی ہو جاتی۔ مجھے احساس تھا کہ جہانگیر سے میری تشنہ گفتگو ہوئی تھی، میں نے دوبارہ اسے فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ بے چینی سے میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فون کا انتظار کر رہا ہوگا۔

اول خان سے بات ختم کر کے میں نے جہانگیر کو فون کیا تو اس کی آواز میں عجیب سی بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اول خان کے آدمیوں کے ہاتھوں ہوپر کی لاش کا حشر دیکھ کر وہ دہل گیا تھا۔ ان دونوں نے فلیٹ پر پہنچ کر اس سے صرف لاش کے بارے میں پوچھا تھا۔ جہانگیر انہیں لاش والے کمرے میں لے گیا۔ انہوں نے جہانگیر سے مزید کچھ کہے سنے بغیر، ہوپر کے بے جان وجود کو بے رحمی سے سمیٹ کر بوری میں ٹھونسنے کا کام انجام دیا۔ اپنے ساتھی کی مدد سے توانا شخص نے اس وزنی بوری کو اپنی پشت پر لادا، دوسرے نے اس بوری کے ابھار وغیرہ درست کیے تاکہ کسی دیکھنے والے کو اس بوری میں کسی انسانی وجود کی موجودگی کا شبہ نہ ہو سکے۔ اس کام سے مطمئن ہو کر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

''ہم لوگ بھی ماضی میں بہت کچھ کرتے رہے لیکن میں نے ایسی سرد مزاجی اور سفاکی اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھی ہے۔'' وہ بے جان لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''ہماری مٹی کے دشمن اس سے برے سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ اب تم بھول کر بھی اس کا ذکر اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے۔ تم نے اسے دیکھا ہے نہ وہ تمہارے فلیٹ پر آیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا ''میری تسلی کے لیے اتنا بتا دو کہ چھ فٹ کی اس لاش کا کیا، کیا جائے گا؟''

''میں بہت دور بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ سب اول خان کے سوچنے کی باتیں ہیں۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ تم نے اس ہیلن زدہ لاش سے نجات حاصل کر لی۔ اب سلمٰی کو سنبھالنے کی فکر کرو۔ پہلا خون انسان کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔''

''وہ دہشت زدہ ہے، اسے غشی کے دورے پڑ رہے ہیں، اس وقت بھی وہ بے ہوش ہے۔'' جہانگیر کی مایوسانہ آواز آئی۔

''اسے دیکھتے رہو۔ کوئی خواب آور دوا دے کر اس کے اعصاب کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رات کو دہشت سے چیخنے چلانے لگے اور تمہارا بھانڈا پھوٹ جائے۔''

جہانگیر دودھ پیتا بچہ نہیں تھا۔ اسے شی کی ہولناک اور خون آشام سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوئے ایک مدت بیت چکی تھی لیکن سکہ بند محاذ آرائی کے سارے گر اس کے خون میں شامل تھے۔ یہ اور بات تھی کہ شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر، سلمٰی کا کھلونا بننے کے لیے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا تھا۔ اچھی بات یہ تھی کہ اس وقت وہ نشے میں نہیں تھا۔ اگر رات کی مے نوشی کا کوئی خمار باقی تھا تو ہوپر نے اسے کافور کر دیا تھا۔

اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلا کر میں نے فون بند کر دیا۔

اس دوران میں غزالہ بہ دستور ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف رہی تھی مگر اس کے کان میری طرف لگے ہوئے تھے۔

''تم ہر وقت ٹیلی وژن پر کیا دیکھتی رہتی ہو؟'' اپنی مصروفیات ختم کرنے کے بعد، میں نے غزالہ کے شانے پر ہاتھ مار کر تمسخر سے پوچھا۔

''بے کار بیٹھنے سے مصروف رہنا بہتر ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا رہتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر مجھے چڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

''مجھے وقت نہیں ملتا۔ کوئی کام کی بات سنی ہو تو مجھے بھی بتا دو۔''

''اندرون خانہ ہونے والی محاذ آرائی سے سب بے خبر ہیں۔ لے دے کر لوپ بوری کا واقعہ رہ گیا ہے، اس کی تفتیش راجن کی مرضی کے مطابق جاری ہے۔''

''تم نے اتنا بڑا نتیجہ کس بات سے اخذ کر لیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''تھوڑی دیر پہلے کی خبروں میں بتایا جا رہا تھا کہ لوپ بوری کا واقعہ ڈکیتی میں مزاحمت کی کوشش کا نتیجہ ہے!'' غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں بتایا۔

''کیا یہاں کی پولیس واقعی اتنی نکمی ہے کہ اسے آسان ترین راستے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آتی۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''سب کچھ نظر آتا ہوگا مگر چشم پوشی بھی کوئی چیز ہے۔ جب بنکاک کا پولیس کمشنر ہاتھ باندھ کر راجن کے سامنے کھڑا رہتا ہے تو لوپ بوری جیسی چھوٹی جگہ کے سرکاری اہل کار کس گنتی میں ہیں۔ وہ وہی دیکھیں گے جو راجن انہیں دکھانا چاہتا ہے۔''

''وہاں سے کون سا خزانہ لٹا ہے جو اسے ڈکیتی کی واردات بنا دیا گیا؟''

''کہا جا رہا ہے کہ نرائن پرشاد شرما کے پاس ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹے بریف کیس میں دس لاکھ بھات کی رقم موجود تھی۔ اس بریف کیس کا کہیں سراغ نہیں ملا.....''

''یہ بکواس ہے!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''سیٹ لائٹ فون والے بریف کیس کو رقم سے بھرے ہوئے بریف کیس کا نام دے دیا گیا ہے، وہ راجن کے قبضے میں ہے۔''

''میں خبر سنتے ہی یہ بات سمجھ گئی تھی۔'' غزالہ ہنستے ہوئے بولی ''کہانی یوں بنائی گئی ہے کہ راجن کے ڈرائیور نے ڈاکوؤں کو روکنے کی کوشش کی، انہوں نے اسے گولی ماردی۔ ڈرائیور کا یہ حشر دیکھ کر شرما خوف زدہ ہوگیا۔ ڈاکوؤں سے اپنی جان بچانے کے لیے وہ پچھلے راستے سے کھیتوں میں نکل گیا۔ ڈاکو رقم کا بریف کیس لے کر بھاگ گئے، شرما بھٹک کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں جنگلی درندوں نے اسے اپنی خوراک بنالیا۔''

''تمہارا اندازہ سو فی صد درست ہے۔ یہ کہانی راجن کی مرضی کے مطابق بنائی گئی ہے۔ کسی کو یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ شرما اتنی بڑی رقم کیوں ساتھ لے کر گھوم رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ راجن نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہوں۔ سوبھراج پاکستان سے خالی ہاتھ یہاں نہیں آیا ہوگا۔ ڈکیتی کی آڑ میں راجن اس کی رکھوائی ہوئی رقم پی جائے گا۔''

''وہ شرما کے نام سے مرا ہے اس لیے سوبھراج کی کسی رقم کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ دس لاکھ کی رقم زیب داستان کے لیے ڈالی گئی ہے۔''

''اس خبر کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ ٹیلی وژن دیکھتی رہا کرو تاکہ ہمیں اپنے دشمن کے رخ کا اندازہ رہے۔ ضرورت پڑنے پر راجن کو اس کہانی کی خامیاں سمجھا کر خاصا ہراساں کرسکوں گا۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

بقیہ وقت میں نے کمرے میں رہ کر گزارا۔ میری غیر حاضری میں غزالہ ہوٹل کی فارمیسی سے میرے لیے ایک کریم اور کوئی ہومیو پیتھک دوا لے آئی تھی۔ دوا کھلانے کے ساتھ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے میرے چہرے کے نیلے نشانات پر کریم لگاتی رہی جس کے نتیجے میں وہ نشان تیزی سے مندمل ہونے لگے۔

تین گھنٹے بعد اول خان کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ میری ہدایت کے مطابق ہوپر کی لاش کو حیدرآباد کے نواح میں بہنے والی ایک نہر میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

کراچی میں ایس ٹی ایف کے پاس کوئی ہیلی کاپٹر نہیں تھا۔ کسی اور محکمے یا ادارے سے ہیلی کاپٹر حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تو اس میں وقت کے زیاں اور بات پھیلنے کا خطرہ تھا۔ وہ ایک اہم غیر ملکی کی لاش کا معاملہ نہ ہوتا تو اول خان ہر خطرہ مول لے لیتا۔ ہوپر کے معاملے میں وہ ہر احتیاط پر کاربند رہنا چاہتا تھا۔

اس نے ہیلی کاپٹر کے استعمال کا ارادہ ترک کردیا۔ جہانگیر کے گھر سے لاش آتے ہی، اپنے آدمیوں کو ایک جیپ سے حیدرآباد کی طرف روانہ کردیا۔ یوں وہ معاملہ پوری رازداری کے ساتھ طے پاگیا۔ اب یہ ہوپر کے نصیب کی بات تھی کہ اس کی لاش کب تک پانی میں رہتی۔ اس کی گاڑی ذرا مشکل سے تلاش کی جاسکی۔ بعد میں اسے کینٹ اسٹیشن کی پارکنگ لاٹ میں لاوارث چھوڑ دیا گیا۔

اس کی بازیابی سے اول خان کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ پانی میں پھولنے کے بعد لاش کہیں نہ کہیں سطح آب پر ابھرتی اور کنارے کی جھاڑیوں وغیرہ میں پھنس جاتی۔ اسے دیکھ لیے جانے کے بعد علاقے کی پولیس اپنی کارروائی شروع کردیتی۔

''یہ ایک بہت بڑا سوال ہوگا کہ اس علاقے میں ہوپر کا دشمن کہاں سے پیدا ہوگیا؟'' اول خان سے میری بات ختم ہونے کے بعد غزالہ نے نکتہ اٹھایا۔

''ہم نے اپنا کام کرلیا ہے، آگے کیا ہوگا.....اس کا انحصار اس علاقے کی پولیس کی صوابدید پر ہوگا۔'' میں نے کہا ''ایسے واقعات میں دو باتیں محل نظر ہوتی ہیں۔ مرنے والے کو کسی نے ڈبویا ہے یا وہ خود پانی میں کودا ہے۔ ہوپر کے بدن پر پورا لباس موجود ہوگا جو تفریحی تیراکی کے امکان کو ختم کردے گا۔ اس کے بعد ڈوبنے اور ڈبوئے جانے کا مسئلہ باقی رہ جائے گا۔ ہوپر کی اس علاقے میں موجودگی کے اسباب اور اس کی کسی دشمن کی نشان دہی کی ذمے داری اس کے ہمدردوں اور افسروں پر ہوگی۔ پولیس پر کوئی ذمے داری نہیں آئے گی۔''

''آپ کی بات سمجھ میں آرہی ہے۔'' غزالہ بولی ''اصل واقعے کا کسی کو علم نہیں ہوگا۔ پولیس ایک نظریہ پیش کرسکتی ہے۔ اس کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کی ذمے داری ان لوگوں پر ہوگی۔ انہوں نے اپنی زبانیں بند رکھیں تو ہوپر کی موت کو اتفاقی حادثہ قرار دے کر فائل داخل دفتر کردی جائے گی۔ جہانگیر پر آنچ آنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''جہانگیر کو پھنسوانے کے لیے انہیں اس کا نام لینا ہوگا۔ وہ مسلسل گھر میں موجود رہا ہے۔ لاش حیدرآباد کے مضافات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ملے گی۔ یہ معمّا ان کے کیس کو کمزور کردے گا۔ اسے پھانسنے کے چکر میں وہ خود مصیبت میں گھر جائیں گے۔''

''کیا یہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ ان کا ایک آدمی مفت میں صاف ہو چکا ہے؟''

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور کہا ''تم سطحی بات سوچ رہی ہو، میں جہانگیر کے لیے فکرمند ہوں۔ پہلے سوبھراج اس کا دشمن ہو رہا تھا، اب امریکی اس کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس نفری کی کمی نہیں ہے۔ ہوپر کی جگہ کوئی اور لے لے گا۔''

''ابھی آپ خود کہہ رہے تھے کہ جہانگیر پر کوئی آنچ آنے کا خطرہ نہیں ہے۔''

''یہ قانونی پوزیشن ہوگی، حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ اپنے ہیر پھیر سے ہم انہیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ جان لیں گے کہ ہوپر کو جہانگیر یا اس کی بیوی نے مار کر لاش غائب کروائی ہے۔''

''یہ بھی بڑی بات ہوگی۔ وہ جہانگیر سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اس پر کوئی نیا وار کرنے سے پہلے دس بار سوچیں گے۔''

''اب انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس نے جہانگیر کو اپنے بارے میں ہر بات درست بتائی ہو۔''

''اس بات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امریکی تھا۔''

میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ عارضی طور پر وہ قصہ نمٹ چکا تھا۔ اول خان نے اس گتھی کو سلجھانے میں بے مثال تعاون کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی جگہ جلال ہوتا تو وہ کبھی اس طرح جہانگیر کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

رات کو ہم دونوں کھانے کے لیے ہوٹل کے ایک ریستوران میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ غیر متوقع طور پر اول خان کا فون آ گیا۔

''تم کہو گے کہ اب میں نے تمہارا نمبر دیکھ لیا ہے۔'' وہ پرمزاح لہجے میں کہہ رہا تھا ''ہمارے کہنے سننے کا کوئی اثر نہیں ہوا مگر اب خیر سے بدھو گھر لوٹ آئے ہیں۔''

''کس بدھو کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوال کیا ''ایک کو تو صبح تیراکی کے مشن پر روانہ کر چکے ہو۔''

''وہ بدھو نہیں، سیانا تھا۔ میں تمہارے دوست کا ذکر کر رہا ہوں۔ وہ دوبارہ اسٹیشن فور آ گیا ہے۔'' اول خان نے انکشاف کیا۔

''کیا تم جہانگیر کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہوپر کو مار لینے کے بعد وہ اتنی جلدی گھر سے نکل بھاگے گا۔

''ہاں، میں اسی کے پاس بیٹھا ہوا ہوں، تم اس سے بات کر لو۔'' اول خان نے یہ کہہ کر اپنا موبائل فون جہانگیر کو دے دیا۔

''میں لوٹ آیا ہوں۔ گھر پر سلمٰی سنگین مسائل پیدا کر سکتی تھی۔'' میرے کان میں جہانگیر کی بھرّائی ہوئی اور افسردہ آواز گونجی ''ہوپر کا خون اس کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ میرے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''اور تم گھبرا کر اسٹیشن فور آ گئے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''صرف یہی سبب نہیں تھا۔ میرے پاس ان خبیثوں کے فون آنا شروع ہو گئے، پہلے ہوپر کے بارے میں پوچھا گیا، میں نے لاعلمی ظاہر کی اور فون بند ہو گیا.....''

''وہ کوئی غیر ملکی تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

''پہلا فون کسی مقامی کا تھا۔ دوسری کال کرنے والے کا لب ولہجہ امریکن تھا۔ وہ دل کھول کر مغلظات بکتا رہا۔ اس نے دھمکیاں دیں کہ ہوپر کو ذرا بھی نقصان پہنچا تو وہ میری زندگی جہنم بنا دے گا۔'' اس نے بتایا۔

''ایک بات صاف ہو گئی کہ اس کا نام ہوپر ہی تھا۔ تم کو ان فون کالز سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچ رہے ہیں۔ کرنے والے خاموشی سے اپنا کام کر گزرتے ہیں، دھمکیاں نہیں دیتے۔''

''تیسری کال نے میرے پیر اکھاڑ دیے۔ اس نے ایسی بھیانک باتیں کیں جو میری برداشت سے باہر تھیں۔ میں نے اول خان کو فون کیا اور یہاں آ گیا۔''

''اس نے ایسی کیا باتیں کہہ دیں؟'' میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''گندی اور خبیثانہ باتیں تھیں۔ کہہ رہا تھا کہ وہ میری بیوی کو اٹھوا لے گا، تین چار بدمعاش اس کی بے آبروئی کریں گے پھر اسے ان کے خرچ پر چلنے والی ایک این جی او کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میری بیوی رو رو کر اپنی مظلومیت کی کہانی سنائے گی جو ملک بھر کے اخباروں میں چھپے گی اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔''

''این جی اوز والی بات درست ہے۔ یہ لوگ ان پر پانی کی طرح پیسا بہا رہے ہیں۔ یہ خاکی انڈے سماجی کام کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں دانستہ خاموش ہوں۔ اسد کے یہاں سے نکل جانے سے پہلے میں اسے ذرا بھی چھیڑنا نہیں چاہتا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اسد کی پرواز نو بجے کی تھی۔ اب تک وہ آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکا ہوگا۔" غزالہ بولی "راجن کتنا ہی بارسوخ سہی، اڑ جانے والے جہاز کو واپس نہیں بلا سکتا۔"

"ہاں..... آں.....؟" میں نے بے خیالی میں کہا "بعض اوقات پروازوں کی روانگی میں دیر سویر بھی ہو جاتی ہے، میں کل اسے دیکھوں گا۔"

"پرواز کی روانگی میں تاخیر ہوتی تو وہ آپ کو فون ضرور کرتا۔"

"سچ پوچھو تو اسے ایرپورٹ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے مجھے فون کرنا چاہیے تھا۔" میں نے ہلکے سے شکایتی لہجے میں کہا "ایجنسیوں والے شاید ایسے ہی بے مہر ہوتے ہیں۔ جب تک وہ یہاں تھا، میں اس کا معتمد خاص تھا۔ اب میرا اور اس کا کیا واسطہ!"

"بعض اوقات آپ ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتے ہیں۔ وہ بہت مختصر نوٹس پر یہاں سے واپس گیا ہے، گھر والوں کے لیے خریداری وغیرہ بھی کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھاگ دوڑ میں ایرپورٹ پہنچا ہو۔ اسے فون کرنے کا وقت نہ ملا ہو۔"

غزالہ کی دلیل قرین قیاس تھی۔ میں نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس کی خطا کو درگزر کر دیا۔

میں آرام سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ غزالہ کو اسد کی روانگی کی فکر لاحق ہوگئی۔ اس نے اسد کا موبائل فون نمبر ملایا۔ اس پر فون بند ہونے کے بارے میں انگریزی اور تھائی زبانوں میں ریکارڈنگ چل رہی تھی۔ اس نے اپنا اطمینان کرنے کے لیے دوبارہ کوشش کی لیکن نتیجہ وہی رہا۔

جہازوں کے حساس آلات میں خلل کے پیش نظر ان دنوں روانگی کے وقت مسافروں سے موبائل فون بند کرنے کی درخواست کی جاتی تھی۔ ویسے بھی بنکاک چھوڑ دینے کے بعد اسد کے لیے وہ فون بے مصرف ہو چکا تھا۔ ریکارڈنگ اس بات کی غماز تھی کہ وہ پروگرام کے مطابق اپنے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

پھر غزالہ نے ہوٹل کے آپریٹر کے ذریعے بنکاک کی فلائٹ انکوائری کا نمبر ملوایا۔ اسے اس کی پرواز کا نمبر معلوم نہیں تھا۔ اس نے نو بجے کراچی جانے والی پرواز کے بارے میں دریافت کیا اور جواب سن کر فون بند کر دیا۔

تلاش ہے

نوجوانوں کے لیے شائع ہونے والے
ایک نئے ڈائجسٹ کے ناظم کی

ایک ایسا منفرد ڈائجسٹ جس میں

☆ کٹے پھٹے اور شوریدہ سر جذبوں کے انسانے
☆ زندگی کی تلخ و شیریں سچائیوں کی عکاس
دلچسپ کہانیاں
☆ فیشن ☆ شوبز ☆ شاعری
☆ ثقافت ☆ ہٹ ☆ انٹرویوز
☆ حالات حاضرہ وغیرہ حاضرہ
☆ سنجیدہ مزاحیہ کالم

نوجوان قارئین کے دلوں میں گھر کرنے بہت جلد آرہا ہے

اس ڈائجسٹ کے لئے نام تجویز کریں
اور انعام میں حاصل کریں

مبلغ 50000/ روپے نقد انعام

اپنا تجویز کردہ نام اپنے مکمل نام و پتے و فون نمبر کے ساتھ
جلد از جلد درج ذیل پتے پر ارسال فرمایئے

"میری تجویز"
معرفت بکس نمبر 215 کراچی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم اس کی روانگی کی تصدیق کے لیے اتنی مضطرب کیوں ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''آپ کا شبہ دور کر رہی تھی۔ پرواز اپنے مقررہ وقت پر روانہ ہوئی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اس سے ہماری صحت پر کیا فرق پڑتا ہے؟'' میں نے انجان بن کر سوال کیا۔

''وہ جا چکا ہے، راجن اس کے لیے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ خالی رہ کر وقت گزارنے کے بجائے راجن کو ٹٹول لیں۔''

میں خود بھی اسد کی روانگی پر راجن کا ردِعمل جاننا چاہتا تھا لیکن اس روز جہانگیر کے معاملے نے مجھے اس قدر فکرمند کر دیا کہ دوسری تمام ترجیحات میرے ذہن سے نکل گئیں۔ میں نے غزالہ سے جو کچھ کہا وہ چھیڑ چھاڑ کی حد تک تھا ورنہ راجن کے معاملے میں میری اور اس کی سوچ میں کوئی تضاد نہیں تھا۔

اپنے اصل یعنی ڈینی کے روپ میں، میں راجن سے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کر چکا تھا۔ اسد کے معاون کی حیثیت سے میری اس سے روبہ رو ملاقات ہو چکی تھی۔

بنکاک کے بدمعاشوں میں، میں نے ایک خاص بات مشترک دیکھی کہ وہ اپنی طاقت کے زعم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے کسی بھی ملاقاتی کے بارے میں تجسس کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے۔ میں پہلی بار ڈان برنارڈ سے ملا تو اس نے میرے ماضی کے بارے میں سوال کیے نہ میری قومیت جاننے کی کوشش کی۔ یہی صورتِ حال راجن کے ساتھ پیش آئی۔ وہ اسد سے ملاقات کا خواہش مند تھا اور میں اسد کا معاون بنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اس بری طرح نظرانداز کیا کہ پوری ملاقات میں میرا نام تک جاننے کی کوشش نہیں کی۔

میں بنکاک میں علی احمد کے نام سے مقیم تھا۔ میں راجن پر اپنا وہ نام ظاہر کرتا تو اس کو میرے بارے میں بہت کچھ پتا چل جاتا۔ کوئی فرضی نام بتاتا اور کسی مرحلے پر اس سے ملنے کی نوبت آ جاتی تو کھوج لگانے کے لیے میرا پیچھا کیا جا سکتا تھا، یوں ناموں کا تضاد ابھر کر راجن کے سامنے آ جاتا۔ اسے آسانی سے پتا چل سکتا تھا کہ میرے چاؤفان سے مراسم تھے۔ شاید وہ میرے اور ڈان کے تعلقات کا سراغ بھی لگا لیتا۔ میرے لیے وہ صورتِ احوال بہت خطرناک ہو سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ میں راجن کا سامنا کرنے سے گریز کروں۔

''تم چاہتی ہو کہ میں اسی وقت راجن سے بات کروں؟'' میں نے غزالہ پر احسان جتاتے ہوئے پوچھا اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مجھے موبائل فون اسد نے دلایا تھا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میرے لوکل موبائل فون کا نمبر صرف ڈان اور چاؤفان کو معلوم تھا۔ میں نے اس گفتگو کے لیے ہوٹل کا فون استعمال کرنے کے بجائے موبائل کو ترجیح دی۔

غزالہ نے میرا اشارہ پا کر ٹیلی وژن کی آواز بند کر دی۔ میں نے موبائل پر موتی محل کا ایک نمبر ملا لیا جو میں نے پاکستان میں جلال سے حاصل کیا تھا۔

فون کسی لڑکی نے اٹھایا۔ اس نے تھائی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے انگریزی میں اسے بتایا کہ مقامی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں راجن سے بات کرنا چاہتا تھا۔

لڑکی نے معذرت چاہنے کے بعد انگریزی میں میرا نام دریافت کیا۔ میں نے اکبر بتا دیا۔ وہ مجھے ہولڈ کرنے کی ہدایت کر کے غائب ہو گئی۔ میرے کانوں میں ایک مشہور بھارتی گانے کی دھن گونجنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ لڑکی معذرت خواہانہ انداز میں راجن کی مصروفیت کی نوید سنا رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں چاہوں تو راجن کے لیے پیغام چھوڑ سکتا ہوں۔

''بے بی! یہ اہم مسئلہ ہے۔ اسے بتاؤ کہ میں اسد کا ساتھی ہوں۔ وہ میرے نام سے واقف نہیں ہے۔'' میں نے زور دے کر مربیانہ انداز میں کہا۔

لمحہ بھر کی خاموشی، مختصر سی موسیقی اور پھر ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ میری کال کہیں منتقل کر دی گئی۔

''تم فون کر رہے ہو..... اسد کہاں ہے؟'' میرے کانوں میں راجن کی آواز گونجی۔ مجھے اطمینان ہوا کہ اس نے مجھ سے ممبئی والی بولی میں، بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی۔

''ارجنٹ آرڈرز آ گئے تھے۔ وہ رات کی فلائٹ سے واپس چلا گیا۔'' میں نے کہا۔

''چلا گیا.....!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں میری بات دہرائی پھر بولا ''میں اس کے پیغام کا انتظار کر رہا ہوں۔ آدمی بھیجا تو اس کے فلیٹ پر تالا ہے۔ وہ کب تک واپس آئے گا؟''

''استاد! شاید وہ واپس نہ آئے۔ اس کی جگہ کوئی اور آئے گا۔''

''اوہو..... یہ برا ہوا۔ اب مجھے نئے آدمی کو دیکھنا ہوگا..... وہ سالا میرے لیے کیا کرے گا؟ اسے خود کچھ خبر نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوگی۔''

''تمہاری خدمت کے لیے میں موجود ہوں۔'' میں نے پیش کش کی۔

''تم ڈینی کو جانتے ہو؟'' اس نے براہِ راست سوال کیا۔

''اچھی طرح جانتا ہوں۔ کل میں نے تمہاری باتیں غور سے سنی تھیں۔'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''کل باتیں ہو رہی تھیں اور اسد اچٹ رہا تھا تو تم نے مجھے آنکھ ماری تھی؟''

میں اس کی زبان سے وہ حوالہ سننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے پرسکون لہجے میں کہا ''اسد تمہارے کام کا آدمی نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ وہ چلا گیا۔ میں نے آنکھ ماری تھی کہ اسی وقت فیصلہ نہ کرو، وقت دے دو۔ تم نے میری بات مان لی۔''

''تم میرے لیے کام کرو گے؟'' اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

''ضرور کروں گا مگر بہت احتیاط سے۔'' میں نے کہا ''ہم لوگ پیسا کمانے کے لیے سب کچھ چھوڑ کر پردیس میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ڈینی بنکاک میں ہے تو وہ مجھ سے نہیں بچ سکتا۔ اس بہانے مجھے بڑی رقم مل گئی تو میرے سارے خواب پورے ہو جائیں۔ مجھے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں وطن واپس جا کر اپنے گھر والوں کے ساتھ عیش کی زندگی گزاروں گا۔''

میری بات لمبی ہوگئی لیکن راجن نے درمیان میں لقمہ نہیں دیا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے پوچھا ''میں احتیاط کا مطلب نہیں سمجھا!''

''استاد! میں عقل سے بالکل کورا نہیں ہوں۔ کل تم نے اسد کو بتا دیا تھا کہ اس نے تمہاری بات نہیں مانی تو اس کے ساتھ کیا کیا ہو سکتا ہے اور ہماری واپسی پر وہ ہو گیا۔ اتنی مار پڑی ہے کہ میرے جبڑے اب تک دکھ رہے ہیں۔''

''میں چاہتا تو وہ تم دونوں کو گولیاں بھی مار سکتے تھے۔ میں تم دونوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ تم کو اس واقعے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی نے اسد سے معافی مانگ لی تھی۔ وہ قصہ وہیں ختم ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دونوں بہت بے جگری سے لڑے تھے۔ لڑنے بھڑنے والے مرد مجھے اچھے لگتے ہیں۔ تم کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''کام بن گیا تو تم کتنا مال دو گے؟'' میں مطلب کی بات پر آ گیا۔

''دس لاکھ بھات!'' راجن کا جواب سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ اس مد میں ایک پیسا بھی نہیں دینے والا تھا۔ کام نکلوانے کے بعد وہ مجھ سے پیچھا چھڑوانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جب کچھ دینے کی نیت نہ ہو تو دس ہزار اور دس لاکھ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

''اور بیس لاکھ ڈالر کا کیا بنے گا؟'' میں نے انعامی رقم کے بارے میں پوچھا۔

''وہ بھی تمہارے ہوں گے۔'' وہ فیاضی کے مظاہرے پر تلا ہوا تھا۔

''میرے دن پھر جائیں گے۔'' میری طرف سے جوش کا مظاہرہ ضروری تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ میرا مقدر ڈینی کو یہاں کھینچ لایا ہے۔ اسے ڈھونڈنے کے لیے مجھے چھٹیاں کرنا پڑیں گی۔ بھاگ دوڑ اور خرچے کے لیے پندرہ بیس ہزار بھات چاہیے ہوں گے۔''

''فون کر کے کل کسی وقت آؤ اور رقم لے جاؤ!'' وہ بلا پس و پیش راضی ہو گیا۔

''استاد! یہ مشکل ہے۔ تم کو کوئی اور بندوبست کرنا ہوگا۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''کیوں؟'' اس کے لہجے میں برہمی پیدا ہوگئی ''کیا یہاں آنے میں تم کو شرم آ رہی ہے' مہندی لگی ہوئی ہے تمہارے پیروں میں؟''

''تم کچھ بھی کہہ لو' میں موتی محل نہیں آ سکتا۔''

''میرے لیے کام کرنا ہے تو تم کو دس بار یہاں آنا پڑے گا۔'' پیسے کے لیے میری حرص سے واقف ہونے کی وجہ سے وہ مجھ پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا تھا ''یہاں آنے میں تم کو کیا مشکل نظر آ رہی ہے۔''

''کل رات واپسی پر مار دھاڑ ہوئی تھی' کسی وقت گولیاں بھی چل سکتی ہیں۔'' میں نے کسی اشتعال کے بغیر کہا۔

''اوہ..... تو تم ڈر رہے ہو۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہوا تھا۔ اس کی ذمے داری اسد پر آتی ہے۔ وہ اپنی ضد پر نہ اڑا رہتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اسے سبق سکھانے کے لیے مجھے ہلکا سا بندوبست کرنا پڑ گیا۔''

''اس کے ساتھ میری بھی پٹائی ہوئی ہے۔'' میں نے شکوہ کیا ''میں تمہیں آنکھ مار کر اپنی طرف سے پیغام دے چکا تھا۔''

''چکی کے پاٹ چلتے ہیں تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس کے کوئی آرڈرز نہیں آئے۔ وہ ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے۔ اوپر سے اصول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پرست اور ایمان دار بننے والے پہاڑ تلے آتے ہیں تو اسی طرح اپنی چوکڑی بھول جاتے ہیں۔'' وہ ترش لہجے میں بولتا چلا گیا ''تم سمجھ دار آدمی ہو' ایک ہلکے سے جھٹکے میں راستے پر آگئے ہو' تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کل آؤ اور پیسے لے جاؤ۔''

''مجھے حاضری سے معاف کردو۔'' میں نے لجلجائی ہوئی آواز میں کہا ''میں اپنے گھر کا اکیلا کمانے والا ہوں۔ لالچ میں پڑ کر اپنی جان کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تمہارا کام پکا ہوگا۔ یہ میری گارنٹی ہے۔ میں دوبارہ موتی محل میں نہیں آؤں گا۔''

وہ بہت چالاک اور مکار آدمی تھا۔ میرے اصرار پر غصہ دکھانے کے بجائے اچانک نرم پڑ گیا ''تم عجیب باتیں کررہے ہو۔ موتی محل نہیں آؤ گے تو کام کیسے چلے گا۔ ایسے کام مل جل کر کیے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دور رہ کر بات نہیں بنتی۔ تم بلاوجہ میرے پاس آنے سے ڈر رہے ہو۔ میں دوستوں کا دوست ہوں۔ تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔''

یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے تک وہ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا۔ اس سے ملنے میں میرے لیے ایک ہی خطرہ تھا کہ وہ اپنے ذرائع سے میری سرگرمیوں کے بارے میں بہت کچھ جان سکتا تھا۔ اس کی واقفیت میرے لیے موت کا پیغام بن سکتی تھی۔

''استاد! مجھے مجبور نہ کرو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا ''تم بڑے آدمی ہو' مجھے تمہاری ہر بات پر اعتبار ہے لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں۔ میرا دل ڈر رہا ہے۔''

''ایسا بزدل آدمی میرے لیے خاک کام کرے گا۔'' تحمل اور برداشت کے باوجود اسے طرارہ آ گیا ''اسد ڈر کر یہاں سے بھاگ گیا۔ تم ہو تو تمہاری جان نکلی جارہی ہے۔ اس وقت نہیں آؤ گے تو بعد میں کسی نہ کسی وقت آنا پڑے گا۔ پتا نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''پچھلی رات کے تجربے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔'' اس سے زبانی محاذ آرائی سے بچنے کے لیے میں نے الجھے الجھے انداز میں کہا ''اس وقت میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اسد کی طرف سے کسی جواب کا انتظار نہ کرنا' وہ ہنگاک سے چلا گیا ہے۔''

''اچھا کیا کہ تم نے یہ بات بتادی۔ اس کی لمبی خاموشی پر میرا خون کھول رہا تھا۔ بات اس سے کچھ آگے بڑھی ہے تو ہم کو اس کے بارے میں بھی طے کرلینا چاہیے۔''

''میرا دماغ ماؤف ہورہا ہے۔ میں اپنے بارے میں سوچ کر تمہیں جواب دوں گا۔'' میں نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

''سوچتے ہوئے ایک بات اپنے ذہن میں ضرور رکھنا۔ تم موتی محل نہیں آئے تو خرچے کی رقم دینے کے لیے میرا کوئی نہ کوئی آدمی تم سے ملے گا۔ میری نیت میں فتور ہوا تو وہ تمہارے ساتھ کچھ بھی کرسکتا ہے۔ ہوشیاری دکھانے کے چکر میں تم مار کھا جاؤ گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے اعتراف کیا ''مجھے شوق بہت ہے لیکن ایسے کاموں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اسی لیے میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے اونچ نیچ پر غور کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ میں تمہیں بعد میں جواب دوں گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ ایسے کاموں میں ایک دوسرے پر بھروسا کیے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔ کام ہوتا ہے یا سرے سے نہیں ہوتا۔ اس میں بیچ کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔ تم نے جلدی جواب نہیں دیا تو میں کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔'' اس نے اپنی بات ختم کرتے ہی فون بند کردیا۔

''آپ اس سے بہت عجیب انداز میں بات کررہے تھے۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا ''ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے آپ نے خالی الذہنی کے عالم میں' میرے کہنے سے اس کا نمبر ملالیا ہو۔''

''اگر اس نے بھی یہی اندازہ لگایا ہے تو میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا ''اس کے لیے میں اس وقت ڈیٹی نہیں' اکبر تھا..... اسد کا ایک نوآموز بلکہ ناآموز ساتھی۔ میں اناڑی بن کر ہی اسے اپنے پھندے میں لے سکتا ہوں۔''

''آپ کی باتوں میں بہت زیادہ تضاد تھا۔ ایک طرف آپ اس سے خرچ کے لیے پندرہ بیس ہزار بھات مانگ رہے تھے' دوسری طرف اس سے ملنے سے گریز کررہے تھے۔ اس سے یا اس کے کسی آدمی سے ملے بغیر آپ کو رقم کیسے ملے گی۔'' اس نے نشان دہی کی۔

''یہی بات وہ بھی کہہ رہا تھا۔ باتوں کا تضاد' خوف' ہچکچاہٹ..... یہ سب باتیں اسے یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہیں کہ میں اس میدان میں بالکل ناتجربے کار ہوں' لالچ اور شوق میں اسد کے ساتھ اس سے ملنے کے لیے پہنچ گیا۔''

''اس سے آپ کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟''

''سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ بھول کر بھی اس کا ذہن میری طرف نہیں جائے گا۔ یعنی وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ اکبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور ڈینی ایک شخص کے دو نام ہیں۔"

"اب پوری بات میری سمجھ میں آ گئی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی "ہوشیاری دکھانے کی صورت میں وہ بھی مکاری سے کام لے گا' بازی الٹ سکتی ہے۔ آپ بے وقوف بن کر اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"اگر چاؤ فان اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وائٹ ہاک کی تباہی کا پروگرام بن جاتا ہے تو میں راجن کو پہلے سے اس کی خبر دے دوں گا....."

"یہ کیا کہہ رہے ہیں!" اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی "اس منصوبے پر عمل ضرور ہونا چاہیے' وائٹ ہاک تباہ ہو گئی تو راجن کا سارا غرور خاک میں مل جائے گا۔ اب آپ اس منصوبے سے پیچھے کیوں ہٹ رہے ہیں؟"

"مشکل یہ ہے کہ تم بال کی کھال نکالتی ہو۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا "اسے سب کچھ نہیں بتایا جائے گا۔ میں اسے یہ خبر دوں گا کہ شہر میں اس کے دشمن اسے کوئی بھاری نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس کے نزدیک میں یعنی اکبر احمق اور بزدل ہوں۔ وہ میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ وائٹ ہاک غرق ہو گی تو اسے ہوش آئے گا۔ اسے میری کہی ہوئی بات یاد نہ رہی تو میں خود اسے یاد دلاؤں گا کہ اس کے دشمنوں کی منصوبہ بندی کامیاب رہی' وہ غافل بیٹھا رہا اور وائٹ ہاک سمندر کے گہرے پانی میں ڈبو دی گئی۔ اس کے دل میں یکا یک میری قدر و منزلت بڑھ جائے گی۔"

"بہت پُر پیچ منصوبہ ہے۔" غزالہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے ذہن میں ایسی کڑیاں کس طرح یک جا ہو جاتی ہیں۔"

"اس وقت راجن کو احساس ہو گا کہ کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آ جاتا ہے۔ میرے کچھ کہے بغیر اسے یقین ہو گا کہ وائٹ ہاک ڈینی کی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ اکبر کو اس تباہی کی پیشگی بھنک ملنے سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرے گا کہ اکبر اپنی بزدلی کے باوجود صحیح خطوط پر کام کر رہا ہے۔ اسے ڈینی کے حلقوں میں رسائی حاصل ہے۔"

"آپ نے اتنی آسانی سے یہ سب سوچ لیا' میرا ذہن یہ تفصیل سن کر دکھ رہا ہے۔ سب کچھ آپ کے اندازوں کے مطابق ہوتا رہا تو وہ اکبر کا گرویدہ ہو جائے گا۔"

"اس وقت میں اس سے اپنی شرائط منوا سکوں گا۔ وہ سامنے آیا اور مارا گیا۔ کبھی کبھی بگلے کا شکار کھیلنے کے لیے اس کے سر پر موم بتی جلانا پڑتی ہے۔"

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی "سب کچھ آپ کے اندازوں کے مطابق ہوتا چلا گیا تو یہی ماننا پڑے گا۔ گولی سے شکار کرنے کے بجائے انتظار کرنا ہو گا کہ کب پگھلا ہوا موم بگلے کی آنکھوں میں اتر کر اسے اندھا کرے اور وہ پکڑا جائے۔"

"فی الحال یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ پتا نہیں چاؤ فان کہاں مرا ہوا ہے۔ جب تک وائٹ ہاک کی تباہی کے انتظامات مکمل نہیں ہو جاتے' کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔"

بعض کام بہ ظاہر بہت آسان نظر آتے ہیں۔ ان پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو ایک ایک کر کے مسائل سامنے آنے لگتے ہیں۔ چاؤ فان نے سب بندوبست کر لیا تھا' ایک ماہر غوطہ خور کی تلاش نے اسے الجھایا ہوا تھا۔

بات صرف غوطہ خور کی ہوتی تو بنکاک میں معاوضے پر سیکڑوں پیشہ ور مل جاتے۔ وہاں ضرورت ایسے آدمی کی تھی جو راجن سے خوف زدہ نہ ہو' اس کے خلاف کام کرنے پر آمادہ ہو اور اس راز کا بہترین امین ثابت ہو سکے۔

مادام اس کی آخری کوشش تھی۔ میں تہیہ کر چکا تھا کہ ادھر سے ناکامی کی صورت میں وہ کام میں خود کر گزروں گا۔

دیسی کُشتہ اسپیشل

آپ بھی شرطیہ طور پر خوبصورت جسم کے مالک بن سکتے ہیں

وہ دیسی کشتہ جو سال ہا سال نامور پہلوانوں کے استعمال میں رہا۔ قدرتی انداز میں 45 دن کے اندر جسم کے کمزور حصوں کو طاقتور اور جاذب نظر بناتا ہے۔ پچکے گال، کمزور بازو، جھکی ہوئی کمر اس کشتے کے استعمال سے صحت مند اور طاقتور ہو جاتی ہے۔ یہ صحت عرصۂ دراز تک قائم رہتی ہے۔ ہر عمر کے افراد اس کشتے کو بلا جھجک استعمال کر سکتے ہیں۔ مضر اثرات سے پاک ہے۔ اس کے اجزاء میں چاندی، لوہا اور وٹامنز دیسی طریقۂ کار کے تحت شامل کیے گئے ہیں۔ 45 دن میں گارنٹی سے وزن میں 12 سے 15 پونڈ تک اضافہ۔

خط لکھ کر بذریعہ وی پی منگوائیں

قیمت 1500 گرام -/450 روپے

حکیم پہلوان محمد بشیر اینڈ سنز

پی او بکس 1055، لطیف آباد، حیدر آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذمے داری اپنے سر لینے کا خیال آتے ہی میرا ذہن بیم گن کی طرف بھٹک گیا۔ اگر وہ نادر ہتھیار زیرِ آب کام کر سکتا تو میں وائٹ ہاک کے ساتھ کئی کرتب دکھا سکتا تھا۔

''ذرا بیم گن لے آؤ۔'' غزالہ کو ہدایت دے کر میں غسل خانے میں چلا گیا۔

وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کا صاف ستھرا باتھ روم تھا جہاں ساری سہولتیں دستیاب تھیں اور کوئی فالتو چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ مجھے ایک بالٹی کی ضرورت تھی جس میں پانی بھر کر میں اپنا تجربہ کر سکوں۔

میں نے غزالہ کو اپنے مسئلے سے آگاہ کیا تو اس کا ذہن خوب صورت کچرے دان کی طرف گیا۔ اسے دیکھا تو وہ جالی دار تھا۔ روم سروس والے بالٹی مہیا کر سکتے تھے لیکن ان سے ایسا کوئی مطالبہ کرنا سرگوشیوں کو جنم دینے کے مترادف ہوتا۔

میں نے باتھ ٹب کا نل کھول کر اسے بھرنا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں اس سے بہتر کوئی چیز دستیاب نہیں تھی۔

''آپ کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟'' میری سرگرمیوں میں ساتھ دینے کے باوجود غزالہ کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

جب میں نے اسے بیم گن کی زیرِ آب کارکردگی آزمانے کے بارے میں بتایا تو وہ مضطرب ہو کر بولی ''میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گی۔ وہ پانی میں ناکارہ ہو گئی تو آپ ہمیشہ کے لیے ایک نادر ہتھیار سے محروم ہو جائیں گے۔''

''دوسرے آئی مین سے چھینی ہوئی ایک بیم گن ویرا کے پاس بھی ہے۔'' میں نے اس کی دلیل پر سنجیدگی سے غور کرتے ہوئے کہا ''وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہوگی۔ بیم گن ایک مرتبہ گئی تو پھر گئی۔ یہ تجربہ مہنگا ثابت ہو سکتا ہے۔''

ٹب تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔ غزالہ سے اتفاقِ رائے ظاہر کرنے کے باوجود جب میں نے ٹب کا نل بند نہیں کیا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے لیکن اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

میں نے اپنی جیب سے سگریٹ جلانے والا دھاتی لائٹر نکالا اور آہستگی سے ٹب کے پانی میں ڈال دیا جس کی سطح کئی انچ بلند ہو چکی تھی۔ نل بند کرنے کے بعد میں نے غزالہ کے ہاتھ سے بیم گن لی' اس کا لاک ہٹایا اور نوزل کا رخ لائٹر کی طرف کر کے ٹریگر پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ خوفناک شعاعوں کی پتلی سی نیلگوں دھار نوزل سے خارج ہو کر پانی میں اتر گئی۔

شعاعوں کی دھار لائٹر پر پڑتے ہی ٹب میں سے ایسی آوازیں آئیں جیسے تپا ہوا سرخ لوہا یکایک پانی میں ڈبو دیا گیا ہو۔ لمحہ بھر بعد لائٹر کا نام و نشان مٹ چکا تھا اور پانی بہت تیزی سے باتھ روم میں پھیلنے لگا۔

بیم گن کے ٹریگر سے انگلی ہٹا کر میں تیزی سے باتھ روم سے باہر نکل آیا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ شعاعوں نے لائٹر کو گلانے کے ساتھ سرامک کے باتھ ٹب کے پیندے میں بھی سوراخ کر دیا تھا جس سے پانی تیزی سے بہہ نکلا تھا۔

''تجربہ کامیاب رہا۔ شعاعیں پانی میں بھی کارگر رہتی ہیں۔ سطحِ آب پر رہتے ہوئے زیرِ آب نشانے کو کامیابی سے تباہ کیا جا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے اس تجربے نے ہوٹل کا ٹب برباد کر دیا ہے۔ یہ لوگ آپ سے اس کا ہرجانہ وصول کریں گے۔'' غزالہ میری کارروائی سے خوش نہیں تھی۔

''پانی کی نکاسی کا بندوبست عمدہ ہے۔ دوسری نالیوں سے سارا پانی ذرا سی دیر میں بہہ جائے گا۔'' میں نے اسے بازوؤں میں سمیٹ کر مسہری کی طرف جاتے ہوئے کہا ''ہم دونوں ٹب استعمال نہیں کرتے۔ ہمیں کیا پتا کہ یہ سوراخ کب اور کیسے ہوا۔ تم کہو تو میں ہوٹل والوں کو زچ کر سکتا ہوں۔ وہ معافی مانگ کر ہمیں دوسرا کرا دیں گے۔''

''ضرور دیں گے۔ آپ کی سنجیدگی اور متانت دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ نے ٹب میں بچوں جیسا کوئی تجربہ کیا ہوگا۔ شعاعوں کی تپش سے ٹب کسی طرح محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔''

اس کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ لائٹر پر بیم گن سے لیزر فائر کرتے ہوئے میں اس نکتے کو فراموش کر گیا تھا۔ ہوٹل والوں کو یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ میں نے بیم گن کے ذریعے ان کے ٹب کو برباد کیا تھا۔ ٹب کی جگہ کوئی اور چھوٹی موٹی چیز ضائع ہوئی ہوتی تو اسے بازار سے خرید کر خاموشی سے تبدیل کیا جا سکتا تھا۔ ٹب کے ساتھ ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس معاملے میں نجات کی ایک ہی راہ تھی کہ انجان بن کر ساری ذمے داری ہوٹل کے عملے پر ڈال دی جائے۔ مجھے قلق تھا کہ اس نقصان کے باوجود میں بیم گن کی زیرِ آب کارکردگی جانچنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

بارہ بجے میرے لوکل موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی۔ وہ راجن یا چاؤ فان کے سوا کسی تیسرے آدمی کا فون نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت میرے لیے وہ دونوں ہی اہم تھے۔ ایک کی اہمیت منفی اور دوسرے کی مثبت تھی۔ میں نے فون اٹھایا تو اس کی اسکرین پر چاؤ فان کا نمبر روشن تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس وقت تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟'' میں نے کال وصول کرتے ہی خوش دلی سے کہا۔ اسکرین پر اس کا نمبر دیکھتے ہی مجھے کسی اچھی خبر کی آس ہو گئی تھی۔

''ماسٹر! میں قسمت کا لکھا بھگت رہا ہوں۔ آخر کار وہ تیس ہزار بھات میں تیار ہو گئی ہے۔'' اس کی آواز سے جوش اور جذبے کے بجائے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا۔

''یہ قسمت کا نہیں' ڈان کا لکھا تھا۔'' اس کی زبان سے ایک اچھی خبر سنتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہو گیا ''یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔ نمبر بڑھانے کے چکر میں تم اسے میری رپورٹ نہ دیتے تو یہ بکھیڑا نہ پھیلتا۔''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں اس کے سامنے جاتا ہوں تو عقیدت سے میری حالت غیر ہو جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ سب کچھ اس کے سامنے اگل دوں۔''

''تم نے مادام کی رضامندی کی خبر بھی اس کے سامنے اگل دی ہو گی!''

''ماسٹر! میرا مذاق مت اڑاؤ۔ میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ اب میں گھر جا رہا ہوں۔ اسے بتا دینا کہ کل رات کا پروگرام طے ہوا ہے۔ ہم دونوں تفصیلات کل طے کر لیں گے۔'' اس کی آواز سے آزردگی مترشح ہو رہی تھی۔

''میں اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔'' میں نے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدگی اختیار کر لی ''اسے کوششوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی' وہ ٹھوس نتائج چاہتا ہے۔ چاند چڑھتا ہے تو دنیا دیکھ لیتی ہے۔ لانچ ڈوبے گی تو اسے بھی دنیا دیکھے گی۔ یہ بتاؤ کہ مجھے تو غوطہ خوری کی مشق کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

''مادام بہت سورما قسم کی عورت ہے' راضی ہو گئی ہے تو اکیلی سب کچھ کر گزرے گی۔ بس تمہیں اس کے ساتھ رہنا ہو گا۔''

چاؤ فان صبح سے شہر میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے' میں نے بات وہیں ختم کر دی۔

ابتدا میں چاؤ فان نے جس طرح مادام کا ذکر کیا اس کی بنا پر میں نے اس تھائی عورت کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ کوئی خوش حال اور رنگین مزاج عورت تھی جو اس شہر خرابات میں پیشہ ازل سے وابستہ تھی۔ یہ اس کا شوق یا ہنر تھا کہ وہ غوطہ خوری میں بھی مہارت رکھتی تھی۔

چاؤ فان کی زبان سے مادام کی آمادگی کی خبر سن کر اس

برہم چاری کسی بھی قسم کا گوشت نہیں کھاتے۔ ایک جگہ کھلے میدان میں برہم چاریوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ کہیں سے ایک بیل رسا تڑا کر وہاں آ نکلا اور اس نے جلسہ گاہ میں تباہی مچا دی۔ کئی حاضرین کو ٹکریں مار کر زخمی کر دیا۔ کرسیاں الٹ دیں۔ جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ سب جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے۔ کوئی کہیں چھپ گیا۔ کوئی درخت پر چڑھ گیا۔ ایک برہم چاری نے ہانپتے کانپتے ایک درخت کی آڑ میں پناہ لی۔ اس وقت بیل تباہی پھیلا کر آگے بڑھ چکا تھا۔

برہم چاریوں نے جاتے ہوئے بیل کی طرف آڑ سے دیکھا اور دھوتی سنبھالتے ہوئے دانت پیس کر خود کلامی کی ''خواہ مخواہ ہی سبزیاں کھانے میں زندگی خراب کی..... یہ صلہ ملا ہے عمر بھر گوشت سے پرہیز کرنے کا.....!''

عورت کی ذات میں میری دلچسپی یکا یک بڑھ گئی تھی۔ میں جاننا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون تھی اور کس ڈھب سے اپنی زندگی گزار رہی تھی۔

چاؤ فان نے اگلی رات کی مہم میں میری اور مادام کی یک جائی کا ذکر کر کے میری آتش شوق کو بھڑکا دیا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز چاؤ فان صبح دس بجے مجھے لینے کے لیے آ گیا۔ میں اپنے ہوٹل میں اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ نہ وہ اس ڈھنگ کا آدمی تھا کہ اسے کمرے میں بلایا جائے۔ اس کے بدنگاہی کے کئی واقعات میرے مشاہدے میں آ چکے تھے۔

گاڑی میں شہر کی غیر معروف اور کشادہ سڑکوں پر گھومتے ہوئے اس نے رات کے پروگرام کے بارے میں انتظامات سے آگاہ کیا۔ اس میں اس کی دو بے نام و نشان موٹر بوٹس کو حصہ لینا تھا۔ نفری کل آٹھ نفوس پر مشتمل ہونا تھی کیونکہ دونوں میں سے کوئی کشتی چار افراد سے زیادہ کا بوجھ نہیں سہار سکتی تھی۔

اس کے منصوبے میں کئی خامیاں اور کمزوریاں تھیں۔ اس نے میرے مشورے فراخ دلی کے ساتھ قبول کر لیے۔ کم و بیش دو گھنٹوں کی مغز زنی کے بعد ہم اس مہم کی

جزئیات طے کرنے میں کامیاب ہوگئے جو رات کے دو بجے شروع ہونا تھی۔

سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ ظاہری طور پر وائٹ ہاک کی غرقابی چند گھنٹوں کی بات معلوم ہو رہی تھی۔ چاؤ فان نے مجھے ہوٹل کے قریب اتارا تو میرے ذہن میں راجن کے بارے میں ایک منصوبے نے جنم لینا شروع کر دیا تھا۔

غزالہ کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آخر کار وائٹ ہاک کی بربادی کا وقت آ پہنچا تھا لیکن اسے یہ جان کر مایوسی ہوئی کہ چاؤ فان کی موٹر بوٹس میں زیادہ گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس کی شمولیت کا کوئی امکان نہیں تھا۔

میں چاہتا تو اس مہم پر غزالہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا۔ میں اشارہ کرتا تو چاؤ فان کی مجال نہیں تھی کہ وہ کوئی پس و پیش کرتا۔ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو چھوڑ کر وہ بہ خوشی غزالہ کو ساتھ لینے پر تیار ہو جاتا لیکن مسئلہ وہی تھا کہ میں خود غزالہ کو غیر ضروری طور پر اس کے سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔

شام کو چھ بجے کے بعد میں نے راجن کو فون کرنے کا ارادہ کیا تو غزالہ چونک پڑی ''کیا آپ مخبری کرنے کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں؟''

''اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ بہت اہم چال ہوگی۔'' میں نے اسے بتایا ''ہو سکتا ہے کہ چند دنوں میں اس کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔''

''اسے ذرا بھی سراغ مل گیا تو آج کی مہم ناکام ہو سکتی ہے۔ اس ناکامی میں بھاری جانی نقصان کا بھی اندیشہ ہوگا۔''

''میں بھی مہم میں شریک رہوں گا۔ مجھے خودکشی کرنے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے کہا ''تم سن لوگی کہ میں اسے کس طرح بہکاتا ہوں۔''

میں نے موبائل فون پر راجن کا نمبر ملا لیا۔ اس بار مجھ سے کوئی بازپرس نہیں ہوئی۔ اس کی آپریٹر یا سیکریٹری کی آواز مختلف تھی مگر اس نے میرا مفروضہ نام سنتے ہی لائن راجن کو منتقل کر دی۔

''تم نے میری توقع سے پہلے فون کر لیا۔'' راجن کی بے پروایانہ آواز آ گئی۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھے خود سے بہت کم تر تصور کر رہا تھا۔ اس کی بات جاری رہی ''ڈرپوک آدمی بہت مشکل سے کوئی فیصلہ کر پاتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کہتے ہو۔''

''وہ مسئلہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ میں نے تمہیں ہوشیار کرنے کے لیے فون کیا ہے۔'' میں نے متکبرانہ انداز میں کہا۔

اس نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا اور کہا ''تم میری فکر مت کرو۔ میں سوتے ہوئے بھی ہوشیار رہتا ہوں۔ بہت سے لوگ میری دیکھ بھال کرتے ہیں۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔''

''دشمن تمہیں کوئی بہت بڑا نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ مجھے یہ خبر اتفاق سے ملی تو میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دوں۔'' میں نے ایک ہی سانس میں بات پوری کر ڈالی۔

''میں ایسی ہوائیوں کی پروا نہیں کرتا۔'' اس کی آواز سے بے پروائی جھلک رہی تھی ''تم کو یہ خبر کس نے دی ہے؟''

''ایسی خبر کون دے گا..... میں بتا رہا ہوں کہ مجھے اتفاق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ اگر تم یقین نہیں کرتے تو نہ کرو' میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔''

''میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے میرا اتنا خیال کیا۔'' اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی کاٹ تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''میرے دشمن میری نظروں میں رہتے ہیں' میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ صرف ایک دشمن روپوش ہے۔ اس کے لیے میں نے تم کو دعوت دی ہے۔''

وہ میری زبان سے کچھ سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اس موضوع پر راجن سے میری زیادہ بات نہ ہو مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ وہ میرے کہے ہوئے الفاظ کو اس بری طرح نظر انداز کرنے پر تل جائے گا۔

میں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جب اسے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر ملے گی تو میرے الفاظ ایک دہشت ناک بازگشت کی طرح اس کے ذہن میں گونجیں گے اور وہ مجھ سے تفصیلی بات کرنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔

''ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن ڈینی کی تلاش شروع کر دی ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ تم سے یا تمہارے آدمیوں سے ملے بغیر کام نہیں ہو سکے گا۔ میں کل یا پرسوں تک تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔''

''یہ نہ سمجھنا کہ تلاش کا کام میں صرف تم پر چھوڑ دوں گا۔'' اس نے وضاحت کی ''میرے آدمی شکاری کتوں کی طرح اسے تلاش کر رہے ہیں۔ تم سے میں نے صرف اس لیے بات کی ہے کہ تم اسد کے ساتھی ہو' اندر کی خاصی باتیں جانتے ہو گے۔ سب سے بڑھ کر اہم بات یہ ہے کہ تم ڈینی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہم وطن ہو۔ پردیس میں آدمی اپنے ہم وطنوں سے آسانی سے ڈسا جاتا ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں تمہاری کامیابی کا امکان زیادہ روشن ہے۔"

"یہ نصیب کی دوڑ ہے۔" میں نے حسرت سے کہا "بڑے انعام میرے مقدر میں لکھ دیے گئے ہیں تو تمہارا لشکر بھی ڈینی تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"جلدی فیصلہ کرو اور اپنی توجہ ڈینی پر مرکوز رکھو' فضول باتوں پر دھیان مت دو۔" یہ کہہ کر راجن نے فون بند کر دیا۔

"آپ نے بہت خوب صورتی سے اپنی بات اس تک پہنچائی ہے۔" غزالہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے آپ کی وارننگ کو کوئی اہمیت نہیں دی۔"

"اگلی صبح نمودار ہونے سے پہلے وہ اپنی اس بے نیازی پر پچھتائے گا۔ دل چاہ رہا ہے کہ اب اس سے اپنے اصل روپ میں' سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کروں تاکہ اس کے دماغ میں گھسا ہوا خناس نکل سکے۔"

"یہ ہرگز نہ کریں..... میں فون توڑ دوں گی۔" اس نے ہنس کر دھمکی دی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں غزالہ سے باتوں میں مصروف رہا لیکن اس دوران میں میرے وجود میں رفتہ رفتہ عجیب سی بے چینی سرایت کرتی جا رہی تھی۔ اس سے پہلے میں بہت بڑے بڑے معرکے سر کر چکا تھا لیکن کبھی ایسے بے نام اضطراب سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ وہ تجربہ میرے لیے نیا اور پریشان کن تھا۔

غزالہ میری ہمدم اور رمز شناس تھی۔ اس نے وہ کشیدگی میری آنکھوں میں پڑھ لی اور مجھ سے اس بارے میں سوال کر بیٹھی۔ وہ میرے اندر کا ایک راز تھا' ایک ہلکی سی کمزوری تھی جسے میں اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہ رہا تھا۔ اس نے سوال کیا تو میں نے جھلاہٹ سی محسوس کی۔ اسے جواب دیتے ہوئے میرے اندر مزاحمت اور توانائی کی ایک لہر پیدا ہوگی اور میں تیزی کے ساتھ اس اضطراری کیفیت سے نکل گیا۔

غزالہ نے میرے رویّے سے میرے موڈ کا اندازہ لگا لیا اور بات کا رخ ہوپر کی لاش کی طرف گھما دیا۔ اس کی لاش کو جہانگیر کے گھر سے نکال کر ٹھکانے لگائے کم و بیش ڈیڑھ دن گزر چکا تھا۔ لاش کے دریائی اچھال کے لیے وہ مدت بہت کافی تھی لیکن پاکستان سے اس بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ میں خود بھی اپنے چکروں میں اس طرح الجھا رہا کہ اول خان کو فون کرنے کا خیال نہیں آیا۔ میں نے دل ہی دل

> منگنی کے بعد ایک روز لڑکی نے خواب ناک لہجے میں اپنے منگیتر سے کہا "میں تمہارے تمام دکھوں اور پریشانیوں میں شریک رہوں گی۔"
>
> "لیکن مجھے تو کوئی دکھ یا پریشانی نہیں ہے۔" لڑکا بولا۔
>
> "میں شادی کے بعد کی بات کر رہی ہوں ڈیئر!" لڑکی نے سادگی سے کہا۔

میں فیصلہ کر لیا کہ اگلی صبح اس بارے میں خود پیش رفت کر کے کچھ پتا چلانے کی کوشش کروں گا۔

دس بجے ہم کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ شکم سیر ہونے کے بعد خون کا دوران معدے کی طرف منتقل ہوا تو وجود پر ہلکی سی سستی سوار ہونے لگی۔ ٹیلی وژن مسلسل آن تھا' غزالہ نے اس کی آواز بھی کھول دی۔

وقت کا سفر جاری رہا۔ رات کے ایک بجے میں لباس تبدیل کر کے روانگی کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ آخر کار چاؤ فان کا فون آ گیا۔ اس کی آواز تر و تازہ تھی' تھکن اور بیزاری کے اثرات کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ اس نے ہوٹل کے قریب پہنچنے کی اطلاع دی تو مجھے فون پر ہنسی کی کھنکتی ہوئی نسوانی آواز بھی سنائی دی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔ شاید وہ درپیش مہم کے لیے مادام کو اپنے ساتھ لے کر آ رہا تھا۔

میں نے غزالہ کو خدا حافظ کہا' اس نے کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کر کے خود کو کمرے میں مقفل کر لیا۔

مجھے انتظار کرنا پڑا نہ چاؤ فان کو میرے لیے رکنا پڑا۔ میرے باہر نکلتے ہی اس کی سیاہ اکارڈ میرے قریب رکی اور اس کے برابر والی نشست پر بیٹھی ہوئی گوری اور حسین خاتون کو دیکھ کر میں لحہ بھر کے لیے بھونچکا رہ گیا۔

اس کے بارے میں چاؤ فان نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ واقعی بلا کی حسین تھی۔ ستواں ناک' بڑی بڑی چمک دار آنکھیں اور مسکراتے ہوئے یاقوتی لب ہر تصنع سے پاک ہونے کے باوجود کشش انگیز تھے۔ وہ ان غیر معمولی لوگوں میں سے ایک تھی جنہیں پہلی نظر میں دیکھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے۔

گاڑی رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر ایک ادا سے نیچے اتر آئی۔ اس نے مسکراتی ہوئی شوخ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ گاڑی سے اترنے کے بعد اس کی شخصیت اور نکھر آئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ وہ عام تھائی عورتوں کے برعکس دراز قامت تھی۔ اس نے بغیر آستینوں والی سرمئی ٹی شرٹ اور نہایت چست جینز پہنی ہوئی تھی۔ قدرت نے اسے خدوخال کے حسن کے ساتھ بے مثال جسمانی تناسب بھی عطا کیا تھا۔

شاید چاؤفان نے اسے میرے بارے میں بتا دیا تھا۔ اگلی نشست سے اتر کر وہ کندھا مارتی ہوئی میرے قریب سے گزری اور مڑے بغیر پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''ماسٹر! گاڑی میں آجاؤ!'' چاؤفان کی مودبانہ آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میرا خیال تھا کہ میں بس لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا تھا اور چاؤفان کو اپنی خبیثانہ فطرت کے اظہار کا موقع مل گیا تھا۔ میں پھرتی سے اس عورت کی خالی کی ہوئی نشست پر بیٹھ گیا۔

''ماسٹر! یہ مادام ہے۔ آج رات کے لیے تم دونوں ایک دوسرے کے معاون رہو گے۔'' اس نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا۔

میں نے اخلاقاً اپنا سر گھمایا اور اس خوب رو خاتون نے بے حجابی سے اپنا داہنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے نرمی سے اس کا گداز اور ملائم ہاتھ اپنی گرفت میں لیا۔ میں چاؤفان کو فقرہ بازی کا کوئی نیا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لے رہا ہوگا۔

مادام نے گرم جوشی سے میرا ہاتھ دبا کر کہا ''چاؤفان تم سے ڈرتا ہے۔ کل سے ماسٹر، ماسٹر کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ ابھی راستے میں پتا چلا کہ تمہارا نام علی ہے۔ بہت چھوٹا اور خوب صورت نام ہے تمہارا!''

''یہ میرے لیے نئی اطلاع ہے کہ چاؤفان مجھ سے ڈرتا ہے۔'' میں نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں اسے اپنا دوست سمجھتا ہوں۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔'' چاؤفان بولا۔

اس کی مسمسی آواز سن کر مادام نے زندگی سے بھرپور ایک ہلکا سا کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا، پرجوش انداز میں دوسری دفعہ میرا ہاتھ دبایا اور چھوڑ دیا۔

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم سے ملاقات ہوگئی۔ چاؤفان ناموں کے معاملے میں بہت بے پروا ہے۔ تمہیں صرف مادام کہتا ہے۔ کیا یہ خطاب تمہیں ادھورا محسوس نہیں ہوتا؟''

''تعارف حاصل کرنے کا خوب صورت طریقہ ہے۔'' مادام نے میری بات کو سراہا ''تم مجھے لی کہہ سکتے ہو۔ میرا پورا نام لی سیاؤ پونگ ہے۔''

''لی سیاؤ پونگ!'' میں نے اس کا پورا نام دہراتے ہوئے کہا ''خاصا خوب صورت اور رسیلا نام ہے۔ مادام لی بھی کہا جا سکتا ہے، پتا نہیں یہ تمہیں مادام کیوں کہتا ہے۔''

''میرے پاس آوارہ اور خوشامدی مرد آتے ہیں۔'' اس نے بے حجابی سے اپنی مصروفیات کی تشریح بیان کر ڈالی ''وہ سب مادام کہتے ہیں۔ میرا اصل اور پورا نام بنکاک میں بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا۔''

میں نے اپنی نشست میں ترچھا ہوتے ہوئے پوزیشن تبدیل کی تو لی کی چمکتی ہوئی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''مادام! یہ زیادتی ہے۔ تم مجھے بھی ان مردوں میں شمار کر رہی ہو۔'' چاؤفان نے اس سے احتجاج کیا ''میں آوارہ ہوں نہ خوشامدی۔ کبھی کبھی تم سے ملنے آتا ہوں۔''

''تم میرے اچھے دوست ہو۔ تمہارا ماسٹر بھی عمدہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کام ہو جانے کے بعد کبھی اسے اپنے ساتھ لے کر میری طرف آؤ!''

''میں ماسٹر کو ضرور لاؤں گا۔'' چاؤفان نے پورے خلوص سے کہا ''اب ذرا کام کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔ ساحلی کھاڑی میں پہنچتے ہی ہمیں تیاری کرنا ہوگی۔''

''تم اپنے حصے کے کام کے بارے میں سوچو۔'' لی نے جواب دیا ''میری بوٹ پر ایک پائلٹ اور دوسرا اس کا مددگار ہوگا۔ مجھے اس کے کیبن میں علی کی مدد سے غوطہ خوری کا لباس پہننا ہے اور میں تیار ہو جاؤں گی۔ بوٹ مجھے سفید لانچ کے قریب پہنچا دے گی تو میں سامان لے کر پانی میں اتر جاؤں گی۔ مجھے اور کون سے ہل چلانا ہیں!''

لی کا بیان سن کر مجھے اپنی کنپٹیاں چٹختی ہوئی سی محسوس ہوئیں۔ چاؤفان سے بھی فوری طور پر لی کی بات کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ گاڑی کے کیبن میں سحر انگیز سکوت چھا گیا۔

چاؤفان شہر کی کشادہ اور خالی سڑکوں پر اپنی گاڑی کو بہت برق رفتاری سے اس ویران ساحلی علاقے کی طرف دوڑا رہا تھا جہاں ایک کھاڑی میں اس کے آدمی سارے ساز و سامان کے ساتھ ہمارے منتظر تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ،
باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے جھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے بھوکا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے آئیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی برسرِ اقتدار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس شطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سمٹیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے رام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا۔ اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھاوا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے والی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ بحث نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر انٹیشن نور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ اس نے مجھے آگاہ کیا کہ ایک عورت وائٹ ہاک میں بم نصب کرنے پر تیار ہو گئی ہے یہ ایک بہترین خبر تھی میں چاؤ فان کے ساتھ اس عورت جس کا نام مادام لی تھا سے ملنے روانہ ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 251 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

وہ سفر طویل تھا۔ گاڑی میں کچھ دیر سکوت چھایا رہا۔ رات کے گہرے سناٹے میں چاؤ فان کی سیاہ اکارڈ شہر کی سڑکوں پر تقریباً بے آواز دوڑی چلی جا رہی تھی۔ گاڑی کے چاروں شیشے چڑھے ہوئے تھے اس لیے انجن کے باہر پھیلنے والی آواز اندر نہیں سنائی دے رہی تھی۔ شاید ہر مہنگی اور بڑی گاڑی میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ اندر بیٹھنے والے سوار باہر کے شور و غل اور آلودگی سے محفوظ رہتے ہیں۔ گاڑی کا ایر کنڈیشنر شروع سے چل رہا تھا۔ باہر کی گرمی اور حبس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مقابلے میں اندر کا موسم بہت خوشگوار تھا۔

''ابھی میں نے غور کیا۔'' اچانک گاڑی کے کیبن میں لی کی پر اشتیاق آواز ابھری ''میرے اور تمہارے نام میں حیرت انگیز یکسانیت ہے۔ لی اور علی' دونوں میں ذرا سا فرق ہے۔''

جو کچھ کہا گیا' وہ میرے لیے تھا۔ اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے کسی خاص دلچسپی کے بغیر کہا ''کیا تم اتنی دیر سے خاموش رہ کر اسی نکتے پر غور کر رہی تھیں۔''

اس نے ہلکا سا' زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا ''تم دراز قامت اور صحت مند ہو۔ تمہارا وجود ایک نقطے سے کہیں زیادہ ہے۔'' اس نے انگریزی لفظ پوائنٹ کے دہرے مفہوم سے فوری فائدہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں.....!'' گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں چاؤ فان کی معنی خیز آواز ابھری ''تم ماسٹر کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔''

''تم خود بتاؤ۔'' لی اس سے مخاطب ہوگئی ''کیا ایسا شان دار آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اس کے بارے میں سوچا جائے۔''

''ضرور سوچو لیکن ماسٹر ذرا دوسری قسم کا آدمی ہے۔'' چاؤ فان کا لہجہ ذو معنی تھا۔

''آدمی کسی بھی قسم کا ہو' عورت اس کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اسی لیے ماسٹر نے شادی کی ہوئی ہے۔'' چاؤ فان نے اپنی دانست میں لی کی امیدوں پر پانی پھیرنے کی نیت سے انکشاف کیا۔

''چاؤ فان! تم ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ میں لی سے یہ .... جاننا چاہوں گا کہ یہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہے۔'' میں نے بوکھلا کر اسے ٹوک دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ جوش میں آ کر لی کو یہ نہ بتا دے کہ میری بیوی بھی بنکاک میں میرے ساتھ موجود تھی۔

چاؤ فان اتنا سمجھ دار ضرور تھا کہ میری اس ہدایت کا مدعا بھانپ گیا۔ اس نے ایسی بھرپور خاموشی اختیار کی کہ سفر کے اختتام تک از خود دوبارہ اپنی زبان نہیں کھولی۔

''تمہارا کیا اندازہ ہے.....؟ میں تمہارے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں گی؟'' پچھلی نشست سے لی کی اٹھلائی ہوئی آواز ابھری۔

''وہی جو اچھے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر مترنم آواز میں ہنس پڑی ''تم باتوں میں بہت تیز ہو۔ ذرا مجھے پتا تو چلے کہ اچھے لوگ ایک دوسرے کے بارے میں کیا سوچتے ہیں!''

''دوستی کرنے اور اسے بڑھانے کے سوا کیا سوچ سکتے ہیں!''

''دوستی تو اسی وقت ہوگئی جب ہمارا تعارف ہوا تھا۔ میں اسے بڑھانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔'' اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر' کھل کر اعتراف کر لیا ''کل شام کو وقت ہو تو چائے میرے ساتھ پی لو۔ یہ صرف ہم دونوں کی ملاقات ہوگی۔ چاؤ فان تمہیں میرے گھر پہنچا کر واپس چلا جائے گا۔ کیوں چاؤ فان! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

''میں ہر حال میں خوش رہنے کا عادی ہوں۔ ماسٹر چاہے گا تو میں تمہاری چوکھٹ پر بیٹھ کر اس کی واپسی کا انتظار بھی کر لوں گا۔'' چاؤ فان نے مرجھائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''اس میں اس قدر افسردہ ہونے کی کیا بات ہے؟'' لی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''دو مرد کسی عورت سے ملنے جائیں تو ان میں سے ایک کو کسی نہ کسی طرح اپنا وقت گزارنا ہی ہوتا ہے۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنے ماسٹر کی واپسی کا انتظار کرنے کے بجائے واپس لوٹ جاؤ۔ علی بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے' ہماری ملاقات طویل بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم بلاوجہ بے چارے چاؤ فان کی ٹانگ کھینچ رہی ہو!'' میں نے ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے احتجاج کیا ''ابھی مجھ سے کوئی پروگرام طے نہیں ہوا اور تم نے اسے واپسی کا راستہ بتانا شروع کر دیا۔''

''مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔'' لی نے ہلکی سی بے پروایانہ ہنسی کے ساتھ کہا ''میں پہلی نظر میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ تم جمال پرست ہو' مجھ سے دوسری ملاقات کا موقع نہیں کھونا چاہو گے۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

اس کے الفاظ میں بلا کا اعتماد رچا ہوا تھا' اس کی بے باکی کے سامنے میں خود کو کمزور پڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کار کے خنک کیبن میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں شاید میری آنکھوں کی تحریر پڑھ لی تھی۔ اس کے کہے ہوئے کو مان کر میں اپنی شکست کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا تھا' میں نے سنبھل کر کہا ''اچھے لوگ ایک دوسرے سے ملتے رہنا چاہتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھو کہ میں سب کچھ بھول بھال کر کل تم سے ملنے کے لیے چلا آؤں گا۔ کل کی ملاقات کا انحصار آج کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کارروائی کے نتیجے پر ہوگا۔ ہم کامیاب رہے تو کل اس کامیابی کا جشن ضرور منائیں گے' کسی وجہ سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو پروگرام ملتوی ہوجائے گا۔''

''پتا نہیں تم ایسی قنوطیت کی بات کیوں سوچ رہے ہو۔ میں خوش گمان عورت ہوں' جو کچھ کرتی ہوں' اس کے ہوجانے پر پورا یقین رکھتی ہوں اور وہ ہوجاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سمندر کے سینے پر وائٹ ہاک کی آخری رات ہے۔ صبح وہ سمندر کی تہ میں ہوگی۔ وہ ڈوب جائے گی تو تم میرے ساتھ چائے پینے کے لیے ضرور آؤ گے۔''

''ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ وہ بوٹ بنکاک کے معزز شہریوں کی ایک عمدہ تفریح گاہ ہے۔ اسے برباد کرنا ظلم ہوگا۔ میں یہ ظلم نہیں کرسکتا۔ ہم اس کے پیندے میں جاسوسی کے آلات لگا کر صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ راجن اس تیرتے ہوئے عشرت کدے کی آڑ میں کیا کیا کررہا ہے۔''

میں نے پرسکون لہجے میں اس کی بات کا جواب دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ بوٹ کی تباہی کے بارے میں' میں اس کے الفاظ سن کر اندر سے دہل گیا تھا' میں نے دل ہی دل میں چاؤفان پر لعنت بھیجی۔ مجھے شبہ تھا کہ اس نے لی کے ساتھ تخلیے میں گزارے ہوئے خوشگوار لمحوں کے سرور میں آکر یقیناً ایسی کوئی بات کہہ دی تھی جس کی بنا پر لی کو ہمارے اصل منصوبے کی بھنک مل چکی تھی۔

''ما..... آ..... سٹر!'' چاؤفان کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی ''اچھا ہوا کہ تم نے بات صاف کردی۔ مادام کو شبہ ہورہا ہے کہ ہم وائٹ ہاک کو دھماکے سے اڑا کر سمندر میں غرق کرنا چاہتے ہیں۔''

میں نے غصے سے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں اس کی توجہ سڑک پر مرکوز تھی۔ میں نے ذرا چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''لی کے ذہن میں کوئی غلط فہمی موجود تھی تو تم کو اس کے بارے میں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔ اس وقت میری زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل گئی ہوتی تو اس کا شک یقین میں بدل جاتا۔''

لی اپنی کھنک دار آواز میں دھیرے سے ہنس دی اور بولی ''میں عورت ضرور ہوں مگر اپنی عمر کے مردوں سے زیادہ تجربے کار ہوں۔ میرا زیادہ وقت برے لوگوں کے ساتھ گزرتا ہے۔ ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ کالے دھندوں میں کوئی ایک دوسرے کی جاسوسی کرنے کے لیے اتنے پاپڑ نہیں بیلتا۔ موقع ملتے ہی اپنے دشمن کی گردن توڑنے کی فکر کرتا ہے۔ مجھے اُلو بنانے کی کوشش مت کرو۔''

''ہمیں وائٹ ہاک سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔'' میں نے تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی ''یہ بات تم بھی جانتی ہوگی کہ راجن وائٹ ہاک پر بہت کم وقت گزارتا ہے۔ بوٹ کو اڑانے کی صورت میں اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا' بوٹ پر کام کرنے والے بے چارے ملازم مارے جائیں گے۔ انہوں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔ ہم ان کی جان کے دشمن کیسے ہوسکتے ہیں؟''

''میں ان باریکیوں میں نہیں پڑتی۔'' لی نے بے پروائی سے جواب دیا ''میری چھٹی حس شروع سے کہہ رہی ہے کہ چاؤفان کی نیت خراب ہے۔ تم دونوں راجن کی بوٹ کو سمندر میں ڈبونا چاہتے ہو۔''

''نہیں لی' تمہارا یہ شبہ غلط ہے۔'' میں نے ذرا جذباتی لہجے میں کہا ''یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ مجھے حیرت ہے کہ یہ شبہ ہونے کے باوجود تم چاؤفان کے ساتھ آنے پر تیار ہوگئیں۔ کیا اس خیال سے تمہیں خوف نہیں آیا؟''

''تیس ہزار بھات بہت ہوتے ہیں۔'' لی کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی ''چاؤفان زن مرید آدمی ہے۔ اس نے میری باتوں میں راجن کے لیے چھپی ہوئی نفرت کا ذرا بھی اندازہ لگالیا ہوتا تو تمہاری خاصی رقم بچ سکتی تھی۔ یہ مجھے کچھ بھی نہ دیتا تب بھی میں اس کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہوجاتی۔ میرے سینے میں راجن کے خلاف نفرت کا ایک الاؤ دہک رہا ہے۔ وہ آدمی نہیں' درندہ ہے۔ میں پچھلے چھ مہینوں سے اس آگ میں جل رہی ہوں۔ اسے اس کے خون میں نہایا ہوا دیکھنا چاہتی ہوں لیکن بنکاک میں کوئی اس کے سامنے نہیں آتا۔ پیسوں اور جوان جسموں کی رشوتیں دے کر اس نے پورے شہر کو خرید ا ہوا ہے۔ کوئی اس کے خلاف کوئی بات سننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔''

لی کا وہ طویل جواب میرے لیے سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس عورت نے راجن کے خلاف اپنی زبان کھول کر میرا ذہن ماؤف کردیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس کی کہانی پر کیسے یقین کرلوں۔

چاؤفان بنکاک میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اس تک پہنچا تھا۔ وہ مہنگے طبقے کی ایک معروف بدکردار عورت تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ چاؤفان پر اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے ساتھ وہ دوسری طرف راجن یا اس کے کسی گرگے کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ایک فرضی کہانی سنا کر ہمارے دلوں کا بھید جاننے کی کوشش کررہی ہو۔

وہ خیال آتے ہی مجھے اس رات کا مشن برباد ہوتا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر آنے لگا۔ وہ راجن کے آدمیوں کی ٹاؤٹ تھی تو یہ بات یقینی تھی کہ اس وقت ہمارا پیچھا ہو رہا تھا۔ بنکاک کی ویران ساحلی کھاڑی میں پہنچتے ہی ہم اپنے پیچھے آنے والوں کی بربریت کا شکار ہو سکتے تھے۔ منزل پر پہنچنے کے بعد چاؤ فان کے آدمی' اپنی دونوں کشتیوں سمیت ان لوگوں کی نگاہوں میں آجاتے اور سب کو بے خبری میں اچانک موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

میں نے چند لمحوں کے لیے خاموش رہ کر لی کے کہے ہوئے ایک ایک فقرے پر غور کیا' راجن کے خلاف اس کے کہے ہوئے لفظوں کو تولا پھر بہت محتاط انداز میں پوچھا ''راجن نے تمہارا کیا بگاڑا ہے..... چھ مہینے پہلے تمہارے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''ایک عورت کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے!'' لی کی آواز میں تلخی بڑھ گئی ''راجن عورتوں کا شکاری ہے' وہ پکا بردہ فروش ہے۔ میرے زخموں کو نہ کریدو۔ مجھے جب بھی اپنی زندگی کی وہ کرب ناک رات یاد آتی ہے' میرے دل میں آگ بھڑک اٹھتی ہے..... تم یہ بتاؤ کہ چاؤ فان سچا ہے یا میں سچ بول رہی ہوں..... تم وائٹ ہاک کو اڑانا چاہتے ہو نا!'' پرزور لہجے میں کہا ہوا' اس کا آخری فقرہ تائید طلب تھا۔

''گاڑی کی رفتار ذرا دھیمی کر لو!'' میں نے چاؤ فان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا پھر لی سے مخاطب ہو گیا ''میری بات کا برا نہ مناؤ تو میں ایک بات پوچھ لوں!''

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟'' لی نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ تم کس مذہب کی پیروکار ہو۔ تمہارے بارے میں مجھے چاؤ فان سے جو کچھ معلوم ہوا' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی پسند کے مردوں کو جسمانی تفریح فراہم کر کے اپنی روزی کمانے کو تم برا نہیں سمجھتیں۔ اگر میرا یہ اندازہ درست ہے تو راجن کی کسی زیادتی کو ایک کھیل سمجھ کر تمہیں بھول جانا چاہیے تھا۔''

''میں جسم فروش ہوں' میری بہن ایسی نہیں تھی۔'' لی کی آواز سرد اور سپاٹ تھی ''وہ صرف پندرہ برس کی تھی' یہاں کے ایک نائیٹ کلب میں ڈانسر تھی' اپنا جسم نہیں بیچتی تھی' فن بیچتی تھی۔ راجن نے اسے دیکھا اور اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اپنے کیسینو میں پرکشش نوکری کی پیشکش کی۔ ان لوگوں کی شہرت بہت خراب ہے۔ میری بہن نے پیشکش ٹھکرا دی۔ یہ انکار اسے بہت مہنگا پڑا۔ ایک رات وہ کلب سے تھک ہار کر آئی تو راجن کے غنڈے ہمارے گھر میں گھس آئے۔ وہ میری بہن کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ میں نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تو مجھے بھی بے ہوش کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم دونوں کو ہوش آیا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ وہاں پندرہ مرد شراب کے نشے میں دھت تھے اور راجن کسی کالے سانڈ کی طرح ان پر راج کر رہا تھا۔ ہمیں ہوش میں آتا دیکھ کر انہوں نے ہمارے چہروں پر ٹھنڈی شراب کے چھینٹے دیئے' دست درازیاں کیں اور جب ہم خوف زدہ ہو کر اپنے قدموں پر اٹھیں تو وہ درندوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ایک ایک کو گنا تھا۔ راجن سمیت وہ پندرہ تھے اور ہم دو۔ انہوں نے بہت بے رحمی کے ساتھ ہمیں عورت ہونے کی سزا دی۔ میں دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔ صبح ہوش آیا تو میں رائل پارک کی جھاڑیوں میں لہولہان پڑی ہوئی تھی۔ میری پندرہ برس کی اکلوتی بہن ان کے ظلم کی تاب نہ لا کر مر چکی تھی۔ اس کی لاش میرے قریب پڑی ہوئی تھی۔ تم بتاؤ کہ ایسی تذلیل کے بعد میں اس خونی بھیڑیے کو کیسے معاف کر سکتی ہوں۔''

اس کا لب و لہجہ اور آواز کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اپنا سر گھما کر اپنے پیچھے کی سڑک پر نگاہ ڈالی۔ وہ دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔ کوئی ہمارے پیچھے نہیں آ رہا تھا۔

''تمہاری کہانی دردناک اور چونکانے والی ہے۔'' میں نے بوجھل آواز میں کہا ''راجن اور اس کے ساتھی انسانوں کے روپ میں بدترین حیوان ہیں۔ ان کا سر غنہ کڑی سزا کا حق دار ہے مگر فی الحال ہمارا مشن خفیہ معلومات کے حصول تک محدود.....''

''نہیں!'' لی کے حلق سے وہ آواز اس کے وجود کی ایک اندرونی چیخ کی صورت میں برآمد ہوئی ''راجن اپنی بوٹ پر ہو یا نہ ہو' اسے تباہ کر دو۔ وہ اپنی انا کا پجاری ہے۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسے اپنی وائٹ ہاک پر ناز ہے۔ بوٹ ڈوبے گی تو اس کا غرور چکنا چور ہو جائے گا۔''

وہ کوئی نیک نام اور پارسا عورت نہیں تھی لیکن راجن کے بارے میں اس کی سوچ ہمارے ارادوں سے مختلف نہیں تھی۔ شوخ اور سطحی باتوں سے شروع ہونے والی گفتگو بہت سنجیدہ مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ میری ایمان دارانہ رائے تھی کہ اس وقت لی ہمارے ساتھ مکاری نہیں کر رہی تھی۔

چاؤ فان کسی بے خوف غوطہ خور کی تلاش میں' سراغ رسی کی کہانی لے کر لی کے پاس پہنچا تو اپنی دانست میں اسے گھیر رہا تھا۔ لی' راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ چاؤ فان اس حقیقت سے بے خبر تھا۔ یہ راجن کے مقدر کی ہولناک ستم ظریفی تھی کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چند بدترین دشمن اتفاقی طور پر یک جا ہوتے جا رہے تھے۔

میں پاکستان میں امریکیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سبب بنکاک بھیجا گیا تو میرے ذہن میں اپنی روپوشی اور سوبھراج سے ٹکراؤ کے سوا کوئی تیسری بات نہیں تھی۔ اگر اسد مجھے ڈان سے ملنے کا مشورہ نہ دیتا تو میری کہانی کچھ اور ہی ہوتی۔

ڈان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے میں نے اسے راجن سے اپنی دشمنی کی ایک فرضی کہانی سنائی اور ڈان نے میری سرپرستی کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس وقت تک میں نے راجن کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس سے ملنے کے بعد میں قائل ہوگیا تھا کہ وہ کالا بھجنگ اور کوتاہ گردن شیطان واقعی نفرت کے قابل تھا۔ اس کا کردار اس کی صورت سے بڑھ کر قابلِ نفرت اور گھناؤنا تھا۔ اس وقت لی نے اپنے سارے کارڈز ہمارے سامنے رکھ دیے تھے اور وہ رضاکارانہ طور پر ہمارے ساتھ شریک ہونے کے لیے بے چین تھی۔

آثار بتا رہے تھے کہ راجن کا وقت پورا ہو چلا تھا۔ اس کے تین مضبوط دشمنوں کا اتحاد اس کی سرکوبی کا سبب بننے والا تھا۔

''جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' میں نے مڑ کر لی کو دلاسا دیا ''تمہاری طرح ہم بھی اس کے دشمن ہیں لیکن ہم محتاط رہ کر کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آخر کار ہم اس کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے۔''

''چاؤ فان دل بہلانے کے لیے میرے پاس آتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں اس شہر کی ایک بری عورت ہوں۔ اسی طرح مجھے معلوم ہے کہ چاؤ فان بنکاک کا چھٹا ہوا غنڈا ہے۔'' وہ یکا یک تیز اور ہیجانی لہجے میں بولنے لگی ''تم اس کے ماسٹر ہو۔ میں یہ نہیں مان سکتی کہ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو اور راجن کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیے ثبوت اکٹھے کرتے پھر رہے ہو۔ اس کے ساتھ وہی کرو جو زیرِ زمین دنیا میں ہوتا چلا آیا ہے۔ اس نے مجھے اور میری بہن کو روندا' تم اسے کچل دو۔''

''چاؤ فان! تم نے مجھے یہ سب نہیں بتایا!'' میں نے مجبور ہو جانے کی صداکاری کرتے ہوئے اس سے شکوہ کیا۔

''ماسٹر! میں قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ مادام نے مجھ سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔'' اس نے تحیر زدہ اور مدافعانہ لہجے میں کہا ''راجن کی بوٹ کے بارے میں سرسری بات ہوئی' پیسے طے ہوئے اور مادام رضامند ہوگئی۔ پتا نہیں تمہارے سامنے آکر اسے کیا ہوگیا ہے کہ اس نے اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا..... یہ کہہ رہی ہے تو ماسٹر' میری سفارش ہے کہ کچھ سوچو۔ پتا نہیں وائٹ ہاک پر اب تک نہ جانے سیام کی کتنی معصوم بیٹیاں برباد کی جا چکی ہوں گی۔''

چاؤ فان گاؤدی نہیں تھا۔ اپنی پوزیشن صاف کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے مجھے کھلنے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔

''لی! میں تمہاری دل جوئی کے لیے ایک کوشش کروں گا۔ تمہارا اٹھایا ہوا یہ نکتہ میرے دماغ میں بیٹھ گیا ہے کہ ہمیں راجن پر کون سا مقدمہ چلانا ہے جو ہم ثبوت جمع کرتے پھریں۔ میری عدالت میں تم سلطانی گواہ ہو' راجن کو سزا ملنی چاہیے۔''

''تم بڑے دل کے مالک معلوم ہوتے ہو۔'' لی بولی ''میری مانو تو آج کا پروگرام ملتوی کردو۔ کل بم لے آؤ' میں انہیں وائٹ ہاک کے پیندے میں لگا دوں گی۔ اس کام کے لیے میں تم دونوں کو وہ بیس ہزار بھات لوٹا دوں گی' جو چاؤ فان نے مجھے پیشگی دیے ہیں۔''

لی بھی بہت حوصلے کی مالک تھی۔ تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔ اپنے دشمنوں کے دشمن سے مل کر اس نے ہر لالچ کو خیرباد کہہ دیا تھا اور اپنے دشمن سے بدترین انتقام لینے پر تل گئی تھی۔

اس کی زبان سے پروگرام کے التوا کا ذکر سنتے ہی میں نے پھرتی سے قلابازی کھانے کا فیصلہ کر کے کہا ''جو کچھ طے ہو چکا ہے' وہ ضرور ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کسی التوا کے بغیر وائٹ ہاک کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟''

''کیسے.....؟'' اس نے تند لہجے میں سوال کیا ''مجھے سمجھاؤ کہ جاسوسی کے آلات اس بوٹ کو کیسے تباہ کر دیں گے۔''

''تمہاری بددعائیں اور ماسٹر کی چالاکی وائٹ ہاک کو لے ڈوبے گی۔'' چاؤ فان نے پوری گفتگو کے رخ کا اندازہ کرتے ہوئے لقمہ دیا۔

''میں تمہارے ماسٹر کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھ چکی ہوں۔'' لی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''یہ بہت چالاک' مکار اور سفاک آدمی ہے۔ ضرورت پڑنے پر یہ تمہیں بھی موت کے منہ میں جھونک سکتا ہے۔''

''یہ بیکار باتیں ہیں۔'' میں نے رسانیت سے کہا ''آہنی بکسوں میں جاسوسی کے آلات کے ساتھ تباہ کن بارود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی موجود ہے۔ اس پر پانی اثر نہیں کرے گا۔ ہم جب بھی چاہیں اس بارود کو اڑا سکیں گے۔''

''علی! تم خطرناک آدمی ہو' میں تم پر بھروسا نہیں کرسکتی۔'' اس نے پوری بے خوفی کے ساتھ اپنے دل کی بات بیان کردی ''مجھے جاسوسی کے آلات وائٹ ہاک کے پینڈے میں لگانے کے لیے لایا گیا تھا۔ اب تم نے بیٹھے بیٹھے اس میں بارود بھی پہنچا دیا۔ میرے ساتھ کھیل نہ کھیلو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو۔ میں بے خبری میں قربانی کا بکرا نہیں بنوں گی۔''

''مادام!'' اچانک چاؤ فان بول پڑا ''تم جنس کی غلطی کرگئی ہو۔ تمہیں قربانی کی بکری کی بات کرنی چاہیے تھی۔''

''شوخیاں دکھانے کی کوشش مت کرو۔'' لی نے سخت لہجے میں کہا ''اس وقت میں اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنے جارہی ہوں جس کا نتیجہ میری موت یا دشمن سے انتقام کی صورت میں برآمد ہوگا۔''

''تم غیر ضروری طور پر اعصابی دباؤ کا شکار ہورہی ہو۔'' میں نے نرمی سے لی کو ہلکی سی تادیب کی ''تمہارے ساتھ کوئی کھیل ہورہا ہے نہ تمہیں دھوکا دیا جارہا ہے۔ جو کچھ ہورہا ہے اسے اسی طرح ہونے دو۔ ہمارے ساتھ تمہارا مقصد بھی پورا ہوجائے گا۔ جاسوسی کے ان آلات کے ساتھ ہم نے کچھ ریموٹ کنٹرولڈ بارودی ہتھیار بھی رکھے ہیں۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر کسی وقت راجن کے آدمی ان آلات کا سراغ لگالیں اور متجسس ہوکر ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کریں تو آلات سے آنے والے صوتی اشاروں سے ہمیں ان کی مداخلت کا علم ہوجاتا۔ ایسی صورت میں ہم ریموٹ کنٹرول کے ذریعے وہ آلات تباہ کرسکتے تھے۔''

''اوہ..... اب میں سمجھی!'' لی کے دہانے سے تحیر زدہ اور اطمینان آمیز آواز برآمد ہوئی ''تمہارے لیے رازداری کا برقرار رہنا ضروری ہے۔ اس کے لیے ایسا بندوبست ناگزیر تھا۔ کیا وہ بارود اتنا طاقت ور ہوگا کہ آلات کو تباہ کرنے کے ساتھ وائٹ ہاک کے فولادی پینڈے میں بھی سوراخ کردے؟''

لی ذہین عورت تھی۔ وہ آنکھیں بند کرکے کسی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے بارودی قوت کے بارے میں سوال اٹھا کر مجھے حیران کردیا۔

وہ مجھے کام کی عورت نظر آرہی تھی۔ میں نے ابتدا ہی سے کوشش کی تھی کہ اسے اس کے ہر سوال کا اطمینان بخش بلکہ مسکت جواب دوں تاکہ اسے یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ ہم نے اسے دھوکا دے کر اپنا آلہ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت تک میں نے اپنا یہی موقف برقرار رکھا تھا کہ دراصل وائٹ ہاک تک جاسوسی کے آلات پہنچانے کے لیے اس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ ان دونوں بکسوں میں بارود کا ہونا ایک ضمنی واقعہ تھا جس کا تعلق ہماری احتیاطی تدابیر سے تھا۔

''شاید سوراخ ہوجائیں گے۔'' میں نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے اسے جواب دیا ''ہم کو ہلکی قوت کے بم نہیں مل سکے۔ جو ملا' وہ خرید لیا۔ ہمیں پسپا ہونے یا آج کے کام کو التوا میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ہونا ہے وہ آج ہی ہوجائے گا۔''

''پھر میرا یہ قیاس درست ہے کہ آج سمندر کے سینے پر وائٹ ہاک کی آخری رات ہوگی۔ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے وہ سمندر کی تہ میں جاچکی ہوگی۔'' میری وضاحت پر اس کی آواز میں طمانیت جھلکنے لگی۔

''تمہاری خوشنودی کے لیے میری دلی دعا ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آج تم آلات اور بارودی بموں کے بکس وائٹ ہاک کے پینڈے میں لگادو' کل کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اسے اڑا دیا جائے گا۔''

''کس بات کا جائزہ لوگے.....؟'' اس نے مضطربانہ آواز میں کہا ''جو کرنا ہے' آج کی رات کرگزرو تاکہ میں آنے والا دن خوشی کے ساتھ گزار سکوں۔ وقت کی بربادی سے ہم کوئی فیض حاصل نہیں کرسکیں گے۔''

وہ اپنی بات پر اڑ جانے کے موڈ میں نظر آرہی تھی۔ میں نے اس کی مرضی کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ''تمہارے مزاج پر عجلت سوار ہے۔ راجن کے خلاف ہمارے اور تمہارے جذبات میں یکسانیت ہے۔ اگر تم سب کچھ آج ہی کرلینا چاہتی ہو تو یہ بھی ہوجائے گا۔''

''منصوبہ بے شک تمہارا ہے لیکن اس میں کلیدی کردار میرا ہے۔ یہ میری کامیابی ہوگی۔'' وہ خوش ہوکر بولی۔

''ہمیں کام سے مطلب ہے۔ تم یہ سہرا اپنے سر باندھنا چاہتی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' چاؤ فان نے اپنی زبان کھولی۔

''یہ میرے اور تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ بھارت سے آیا ہوا ایک پردیسی ہمارے شہر پر راج کررہا ہے۔ ہماری عورتوں کی عزتیں تاراج کررہا ہے اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''اب اس کا وقت پورا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ تمہارا ماسٹر بھی اپنے خدوخال سے راجن کا ہم وطن معلوم ہوتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اچھا ہے کہ ان کی آپس کی لڑائی میں ہمارا شہر باہر کی گند سے پاک ہو جائے گا۔''

لی نے میری قومیت کا سوال چھیڑ کر مجھے مضطرب کر دیا۔ وہ ہم سے مل گئی تھی لیکن میں اس پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے ان دونوں کی گفتگو کو وہیں ختم کرنے کے ارادے سے چاؤ فان سے کہا ''ساحل اب تک نظر نہیں آیا۔ کیا تم ہمیں ملائیشیا لے جا رہے ہو؟''

''ماسٹر! تم نے مجھے گاڑی کی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی تھی۔'' اس نے حیرت سے کہا مگر میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی۔

''میں منزل پر پہنچنے سے پہلے لی سے مذاکرات مکمل کرنا چاہ رہا تھا۔ کھل کر ہر بات ہو گئی ہے۔ اب رفتار بڑھا لو۔''

چاؤ فان تیز رفتاری کا شوقین تھا۔ ایک خفیف سے ہچکولے کے ساتھ اس کی گاڑی کی رفتار تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔

''علی خاصا شریف اور ملنسار آدمی نظر آتا ہے۔'' چند ثانیوں کے بعد لی کی شوخ آواز ابھری ''تم نے بلاوجہ اس کی خوفناک تصویر کھینچی تھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ یہ خاصا تند خو اور ترش رو آدمی ہوگا۔''

''مادام! یہ تمہاری پہلی ملاقات ہے۔'' چاؤ فان نے بجھی ہوئی آواز میں کہا ''ماسٹر کو ایک بار اس کے اصل روپ میں دیکھو گی تو بے تکلفی سے اس کا نام لینا بھول جاؤ گی۔''

''اس کے لیے ماسٹر کا لقب اچھا لگتا ہے۔ میں بھی اسے یہی کہوں گی۔'' لی از خود میرا مفروضہ نام لینے سے دست بردار ہو گئی۔

دلوں کی باتیں زبان پر آ جانے کے بعد ہمارے درمیان تناؤ ختم ہو گیا۔ فضا نہایت دوستانہ ہو گئی اور بقیہ سفر ہنستے بولتے ہوئے طے ہو گیا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ چاؤ فان نے لی کی موجودگی میں اپنی زبان پر قابو رکھا ہوا تھا۔ ساری باتیں سن لینے کے بعد اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مفاہمت ہو جانے کے باوجود میں نے لی پر اندھا اعتماد کرنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

سست روی میں خاصا وقت برباد کرنے کے باوجود ہم دو بجنے سے ذرا پہلے اس ساحلی کھاڑی تک پہنچ گئے جہاں چاؤ فان کے پانچ آدمی اپنی جنگی تیاریوں کے ساتھ ہماری آمد کے منتظر تھے۔

چند پتھریلے ٹیلوں کی اوٹ میں چھپی ہوئی وہ بحری کھاڑی دیکھ کر میں دل ہی دل میں چاؤ فان کے انتخاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں وہ کھاڑی ہمارے لیے ایک بہترین پناہ گاہ تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہم نے کئی کلومیٹر لمبے کچے ناہموار اور تاریک راستے پر سفر کیا تھا۔ ساحلی سڑک سے دور واقع ہونے کی وجہ سے وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا۔

ساحل کے ساتھ سمندر کی لہروں کے ٹکرانے کا دھیما شور فضا میں گونج رہا تھا۔ کھاڑی میں آنے والی لہریں پتھروں سے ٹکرا کر دور تک ہلکی سی پھوار برسا رہی تھیں۔ لہروں کے سینے پر دو چھوٹی موٹر بوٹس ہچکولے کھا رہی تھیں۔ انہیں موٹی رسیوں کے ساتھ ایک ابھری ہوئی چٹان سے باندھ دیا گیا تھا۔

''میں تین آدمیوں کے ساتھ پہلی بوٹ میں نکلوں گا۔'' چاؤ فان نے اپنی مادری زبان میں اپنے آدمیوں سے مختصر گفتگو کرنے کے بعد مجھے بتایا ''یہ حصہ سمندر میں کافی آگے نکلا ہوا ہے اس لیے ہمیں بندرگاہ یا شہر کی روشنیاں نظر نہیں آ رہیں مگر وائٹ ہاک یہاں سے زیادہ دور لنگر انداز نہیں ہے۔ ہماری بوٹ گہرے سمندر میں ایک لمبا چکر کاٹ کر وائٹ ہاک کی دوسری جانب پہنچے گی۔ بوٹس میں ہتھیاروں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ ہمیں وائٹ ہاک کے قریب منڈلاتا ہوا دیکھ کر اس کے محافظ پوری طرح ہماری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ انہوں نے ہمیں بھگانے کے لیے ہوائی فائرنگ میں پہل نہ کی تو ہم خود انہیں چھیڑیں گے تاکہ وہ اپنی ساری توجہ ہماری بوٹ پر مرکوز کر دیں۔ فائرنگ شروع ہونے کے بعد وہ اسی طرف جم جائیں گے۔ تم فائرنگ شروع ہونے کے بعد یہاں سے سیدھے نکلو گے اور وائٹ ہاک کی روشنیاں تمہارے سامنے ہوں گی۔ تم محفوظ فاصلے پر بوٹ روک کر مادام کو اس کے غوطہ خوری کے لباس میں سمندر میں اتار دو گے۔ اس دوران میں ٹرانسمٹر پر ہمارا آپس میں رابطہ رہے گا۔ مادام کی واپسی کے ساتھ ہم بھی فرار ہو کر اسی کھاڑی میں لوٹ آئیں گے۔''

''تمہارے دونوں آدمی صرف ملاح ہیں یا لڑنا بھڑنا بھی جانتے ہیں؟'' لی نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ کھاڑی کا ماحول دیکھ کر وہ فکرمند ہو گئی تھی۔

''یہ پانچوں بنکاک کے بہترین نشانچی ہیں۔ سب ہتھیاروں کے استعمال میں ماہر ہیں۔ رائفل سے اڑتی ہوئی مکھی کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔'' چاؤ فان نے فخر سے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

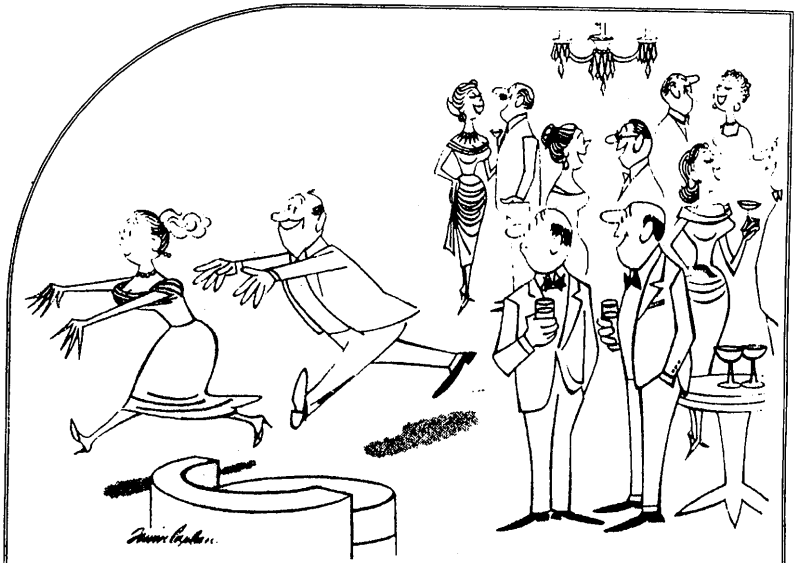

''پیٹر واقعی نشے میں ہوش وحواس بالکل کھو بیٹھا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی..... اپنی ہی بیوی کے پیچھے بھاگ رہا ہے!''

اپنے تینوں ساتھیوں کو ایک بوٹ میں بھیج کر چاؤ فان ہمارے ساتھ ہولیا۔

فائبر کی بنی ہوئی مضبوط بوٹ کو کنارے پر کھینچنے کے باوجود ہمیں اتھلے پانی میں سے گزر کر اس پر سوار ہونا پڑا۔ بوٹ واقعی چھوٹی تھی۔ اس کا کیبن برائے نام تھا۔ جسے ایک پارٹیشن کے ذریعے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اگلا حصہ بوٹ کے پائلٹ کے لیے تھا۔ وہ اپنے معاون کے ساتھ ادھر چلا گیا۔ چاؤ فان ہم دونوں کے ساتھ عقبی حصے میں آ گیا جہاں دھیمی روشنی میں غوطہ خوری کا ایک مکمل کاسٹیوم' آکسیجن سلنڈر سمیت نظر آ رہا تھا۔ کیبن کی آرام دہ نشستوں کے نیچے دو رائفلیں اور ان کے میگزین کی وافر مقدار موجود تھی۔

چاؤ فان نے کیبن کا ایک دیوار گیر خانہ کھولا اور وہاں سے ایک وائرلیس اپریٹس نکال کر میرے حوالے کرتا ہوا بولا ''اس خانے میں ریوالور اور چند ہلکے دستی بم بھی موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم کو ان میں سے کسی چیز کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہمارے ساتھ چاند ماری میں الجھ جانے کے بعد وائٹ ہاک کے محافظ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ دوسری طرف سے ان کی لانچ کے خلاف کوئی خاموش کارروائی ہو رہی ہے۔''

''تم نے خاصا محفوظ اور شیطانی منصوبہ بنایا ہے۔'' لی نے توصیفی لہجے میں کہا ''راجن کے آدمی بے خبری میں مارے جائیں گے۔''

''یہ وہ دونوں واٹر پروف بکس ہیں جن میں بارود اور جاسوسی کے آلات موجود ہیں۔'' چاؤ فان نے ایک نشست کے نیچے سے دونوں بکس نکال کر اوپر رکھ دیے۔

لی نے ایک بکس کو ہاتھ میں اٹھا کر تولا اور ایک گہرا سانس لے کر بولی ''میں ان کے وزن سے ڈر رہی تھی۔ یہ تو بہت ہلکے ہیں۔ انہیں پانی میں لے جانا زیادہ دشوار نہیں ہوگا۔''

چاؤ فان نے لی کو ان مقناطیسوں کے استعمال کا طریقہ سمجھایا جو واٹر پروف بموں سے بندھے ہوئے تھے۔ لی کو اپنے دام میں لانے کے لیے چاؤ فان نے جاسوسی کے آلات کی کہانی گھڑی تھی ورنہ ان دونوں بکسوں میں مہلک بارود کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بعد میں مجھے چاؤ فان سے پتا چلا کہ اس نے بکس کا لفظ دانستہ استعمال کیا تھا۔ درحقیقت وہی بکس امریکی ساخت کے واٹر پروف بم تھے جنہیں ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلایا جا سکتا تھا۔

ہماری کامیابی کی دعا کے ساتھ چاؤ فان ہماری بوٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے اتر کر پانی میں چھپ چھپ کرتا ہوا اپنی بوٹ پر چلا گیا جو ہم سے ذرا دور، اتھلے پانی میں ڈول رہی تھی۔

اس کے سوار ہوتے ہی دو آدمی نیچے اترے، انہوں نے چٹان سے رسے کھول کر دونوں بوٹس پر اچھالے پھر ہماری کشتی کو کنارے سے دھکیل کر پانی میں اتار دیا۔

اس دوران میں چاؤ فان کا تیسرا ساتھی اپنی بوٹ کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ ہماری بوٹ کو سمندر کے پانی میں اتارنے کے بعد بقیہ دونوں آدمی بھی دوڑ کر اپنی بوٹ پر چڑھ گئے۔ سرمئی رنگ کی اس بوٹ کی تمام دھیمی روشنیاں گل ہوگئیں، بوٹ کے انجن کی غراہٹ تیز ہوئی اور لمحہ بھر بعد میں وہ گھوم کر سبک رفتاری کے ساتھ کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوگئی۔

گہری تاریک رات میں، میں چاؤ فان کی بوٹ کی روانگی کا منظر دیکھتا رہا۔ چند منٹ بعد وہ بوٹ اونچی سمندری لہروں کی اوٹ میں اوجھل ہوگئی۔ چاؤ فان نے اپنی منصوبہ بندی میں ساری جزئیات کا پورا خیال رکھا تھا۔ اپنی دونوں بوٹس کی شناختی علامات مٹانے کے لیے اس نے ایسے رنگ کا انتخاب کیا تھا جو سمندر کے سینے پر پھیلی ہوئی تاریکی میں پوری طرح مدغم ہوگیا تھا۔

''ماسٹر! آؤ میرا لباس بدلوا دو!'' لی نے میرا بازو دبا کر دھیرے سے کہا۔

وہ میرے لیے مشکل ترین مرحلہ تھا، انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں دو قدم بڑھ کر بوٹ کے کیبن میں پہنچ گیا۔

اسی وقت ہماری بوٹ کا انجن بھی چلا دیا گیا۔ متلاطم لہروں میں بھٹک کر بوٹ پتھروں سے ٹکرا سکتی تھی۔ اسے کسی ناگہانی حادثے سے بچانے کے لیے انجن کے کنٹرول میں رکھنا ضروری تھا۔

''کہو، اب کیا ارادہ ہے!'' لی نے چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں دیکھتے رہنے کے بعد اپنی بائیں آنکھ دبا کر پوچھا۔ ''میں کپڑے اتار دوں؟''

''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' میں نے اس سے نظریں چرا کر اس کا ڈائیونگ کا سٹیوم اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم ان کپڑوں پر بھی کا سٹیوم پہن سکتی ہو۔''

''ارادہ یہی تھا۔'' وہ ہلکی سی شوخ ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''اسی لیے میں ٹی شرٹ اور چست جینز پہن کر آئی تھی۔ اب ارادہ بدل رہا ہے۔ ہمیں چاؤ فان کے سگنل کا انتظار کرنا ہے تو کیوں نہ اس وقت کو بہتر انداز میں گزاریں۔ عورتوں کے معاملے میں تم کچھ مغرور سے نظر آتے ہو۔ مجھے دیکھو اور محسوس کرو گے تو تمہارا غرور پگھل جائے گا۔''

''لی! تم بہک رہی ہو۔'' میں نے اپنی بائیں کنپٹی مسلتے ہوئے کہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے لی کی باتوں سے میرا دوران خون تیز ہوگیا ہو۔

''ماسٹر! تم مجھے نظر انداز کر رہے ہو!'' یکا یک اس کا لہجہ شکایتی ہوگیا۔

''نظر انداز نہیں کر رہا، میں تمہارے ارادوں سے خوف زدہ ہوں۔ اس چھوٹی سی بوٹ پر صرف ہم دونوں نہیں ہیں، چند فٹ کے فاصلے پر چاؤ فان کے دو آدمی بھی موجود ہیں۔ کوئی تماشا دیکھ کر وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔ ہم یہاں پکنک منانے کے لیے نہیں، کشت و خون کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔''

''مجھے ان دونوں کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ ان کا خون ٹھنڈا اور دماغ ماؤف ہوتے ہیں۔ انہوں نے چاؤ فان سے کچھ کہا تو وہ اس الزام میں ان کی چمڑی گرا دے گا کہ یہ اپنا کام چھوڑ کر تاک جھانک کیوں کر رہے تھے!'' اس نے بے باکی سے سرگوشی کی۔

میں نے ڈائیونگ کا سیٹوم اس کی طرف بڑھا کر اسے نرمی سے پیچھے دھکیل دیا۔ ''ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ کسی بھی لمحے سگنل آجائے گا۔ اس وقت تم تیار نہ ہوئیں تو آج کا مشن برباد ہو جائے گا۔ تمہاری بہن کا لہو انتقام، انتقام پکار رہا ہے اور تم جذبات کی رو میں بہی جا رہی ہو۔ یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ہم کل بھی ملیں گے۔''

اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے اپنے جوتے اتارے اور غوطہ خوری کا لباس پہننا شروع کر دیا۔ شاید میرا کہا ہوا کوئی لفظ یا فقرہ صحیح نشانے پر لگ گیا تھا۔

اس کے لیے وہ لباس پہننا آسان نہیں تھا۔ مجھے اس کی مدد کرنا پڑی۔ چند منٹ کی کوشش کے بعد وہ اس لباس میں بہ خوبی سما گئی۔ میں نے اس کی پشت پر آکسیجن کا سلنڈر کسا، اس کی نلکیاں سر اور چہرے کے ہڈ سے جوڑیں۔ زپ، بیلٹ اور ڈوریاں کسیں۔ لی نے شفاف شیلڈ کے پیچھے پلکیں جھپکا کے چند گہرے سانس لیے اور پھر ہیڈ گیئر پیچھے الٹ دیا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔ ''اب دونوں بکس میری بیلٹ کے ساتھ باندھ دو۔ یہ یاد رکھنا کہ میری کمر سے بندھی ہوئی ڈوری کا دوسرا سرا تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو میں اس گھور اندھیرے میں بوٹ تک واپس نہیں آسکوں گی۔ بھٹک گئی تو وائٹ ہاک والوں کی گولیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے چاٹ جائیں گی۔ میری لائف لائن تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔"

"تم فکر نہ کرو، ڈوری مضبوط اور بہت لمبی ہے۔ کم پڑی تو میں اس سے دوسرا لچھا جوڑ لوں گا۔ تم بھٹک گئیں تو مجھے کل شام کی چائے کون پلائے گا!"

آخری فقرہ، میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا تھا۔ رات کے اندھیرے میں سمندر میں اترنے کے لیے بڑے حوصلے کی ضرورت تھی۔ اس وقت لی کا دل بڑھانا اور اس کے دل میں امید کا زندہ رکھنا ضروری تھا۔ میرے الفاظ پر اس کی نگاہیں چمک اٹھیں۔

لی کے عزائم کی راہ میں غوطہ خوری کا لباس حائل ہو چکا تھا۔ وہ اس دہرے لباس سے آسانی سے باہر نہیں آسکتی تھی۔ میں نے مطمئن ہو کر دونوں ریموٹ کنٹرولڈ بم، یکے بعد دیگرے اس کی کمر کے گرد پڑی ہوئی بیلٹ سے باندھ دیے۔

چھوٹے سے کیبن کے دائیں بائیں اتنی مختصر سی راہ داری تھی کہ ایک وقت میں ایک شخص ہی وہاں سے گزر سکتا تھا۔ ہم دونوں وہاں سے نکل کر بوٹ کے پچھلے حصے میں چلے گئے جہاں سمندر سے لطف اندوز ہونے کے لیے کشادہ جگہ موجود تھی۔

بوٹ کا انجن چل رہا تھا۔ کھاڑی کے اردگرد پھیلی ہوئی چٹانوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ہماری بوٹ پانی میں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔ ادھر سے آنکھیں بند کر لی جائیں تو ہچکولوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سفر کا آغاز ہو چکا ہو۔

"ماسٹر! اس پر چراغاں ہو رہا ہے۔ ہم اپنی تمام روشنیاں گل کر کے، اندھیرے میں اپنا سفر تقریباً طے کر چکے ہیں، ہدف ہمارے اور تمہارے درمیان آچکا ہے۔ وہ اپنی انفرا ریڈ دوربینوں سے کسی بھی لمحے ہم کو دیکھ لیں گے اور فضا بارودی نغموں سے گنگنا اٹھے گی۔" کچھ دیر بعد چاؤفان نے اچانک ٹرانسمٹر پر بولنا شروع کر دیا۔

"تم چہک رہے ہو۔ یہ اچھی علامت ہے!" اس کے خاموش ہو جانے پر میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "ہم تیار ہیں اگر وہاں طرب و نشاط کی محفلیں جمی ہوئی ہیں تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ اور بھی اچھا ہے۔ سب اپنی دھن میں مگن ہیں۔ ہماری کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔"

"تمہاری عقل پر سمندری جھاگ جمع ہو رہے ہیں۔ گولیاں چلیں گی تو وہاں بھگدڑ مچے گی۔ بدحواس رنگیلے ہر طرف نکل کھڑے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی ہمیں دیکھ

تفریحی ادب کی شاہراہ پر ایک اور سنگ میل

ایک ایسا ماہنامہ جسے خواتین کی تمام تر دلچسپیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا جا رہا ہے

دوشیزاؤں کے دلوں میں گھر کرنے بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے

☆ مشہور و معروف قلم کار اور کہانی کاروں کی کاوشیں

☆ افسانے، ناول، سچی کہانیاں، شاعری اور دیگر مستقل سلسلوں کے علاوہ کچھ نئی نئی روایتیں اور جدتیں

☆ قانونی مشاورت ☆

ایک ماہر قانون سے روزمرہ کے قانونی مسائل پر مشاورت کا مستقل کالم

☆ بول کہ لب آزاد..... ☆

آپ کے اپنوں سے شکوے شکایتیں، دل کی باتیں اور پیغامات

☆ سوسنار کی ☆

آپ کے چٹ پٹے سوال اور پھڑکتے جواب

☆ ایک شہر ایک افسانہ ☆

ٹیلنٹ ہنٹ کے ذیل میں ہر ماہ ایک نئی مصنفہ کا افسانہ اس کے شہر کے تعارف کے ساتھ

جذباتی ناول اور دلوں کو چھو لینے والی قسط وار کہانیاں اور وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہیں

ان تمام سلسلوں میں شرکت کے لئے اپنی نگارشات، سوالات، افسانے، تعارف ہمیں جلد از جلد ارسال کریں تاکہ اولین شمارے کی زینت بن سکیں

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C PHASE II EXTENSION,
D.H.A., MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا ہے۔ یہ تشویش ناک صورتِ حال ہے۔''

اچانک فضا ایک فائر کی آواز سے لرز اٹھی۔

''لو، پہلی گولی آ گئی!'' اپریٹس پر چاؤ فان کی پُر جوش آواز ابھری۔ ''اب جو ہوگا، دیکھ لیا جائے گا۔ تم محتاط رہنا۔''

فائر سنتے ہی لی نے چیخ کر کچھ کہا۔ ہماری بوٹ فوری طور پر حرکت میں آ گئی۔ یکا یک اس کی روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔

پائلٹ نے دھیمی رفتار سے بوٹ کو گھما کر اس کا رخ سیدھا کیا پھر اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اسپیڈ بوٹ چھوٹی ضرور تھی لیکن اس کا انجن بہت طاقتور تھا۔ سمندری راستے سے اسمگلنگ اور دوسرے ہیر پھیر کرنے کے لیے بوٹس کا برق رفتار ہونا ضروری تھا۔ چاؤ فان مجھے بتا چکا تھا کہ وہ دونوں بوٹس اس کی ملکیت تھیں۔ علامات بتا رہی تھیں کہ کالے دھندوں کے معاملے میں چاؤ فان بھی راجن سے کم نہیں تھا؟

چند منٹ بعد ہماری بوٹ ساحلی چٹانوں کی دیوار کی اوٹ سے نکلی تو ہمیں سمندر میں لنگر انداز وائٹ ہاک نظر آ گئی۔ اس کے عرشے سے لے کر نچلی منزلوں کی تمام راہ داریاں روشنی میں نہائی ہوئی تھیں۔ ان سے نیچے روشن پورٹ ہول نظر آ رہے تھے۔ وائٹ ہاک اپنے سفید رنگ کی وجہ سے تاریک سمندر میں بہت ممتاز نظر آ رہی تھی۔

وائٹ ہاک سے بہت دور، پس منظر میں ہاربر کی نند اسی روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ ہم سب سے اتنی دور تھیں کہ وہاں چلنے والی گولیوں کی آواز کا وہاں تک پہنچنا ممکنات میں سے تھا۔

فضا میں تواتر کے ساتھ فائرنگ کا شور گونج رہا تھا۔ چاؤ فان نے منصوبے کے مطابق وائٹ ہاک والوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

''لہروں کے مہیب اور دھیمے شور میں گولیوں کی آوازیں میرا دل اڑا رہی ہیں۔'' لی نے میرے شانے پر جھک کر سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ فائرنگ کے تبادلے سے اس کا حوصلہ کمزور پڑ گیا تھا۔

''فکر نہ کرو، چاؤ فان نے انہیں اپنی طرف الجھا لیا ہے۔ فی الحال ہماری طرف کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چند منٹ بعد تم پانی میں اتر کر اور زیادہ محفوظ ہو جاؤ گی۔''

وائٹ ہاک کھلے سمندر میں کسی دیو پیکر، سفید عفریت کی طرح ساکت کھڑی ہوئی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس پر بھگدڑ مچ گئی۔ متعدد انسانی ہیولے اس لانچ کی روشن راہ داریوں میں افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے۔

اچانک ہماری بوٹ کی رفتار کم ہونے لگی۔ اس کے ساتھ اس کا رخ بھی بدل گیا۔ وہ وائٹ ہاک کی طرف بڑھنے کے بجائے اس کے متوازی ہو گئی تھی۔

پائلٹ کیبن سے کسی نے اونچی آواز میں کچھ کہا اور لی اچانک سیدھی ہو گئی۔

''پیغام میرے لیے تھا۔'' اس نے اپنے سراپا پر نظر ڈالتے ہوئے مجھے بتایا۔ ''آگے بڑھنے کی صورت میں ہم ان کی فائرنگ رینج میں آ جائیں گے۔ ناخدا مجھے پانی میں اترنے کے لیے کہہ رہا ہے..... میں جا رہی ہوں۔''

میں نے لی کی طرف دیکھا۔ آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی روشنی میں مجھے اس کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک نظر آئی۔ اس نے اپنا ہیڈ گیئر شانوں پر گرایا، میں نے ڈوری کی چرخی پر ہاتھ رکھا، لی نے میری طرف ہاتھ لہرایا اور ایک پرشور چھپاکے کے ساتھ سمندر میں کود گئی۔

ہموار لہروں میں پیدا ہونے والا ارتعاش چند لمحوں میں، بلبلوں کی طرح غائب ہو گیا، لی سطحِ سمندر سے نیچے تیر رہی تھی اور چرخی سے ڈوری تیزی سے کھلتی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ہماری بوٹ تھم چکی تھی۔ وہ لہروں کے زور پر آگے پیچھے ہو رہی تھی۔ اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے ہمارا بوٹ پائلٹ وقفے وقفے سے انجن سے کام لے رہا تھا۔

فائرنگ میں زبردست تسلسل آ گیا۔ وائٹ ہاک سے کئی آتشیں ہتھیار استعمال کیے جا رہے تھے۔ جن کی بھیانک آوازیں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

میں نے اندھیرے میں چرخی پر اپنا داہنا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اس پر لپٹی ہوئی نائلون کی مضبوط ڈوری اتنی تیزی سے کھل رہی تھی کہ اس کی رگڑ سے میری ہتھیلی اور انگلیوں میں خاصی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لی پانی کی سطح سے چند انچ نیچے رہ کر بہت تیزی سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہی تھی۔

ابتدا میں اسے گہرائی میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سطحِ سمندر سے نیچے رہ کر تیز رفتاری سے وائٹ ہاک تک پہنچنا تھا۔ اس کے لیے بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اپنی سمت درست رکھنے کے لیے وہ وقفے وقفے سے سطحِ آب پر ابھر کر... پُرشکوہ وائٹ ہاک پر نظر ڈال سکتی تھی۔ اس لانچ کے قریب پہنچنے کے بعد اسے گہرائی میں اتر کر وائٹ ہاک کے پانی میں ڈوبے ہوئے پیندے تک پہنچنا تھا۔ وہاں ذرا سی دیر میں وہ اپنا کام مکمل کر سکتی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلون کی ڈوری کی رگڑ سے پیدا ہونے والی گرمی ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ ہٹا کر بایاں ہاتھ وہاں رکھ دیا۔ اس وقت وہ چرخی میرے لیے لی کی نبض بنی ہوئی تھی۔ جب تک وہ وائٹ ہاک کے قریب نہ پہنچتی، ڈوری کھلتی چلی جاتی۔ اس کے منزل پر پہنچنے کے بعد وہ عمل برائے نام رہ جاتا اور مجھے اندازہ ہو جاتا کہ اس نے لانچ کے پیندے میں بم چپکانے کے کام کا آغاز کر دیا تھا۔

میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریک سمندری لہروں کو دیکھتا رہا جو وائٹ ہاک سے آنے والی روشنیوں کے انعکاس میں کہیں کہیں چاندی کے جگمگاتے ہوئے عفریت کی طرف چمک رہی تھیں۔ ان میں لی کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔ چرخی کی حرکت بتا رہی تھی کہ اس کا سفر جاری تھا۔

دوسری طرف گولیاں چل رہی تھیں۔ تاریک فضا میں روشن انگارے وائٹ ہاک کی طرف آتے اور جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے، لانچ کے محافظ چاؤ فان کی بوٹ کو غرق کرنے پر تل گئے تھے اور وہ قطعی طور پر ان کی زد سے دور رہ کر ان کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔ وائٹ ہاک والوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہنگامی طور پر لنگر اٹھا کر حرکت میں آ سکیں۔

تھوڑی دیر کی زبردست افراتفری اور بھاگ دوڑ کے بعد وائٹ ہاک کی نظر آنے والی روشن راہ داریاں ویران ہو چکی تھیں۔ شراب و شباب کے خمار میں بدمست لوگ گولیوں کی آوازوں سے دہشت زدہ ہو کر شاید اس سفید لانچ کے کونوں کھدروں میں جا گھسے تھے۔ وائٹ ہاک کے ان بد حواس مہمانوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہماری سمت میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس بارے میں میرے اندیشے بے بنیاد ثابت ہو رہے تھے۔

اچانک وائٹ ہاک کے عرشے پر پھیلی ہوئی تیز روشنی کم ہو گئی۔ چاؤ فان کی طرف سے آنے والی ایک گولی نے عرشے کی ایک سرچ لائٹ کو نشانہ بنا لیا تھا۔

''ماسٹر! مزہ آ گیا!'' اپریٹس پر چاؤ فان کی پرجوش آواز ابھری۔ ''کاش! میری بوٹ بارود سے لدی ہوتی اور میں اسے وائٹ ہاک سے پوری رفتار سے لڑا سکتا۔ ہماری رائفلوں کی رینج ان سے زیادہ ہے۔ ابھی ابھی ہم نے ان کی ایک قیمتی سرچ لائٹ تباہ کی ہے۔''

میرا بایاں ہاتھ چرخی کی حرکت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے داہنے ہاتھ سے اپریٹس کا بٹن دبا کر کہا۔ ''خود پر قابو رکھو۔ تم کو خودکشی کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ انہیں مزید نقصان پہنچانے کی کوشش کرو، وہ کسی بھی لمحے وہاں پہنچ جائے گی۔''

چرخی کی حرکت تھم گئی۔ ڈور کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے، لی اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

''ماسٹر! یہ میری زندگی کا سب سے بڑا آپریشن ہے۔'' چاؤ فان اسی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''ہم کامیاب ہو گئے تو کالے شیطان کا منہ کالا ہو جائے گا۔''

''وہ پہنچ چکی ہے۔ ذرا سی دیر میں کام پورا ہو جائے گا۔'' میں نے اسے مطلع کیا۔ اس بار میں اپنے جوش پر قابو رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

''تمہیں کیسے پتا چل گیا؟'' اس کی بے ساختہ آواز تحیر زدہ تھی۔ اس میں واحد خرابی یہی تھی کہ وہ اپنی عقل کے استعمال میں کفایت سے کام لیتا تھا۔

اسے پوری تفصیل بتانے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''وہ چڑیل ہے اور میں جن..... ہمارے درمیان غیر مرئی رابطہ استوار ہو چکا ہے۔''

''مجھے یہ معلوم تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔'' اس خطرناک ماحول میں بھی اس نے میری کہی ہوئی بات سے کوئی اور مفہوم اخذ کر لیا۔ ''وہ قیامت کی عورت ہے۔ تم پر شروع سے اس کی نیت خراب تھی..... لو، ان کی ایک اور سرچ لائٹ گئی۔''

اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ اس بار گولی لگتے ہی وائٹ ہاک کی ایک سرچ لائٹ تیز دھماکے سے پھٹی تھی۔ وہ دھماکا گولیوں کے شور میں نمایاں تھا۔

کامیابی کے آثار چاؤ فان کے ساتھ میرے ذہن پر بھی اثر انداز ہو رہے تھے مگر میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ڈور والی چرخی تقریباً ساکت ہو چکی تھی۔ میں نے چشمِ تصور سے دیکھا کہ لی گہرے پانی میں اطمینان سے مقناطیس وائٹ ہاک کے آہنی پیندے سے چپکا رہی تھی۔ وہ بہت ہولناک اور جان لیوا مرحلہ تھا۔ لی کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے بیلٹ سے باندھے جانے والے دونوں آہنی بکسوں میں کچھ آلات کے ساتھ بارودی بم بھی موجود تھے۔ ریموٹ کنٹرولڈ ہونے کے باوجود وہ کسی بے احتیاطی کے نتیجے میں حادثاتی طور پر پھٹ جاتے تو سمندر میں لی کے چیتھڑوں تک کا پتا نہ چلتا۔ اس حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود لی نے اس کام کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھا کر اپنی دلیری اور بے خوفی کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

چرخی پر آیا ہوا تناؤ یک لخت ختم ہو گیا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ شاید لی اپنا کام ختم کر کے واپس آ رہی تھی۔ میں نے اپنے اندازے کی تائید کے لیے چرخی کو ہاتھ سے الٹا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھمایا اور ڈھیلی ڈور آسانی سے اس پر لپٹتی چلی گئی۔

میں نے کامیابی کے نشے سے سرشار ہو کر چرخی کے سرے پر لگی ہوئی آہنی کرینک کو تیزی سے گھمانا شروع کر دیا۔ ڈوری کسی رکاوٹ کے بغیر چرخی پر آنے لگی۔ چند ثانیوں میں اس کی ڈھیل ختم ہو گئی۔ کرینک کے ساتھ میرے ہاتھ کو بھی ہلکا سا جھٹکا لگا۔ دوسرے لمحے میں ڈوری پھر ڈھیلی ہو گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ لی اتنا فاصلہ طے کر چکی تھی۔

میں نے کرینک گھمانے کی رفتار کم کر دی۔ ڈھیل اور جھٹکوں کا تواتر شروع ہو گیا۔ خوشی سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم نے وہ بڑا کام اتنی آسانی سے مکمل کر لیا تھا۔

''ماسٹر! غضب ہو گیا۔'' اچانک اپریٹس پر چاؤ فان کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ ''انہوں نے کمک طلب کر لی ہے' ہاربر کی طرف سے کوئی اسپیڈ بوٹ ادھر آ رہی ہے۔ ہم رکے رہے تو مارے جائیں گے..... میں بھاگ رہا ہوں..... ادھر کیا پوزیشن ہے؟''

''ہماری فکر چھوڑو۔'' میں نے چرخی پر لپٹی ہوئی ڈوری کی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی موٹائی پر نظر ڈال کر کہا۔ ''شاید کام ہو چکا ہے۔ تم اپنی جان بچاؤ اور بھاگ کر ٹھکانے پر پہنچو۔''

فائرنگ کے شور میں یکا یک نمایاں کمی آ گئی۔ شاید چاؤ فان اور اس کے آدمیوں نے گولیاں برسانے کا سلسلہ موقوف کر کے، بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''ماسٹر! مادام کہاں ہے؟'' اس نے بوکھلائی ہوئی اور تشویش زدہ آواز میں پوچھا۔

''ابھی تک سمندر میں ہے۔ خطرہ بڑھ گیا تو میں ڈوری کاٹ کر اسے یہیں چھوڑ دوں گا اور خود واپس چل دوں گا۔'' میں نے اطمینان سے کہا۔

وہ میرے الفاظ تھے، میرا ان پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لی نے ہمارے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ وہ اس رات کی ہیروئن تھی، میں کسی قیمت پر اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا، چاؤ فان نے میرے اس سنجیدہ مذاق پر اسی لمحے یقین کر لیا اور متاسفانہ آواز میں بولا۔

''ماسٹر! تم بہت سنگ دل اور سفاک ہو، اس کے ساتھ ایسا ظلم نہ کرنا۔ میری مانو تو ڈوری مت کاٹو، اسی طرح وہاں سے چل دو، وہ کسی زیرِ آب چٹان سے ٹکرا کر نہ مری تو کسی نہ کسی طرح بوٹ پر آ جائے گی۔ چرخی لاک کر دو اور چل پڑو۔''

چاؤ فان کے الفاظ سے اس کا دلی کرب جھلک رہا تھا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ ان نازک لمحات میں اس کے دل میں میری سفاکی کی دہشت بیٹھ گئی تو وہ مجھ سے ایک پل کے لیے بھی مخلص نہیں رہ سکے گا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ ''آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں، میں مذاق کر رہا تھا۔ وہ چند منٹوں میں بوٹ پر آنے والی ہے۔ اس رات کی شہزادی کو میں بے سہارا نہیں چھوڑوں گا۔''

''تم گریٹ ہو!'' وہ خوش ہو گیا۔ ''ہماری بوٹ جھاگ اڑاتی، پوری رفتار سے لوٹ رہی ہے۔ وہ سب اتنے خوف زدہ ہیں کہ ابھی تک گولیاں چلائے جا رہے ہیں، ہاربر سے آنے والی بوٹ بہت تیز رفتار ہے۔ اس کے ہیڈ لیمپ کی روشنی بھی بہت تیز ہے جو ہر لمحے قریب آتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود وہ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ ہم نے ابھی تک اپنی ساری روشنیاں بند رکھی ہوئی ہیں۔''

موجوں پر تھرکتی ہوئی ہماری بوٹ سے کچھ فاصلے پر پانی میں ہلچل ہوئی اور لی سطح پر آ گئی۔ اس نے پوری قوت سے پانی میں چند اسٹروک مارے اور بڑھ کر بوٹ کا کنارہ پکڑ لیا۔ میں نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے اوپر کھینچ لیا۔

سب سے پہلے میری نظر اس کی بیلٹ کی طرف گئی جہاں بارودی بکسوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ ہماری بوٹ کا پائلٹ اس کی واپسی کا منتظر تھا، لی نے جیسے ہی بوٹ پر قدم رکھا، انجن کی غراہٹ تیز ہوئی اور وہ واپس روانہ ہو گئی۔

لی کے لیے پیروں میں موجود لمبے لمبے فلیپرز کی وجہ سے اپنے قدموں پر حرکت کرنا دشوار تھا۔ اس نے اوپر آتے ہی سب سے پہلے ان سے چھٹکارا حاصل کیا پھر اپنا ہیڈ گیئر الٹ دیا۔ اس کے لباس سے اس وقت پانی کی دھاریں سی بہہ رہی تھیں۔ اس نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا، اس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپائے اور میں نے فتح مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر بے اختیار اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

''ماسٹر! شاید میں نے اپنی بہن کے خون کا انتقام لے لیا۔'' اس نے وفورِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی۔ ''اب ہم اس لالچ کو آزاد ہی کر دیں گے۔''

ہماری بوٹ کھلے سمندر میں تیزی سے گھومی اور ہمارا توازن بگڑ گیا۔ دونوں نے ہڑبڑا کر ایک دوسرے کو تھاما، سنبھلنے کے بعد لی نے ڈائیونگ کے وزنی لباس سے جان چھڑانی شروع کر دی، اس کا کام پورا ہو چکا تھا۔

چاؤ فان نے اس مہم کے بارے میں اپنے آدمیوں کو پوری طرح بریف کیا ہوا تھا۔ بنکاک کے سب سے طاقت ور غنڈے کے مفادات پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے وہ منصوبہ بندی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضروری تھی۔ وہ ہاربر کی طرف سے کسی اسپیڈ بوٹ کی آمد کی اطلاع دے چکا تھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور بوٹس بھی آسکتی تھیں۔ ذرا سی دیر کی بات تھی۔ اس کے بعد راجن کے آدمی، اس کے زرخرید سرکاری اہل کاروں کے ساتھ مل کر وائٹ ہاک پر حملہ کرنے والوں کی تلاش کی بڑی مہم شروع کر سکتے تھے۔

ہماری بوٹ سے ساحل پر رسا پھینکا گیا نہ اسے کنارے لے جانے کی کوشش کی گئی۔

پائلٹ نے بوٹ روک کر اپنی زبان میں کچھ کہا اور لی میرا ہاتھ تھام کر پنڈلیوں تک اونچے پانی میں کود گئی، میں نے اس کی تقلید کی ہم دونوں اس بوٹ پر خالی ہاتھ گئے تھے اور اسی طرح نیچے اتر آئے۔

ہمیں اتار کر بوٹ پانی میں گھومی اور بہت تیزی کے ساتھ کھاڑی سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس کا کھاڑی میں رکنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

پانی سے نکل کر خشک چٹان پر چڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ فائرنگ کا شور دم توڑ چکا تھا۔ شاید وائٹ ہاک والوں کو ہوش آگیا تھا کہ وہ حملہ آوروں کے فرار ہوجانے کے بعد بلاوجہ اپنا میگزین برباد کر رہے تھے۔

''مقناطیس زبردست تھے۔'' لی نے اپنی زیرِ آب مہم کے بارے میں پہلی بار زبان کھولی۔ ''ان کو آن کرتے ہی آہنی بکس خود بہ خود لانچ کے پیندے سے چپک گئے۔ وہ بندوبست نہ کیا گیا ہوتا تو سپاٹ آہنی چادروں پر کچھ بھی نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ وہ ترکیب کس کی تھی؟''

''سب نے کچھ نہ کچھ کیا ہے۔ یہ ہم سب کی مشترکہ کامیابی ہے۔''

اسی اثنا میں چاؤفان کی بوٹ ایک سیاہ دھبے کی طرح کھاڑی میں نمودار ہوئی اور واضح ہوتی چلی گئی۔ وہ بوٹ بھی کنارے تک نہیں آئی، چاؤفان کو پانی میں اتارا اور مڑ کر بہت تیزی سے واپس کھلے سمندر کی طرف روانہ ہوگئی۔

''سیدھے چلے آؤ۔ ہم انتظار کر رہے ہیں!'' چاؤفان کو ادھر ادھر نظریں دوڑاتا ہوا دیکھ کر میں نے آواز لگائی اور وہ اپنے پائنچے اوپر کر کے اطمینان سے ہماری طرف آنے لگا۔

''گاڑی میں چلو اور یہاں سے بھاگنے کی فکر کرو۔'' اس نے چند قدم کے فاصلے سے آواز لگائی۔ ''ذرا سی دیر میں چھوٹا راجن کے آدمی ہر طرف پھیل جائیں گے۔ ان کے نمودار ہونے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

اس کی بات درست تھی۔ میں لی کا ہاتھ تھام کر، اندھیرے میں چاؤفان کی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا جو سخت چٹانوں کے پیچھے موجود تھی۔

''ریموٹ کنٹرول کہاں ہیں؟'' لی نے متجسس لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔ ''مجھے دو، میں یہاں سے نکلنے سے پہلے وائٹ ہاک کو اڑانا چاہتی ہوں۔''

''وہ میرے پاس ہیں۔'' چاؤفان نے اس کی بات سن کر جواب دیا ''ابھی اس پر بہت سے خوف زدہ لوگ موجود ہیں۔ وائٹ ہاک کو نقصان پہنچا تو بھگدڑ میں بہت سے آدمی مارے جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ ایک آدھ گھنٹے میں وہ سب نکل جائیں گے۔ وائٹ ہاک کو اڑانے کے لیے چار بجے کا وقت موزوں رہے گا۔''

''تو کیا ہم کو دوبارہ یہاں آنا ہوگا؟'' لی نے چونک کر پوچھا۔ ''تم اس پر موجود لوگوں کی فکر کیوں کر رہے ہو۔ وہ سب بدمعاش، آوارہ اور راشی ہوں گے۔ تمہارا بارود اتنا طاقت ور نہیں ہے کہ اس کے پھٹنے سے وائٹ ہاک ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔ زیادہ سے زیادہ اس میں سوراخ ہوجائے گا۔ وہ دھیرے دھیرے ڈوبتی رہے گی، لوگ اس سے نکل کر بھاگتے رہیں گے۔''

لی ہوشیار عورت تھی۔ اس نے وہی کچھ کہا جو ہم لوگ پہلے سوچ چکے تھے لیکن اس وقت ہمارے لیے اس ویران کھاڑی کے قریب رکنا مناسب نہیں تھا۔ راجن کے آدمیوں کو اس سمندری علاقے میں ایسے ہر مشکوک اڈے کا علم ہونا چاہیے تھا جہاں سے خفیہ تخریبی کارروائیوں کا امکان ہوسکتا تھا۔ کچھ دیر کی بات تھی پھر سمندر کے راستے اس کے مسلح آدمی ہماری تلاش میں اس کٹاؤدار پہاڑی ساحل پر پھیل جاتے۔

''ابھی یہاں سے نکلو۔'' میں نے اسے گاڑی کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا، یہ باتیں ہم گاڑی میں بھی کر سکتے ہیں۔''

ہم گاڑی میں سوار ہوئے اور چاؤفان نے اس بار ہیڈ لیمپس روشن کیے بغیر، احتیاط اور سست روی سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

اس کچے اور ناہموار راستے پر روشنی کے بغیر گاڑی چلانا چاؤفان ہی کا کام تھا۔ ہم کسی گہرے گڑھے یا کھڈ میں پھنسے بغیر، شدید ہچکولے کھاتے ہوئے، کچھ دیر بعد پختہ سڑک پر جا نکلے اور چاؤفان نے گاڑی سڑک پر چڑھاتے ہی ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

اس دوران میں میرا ذہن وائٹ ہاک والوں میں الجھا رہا۔ انہیں بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکا ہوگا کہ انہیں فائرنگ میں الجھا کر ان کی لانچ کی غرقابی کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس کے اس خیال سے متفق تھا کہ ہمیں ایک بار اپنا کام پورا کر کے وہاں سے لوٹنا چاہیے۔ بموں کے استعمال کا التوا کسی طرح مناسب نہیں تھا۔

وہ دونوں ایک زبردست مہم کے بعد یک جا ہوئے تھے اور ایک دوسرے کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کر رہے تھے۔

''ماسٹر! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' ویران اور... خطرناک علاقے کی حدود سے نکل آنے کے بعد چاؤفان نے مجھ سے پوچھا۔

''کسی ایسے مقام کی طرف چلو جہاں سے وائٹ ہاک کو دیکھا جا سکے۔'' میں نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں اسے ہدایت دی۔

''اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ تم بھی مادام کے ہم خیال ہو گئے!'' وہ افسردہ لہجے میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن لی کی موجودگی کی وجہ سے اس نے ادھوری بات ختم کر دی۔

''جو کام اس وقت ہو سکتا ہے اسے کل پر کیوں چھوڑا جائے، صرف دو بٹن دبانے رہ گئے ہیں لی کے دل کا ارمان بھی پورا ہو جائے گا۔''

''اس وقت یہاں ہلچل شروع ہونے والی ہے۔ ایک طرف چھوٹا راجن کے آدمی نکل آئیں گے۔ دوسری طرف سرکاری اہل کار اور پولیس والے بھی سرگرم ہو جائیں گے۔ فائرنگ کا جم کے تبادلہ ہوا تھا۔ وہ آوازیں دور دور تک سنی گئی ہوں گی۔'' چاؤفان نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

میں نے اس کی بات سنی اَن سنی کر دی۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی مشتبہ چیز موجود نہیں تھی۔ دو ننھے سے ریموٹ کنٹرول رہ گئے تھے۔ ایک مرتبہ استعمال کے بعد وہ بھی ناکارہ ہو جاتے اور کسی ڈسٹ بن میں پھینک دیے جاتے۔

اتنی رات گئے پورٹ ایریا میں مٹرگشت کو مشتبہ تصور کر کے کوئی پولیس پارٹی ہمیں روک لیتی تو اسے ہمارے پاس سے کچھ نہیں مل سکتا تھا۔

چاؤفان نے پورٹ کے حساس اور ممنوعہ علاقے سے دور، ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے ہم اپنی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے وائٹ ہاک کو دیکھ سکتے تھے۔

فضا میں دھند یا کہر کا نام و نشان نہیں تھا۔ موسم بالکل صاف تھا اور پھر وائٹ ہاک پر تیز روشنیاں جل رہی تھیں۔ ہمیں وہ لانچ صاف نظر آ رہی تھی۔

فائرنگ کی زد میں آنے والی سرچ لائٹس کا کوئی متبادل بندوبست ہو جانے کے بعد اس لانچ کا عرشہ بہت روشن تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ کئی منزلہ بوٹ کا وسطی ڈیک کھلا ہوا تھا اور اس سے بہت سے لوگ ایک موٹر بوٹ پر اترتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ مقابلہ ہونے کے بعد شاید وائٹ ہاک کے سارے پروگرام منسوخ کر دیے گئے تھے اور مطلع صاف ہوتے ہی مہمانوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

وائٹ ہاک کے آس پاس کئی چھوٹی کشتیاں بھی منڈلا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے پورے زور و شور سے حملہ آوروں کی تلاش کی مہم شروع کی ہوئی تھی۔ سب کی توجہ کھلے سمندر کی طرف اور اس سمت میں مرکوز تھی جدھر چاؤفان کی اسپیڈ بوٹ فرار ہوئی تھی۔ جہاں ہم موجود تھے، وہاں دور دور تک کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔

''وائٹ ہاک خالی ہو رہی ہے، وہاں سے لوگ بھاگ رہے ہیں۔'' اس منظر کا جائزہ لینے کے بعد لی مسرت آمیز آواز میں بولی۔

''یہ یاد رکھو کہ عیاش لوگ، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں۔ وہاں فائرنگ کا دھواں دھار تبادلہ ہوا ہے۔ صرف پٹاخے بھی چلے ہوتے تو اس وقت بھگدڑ کا یہی سماں دیکھنے میں آتا۔'' میں نے کہا۔

''لاؤ، ریموٹ کنٹرول کہاں ہیں!'' لی نے چاؤفان سے مطالبہ کیا۔

اس علاقے میں لگے ہوئے اونچے اونچے لیمپ پوسٹس کی زرد روشنی میں چاؤفان نے بے بسی سے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر اسے ریموٹ لی کے حوالے کرنے کی اجازت دے دی۔

چاؤفان نے بادل ناخواستہ اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک نرم چرمی پاؤچ نکالا اور اس میں سے سیاہ پلاسٹک کی دو ڈبیاں نکال کر لی کی طرف بڑھا دیں۔ ''ذرا احتیاط سے.....'' اس نے لی کو ہدایت کی ''سرخ بٹن دبتے ہی بم چل جائے گا۔ یہ دونوں بموں کے الگ الگ ریموٹ ہیں۔''

لی کے چہرے پر کسی ایسے بچے کی سی مسرت آمیز سرخی آ گئی جسے غیر متوقع طور پر اپنا من پسند کھلونا مل گیا ہو۔

''ایک تم چلاؤ گے!'' لی نے ایک ڈبیا میری طرف بڑھا دی۔ اپنے سائز کے اعتبار سے وہ کافی وزنی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس میں ٹھوس لوہا بھرا ہوا ہے۔

وائٹ ہاک والے اپنی بدقسمتی سے بے خبری کے عالم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس بحری کیسینو پر آئے ہوئے مہمانوں کے انخلا میں مصروف تھے۔ ان میں سے بعض مرد اور عورتیں نشے میں اس قدر دھت تھیں کہ وسطی عرشے کے کھلے ہوئے چوبی ریمپ پر دو دو آدمی انہیں سہارا دے کر چھوٹی موٹر بوٹ پر اتار رہے تھے۔

لی نے اپنی ڈبیا داہنے ہاتھ میں تھام کر انگوٹھا اس کے سرخ بٹن پر رکھ دیا۔ میں نے اس سے ملنے والی دوسری ڈبیا خاموشی سے چاؤفان کو تھما دی۔

''ایک ..... دو ..... تین!'' لی نے آخری ہندسہ ادا کرتے ہی بٹن دبا دیا۔

ایک خوفناک دھماکے سے فضا لرز اٹھی۔ دھماکا زیر آب ہوا تھا اس لیے آواز ذرا دب گئی تھی لیکن اس لانچ کے پیندے میں ہونے والے بارودی دھماکے کی قوت کا اندازہ اس جھٹکے سے ہوا تھا جو وائٹ ہاک کو لگا تھا۔

یوں محسوس ہوا جیسے خلیج سیام کی تہ میں چھپی ہوئی کسی سمندری بلا نے وائٹ ہاک کو اچانک اپنے دونوں ہاتھوں پر اوپر اچھال کر دوبارہ سطح سمندر پر رکھ دیا ہو۔ دھماکے سے دیو پیکر لانچ بری طرح ہل کر رہ گئی۔ کھلے ہوئے ریمپ پر اترنے والے کئی لوگ اچھل کر سمندر میں جا گرے۔ دھماکا ہوتے ہی فضا انسانی چیخ و پکار سے لرز اٹھی۔

لی کے لیے وہ صرف ایک دھماکا تھا لیکن ہم نے اس واردات کے لیے پوری منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ ڈان کی ہدایت کے عین مطابق چاؤفان نے کافی طاقت ور بموں کا بندوبست کیا تھا تاکہ وائٹ ہاک کے دہرے فولادی پیندے میں آر پار اتنا بڑا سوراخ ہو سکے کہ کسی کے لیے ہنگامی طور پر اسے بند کرنا ممکن نہ رہے۔ ایسے سوراخ کر کے ہی وائٹ ہاک اور راجن کے غرور کی غرقابی کو ممکن بنایا جا سکتا تھا۔

اچھل کر دوبارہ سطح سمندر پر ٹکنے کے بعد وائٹ ہاک ساکت نہ رہ سکی۔ بم کے دھماکے سے پھٹنے والی فولادی چادروں میں سے سمندری پانی کا ریلا اس کی تہ میں بھرنا شروع ہو گیا تھا اور نہایت غیر محسوس انداز میں' دھیرے دھیرے وائٹ ہاک کا رخ بدلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ پھٹنے والے بم کی کارکردگی میری توقع سے بڑھ کر رہی تھی۔

''تم کس کا انتظار کر رہے ہو!'' میں نے چاؤفان سے کہا ''لی کی تقلید کرو۔ اب انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔''

چاؤفان نے اپنا ہاتھ سیدھا کیا اور دوسری ڈبیا کا بٹن بھی دبا دیا۔

لانچ اس بار زیادہ بری طرح لرز کر رہ گئی۔ اس پر قیامت برپا ہو چکی تھی۔ چیخ و پکار کے درمیان کئی دہشت زدہ افراد نے وائٹ ہاک کی مختلف منزلوں سے سمندر میں چھلانگیں لگا دی تھیں۔

جب وفا بے قدر ہوئی اور ایثار رائیگاں گیا

"دیوی"

ایثار کا پیکر اور وفا کی دیوی ایک مجبور و مقہور دوشیزہ کی داستان، ایک نازک اندام لڑکی کے حوصلوں اور ارادوں کا جگر پاش قصہ جس کا عزم آہنی اور چتون چنچل تھی۔

طاہر جاوید مغل کے سحر انگیز قلم سے ایک لازوال کتھا

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ کے ماہ نومبر 2005 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پے در پے ہونے والے دو دھماکوں نے سب کے حواس مختل کر دیے تھے۔ بیشتر لوگوں کو شاید خوف لاحق ہو گیا تھا کہ وہ دھماکوں کا کوئی نہ رکنے والا تسلسل تھا۔ قدرے وقفے کے بعد تیسرا اور چوتھا دھماکا بھی ہو سکتا تھا۔ وائٹ ہاک کے مختلف حصوں سے لوگوں کی ایک یلغار ریمپ پر آنے کے لیے دھکم پیل کر رہی تھی۔

''لرزہ خیز منظر ہے!'' چاؤفان کی متاسفانہ آواز ابھری ''اس افراتفری میں بہت سے لوگ ناگہانی مارے جائیں گے۔ ہم کچھ دیر انتظار کر لیتے تو اس جانی نقصان سے بچا جا سکتا تھا۔''

''مرنے والوں کی موت اسی طرح لکھ دی گئی تھی۔'' میں نے وائٹ ہاک پر نظر آنے والے عبرت آمیز منظر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا ''یہ یاد رکھو کہ جس کی موت آ گئی ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی' جس کی زندگی باقی ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ ایک کائناتی اصول ہے' اس سے انحراف ممکن نہیں۔''

''تمہارے لائے ہوئے بم بہت طاقت ور تھے۔'' لی نے دبی دبی آواز میں کہا ''جاسوسی کے آلات کو تباہ کرنے کے لیے ایسے تباہ کن بموں کی ضرورت نہیں تھی۔''

''کیا تم اس تباہی سے ناخوش ہو؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''راجن کی روسیاہی کے خیال سے خوشی ہو رہی ہے مگر اس بات کا افسوس ہے کہ اس بھگدڑ میں بہت سے بے گناہ بھی کچل کر یا سمندر میں گر کر مارے جائیں گے۔'' اس نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

''شراب کے نشے میں بدمست ہو کر' بھیڑیوں کی طرح پرائی عورتوں کی گھات لگانے والوں کو تم بے گناہ سمجھ رہی ہو تو میں تمہاری ذہنی حالت پر رحم کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہاں وہی سب ہو رہا تھا جو موتی محل کے کسی بند کمرے میں تمہاری بہن کے ساتھ ہوا تھا۔ فرق یہ ہے کہ وہاں صرف جبر تھا' یہاں گھناؤنے کھیل ہر فریق کی رضامندی سے کھیلے جاتے ہیں۔''

''ماسٹر! وائٹ ہاک نے گھومنا شروع کر دیا ہے۔'' چاؤفان نے پُرجوش آواز میں کہا ''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے یہ غرق ہو چکی ہو گی۔''

''ہمارا کام ہو چکا ہے' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔'' لی بولی ''ہمیں لوٹ جانا چاہیے۔ اس بربادی کے بعد ہمارا زیادہ دیر تک یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔''

چاؤفان نے لی کے ہاتھ سے ریموٹ لے لیا اور اسے پوری قوت سے سمندر کی طرف پھینک دیا۔ وزنی ڈبیا ایک چھپاکے کے ساتھ ڈوبتی چلی گئی۔ اس نے کسی توقف کے بغیر دوسری ڈبیا کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا اور ہم تینوں گاڑی کی طرف ہو لیے۔

''خس کم جہاں پاک!'' چاؤفان بڑبڑایا ''اب دیکھتے ہیں کہ چھوٹا راجن کیا کرتا ہے۔''

جواب میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ہم تینوں چاؤفان کی گاڑی میں سوار ہوئے۔ معمول کے مطابق وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان تھا۔

بندرگاہ کے علاقے سے باہر نکلنے تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ شہر جانے والے راستے پر آنے کے بعد لی نے مجھے مخاطب کر کے سکوت توڑ دیا ''میں نے تم کو راجن سے اپنی نفرت کا سبب بتا دیا لیکن تم نے ابھی تک اس سے اپنی دشمنی کی وجہ نہیں بتائی۔''

''چاؤفان اس کے خون کا پیاسا ہے۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا ''اس کا خیال ہے کہ راجن یہاں بدمعاشی کر کے اس کی حق تلفی کر رہا ہے۔''

''یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ وہ بہت تیزی سے ہمارے معاشرے کو تباہ کر رہا ہے۔'' چاؤفان نے درمیان میں لقمہ دیا۔

''اس کے آنے سے پہلے ہم کون سا پارسا تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ ہمارا ملک قحبہ گری کے ذریعے سب سے زیادہ زرِمبادلہ کماتا ہے۔'' لی کا جواب خاصا تلخ تھا۔

''میں مانتا ہوں کہ برائیاں پہلے بھی تھیں۔ چھوٹا راجن نے انہیں منظم کر کے تیزی سے فروغ دیا ہے۔ اس کا یہ جرم ناقابلِ معافی ہے۔'' چاؤفان بولا۔

''یہ بیکار باتیں ہیں۔ اصل بات ماسٹر نے کہی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ راجن تمہاری حق تلفی کر رہا ہے۔ بردہ فروشی اور سیکس مافیا پر تمہارا راج ہونا چاہیے۔ اس نے باہر سے آ کر تمہارے منہ کی روٹی چھین لی ہے۔''

شاید چاؤفان کے لیے لی کی وہ الزام تراشی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ میں نے اس کی ران دبا کر اسے خاموش کر دیا اور بے پروایانہ انداز میں لی سے کہا ''یہ فطری بات ہے۔ یہاں کی اچھائیوں اور برائیوں پر مقامیوں کا حق ہے۔ کوئی بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ باہر سے آنے والے لوگ آمدنی کے ذرائع پر قبضہ کر لیں۔ جائز کاروبار کے مقابلے میں کالے دھندوں میں اندھی آمدنی ہوتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

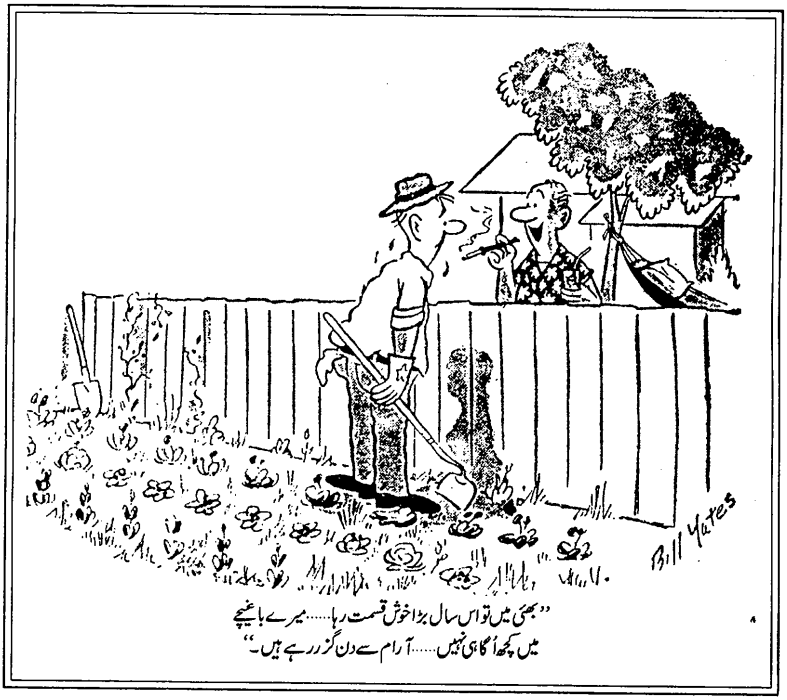

"بھئی میں تو اس سال بڑا خوش قسمت رہا..... میرے باغیچے
میں کچھ اُگا ہی نہیں..... آرام سے دن گزر رہے ہیں۔"

لی خاموش رہی۔ ہمارا واپسی کا سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا۔

راجن کے خلاف ہمارا وہ منصوبہ بہت کامیاب اور بے داغ رہا تھا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ راجن کے آدمی کسی بھی طرح لی سیاؤ پونگ تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکیں گے پھر بھی میں اس کی طرف سے محتاط رہنا چاہ رہا تھا۔

سفر کے آغاز میں چاؤ فان نے مجھے ہوٹل کے قریب سے لیا تھا۔ واپسی پر میں وہیں اترتا تو لی اندازہ لگا لیتی کہ میں ہلٹن ہوٹل میں رہ رہا تھا۔ میں راستے میں اترنے کی فرمائش کرتا تو چاؤ فان اس پر ہرگز آمادہ نہ ہوتا بلکہ بحث شروع کر دیتا۔ بحث کے نتیجے میں یہ بات کھل جاتی کہ میں ہلٹن ہوٹل میں مقیم تھا۔

اس مسئلے پر چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد میں نے اس کا حل نکال لیا اور چاؤ فان سے کہا "اتنی رات گئے تمہارے شہر کی سیر کا مزہ کچھ اور ہے۔ پہلے لی کو اس کے گھر پر اتار دو۔ ہم کچھ دیر تک شہر میں آوارہ گردی کریں گے۔"

چاؤ فان کے لیے شہر کی کھلی اور ویران سڑکوں پر گاڑی بھگانا کسی عیاشی سے کم نہیں تھا۔ وہ میری تجویز پر خوش ہو گیا۔

"ماسٹر! آج شام تم چائے پر آ رہے ہو نا؟" وہ معاملہ طے ہو جانے پر لی نے مجھ سے پوچھا۔

"کوشش کروں گا۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں مبہم سا جواب دیا۔

"تمہیں شک تھا اور میں کامیابی کے بارے میں پُر یقین تھی۔" وہ بولی "سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہوا ہے۔ اب تمہیں اپنے وعدے کے مطابق میرے پاس آنا ہوگا۔"

"آ جاؤں گا۔" میں نے حجت سے بچنے کے لیے اقرار کر لیا۔ اس وقت میرا ذہن راجن کی طرف بھٹک گیا تھا۔ میں نے شام کو اکبر کے روپ میں اسے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے دشمن اسے کوئی بھاری نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ راجن نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ وائٹ ہاک کی بربادی کا علم ہوتے ہی اسے میرا خیال آئے گا اور وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے بے چین ہو جائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس مرحلے کے لیے مجھے ہر لمحے ذہنی طور پر تیار رہنا تھا۔
لی کی رہایش بنکاک کے ایک مہنگے اور صاف ستھرے رہایشی علاقے میں تھی۔ اس بڑے مکان کے پھاٹک پر پستہ قامت تھائی دربان اپنی مالکن کی واپسی کا منتظر تھا۔ باہر گاڑی کی آواز سنتے ہی اس نے خوب صورت چوبی پھاٹک کھولا لیکن لی نے گاڑی باہر ہی رکوالی۔

''شام کو میں تمہاری منتظر رہوں گی۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے ایک ادا کے ساتھ کہا ''اپنا وعدہ یاد رکھنا۔''
ہماری طرف ہاتھ لہرا کر وہ مڑی اور کھلے ہوئے پھاٹک کی طرف چل دی۔

''ماسٹر! عورت بہت زور دار ہے۔'' چاؤ فان نے ندیدے انداز میں سرگوشی کی ''یہ تم پر مہربان بھی ہے، ملو گے تو زندگی کا مزہ آجائے گا۔''

''کیا تمہارے دماغ میں ہر وقت یہی گھٹیا باتیں گھسی رہتی ہیں؟'' میں نے خفا ہو کر کہا۔

''ماسٹر! میں تمہارے سامنے اپنا دل کھول کے رکھ دیتا ہوں۔ تم اندر ہی اندر گھٹتے رہتے ہو۔'' اس نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے شکوہ کیا ''تم جب بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے، تمہاری آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی ناچ رہی تھی۔''

''پسند آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ عورت کو تل کر کھالیا جائے۔'' میں نے چیخ کر جواب دیا ''اس نے ہمارے لیے بے مثال کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیا اس کا کام اس قابل نہیں تھا کہ اسے سراہا جائے؟ تم ہر بات کا غلط مفہوم کیوں لیتے ہو؟''

''یہ میرے مقدر کی خرابی ہے کہ میں جو بات تمہیں خوش کرنے کے لیے کہتا ہوں، تم اس پر بھی ناراض ہو جاتے ہو۔''
اس نے افسردگی سے اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا ''مادام ہمارے شہر کی جان ہے۔ خدمت کے پیسے لیتی ہے پھر بھی اس کی خلوت میں پہنچ جانے والے اپنی قسمت پر رشک کرتے ہیں۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''

''تم نے آج کے پروگرام کے بارے میں ڈان کو کچھ بتایا تھا؟'' میں اسے لگام نہیں دے سکتا تھا، میں نے اچانک موضوع بدل دیا۔

''تم نے ہی کہا تھا کہ اسے ہر بات کی خبر دینے کی ضرورت نہیں۔ وہ کوششوں کے بجائے نتائج پر نگاہ رکھنے کا عادی ہے!''

''کہا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''اب نتیجہ برآمد ہو چکا ہے۔ ڈان کو وائٹ ہاک کی تباہی کا شدت سے انتظار تھا۔''

''چار بج چکے ہیں۔'' اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے مایوسی سے کہا ''وہ سیلرز بار بند کر کے سو چکا ہوگا۔ صبح اسے اطلاع دے دوں گا۔''

''اس سے پہلے اسے کسی نہ کسی ذریعے سے خبر مل جائے گی۔ وائٹ ہاک کی تباہی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اسے نیند سے اٹھا کر بھی خبر دی جا سکتی ہے۔''

''ماسٹر! کیوں مجھے مروانے پر تلے ہوئے ہو۔ وہ مجھ سے ویسے ہی سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ میں نے اسے گہری نیند سے اٹھایا تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔ یہ کام تم کرلو تو میری سات پشتیں تمہاری احسان مند رہیں گی۔''

''تمہارا دم نکل رہا ہے تو یہ کام بھی میں خود کرلوں گا۔'' میں نے بیزاری سے کہا ''اب تم مجھے جلدی سے میرے ہوٹل پہنچا دو۔''

''ہائیں..... تو کیا تم شہر کی سیر نہیں کرو گے؟'' اس نے بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

''وہ بہانہ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے میری قیام گاہ کا اندازہ ہو سکے۔''

''ماسٹر! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کا گھر دیکھنے کے لیے یہ چکر چلایا ہو۔'' وہ شوخی سے بولا ''میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ یہ شہر تمہارے لیے اب بھی اجنبی ہے۔ اپنے اس خادم کی مدد کے بغیر تم دوبارہ مادام کے گھر نہیں پہنچ سکو گے!''

''خاموش رہ کر گاڑی چلاؤ۔'' میں نے جھلا کر کہا ''اب کوئی فضول بات کی تو میں یہیں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا۔''
میری دھمکی کارگر رہی۔ اس نے خاموشی اختیار کرلی۔

☆☆☆

مشن بہت مشکل تھا۔ غزالہ ہماری دشواریوں سے بہ خوبی واقف تھی۔ وہ بہت زیادہ فکرمندی اور تشویش کے ساتھ میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

میرے پاس اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اسی وقت فون کر کے جلال یا اوّل خان کو اپنی زبردست کامیابی کی اطلاع دوں مگر میں نے وہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

ہم بنکاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں اپنے کھیل میں وائٹ ہاک کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ تھا۔ جلال یا اول خان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو کسی بھی طرح اس لانچ کی تباہی کی اہمیت کا ادراک نہیں ہوسکتا تھا۔ میں نے اپنی خوشی کا غبار غزالہ کے سامنے نکال لیا۔ میں لی کے کام اور کردار سے واقعی بہت متاثر ہوا تھا۔ جب میں نے مناسب الفاظ میں غزالہ کو اس کے حوصلے اور کارکردگی سے آگاہ کیا تو وہ بھی اسے داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔ معاملہ بنکاک کی ایک خوب رو عورت کا تھا۔ غزالہ نے اپنی زبان سے اس کی تعریف ضرور کی لیکن اس کی نگاہوں میں شکوک وشبہات کی خاموش پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

اسے بریفنگ دینے کے بعد میں نے اپنے مقامی موبائل فون پر ڈان کا نمبر ملایا۔

تیسری گھنٹی پر ڈان کی نیند میں ڈوبی ہوئی، غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنی زبان میں تیزی سے کچھ کہا جو میرے لیے ناقابلِ فہم تھا مگر اس کے لب ولہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھلے الفاظ نہیں تھے۔ نیند سے اٹھائے جانے پر اس کا موڈ بہت بگڑا ہوا تھا۔ میری جگہ چاؤفان ہوتا تو اپنی زبان دانی کی وجہ سے تھائی زبان میں کہے گئے ان الفاظ کو اپنے مقدر کی خرابی کے سوا کوئی اور نام نہ دیتا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' میں نے نرمی سے اسے بتایا۔

''اوہ.....اتنے سویرے تمہیں فون کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' ڈان کے لہجے کی ناگواری میرا نام سنتے ہی کافور ہوگئی۔

''بڑی خبر ہے۔ وائٹ ہاک دھیرے دھیرے سمندر میں ڈوب رہی ہے۔''

''یہ خبر سنانے کے لیے تم مجھے قبر سے بھی اٹھا سکتے تھے۔'' اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی ''تم میرے بچے، میرے دستِ راست ہو۔ اب وہ فنا ہو جائے گا۔'' اپنے مزاج کے مطابق اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ کام کیسے ہوا تھا؟

''بہت سے بھگوڑے سمندر میں گرے ہیں۔ مرنے والوں کی تعداد صبح معلوم ہو سکے گی۔ لانچ میں تیزی سے پانی بھرتا جا رہا ہے، اس پر سے لوگ افراتفری میں بھاگ رہے تھے۔''

''تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ میں ابھی وہاں جاتا ہوں۔ ساحل سے اس کے ڈوبنے کا منظر دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوگی۔ لوگ مرے ہیں تو مجھے ان کی پروا نہیں۔ میں بے گناہوں کا خون اپنے سر لینے سے گھبراتا ہوں۔ وہاں آنے والے سب گناہ گار ہوتے ہیں۔''

''تم کو خبر دینے کے بعد میرا کام پورا ہوگیا ہے۔ میں ابھی ابھی وہاں سے لوٹا ہوں۔ اب سونے کی تیاری کروں گا۔''

''آرام کرو۔ تم نے یہاں آ کر بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ تم نے چھوٹا راجن کا گھمنڈ خاک میں ملا دیا۔ وہ پے در پے مار کھا رہا ہے۔ اب اس کے آدمی اس کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آنے والے دنوں میں وہ کسی خارش زدہ کتے کی طرح اکیلا رہ جائے گا۔ اس کا سایہ تک اس کا ساتھ چھوڑ دے گا۔''

میں نے فون بند کر دیا۔ لمحے بھر بعد اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ غزالہ نے تحیر زدہ اور استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نظر ڈالی اور میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

نمبر میرے لیے اجنبی تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ وہ کال راجن کی ہوگی۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا اور غنودہ سی آواز میں ہیلو کہا۔

''کون بول رہا ہے؟'' میں نے راجن کی مشتعل آواز پہچان لی۔

''ابے تو کون ہے جو اتنی رات کو میری نیند خراب کر رہا ہے؟'' میں نے بھڑک کر غصیلی آواز میں کہا۔ اس نے اپنا نام نہ بتا کر مجھے بدکلامی کا سنہرا موقع فراہم کر دیا تھا۔

''میں راجن بول رہا ہوں۔'' اس نے زبردست تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکشاف کیا ''مجھے اکبر سے بات کرنی ہے۔''

''او.....استاد! میں اکبر ہی بول رہا ہوں۔'' میں نے بوکھلانے کی صداکاری کرتے ہوئے جواب دیا ''معاف کرنا میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکا تھا۔''

''میں پچھلے پانچ منٹ سے بار بار تمہارا نمبر ملا رہا ہوں۔ تمہارا فون انگیج کیوں تھا؟'' میرا اعتراف سنتے ہی اس کی آواز تحکم آمیز ہوگئی۔

''فون خالی تھا استاد! لائنیں مصروف ہوں گی۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

اس نے موبائل فون والوں کو ایک گندی گالی دے کر کہا ''جب ضرورت ہو تو یہی گڑبڑ ہوتی ہے، میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''استاد! میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اب تم سے میری جان نکلتی ہے۔ تمہارے آدمیوں سے ایک بار پٹنے کے بعد میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوئی خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ اس واقعے کو بھول جاؤ۔'' اس کی جھلائی ہوئی آواز آئی ''تمہارے ساتھ دوبارہ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔''

''استاد! میرے جبڑے دکھ رہے ہیں۔ آنکھ سوجی ہوئی ہے، جوڑ جوڑ ہلا ہوا ہے۔ میں چار چوٹ کی اس مار کو کیسے بھول سکتا ہوں۔'' میں نے گھگیائی ہوئی خوشامدانہ آواز میں کہا۔

''موتی محل آجاؤ۔ میں تمہاری مرہم پٹی کراؤں گا، میرا بہترین ڈاکٹر تمہیں دوائیں دے گا۔ میں تمہیں خرچے کی رقم بھی دوں گا۔ اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے انکار پر وہ اندر ہی اندر بل کھا رہا تھا، غصے سے پھنک رہا تھا مگر اپنی مصلحت کی وجہ سے اس کے اظہار سے قاصر تھا۔ دل ہی دل میں وہ ان لمحوں کو کوس رہا ہوگا جب اس نے اپنے آدمیوں کو میرے اور اسد کے پیچھے لگایا تھا۔ مار اس کے آدمیوں نے کھائی تھی، فریاد میں کر رہا تھا۔

''ضرورت ہے تو فون پر ہی مجھے کام بتادو۔ میں تمہارا خادم ہوں، کام کردوں گا۔ مجھے اپنے پاس آنے پر مجبور نہ کرو۔ بار بار انکار کرتے ہوئے مجھے دکھ ہو رہا ہے۔''

لائن پر چند ثانیوں کے لیے سکوت چھا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دل ہی دل میں مجھے مغلظات بک رہا ہوگا۔

''شام کو تم نے مجھے فون کیا تھا؟'' اس نے سرد اور تائید طلب لہجے میں کہا۔

''کیا تھا۔'' میں نے اقرار کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''مجھے جو کچھ پتا چلا تھا، وہ میں نے بتا دیا تھا۔ تمہیں ان باتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔''

''وہ خبر تمہیں کہاں سے ملی تھی؟'' اس نے درشت آواز میں پوچھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں ڈینی کی کھوج میں لگا ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اس کے آدمیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ کسی وقت وہ بھی میری نظروں میں آجائے گا۔ میں نے اس کے آدمیوں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔''

''وہ تم سے کہاں ٹکرا گئے؟'' اس کی آواز سے غصہ اور اضطراب جھلک رہا تھا۔

''استاد! اس وقت تم نے میری خبر کو ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی۔'' میں نے اس کے صبر سے کھیلتے ہوئے کہا ''اب صبح کے پانچ بجنے والے ہیں۔ اس وقت تمہیں وہ قصہ کیوں یاد آرہا ہے.....؟ سب خیریت تو ہے نا؟''

''خیریت نہیں رہی اسی لیے میں تمہیں بلا رہا ہوں۔'' اس کی غضب ناک غراہٹ ابھری ''ڈینی کی موت آئی ہے جو وہ میرے منہ لگ رہا ہے۔ آج اس کے کتے نے میری وائٹ ہاک پر حملہ کیا ہے۔ اب میں اسے فنا کردوں گا۔''

''یہ وائٹ ہاک کیا ہے استاد!'' میں نے انجان بن کر معصومیت سے پوچھا۔

''تم جاہل اور بے خبر آدمی ہو!'' میری لاعلمی پر اسے غصہ آگیا ''یہ میری شان دار لانچ کا نام ہے۔ اس پر تیرتا ہوا ہوٹل، کلب اور کیسینو ہے۔ باہر سے آنے والے اسے بنکاک کا عجوبہ سمجھ کر اس پر جاتے ہیں۔ ڈینی نے میرے اس شاہ کار کو تباہ کر دیا۔''

''اوہ..... یہ بہت برا ہوا۔ کیا لانچ ڈوب گئی؟'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''تمہارے منہ میں خاک۔'' راجن بلبلا کر غرایا ''ڈینی نے ریموٹ کنٹرولڈ بموں سے وائٹ ہاک کا پیندا اڑایا ہے، اس میں پانی بھر رہا ہے مگر میرے آدمی اسے بچانے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ نہیں ڈوبے گی، میں اسے نہیں ڈوبنے دوں گا۔''

''ڈینی کے آدمی شاید اسی کو برباد کرنے کی بات کر رہے ہوں گے۔'' میں نے افسوس کے ساتھ قیاس آرائی کی ''میں نے ان کی باتیں سنتے ہی تمہیں خبر پہنچا دی تھی۔ اگر تم نے میری باتوں پر کان دھرا ہوتا تو شاید یہ بربادی نہ آتی۔''

''لانچ پر نوکروں اور مسلح آدمیوں کی فوج پل رہی ہے۔ سب حرام کی کھا رہے ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتے تو وہاں چڑیا کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیسا اندھیر ہے کہ ڈینی کے آدمی آئے اور میری وائٹ ہاک کے نیچے دو بم لگا کر چلے گئے، کسی کو کانوں کان پتا بھی نہیں چلا۔''

''استاد! برا وقت آتا ہے تو اسی طرح سب کی آنکھوں اور عقلوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔''

''زبان بند رکھو۔'' میرے تبصرے پر وہ بھڑک گیا۔ ''مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو۔ میں نے یہاں اپنی سلطنت بنائی ہے تو میں اسے بچانا بھی جانتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کے آدمیوں کو کہاں دیکھا تھا؟''

راجن کا وہ مطالبہ بہت سنگین تھا۔ اس سوال کو میں ادھر ادھر کی باتوں میں نہیں ٹال سکتا تھا۔ اس کی نظروں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنا اعتماد برقرار رکھنے کے لیے مجھے کسی نہ کسی ٹھکانے کی نشان دہی کرنا تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کرنے لگا۔ راجن کو چکما دیتے ہوئے میں نے اپنی کہانی کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا تھا۔ ٹھکانے کا سراغ لگا کر وہ یقینی طور پر وہاں کوئی جوابی کارروائی کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اگلے دن وہاں کا گھیراؤ کر کے ڈینی کے فرضی آدمیوں پر ہاتھ ڈالنے کی منصوبہ بندی کیے بیٹھا ہو۔

معاً میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ بنکاک میں بھارتیوں اور خاص طور پر سکھوں کی خاصی تعداد نظر آتی تھی۔ وہ چھوٹے اور درمیانے درجے کے ہر کاروبار پر بڑی حد تک چھائے ہوئے تھے۔ بھارتی ہمارے خیر خواہ نہیں تھے۔ کوئی آفت آنا تھی تو اس کا رخ ان کی طرف موڑ دینے میں بہتری تھی۔

''وہ پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

''ہوٹل کا نام کیا تھا؟'' اس کی آواز میں سفاکی رینگ آئی۔

''نام میں نے نہیں دیکھا، وہ کسی سردار جی کا ہوٹل تھا۔ میں ایک پیالی چائے پینے کے لیے اتفاقاً وہاں چلا گیا۔ ان لوگوں کی خطرناک باتیں میرے کان میں پڑیں تو میں وہیں ٹک گیا۔''

''وہ حرام زادے کیا باتیں کر رہے تھے؟'' وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں رک رک کر اسے اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔ اس تشنگی سے اس کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔

''خطرناک باتیں تھیں۔ ایک کہہ رہا تھا کہ ہمارے سب کام منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا، اس کی ناؤ ڈوب جائے گی۔''

''ہاں..... انہوں نے میری ناؤ ڈوبنے کا ذکر کیا تھا.....؟ تم نے شام کو یہ بات مجھے نہیں بتائی تھی۔''

''شام کو تم میری بات سننے پر آمادہ نہیں تھے۔ تمہیں اپنی طاقت اور آدمیوں کی فوج پر ناز تھا۔ ویسے بھی ناؤ ڈوبنا محاورہ ہے۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہاری کوئی قیمتی لانچ بھی ہے۔ بات آگے بڑھتی تو شاید میں ناؤ کا ذکر بھی کر دیتا۔''

''وہ سازشی کتے تھے۔ اشاروں کنایوں میں وائٹ ہاک کا ذکر کر رہے تھے۔ میں ان سب کو فنا کر دوں گا..... تم نے انہیں اچھی طرح دیکھ تو لیا ہوگا؟''

''ان چاروں کی صورتیں میرے دماغ میں نقش ہیں۔ اس وقت وہ ہوٹل سے نکل کر ایک ٹیکسی میں چلے گئے۔ اب ان میں سے کوئی بھی نظر آیا تو میں اس کا پیچھا کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح میں ڈینی تک پہنچ جاؤں گا۔''

''تمہیں اندازہ نہیں کہ بے خبری میں تم نے کتنی بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ان چاروں کو تلاش کر کے گھیرنا ضروری ہے۔ تم اکیلے رہ کر یہ کام نہیں کر سکتے۔ میرے آدمیوں کے ساتھ تم چند دنوں میں کامیابی حاصل کر لو گے۔ اپنی ضد چھوڑ دو۔ مجھ پر بھروسا کرو۔ موتی محل آ جاؤ، یقین رکھو کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

''مجھے تھوڑا سا وقت اور دے دو۔'' میں نے اس سے التجا کی ''میری چوٹوں کی کسک کم ہوگی تو شاید میرے دل سے تمہارا خوف دور ہو جائے۔ ابھی میں تم سے نہیں مل سکتا۔''

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا ''ٹھیک ہے، میں مل بیٹھنے کا فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ فی الحال تم اپنے طور پر ڈینی اور اس کے چاروں ساتھیوں کو ڈھونڈتے رہو۔ ان میں سے کوئی بھی نظر آ جائے تو فون پر مجھے فوراً خبر دے دینا۔ وہ سب بہت چالاک ہیں۔ تمہاری کسی غلطی کی وجہ سے وہ ہوشیار ہو گئے تو ہم ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔''

''یہ بات منظور ہے، تمہارے آدمی اپنے شکار کو سنبھال لیں گے۔ میں خاموشی سے الگ ہو جاؤں گا۔ اس وقت تک تمہارے بارے میں میری رائے بدل گئی تو میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کر دوں گا۔''

''ویری گڈ! اتنی دیر میں تم نے پہلی بار ایک معقول بات کہی ہے۔ میں تمہاری رائے میں تبدیلی کے لیے دعا کرتا رہوں گا۔''

اس نے فون بند کر دیا اور میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

''میرا چہرہ کیوں تک رہے ہو..... یہاں کیا لکھا ہوا ہے؟'' اس نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ احتجاج کیا۔

''تمہارے مستقبل پر غور کر رہا ہوں۔ آثار بتا رہے ہیں کہ اب واقعات میں تیزی آنے والی ہے۔ میرے ساتھ کوئی گڑبڑ ہو جائے تو پہلی پرواز سے پاکستان واپس لوٹ جانا۔ تمہارا یہاں تنہا رہنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''کیسی گڑبڑ کا اندیشہ ہے آپ کو؟'' اس نے ہراساں ہو کر پوچھا۔

''کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' میں نے مسکرا کے جواب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا ''ایک بات ذہن میں آئی اور میں نے تمہارے گوش گزار کردی۔ اسے پلے سے باندھ لینا۔''

''حالات نازک ہوں تو آدمی کے ذہن میں وسوسے پلنے لگتے ہیں۔ آپ ان باتوں کو اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اب تک میں نے یہ دیکھا ہے کہ خطرات سے لڑ کر آپ زیادہ چاق و چوبند رہتے ہیں۔''

''گفتگو کے دوران میں اس کے چٹکیاں لینے میں مزہ آرہا تھا۔ مجھے اس کو سسکانے اور سلگانے میں عجیب لطف آرہا تھا۔''

''یہ سردار جی کے ہوٹل کا کیا قصہ چھیڑا تھا آپ نے؟''

''اس کو کچھ نہ کچھ تو بتانا تھا۔ اب پیٹ پونگ کے کسی سردار کی شامت آجائے گی۔ ابھی تک اسے وائٹ ہاک کے بچنے کی امید ہے۔ وہ غرق ہوجائے گی تو راجن غصے سے باؤلا ہوجائے گا۔''

''آپ اسے یہ سب بتا رہے تھے تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا کہ آپ اسے فریب دے رہے ہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''جھوٹ بولنا بہت بری عادت ہے لیکن میں کیا کروں، مجبور ہوں۔ ان بدمعاشوں کی جھپیٹ سے بچنے کے لیے مجھے اکثر مصلحت آمیز جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔''

''آپ کو مجھ سے ایسی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، میں آپ کی مجبوریوں کو سمجھتی ہوں۔ آپ کی کہانی میں اس قدر تسلسل تھا کہ اب اسے ڈینی سے زیادہ ان چاروں کی فکر ہوگئی ہوگی جو سردار جی کے ہوٹل میں اس کی ناؤ ڈوبنے کی باتیں کررہے تھے۔''

''جھوٹ صرف ہچکچاہٹ سے پکڑا جاتا ہے۔ میں بولتا ہوں تو فی البدیہہ بولتا چلا جاتا ہوں۔ وہ باتیں جس طرح سوجھ رہی تھیں، میں اسی طرح کہتا چلا گیا اور ایک مربوط قصہ وجود میں آگیا۔''

''اس وقت آپ نے اسے ٹال دیا لیکن یہ معاملہ زیادہ دنوں تک اس طرح نہیں چل سکے گا۔ آپ خود بھی اس سے ٹکرانا چاہیں گے۔ اس بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟''

اس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچتے ہوئے پوچھا۔

''یہی سوچ کر میں نے آڑے وقت میں تمہیں پاکستان لوٹنے کا مشورہ دیا تھا۔'' میں نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے جواب دیا ''ضروری نہیں کہ ہمیشہ میرا پلا بھاری رہے۔ کسی وقت بازی الٹ گئی تو تارے نظر آجائیں گے۔''

''فی الحال تو آپ کے حریفوں کے دانت کھٹے ہورہے ہیں۔'' پردے پھیلا کر وہ بھی بستر پر آگئی اور میں نے بیڈ سوئچ سے روشنی گل کردی۔

وہ پوری رات بھاگ دوڑ میں گزر چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح کا اوّلین اجالا نمودار ہونے والا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ اس نے کھڑکیوں پر دبیز پردے کھینچ کر کوشش کی تھی کہ باہر پھیلنے والا اجالا میری نیند میں مخل نہ ہو۔

اس نے میرے پہلو میں دراز ہوکر میرے بالوں میں نرمی سے اپنی انگلیاں پھیرنا شروع کردیں اور میری پلکیں تیزی سے بوجھل ہوتی چلی گئیں۔

انسان لاکھ تدبیریں کرلے لیکن ہونے والی بات ہوکر رہتی ہے۔ غزالہ نے میری طویل اور گہری نیند کا پورا بندوبست کیا تھا لیکن اس روز زیادہ دیر تک سونا میرے مقدر میں نہیں تھا۔ میرے پاکستان والے موبائل فون کی تیز گھنٹی بجی

آپ بھی بھرپور طاقت کے مالک بنیئے طبی دنیا میں کامیاب اور لاجواب نسخہ

مرد حضرات ہی پڑھیں۔

برسا برس سے ہمارے ماہر طب خصوصاً ایسے مریضوں کے لیے جو اپنی ناسمجھی کی چار پیندہ امراض میں مبتلا ہوکر طرح طرح کے علاج سے مایوس ہوگئے تھے انکے لیے اپنے تجربے و تحقیقات انتھک محنت لگن اور کاوشوں سے ایسا نسخہ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جس نے کئی ناکارہ بوڑھوں کو بہت کم دنوں میں جوان مرد بنا دیا اور مایوس گئے گزرے کمزور نوجوان ایک ایک ہفتے آزما کر یہ ثابت کردکھایا کہ یہ جوہر واقعی بے بناوٹ کا سرچشمہ ہے آپکی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کررہے ہیں کہ اس کے استعمال سے جسم میں نیا اور تازہ خون پیدا ہونے لگتا ہے چہرے پر سرخی ہاتھ پیروں میں چستی توانائی ظاہر کرکے صحت کو قابل رشک بنا دیتا ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہوجائینگی جسکے لیے آپ ایک مدت سے محروم رہے ہیں آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کردیا جائے گا۔

حکیم اینڈ سنز

پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور میں ہڑبڑا کر بیدار ہوگیا۔ اس فون پر آنے والی ہر کال میرے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

بیدار ہونے پر میرا ذہن ویرا کی طرف گیا تھا۔ کال سنی تو وہاں اوّل خان موجود تھا۔

اس نے بتایا کہ حیدرآباد کی کچی نہر کے ایک کنارے پر ہوپر کی پھولی ہوئی لاش جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کی لاش کا کچھ حصہ اس علاقے میں پائے جانے والے جنگلی بھیڑیوں نے نوچ کھایا تھا لیکن لاش کے بدن پر پھنسے ہوئے کپڑوں میں موجود کاغذات سے اس کی شناخت ہوگئی تھی۔

وہ سب روٹین کے معاملات تھے جن میں اوّل خان نے ذرا بھی مداخلت نہیں کی تھی۔ بس ہوشیاری سے واقعات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔

وہ لاش ایک چرواہے نے دیکھی اور قریبی چوکی کے سپاہی کو اطلاع دی تھی۔ معاملہ ایک غیر ملکی کی پھولی ہوئی لاش کا تھا جس پر پورا لباس موجود تھا۔ مقامی پولیس نے لاش پر قبضہ کرکے اسے اسپتال پہنچانے سے پہلے یہ رائے قائم کرلی تھی کہ وہ اتفاقی حادثے کا شکار ہوا تھا۔

اس کا پورا نام جان ہوپر تھا اور وہ واقعی امریکی ایف بی آئی کا کارندہ تھا۔ اس کے بارے میں کراچی اور اسلام آباد میں سفارتی حکام کو اطلاع دے دی گئی تھی۔

''میں فکرمند تھا کہ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود تمہاری طرف سے لاش مل جانے کی کوئی خبر نہیں آئی۔'' میں نے وہ سب سن لینے کے بعد کہا ''حیدرآباد کی نہر سے اس کی لاش برآمد ہونے پر اس کے ساتھیوں کا کیا ردِعمل ہے؟''

''واقعہ بہت تازہ ہے۔ لاش صرف ایک گھنٹے پہلے، منہ اندھیرے ملی ہے۔ معاملہ ایک غیر ملکی کا نہ ہوتا تو شاید لاش ابھی تک وہیں پڑی رہتی۔ سب کچھ بہت تیزی سے ہوا ہے لیکن اس کا ردِعمل ابھی سامنے نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ وہ صدمے اور سکتے کے عالم میں ہوں گے۔''

میں نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ سوئیاں آٹھ بجا رہی تھیں۔ اگر میرے حساب میں غلطی نہیں تھی تو حیدرآباد کے مقامی وقت کے مطابق ہوپر کی لاش صبح پانچ بجے ملی تھی اور اوّل خان چھ بجے مجھے فون کررہا تھا۔

''وہ چکر میں ہوں گے کہ جہانگیر کے گھر جانے والا حیدرآباد کی نہر سے کیسے برآمد ہوگیا۔'' میں نے محظوظ ہوکر ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''میں فکرمند ہوں۔'' اوّل خان کی آواز گمبھیر تھی ''سرکاری طور پر وہ ہمارے دوست ہیں۔ اپنے بچاؤ کے لیے ہم کیسے ہی حالات کیوں نہ پیدا کرتے رہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے کئی سینئر آدمی ایک ایک کرکے مارے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے ورنہ حالات بہت نازک صورت اختیار کرجائیں گے۔''

''ہم ان کا پیچھا چھوڑ چکے ہیں۔'' میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا ''وہ خود اپنی مہم جوئی کا شکار ہورہے ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ ہوپر کے کیا عزائم تھے۔ اگر وہ اتفاقاً سلمیٰ کے بیلن کا شکار نہ ہوگیا ہوتا تو وہ جہانگیر کو اٹھا لے جاتا یا گھر ہی میں اس کا حشر خراب کردیتا۔''

''تمہارے چکر میں وہ بدترین دباؤ کا شکار ہیں۔ تمہاری ذات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں وہ اندھادھند کارروائیاں کررہے ہیں اور مارکھا رہے ہیں۔'' میرا اہم خیال ہونے کے باوجود وہ بہت زیادہ فکرمند تھا۔

''تم کہو تو میں واپس آکر خود کو ان کے حوالے کردوں؟'' میں نے کسی طنز کے بغیر کہا ''یہ ساری پیچیدگیاں آناً فاناً میں ختم ہوجائیں گی۔''

''میں مرکر بھی تمہیں یہ مشورہ نہیں دے سکتا۔'' میری تجویز پر اس نے تڑپ کر کہا ''تم نے یہ بات کہہ کر میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ تم کو مسائل سے آگاہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم آخری حل پر چھلانگ لگادو۔''

''میری بات کو طنز کے پیرائے میں نہ لو۔'' میں نے جلدی سے وضاحت کی ''یہ ہماری مجبوریاں ہیں۔ جب تک وہ مجھے اور ویرا کو پکڑ نہیں لیتے، چین سے نہیں بیٹھیں گے، کچھ نہ کچھ کرتے رہیں گے۔ اس کے نتیجے میں ٹام، ڈک، ہیری اور ہوپر وغیرہ مارے جاتے رہیں گے۔ ہم نے اپنا ہاتھ روک لیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا کیا جاسکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہماری طرف سے کوئی پہل نہیں ہورہی۔ اگر وہ خود چل کر جہانگیر کے فلیٹ پر نہ پہنچا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔'' اوّل خان بولا۔

''تم واقعات پر غور کروگے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ ان کی موت انہیں ہماری طرف ہانکتی ہے۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ سلمیٰ کبھی کسی کو مار سکے گی۔ اس نے اپنے شوہر کو بچانے کے لیے اضطراری انداز میں بیلن استعمال کیا اور ہوپر مرگیا۔ یہ بالکل ان ہونی سی بات تھی مگر ہوکر رہی۔''

''ان کا دباؤ یہی ہے کہ ان کے آدمی ایک ایک کرکے مرتے جارہے ہیں۔ تم دونوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہوپر کے واقعے کی قانونی پوزیشن تم نے بہت صاف کردی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ حیدرآباد میں ڈوب کر مرا' اس کے ساتھیوں کو بتانا چاہیے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔ حقیقت کچھ اور ہے جو ہم جانتے ہیں اور ہو پر کے قریبی ساتھی بھی جانتے ہیں لیکن کوئی اس موضوع پر اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی درج نہیں کرائی تھی۔''

''انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور تماشا دیکھتے رہو۔ جب تک جہانگیر تمہاری تحویل میں ہے' مجھے اس کی طرف سے بے فکری رہے گی۔ ہم سب میدان چھوڑ چکے ہیں۔ اب شہر میں سکون ہو جانا چاہیے۔''

''اس سکون سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں یہ سوچ سوچ کر کڑھتا رہتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے جلا وطن کر دیا گیا ہے۔ تمہیں گئے ہوئے ایک ہفتے سے زیادہ مدت ہو چکی ہے۔ اس دوران میں تم نے اپنے طور پر سوبھراج کا قصہ نمٹا دیا ہے پھر بھی تم وہاں رہنے پر مجبور ہو۔ ہم تمہاری واپسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔''

''دوست! اتنا زیادہ نہ سوچا کرو۔'' میں نے اس کی بات ہنسی میں اڑا دی ''اب میں ان باتوں کا عادی ہو گیا ہوں' تم بھی عادت ڈال لو۔ فی الحال میں یہاں خوش اور مصروف ہوں۔ میری واپسی کی فکر چھوڑ دو!''

''سوبھراج کے بعد وہاں تمہاری کیا مصروفیت نکل آئی؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

''اب اس کا سرپرست میرے سامنے ہے۔ خالی بیٹھنے سے بہتر ہے کہ آدمی کسی نہ کسی ہدف پر کام کرتا رہے۔''

واقعات اتنے پُر پیچ انداز میں پیش آ رہے تھے کہ میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔ ہو پر کی لاش ٹھکانے لگانے کے سلسلے میں' میں نے اس سے فون پر بات کی تو میرا خیال تھا کہ میں نے سوبھراج کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے وقت بچانے کے لیے اس وقت بھی وہ تذکرہ گول کر دیا لیکن اول خان نے سوبھراج کے بعد کی مصروفیت کا ذکر کر کے میرا حافظہ تازہ کر دیا۔ مجھے یاد آ گیا کہ سوبھراج کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میں نے خود اسے سوبھراج کے انجام سے آگاہ کر دیا تھا جس پر اس نے مسرت کے اظہار کے ساتھ مجھے مبارک باد بھی دی تھی۔

''تم خود اپنے لیے کام پیدا کرتے ہو۔ سوبھراج کے فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے تم نے اتنا بڑا کام کیا ہے کہ اب کافی دنوں تک آرام کر سکتے ہو۔ راجن کو چھیڑ کر تم اپنے لیے نئے مسائل پیدا کر لو گے۔'' اول خان نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''وہ بھارتی شہری ہے' تھائی لینڈ میں رہتا ہے۔ اس سے ہمیں سروکار نہ ہونا چاہیے۔''

''اس مشورے میں ذرا تاخیر ہو گئی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا ''وہاں پنجہ آزمائی شروع ہو گئی ہے۔ آج ہم نے اس کی ایک پرشکوہ لانچ کو سمندر میں غرق کرنے کا بندوبست کر دیا ہے۔ جلال کی خواہش تھی کہ راجن کو بھی دیکھ لیا جائے۔''

''ڈان بھی یہی چاہتا ہے۔'' اول خان نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا ''دوسروں کی خواہشات ضرور پوری کرو لیکن کچھ اپنا بھی خیال رکھو۔ میں نے سنا ہے کہ تھائی لینڈ میں کئی ایسے دور افتادہ ساحلی علاقے ہیں جہاں پہنچ کر انسان مسحور ہو جاتا ہے۔ تم کو کچھ دنوں کے لیے ان اطراف میں چلا جانا چاہیے۔ ایسی تفریحات دل و دماغ کی تازگی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔''

اول خان کو راجن کی لانچ کی اہمیت کا ادراک نہیں تھا۔ اس نے اس تذکرے کو اہمیت نہیں دی۔ اس وقت اس پر میری خبر گیری اور اصلاح کا سودا سوار تھا۔ اس سے کچھ دیر تک اسی کے رنگ میں باتیں کرنے کے بعد میں نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

دورانِ گفتگو میں نے سوچا کہ اسے جلال کے لیے بھی پیغام دے دوں تاکہ اسے پتا چل جائے کہ میں نے اس کی خواہش کے مطابق راجن کا ہانکا شروع کر دیا ہے لیکن ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی پیشہ ورانہ سرد مہری کا

لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے دو چھوٹے بچے تھے۔ دونوں بہت خوب صورت اور پیارے تھے۔ ایک روز وہ انہیں گلی میں ٹہلا رہی تھیں کہ وہاں سے دو بچے اور گزرے جو ذرا بڑے تھے۔ ان میں سے ایک تو اسی گلی میں رہتا تھا۔ دوسرا کسی اور شہر سے اس کے ہاں مہمان آیا ہوا تھا۔

مہمان بچے نے میزبان بچے سے پوچھا ''یہ دونوں پیارے بچے کس کے تھے؟''

''لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے تھے.....'' میزبان بچے نے منہ بنا کر جواب دیا ''اچھے اچھے بچے یہ ہمیشہ خود رکھ لیتی ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھیان آنے پر میں نے وہ ارادہ مسترد کر دیا۔ بہتر یہی تھا کہ میں خود جلال سے فون پر بات کر لیتا۔

''ہوپر کی لاش حیدر آباد کی ندی سے ضرور ملی ہے لیکن امریکی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ وہ جہانگیر سے باز پرس کے لیے اس کے گھر گیا اور وہاں سے غائب ہوگیا۔'' غزالہ نے اپنی رائے دی۔

''ان سے ایک بنیادی غلطی ہوئی ہے۔ وہ جان ہوپر کی گمشدگی کی باقاعدہ رپورٹ درج کرا دیتے۔ تب ہی ان کو کوئی سراغ مل سکتا تھا۔ اب وہ بے بس ہیں۔''

''وہ رپورٹ درج کراتے تو انہیں مقامی پولیس کو یہ بھی بتانا پڑتا کہ ہوپر کو جہانگیر کے گھر جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔ باقاعدہ سرکاری اجازت کے بغیر غیر ملکی ایجنسیوں کو یہاں کسی قسم کی تفتیش کا اختیار نہیں ہے۔''

''تم دور کی کوڑی لائی ہو۔'' میں نے مسکرا کے کہا ''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اسی وجہ سے رپورٹ درج کرانے سے گریز کیا ہو۔ اس مسئلے کا حل بہت سادہ تھا۔ انہیں جہانگیر کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کہہ دیتے کہ ہوپر کانفن کے علاقے میں سفر کے دوران میں اپنی گاڑی سمیت غائب ہوگیا۔ بات ریکارڈ پر آ جاتی تو اس کی حیدر آباد کی نہر میں موت کا معاملہ دوسرا رخ اختیار کر لیتا۔''

''سب کے پاس آپ جیسا ذہن نہیں ہوتا۔ ان لوگوں پر برا وقت آیا ہوا ہے۔ ان کی عقلیں ماؤف ہوگئی ہیں۔ وہ ایسی حماقتیں نہ کریں تو آپ کا کام خاصا دشوار ہو جائے گا۔''

''کبھی ہم اپنی ذہانت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی اپنے حریف کی حماقتوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اس معاملے میں دوسرے کیس کا اطلاق ہوتا ہے۔''

''میرا اب تک کا تجربہ ہے کہ امریکیوں میں غیر معمولی ذہانت نہیں ہوتی۔ ان کے اہم افسروں کی ذہنی سطح بھی بس نارمل ہوتی ہے پھر بھی ان کی قوم عملی طور پر دنیا پر راج کر رہی ہے یہ معما میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ذہانت کسی کام نہیں آتی۔ یہ دور دولت اور طاقت کا ہے' امریکیوں کو یہ دونوں حاصل ہیں۔ کمزور قومیں ان کی ہاں میں ہاں ملانے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ باقی قومیں ان کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر انہیں سلام کرتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بستر چھوڑ دیا۔

''آپ مشکل سے ڈیڑھ دو گھنٹے سوئے ہوں گے۔ کچھ دیر اور آرام کر لیں۔'' غزالہ نے دردمندی کے ساتھ مشورہ دیا۔

''آج سونا مقدر میں نہیں ہے دوبارہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ بعض اوقات میرا ذہن الجھ جاتا ہے۔ تو باتیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ ناشتا کرنے کے بعد جلال کو بھی دیکھ لوں۔ اسے وائٹ ہاک کی کہانی سن کر خوشی ہوگی۔''

''راجن کو آپ نے اس کی خواہش پر تو نہیں گھیرا!'' غزالہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ہرگز نہیں..... اس نے خود مجھے اپنے خلاف محاذ آرائی پر اکسایا ہے۔ ڈان اس کا دشمن ہے' جلال اس کی سرکوبی کا خواہاں تھا۔ اس کے باوجود میں اس سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ اب وہ دونوں اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ میں نے ان کی خاطر راجن سے تصادم کی راہ اختیار کی ہے۔''

اپنی بات پوری کر کے میں غسل خانے میں گھس گیا۔

شب بیداری اس وقت اپنا رنگ دکھا رہی تھی' تھکن سے میرا بدن ٹوٹ رہا تھا' ذہن پر دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے شاور میں ٹھنڈا پانی کھولا اور تیز دھاروں کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ طویل غسل کے بعد میں باہر نکلا تو تر و تازہ ہو چکا تھا۔

ہوٹل میں قیام کے دوران ہم نے اپنا بیشتر وقت کمرے میں رہ کر گزارا تھا۔ کھانے پینے کے لیے میں ریستوران وغیرہ میں جانے سے احتراز کرتا رہا۔ غیر ضروری طور پر ایسے مقامات پر جانے کی صورت میں دشواریاں پیدا ہونے کا خطرہ تھا اس لیے ہم عام طور پر کھانا اور ناشتا وغیرہ اپنے کمرے میں ہی منگوا لیتے تھے۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ غزالہ نے روم سروس والوں کو ہدایت دے کر ناشتا کمرے میں طلب کر لیا۔ ناشتے کے دوران میں نے ٹیلی وژن کھول دیا۔ اس کے انگریزی چینل پر ایک مزاحیہ فلم چل رہی تھی' خبروں میں دیر تھی۔

ناشتے کے بعد میں نے سگریٹ سلگائی اور جلال کا فون ملا لیا۔

اس نے میری آواز سنتے ہی پُرجوش انداز میں مجھے مبارک باد دی تو میں چکرا گیا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد بات صاف ہوگئی کہ وہ مجھے وائٹ ہاک کی تباہی پر مبارک باد دے رہا تھا۔

وہ بنکاک کا تازہ ترین واقعہ تھا۔ میں نے وہی خبر دینے کے لیے اسے فون کیا تھا۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ فہم تھی کہ وہ خبر اس تک کیسے پہنچ گئی۔

میرے استفسار پر وہ چند لمحوں تک اپنے وسائل کی ڈینگیں مارتا رہا پھر اس نے بتا دیا کہ اسد کا جانشین پچھلی شام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنکاک پہنچ چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس نے جلال کو اطلاع دی تھی کہ رات گئے وائٹ ہاک پر بموں سے حملہ کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ بیش قیمت لانچ اپنی غرقابی کے آخری مراحل سے گزر رہی تھی۔

راجن ممبئی سے بنکاک آنے کے بعد جس تیزی سے وہاں کی زیرزمین دنیا میں اپنا سکہ جماتا چلا گیا تھا اس کی بنا پر اسد کی توجہ اس پر مرکوز ہوگئی تھی۔ راجن بھارت کی زیرزمین دنیا کا ایک جانا پہچانا نام تھا۔ اندر کی کہانیاں جاننے والے حلقوں میں یہ خبریں گشت کرتی رہتی تھیں کہ وہ اکثر را کے لیے کام کرتا رہتا ہے۔ آئی بی والے دنیا کے کسی گوشے میں را کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ اسد کی بھیجی ہوئی ابتدائی رپورٹوں کی روشنی میں جلال نے اسے راجن پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایات دے دی تھیں۔

میں نے اس بارے میں کبھی تفصیل سے جلال سے بات نہیں کی لیکن اسد نے شاید اسے بتا دیا تھا کہ راجن نے خلیج سیام کے پانیوں میں وائٹ ہاک کی صورت میں اپنی طاقت اور عظمت کا ایک شاہکار کھڑا کیا ہوا تھا۔

اسد کی بنکاک سے روانگی سے پہلے میں نے وائٹ ہاک پر حملے کی ابتدائی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اسے غرق کر کے راجن کا غرور خاک میں ملا سکوں۔ وہ خبریں شاید جلال کے کانوں میں پڑ چکی تھیں۔ جب اسے اپنے نئے آدمی سے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر ملی تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ میرا ہی کام ہوسکتا تھا۔

جلال نے بتایا کہ بنکاک میں اسد کی جگہ لینے والے کا نام طارق تھا۔ وہ شہر میں طارق کی قیام گاہ سے واقف نہیں تھا لیکن اس نے مجھے طارق کا موبائل فون نمبر لکھوا دیا۔ اسد کی طرح طارق کو بھی یہ نہیں بتایا گیا کہ میرا اصل نام ڈینی تھا۔ اگر میں اس سے علی احمد کے مفروضہ نام سے رجوع کرتا تو وہ بنکاک میں میرا نیا معاون ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کے لیے میرا مفروضہ نام ہی میرا پاس ورڈ تھا' کسی اضافی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ جلال نے اسے میرا فون نمبر بھی دے دیا تھا۔

''میں اب بھی حیران ہوں کہ تمہارے آدمی کو اتنی جلدی یہ خبر کیسے مل گئی۔'' میں نے اس سے وہ سب سن لینے کے بعد حیرت سے کہا۔

''ایسی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔ واقعہ اتنا اہم اور سنگین ہے کہ بعض اخباروں کے ضمیمے بازار میں آچکے ہیں۔'' جلال نے انکشاف کیا۔

''میں بنکاک میں رہ کر ان باتوں سے بے خبر ہوں' تم وہاں بیٹھ کر مجھ سے زیادہ باخبر ہو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''جس وقت ہم نے لانچ پر وار کیا' صبح کے اخبارات شاید چھپنا شروع ہو چکے ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے ضمیمے نکال کر خاصا مال کما لیا ہوگا۔''

''یہ واقعہ کس وقت پیش آیا؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''رات کے ڈھائی بجے کے قریب ہماری خفیہ کارروائی کا آغاز ہوا تھا۔ میرا خیال ہے کہ لانچ کے پیندے میں لگائے گئے ریموٹ کنٹرولڈ بم تین اور ساڑھے تین بجے کے درمیان آپریٹ کروائے گئے' ہوسکتا ہے کہ اب تک لانچ ڈوب چکی ہو۔''

''وہ ڈوب چکی ہے۔'' جلال نے میرے قیاس کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ''طارق ضمیمہ پڑھتے ہی گودی کی طرف گیا تھا۔ اس وقت تک لانچ غرق ہو چکی تھی۔ سنا ہے کہ اس واقعے میں کئی افراد مارے گئے ہیں۔''

''گولیوں سے کوئی نہیں مارا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ

ضروری اعلان

تمام متعلقین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کے چاروں ڈائجسٹوں

''ماہنامہ جاسوسی' ماہنامہ سسپنس'
سرگزشت اور ماہنامہ پاکیزہ''

کے لئے

ملک افتخار برادرز نیوز ایجنسی فیصل آباد

کو فیصل آباد کے لئے سول ایجنٹ مقرر کیا گیا ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غیرت مند معززین ڈوب کر مر گئے ہوں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا۔

''تم نے ڈان کی ایک بہت بڑی خواہش پوری کی ہے۔ اب تم جب چاہو' بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل سکتے ہو۔''

''ابھی صرف لانچ غرق ہوئی ہے۔ ڈان اپنے حریف کی موت کا خواہاں ہے۔ شاید تمہاری بھی یہی خواہش ہوگی۔''

''امیدیں بر آنے لگیں تو خواہشات خود بہ خود بڑھنے لگتی ہیں۔ اس کی ہلاکت راہ والوں کو پریشان کر دے گی۔''

''دعا کرو کہ کوئی نیا داؤ لگ جائے۔ فی الحال وطن واپسی کی راہ بند ہے تو یہیں رہ کر کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہیے۔ میں اسد کے معاون کے روپ میں راجن سے رابطے میں ہوں۔ دوسرے احمقوں کی طرح وہ بھی میرے ذریعے ڈینی تک پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''تم اپنے حریفوں سے مل بیٹھنے کے فن میں طاق ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی گردن تمہارے ہی ہاتھوں کٹے گی۔ آج کل تمہارے دشمنوں کی بدبختی آئی ہوئی ہے۔ کل حیدر آباد کی ایک نہر کے کنارے سے ایک ایف بی آئی ایجنٹ کی لاش ملی ہے۔ میری عقل حیران ہے کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔''

''اول خان سے پوچھ لو' وہ بتا دے گا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''اول خان!'' اس نے حیرت سے دہرایا پھر کہا ''اس واقعے سے اسلام آباد میں سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں اس بارے میں کچھ معلوم ہے؟''

''کچھ نہیں' سب کچھ معلوم ہے۔ وہ جہانگیر کے گھر گیا تھا۔ طاقت کے بل پر اس سے میرے ٹھکانے کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ جہانگیر کی بیوی نے بے خبری میں اس کے سر پر بیلن دے مارا اور وہ بے چارہ وہیں گر کر مر گیا۔ جہانگیر کو قتل کے الزام سے بچانے کے لیے اس لاش کو حیدر آباد کی نہر میں ڈبونا ناگزیر ہو گیا تھا۔''

جلال کے لیے وہ تفصیل ناقابلِ یقین ثابت ہوئی اور اس نے مجھے پر پے در پے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم بنکاک میں بیٹھ کر یہاں کی ڈوریاں ہلا رہے ہو۔'' سوالات کا ذخیرہ ختم ہونے کے بعد اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

''دوستوں کی مجبوریوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جہانگیر میرا جگری دوست ہے۔ میری دوستی کی وجہ سے اس نے بہت مصائب جھیلے ہیں۔''

''وہ لوگ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ تم واقعات کو کتنا ہی توڑ مروڑ لو' کچھ لوگوں کو اصل واقعے کا علم ہوگا۔ وہ جاننا چاہیں گے کہ ہو پر' جہانگیر کے گھر سے حیدر آباد کیسے پہنچ گیا۔''

''میں اس کا بندوبست کر چکا ہوں۔ اب وہ دشمنوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اول خان نے اسے اسٹیشن فور میں روک لیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہوا۔'' اس کی بے ساختہ آواز آئی ''تم ایک مسئلے میں الجھ کر دوسرے معاملات کو نظر انداز نہیں کرتے۔ یہ معما حل ہونے سے میرے ذہن سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب میں اپنے طور پر یہ کیس سنبھال لوں گا۔''

''کیا یہ سیدھا سا پولیس کیس نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جان ہو پر یہاں سرکاری حیثیت میں مقیم تھا۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا ''جب معاملہ کسی غیر ملکی سرکاری اہل کار کے قتل کا ہو تو پولیس کے ساتھ مقامی ایجنسیوں کو بھی حرکت میں آنا پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہو پر کو اغوا کر کے حیدر آباد لے جایا گیا ہے۔ وہ کسی کو اطلاع دیے بغیر حیدر آباد نہیں جا سکتا تھا۔''

وہ امریکیوں کے موقف کے بارے میں پہلی خبر تھی جس سے اول خان واقف نہیں تھا۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا ''انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اسے اغوا کرنے والے کون لوگ ہو سکتے ہیں۔''

''اس بارے میں وہ خاموش ہیں۔ ابھی تک ہم مدافعانہ پوزیشن میں تھے' تم سے حقائق معلوم ہو جانے کے بعد میں انہیں زچ کر دوں گا۔ لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سر میں آنے والی چوٹ کو موت کا سبب قرار دے گی۔ وہ چوٹ نہر کے کسی پتھر وغیرہ سے بھی آ سکتی ہے۔ لاش پر پورے کپڑے موجود ہیں' ہو سکتا ہے کہ یہ خودکشی کا کیس بن جائے۔''

''کیس یہی بننا چاہیے۔'' میں نے پرزور لہجے میں کہا ''میری تلاش میں ناکامی کا بدترین ذہنی دباؤ اس کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نظریے پر کام کرتے ہوئے ان سے یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ ہو پر خودکشی سے پہلے کس کیس پر کام کر رہا تھا۔''

''میں نے تم سے کہا نا کہ میں انہیں زچ کر دوں گا۔ یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب مجھ پر چھوڑ دو۔ تم راجن پر اپنی توجہ مرکوز رکھو۔"

میں نے اسے یقین دلایا کہ راجن کے بارے میں اسے جلد ہی کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی اور ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

راجن کے خلاف کام کرنے کے لیے میرے سامنے تین محاذ تھے جن میں سے دو پر کام شروع ہو چکا تھا۔ وائٹ ہاک غرق کر دی گئی تھی، میں نے اکبر کے روپ میں بات کر کے اسے مضطرب کر دیا تھا۔ تیسرا رخ یہ تھا کہ میں اپنے اصل روپ میں اس سے چھیڑ چھاڑ کروں۔

وائٹ ہاک کو میں نے تباہ کیا تھا۔ اس کارروائی کے بعد میری طرف سے راجن کی مزاج پرسی ضروری ہو گئی تھی۔

وہ ایک خطرناک بدمعاش تھا۔ وہ روپوشی اختیار کر سکتا تھا مگر اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ میرے مطالبے پر اپنا بستر بوریا سمیٹ کر ممبئی واپس لوٹ جائے گا۔ پھر بھی اس پر اپنا دباؤ برقرار رکھنا ضروری تھا۔

میرے پاس موتی محل کے نمبر موجود تھے لیکن میں نے اس سے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون پر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا جس پر میں اس سے ایک بار مذاکرات کر چکا تھا۔

میں نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف یکے بعد دیگرے متعدد بار گھنٹیاں بجتی رہیں، کوئی جواب نہیں آیا۔ میں نے لائن منقطع کر کے دوبارہ وہی نمبر ملایا۔ اس بار بھی نتیجہ مختلف نہیں رہا۔ شاید میری یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی تھی کہ اس نے سیٹ لائٹ فون پر کال وصول کر کے یہ اعتراف کر لیا تھا کہ سوبھراج سے اس کا گہرا گٹھ جوڑ تھا اور سوبھراج کی عبرت ناک موت کے بعد اس کا سیٹ لائٹ فون راجن کے تصرف میں تھا۔

اس سے ایک بار غلطی ہو گئی تھی۔ وہ اس کا اعادہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

موتی محل کے ایک نمبر سے فون کر کے اس نے مجھ سے اکبر کی حیثیت میں بات کی تھی میں نے اس کو چھوڑ کر موتی محل کا دوسرا نمبر ملا لیا۔

آپریٹر نے میرا نام سننے کے بعد مجھ سے کوئی اور سوال نہیں کیا شاید راجن نے میرے بارے میں اپنے عملے کے خاص خاص لوگوں کو بریف کیا ہوا تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی فون پر راجن کی بھیری ہوئی آواز سنائی دی۔

"درندے! آہستہ بولو۔ میرے کان نازک ہیں۔" میں نے سرد اور سفاکانہ لہجے میں کہا "تم نے دیکھ لیا کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔"

چھ سالہ عاشر اسکول سے واپس آیا تو پیٹ پکڑتے ہوئے بولا "پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔"

"پیٹ میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ پیٹ میں کچھ ہے نہیں....." ماں نے کہا "پیٹ خالی ہے۔ اس میں جب کچھ ہو گا تو پھر درد نہیں ہو گا۔"

شام کو عاشر کے تایا ان لوگوں سے ملنے آئے۔ سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے تایا نے ایک لمحے کے لیے رک کر پیشانی مسلتے ہوئے کہا "آج سر میں بڑا درد ہو رہا ہے۔"

"سر میں درد اس لیے ہو رہا ہے کہ آپ کے سر میں کچھ ہے نہیں..... سر خالی ہے..... اگر سر میں کچھ ہوتا تو پھر درد نہ ہوتا....." قریب بیٹھے عاشر نے نورا بزرگانہ انداز میں کہا۔

"میں ان لمبے ہاتھوں کو بہت جلد جوڑوں سے اکھاڑ دوں گا۔" وہ غرایا۔

"وائٹ ہاک پر تمہیں ناز تھا۔ آج میں نے تمہارے اس غرور کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اب میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم میدان میں رکو گے یا اپنی بساط لپیٹ رہے ہو۔"

"تم اپنی خیر مناؤ۔ میں نے تم سے وقت خریدا تھا۔ اب میں مطمئن ہوں تم سر کے بل کھڑے ہو کر بھی امریکیوں کو یہ یقین نہیں دلا سکو گے کہ سوبھراج پر میرا ہاتھ تھا۔"

"تم جدید سائنس سے ناواقف ہو۔ اس کی بچی ہوئی ہڈیوں کا ڈی این اے ٹیسٹ یہ ثابت کر دے گا کہ وہ نرائن... پرشاد شرما کی نہیں سوبھراج کی ہڈیاں ہیں۔ وہ سوبھراج کے پورے خاندان کو جانتے ہیں۔ ان کے لیے رپورٹوں کا موازنہ مشکل نہیں ہو گا۔"

"اپنی کوشش کر کے دیکھ لو، تم منہ کی کھاؤ گے۔ شرما کی وصیت کے نام پر میں نے ساری ہڈیاں بھاری چتا میں جلوا دی ہیں، راکھ سمندر میں بہا دی گئی۔ میں نے تمہاری بدمعاشی کے سارے راستے مسدود کر دیے ہیں۔ ٹیسٹ کرنے کے لیے اب کچھ باقی نہیں رہا۔"

میں نے سکتے کے عالم میں اس کی وہ ہرزہ سرائی سنی۔ غلطی میری اپنی تھی۔ میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ وہ کس طرح پھنس سکتا ہے۔ اس نے میری غلطی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کمزوری کا توڑ کرلیا۔ چند منٹ پہلے میں تجربہ کر چکا تھا کہ اس نے سوبھراج کے سیٹ لائٹ فون کا استعمال ترک کر دیا تھا یا اسے تباہ کر دیا تھا۔ میں اپنے ایک اہم کارڈ سے محروم ہو چکا تھا۔

''تمہارا سر کچلنے کے لیے مجھے سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے اپنے صدمے پر قابو پا کر درشت لہجے میں کہا ''اپنی لانچ کی طرح تم بھی غرقاب کیے جا سکتے ہو۔ تمہارے سارے آدمی اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اسے تہ نشین ہونے سے نہیں بچا سکے۔''

''ڈینی! میں تم سے اس نقصان کا بہت بھیانک انتقام لوں گا۔ میرے آدمی تمہاری بو پر لگ گئے ہیں۔ مجھے تمہاری کمینگی کی پیشگی خبر مل گئی تھی۔ یہ میری خوش فہمی تھی کہ میں نے اسے اہمیت نہیں دی۔ تم کوئی دوسرا وار کرنے سے پہلے کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

صاف ظاہر تھا کہ وہ ان باتوں کا حوالہ دے رہا تھا جو میں نے اس سے اکبر کے روپ میں کی تھیں۔ اس حوالے سے یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ اکبر کے کردار نے اس کے لیے یکا یک کتنی اہمیت اختیار کر لی تھی۔

''مار کھانے والے اس طرح ہذیان بکتے ہیں۔ بنکاک میں تمہاری ہوا اکھڑ چکی ہے۔ جو شخص اپنے ٹھکانوں کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دوسروں کو کیا دے گا۔ یہ میری اور تمہاری گینگ وار ہے' لوگ پٹنے والے کا ساتھ بہت تیزی سے چھوڑتے ہیں۔ یہاں والوں کو معلوم ہے کہ تم کو زیادہ مار پڑی تو تم ممبئی بھاگ جاؤ گے۔ جن کو یہیں مرنا جینا ہے وہ تمہارے ساتھ رہ کر اپنی عاقبت خراب نہیں کریں گے' دور کھڑے ہو کر تمہاری بربادی اور رسوائی کا تماشا دیکھیں گے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے آنے والے دنوں کا نقشہ دکھایا۔

''اب میری اور تمہاری کھلی لڑائی ہے۔'' وہ غرایا ''تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کر لو' تم میرے قہر سے نہیں بچ سکو گے!''

اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھا اور اپنا اپریٹس بھی بند کر دیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ راجن اپنی لانچ کی تباہی پر اعصاب زدہ ہو چکا تھا۔

اس نے میری غلطی کا فائدہ اٹھا کر سوبھراج کی موت کے بارے میں سارے ثبوت ضائع کر دیے تھے۔ اس فون کال سے یہ فائدہ ہوا کہ مجھے اس پوزیشن کا علم ہو گیا۔ وہ ثبوت مٹ جانے کے بعد یہ امکان باقی نہیں رہا تھا کہ میں کسی گمنام فون کال کے ذریعے مقامی امریکی مشن کے کسی ذمے دار اہل کار کو راجن کے پیچھے لگا سکوں۔ اس کے خلاف جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا۔ اس مقابلے میں صرف ڈان میرا مددگار تھا۔

مجھے ذہنی ورزش کے لیے خاصا مواد مل گیا تھا۔ میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔ غزالہ نے میرے موڈ کا اندازہ لگا کر ٹیلی وژن کی آواز دھیمی کی اور اس کے سامنے کرسی سنبھال لی۔

مجھے غزالہ کو باہر بھیج کر وائٹ ہاک کی تباہی پر شائع ہونے والے اخباری ضمیمے منگوانے کا خیال آیا جسے میں نے ملتوی کر دیا۔ وہاں جو کچھ ہوا' ہمارے ہاتھوں اور ہمارے سامنے ہوا تھا۔ ضمیموں میں کاروباری سنسنی خیزی اور حاشیہ آرائی کے سوا کوئی نئی بات نہیں مل سکتی تھی۔

ٹیلی وژن پر خبروں کا سلسلہ شروع ہوا تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ واقعہ تازہ تھا اور تفصیلات دستیاب نہیں تھیں۔ خبر میں صرف اتنا بتایا گیا کہ ہاربر سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز وائٹ ہاک نامی تفریحی لانچ دھماکوں کے ساتھ تباہ ہو گئی۔ اس حادثے میں پانچ افراد پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئے جن میں چار عورتیں تھیں۔ سترہ افراد زخمی ہوئے۔ انہیں لانچ کے عملے اور دوسرے مہمانوں نے ڈوبنے سے بچا لیا' تین افراد لاپتا تھے جن کی تلاش جاری تھی۔

خبر کے ساتھ وائٹ ہاک کے ڈوبنے کا آخری مرحلہ بھی دکھایا گیا جس میں اس کا پچھلا حصہ پانی میں پوری طرح غرق ہو چکا تھا۔ اگلا حصہ سیدھا کھڑا ہوا تھا اور تیزی سے پانی میں بیٹھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد پانی کے بڑے بڑے بلبلوں کے اخراج کے ساتھ اگلا حصہ بھی پانی میں غائب ہو گیا۔ اس وقت لانچ پر کوئی فرد موجود نہیں تھا۔

دو بجے چاؤفان کسی پیشگی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہو گیا۔ وہ ہوٹل کے باہر اپنی گاڑی میں موجود تھا اور فون کر کے مجھے بلا رہا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اسے آپ سے کچھ لگاؤ ہو گیا ہے۔'' غزالہ نے اس کی آمد کی خبر سن کر کہا ''جب موقع ملتا ہے' آپ کے پاس دوڑا چلا آتا ہے۔''

''فضول باتوں سے دماغ چاٹ جاتا ہے۔'' میں نے جوتے پہنتے ہوئے بے زاری سے جواب دیا۔

''پھر بھی کام کا آدمی ہے آپ کے منصوبے کی ساری تیاری اسی کے ذمے تھی!''

''یہ سب کام وہ میرے لیے نہیں کرتا اسے ہر وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈان کی خوشنودی کی فکر رہتی ہے۔ وہ کسی پیدائشی غلام کی طرح ڈان کا خدمت گار بنا ہوا ہے۔''

''آپ کے لیے ان دونوں کا دم غنیمت ہے۔ اسد کے چلے جانے کے بعد یہاں کون رہ گیا تھا جو آپ کی ذرا بھی مدد کرتا۔''

میں نے غزالہ کے اس تبصرے کا جواب نہیں دیا۔ الوداعی انداز میں ہاتھ لہرا کر کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

''ماسٹر! آج مزہ آ گیا۔ پورے شہر میں چھوٹا راجن کی رسوائی ہو رہی ہے۔'' میرے گاڑی میں سوار ہوتے ہی اس نے خوش ہو کر کہا ''یہ دیکھو لانچ کی پراسرار تباہی پر دو اخباروں نے اپنے ضمیمے نکالے ہیں۔ وائٹ ہاک بڑی شان سے زاویے بدل بدل کر غرق ہوئی ہے۔ ان ضمیموں کی رنگین تصویریں دیکھو گے تو تمہاری طبیعت خوش ہو جائے گی۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ میں نے ڈیش بورڈ پر پڑے ہوئے اخبار اٹھا لیے۔ وہ دونوں تھائی زبان کے اخبارات تھے۔ ان میں وائٹ ہاک کی غرقابی کی رنگین تصاویر کسی زبان کی محتاج نہیں تھیں۔ ایک اخبار نے وائٹ ہاک کی فائل فوٹو بھی لگائی تھی جس میں وہ لانچ بہت باوقار اور پرشکوہ نظر آ رہی تھی۔

تصویریں دیکھ کر میں نے وہ ضمیمے بے پروائی سے پچھلی سیٹ پر ڈال دیے۔

''کیا تم مجھے یہ تصویریں دکھانے آئے تھے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا..... میرا نہیں ڈان کا!'' میرے تیور دیکھ کر اس نے اپنی بات میں آخری فقرہ جوڑا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں یہ اخبار بھی دکھا دوں۔''

''میں ابھی ٹیلی وژن پر یہ سب دیکھ آیا ہوں۔ اس واقعے میں کتنے پاپی مرے ہیں؟''

''مرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن ابھی تک تین عورتوں سمیت چار کا اعلان کیا گیا ہے، تین لاپتا ہیں۔'' اس کی معلومات ٹیلی وژن کے نشریے سے زیادہ نہیں تھیں۔

''شہر میں اس واقعے پر کیا ردِعمل پایا جا رہا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سنسنی اور سراسیمگی کا عالم ہے۔ اس حادثے پر لوگوں کو پچھلے واقعات بھی یاد آ رہے ہیں۔ اس کے کیسینو میں قتل، کلبوں میں دھماکے اور پھر موتی محل میں دھماکا، سب قصے از سر نو تازہ ہو گئے ہیں۔ ہم امن پسند اور ڈرپوک قوم ہیں۔ میرا اندازہ ہے آج سے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری اڈے ویران ہو جائیں گے۔'' چاؤ فان نے مسرت سے بتایا۔

''وہ اپنے کاروبار کے بل پر یہاں پھل پھول رہا ہے۔ اس کے دھندے تباہ ہوں گے تو اس کے قدم خود بہ خود اکھڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! قدم اکھڑنے کی نہیں، اب اس کی قبر جمانے کی بات کرو۔ لانچ ڈوبنے کے بعد اس کا دماغ چل گیا ہے۔ ابھی صبح آٹھ بجے اس کے دو آدمیوں نے پٹرول ڈال کر پیٹ پونگ کے دو ہوٹلوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ پتا نہیں وہ کیا کرنا چاہ رہا ہے.....!''

اس کی زبان سے پیٹ پونگ کے ہوٹلوں کا ذکر سن کر میں چونک گیا۔ میں نے متجسس لہجے میں پوچھا۔ ''وہ سکھوں کے ہوٹل تو نہیں تھے؟''

چاؤ فان کی آنکھیں حیرت سے کشادہ ہو گئیں اور وہ والہانہ انداز میں بولا۔ ''ماسٹر! تم تو ولی ہو گئے..... تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ وہ سکھوں کے ہوٹل تھے؟''

تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میرے بے ساختہ سوال نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ میں نے سنبھالا لے کر جلدی سے کہا۔ ''اس طرف زیادہ تر ہوٹل سکھوں کے ہی ہیں۔''

''کمال ہے!'' چاؤ فان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ ''میں دن رات وہاں کے پھیرے لگاتا رہتا ہوں، میں نے کبھی یہ بات نوٹ نہیں کی۔ تم کو میں نے ایک دن وہاں کی سیر کروائی اور وہاں کا پورا نقشہ تمہارے ذہن میں جم گیا۔''

چاؤ فان کی غائب دماغی کی وجہ سے آئی ہوئی بلا ٹل گئی۔ میرا یہ اندازہ اور پختہ ہو گیا کہ وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد راجن اکبر کی کہی ہوئی باتوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے چار افراد کی گفتگو میں اس کی ناؤ ڈوبنے کا ذکر سنا تھا اور اس نے اشتعال کے عالم میں اپنے آدمیوں سے ان دو مشتبہ ہوٹلوں کو نذرِ آتش کرا دیا جہاں اس کے دشمن کے آدمی بیٹھتے تھے۔ وہ راجن کے ذہنی اختلال اور بربریت کی ایک بدترین مثال تھی۔

''وہاں کسی نے ان لوگوں کو روکنے کی کوشش نہیں کی؟'' میں نے پوچھا۔

''ماسٹر! کیسی باتیں کرتے ہو۔ سب کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ ان بھیڑیوں کو کون روکتا۔ وہ آئے اور اپنی من مانی کارروائی کر کے چلے گئے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے آدمی تھے؟'' میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

''انہیں پورا شہر جانتا ہے۔ وہ جانے بوجھے چہرے تھے۔''

''کیا انہیں آتش زنی کے الزام میں نہیں پکڑا جائے گا؟''

''کون پکڑے گا؟'' اس نے سوال کیا ''پولیس اس کی زرخرید ہے۔ اول تو کوئی ان بھڑیوں کے خلاف گواہی نہیں دے گا۔ کسی نے راجن کے آدمیوں کا نام لیا تو پولیس تفتیش کے بہانے اسی کو دھر لے گی، حوالات میں ایک رات میں وہ حق گوئی سے توبہ کر لے گا۔ ایسے دھندوں میں یہاں دھاندلی اور بے رحمی چلتی ہے۔''

''تم اتنے یقین سے یہ سب باتیں بتا رہے ہو جیسے ایسا ہو چکا ہو.....!''

''ماسٹر! یہ کوئی نئی کہانی نہیں ہے۔ وہ دکانیں لوٹ لیتے ہیں، عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ انہوں نے شہر کو یرغمال بنایا ہوا ہے۔ سب لوگ ان کے خلاف زبان کھولتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ تم لکھ لو کہ ان میں سے کوئی نہیں پکڑا جائے گا۔ برباد ہونے والے ہوٹلوں کے مالک چند روز تک رونے پیٹنے کے بعد بیٹھ جائیں گے۔ پتا نہیں ان بے چاروں کا کیا قصور تھا۔''

''ضروری نہیں کہ ان دونوں ہوٹل والوں کا کوئی قصور ہو۔'' میں نے اسے الجھانے کی نیت سے کہا۔ ''یہ راجن کی دہشت گردی بھی ہو سکتی ہے۔''

''نہیں ماسٹر!'' اس نے پرزور لہجے میں اعتراض کیا۔ ''میں یہ بات نہیں مان سکتا۔ دہشت گردی کے لیے اس نے اپنے ہم وطنوں کو کیوں نشانہ بنایا..... دونوں سکھ ہیں اور ان کے ہوٹل ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ یہ کوئی اور ہی قصہ معلوم ہوتا ہے۔''

''اس بارے میں تم اتنے فکر مند کیوں ہو رہے ہو۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ان ہوٹلوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں تھا۔''

''ہاں، تمہاری یہ بات میں مانتا ہوں۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔

''ڈان نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔

''تم نے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے، کیا وہ نہ بلاتا؟''

''یہ مجھ سے زیادہ تمہارا کارنامہ ہے۔ سارا بندوبست تم نے کیا تھا۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''پھر تو اسے مادام کا کارنامہ کہو، بم اسی نے لگائے تھے۔''

''لیکن اس کا کھوج تم نے لگایا تھا۔ اس کام کے لیے اسے راضی کرنا بھی مشکل کام تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ بھی راجن کی ستائی ہوئی نکلی۔''

''ماسٹر! میں تمہارا خادم ہوں۔'' وہ اپنے سینے پر ہاتھ مار کے بولا ''حکم دو تو میں تمہارے لیے پاتال کی خبر لا سکتا ہوں۔ بس بے چاری مادام کا خیال رکھنا۔ وہ شام کی چائے پر بے چینی سے تمہارا انتظار کرے گی۔'' لی کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔

''میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتا دیا۔

''ایسا نہ کرنا۔'' وہ جلدی سے بولا ''اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ وہاں نہ جا کر تم اس کی توہین کا ارتکاب کرو گے۔ یہ نہ بھولو کہ وہ دوبارہ ہمارے کام آ سکتی ہے۔''

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مکمل سنجیدگی کا راج تھا۔ اس کا آخری فقرہ میرے دل کو لگا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس وقت مجھے بنکاک میں اپنے دوستوں اور ہمدردوں کی ضرورت تھی۔ لی جیسی دلیر اور بے خوف عورت کو ناراض کرنا مناسب نہیں تھا۔

''اس بارے میں دیکھا جائے گا۔ پہلے ڈان سے مل لیا جائے۔'' میں نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

''ہاں! ڈان کی بات ہو رہی تھی۔ آج وہ تم سے بہت خوش ہے۔ تمہارے لیے تھائی زبان کا ایسا لفظ استعمال کیا جو ہم لوگ گرل فرینڈ یا محبوبہ کے لیے استعمال کرتے ہیں..... یہ سمجھو کہ وہ تمہیں ڈارلنگ کہہ رہا تھا۔''

''تمہارے لیے یہ بات اہم ہو سکتی ہے، میرے نزدیک بے معنی ہے۔ ڈان ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا سی لغزش پر کسی کو بھی عرش سے فرش پر لے آتے ہیں۔ اس کی خوشی یا تعریف پر بغلیں بجانے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔''

''ماسٹر! تم عجیب آدمی ہو۔'' وہ اداس لہجے میں بولا ''خوش ہونے والی باتوں پر خوش نہیں ہوتے۔ ناراض کر دینے والی باتوں پر ایک دم بپھر جاتے ہو۔ ایسا تو میں نے ڈان کو بھی نہیں پایا۔ اب یہی دیکھ لو کہ وہ وائٹ ہاک کی تباہی پر کسی بچے کی طرح خوش ہو رہا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''دنیا کے کوئی دو آدمی ایک جیسے نہیں ہوتے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مزاج کے اعتبار سے ڈان علی نہیں ہوسکتا اور میں ڈان نہیں بن سکتا۔ کہو تو میں ڈان کو تمہاری اس خواہش سے آگاہ کردوں کہ مجھے ڈان جیسا ہونا چاہیے۔''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا۔'' اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''جب سے وہ گوشہ نشین ہوا ہے۔ بہت شکی اور وہمی ہوگیا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کی جگہ لینے کی سازش کررہا ہوں۔''

''اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔ تم جب بولنے پر آتے ہو۔ تو بے تکان بولتے چلے جاتے ہو۔ یہ اچھی عادت نہیں ہے۔''

''ماسٹر! یہی تو زندگی کی ایک علامت ہے۔ زبان اسی وقت رکتی ہے جب سانس آدمی کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔ میری اس آزادی کو مجھ سے نہ چھینو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے خوب سمجھ گئے ہو۔ میری باتوں کا وہ مفہوم بھی بھانپ لیتے ہو جو مجھے خود معلوم نہیں ہوتا۔''

اس کی وہ تاویل بسیار گوئی کی عجیب مثال تھی۔ میں مسکرا کر رہ گیا۔

راجن سے فون پر پہلی بار بات ہوئی تو میں نے اس کے لیے اکبر کا روپ دھارا ہوا تھا۔ اس بات چیت میں میرے پاس زیادہ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ اس کے ذہن کو اپنی طرف سے شکوک وشبہات سے پاک رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں اس کے ہر سوال کا فوری جواب دوں۔ وہ اول درجے کا گھاگ تھا۔ یہ بات بہ خوبی جانتا تھا کہ آدمی سچ بول رہا ہو تو اسے کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی، سچ خود بہ خود زبان پر آجاتا ہے۔ جھوٹ بولنے کا معاملہ بہت مختلف ہوتا ہے۔ ہر بات بہت سنبھل کر کہنا پڑتی ہے۔

اس نے ڈینی کے چار مفروضہ آدمیوں کے ٹھکانے کے بارے میں مجھ سے سوال کیا تو میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا جواب اس کے گوش گزار کردیا۔ سردار جی کے ہوٹل کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ وہ اس ہوٹل کے خلاف دہشت گردی کی کسی کارروائی پر اتر آئے گا۔ میرا خیال تھا وہ زیادہ سے زیادہ اپنے آدمیوں کو بھی اس ہوٹل کی نگرانی پر مامور کردے گا تاکہ مشتبہ افراد ان کی نگاہوں میں آسکیں۔

وہ جھنجلایا ہوا اور شکست خوردہ تھا۔ اس کے آدمیوں کے ہاتھوں دو ہوٹلوں کی بربادی کا ذکر سن کر مجھے قلق ہوا تھا۔ وہ ایسا ناگزیر واقعہ تھا جسے ٹالنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں سردار جی کے ہوٹل کے بجائے کسی اور مقام کا ذکر کرتا تو راجن کے آدمی وہاں بھی ویسی ہی بربادی پھیلا دیتے۔ اسے کسی نہ کسی کو اپنی جھنجلاہٹ کا نشانہ بنانا تھا۔ میں نے قبل از وقت اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے اسی کے ایک ہم وطن کا ذکر کیا اور ایک کے چکر میں دو سردار راجن کی جھنجلاہٹ کا نشانہ بن گئے۔

''ماسٹر! کیا شام کی چائے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟'' مجھے خاموش پاکر چاؤفان نے پرمزاح لہجے میں ٹوکا۔

''چاؤفان! تم باز نہیں آؤ گے۔ بار بار یہ ذکر کیوں نکال رہے ہو؟''

''تم نے ابھی تک اپنے ارادے سے آگاہ نہیں کیا۔'' وہ بولا۔ ''ایک بار مثبت جواب دے دو۔ میں دوبارہ مادام کا نام لوں تو جو چور کی سزا وہ میری!''

''وقت ملا تو میں اس سے بھی مل لوں گا۔ اب اس کا ذکر نہ کرنا۔''

''ہرگز نہیں!'' وہ سر جھکا کر سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ ''اس بے چاری نے مجھے فون پر یاددہانی نہ کرائی ہوتی تو میں تمہیں بار بار تنگ نہ کرتا۔''

''اس نے تمہیں فون کیا تھا؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''دیکھو ماسٹر، اب مجھے الزام نہ دینا۔ تم خود اس کی بات چھیڑ رہے ہو۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں نے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی کہ وہ تمہیں دیکھ لے گی تو آسانی سے ہمارے کام کے لیے راضی ہوجائے گی۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔ میں نے کسی نہ کسی طرح اسے شیشے میں اتار لیا۔ اب دیکھ لو کہ رات کو اس سے تمہارے پہلی ملاقات ہوئی ہے اور وہ تمہارے گن گا رہی ہے۔ کاش.....! تمہارے اس غلام کی قسمت بھی ایسی ہوتی۔''

وہ ایک گہرا اور حسرت زدہ سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم ڈان کے سیلرز بار کے پچھلے دروازے پر موجود تھے۔ ہمارے وہاں پہنچنے کے وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ چاؤفان نے اتنا بتایا کہ ڈان نے طلب کیا تھا۔ ڈور بیل کے جواب میں ایک خوب صورت مقامی لڑکی نے دروازہ کھولا اور ہمیں پہچان کر اندر جانے کی راہ دے دی۔

گھنٹی کی آواز ڈان نے سن لی تھی۔ ہم زینے عبور کرکے سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچے تو ڈان اپنے سفید ریشمی لبادے میں ہمارا منتظر تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے دیکھتے ہی وہ مسہری سے اتر کر میری طرف لپکا اور والہانہ انداز میں مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ میں نے سانس روک کر اپنا سینہ سخت کرلیا تھا کہ ڈان کی گرم جوشی کے باعث کسی جسمانی نقصان سے محفوظ رہ سکوں۔

''تم واقعی جوان مرد ہو۔ تم نے میرا ایک خواب پورا کردیا۔'' ڈان جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ آج میں نے وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبتا ہوا دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے چھوٹا راجن سمندر میں ڈوب رہا ہو۔ اب میرے پرانے دن لوٹ آئیں گے۔''

مجھے اپنی گرفت سے آزاد کرکے اس نے میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ ادھیڑ عمری کے باوجود اس کے بھرے بھرے ہونٹوں میں جوانوں جیسی گرمی تھی۔ مجھ سے الگ ہوکر وہ دوبارہ اپنی شاہانہ مسہری کی طرف لوٹ گیا۔

چاؤفان مجھے رشک اور حسرت کے ملے جلے جذبوں کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

''یہ صرف میرا کام نہیں ہے۔'' میں نے چاؤفان کا دل رکھنے کے لیے ڈان سے کہا ''اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے چاؤفان نے بہت محنت کی ہے۔''

''میرے سامنے اس حرام خور کی سفارش مت کرو۔'' ڈان غرایا ''یہ کسی قابل ہوتا تو پچھلے دو سال ایسے برے نہ گزرتے۔ تمہارا چابک چل رہا ہے تو یہ اب جی جان سے دوڑ رہا ہے۔ یہ خود سے محنت کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔'' وہ اچانک چاؤفان سے مخاطب ہوگیا ''کیوں.....؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''ڈان! تم سچے ہو۔'' چاؤفان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنا سر جھکا دیا ''ماسٹر نے میری کایا پلٹ کردی ہے۔ اب میں بہت محنت کررہا ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' ڈان نے طنزیہ لہجے میں کہا ''تجھے پورے بنکاک میں کوئی مرد غوطہ خور نہیں ملا۔ تو دو دنوں سے اس لمبی گھوڑی کے گھر کے چکر کاٹ رہا تھا جو خود کو حسینۂ عالم سمجھتی ہے۔''

ڈان کی زبان سے لمبی گھوڑی کا ذکر سنتے ہی چاؤفان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن ڈان کے تیور دیکھ کر خاموش رہا۔ اس کا دہانہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہے۔

میں نے محسوس کیا کہ ڈان اس کے ساتھ زیادتی کررہا تھا۔ وہ اتنی ملامت کا سزاوار نہیں تھا۔ میں نے کہا ''شہر میں کوئی راجن کے خلاف کام کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ لی نے راجن کے ہاتھوں گہرا زخم کھایا ہوا ہے۔ اس کا دکھ ہمارے کام آگیا۔''

''میں کسی وقت لی کی کہانی بھی سن لوں گا، تم دونوں بیٹھ جاؤ۔''

ڈان نے میرے سامنے چاؤفان کو پہلی مرتبہ اتنی عزت دی تھی کہ اسے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ ڈرے سہمے انداز میں ایک صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے اسے صوفے کے بقیہ حصے میں سوئیوں کے چھپا ہوا ہونے کا خوف ہو۔

''چاؤفان بھی میرا بچہ ہے!'' قدرے توقف کے بعد ڈان گمبھیر آواز میں بولا ''میں اسے بہت عزیز رکھتا ہوں۔ مجھے یہ سوچ سوچ کر اس پر غصہ آتا ہے کہ یہ دو سالوں سے کہاں سویا ہوا تھا۔ سب کچھ تمہارے آنے کے بعد کیوں ہورہا ہے؟''

''ڈان .....کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔'' میں نے ملائمت سے کہا ''یہ میرے اور تمہارے ستاروں کے ملنے کا کمال ہے۔ میں اکیلا تھا تو خود بھی بھٹک رہا تھا۔ راجن کو انگلی تک نہیں لگا سکتا تھا۔ اب اس کی پسپائی کے آثار نظر آنے لگے ہیں۔''

''وائٹ ہاک کی تباہی سے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے ہیں۔'' راجن کا ذکر آتے ہی ڈان کی ذہنی رو اس کی طرف منتقل ہوگئی ''میں نے صبح سویرے دیر تک اس لانچ کے ڈوبنے کا سہانا منظر دیکھا ہے۔ اس کے ہر بل پر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے راجن زخم کھا کر تڑپ رہا ہو۔ وہ اتنا بزدل ہے کہ اپنی لاڈلی لانچ کو دیکھنے تک نہیں آیا۔ خوف زدہ چوہے کی طرح اپنے موتی محل میں گھسا ہوا بیٹھا ہے۔ لوگ بتا رہے ہیں کہ اس نے صبح سے اپنا قدم باہر نہیں نکالا۔''

''وہ کئی دنوں تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

''اسے گھسیٹ کر موتی محل سے نکالو۔'' ڈان نے مطالبہ کیا ''بنکاک کی سڑکیں اور گلیاں اس کے خون کا خراج مانگ رہی ہیں، اس کام میں دیر نہ کرو۔''

وہ ڈان کی جذباتی باتیں تھیں جو میں نے خاموشی سے سن لیں۔ راجن کو براہِ راست گھیرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

''زیرِ زمین دنیا میں خبریں سینہ بہ سینہ بہت تیزی سے سفر کرتی ہیں۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''اب تم منادی کرادو کہ جو راجن کا ساتھ دے گا، وہ مارا جائے گا۔ حالات کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھارا اس کے خلاف بہہ نکلا ہے۔ اس دھمکی سے بہت سے لوگ اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ وہ اکیلا رہ جائے گا تو اسے نرغے میں لے لیا جائے گا۔''

''میں تمہاری سوچ کا پرستار ہوتا جا رہا ہوں۔'' ڈان نے تعریفی لہجے میں کہا ''تم بہت آسانی سے گر کی باتیں سوچ لیتے ہو۔ یہ تدبیر واقعی کارآمد رہے گی۔'' بات ختم کر کے اس نے اپنی استفسار طلب نگاہیں چاؤفان کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

''مم..... میں آج ہی یہ خبر پھیلا دوں گا۔'' چاؤفان ہکلا کر جلدی سے بولا ''کمزور مہرے تیزی سے راستے سے ہٹ جائیں گے۔''

''ابھی ڈان کا نام کھلنے کا وقت نہیں آیا، یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا۔'' میں نے براہ راست چاؤفان سے کہا۔

''ہاں، اسے تجسس میں رہنے دو!'' ڈان نے میری تائید کی ''اسے یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ کون اس کے پیچھے لگا ہوا ہے، میں سن رہا ہوں کہ وہ کسی ڈینی پر شبہ کر رہا ہے۔ اس کے آدمی شہر میں ڈینی کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔''

''یہ ہمارے حق میں بہت اچھی بات ہے۔'' میں نے لقمہ دیا ''اسے کسی نہ کسی کے پیچھے لگنا ہی تھا۔ وہ بھٹکتا رہے گا تو ہم اپنا کام آسانی سے پورا کر لیں گے۔''

''ڈینی اس کا کوئی بڑا دشمن ہے اور بنکاک میں آیا ہوا ہے تو اسے ہم پال لیں گے۔ اس وقت راجن کا ہر دشمن ہمارا دوست ہے۔'' ڈان بولا۔

موضوعِ سخن خطرناک موڑ پر آ گیا۔ میں اس وقت سے ڈرتا رہا تھا جب راجن سے دشمنی کے حوالے سے میری ذات زیرِ بحث آئے۔ وقت اور حالات میری خواہشات کے تابع نہیں تھے۔ ڈان کو اچانک وہ بات یاد آ گئی جو ایک اٹل حقیقت تھی مگر میں نے دہرے کردار کے ذریعے اسے ایک افسانے کا رخ دیا ہوا تھا۔ میں نے سرسری انداز میں اس بات کو ٹالنے کی کوشش کی تھی لیکن ڈان نے مجھے یا ڈینی کو پالنے کا ذکر کر کے ایک سنگین پیش رفت کی تھی۔

''جیسا حکم ہو۔'' چاؤفان نے رضاکارانہ انداز میں کہا ''ڈان کی ہر بات میں حکمت ہوتی ہے۔''

''اپنے دوسرے کاموں کے ساتھ ڈینی کو بھی تلاش کرو اور اسے میرے پاس لاؤ۔'' ڈان نے متانت سے کہا ''علی اسے بہترین راہ پر ڈالے گا۔''

''ڈان! برا نہ مانو تو میں کچھ عرض کروں۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''کہو..... جو دل میں آتا ہے کہہ ڈالو۔ میں نے تم پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی۔'' اس نے مربیانہ لہجے میں میری حوصلہ افزائی کی۔

''یہ نازک وقت ہے۔ ڈینی کو تلاش کرنے کی صورت میں ہمارے وسائل بٹ جائیں گے۔ اس وقت ہمیں اپنی ساری توجہ راجن پر مرکوز رکھنا چاہیے۔'' میں نے بہت محتاط انداز میں الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے کہا ''وہ ایک جھٹکے کا مہمان ہے۔ اسے ڈینی کے پیچھے لگا رہنے دو۔ وہ ہماری طرف سے غافل رہے گا اور ہم اسے مار لیں گے۔''

''تمہاری بات سمجھ میں آتی ہے۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا تو میری جان میں جان آئی۔

''میں ایک وقت میں ایک دشمن سے لڑنے کے اصول کا قائل ہوں۔'' اس نے اپنی بات جاری رکھی ''ڈینی دوست ہے یا ہوگا، اس لیے میں نے اس کا ذکر کیا تھا لیکن تم درست سمت میں سوچ رہے ہو۔ چھپے ہوئے دوست کو ڈھونڈنا، دشمن کی تلاش سے کم نہیں ہوگا، وسائل بٹ جائیں گے۔ فی الحال ہمیں اپنی ساری توجہ چھوٹا راجن پر مرکوز رکھنا چاہیے۔ ڈینی اس کا مسئلہ ہے ہمارا نہیں۔''

میں نے اپنے پیٹ میں پڑتی ہوئی گرہیں کھلتی ہوئی محسوس کیں۔ میں نہایت خلوص کے ساتھ ڈان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

''ڈینی اسے مار لے گا تب بھی ہمارا نام ہوگا۔'' چاؤفان نے ادب و احترام کے ساتھ کہا۔

''بکو مت!'' ڈان غصے سے دہاڑا ''دوسرے کا مارا ہوا شکار کھانے کے بجائے اپنا شکار کھیلنے پر دھیان دو۔ چھوٹا راجن کو میرے آدمی ماریں گے۔''

چاؤفان نے خوشامد میں ڈان کی ہاں میں ہاں ملانے کی کوشش کی تھی، ڈانٹ پڑی تو اس نے سہم کر منہ لٹکا لیا۔

ڈان نے اپنے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نئے تھائی نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور میری طرف اچھال دیں ''یہ ڈیڑھ لاکھ بھات ہیں۔ بڑی گڈی تمہارا انعام ہے۔ چھوٹی گڈی چاؤفان اور اس کے آدمیوں کے لیے ہے۔''

میں نے دونوں گڈیاں لپک کر پچاس ہزار بھات والی گڈی اسی لمحے چاؤفان کی طرف بڑھا دی۔ وہ کرسی سے اٹھ کر ڈان کے سامنے رکوع کی حالت میں اتنا جھک گیا کہ اس کے سر کے لمبے لمبے بال قالین کو چھو رہے تھے۔

میں نے تشکر کے اظہار کے لیے چاؤفان کی تقلید کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کھڑے کھڑے کہا۔ ''ڈان! تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قدر شناس ہو۔ اس عزت افزائی کے لیے میں تمہارا ممنون ہوں۔ اپنے اخراجات کے لیے میرے پاس رقم ختم ہو رہی تھی۔ انعام کی صورت میں تم نے مجھے بہت بڑا سہارا دیا ہے۔''

میرے پاس رقم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ڈان کے دیے ہوئے انعام کو اہمیت دینے کے لیے میں نے وہ الفاظ کہہ ڈالے۔ اپنی دریا دلی کا ذکر سن کر ڈان کے چہرے پر مسرت آمیز سرخی آ گئی۔

''بدھا تم کو کامیاب کرے۔ آؤ، میں تمہیں رخصت کردوں۔'' ڈان اپنی مسہری سے نیچے اتر آیا۔ میرے قریب آ کر اس نے دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور مجھے اپنے ساتھ لیتا ہوا زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کی خوشی میں ڈان کا موڈ خوشگوار تھا۔ وہ زینے طے کر کے ہمیں عقبی دروازے تک چھوڑنے کے لیے نیچے آ گیا۔ چوبی زینوں پر ہمارے قدموں کی چاپ سن کر خدمت گار لڑکی دروازے پر آ گئی تھی۔ اس نے ڈان کی جھلک دیکھی تو سہم کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ڈان نے دروازہ کھولا، چاؤفان اسے تعظیم دیتا ہوا یوں باہر نکلا جیسے کوئی چوہا گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد چوہے دان سے باہر آتا ہے۔

ہم دونوں گلی کے سرے تک پہنچنے تک خاموش رہے پھر چاؤفان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میدان صاف تھا، ڈان نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ چاؤفان نے اچانک میرا داہنا ہاتھ پکڑ کر عقیدت سے چوما اور اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

''چاؤفان! تمہیں بوسہ لینے کا قرینہ بھی نہیں ہے۔'' میں نے ہلکی سی جھرجھری لے کر کہا ''تم نے میرے ہاتھ پر اپنی زبان سے تھوک لگا دیا۔''

''ماسٹر! تھائی بوسہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جب تک زبان کسی کا لمس محسوس نہ کرے، ہونٹوں کو بوسے کی لذت کا پتا نہیں چل سکتا۔'' اس نے اپنا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہا ''میں دل و جان سے تمہارا شکر گزار ہوں کہ آج تمہاری وجہ سے ڈان نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کی عزت بخشی اور ایک بھاری انعام سے نوازا۔''

''میں نے تمہاری سفارش کرنے کی کوشش کی تھی مگر ڈان تمہیں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔''

وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا ''میں اس کی ڈانٹ ڈپٹ کا برا نہیں مناتا۔ مجھے اس کی پھٹکار میں بھی عجیب اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ تم نے سنا نہیں کہ وہ مجھے اپنا بچہ کہہ رہا تھا۔''

''حالانکہ تم بالغ ہو چکے ہو اور شاید عیال دار بھی ہو۔'' میں نے اسے چھیڑا۔

''اپنی بزرگی کے اعتبار سے وہ میرے باپ جیسا ہے۔ وہ ڈانٹتا ہے تو پچکارنا بھی جانتا ہے۔ اس کی یہ ادا میرے دل کو ہمیشہ موم کر دیتی ہے۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ اس کے قدموں میں بیٹھ کر رونا شروع کر دوں۔''

''وہسکی کے دو چار گلاس پی لینے کے بعد اچھے خاصے آدمی اسی طرح رقیق القلب ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''ماسٹر! میرا مذاق مت اڑاؤ۔ میں شراب پیتا ہوں مگر پی کر کبھی ڈان کے سامنے نہیں آیا۔'' اس نے برا سا منہ بنا کے کہا۔

ہم گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھالیں اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ چاؤفان کے چہرے سے ایسی طمانیت جھلک رہی تھی جیسے وہ کوئی بہت بڑا اعزاز جیت کر واپس لوٹ رہا ہو۔

''ماسٹر! ہمیں کہاں جانا ہے؟'' چند منٹ تک خاموشی سے کار چلانے کے بعد اس نے پوچھا۔

''مجھے ہوٹل چھوڑ دو۔ ہم اور کہاں جائیں گے!'' میں نے نیم دلی سے کہا۔

''چار بج رہے ہیں۔'' اس نے اپنی رسٹ واچ میرے سامنے کرتے ہوئے یاد دلایا۔

''تم نے پھر اس کا ذکر نکالا۔'' میں نے اسے گھور کر ترشی سے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ آئی ''ماسٹر! میں نے تو کسی کا بھی ذکر نہیں نکالا تمہیں وقت بتا رہا تھا۔''

''جب تک میں اس سے نہیں ملوں گا، تم مجھے یوں ہی زچ کرتے رہو گے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ڈان اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ طنز سے اسے لمبی گھوڑی اور حسینۂ عالم کہہ رہا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اسے ایسی عامیانہ باتیں کہاں سے معلوم ہو جاتی ہیں۔''

''ذرا لمبی گھوڑی کی معنویت پر غور کرو۔ تم ڈان کی فکر رسا کے قائل ہو جاؤ گے۔ وہ اپنی معلومات کے حصول کے لیے صرف مجھ پر انحصار نہیں کرتا۔ شہر کے بہتیرے لوگ اس سے ملنے آتے ہیں۔ وہ کسی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا پھر بھی لوگ آتے ہیں۔''

''ان کے آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہوگا۔'' میں نے پوچھا۔

''سب دوغلے ہوتے ہیں۔ چھوٹا راجن کے آدمیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آرہا ہوں بیگم! ذرا ٹھہرو..... میں حساب لگالوں..... کون کون سا کلڈا کون کون سے پڑوسی کو بھجوانا ہے.....''

سے چھپ کر ڈان کو یقین دلانے آتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ ہیں۔ ڈان جانتا ہے کہ ایسے لوگ کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔ وہ بنی کے یار ہوتے ہیں۔ راجن مرجائے تو شہر ڈان کے ہاتھوں میں آجائے گا۔ ایسے وقت کے لیے وہ اپنے نمبر بنانے کے واسطے آتے ہیں۔''

''ان سے ڈان کو شہر کی خبریں ملتی ہوں گی!'' میں نے تصدیق چاہی۔

''خبریں ملتی ہیں مگر میں حیران ہوں کہ مادام سے میری ملاقاتوں کی خبر کس نے پہنچائی ہوگی۔ میں اس سے بہت رازداری کے ساتھ ملا تھا۔ یہ بات دشمنوں کے کانوں تک پہنچ گئی تو بے چاری مادام مفت میں ماری جائے گی۔''

''تمہیں اس کی فکر ہے میری کوئی پروا نہیں۔ اس کی وجہ سے میں کسی مصیبت میں پڑسکتا ہوں۔'' میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر کہا۔

''ماسٹر! تم اصیل گھوڑے ہو!'' اس نے اپنی بات سے خود محظوظ ہو کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''مصیبتیں مجھ بے چارے کی قسمت میں لکھی ہیں، تم سے دور بھاگتی ہیں۔ ڈان اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ کسی کی ذاتی دلچسپیوں میں مداخلت نہیں کرتا۔ تم نے دیکھ لیا کہ مادام پر طنزیہ تبصرہ کرنے کے باوجود اس نے مجھے اس سے ملنے سے نہیں روکا۔''

''اسے میری اور لی کی ملاقات کا علم ہوگا تو وہ کیا سوچے گا!''

''کچھ بھی نہیں۔ اس کی جوانی بہت رنگین گزری ہے۔ آج وہ اپنی عورت کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔ وہ مجھے کانٹوں میں گھسیٹتا ہے، تم سے کچھ نہیں کہے گا..... تو پھر میں چلوں مادام کی طرف؟''

میں بے ساختہ ہنس پڑا ''تمہاری کھال بہت موٹی ہے۔ جہاں چاہو لے جاؤ۔''

وہ خوش ہوگیا ''میں باہر رک کر تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔ میری فکر نہ کرنا۔ کبھی تم عجلت میں مادام سے ہاتھ ملا کر لوٹ آؤ۔''

''تمہیں رکنے کی ضرورت نہیں۔ میں ہلٹن ہوٹل کا نام لوں گا تو کوئی بھی ٹیکسی ڈرائیور مجھے وہاں پہنچا دے گا۔''

''وہ تمہیں ٹیکسی سے نہیں جانے دے گی۔'' چاؤ فان نے وثوق سے کہا ''خود چھوڑنے جائے گی اور تمہارا ہوٹل دیکھ لے گی۔ کیا تم یہ خطرہ مول لوگے؟''

''تمہیں پرکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عذاب کے فرشتے کیسے ہوتے ہوں گے۔'' میں نے بھنا کر کہا ''تم رکنا چاہتے ہو تو رکے رہنا، میں اپنی مرضی سے واپس آؤں گا۔''

''یس ماسٹر!'' اس نے بایاں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر سر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو خم دیا اور اپنی بات منوانے کی خوشی میں گاڑی کی رفتار اور بڑھا دی۔

صبح کے اولین دھندلکے میں، میں لی کا گھر دیکھ چکا تھا۔ چاؤ فان نے فٹ پاتھ کے کنارے گاڑی روکی تو میں نے وہ جگہ پہچان لی۔

''گاڑی اس کے پھاٹک پر کیوں نہیں روکی؟'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''مصلحت ماسٹر!'' وہ بائیں آنکھ دبا کر لوفرانہ انداز میں بولا ''اس ملاقات میں میری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گاڑی پھاٹک پر روکتا تو مجھے بھی اترنا پڑتا۔ وہ ہم دونوں کا نہیں، صرف تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

میں نے گاڑی سے اتر کر دروازہ بند کیا اور لی کے پھاٹک کی طرف چل دیا۔

لی کا دربان ضرورت سے زیادہ مستعد تھا۔ مجھے گھنٹی کا بٹن دبانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، وہ کسی جن کی طرح چوبی پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آ گیا۔

''علی۔ میں لی سے ملنے آیا ہوں۔'' اس سے نگاہیں چار ہوتے ہی میں نے شائستگی سے اسے بتایا۔

اس کے چہرے پر اچانک تیمی طاری ہوگئی۔ اس نے باچھیں پھیلا کر کچھ کہا جو میرے سر پر سے گزر گیا۔ اس نے اپنے کیبن کی دیوار سے لٹکے ہوئے انٹرکام پر اندر کسی سے بات کی، پھر کاٹھ کے اُلو کی طرح میرے سامنے کھڑا ہوگیا۔ وہ مجھے دیکھ کر وقفے وقفے سے یوں مسکرا رہا تھا جیسے اپنے دانت چمکا کر خیر سگالی کا اظہار کر رہا ہو۔

مجھے زیادہ دیر تک اس کے روبرو نہیں رہنا پڑا۔ لی اپنے بدن پر ایک ڈھیلا گون پہنے برآمدے میں نظر آئی۔ وہ پرجوش انداز میں ہاتھ لہراتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے بھی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کی اور برآمدے کے سرے پر ہم یک جا ہوگئے۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے!'' اس نے نہایت گرم جوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر گھر میں داخل ہوگئی۔

ڈرائنگ روم چھوڑ کر وہ کشادہ راہداری میں آگے بڑھی اور بیش قیمت آرائشی اشیا سے سجی ہوئی لابی سے گزر کر ایک خواب گاہ میں داخل ہوگئی۔

اس کا پورا گھر بہت حسین اور وسیع تھا جس کی سجاوٹ میں نفاست کے ساتھ اعلا ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا لیکن اس کی خواب گاہ کی سجاوٹ نے مجھے مبہوت کر دیا۔

''بہت شان دار کمرا ہے تمہارا!'' میں اس کی خواب گاہ کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔

''تمہارے آنے سے پہلے ویران تھی۔'' اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

کمرے کی فضا خنک تھی۔ کسی طرف لگا ہوا ایے آواز ایر کنڈیشنر تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو مجھے کمرے کی فضا میں رچی ہوئی الکحل کی بو کا احساس ہوا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر لی کی طرف دیکھا تو اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں خمار کے ہلکے سے ڈورے تیر رہے تھے۔

میرے انداز سے وہ میرا مدعا بھانپ گئی اور مجھ پر تقریباً گرتے ہوئے بولی ''تھوڑی سی شراب ایسی ملاقاتوں کو دو آتشہ بنا دیتی ہے۔ وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد میں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ مجھے اس کی ضرورت تھی۔''

یہ کہہ کر اس نے انگڑائی لینے والے انداز میں اپنے ہاتھ پھیلائے اور جسم پر پہنا ہوا گون اتار کر مسہری پر اچھال دیا۔ اس کے بدن پر بہت بڑے گھیر والا ایک حریری لبادہ رہ گیا جس کی تہوں سے کہیں کہیں اس کا مرمریں بدن جھانک رہا تھا۔

اس دوران میں، میں نے مے نوشی کے لوازم سے سجی ہوئی منقش تپائی دیکھ لی تھی جو ایک بڑے صوفے کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ لی اٹھلا کر اس طرف چلی۔ ایک ہوش ربا منظر میرے سامنے تھا۔ ٹھمکتی اور سرکتی ہوئی تہوں میں اس کے بدن کے بدلتے ہوئے زاویے نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کے بدن سے گون اترتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس شام کی ملاقات کے لیے لی نے کچھ زیادہ اہتمام کیا ہوا تھا۔

وہ میری میزبان تھی۔ اس کی پیشکش پر میں صوفے پر بیٹھا تو وہ مسکراتی ہوئی، میرے بدن سے تقریباً جڑ کر بیٹھ گئی۔

''کیا پینا پسند کرو گے؟'' اس نے میری طرف مزید جھک کر مخمور لہجے میں پوچھا۔

''میں چائے یا کافی کے سوا کچھ نہیں پیتا۔'' میں نے اس سے ذرا دور سرکتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....! یہ بری بات ہے۔'' اس نے ایک ادا سے کہا اور اچانک ایک ہلکی سی چیخ مار کر خوف زدہ انداز میں اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے بھی بے ساختہ اپنی جگہ چھوڑ دی۔

باہر سے آنے والی فائر کی آواز بہت واضح تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں نے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کی ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلیجنس ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر نفرت کا ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون لوانگ نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز مال و اسلحہ پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی یہودی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آنرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچ جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سومبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سومبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سومبھراج نے ہمیں بہت دور لایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خو میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سومبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بڑی لڑکی تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلیر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سومبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سومبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سومبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی نوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مار کر سومبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ڈیلک سسٹم کے باعث مجھے سومبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سیل کر دو اپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے ای پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لیتے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح اتنا خیال رکھنا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی چٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اسٹیشن فوراً پر پہنچ گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پہ بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل حلق میں آ گیا۔

اب آپ قسط نمبر 252 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

"یہ حرام زادہ باز نہیں آئے گا۔" لی نے لمحے بھر بعد' کے ساتھ کہا "مجھے کسی سے اس کے ہاتھ پیر تڑوانا پڑیں اپنے اضطراری ردِ عمل سے سنبھلنے کے بعد جھلاہٹ اور غصے گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لیے لی کے وہ الفاظ حیران کن تھے۔ باہر گولی چلنے کے بعد اس کا وہ تبصرہ یہ ظاہر کررہا تھا کہ وہ اچانک فائر کرنے والے سے اچھی طرح واقف تھی۔

''تم کس کا ذکر کررہی ہو؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ پھوم فاٹ کے سوا کسی کی حرکت نہیں ہوسکتی۔'' وہ غصے سے بل کھاتے ہوئے بولی ''وہ بہت گھٹیا اور گھناؤنا آدمی ہے۔ پچھلے ایک مہینے میں آج اس نے چوتھی بار یہاں سے گزرتے ہوئے ہوائی فائر کیا ہے۔''

''پھوم فاٹ!'' میں نے معنی خیز انداز میں وہ نام دہرایا اور کہا ''تمہارا کوئی ناراض اور بگڑا ہوا عاشق معلوم ہوتا ہے۔'' فائر کے بارے میں لی کی تفصیلی وضاحت سن کر میری تشویش اور پریشانی رفع ہوچکی تھی۔

''بنکاک کا ایک اوباش رئیس زادہ ہے۔ مجھے صورت ہی سے وہ مکروہ اور گھناؤنا نظر آتا ہے۔ میں اپنا جسم بیچتی ہوں مگر ہر ایرے غیرے کو نہیں۔ میری خلوت میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جو مجھے پسند نہ ہوں تب بھی' کم از کم گوارا ضرور ہوتے ہیں۔ پھوم فاٹ کو میں نے یہاں سے بھگا دیا تھا۔ اس کے دماغ میں اپنی دولت کا خناس گھسا ہوا تھا۔ اس نے مجھے منہ مانگا معاوضہ دینے کی پیشکش کی' میں نے اسے بھی ٹھکرا دیا۔ اس کے بعد سے وہ بدمعاشی پر اتر آیا ہے۔ جب بھی زیادہ پی لیتا ہے تو اسے میرے وجود کی خلش ستانے لگتی ہے۔ وہ اپنے دو چار حواریوں کے ساتھ یہاں ایک آدھ ہوائی فائر کرتا ہوا گاڑی میں بھاگ جاتا ہے۔ کمینہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں ڈر کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دوں گی۔''

وہ کہانی سناتے ہوئے لی صوفے پر بیٹھ گئی۔ میرا ہاتھ تھام کر اس نے مجھے بھی اپنے قریب بٹھالیا۔ اس کے حریری لباس کی تہیں ڈھلک کر نیچے چلی گئی تھیں اور میں اس کے وجود کے بعض حصوں کے لمس سے پریشان ہورہا تھا۔

''تمہیں پولیس کو ان واقعات سے آگاہ کردینا چاہیے تھا۔'' میں نے اسے مشورہ دیا۔

وہ استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولی ''تم کس پولیس کی بات کررہے ہو۔ وہ پھوم فاٹ کے بجائے مجھے ہی... پریشان کریں گے۔ ان کے لیے وہ لفنگا یہاں کا ایک باحیثیت اور معزز شہری ہے اور میں ایک طوائف۔ وہ میری شکایت پر کان نہیں دھریں گے۔''

اس نے میز سے گلاس اٹھا کر تلخ لاوے کا ایک گھونٹ لیا اور میں سرک کر اس سے الگ ہوگیا۔ اس کے ذہن کو اس خفیف سی تبدیلی سے ہٹانے کے لیے میں نے کہا ''تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم دکان سجاتی ہو تو یہاں ہر قسم کا گاہک آئے گا۔ کوئی دکان دار آنے والے گاہکوں پر پابندی نہیں لگا سکتا۔ اگر تم نے اپنے جسم کو روزی کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے تو پسند اور ناپسند والی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے' میں اس پر کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتی۔ تم برج' پوکر اور رمی وغیرہ ہر ایک کے ساتھ نہیں کھیل سکتے۔ اس کے لیے تم اپنی پسند اور معیار کے کھلاڑی تلاش کرتے ہو۔ میرا بھی یہی معاملہ ہے.....''

میں نے اس کی بات وہیں اچک لی ''تم غلط مثال دے رہی ہو۔ تاش کے سارے کھیل تفریح کے زمرے میں آتے ہیں' تمہارا کام مختلف ہے۔''

اس نے پرزور انداز میں اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے جواب دیا ''میں بھی اپنے پیشے کو تفریح کا درجہ دیتی ہوں۔ میں آلو' چنے اور دلیا نہیں بیچتی' اپنے وقت کا سودا کرتی ہوں۔ اس کے لیے مجھے اپنی پسند کے انتخاب کا حق ہے.....

تم بلاوجہ اس چکر میں کیوں پڑ رہے ہو۔ تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ تم یقین کرو کہ تم سے مل کر میری روح تک خوش ہوگئی۔ تم جیسی مرد کی رفاقت کے لیے میں منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوجاتی۔ یہ تمہاری مہربانی ہے کہ تم اپنا وعدہ نبھانے کے لیے آگئے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم میں پیرس کی رنگین مزاج اور مالدار عورتوں کی خُو بُو آگئی ہے۔''

وہ ہنس دی ''کیا وہاں واقعی ایسا ہوتا ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں کبھی پیرس نہیں گیا لیکن سنا یہی ہے۔ وہاں اس قماش کی عورتیں آسودگی کی تلاش میں دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت لٹاتی ہیں۔''

''میں بھی کبھی پیرس نہیں گئی۔'' اس نے خوش دلی سے اپنی صفائی پیش کی ''یہ بات یہاں عام ہوجائے تو بنکاک کے سارے کنگال شہدے پیرس چل دیں گے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ پھوم فاٹ یہاں آتا ہے اور فائر کرکے چلا جاتا ہے' تمہارا چوکیدار اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تیزی سے گزرتی ہوئی کار کے خلاف وہ بے چارہ کیا کرسکتا ہے!'' لی نے اپنے ملازم کا دفاع کرتے ہوئے کہا ''اس پر دورہ پڑنے کا کوئی وقت مقرر ہے نہ دن۔ اب یہی دیکھ لو کہ اس وقت چار بجے ہیں اور وہ یہاں سے گزر رہا ہے۔ اگر وہ نشے میں دھت تھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دوپہر سے شراب پی رہا ہوگا۔''

''کسی کے گھر پر یوں فائر ہونا معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ان کپڑوں میں تمہارا سارا بدن جھلک رہا ہے۔ گون پہنو۔ ہم باہر چل کر دیکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ پھوم فاٹ کی حرکت نہ ہو' باہر کوئی اور واقعہ پیش آیا ہو۔''

''بیٹھے رہو!'' اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مخمور سی آواز میں کہا ''میں نے تمہیں کسی تفتیش کے لیے نہیں بلایا۔ یہاں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرتے رہو۔ باہر کوئی گڑبڑ ہوئی ہوتی تو دربان اب تک انٹرکام پر مجھے بتا چکا ہوتا۔''

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں پہلے ہی میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو میں نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک محسوس کی۔ اس وقت لی کی آنکھیں اس کے دل کی زبان بولتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔ چند ثانیوں بعد سٹپٹا کر اپنی نظریں جھکائیں۔

''تم نے مجھے چائے پینے کے لیے بلایا تھا۔ اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔'' وہ نکتہ ذہن میں آتے ہی میں نے سر اٹھا کر کہا۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم شراب پینے سے ڈرتے ہو۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے اکسانے کی کوشش کی ''چائے بھی آجائے گی۔''

وہ آخری فقرہ ادا نہ کرتی تو میں اسے خاصا سخت جواب دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ چائے آنے کی اطلاع ملنے پر میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

لی نے اپنی خواب گاہ میں اپنی سہولت کے لیے بہت سے بندوبست کیے ہوئے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اس پر تعیش صوفے کے کسی حصے میں گھنٹی کا بٹن چھپا ہوا تھا۔ لی نے مجھ سے بات کرتے ہوئے خاموشی سے وہ بٹن دبایا اور اندر گھنٹی کی ہلکی سی مترنم آواز گونجتی ہوئی سنائی دی تو مجھے شبہ تک نہ ہوسکا کہ وہ گھنٹی لی نے بجائی ہوگی۔ چند لمحوں بعد ایک خوب رو اور نازک اندام لڑکی دروازے پر دستک دینے کے چند ثانیوں بعد اندر آئی تو مجھ پر وہ عقدہ واضح ہوگیا۔

لی کے مقابلے میں لڑکی کا لباس بہت قرینے کا اور مکمل تھا۔ اس کے مودب قرینے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لی کی ملازمہ تھی۔

لی نے مسکرا کر تھائی زبان میں اسے کچھ ہدایت دی اور وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر واپس چلی گئی۔

''ملازمہ کو بلایا تھا تو تمہیں اپنے بدن پر گون ڈال لینا چاہیے تھا۔ یہ باریک ریشمی لبادہ تمہارے جسم کو چھپانے کے لیے ناکافی ہے۔'' میں نے ملائمت آمیز لہجے میں کہا۔

''اسے سب معلوم ہے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''ویسے بھی یہاں کی عورتیں' عورتوں سے پردہ نہیں کرتیں۔ تم بلاوجہ بھکشو بننے کی کوشش نہ کرو۔ یہ لڑکی بہت اچھی چائے بناتی ہے' پی کر تمہاری طبیعت خوش ہوجائے گی۔''

''تم بہت بے باک ہو۔ تمہارے ملازمین تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے!''

''جب تک انہیں وقت پر معقول تنخواہیں ملتی رہیں گی کچھ نہیں سوچیں گے۔ میں اپنی آمدنی کو سوچ سمجھ کر ڈھنگ سے خرچ کرتی ہوں۔ سب مجھ سے خوش ہیں۔''

اس کے بدن کی ہر جنبش سے اس کا ریشمی لبادہ اس متناسب بدن پر ادھر سے ادھر ڈھلک رہا تھا' میں کوشش کر رہا تھا کہ اس کی طرف دیکھے بغیر بات کرتا رہوں۔ وہ میرے برابر میں بیٹھی ہوئی تھی اس لیے مجھے اپنی کوشش میں کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اسے اس لباس میں دیکھ کر مجھے مان لینا پڑا کہ وہ فسوں خیز وجود رکھتی ہے جس کے سحر سے کوئی بھی زیادہ دیر تک محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

اس نے تپائی پر رکھے ہوئے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور ایک گہرا کش لے کر دوبارہ بولی ''میں نے تمہیں اپنی پوری کہانی سنا دی۔ تم نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ میں نے چھوٹا راجن کی درندگی کے خلاف کارروائی کی۔''

''مجھے یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا ''ابھی تم پھوم فاٹ کے حوالے سے بتا چکی ہو کہ یہ پولیس اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے بجائے تمہیں پریشان کرے گی۔ راجن' پھوم فاٹ سے بڑا اور خطرناک آدمی ہے۔ اس نے پولیس کے محکمے کے کلیدی افسروں کو خرید کر اپنا غلام بنایا ہوا ہے۔ ان سے راجن کے خلاف انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ تمہارے سامنے صبر کرنے کے کوئی راستہ نہیں تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماسٹر! تم بہت گہرے اور ذہین آدمی ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''مجھے اپنے راستے کی رکاوٹ کا اندازہ تھا۔ میں نے خاموشی سے اپنی بہن کو سپرد خاک کرتے ہوئے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ میں چھوٹا راجن سے اپنی بہن کے خون کا انتقام لے کر رہوں گی۔ تمہاری اور چاؤ فان کی وجہ سے میرا وہ عہد پورا ہوگیا۔ اب میں تمہاری باندی ہوں۔ مجھ سے نظریں نہ چراؤ۔ غور سے میری طرف دیکھو۔ میں حسین ہوں' جوان ہوں' سبک اندام اور دراز قامت ہوں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہاری دسترس میں ہوں۔ پتا نہیں تم مجھ سے دور کیوں ہو رہے ہو۔ اس کمرے میں آنے والوں کو میں نے اکثر دیوانہ ہوتے دیکھا ہے۔ میرا جادو لوگوں کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔''

''ضرور بولتا ہوگا۔'' میں نے پورے خلوص سے اس کی تائید کی ''میں بھی پتھر نہیں ہوں۔ گوشت پوست سے بنا ہوا انسان ہوں۔ تمہارے لباس سے جھلکتا ہوا سراپا دیکھ کر میرے دماغ میں بھی انگارے سے چیخ رہے ہیں۔''

وہ فاتحانہ انداز میں دھیرے سے ہنس دی ''آدمی ایمان دار ہو' جھوٹ نہیں بولتے۔ تم چائے پی لو پھر میں دیکھوں گی کہ تم کو خود پر کتنا قابو ہے۔''

وہ اپنا گلاس لے کر ایک ادا کے ساتھ اٹھی اور مست خرامی کرتی ہوئی اپنی پر تکلف مسہری پر میرے سامنے دراز ہوگئی۔ شاید اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میرے برابر میں بیٹھے رہنے کے بجائے وہ میرے سامنے آ کر مجھے زیادہ موثر انداز میں رجھا سکے گی۔

اس نے نزاکت سے اپنا گلاس مسہری کے گدے پر رکھا اور اپنا چہرہ بائیں ہتھیلی پر ٹکا کر میری طرف کروٹ لے لی۔ اس کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں دبی ہوئی سگریٹ سے سرمئی دھواں لہراتا ہوا اوپر اٹھ رہا تھا۔

''لی! مجھے امتحان میں نہ ڈالو!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ''اپنا گون پہن لو۔ چاؤ فان تمہیں بتا چکا ہے کہ میں شادی شدہ ہوں.....''

''ماسٹر! شاید تم کو یہ جان کر حیرت ہو کہ میرے مہمانوں میں اکثریت شادی شدہ لوگوں کی ہوتی ہے۔'' وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولی ''وہ اپنی گھریلو زندگی سے اکتا کر میرے پاس آتے ہیں۔ میں ان کا دامن خوشیوں سے بھر دیتی ہوں۔''

''وہ اور لوگ ہوتے ہوں گے۔ میں وفا کا.....''

میری بات پھر ادھوری رہ گئی۔ اس بار لی کی سانولی سلونی اور خوش رو ملازمہ میرے لیے چائے کی ٹرے سنبھالے کمرے میں آ گئی۔

اس نے ٹرے میز پر رکھی' میرے لیے چائے بنائی اور پیالی میرے سامنے رکھ کر خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔ وہ چائے کے ساتھ دوسرے بہت سے لوازم بھی لائی تھی۔

''تم وفا کی بات کر رہے تھے۔'' خواب گاہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد لی نے مجھے یاد دلایا ''ماسٹر! مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا دعویٰ ہے کہ جمال پرستی تمہاری نس نس میں رچی ہوئی ہے اور جو مرد جمال پرست ہو وہ کبھی ایک عورت کا وفادار نہیں ہوتا۔ اس کی طبیعت سیمابی ہوتی ہے۔ وہ بھونرے کی طرح کلی کلی منڈلاتا رہتا ہے۔ تمہیں بھی اپنے اوپر بھروسا نہیں ہے اس لیے تم مجھے نگاہ بھر کر دیکھنے سے ڈر رہے ہو۔''

''یونہی سمجھ لو۔'' میں نے ہنس کر کہا ''یہ اپنے بارے میں تمہاری رائے ہوسکتی ہے۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ تم ڈراؤنی نہیں ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قسمت نے تمہیں زہد شکن حسن سے نوازا ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ تم خود کو بہت بے رحمی سے لٹا رہی ہو۔ تم نے اپنے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا ہے۔''

اس نے اپنے گلاس سے ایک گھونٹ لیتے ہوئے' دلچسپی سے میری بات سنی پھر سگریٹ کا ایک کش لے کر بولی ''تم دردمند انسان ہو۔ کبھی کبھی میں خود بھی یہ محسوس کرتی ہوں کہ میں نے اپنے لیے زندگی گزارنے کا کوئی اچھا ڈھنگ اختیار نہیں کیا لیکن اب میری واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ بدھا نے کہا ہے کہ اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں میں خوشیاں بانٹ سکے۔ میں یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتی ہوں کہ میں اپنے ہر مہمان کو مسرتوں سے نہال کر کے لوٹاتی ہوں.....''

''یہ تمہاری خود فریبی ہے۔'' میں نے بے چینی سے پہلو بدل کر اس کی بات کاٹ دی ''جب ان اعلیٰ اصولوں کی بات ہوتی ہے تو سچائیوں کا ذکر آتا ہے' تم منفی سمت میں سوچ رہی ہو۔ اگر کسی جنونی کو انسانی خون بہا کر خوشی حاصل ہوتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ اس کے لیے خون ریزی جائز ہوگی۔ بدی ہر حال میں بدی رہتی ہے۔ تم اسے نیکی کا درجہ دینے کی بھیانک غلطی کر رہی ہو۔''

''ماسٹر! ان باتوں کو چھوڑو!'' اس نے کسل مندانہ انداز میں ایک ہلکی سی انگڑائی لیتے ہوئے کہا ''مجھے اب ان فلسفوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ تم اچھی تقریر کر لیتے ہو لیکن تمہاری یہ باتیں میرے لیے بے سود ہیں۔ میں نے اپنی دنیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خود بنائی ہے۔ مجھے اس میں مگن رہنے دو۔ بے وقت کی اس راگنی سے میرے سرور کو خراب نہ کرو۔''

''دراصل میں بھی تم کو یہی بتانا چاہ رہا ہوں۔ میری بھی ایک دنیا ہے۔ مجھے اس میں رہنے دو۔ مجھے اپنی دنیا میں گھسیٹنے کی کوشش مت کرو۔'' میری مزاحمت جاری رہی۔

''تم چائے پیو۔ یہ ٹھنڈی ہو کر بے مزہ ہو جائے گی۔'' اس نے اچانک بات بدل دی۔

اس سحر انگیز اور خنک خواب گاہ میں کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں باہر کی روشنی کا کوئی گزر نہیں تھا۔ وہاں دھیمی اور خواب ناک روشنیاں نہ جل رہی ہوتیں تو سرِ شام ہی وہاں رات اتری ہوئی معلوم ہوتی۔ میں نے پیالی سے چائے کا پہلا گھونٹ لیا اور میں لی کی خادمہ کے ہنر کا قائل ہو گیا۔ چائے بہت لذیذ تھی۔

لی نے اس شام مجھ سے ملاقات کے لیے اپنے ذہن میں ایک نقشہ جمایا ہوا تھا۔ وہ اس کے کیف و سرور میں مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔

چائے کی پیالی خالی ہونے تک مجھے اپنا سر بھاری ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ لی دلچسپی سے میرا جائزہ لے رہی تھی۔

رفتہ رفتہ میرے ذہن پر سرور کی عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی اور میں صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ طبیعت چاہ رہی تھی کہ میں وہیں لیٹ جاؤں۔

''کیا بات ہے۔ تم کچھ بے آرام نظر آ رہے ہو!'' لی نے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا۔'' میں نے بوجھل ہوتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میری چائے میں شاید کوئی مسکن دوا ملی ہوئی تھی۔''

شوخی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولی ''میں اس لڑکی سے عاجز ہوں۔ یہ خورد و نوش کی چیزوں میں ذائقہ پیدا کرنے کے چکر میں نت نئے تجربے کرتی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری چائے میں کچھ ملا دیا ہو۔''

اپنی بات پوری کرتے ہی وہ مسہری سے اتر آئی۔ قریب آ کر اس نے بہت نرمی سے میرا بازو تھاما اور میرے اوپر جھکتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''آؤ..... کچھ دیر کے لیے لیٹ جاؤ۔ ذرا سی دیر میں تمہاری طبیعت سنبھل جائے گی۔''

وہ مجھ سے اتنا قریب آ گئی کہ بعض مقامات پر میرا اور اس کا درمیانی فاصلہ صفر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے وجود سے آنے والی مہکار میرے مختل ہوتے ہوئے اعصاب پر کسی نہ کسی حد تک اثر انداز ہونے لگی۔

اس نے مجھے صوفے سے اٹھایا اور کشاں کشاں اپنی مسہری پر لے گئی۔ مجھے وہاں لٹانے کے بعد وہ خود بھی مسہری پر آ گئی۔ اس نے میرے سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر میرا سر اپنی گود میں لے لیا اور ہولے ہولے میرا سر سہلانے لگی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی آنکھیں موند لیں۔

''ماسٹر!'' میرے کان میں اس کی سرگوشیانہ آواز گونجی ''میں نے تم سے اپنے انتقام کی بات کی تھی نا۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ وائٹ ہاک کو ڈبو کر ہم نے چھوٹا راجن کا غرور توڑا ہے۔ میرے دل میں اس دن ٹھنڈک پڑے گی جب میری مظلوم بہن کی طرح وہ خود بھی پیوندِ خاک ہو گا۔''

''لی..... تم نے یہ بات کہنے کے لیے بہت لمبا طریقہ اختیار کیا ہے۔'' میں نے اسے جواب دیتے ہوئے اپنی آواز میں بھاری پن محسوس کیا ''تم مجھے چائے پلائے بغیر بھی اپنی اس خواہش کا اظہار کر سکتی تھیں۔ اس وقت میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ دماغ ہواؤں میں اڑ رہا ہے۔ تم نے میری چائے میں کیا ملوایا تھا؟'' میری آنکھیں بہ دستور بند تھیں۔

''تھوڑی سی ایل ایس ڈی!'' وہ میرے اوپر جھک آئی ''ماسٹر! تمہاری آنکھیں اتنی چمکیلی اور خوفناک ہیں کہ میں تم سے نظریں ملا کر یہ بات کہتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، اسے جان سے مارنے کی بات کرنا آسان نہیں ہوتا۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ بنکاک میں راجن کے خون کے پیاسوں میں ایک کا اضافہ ہو چکا تھا۔ میرے حواس پر چھا جانے والی سرور کی لہر اتنی گہری ہو چلی تھی کہ میں خواہش کے باوجود لی سے کچھ نہ کہہ سکا۔

میں راجن کے لیے لی کے دل میں چھپی ہوئی بے پناہ نفرت کے بارے میں جان کر خوش تھا، لی مجھے ایل ایس ڈی کے سہارے زیر کر کے خوش تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزری تھی۔ اس بارے میں اس سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ بحث کے نتیجے میں صرف تلخی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ میری مفاہمانہ خاموشی اور سپردگی نے لی کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اس نے مجھے جس میزبانی کے ارادے سے اس شام اپنے گھر بلایا تھا، وہ پورے اہتمام کے ساتھ اس کی انجام دہی کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔

میں ایک مدت تک شراب نوشی کی بری عادت کا شکار رہا۔ پیتا تھا تو بس پیتا ہی چلا جاتا تھا لیکن ایسی بلانوشی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باوجود میں کبھی مدہوشی کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ ایل ایس ڈی کے استعمال کے بارے میں وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ وہ ہیروئن کی طرح متعدد طریقوں سے استعمال کی جاتی تھی۔ لی نے مجھے شکار کرنے کے لیے شاید اس کی کوئی خاص قسم چائے میں ملا کر دھوکے سے میرے دوران خون میں شامل کی تھی۔ اس کے اثرات بہت تیز اور گہرے تھے۔

اس دوران میں لی والہانہ انداز میں میرے ساتھ جو سلوک کرتی رہی' مجھے اس کی بدلتی ہوئی کیفیات کا مکمل ادراک تھا لیکن اس کے ساتھ میرے ذہن میں عجیب وغریب پیکر اور اوہام بھی سر ابھارتے رہے تھے۔

جب فون کی گھنٹی بجی تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھی میرے وہم کا کرشمہ رہا ہو۔ میرے لیے وہاں فون آنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ جب گھنٹی کئی بار بجی اور میں نے اپنے موبائل فون پر توجہ نہیں دی تو میرے برابر میں' بستر پر دراز لی نے نرمی سے مجھے جھنجوڑ کر دھیرے سے کہا ''ماسٹر! تمہاری کال آرہی ہے۔ فون سن لو!''

گزرے ہوئے لمحوں میں میری ذات کی طرح سب کچھ لی کے بستر پر بکھر گیا تھا۔ میں نے بوجھل پپوٹے کھولے تو میرا موبائل فون لی کے ہاتھ میں تھا۔

میں نے فون کا بٹن دبا کر کسل مندی کے ساتھ ہیلو کہا تو دوسری طرف سے چاؤ فان کی مسرت آمیز اور چہکتی ہوئی آواز آئی ''ماسٹر! تم کہاں ہو؟''

''تمہاری لی کی خواب گاہ میں سنبھلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' میں نے مبہم الفاظ میں اپنی کیفیت بیان کی۔ غنیمت یہ تھا کہ ایل ایس ڈی نے میرے ذہن کو پوری طرح ماؤف نہیں کیا تھا۔

''وہاں بڑے بڑے لڑکھڑا جاتے ہیں!'' ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز ابھری ''میں نے تم کو بتا دیا تھا کہ مادام خطرناک مگر مزے دار عورت ہے۔ میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تم میری غیر حاضری میں یہاں سے نہ نکل گئے ہو۔''

مجھے یاد آ گیا کہ وہ لی کے گھر کے باہر رک کر میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا ''تم کہاں چلے گئے تھے؟''

''مادام کو بتا دو کہ آج میں نے اسے پریشان کرنے والے پھوم فاٹ کی عزت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ اب وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔''

یکایک مجھے سب کچھ یاد آ گیا۔ میں مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا ''کیا باہر اسی نے گولی چلائی تھی؟''

''ہاں' ماسٹر!'' اس نے پُرجوش لہجے میں اثبات میں جواب دیا ''تمہیں معلوم ہے کہ میں مادام کا پرانا معتقد ہوں۔ اس نے مجھے بتایا ہوا تھا کہ پھوم فاٹ اسے پریشان کرتا رہتا ہے۔ آج اس کی شامت آئی ہوئی تھی کہ وہ میری موجودگی میں ادھر آ نکلا۔ فائر ہوتے ہی میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ لمبے تعاقب کے بعد میں نے لم پنی پارک کے قریب اسے گھیر کر ایسی مار لگائی ہے کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا.....''

اس وقت چاؤ فان کی فون کال میرے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ اس کی آواز سنتے ہی میرا ذہن ایل ایس ڈی اور لی کے جسمانی سحر سے تیزی سے آزاد ہونے لگا۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''تمہیں اس سے الجھنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ لی کو کوئی گزند پہنچانے پر تل جائے۔''

''میرا کیا ذکر ہے۔ کیا چاؤ فان کا فون ہے؟'' لی نے اضطراری انداز میں سوال کیا۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔ چاؤ فان کہہ رہا تھا ''ماسٹر! اب وہ بھول کر بھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔ میں نے دل کھول کر اس کی پٹائی کی ہے۔ آخر میں' میں نے اس کے بدن سے ایک ایک کپڑا اتروا کر اس کی گاڑی کے چاروں ٹائروں کی ہوا نکال دی۔ اب وہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ وہاں ایک تماشا بنا ہوا ہوگا۔ اس کا پستول اور کپڑے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ یہ مادام کی نذر کروں گا۔''

''اب زلزلہ آ جائے تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ میں ذرا سی دیر میں آ رہا ہوں۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

دوران گفتگو میں میری زبان سے اپنا نام سن کر لی مضطرب ہو گئی تھی۔ چاؤ فان سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی وہ میرے پیچھے پڑ گئی۔

جب میں نے اسے پورا واقعہ سنایا تو فتح مندی کے احساس سے اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ مسرت سے مغلوب لہجے میں بولی ''کسی پر برا وقت آتا ہے تو حالات اسی طرح رخ بدل لیتے ہیں۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ تم نے چاؤ فان کو باہر روکا ہوا ہے۔ اس نے جو کچھ کیا' بہت اچھا کیا۔ تم بلاوجہ اس بے چارے کو ڈانٹ رہے تھے۔ پھوم فاٹ بزدل عاشق ہے۔ اب وہ ادھر آئے گا نہ کسی کو اپنے ساتھ پیش آنے والے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واقعے کے بارے میں بتائے گا۔ پیسے والے دل پھینک مردانا پرست بھی ہوتے ہیں۔ دوسروں کو اس بارے میں بتاتے ہوئے وہ اپنی سبکی محسوس کرے گا۔ جو ہوا ہے' وہ بہتر ہوا ہے..... اور ہاں! یہ تو بتاؤ کہ بے چارہ چاؤ فان باہر کیوں رکا ہوا ہے؟ تم اسے اپنے ساتھ اندر کیوں نہیں لائے؟''

''تم نے صرف مجھے بلایا تھا۔ اس کے بارے میں خاص طور پر کہا تھا کہ وہ مجھے یہاں پہنچا کر واپس چلا جائے۔ یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ رک گیا۔''

''چلو' جو ہوا بہتر ہوا۔ وہ تمہارے ساتھ اندر آ جاتا یا واپس چلا جاتا تو پھوم فاٹ کے مقدر کا لکھا کیسے پورا ہوتا۔ پھوم فاٹ کی حالت کے بارے میں سوچ کر میرا رواں رواں خوش ہو رہا ہے۔ تمہارا چاؤ فان بھی بہت ستم ظریف آدمی ہے۔ اس کے کپڑے اتروانے کے ساتھ چاروں ٹائروں کی ہوا بھی نکال آیا۔ وہ وہاں سے بھاگ سکتا ہے نہ وہاں رکا رہ سکتا ہے۔ اس کی گرل فرینڈ اس کی حالت دیکھ کر شرم سے زمین میں گڑی جا رہی ہوگی۔''

''مجھے یقین ہے کہ لڑکی اس منظر کی تاب نہیں لا سکی ہوگی۔ وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئی ہوگی۔''

لی نے مخمور انداز میں ہلکا سا قہقہہ لگایا اور انٹرکام کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کے سنورے ہوئے بال اس وقت بے ترتیبی سے پیشانی اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے' ہلکا پھلکا میک اپ معدوم ہو چکا تھا۔ میں خاموشی سے مسہری سے اتر کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی میں نے بوکھلا کر تولیا سنبھالا اور اپنا چہرہ رگڑنا شروع کر دیا۔ میری وہ ہیئت کذائی دیکھ کر چاؤ فان کو مجھ پر دل کھول کر ہنسنے کا موقع مل سکتا تھا۔

''میں نے چوکی دار سے کہا ہے کہ وہ چاؤ فان کو اندر بھیج دے!'' انٹرکام پر گفتگو سے فارغ ہو کر لی نے مجھے مطلع کیا۔

میں اپنا چہرہ صاف کر کے پلٹا تو لی اپنے نازک لبادے پر گون پہن چکی تھی اور اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹنے میں مصروف تھی۔

''تم بہت ضدی اور سرکش عورت ہو!'' میں ملامت آمیز لہجے میں تبصرہ کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ صاف ہو چکا تھا لیکن جسمانی طور پر میں تکان محسوس کر رہا تھا۔

لی نے مسکرا کر تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور آئینے کے سامنے چلی گئی۔

چاؤ فان اس گھر کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ اس گھر میں آنے کے آداب سے بہ خوبی واقف تھا۔ اس نے خواب گاہ کے دروازے پر دو بار ہلکی سی دستک دی اور لی سے اجازت ملتے ہی اندر آ گیا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک تھیلی جھول رہی تھی۔

اس نے کمرے کے وسط میں اپنے سر کو خم دے کر' دونوں کو تعظیم پیش کی پھر اپنے بائیں ہاتھ میں جھولتی ہوئی تھیلی لی کی طرف بڑھا دی۔

''آج کیا لے آئے میرے لیے؟'' لی نے اس کے ہاتھ سے تھیلی لیتے ہوئے' لگاوٹ کے انداز میں سوال کیا۔

''آج کی شام کے لیے میری طرف سے تمہارے لیے ایک یادگار تحفہ!'' چاؤ فان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا ''اس میں پھوم فاٹ کے بدن سے اتروائے ہوئے چھ کپڑوں کے ساتھ اس کا پستول بھی ہے۔''

''چھ کپڑے!'' لی نے حیرت سے کہا ''کیا وہ اس گرمی میں سوٹ پہنے پھر رہا تھا۔''

''ان میں دو زیر جامے اور دو موزے بھی شامل ہیں۔'' چاؤ فان شوخی سے بولا۔

''پھوم فاٹ شہر کا جانا پہچانا رئیس زادہ ہے۔ لم پینی پارک کے علاقے میں ہر وقت بہت سے لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ اسے بہت سے لوگوں نے برے حال میں دیکھا ہوگا۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ اب میرا دل دکھانے والوں کا برا وقت آ گیا ہے۔''

''مجھے امید ہے کہ ماسٹر نے تمہارا دل نہیں دکھایا ہوگا!'' چاؤ فان نے شوخی اور معنی خیز انداز میں لی سے وضاحت چاہی۔

''اب میرے اور ماسٹر کے معاملے میں تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ ماسٹر شان دار آدمی ہے۔ ہماری آج کی ملاقات یادگار رہی ہے۔'' لی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

''مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ ماسٹر کچھ سست ہے۔'' چاؤ فان نے غور سے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

وہاں جو کچھ ہوا سو ہو گیا' میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ لی کے ساتھ اس کی خواب گاہ میں گزرے ہوئے وقت کا احوال چاؤ فان کے سامنے زیر بحث آئے۔ میں اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔

لی نے ہم دونوں کو روکنا چاہا لیکن میں رکنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ لی کو اچانک کچھ یاد آ گیا۔ وہ لپک کر شکن آلود بستر کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئی اور تکیے کے نیچے سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میری طرف بڑھا دی۔

''یہ گڈی تمہاری جیب سے نکل گئی تھی۔'' لی نے کہا ''میں نے سنبھال کر رکھ دی!''

وہ ڈان کی دی ہوئی گڈی تھی۔ اسے اپنی جیب میں اڑستے ہوئے میری نظریں غیر ارادی طور پر چاؤ فان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی تھی اور آنکھوں میں خبیثانہ چمک رقصاں تھی۔

چاؤ فان کی وہاں موجودگی کا بھرم کھل گیا تھا اس لیے وہ اپنی گاڑی پورچ میں لے آیا تھا۔ لی نے وہاں تک آ کر ہمیں گرم جوشی سے رخصت کیا اور چاؤ فان اپنی گاڑی کھلے ہوئے چوبی پھاٹک سے باہر لیتا چلا گیا۔

''ماسٹر! کیا بات ہے۔ تمہیں کچھ چپ سی لگی ہوئی ہے!'' .... چند ثانیوں کے بعد چاؤ فان نے سنجیدہ لہجے میں زبان کھولی۔

پہلے میں نے سوچا کہ اسے ڈانٹ دوں لیکن اس طرح اس کے سوال کی اہمیت بڑھ جاتی۔ میں نے پرسکون رہتے ہوئے کہا ''لی بہت بولتی ہے۔ اب مجھے خاموشی میں مزہ آ رہا ہے۔''

''کہاں مادام کا مومی وجود اور کہاں تمہارا یہ خادم۔ خاموش رہ کر اسی کے بارے میں سوچ رہے ہو گے!'' وہ چہک کر بولا ''ایک لاکھ بھات کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ خود فراموشی کے عالم میں تم اسے بھی بھول گئے تھے۔ مادام کے دل میں بے ایمانی آ جاتی تو تم ڈان کے اس انعام سے محروم ہو سکتے تھے۔''

''وہ حسین اور دلیر ہونے کے ساتھ ایمان دار بھی ہے۔'' میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا ''کسی ایک عورت میں اتنی خوبیاں مشکل سے یک جا ہوتی ہیں۔ میں تمہارے انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ تم نے بنکاک میں بہت کارآمد عورت تلاش کی ہے۔''

''ڈان اسے لمبی گھوڑی کہہ رہا تھا۔'' اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے شکوہ کیا۔

''ڈان اپنی مرضی کا مالک ہے۔ وہ کسی کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔''

''میں نے مادام کے سامنے ایک بات نہیں بتائی۔'' وہ چند ثانیوں تک خاموش رہنے کے بعد بولا ''پھوم فاٹ کو چھوٹا راجن نے ورغلایا ہوا تھا۔''

''تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جب میں اس کے کپڑے اتروا رہا تھا تو وہ رو دینے والے انداز میں چھوٹا راجن کو گالیاں دے رہا تھا۔'' اس نے بتایا ''مادام کے لیے پھوم فاٹ کی تڑپ دیکھ کر چھوٹا راجن نے اسے مشورہ دیا تھا کہ مادام کو زبردستی اٹھوا لو یا دور رہ کر اسے خوف زدہ کرو۔ وہ بازاری عورت ہے۔ ڈر کر پکے ہوئے پھل کی طرح تمہاری جھولی میں آ گرے گی۔''

''راجن اسے کہاں مل گیا تھا؟'' میرا تجسس برقرار رہا۔

''ماسٹر! یہ سب اونچے طبقوں کے کرشمے ہیں۔ غریبوں کی بستیوں میں شریف اور رذیل کی پہچان بہت آسان ہوتی ہے۔ جیسے جیسے اوپر کے طبقوں میں جاؤ گے' یہ شناخت مشکل سے مشکل تر ہوتی جائے گی۔ اعلا طبقے میں انسان اور شیطان' سب ایک ہوتے ہیں' شرافت کی کوئی قدر کی جاتی ہے نہ کمینوں پر تھوکا جاتا ہے۔ ہر شخص کی عزت اس کے مال کے حساب سے ہوتی ہے۔ شہر کے سارے مالداروں سے چھوٹا راجن کا قریبی میل جول ہے۔ وہ انہیں آئے دن اپنی دعوتوں میں بلاتا رہتا ہے۔ پھوم فاٹ بھی اس کے دسترخوان کا کتا ہوگا۔'' میرے مختصر سے سوال کے جواب میں اس نے اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لی۔

''پھوم فاٹ تمہیں بھی پہچانتا ہوگا!'' میں نے تائید طلب انداز میں کہا۔

اس نے اپنے سر کو مایوسی سے نفی میں جنبش دی اور بولا۔ ''ابھی تمہارا خادم شہر میں اتنا مشہور نہیں ہوا کہ لوگ اسے چہرے سے پہچاننے لگیں۔ حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے تو جلد ہی ایسے بھلے دن بھی آ جائیں گے۔''

''کیا تمہاری پوری قوم زیادہ بولنے کے مرض میں مبتلا ہے؟'' میں نے جل کر پوچھا۔

''ماسٹر! یہ بھی ایک فن ہے جس پر ہر ایک کو ملکہ حاصل نہیں ہوتا۔ ابھی تم اسی بارے میں مادام کی شکایت کر رہے تھے' اب مجھ سے شاکی ہو۔''

''ڈان زیادہ نہیں بولتا۔'' میں نے گہرے طنز سے کہا۔

''وہ دوغلا ہے نا!'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پیٹنا شروع کر دیا ''یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ میرا دماغ خراب ہے' میں اُلّو کا پٹھا ہوں..... ماسٹر! میری اس بات کو بھول جانا۔ سمجھ لینا کہ میں نے کچھ نہیں کہا۔'' اس نے آخری دو فقرے لجلجائی ہوئی آواز میں ادا کیے تھے۔

میں بے اختیار مسکرا دیا ''فکر نہ کرو۔ یہ بات ڈان تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں پہنچے گی لیکن حقیقت یہی ہے۔ وہ دوغلا نہ ہوتا تو تمہاری طرح بسیار گو ہوتا۔ اس کا سب سے بڑا بھرم یہی ہے کہ وہ ضرورت سے بھی کم بولتا ہے۔''

اس نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ غیر متوقع طور پر خاموش رہا۔

دور سے ہلٹن ہوٹل کی عمارت کے آثار نظر آنا شروع ہوئے تو چاؤفان نے اپنا سکوت توڑ دیا ''ماسٹر! مادام سے مل کر تمہیں خوش اور چونچال ہونا چاہیے تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خاموش ہو۔''

''لی کا نشہ گہرا ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''رفتہ رفتہ اتر جائے گا۔'' میرا ذومعنی جواب اس کے سر پر سے گزر گیا۔

''ویسے بھی آج تم تھکے ہوئے ہو۔ پوری رات وائٹ ہاک کے چکر میں کالی ہوگئی۔ دوپہر کو میں پہنچ گیا۔ تمہیں ڈھنگ سے سونے کا موقع بھی نہیں مل سکا ہوگا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا ''آج رات کی نیند پوری کر لینے کے بعد کل چھوٹا راجن کے بارے میں کچھ سوچنا ہوگا۔ وائٹ ہاک کے بعد اب اسی کی باری ہے۔''

''تم اس کی خیر خبر رکھو۔ پتا نہیں وہ کب تک موتی محل میں اپنا منہ چھپائے بیٹھا رہے گا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اب ڈان کو اس کے بارے میں تیزی سے خبریں ملنا شروع ہو جائیں گی۔'' اس نے مضبوط اور پر امید لہجے میں جواب دیا ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اب بھی شہر کے بہت سے لوگ چھوٹا راجن کے آدمیوں سے چھپ کر ڈان سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ وائٹ ہاک ڈوبنے کے بعد' آنے والوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ نمبر بنانے کے چکر میں کچھ لوگ چھوٹا راجن کے خلاف مخبری بھی شروع کر سکتے ہیں۔''

وہ صحیح سمت میں سوچ رہا تھا۔ روزمرہ کی عام زندگی میں سب بنی کے یار ہوتے ہیں۔ زیرِ زمین دنیا کو میں نے بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا تھا۔ وہاں ہر شخص چڑھتے سورج کی پوجا کرتا ہے۔ کسی بھی استاد' ماسٹر یا باس کی ساکھ کو ذرا سا نقصان پہنچے تو اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر کائی کی طرح الگ ہو جاتے ہیں۔ اگر راجن کے قریبی آدمیوں میں سے ایک دو فرد بھی ٹوٹ کر ڈان سے مل جاتے یا راجن کو ڈبل کراس کرتے رہتے تو ہماری منزل بہت قریب آ سکتی تھی۔

''ڈان نے تمہیں کچھ ہدایت کی ہے۔ اس کا دھیان رکھنا۔'' میں نے اسے تاکید کی۔

''ماسٹر! تم فکر نہ کرو۔ ڈان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ میرے سینے پر نقش ہو جاتا ہے۔ تم سے الگ ہوتے ہی میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔ صبح ہونے سے پہلے یہ خبر شہر بھر میں گردش میں آ چکی ہوگی کہ جو چھوٹا راجن کا دشمن نہیں ہے وہ اس کا دوست سمجھا جائے گا اور اس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو چھوٹا راجن کے ساتھ ہو رہا ہے۔''

اس نے مجھے ہوٹل کے قریب اتارا اور آگے روانہ ہوگیا۔

اپنے کمرے کا رخ کرنے سے پہلے میں نے ہوٹل کے کیفے میں بیٹھ کر گرم گرم چائے کی ایک پیالی اپنے معدے میں اتاری تاکہ میرے ذہن سے ایل ایس ڈی کے رہے سہے اثرات بھی زائل ہو جائیں۔ چائے نوشی کے بعد وہیں بیٹھ کر میں نے ایک سگریٹ ختم کی اور مطمئن ہو کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

غزالہ کے لیے یہ بات بہت زیادہ حیرت اور خوشی کا سبب بنی کہ ڈان نے میری اور چاؤفان کی کارکردگی سے خوش ہو کر ہمیں ڈیڑھ لاکھ بھات کی خطیر رقم کے نقد انعام سے نوازا تھا اور اس انعام میں میرا حصہ چاؤفان سے دگنا تھا۔

لی کے پرتعیش گھر پر جو صورت احوال رونما ہوئی' اس کے بارے میں میرے دل میں ندامت کا احساس موجود تھا۔ میں نے لی سے ملاقات کا تذکرہ سرے سے گول کر دیا۔ ویسے بھی اس وقت تک بننے والے نقشے میں اس ملاقات کی اس سے زیادہ عملی اہمیت نہیں تھی کہ اس دوران میں چاؤفان نے پھوم فاٹ کو نہایت ذلت آمیز انداز میں اس کی بزدلانہ مہم جوئی کی سزا دی تھی۔

غزالہ نے بتایا کہ میری غیر حاضری میں کراچی والے موبائل فون پر میرے لیے جلال کی کال آئی تھی۔ اس نے غزالہ کی مزاج پرسی کے علاوہ کوئی بات نہیں کی لیکن یہ تاکید کی تھی کہ اس کا پیغام مجھ تک پہنچا دیا جائے۔

جلال سے میری بات ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے صبح ناشتا کرتے ہوئے اس سے رابطہ کیا تو وہ بنکاک میں اپنے نئے آدمی کے ذریعے وائٹ ہاک کی تباہی سے باخبر ہو چکا تھا۔ اگر اس نے چند گھنٹوں کے وقفے سے مجھ سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی تو یقینی طور پر اس کا کوئی خاص سبب ہو سکتا تھا۔ میں نے فوری طور پر اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب تک رابطوں کا انحصار عام ٹیلی فون پر تھا' کسی کو تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ بعض اوقات متعدد ٹھکانوں پر فون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرنے کے بعد بھی مطلوبہ شخص دستیاب نہیں ہوتا تھا لیکن موبائل فون نے اس کام کو بہت سہل بنا دیا۔ وہ چلتے پھرتے اور فوری رابطے کی اہم ترین کڑی بن گیا ہے۔ آدمی کہیں بھی ہو' اس سے ہر وقت براہ راست رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

جلال سے پہلی کوشش میں رابطہ ہو گیا۔ اس وقت وہ غیر متوقع طور پر حیدر آباد کے ایک آرمی ریسٹ ہاؤس میں پہنچا ہوا تھا۔

''ابھی تک تمہاری دوڑ اسلام آباد اور کراچی کے درمیان رہتی تھی۔ حیدر آباد میں تمہارا کیا کام نکل آیا؟'' میں نے اس سے حیرت سے پوچھا۔

''سب تمہارا کیا دھرا ہے۔'' اس کی طرف سے مزاحیہ لہجے میں جواب آیا ''جان ہوپر کی لاش یہاں کی نہر سے برآمد نہ ہوئی ہوتی تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔''

''کیا اس لاش کی تدفین تمہارے محکمے کے سپرد کر دی گئی ہے؟''

میرا سوال سن کر وہ ہنسا پھر بولا ''وہ لاوارث نہیں تھا۔ اس کی لاش آغا خان اسپتال منتقل کر دی گئی ہے۔ اس کے افسران مصر ہیں کہ اسے اغوا کر کے حیدر آباد لے جایا گیا ہوگا۔ وہ اپنی مرضی سے کراچی سے باہر گیا ہوتا تو اپنے افسران بالا کو ضرور اطلاع دیتا۔''

''پھر انہیں یہ بھی بتانا چاہیے کہ اسے کہاں سے اغوا کیا گیا۔''

''ان کے پاس کسی سوال کا اطمینان بخش جواب نہیں ہے۔ انہوں نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ جان ہوپر کو اغوا اور قتل کرنے کی واردات میں تمہارا ہاتھ ہے۔''

''اس شبہے کی بنیاد کیا ہے؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

''الزام تراشی کے لیے کسی بنیاد اور جواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے کہے ہوئے کو من وعن تسلیم کر لیا جائے۔''

''ان کے اس موقف کی روشنی میں شاید میری واپسی کے امکانات اور بھی موہوم ہو جائیں گے!'' میں نے اپنا قیاس ظاہر کیا۔

''فی الحال اپنی واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو۔'' اس نے بہت خلوص اور دردمندی کے ساتھ مشورہ دیا ''یہاں تمہارے خون کے پیاسے ہر طرف تمہاری گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بہی خواہ تم کو ان سے بچانے کی کوششوں میں کمزور پڑیں گے۔ تم وہاں رہ کر بھی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہو۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سینے پر ایک زوردار گھونسا رسید کر دیا ہو۔

جلال کوئی چلتا پھرتا' عام پاکستانی نہیں تھا۔ وہ ایک کلیدی محکمے کا ذمے دار اور سختی افسر تھا۔ اگر وہ میری واپسی کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کر رہا تھا تو اندرونی حالات یقیناً سنگین سے سنگین تر ہو چکے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے ان ہمدردوں نے خیر خواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا۔

پاکستان سے میری روانگی کے وقت جو حالات پائے جا رہے تھے' وقت گزرنے کے ساتھ ان میں بہتری آنے کے بجائے خطرات بڑھ رہے تھے۔

''تم کو معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے اپنی ذات کے لیے برسرِ پیکار نہیں ہوں۔'' میں نے لمحے بھر کے سکوت کے بعد کہا ''میں نے جس لمحے شی کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اسی لمحے میرے ذہن میں ایک بڑا مقصد' ایک عظیم مشن موجود تھا۔ میں کسی انعام کی امید یا لالچ کے بغیر آج تک اسی مشن پر کام کر رہا ہوں.....''

''تم میری ذرا سی بات پر جذباتی ہو رہے ہو۔'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے مضطربانہ آواز میں کہا ''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہ جب بھی تم سے مار کھاتے ہیں' تلملا کر ایسی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔''

''ان کی حرکتیں واقعی نئی نہیں ہیں لیکن یہ ایک نئی بات سامنے آ رہی ہے کہ اب میں جلاوطن ہوں' میرے خیر خواہوں کے ہاتھ بندھتے جا رہے ہیں' میرے ہمدردوں کی راہ میں بڑی رکاوٹیں کھڑی ہو گئی ہیں۔''

''یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ یہ عارضی مسائل ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کچھ بہتر ہو جائے گا۔ ان باتوں پر تم کیوں آزردہ ہو رہے ہو!''

مجھے جلال کے خلوص اور نیک نیتی پر ذرا بھی شک نہیں تھا۔ میری تشویش کا اندازہ لگا کر وہ تڑپ اٹھتا تھا مگر میں جانتا تھا کہ جلال عقلِ کل نہیں ہے' نہ اسے سب کچھ کر گزرنے کا آزادانہ اختیار ہے۔ وہ اپنے محکمے کے سخت نظم و ضبط میں بندھا ہوا تھا' اپنے ہر قدم کے لیے اپنے اوپر والوں کو جواب دہ تھا۔ اس سے اوپر والے حکومت کی پالیسیوں کے قیدی تھے۔ ان پالیسیوں کے متعین کیے ہوئے دائروں سے باہر نکلنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات یکا یک جلال اور اول خان کی ہمدردیوں سے بہت آگے بڑھ گئی تھی اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کیا ہماری حکومت فردِ واحد کی آزادی کے تحفظ کے لیے دنیا کی اکلوتی سپر پاور کے سامنے حوصلہ مندانہ موقف اختیار کر سکے گی!

میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں' اس سوال کے جواب میں ایک بھیانک منفی گونج سنائی دے رہی تھی۔ ملک کو میری ذات سے کہیں بڑے مسائل پیش آ چکے تھے۔ ہست و بود کی اس جان لیوا کشمکش میں' میں نے اباؤٹ ٹرن ہونے کے کئی سنگین مشاہدے کیے تھے۔ ان کے مقابلے میں میرا ہونا یا نہ ہونا رائی کے ایک دانے جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا تھا۔

جلال مجھے امید دلا رہا تھا کہ وہ عارضی مسائل تھے جو وقت کے ساتھ خود بہ خود حل ہو جاتے لیکن مجھے فضا سخت مخدوش نظر آ رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے دشمنوں کے موقف میں زیادہ سختی آنے کے نمایاں آثار نظر آ رہے تھے۔ اپنے ان خدشوں کے بارے میں جلال سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ وہی کچھ کہتا رہتا جو اس کے دل میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل آئینہ تھا۔ وہ میرے بارے میں کوئی غلط بات سوچ سکتا تھا نہ نا امید ہو سکتا تھا۔ وہ بہت خلوص کے ساتھ سچ بول رہا تھا لیکن اس کے الفاظ پر میرا اعتماد متزلزل ہو چلا تھا۔

''میں آزردہ نہیں ہو رہا۔'' میں نے اس سے بحث میں پڑنے کے بجائے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ سب چلتا رہتا ہے۔ میں زندگی کے ان بکھیڑوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔ بات بس اتنی سی ہے کہ میں شترِ مرغ کی طرح ریت میں سر ڈال کر طوفان ٹل جانے کی توقع نہیں کر سکتا۔ جو کچھ سامنے ہے اور سامنے آنے والا ہے' وہ مجھے نظر آ رہا ہے۔ تم ان قصوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیسے یاد کیا تھا۔''

''یہاں بہت دلچسپ صورتِ احوال پیدا ہو گئی ہے۔'' میری یاددہانی پر اس نے کہا ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہم نے زیرِ زمین دنیا سے تعلق رکھنے والے دو مہروں کو ڈینی ہونے کے شبہے میں پکڑ لیا تھا۔ ان دونوں سے امریکی ماہروں کی موجودگی میں تفتیش کی جا رہی تھی۔ تم جانتے ہو کہ ہاتھ کتنا ہی ہلکا رکھا جائے' تفتیش پھر تفتیش ہوتی ہے۔ ان دونوں نے ڈینی ہونے کا اعتراف کر لیا ہے اور اس پر اڑ گئے ہیں۔ امریکی چکر میں پڑ گئے ہیں کہ ان دونوں میں سے کس کے اعتراف پر یقین کریں۔ مشکل یہ ہے کہ ان کے پاس اس اعتراف کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان کے پاس تمہاری کوئی تصویر ہے نہ فنگر پرنٹس۔''

''ڈینی ہونا تو آسان بات ہے۔ روایتی تفتیشی ذرائع کے سامنے وہ یہ اعتراف بھی کر سکتے تھے کہ وہ آدمی نہیں' خارش زدہ چوہے ہیں۔'' میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''انہیں یہ سن گن بھی ملتی رہی ہے کہ بنکاک میں تمہاری موجودگی کے شواہد پائے جا رہے ہیں۔ اس بارے میں گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں لیزر شعاعوں کی زد میں آ کر ہلاک ہونے والے محافظ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں پاکستان میں ڈھونڈا جائے یا تلاش کی اس مہم کو بنکاک منتقل کر دیا جائے۔''

''یہ تذبذب انہیں کسی سمت میں پیش رفت نہیں کرنے دے گا۔ ان کے پاس اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ انہیں جس کسی پر ڈینی ہونے کا شبہ ہو' اسے خاموشی سے مروا دیں۔ سی آئی اے ایسے خفیہ کاموں میں خاصی شہرت رکھتی ہے۔'' میں نے جلال کی بتائی ہوئی صورتِ حال سے دل ہی دل میں محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''سب کچھ کر لینے کے باوجود وہ تمہاری طرف سے بہت زیادہ پریشان ہیں۔''

''غنیمت یہ ہے کہ یہاں ابھی تک ان سے میرا ٹکراؤ نہیں ہوا۔''

''ان سے ہوشیار رہنا۔'' جلال نے تاکید کی ''ان دونوں کے اعترافات کے بعد اب امریکیوں کو ایک نئی راہ سوجھی ہے۔ وہ لاہور میں تمہارے کالج کے پرانے ریکارڈ کی چھان بین کے امکان پر غور کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وہاں سے تمہاری کوئی پرانی تصویر حاصل کر کے اس پر کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے مجھے موجودہ حالات اور امکانات سے آگاہ کر دیا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اب مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں از سرِ نو کچھ سوچنا ہو گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں لیکن اس کے بنیادی خدوخال بڑھاپے تک جوں کے توں رہتے ہیں۔''

''تمہاری پرانی تصویر مل گئی تو ان کے ماہرین سائنسی بنیادوں پر اس پر کام کریں گے۔ وہ تمہارا کوئی بہتر خاکہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہارے لیے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔'' مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا جیسے مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے تک جلال کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ میری کسی پرانی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تصویر کا امریکیوں کے ہاتھ لگنا کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

''جو ہوگا دیکھا جائے گا۔'' میں نے ایک نئے عزم کے ساتھ کہا ''تم ان سے رابطے میں رہو اور مجھے تازہ ترین حالات سے باخبر کرتے رہا کرو۔''

''میری پوری کوشش ہے کہ میں اس کڑے وقت کو ٹال سکوں۔'' اس کی طرف سے جواب آیا ''مجھے تمہارے ساتھ ویرا کی بھی فکر لگی رہتی ہے۔ موقع ملتا ہے تو اس سے بھی بات کرلیتا ہوں۔ پتا نہیں وہ اور اس کا ساتھی کس حال میں ہے۔ دو روز سے اس کا فون بند ہے۔ جب نمبر ملاتا ہوں ریکارڈنگ سنائی دیتی ہے کہ مطلوبہ نمبر سے جواب نہیں مل رہا۔''

اس نے ویرا کا ذکر ضمنی طور پر کیا تھا۔ ویرا کا فون بند ہونے کے بارے میں اس کی بات سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے اور مجھے تشویش ہونے لگی۔

دو روز سے اس سے میرا بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال آیا کہ کہیں وہ دونوں کسی پریشانی کا شکار نہ ہوگئے ہوں۔

''میں بھی ان دونوں کو دیکھتا ہوں۔ یہ خبر میرے لیے پریشان کن ہے کہ دو روز سے ان کا فون بند ہے۔ شاید تمہیں علم ہوگا کہ وہاں سلطان شاہ سی آئی اے کے ایک بھگوڑے ایجنٹ کے پیچھے لگ گیا ہے۔ وہ اس سے مسلسل رابطے میں ہے۔''

''یہ اطلاع میرے لیے انکشاف سے کم نہیں ہے!'' جلال کی آواز سے حیرت جھلک رہی تھی۔

''وہ البرٹو نامی ایک اطالوی ہے۔ سی آئی اے والے اس کے نام سے اخباروں میں پیش گوئیاں چھپواتے اور پھر خفیہ طور پر ان کے پورا ہونے کا بندوبست کرلیتے تھے۔ البرٹو کی پیش گوئیوں کی آڑ لے کر انہوں نے کئی اہم شخصیات کو مروادیا۔ جب نیویارک کا ایک سیاہ فام لیڈر پانی میں ڈوب کر مرا تو البرٹو اپنے ضمیر کی ملامت سے مجبور ہوکر سی آئی اے والوں کی تحویل سے بھاگ نکلا۔ اب وہ نیویارک میں مین ہٹن کے ایک فلائی اوور کے نیچے گتوں کے ڈبوں سے بنائے ہوئے دڑبے میں رہ رہا ہے۔'' میں نے اختصار سے اسے بتایا۔

''یہ نام اور قصہ میرا سنا ہوا ہے۔'' جلال کی آواز تشویش آمیز تھی ''سچی پیش گوئیوں کے حوالے سے اسے بہت شہرت ملی تھی۔ اندر کی کہانی تم سنا رہے ہو۔ سلطان شاہ سے کہو کہ وہ اس سے دور رہے۔ سی آئی اے والے اپنے ملک میں بھی اتنے ہی سفاک ہیں جتنے دوسرے ملکوں میں۔ وہ البرٹو کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے ساتھ سلطان شاہ بھی کسی چکر میں پھنس جائے۔ ان دونوں کو وہاں خاموشی سے اپنا وقت گزارنا چاہیے۔''

''میں تمہارا مشورہ اس تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ وہ سعادت مند نوجوان ہے۔ میرا خیال ہے کہ بات مان جائے گا۔''

''ان دونوں سے رابطہ ہوجائے تو مجھے ضرور بتادینا۔ میں تمہاری دوست کے لیے فکرمند ہوں!''

میں نے جلال کو یقین دہانی کراتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

''آج میں غور سے آپ کو دیکھ رہی تھی۔'' چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے کہا ''جلال سے بات کرتے ہوئے آج آپ کا موڈ شگفتہ نہیں تھا۔''

''خبریں اچھی نہ ہوں تو موڈ کیسے شگفتہ رہ سکتا ہے!'' میں نے مسہری پر دراز ہوکر کہا۔

''پہلے آپ بری خبروں کی بھی پروا نہیں کرتے تھے!'' وہ بولی۔

''دشمنوں کے بارے میں ملنے والی خبروں کی میں نے کبھی پروا نہیں کی۔ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں۔ مقابلہ آمنے سامنے کا ہو تو یہ اونچ نیچ چلتی رہتی ہے۔ مجھے تشویش اس بات کی ہے کہ ہماری پاکستان واپسی کی راہیں اب بھی مسدود ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ امریکی اپنا دائرہ تنگ کرتے جارہے ہیں۔ حالات میں بہتری آنے کے بجائے دن بہ دن ابتری پیدا ہوتی نظر آرہی ہے۔''

''میں آپ سے بارہا کہہ چکی ہوں کہ حکومتوں سے لڑنا آسان نہیں ہوتا۔ وہاں عزائم اور اہداف کا ایک تسلسل ہوتا ہے۔ ایک آدمی منظر سے ہٹتا ہے تو اس کی جگہ لینے کے لیے چار نئے چہرے سامنے آجاتے ہیں۔ اکیلا آدمی ان سے لڑتے لڑتے تھک جاتا ہے۔ وہ کبھی نہیں جیت سکتا۔''

''تم کہتی رہی ہو اور میں ان باتوں کو ہمیشہ نظرانداز کرتا چلا آیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ وقت بھی آجائے جب میں تمہاری ان باتوں پر غور کرنا شروع کردوں۔''

''آپ مجھ سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔ مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ آپ کے ذہن میں کوئی ہلچل شروع ہوچکی ہے۔''

''کوئی ہلچل ہے اور نہ بے چینی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھے مستقبل قریب میں وطن واپسی کا کوئی امکان نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں آ رہا۔''

''اس بارے میں جلال کیا کر رہا ہے..... اول خان کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ دونوں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمارے لیے بہت کچھ کر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ معاملات ان کی گرفت سے باہر ہیں۔ یہ انہی کا دم ہے کہ میں آج تک اپنے حریفوں کے سامنے ڈٹا ہوا ہوں۔ وہ نہ ہوتے تو میرے دشمن اب تک مجھے پیس چکے ہوتے یا میں کسی زنداں کا قیدی بن چکا ہوتا۔''

''وہ بے بسی کا شکار ہو رہے ہیں تو آپ کو بدلے ہوئے حالات سے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔'' میرے جواب سے غزالہ فکرمند ہوگئی۔

''کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔'' میں نے اس کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا ''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ امید پر دنیا قائم ہے۔ ہمیں بہتری کی امید رکھنے کے ساتھ برے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ ابھی سارے دروازے بند نہیں ہوئے۔ دانش مندی کا تقاضا ہے کہ ہم خوش فہمی میں مبتلا رہنے کے بجائے حوصلے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے رہیں۔ جب بات تل جائے گی تو کوئی نہ کوئی فیصلہ کرلیا جائے گا۔''

''ویرا کے بارے میں آپ کی کیا بات ہو رہی تھی؟'' ایک مسئلے کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد اسے دوسری بات یاد آ گئی۔

''جلال ان کی سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ وہ ویرا سے بات کرتا رہا ہے۔ اس نے جلال کو سلطان شاہ کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اسے تشویش ہے کہ دونوں سے ویرا کا موبائل فون بند ہے۔''

''ہم ان دونوں سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کی خیر خبر لینی چاہیے۔'' اس نے قدرے فہمایشی لہجے میں کہا۔ ویرا کا ذکر آتے ہی وہ پچھلا مسئلہ بھول گئی تھی۔

مجھے امید نہیں تھی کہ ویرا کی طرف سے کوئی جواب ملے گا۔ جلال کی دی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی تھی۔ میں نے غزالہ کا دل رکھنے کے لیے ویرا کا نمبر ملالیا۔ دونوں کراچی کے فون تھے جو انٹرنیشنل رومنگ پر چل رہے تھے۔ ان پر باہمی رابطے کے لیے کوئی انٹرنیشنل کوڈ ملانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ ذرا سے توقف کے بعد نسوانی آواز میں سنائی دینے والی ریکارڈنگ نے جلال کے بیان کی تائید کردی۔ ویرا کا فون بند تھا۔

اس وقت مجھے افسوس ہوا کہ ویرا سے کئی بار گفتگو ہونے کے باوجود میں نے اس سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ نیویارک کے کس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ان دونوں کے ہوٹل کا نام یا فون نمبر معلوم ہوتا تو ان سے رابطے کی متبادل صورت پیدا ہوسکتی تھی۔

میں اپنے مسائل کو بھول گیا۔ ذہن پر ان کی طرف سے تشویش سوار ہوگئی۔ مجھے رہ رہ کر جلال کے اس اندیشے کا خیال آنے لگا کہ البرٹو کے چکر میں سلطان شاہ سی آئی اے والوں کے کسی چکر میں پھنس سکتا تھا۔

آدمی کے سامنے کوئی بڑے سے بڑا مسئلہ درپیش ہو، وہ اس کے حل کے لیے سرتوڑ کوششوں میں لگا رہتا ہے اور کسی نتیجے پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ جب مسئلہ نظر آ رہا ہو اور اس کے حل کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے کی گنجایش نہ ہو تو ذہنی دباؤ، بے چارگی اور اعصابی کشیدگی کی ایک ناقابل برداشت کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ جلال سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد میں مسلسل اسی کیفیت سے دوچار رہا۔

شام ہوتے ہوتے میرا اعصابی اضطراب اتنا بڑھ گیا کہ میں نے اپنا دھیان بٹانے کے لیے اسد کے جانشین سے بات کرنے کا ارادہ کرلیا۔

طارق بنکاک میں نووارد تھا لیکن اس نے وہاں پہنچتے ہی بہت تیزی اور خوش اسلوبی سے اپنا کام سنبھالا تھا۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ تھی کہ اس نے وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر اتنی سرعت سے جلال کو پہنچائی کہ میں حیران رہ گیا تھا۔

فون پر رابطہ ہونے پر میں نے اس کی آواز سے اندازہ لگایا کہ وہ بھی اپنے پیش رو کی طرح سنجیدہ اور بردبار آدمی تھا۔ اس نے میرا مفروضہ نام سنتے ہی اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا اور بتایا کہ وہ بنکاک پہنچنے کے بعد سے میرے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے ہدایت دی گئی تھی کہ بنکاک میں مجھ سے تعاون کرنا اس کی فوری اور اہم ترین ذمے داری تھی۔

میں بنکاک میں کیا کر رہا تھا، اس بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ میں وہاں راکے ایجنٹ راجن کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

فوری طور پر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، میں نے رسمی طور پر اس سے کہہ دیا کہ وہ شہر میں موتی محل کی خیر خبر رکھے اور ہوسکے تو مجھے راجن کی مصروفیات سے آگاہ کرتا رہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ ہوٹل کا فون ہماری گفتگو کے لیے محفوظ نہیں تھا۔

طارق سے گفتگو ہونے کے بعد میرے ذہن میں دوبارہ ویرا اور سلطان کا خیال سر ابھارنے لگا۔ پچھلی رات سے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شام تک میں نے چاؤفان کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ اس سے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے غزالہ کو تیار ہونے کی ہدایت دی اور اسے ساتھ لے کر شہر کی کوچہ نوردی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

ہمیں بنکاک آئے کافی دن ہو چکے تھے لیکن اپنی مخصوص مصروفیات اور حالات کی بنا پر مجھے شہر کو زیادہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پھر بھی گولڈن ڈریگن کیسینو اور بے بی کلب شہر کے معروف مقامات تھے۔ سیر کے دوران میں ہم ٹیکسی کے ذریعے ان دونوں مقامات تک گئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ راجن کے وہ دونوں ٹھکانے کھلے ہوئے ہونے کے باوجود ویران پڑے ہوئے تھے' وائٹ ہاک کی غرقابی کے واقعے نے بنکاک کے رنگین مزاج طبقے کو راجن کی تفریح گاہوں سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ہم نے پیٹ پونگ کے علاقے کے وہ دونوں ہوٹل بھی دیکھے جنہیں راجن کے آدمیوں نے آگ لگا دی تھی۔ وہ واقعہ تازہ تھا۔ وہاں تماشائیوں کی بھیڑ جمع تھی۔ دونوں گلیوں میں خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔ الگ الگ گلیوں میں واقع دونوں ہوٹل جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان سے متصل دکانوں کو بھی آگ نے نقصان پہنچایا تھا۔ پولیس وہاں اپنی رسمی کارروائی کر کے واپس جا چکی تھی۔ ہوٹلوں وغیرہ کے مالک اور ملازمین سر دھوتے ہوئے ملبے میں سے باقیات جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

''یہ دونوں بے چارے ناگہانی مارے گئے!'' غزالہ نے وہاں سے نکلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں تبصرہ کیا۔

''کسی نہ کسی کی شامت آنی تھی۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ اس خبیث نے اپنے ہم وطنوں کو نقصان پہنچایا ہے۔'' میں نے سوال کیا۔

''ایسے لوگوں کے لیے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ بے ضمیر ہوتے ہیں۔ اندھے ہو کر اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روند ڈالتے ہیں۔'' غزالہ نے حقارت سے کہا ''اپنے مفادات کی خاطر یہ اپنے اور پرائے میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔''

جب ہم ایک صاف ستھرے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو غزالہ نے اچانک لی کا ذکر نکال لیا ''وائٹ ہاک کے پیندے میں بم لگانے والی سے کام نکالنے کے بعد آپ نے اسے بالکل بھلا دیا۔ وائٹ ہاک کے ڈوبنے سے اسے جھٹکا لگا ہوگا۔''

''وہ خود بھی راجن کے خون کی پیاسی ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہوا۔ لانچ کے انجام پر وہ بہت خوش تھی۔''

''خاصی دلیر اور حوصلے والی عورت ہے!'' غزالہ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ڈان نے اسے لمبی گھوڑی کا لقب دیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''اچھا لقب ہے۔ گھوڑ او فادار جنگی سواری کہلاتا ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ غزالہ سے لی کے بارے میں بات کرتے ہوئے میرے دل کا چور مجھے ستا رہا تھا۔ غزالہ میری بیوی تھی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اس بارے میں کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ کھانے کے دوران بھی جان بوجھ کر اس کا ذکر کرتی رہی اور میں ہوں ہاں کر کے اسے مختصر ترین جوابات پر ٹالتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری زبان سے کوئی اعتراف سننے کی امید میں لی کی باتیں نکال رہی ہو۔

ہم کھانے کے بل کی ادائیگی کر کے ہوٹل سے باہر نکلے تو غزالہ کے ذہن پر لی سوار تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''کیا بات ہے۔ آپ اس کے بارے میں کھل کر بات کرنے سے ہچکچا رہے ہیں!''

''اس نے بہت بڑا کام کیا ہے جو میرے لیے مشکل اور چاؤفان کے لیے ناممکن تھا۔ پورے منصوبے میں اس کی حیثیت اس مزدور جیسی تھی جو ایک فلک بوس عمارت کے لیے پتھریلی زمین میں بنیاد کھودتا ہے۔'' میں نے زچ ہو کر ذرا وضاحت کے ساتھ کہا ''تم عمارت کی تعمیر کا سہرا اس مزدور کے سر باندھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حالانکہ سارا کمال آرکیٹیکٹ کا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اتنا سر کھپانا بے سود ہے۔''

''کبھی کبھی آپ ویرا کے بارے میں بھی مبہم رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔'' اس نے سرسری لہجے میں ایک گہرا طنز کیا ''میں ڈر رہی تھی کہ اس عورت نے آپ سے دوستی بڑھانے کی کوشش نہ کی ہو اور آپ اسے ٹال آئے ہوں.....!''

''غزالہ! کوئی اور بات کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''لی کی باتیں کرتے کرتے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ ویرا کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ وہ ایک بازاری عورت ہے۔ چاؤفان نے اسے ہوشیاری سے اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا اور بات ختم ہوگئی۔ اسے اپنے کام کے لیے تیس ہزار بھات ادا کیے گئے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے ساحل سے لوٹنے کے بعد لی کی ہمت اور حوصلے کی تعریف ضرور کی تھی۔ یہ سب نہیں بتایا تھا۔'' اس نے میرے تیور دیکھتے ہوئے فوری طور پر معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا ''اگر وہ کوئی بازاری عورت ہے تو بات ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اب آپ میری زبان سے اس کا ذکر نہیں سنیں گے۔''

اور وہ بات واقعی وہیں ختم ہوگئی۔

☆☆☆

سلطان شاہ سب وے اسٹیشن کی سیڑھیاں طے کرکے فٹ پاتھ پر آیا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اسے امید تھی کہ اس دن البرٹو اسے زیادہ وقت دے گا اور وہ اس سے کچھ ایسی باتیں اگلوانے میں کامیاب ہوجائے گا جو اس کے لیے کار آمد ثابت ہوں گی اور وہ ویرا کے ساتھ مل کر سی آئی اے کے مفادات کو قابل ذکر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس نے پہلے دن ہمدردانہ جذبات سے مغلوب ہوکر البرٹو کے اوندھے رکھے ہوئے ہیٹ میں ایک ڈالر کا سکہ ڈالا تو یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ البرٹو اس کے لیے اہم اور کار آمد آدمی ثابت ہوسکے گا۔

نیویارک پہنچتے ہی ویرا کے پیر میں موچ آگئی تھی۔ سلطان شاہ کو آخر تک یہ علم نہیں ہوسکا کہ وہ ویرا کا بہانہ تھا۔ اس نے دل وجان سے ویرا کی دیکھ بھال کی۔ اس کے مڑے ہوئے پیر کی مالش اور پٹی کرنے کے ساتھ وہ دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتا رہا۔ ویرا اپنے ہوٹل سے باہر نکلنے کے قابل نہیں تھی یا وہ ایسی اداکاری کررہی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے دن بھر ہوٹل کے کمرے میں بند ہوکر بیٹھنا ناممکن تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار امریکا آیا تھا اور فرصت کے لمحات میں دل کھول کر نیویارک کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ وہ ویرا کے کاموں سے فارغ ہوکر ہوٹل سے نکل جاتا۔

اس کے لیے نیویارک عجائبات کا شہر تھا۔ وہاں کی صاف ستھری اور سبک رفتار سب وے میں سفر کرتے ہوئے اسے بہت مزہ آتا۔ شہر کی فلک بوس عمارتیں اور چوکور بلاکوں میں شہر کو تقسیم کرتی ہوئی سیدھی سڑکیں اسے متاثر کرتی تھیں۔ اس کے لیے سب سے بڑی بے کیفی یہ تھی کہ وہ اس پرہجوم شہر میں ویرا کے پیر کی موچ کی وجہ سے تنہا اور اجنبی تھا۔

جب پورے ایک ڈالر کی خیرات ملنے پر البرٹو کی ہراساں نظروں میں اسے اپنے لیے ممنونیت نظر آئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے نیویارک میں البرٹو اس کا پہلا دوست ہو۔

اس نے ہوٹل سے نکل کر روزانہ اس طرف آنے کو اپنا معمول بنالیا۔ مین ہٹن کے علاقے کی تعمیرات اور رونقیں اسے بہت پُرکشش محسوس ہوتیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کا پہلا دوست پایا جاتا تھا۔

نیویارک پہنچنے کے بعد ویرا کے پیر کی جعلی موچ کی وجہ سے ان دونوں کے مراسم میں نہایت خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ ویرا نے بات بات پر اس کی ٹانگ کھینچنی بند کردی۔ وہ کوئی بات کہتا تو ویرا اسے دھیان سے سنتی اور پوری سنجیدگی سے اس کا جواب دینے کی کوشش کرتی۔ سلطان شاہ کے لیے ویرا کے مزاج کی وہ تبدیلیاں حیران کن تھیں۔

ویرا کو آزمانے کے لیے وہ جان بوجھ کر بار بار ایسی غلطیاں کرگزرتا جن پر ویرا کو برہم ہوجانا چاہیے تھا لیکن ویرا اشتعال میں آئی نہ اس نے طنز وتشنیع کی راہ اختیار کی۔ سلطان شاہ نے سمجھ لیا کہ دونوں کے درمیان مفاہمت کرانے والے کرداروں کی غیر موجودگی کی وجہ سے ویرا نے مصالحت کی راہ اپنالی تھی جو سلطان شاہ کے لیے ایک نیک شگون تھا۔

سلطان شاہ چند گھنٹے باہر گزارنے کے بعد دوبارہ ہوٹل میں آتا تو وہ دونوں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے یا پھر آپس میں باتیں کرتے رہتے۔

پاکستان میں رہتے ہوئے ان دونوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی بات کبھی سنجیدگی سے نہیں سنیں گے مگر نیویارک کی آزاد فضاؤں میں دونوں بدل گئے تھے۔ سلطان شاہ کے نزدیک ویرا لامذہب بلکہ دہریہ تھی جسے مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ ہوٹل کے پرآسایش کمرے میں مذہب پر ہونے والی باتوں کے دوران میں سلطان شاہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے پاکستان میں رہ کر اردو سمیت صرف مقامی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں، ملک کے سرکاری مذہب کے بارے میں بھی بیش بہا معلومات حاصل کی تھیں جن میں اسلام کا بنیادی فلسفہ سب سے اہم تھا۔

ویرا نے اپنی زندگی میں کبھی کسی مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تھا لیکن روایتی طور پر وہ خود کو کیتھولک کرسچین قرار دیتی تھی۔ اس کا ناجائز باپ جرائم پیشہ دہریہ تھا مگر اس کی ماں کٹر کیتھولک تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ مذہب کے معاملے میں اس کے انتخاب کے بجائے اس اتفاق کا دخل تھا کہ اس نے کیتھولک ماں کی کوکھ سے جنم لیا۔

سلطان شاہ اپنی کم مائیگی کے باوجود ویرا کو اپنے مذہب کی اچھی تعلیمات سے آگاہ کرتا رہتا۔ اسے امید تھی کہ زندگی کے کسی مرحلے پر ویرا دنیا داری سے اکتا کر مذہب کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راغب ہوئی تو وہ اپنی محنت سے اسے مسلمان کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ اگر وہ ویرا جیسی عورت کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوگیا تو شاید اس کے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوجائے اور اس کی عاقبت سنور جائے۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کبھی کوئی ایسا موڑ نہیں آسکا جہاں سلطان شاہ ہمت کرکے اسے کلمہ پڑھنے کی دعوت دے سکے۔ سلطان شاہ نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کی دانست میں وہ چند روزہ ابتدا تھی۔ آخر کار ایک نہ ایک دن اسے موقع مل جانا تھا۔ وہ اس معاملے کو سرسری انداز میں نمٹانے کا قائل نہیں تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ ایسے مرحلے پر ویرا کو دعوت دے کہ اس کے لیے فرار یا انکار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

ان دونوں کے شب و روز کا وہ احوال اس وقت میرے علم میں نہیں تھا۔ بنکاک میں بیٹھ کر میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے معمولات کے مطابق' ایک دوسرے کے اعصاب پر سوار ہوکر' جھڑپوں میں اپنا وقت گزار رہے ہوں گے۔ ان کے درمیان پیدا ہونے والی مفاہمت اور ذہنی ہم آہنگی کی یہ حیران کن تفصیلات مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئیں جن کا واقعات کے تسلسل میں یہاں سامنے آنا کچھ ناگزیر سا محسوس ہوتا ہے۔

لوئر مین ہٹن کے سب وے اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد سلطان شاہ کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی انفرادی کوششوں سے امریکا کے تفریحی سفر کو ایک کامیاب مشن میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

وہ فٹ پاتھ پر رواں کالوں اور سفید فام لوگوں کے درمیان اپنی راہ بناتا ہوا' خراماں خراماں لٹل اٹلی کی حدود سے گزرتا ہوا چائنا ٹاؤن میں داخل ہوگیا جس کی ایک لاکھ نفوس سے زائد کی آبادی ہاتھی کے پاؤں کی طرح دن بدن ہر طرف پھیل رہی تھی اور قرب و جوار کی دوسری بستیوں میں گڈمڈ ہوکر ان کی شناخت مٹتی جا رہی تھی۔

وہ آگے بڑھتا رہا۔ اسے نیویارک کے رنگا رنگ باسیوں کے درمیان نرمی سے شانے لڑا کر اپنی راہ بنانا بہت بھلا لگ رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنے مطلوب مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں اطالوی نژاد البرٹو اپنا ہیٹ سامنے رکھے' فٹ پاتھ کے ایک کنارے پر بیٹھا' آنے جانے والوں کو رحم طلب اور خائفانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ اس سے ملنے کے لیے وہاں آیا تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ البرٹو کو دیکھ لیا۔ البرٹو جلد از جلد خیرات کا کوٹا پورا کرکے وہاں سے بھاگنے کے چکر میں رہتا تھا اس لیے اس کی ساری توجہ راہ گیروں پر مرکوز تھی۔

اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ ہیروئن کے استعمال کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں عجیب بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں گال پچکے ہوئے تھے۔ بدن پر میلی سی ٹی شرٹ اور نیلی جینز نظر آرہی تھی جو کثرت استعمال کے باعث بیشتر مقامات پر سیاہی مائل ہوچکی تھی۔

اس کا جائزہ لے کر سلطان شاہ نے اس کے قرب و جوار میں چلتے پھرتے ہوئے لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ پہلے دن کے بعد سے اس کا معمول رہا تھا کہ البرٹو کے قریب جانے سے پہلے وہ اس کے آس پاس کا جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

البرٹو نے میلان اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا تھا۔ سی آئی اے والوں نے اسے تاک کر وہاں گھیرا اور اسے امریکا لے آئے۔ وہاں انہوں نے البرٹو کو سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ قتل و غارت گری کی گھناؤنی پیش گوئیوں میں البرٹو کے علم اور ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا تھا لیکن معروف معنوں میں وہ سی آئی اے کا ایک اہم ایجنٹ بن چکا تھا۔

ان کے مہمان خانے سے فرار ہونے کے بعد وہ باغی ایجنٹ بن چکا تھا۔ جس کی سزا صرف موت تھی۔ سلطان شاہ کو احساس تھا کہ البرٹو ان خونی درندوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ وہ ایک نہ ایک دن اس تک پہنچ جائیں گے۔ ان کے طریقۂ کار میں باغیوں کی سرکوبی کو اولین ترجیح حاصل تھی۔

البرٹو سے ملتے ہوئے سلطان کے ذہن پر یہ لاشعوری خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں وہ ایسے وقت میں البرٹو کے ساتھ نہ ہو جب سی آئی اے کا بھیجا ہوا قاتل وہاں پہنچے اور البرٹو کے ساتھ وہ بھی ناگہانی مارا جائے۔

فٹ پاتھ پر لوگوں کا ہجوم رواں دواں تھا۔ اس بھیڑ میں دور تک کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی رفتار سست کردی تھی اور پیچھے سے آنے والے مرد و زن اسے دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے آگے نکلے جا رہے تھے۔ مشرقی لوگوں کی طرح امریکیوں میں سست روی یا مست خرامی نام کو نہ تھی۔ ہر شخص ایسی تیزی میں نظر آتا تھا جیسے خوفناک بلائیں اور بد روحیں اس کا پیچھا کر رہی ہوں۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمحے بھر کے لیے بھی رکا یا سست ہوا تو وہ سب اسے بے رحمی سے اپنے جنوبی دہانوں میں نگل جائیں گی۔

میدان صاف تھا۔ اس نے راہ گیروں کے دھکوں سے بچنے کے لیے اپنی رفتار بڑھا دی اور جیب سے ایک ڈالر کا سکہ نکالتا ہوا البرٹو کے سامنے پہنچ گیا۔

اپنے سامنے رکی ہوئی دو ٹانگوں کو دیکھ کر البرٹو نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ سلطان شاہ نے ایک ڈالر کا سکہ اپنی چٹکی میں دبا کر اسے دکھایا اور ہیٹ میں پڑی ہوئی ریز گاری میں ڈال دیا۔

البرٹو نے جلدی سے ہیٹ میں سے ساری ریز گاری اپنی ہتھیلی پر الٹی اور جینز کی جیب میں ڈالتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ اس نے خالی ہیٹ اپنے سر پر جما لیا۔ ہیٹ پہن لینے کے بعد وہ مدقوق بلکہ قریب المرگ معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ دونوں وہاں سے ایک ساتھ حرکت میں آئے۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارا ایک ڈالر ملنے کے بعد میرا آج کا کوٹا پورا ہو گیا ہے۔ مجھے تم سے فالتو ڈالر نہیں لینا پڑیں گے۔'' البرٹو نے سلطان شاہ کے ساتھ چلتے ہوئے ممنونیت سے لبریز آواز میں دھیرے سے کہا۔

''میں رئیس نہیں ہوں۔ ایک معمولی سیاح کی طرح میری جیبوں میں زیادہ فاضل رقم موجود نہیں ہے پھر بھی میں آج ارادہ کر کے آیا ہوں کہ تمہیں کم از کم کچھ دنوں کے لیے روز کی اس مشقت سے نجات دلا دوں۔''

البرٹو اپنی جگہ چھوڑتے ہی فٹ پاتھ سے اتر کر فلائی اوور کے نیچے چلا گیا۔ ادھر گزرنے والے لوگوں کا کوئی ہجوم نہیں تھا۔ صرف وہی گنے چنے لوگ وہاں سے آ جا رہے تھے۔ جنہیں فلائی اوور کی ایک سمت سے دوسری سمت میں پہنچنا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' البرٹو نے اداس لہجے میں جواب دیا ''میرے پاس کام ہی کیا ہوتا ہے۔ گتوں کے سیلن زدہ اور بدبودار پنجرے میں پڑا رہتا ہوں۔ دس بارہ ڈالر جمع کرنے کے لیے میرے تین چار گھنٹے کھلی فضا میں گزر جاتے ہیں۔''

''فرق کیوں نہیں پڑے گا۔ تم اتنے دنوں کے لیے اپنے شکاریوں کی نظروں سے بچے رہو گے۔ وہ تمہیں ڈھونڈنے تک تمہاری تلاش کی مہم ترک نہیں کریں گے۔''

''میں جانتا ہوں..... میں جانتا ہوں!'' اس کی آواز میں یکا یک اضطراب امڈ آیا ''کاش! میں نے میلان کی گلیاں نہ چھوڑی ہوتیں تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ وہاں میرے جاننے والے مجھے اتنا کچھ دے دیتے تھے کہ مجھے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ یہاں تم جیسے شریف لوگ کم آتے ہیں۔ جو خالص امریکی ہیں وہ دس سینٹ کا سکہ بھی یوں دیتے ہیں جیسے میرے اوپر احسان کر رہے ہوں۔''

''وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ تکبر امریکیوں کا مزاج بن گیا ہے۔ ان کے انکسار میں بھی ہلکے سے قومی غرور کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''تمہیں یاد ہے نا کہ آج تم نے کچھ خاص باتیں کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''شش!'' البرٹو نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر دہشت زدہ آنکھوں سے اسے گھورا ''خاموش رہو..... یہ ہوائیں ہماری آوازوں کو اڑا کر نہ جانے کہاں لے جائیں۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ ہم کل بات کریں گے۔''

''تم روز مجھے یونہی ٹال دیتے ہو۔'' سلطان شاہ نے اصرار کیا ''آج کے دن میں کیا خرابی ہے.....؟ سب دن اچھے اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے بحث مت کیا کرو۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یہ میرے دل کی گواہی ہے کہ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔''

''البرٹو! میں سیلانی آدمی ہوں۔ آج یہاں اور کل وہاں ہوتا ہوں۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔ میں تمہاری وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری پوری کہانی ان لوگوں تک پہنچا دوں جو تمہیں امریکا سے نکال کر کیوبا یا جنوبی امریکا کے کسی ملک میں پہنچا سکتے ہیں۔''

البرٹو نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے تذبذب اور بے اطمینانی جھلک رہی تھی پھر اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''تم کو مسیح کا واسطہ آج کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے' دماغ بھاری ہو رہا ہے۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ پتا نہیں آج کیا ہونے والا ہے۔''

سلطان شاہ جھلا گیا۔ البرٹو روز اسے کسی نہ کسی بہانے سے ٹال رہا تھا۔ اس نے کبھی سلطان شاہ سے کسی چھوٹی یا بڑی رقم کا مطالبہ نہیں کیا کہ اسے یہ گمان ہوتا کہ وہ پیسوں کے لالچ میں اسے ٹال رہا ہے۔ اس نے بدظن ہو کر کہا ''کل تمہارے دل و دماغ نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں تمہارے نصیب کے حوالے کر کے یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ ایک دن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے دشمن آئیں گے اور تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔''

''مجھے ایسی بددعائیں نہ دو!'' اس نے ملتجیانہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میری زندگی میں کچھ نہیں رکھا مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہاں رہ کر میری زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے گل ہوسکتا ہے۔ اس ملک کی سرحدوں سے دور جا کر میں شاید اپنی پوری عمر گزار لوں گا۔''

''جو لوگ تمہیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکال سکتے ہیں وہ مفت میں خیراتی کام نہیں کرتے۔ وہ مال لیتے ہیں یا پھر دوسروں کی کمزوریاں خریدتے ہیں۔ وہ تمہاری کہانی آگے کسی کو بیچ کر اپنا معاوضہ پورا کرلیں گے۔ اس کے بغیر وہ تمہارے لیے کچھ بھی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔''

''بس مجھے ایک دن اور دے دو۔'' وہ گڑگڑایا ''آج میرے دل و دماغ کی حالت عجیب ہورہی ہے۔ کل میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔''

باتیں کرتے ہوئے' وہ دونوں اس اطالوی کیفے کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں کی کالی چائے البرٹو کو بہت پسند تھی لیکن وہ اپنے خرچ پر وہاں سے چائے پینے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔

اچانک سلطان شاہ کی چھٹی حس نے خطرہ محسوس کیا۔ وہ بہت تیزی سے پلٹا مگر اسے دیر ہوچکی تھی۔ پیچھے سے آنے والی دراز قامت اور تنومند عورت نے اپنے داہنے ہاتھ سے البرٹو کا شانہ دبوچ کر اسے روک لیا تھا۔

عورت ترش رو اور طاقت ور نظر آرہی تھی۔ اس کے مقابلے میں البرٹو دھان پان اور کمزور تھا۔ وہ اضطراری کوشش کے باوجود خود کو اس عورت کے ہاتھ کی آہنی گرفت سے چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

''تم البرٹو روزیلی ہو!'' عورت نے سخت' تحکمانہ اور تائید طلب لہجے میں سوال کیا جیسے البرٹو کے انکار کی صورت میں اس کے شانے کی ہڈی توڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

سلطان شاہ پہلے ہی بھڑک چکا تھا۔ وہ عورت نہ جانے کب اور کہاں سے ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ اس کے بے آواز قدموں کی وجہ سے وہ دونوں آخری لمحے تک اپنے پیچھے اس کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہوسکے۔

سلطان شاہ نے دیکھا کہ وہ عورت اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی پتلون کی جیب میں سے کوئی پستول یا ریوالور نکال رہی تھی جس کا سیاہ آہنی دستہ اس کی جیب سے باہر آچکا تھا۔

سلطان شاہ کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ جب وہ پلٹا تو عورت نے اسے بھی کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ البرٹو اس کا اصل ہدف تھا لیکن وہ سلطان شاہ کو بھی معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

وہ ایک فیصلہ کن لمحہ تھا۔ سلطان شاہ نے یکا یک اس سمت میں دوڑ لگادی جہاں راہ گیروں کا ایک ہجوم موجود تھا۔

ایک شکار کو یوں ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھ کر عورت نے ایک گالی بک کر اسے للکارا۔ سلطان شاہ لہراتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ عورت اس پر گولی چلانے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اس کا نشانہ خطا ہوتا تو گولی آگے موجود بھیڑ بھاڑ میں سے کسی کو بھی چاٹ سکتی تھی۔ وہ کسی راہ گیر کو ہلاک یا زخمی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

سلطان شاہ بھاگتا ہوا بھیڑ میں شامل ہوا اور پھر اپنا راستہ بنا کر تیزی سے آڑ اتر چھا چلتا چلا گیا۔

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فضا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ابھرنے والی البرٹو کی کمزور مگر نمایاں چیخ بہت دل دوز تھی۔

سلطان شاہ نے اس عورت کی وضع قطع اور تیوروں سے بھانپ لیا تھا کہ وہ سی آئی اے نہ سہی' کسی نہ کسی سرکاری ایجنسی کی کارپرداز تھی۔ وہ قانون کے نام پر کسی کو بھی سرعام گولی مار سکتی تھی۔ وہ اپنی شناخت ظاہر نہ کرتی تب بھی طاقت کے بل پر وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔

اسے غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ اس عورت کا تعلق سی آئی اے سے تھا۔ اس نے البرٹو کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ وہ اپنی حیثیت کا اظہار کیے بغیر' پستول یا ریوالور لہراتی ہوئی کسی بھی طرف فرار ہوجاتی تو جان جانے کے خوف سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

البرٹو کے لیے وہ دن واقعی بدترین دن ثابت ہوا تھا۔ وہ دیر سے موت کے قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ آخر کار اس بدنما عورت کے روپ میں فرشتۂ اجل نے اسے آلیا اور وہ خود کو اس کے ہاتھوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اپنی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اس عورت نے اپنے اصل شکار کو گھیر کر مار لیا۔ سلطان شاہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہ سکتا تھا کہ عورت نے البرٹو کو فرار کی کسی کوشش سے باز رکھنے کے لیے اسے زخمی کرنے پر اکتفا کیا ہوگا۔ اس نے اپنے کانوں سے البرٹو کی ڈوبتی ہوئی آخری چیخ سنی تھی جس میں اجل کی تلخی نمایاں تھی۔

البرٹو اس عورت کے ہاتھوں مر کر پل بھر میں ہر مسئلے سے آزاد ہوگیا لیکن سلطان شاہ اپنے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ عورت نے اسے اچھی طرح اور بہت قریب سے دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اس نے خاموشی سے ان دونوں کا پیچھا کرتے ہوئے ان کی کچھ باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔ البرٹو کی مادری زبان اطالوی تھی' سلطان شاہ کو اردو پر دسترس حاصل تھی۔

ان دونوں کے درمیان باہمی رابطے کی واحد زبان انگریزی تھی جو وہ افہام وتفہیم کے لیے سنبھل سنبھل کر بول رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کے مکالموں کو سمجھنا کسی کے لیے دشوار نہیں تھا۔ اگر عورت نے ان کی گفتگو کا مفہوم سمجھ لیا تھا تو سلطان شاہ کی عافیت اور سلامتی ایک بدترین خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔

جن لوگوں نے البرٹو جیسے روپوش شکار کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا دیا تھا وہ اپنے معاملات اور مفادات کے تحفظ کے لیے سلطان شاہ کو ہرگز معاف نہیں کر سکتے تھے۔ وہ امریکی گوروں اور کالوں کے وطن میں رنگ دار ایشیائی تھا جسے ڈھونڈنا ان کے لیے مشکل نہ ہوتا۔

بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا پہلے وہ سبک رفتاری سے اللہ ٹپ پیش قدمی کرتا رہا۔ اس کی اولین کوشش یہ تھی کہ وہ اس خوں خوار عورت کی دسترس سے اتنا دور نکل جائے کہ وہ اس کی گرد بھی نہ پا سکے۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ اس عورت کی پہنچ سے بہت دور نکل آیا ہے تو اس نے قریب ترین سب وے اسٹیشن تک پہنچنے کی کوشش شروع کر دی۔

نیویارک کی زیر زمین ٹرین میں واپسی کا سفر کرتے ہوئے وہ اپنے تحفظ کے بارے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔ وہ البرٹو کی طرح بے نام ونشاں نشے باز نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی چوہے کی طرح نیویارک کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا۔

اسے یہ خیال بھی ستاتا رہا تھا کہ شاید سی آئی اے کے کہنہ مشق ایجنٹوں کے تجربے کے سامنے اس کی ساری احتیاط رائیگاں گئی ہو۔ وہ لوگ کئی دنوں سے اس کے اور البرٹو کے پیچھے لگے ہوئے ہوں اور اس کا ہوٹل ان کی نگاہوں میں آ چکا ہو۔ اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔

اگر وہ کئی دنوں سے ان دونوں کا پیچھا کر رہے تھے تو البرٹو کے تنگ وتاریک دڑبے میں گھس کر اسے اتنی آسانی سے ہلاک کرتے کہ کسی کو کانوں کان بھی اس واردات کی خبر نہ ملتی۔ اس کا کام تمام کرتے ہی وہ سلطان شاہ کے ہوٹل پر شب خون مارتے اور قومی سلامتی کے نام پر اسے ویرا سمیت اٹھا لے جاتے۔ سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوتا چلا جاتا۔ ویرا بونس میں ان کے ہاتھ آ جاتی۔

دوسرا نظریہ مسترد کرتے ہی وہ بہت شدت سے ویرا سے مشورے کی ضرورت محسوس کرنے لگا۔ سب وے اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی' سبک رفتاری سے اپنی منزل کی طرف اڑتی جا رہی تھی لیکن سلطان شاہ کو اس وقت ٹرین کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں تھا ورنہ وہ پر لگا کر پلک جھپکتے میں ویرا کے پاس پہنچ جاتا۔

آخر کار اس کی منزل آ گئی۔ ویرا کے لیے نیویارک اجنبی نہیں تھا۔ اس نے برسوں اسی شہر میں گزارے تھے اور وہ وہاں کے چپے چپے سے واقف تھی۔ اپنے تجربے کی بنا پر اس نے نیویارک میں قیام کے لیے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا جو سب وے اسٹیشن سے بہت قریب تھا۔ سلطان شاہ زیر زمین اسٹیشن سے نکل کر ذرا سی دیر میں ہوٹل میں پہنچ گیا۔

ویرا نے اس کی کہانی بہت صبر اور سکون کے ساتھ سنی پھر بولی ''البرٹو کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ وہ مارا گیا۔ تم بچ کر نکل آئے۔ اب کس بات کی پریشانی ہے!''

''شاید اب تمہارے دماغ میں موچ آ گئی ہے۔'' سلطان شاہ نے مضطرب ہو کر قدرے غصے سے کہا ''اس عورت نے مجھے دیکھا اور اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہماری تلاش کی مہم شروع ہو' ہم کو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لینی چاہیے۔''

''موت کا ایک وقت مقرر ہے۔'' ویرا بولی ''وقت پورا ہونے سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تمہاری یہ تشویش بیکار ہے۔''

''یہ سب اپنی جگہ درست ہے لیکن ٹرین کی پٹری پر لیٹ کر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ آنے والی ٹرین تمہیں دیکھ کر کھیتوں میں اتر جائے گی۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا۔ ویرا کا پرسکون ردِعمل دیکھ کر اس کا پارا چڑھ رہا تھا۔

ویرا بے اختیار ہنس دی ''تمہاری دانست میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہمیں یہ ہوٹل اسی وقت چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں ہم غیر محفوظ ہیں۔''

''پھر کہاں جائیں؟'' ویرا کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

''فی الحال کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھکانا تلاش کرو پھر یہاں سے واپسی کے بارے میں سوچو۔ البرٹو کے مارے جانے کے بعد ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''جب میں تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دے رہی تھی تو میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی!'' ویرا نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''البرٹو کی موت کے بعد پچھلی باتوں کو دہرانا بے سود ہے۔ اب آگے کی سوچو۔''

''ہماری واپسی کا راستہ مسدود ہے۔'' ویرا بولی ''پاکستان میں حالات مخدوش ہونے کے بعد ہی ہمیں وہاں سے روانہ کیا گیا ہے۔ جلال سے دو تین مرتبہ میری بات ہوئی ہے۔ میرے اور ڈینی کے لیے وہاں کے حالات بہ دستور خراب ہیں۔''

''بہر حال کچھ کرو۔'' سلطان شاہ تنک کر بولا ''ہم اس بند کمرے میں بیٹھ کر سی آئی اے کے ایجنٹوں کی دستک کا انتظار نہیں کر سکتے۔''

''یہ سب تمہاری مہم جوئی کا نتیجہ ہے۔ تم نے البرٹو کی جڑ میں گھسنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ہم اطمینان سے یہاں رکے رہتے۔''

''تم پھر ماضی کو کرید رہی ہو!'' سلطان شاہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''یہ بہت پرانی بات نہیں ہے۔ میں نے آج بھی تمہیں اس کی طرف جانے سے روکا تھا۔ میں احمق نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ البرٹو سے ملنے کے لیے نہیں گئی۔ مجھے تمہارا کھیل شروع سے خطرناک نظر آ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ ڈینی نے بھی تمہیں اس مہم جوئی سے نہیں روکا۔ تم کو ماننا ہوگا کہ تم نے البرٹو میں دلچسپی لے کر غلطی کی ہے۔''

''میں مانتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے یک بیک ہتھیار ڈالتے ہوئے بے بسی سے کہا ''اب اس مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرو۔''

''ویری گڈ! اب تم راہ پر آئے ہو تو سنو کہ ہوٹل بدلنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اگر تمہارے اندیشے درست ہیں تو نیویارک کا ہر ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوگا..... فی الحال ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''نیویارک سے!'' سلطان شاہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''جس طرح ہمارے لیے سب ہوٹل یکساں ہیں اسی طرح امریکا کا ہر شہر ہمارے لیے نیویارک ثابت ہو سکتا ہے۔ پورے ملک میں امریکی ایجنسیوں کا نیٹ ورک بہت وسیع اور منظم ہے۔ یہ ڈینی کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ یہاں ایک طوفان کھڑا کرنے کے بعد مکھن میں سے بال کی طرح نکل گیا۔ وہ تمہیں ہر شہر میں تلاش کر لیں گے کیونکہ ان کی ایک ایجنٹ تمہارا چہرہ ذہن نشین کر چکی ہے۔'' اس بار ویرا نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔

''یہاں خطرہ ہے' پاکستان میں حالات ناموافق ہیں۔ کیوں نہ ہم بنکاک میں ڈینی سے جا ملیں۔ ڈینی کے بغیر میں خود کو یتیم محسوس کرنے لگا ہوں۔'' سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے رائے دی۔

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ ڈینی کسی یتیم خانے کا متولی بنا ہوا ہے۔ میں تو واقعی یتیم ہوں۔ میرا باپ وائٹ ہاؤس میں مارا گیا تھا۔ یہ بات تم سب کو معلوم ہے۔''

''تم مذاق کر رہی ہو' میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ آخر تم سنجیدہ کیوں نہیں ہوتیں!''

''تمہاری بدحواسی سے محظوظ ہو رہی ہوں۔ اس وقت تمہارے چہرے پر یوں ہوائیاں اڑ رہی ہیں جیسے تم ہی البرٹو کو مار کر آئے ہو۔''

''تم یہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔''

''اطمینان سے سامان سمیٹ لو۔'' ویرا اچانک سنجیدہ ہوگئی ''ہوٹل بدلنے سے کوئی فرق پڑے گا نہ شہر بدلنے سے۔ ابھی کافی وقت باقی ہے۔ ہمارے پاسپورٹوں پر کینیڈا کے ویزے بھی موجود ہیں۔ ہم بس سے نیاگرا آبشار کے نظارے سے محظوظ ہوتے ہوئے رات کو ٹورنٹو پہنچ جائیں گے۔ وہاں بیٹھ کر اطمینان سے سوچا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔''

سلطان شاہ اس خطے کے جغرافیے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ ویرا کی زبان سے کینیڈا کے سفر کی تجویز سن کر اس کے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

ان دونوں کا ذاتی اسباب بہت زیادہ نہیں تھا۔ دونوں نے ذرا سی دیر میں اپنے اپنے بیگ تیار کر لیے۔ کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر انہوں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے واجبات ادا کیے اور ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم یہاں آئے اور پورا نیویارک دیکھے بغیر واپس جا رہے ہو۔'' راستے میں ویرا نے اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''پورا شہر نہ سہی پھر بھی میں نے بہت کچھ دیکھ لیا۔ شاید مجھے بہت سی جگہوں اور عمارتوں کے نام معلوم نہ ہوں لیکن میں نے ہارلم سے لوئر مین ہٹن تک چھان مارا۔'' سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا۔

''میں یہی کہہ رہی ہوں۔ تم صرف مین ہٹن میں پھنسے رہے۔ نیویارک شہر اس سے کہیں بڑا ہے۔'' ویرا نے اسے بتایا ''مین ہٹن بہت پرہجوم اور بارونق ہے لیکن یہ نیویارک شہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا ایک دریائی جزیرہ ہے۔ جسے دریائے ہڈسن نے مین لینڈ سے الگ کیا ہوا ہے۔ بروکلین، برونکس اور کوئنز وغیرہ بھی اسی شہر کے بڑے اور گنجان آباد علاقے ہیں۔ وقت ملتا تو میں تمہیں ان علاقوں کی بھی سیر کراتی۔ وہاں کے باغات اور آبادیاں دیکھ کر تمہارا دل خوش ہو جاتا۔''

''باغ اور آبادیاں ہر بڑے شہر میں ہوتی ہیں۔ میرے لیے کنکریٹ کا جنگل زیادہ حیران کن تھا۔ اتنے کم رقبے میں فلک بوس عمارتیں شاید ہی دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔'' سلطان شاہ نے اس تذکرے میں دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔ پکڑے جانے کا خوف زائل ہونے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بڑی حد تک بحال ہو گئی تھی۔

گلی کے سرے پر آ کر ویرا نے پہلی خالی ٹیکسی روکی تو اس کا ڈرائیور ایک ایشیائی تھا۔ وہ دونوں اپنے تھیلوں سمیت ٹیکسی کی عقبی سیٹ پر سوار ہو گئے۔

ویرا نے اسے بس ٹرمنس کے بارے میں بتایا اور ٹیکسی تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

ویرا نے ڈرائیور کو خالص امریکی لب و لہجے میں ہدایت دی تھی۔ ڈرائیور اندازہ نہیں کر سکا کہ وہ اردو بھی جانتی ہو گی۔

ذرا سی دور جانے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے پنجابی لہجے سے مغلوب اردو میں سلطان شاہ سے کہا ''بابو، لڑکی زبردست ہے مگر اس سے ہوشیار رہنا۔ یہاں کی لٹیری لڑکیاں تم جیسے سیدھے سادے لوگوں کو لوٹ کر کنگال کر دیتی ہیں۔''

''میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' ویرا نے اردو میں برجستہ جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر حیرت سے اچھل پڑا۔

ویرا کی دخل اندازی پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا۔ اس کی دانست میں ویرا کو ڈرائیور کا وہ تبصرہ خاموشی سے نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔

ویرا کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ڈرائیور حواس باختہ ہو گیا۔ وہ ملی جلی اردو اور انگریزی میں اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے ویرا سے اس امر کی تائید کا خواہاں تھا کہ نیویارک میں بعض بدکردار لڑکیاں سادہ لوح غیر ملکیوں کو رجھا کر اپنے جال میں پھانستی ہیں اور ان کی جیبیں خالی کروا کر یوں رفو چکر ہوتی ہیں کہ ان کا سراغ بھی نہیں ملتا۔

''صفائی پیش کرنے کے بجائے اپنی ڈرائیونگ پر دھیان دو۔'' ویرا نے خشک لہجے میں اسے فہمایش کی ''ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھاری جرمانے کا ٹکٹ مل جائے۔''

''مس! میں معافی چاہتا ہوں۔'' وہ گڑگڑایا ''میں تم کو امریکن سمجھا، تم اپنی ملکی نکلیں۔ میرا مطلب تمہاری بے عزتی کرنا نہیں تھا۔''

''ایسی لڑکیاں ٹیکسی ڈرائیوروں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم بھی اسی گروہ کے کارندے ہو۔'' ویرا نے اس پر جوابی وار کرتے ہوئے کہا ''ابھی تمہاری رپورٹ کر دوں تو تمہارا لائسنس کئی سالوں کے لیے ضبط ہو جائے گا مگر میں تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟'' نرمی دکھانے کے باوجود ویرا کا لب و لہجہ تلخ تھا۔

''جی میں امرتسر سے آیا ہوں۔ وہاں اچھا خاصا اکاؤنٹنٹ تھا۔ یہاں ڈگری کو مانتے ہیں نہ تجربے کو۔ ٹیکسی چلا کر گزارہ کر رہا ہوں۔'' اس نے سہمی آواز میں کہا ''میں معافی دینے کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ اس ناگہانی تجربے نے ڈرائیور کی زبان پر قفل ڈال دیا تھا۔

ذرا سی دیر میں وہ بس ٹرمنس پہنچ گئے جہاں سے دوسرے شہروں کے لیے بڑی اور آرام دہ بسیں چلتی تھیں۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ ویرا نے از خود رہنمائی کا کام سنبھال لیا اور پاسپورٹ دکھا کر ٹورنٹو جانے والی کوچ کے دو ٹکٹ خرید لیے۔

ویرا نے اسے بریف کیا کہ امریکا اور یورپ کے بہت سے ملکوں کے شہریوں کو کینیڈا میں داخلے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نیاگرا کی امیگریشن چوکی پر اپنا پاسپورٹ دکھا کر کینیڈا میں داخل ہو سکتے تھے لیکن ایشیا اور افریقا کے بیشتر ممالک کے شہریوں کے لیے ویزے کی پابندی تھی۔ یہ ان دونوں کی خوش نصیبی تھی کہ ان کے پاس کینیڈا کے ویزے موجود تھے۔ ویرا نے پاکستان سے روانہ ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ جلال نے ان کے پاسپورٹوں پر کس کس ملک کے ویزے لگوائے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ سفر بہت خوشگوار رہا۔ راستے میں آنے والے مناظر سے زیادہ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بغیر امریکا سے باہر جا رہا تھا۔ ان کی نئی منزل کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے امید تھی کہ کینیڈا کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ سی آئی اے کے خوف اور دسترس سے آزاد ہو جائیں گے۔

راستے میں امریکا اور کینیڈا کی سرحد کے قریب نیاگرا کے دل فریب حسن کا نظارہ کرنے کے لیے سیاحوں کی بھاری تعداد تصویر کشی اور دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آئی۔ رات ہو چکی تھی۔ وہاں رنگا رنگ روشنیوں کے حسین انعکاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے مسحور کن سماں باندھا ہوا تھا۔ ایک طرف سیاحوں کو لانے اور وہاں سے واپس لے جانے والی صاف ستھری' بڑی بڑی بسیں قطار در قطار کھڑی ہوئی تھیں لیکن ان کی بس وہاں نہیں رکی۔

ان کی بس امریکا اور کینیڈا کے اس سرحدی علاقے سے تقریباً تیس کلومیٹر پیچھے بفیلو کے ہارونق شہر کے مضافات سے گزرتی ہوئی وہاں پہنچی تھی۔ انہیں اپنے بائیں طرف دریائے نیاگرا کے کنارے' امریکی سرزمین پر بنا ہوا وہ اونچا ٹاور نظر آرہا تھا جس پر چڑھ کر لوگ اس طرف گرنے والی آبشار کا نظارہ کرتے ہیں۔

ویرا امریکی نژاد تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے وہ خاموش نہیں رہ سکی۔ اس نے نیاگرا نامی دریا اور آبشار کے بارے میں سلطان شاہ کو بہت کچھ بتایا۔ وہ دریا کینیڈا سے بہتا ہوا امریکا میں داخل ہوتا ہے۔ آبشار کے تین حصے ہیں جن میں دو امریکا میں گرتے ہیں' تیسرے کا رخ کینیڈا کی طرف ہے۔ وہاں آبشار کے مشاہدے کے لیے ٹاور کے علاوہ ہیلی کاپٹر اور کشتیاں بھی دستیاب ہیں۔ گرمیوں میں پانی کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھلی راہداریاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ سردیوں کے سخت موسم میں دریا سے آبشار تک سب کچھ جم جاتا ہے اور پونے دو سو فٹ اونچی چٹانوں سے برف کے نکیلے اور دھاردار پردے جیسے سجے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سلطان شاہ کو اپنے تلخ ترین تجربے کے بعد اس سرزمین سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے ویرا کی بیشتر باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

ان کی بس نیاگرا اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی رین بو برج پر سے گزری جس کے نیچے دریا اپنی روانی میں بہہ رہا تھا۔ اس مقام پر دونوں ملکوں کی سرحدی لکیر دریا کے وسط سے گزرتی ہے۔ ایک کنارا امریکا میں ہے' دوسرا کینیڈا میں۔

پل عبور کر کے وہ کینیڈا میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں چیک پوسٹ پر امیگریشن کا مرحلہ بہت تیزی سے طے ہو گیا کیونکہ بس کے بیشتر مسافر امریکی اور کینیڈین تھے جن پر ویزے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے سوا بس میں چند ہی مسافر تھے جنہیں کینیڈا میں داخلے کے لیے باضابطہ ویزے کی ضرورت تھی اور سب کے پاس وہ اجازت نامے موجود تھے۔

نیاگرا سے ٹورنٹو تک کا سفر سلطان شاہ کے لیے بے کیف رہا۔ شہر میں بس سے اترتے ہی وہ ٹیکسی لے کر رائل ہوٹل پہنچ گئے جو ٹورنٹو میں متوسط درجے کا صاف ستھرا اور آرام دہ ہوٹل تھا۔ ویرا ماضی میں اپنی متعدد راتیں اس ہوٹل میں گزار چکی تھی۔

ہوٹل پہنچتے ہی دونوں کی بھوک چمک اٹھی۔ سلطان شاہ حرام اور حلال کے بارے میں اتنا محتاط تھا کہ شراب کے گلاس میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کراچی کے گھر میں ویرا کو اپنے مخصوص گلاس کمرے سے باہر لانے کی اجازت نہیں تھی نہ وہ روزمرہ استعمال کے گلاس اپنے کمرے میں لے جا سکتی تھی۔ دونوں اقسام کے گلاسوں کی بناوٹ مختلف تھی۔ سلطان شاہ کے مطالبے پر وہ اہتمام غزالہ نے کیا تھا تاکہ بھول چوک کا کوئی امکان نہ رہے۔

ایسے مشکل مراحل میں سلطان شاہ صرف مچھلی اور آلو کے قتلوں پر انحصار کرنے لگ تھا۔ رائل ہوٹل میں بھی اس نے انہی دو چیزوں سے اپنی آتش شکم سرد کی۔ ٹھنڈے منرل واٹر کی آدھی بوتل اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اسے یاد آیا کہ ان دونوں نے مجھے اعتماد میں لیے بغیر بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی دانست میں ان دونوں کی نقل مکانی سے میرا باخبر رہنا ضروری تھا۔

اس کے ایما پر ویرا نے مجھ سے رابطے کے لیے موبائل فون کا سہارا لیا تو وہ بے جان تھا۔ بیٹری کام کر رہی تھی' اسکرین بھی روشن تھی لیکن سگنل غائب تھے۔

یہ بات کافی دیر بعد ان دونوں کی سمجھ میں آئی کہ وہ کراچی کا موبائل فون تھا جو اول خان نے ازراہ عنایت ویرا کو دے دیا۔ ان کے سفر کے پیش نظر اس فون کی رومنگ امریکا کے لیے کھلوائی گئی تھی۔ کینیڈا میں داخل ہوتے ہی وہ سہولت ختم ہو چکی تھی۔ کینیڈا کے لیے وہ سہولت کراچی سے ہی بحال کرائی جا سکتی تھی۔

ویرا نے وقت کے طویل فرق کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے فون سے کراچی کے اسٹیشن فور کا نمبر ملایا تو اول خان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ ہوٹل کے فون پر اپنا اصل نام استعمال کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس نے اپنے مفروضہ نام اور ہوٹل کے فون نمبر کے ساتھ آپریٹر کو اپنا پیغام نوٹ کرا دیا کہ اول خان اولین فرصت میں اس سے رابطہ کر لے۔

☆☆☆

''میں دو دن سے ٹورنٹو میں ہوں مگر بالکل بے دست و پا تھی۔'' ویرا موبائل فون پر کہہ رہی تھی ''اول خان نے فون کیا تو ہم دونوں ہوٹل سے نکلے ہوئے تھے۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک چھوٹے سے بند کمرے میں بیٹھ کر مسلسل انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ آج اس سے بات ہوئی اور فون پر رومنگ کھلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔"

"البرٹو کے قتل کے بعد نیویارک سے نکل کر تم دونوں نے بہت دانش مندی کا ثبوت دیا۔" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "اب کچھ دنوں تک خاموشی سے وہیں دبکے رہو۔"

"یہ مشکل ہے۔ سلطان شاہ کا دل اچاٹ ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سرد ملکوں کے لوگ بھی سرد مزاج ہوتے ہیں۔ اسے یہاں کی ہر چیز روکھی پھیکی اور بے رونق نظر آ رہی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ کڑکتے ہوئے جاڑوں کی آمد کے انتظار میں موسم بہار میں بھی تشویش زدہ رہتے ہیں۔ ہم تمہاری طرف آنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔"

"ادھر آنا کیا ضروری ہے' یورپ کے کسی بھی ملک کی طرف نکل جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سلطان شاہ کا دل بھی لگ جائے گا۔" میں خواہش کے باوجود اسے بنکاک آنے سے براہِ راست منع نہیں کر سکا۔ اس کی زبان سے بنکاک آنے کا ذکر سن کر میں متفکر ہو گیا۔

"یہ دل لگنے ہی کا معاملہ ہے جو میں خود بھی بنکاک آنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ "پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف نہ ہوتا تو میں تم کو کراچی پہنچنے کا مشورہ دے کر خود بھی اسی طرف کا رخ اختیار کرتی۔ وہاں کے بارے میں جلال سے ملنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد حالات مزید خراب ہوئے ہیں۔"

"یہ دل لگنے کا کیا معاملہ ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"آج کل سلطان شاہ نہایت خشوع و خضوع سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔" اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ ہم سب سے الگ ہونے کے بعد شاید تم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔" میں نے ویرا کی زبان سے وہ خبر سن کر واقعی بہت زیادہ خوشی محسوس کی۔ میں جب بھی ویرا کے مستقبل پر غور کرتا تو میرا دل گھٹنے لگتا تھا۔ ہم سب اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے معاشرے میں گندھے ہوئے تھے۔ ہماری بھیڑ میں وہی بے چاری اکیلی تھی جو محض ہماری خاطر ساری دنیا سے اپنے ناتے توڑ کر کراچی میں پڑی ہوئی تھی۔ جلال اور اول خان عیال دار تھے' میں نے غزالہ سے مکاؤ میں جبری نکاح ہونے کے بعد اپنا گھر بسا لیا تھا' سلطان شاہ اپنے گاؤں جاتا تو اس کا بھی گھر بس جاتا۔ مجھے دور دور تک ایسا کوئی فراخ دل مرد نظر نہیں آتا تھا جو ویرا کو اس کے ماضی کی ساری خرابیوں اور موجودہ خوبیوں کے ساتھ قبول کر لے۔ اگر سلطان شاہ سنجیدگی سے ویرا کے پیچھے لگ گیا تھا تو ویرا کے لیے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ بہت سچا' دلیر اور کھرا انسان تھا۔ ویرا کے لیے اس سے بہتر جوڑ ممکن نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ پر بنکاک کی دھول جمتی جا رہی ہے۔" ویرا کی آواز سے ناگواری مترشح تھی "میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھ سے عشق جھاڑ رہا ہے۔ تم نے خشوع و خضوع کے الفاظ کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ اسے جب فرصت ملتی ہے وہ تبلیغ کرنے لگتا ہے۔ میں بھی اس سے کھیل رہی ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب اس کے سر پر مجھے مسلمان کرنے کی دھن سوار ہو گئی ہے۔ اپنی خواہش کے باوجود اسے اب تک مجھ سے دوٹوک بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو سکا۔"

میرے لیے وہ خبر بھی حوصلہ افزا تھی۔ اگر سلطان شاہ اسے مسلمان کرنا چاہ رہا تھا تو اس نے اس سے آگے بھی کچھ سوچ لیا ہو گا۔ امریکا کے آزاد خیال معاشرے میں جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھنے والی ایک بے دین عورت کو مسلمان کر کے وہ بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا تھا مگر اس بارے میں ویرا کی سوچ منفی اور حوصلہ شکن تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ کھیلنے کا ذکر کر کے اس نے میری امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔

"اگر تم ان معاملات میں سنجیدہ نہیں ہو تو اس بارے میں بنکاک آنے کی ضرورت کیوں محسوس کر رہی ہو؟" میں نے اس سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

"تمہارا لہجہ عجیب سا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے وہاں آنے سے روکنا چاہ رہے ہو۔" ویرا میری مزاج شناس تھی۔ اس نے پل بھر میں میرے دل کی بات پڑھ لی۔

"چلو' تم ایسا ہی سمجھ لو۔ میں تم کو.....!"

اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں چیخ کر بول پڑی "معلوم ہوتا ہے کہ بنکاک میں غزالہ کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ وہاں ہنی مون منا رہے ہو تو یقین رکھو کہ میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔ ہم دونوں تم سے دور الگ ہوٹل میں رہیں گے۔ دل چاہے تو ہم سے مل لینا ورنہ فون پر بات ہوتی رہے گی۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ہر بات میں فوراً کوئی نہ کوئی منفی پہلو نکال لیتی ہو۔" میں نے ذرا برہمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھاتے ہوئے کہا ''میں یہاں ہنی مون منانے کے لیے نہیں آیا' تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی بھی چوک ہوئی اور معاملہ ختم۔ یہاں آ کر تم میرے ساتھ رہو یا کسی اور ہوٹل میں رکو' میری توجہ بٹ جائے گی۔ بات کھل گئی تو تم دونوں کی صورت میں دشمن کو نئے ہتھیار مل جائیں گے۔ وہ تم پر قابو پا کر مجھے جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔''

''ہم دونوں میں سے کوئی موم کا نہیں بنا ہوا جسے وہ آسانی سے اپنے قابو میں کر لیں۔'' ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''میں وہاں آ گئی تو سوبھراج کو ناک چنے چبوا دوں گی۔''

''اب وہ کچھ بھی چبانے کے قابل نہیں رہا۔ دوزخ میں انگارے چبا رہا ہوگا۔'' سوبھراج کا ذکر آنے پر میں نے ویرا کو اس کے انجام سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ بنکاک آ جاتی اور اسے سوبھراج کی ہلاکت کا علم ہوتا تو وہ میری طرف سے بددل ہو سکتی تھی۔

''وہ کب مارا گیا..... تم نے تو بتایا تھا کہ اس کا قصہ چل رہا ہے۔'' ویرا نے وہ خبر سن کر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ پرانی بات تھی۔ یہ خبر اتنی پرانی نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا حالانکہ میں نے اس سے سوبھراج کی ہلاکت کا قصہ چھپایا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا وہ خبر سنتے ہی فون پر سوالات کا ایک ایسا سلسلہ شروع کرے گی کہ میں اکتا جاؤں گا۔

''یہ بہت بڑی خبر تھی۔ تمہیں مجھ کو مطلع کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

وہ اپنے موبائل فون کے بند ہونے کی کتھا سنا چکی تھی۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''کہاں مطلع کرتا۔ تمہارا فون بند پڑا ہوا تھا۔ اس بات کا جلال بھی گواہ ہے۔ تمہارا فون بند ہونے سے وہ بے چارہ دو روز سے پریشان ہے۔''

''اس کا قصہ نمٹ گیا تو اب تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' اس نے پینترا بدل لیا۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ وہ درخت کی شاخ پر نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں اس کے حمایتی موجود ہیں۔ تم راجن کا نام بھول رہی ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے کردار بھی ہیں۔ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔''

ضد اس کے مزاج کا ایک حصہ تھی۔ وہ روبہ رو موجود ہو یا فون پر' اس کے لیے اپنی اس جبلت پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ میری وضاحت سے اس کا لہجہ کچھ کمزور ضرور ہوا لیکن اس کی بحث جاری رہی۔ کچھ دیر کی کوششوں کے بعد میں اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ بنکاک کے حالات اتنے سہل نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

''بہرحال' کچھ بھی ہو' ہم بنکاک آ رہے ہیں۔'' بحث کے خاتمے کے بعد اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر اس کا پرنالا وہیں گر رہا تھا۔

''یہ حرکت تم اپنی ذمے داری پر کرو گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم چاروں میں سے ایک بھی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔'' میں نے اسے متنبہ کیا۔

''بنکاک لاکھوں کا شہر ہے۔ وہاں روزانہ ہزاروں سیاح آتے جاتے ہیں۔ ہمارے ماتھے پر ہمارے نام نہیں لکھے ہوئے کہ ایرپورٹ پر اترتے ہی دشمن ہمارے پیچھے لگ جائیں۔'' اس کے لب و لہجے سے اس کی فطری بے پروائی مترشح تھی۔ ''ہمارے پاسپورٹ ریٹا اور اکبر کے نام سے ہیں۔ کسی کوکانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ وہاں کون آیا ہے اور ہاں' تمہارا سلطان شاہ کہہ رہا تھا کہ وہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم محسوس کر رہا ہے۔ وہ بھی یتیمی کے احساس سے بچ جائے گا۔''

''تم ضد پر اڑ گئی ہو' فون اسے دے دو۔ شاید میں اسے اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

''وہ کسی قریبی پرواز پر نشستیں بک کرانے گیا ہے۔ واپسی کا ٹکٹ بھی تبدیل ہوگا۔ کراچی سے ہم نیویارک آئے۔ اب ٹورنٹو سے بنکاک کے راستے کراچی کا ٹکٹ بنوانا ہوگا۔''

''تم دونوں نے مجھے زچ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہارے حق میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''فی الحال کراچی کو بھول جاؤ۔ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوگا۔''

''یہ بات مجھے معلوم ہے مگر ایرلائن کے اپنے ضابطے ہوتے ہیں۔ واپسی کا ٹکٹ وہیں تک کا بنے گا جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ایشیائیوں کے معاملے میں یہ لوگ سخت ہوتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ پرانے ٹکٹ کی رقم پر صبر کر کے نیا یک طرفہ ٹکٹ خرید لے!''

''سب کچھ طے ہو جائے تو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دینا!'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ اب بنکاک پہنچ کر کہیں سے تمہیں فون کر لوں گی۔ تم ہمارے لیے دعا کرو' میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی۔ سلطان شاہ اکثر کہتا رہتا ہے کہ صرف ہونٹ ہلانے سے کچھ نہیں ہوتا' دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

''سلطان شاہ واپس آئے تو اسے میری رائے سے ضرور آگاہ کر دینا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی ڈھنگ کی بات سمجھا سکے۔''

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''اس سے ناجائز امیدیں مت رکھو، نیویارک میں رہ کر ہم دونوں بے ڈھنگے ہو چکے ہیں۔''

گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے ذہن میں ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کا نیا پاسپورٹ اکبر خان کے نام سے بنا تھا اور میں نے بھی اسد کے ساتھ راجن سے ہونے والی ملاقات میں اپنے لیے لاشعوری طور پر اکبر کا نام استعمال کیا تھا۔ ناموں کی وہ مماثلت کسی مرحلے پر کوئی سنگین غلط فہمی پیدا کر سکتی تھی۔ ان دونوں کے بنکاک آ جانے کے بعد ایسی کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نمایاں ہو جاتا۔

''البرٹو کے معاملے میں سلطان شاہ کو سراسر چوٹ ہوئی ہے۔'' غزالہ نے اس گفتگو کا خلاصہ سننے کے بعد پُرتشویش انداز میں کہا ''کچھ معلوم ہونے کے بجائے وہ خطرے میں پڑ گیا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔''

''اور میں ان کی یہاں آمد کی خبر سے پریشان ہوں۔ یہاں کے معاملات بہت الجھ گئے ہیں۔ ڈان کے لیے میں علی احمد ہوں، راجن مجھے اکبر کے نام سے پہچانتا ہے۔ وہ یہاں آ گئے تو میں ان سے لاتعلق نہیں رہ سکوں گا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنی سمتوں میں مصروف رہنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔'' میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''وہ آپ کے سمجھانے کے باوجود وہاں رکنے یا کہیں اور جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ وہ حد سے زیادہ ضدی عورت ہے۔ پتا نہیں سلطان شاہ اس کے ساتھ کیسے گزارا کر رہا ہوگا۔'' ان دونوں کے معاملے میں غزالہ کی ہمدردیاں ہمیشہ سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس نے اس موقع سے فوری فائدہ اٹھالیا۔

''کاش یہ گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی ہوتی اور تم نے سنی ہوتی۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نرم گوشے پیدا ہوگئے ہیں، یہ صرف ویرا کی ضد کی بات نہیں ہے، سلطان شاہ واپسی کا ٹکٹ بنوانے گیا ہوا ہے۔''

''تو کیا بنکاک آنے سے پہلے انہیں کراچی جانا ہوگا؟'' میری زبان سے ان کی واپسی کا ذکر سنتے ہی غزالہ چونک گئی۔

''قطعی نہیں۔'' میں نے کہا ''وہ کراچی سے آگے جاپان یا آسٹریلیا بھی جا سکتے ہیں۔ ان کے سفر کی آخری منزل کراچی ہی رہے گی۔ شرط صرف اتنی ہے کہ وہ جہاں بھی جا رہے ہیں، وہاں کے امیگریشن کے لوازم پورے کرتے ہوں۔''

''تو کیا ان کے پاس بنکاک کا ویزا ہوگا؟'' وہ ان دونوں کی آمد کے ہر پہلو کے بارے میں اپنا اطمینان کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں نے ان کے پاسپورٹ غور سے نہیں دیکھے۔ ان کے پاس ویزا نہ ہو تب بھی انہیں ایرپورٹ پر ویزا مل جائے گا۔ سیاحت اس ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ اپنے یہاں آنے والوں کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے ہیں، ان کے لیے مسائل پیدا نہیں کرتے۔''

''آپ ان دونوں میں مفاہمت کا ذکر کر رہے تھے۔'' اس بارے میں مطمئن ہوتے ہی غزالہ نے مجھے میری بات یاد دلائی۔

''سلطان شاہ نے اب تک براہِ راست ویرا کو دعوت نہیں دی لیکن وہ دوسرے طریقوں سے اسے اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

میری طرح غزالہ بھی وہ خبر سن کر خوش ہوگئی۔ شاید اس کے ذہن میں بھی انہی امکانات نے سر ابھارا تھا جو ابتدا میں مجھے نظر آئے تھے۔ جب میں نے اسے ویرا کے ردِعمل سے آگاہ کیا تو وہ اداس ہوگئی۔

ہم دونوں کافی دیر تک ویرا اور سلطان شاہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا اپنے آزاد مغربی پس منظر کی وجہ سے میرے ساتھ جو بے تکلفانہ رویہ اختیار کرتی تھی، وہ غزالہ کو ہمیشہ گراں گزرتا تھا۔ وہ اس بارے میں کئی بار مجھ سے دبے لفظوں میں شکایت کر چکی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ ویرا کی طرف سے رقابت، حسد اور کبھی کبھی رشک میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ میں نے بارہا ویرا کو سمجھایا کہ وہ غزالہ کی موجودگی میں محتاط رہا کرے لیکن وہ اپنی عادتوں سے مجبور تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ غزالہ کو ان مسائل کا حل ویرا کی خانہ آبادی میں نظر آ رہا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کر لیں تو ویرا کی بے تکلفیوں سے میری گلوخلاصی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو جائے گی۔ ان نجی مسائل کے علاوہ غزالہ واقعی ویرا کی خیر خواہ تھی۔ میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس وقت خیر خواہی کی آڑ میں اپنے ان نجی مسائل کے حل کی خواہش مند ہے۔

غزالہ کتنی ہی سمجھ دار اور روشن خیال کیوں نہ رہی ہو، آخر کار وہ ایک عورت ہی تھی اور عورت جب بیوی کا روپ دھار لیتی ہے، تو وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے معاملے میں خاصی تنگ نظر بلکہ شاید متعصب بھی ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں اسے ٹوکنا یا سمجھانا غلط فہمیوں اور بدمزگی کو جنم دینے کا سبب بن سکتا تھا۔

اسی رات دس بجے کے قریب طارق کا فون آ گیا۔ اس نے اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے لیے بنکاک آتے ہی موبائل فون کنکشن لے لیا تھا تاکہ اسے ہر وقت رابطے کی سہولت میسر رہ سکے۔ اس وقت وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا۔ اس کی آواز کے پس منظر میں مجھے ٹیکسی کے انجن کی ہلکی سی گونج بھی سنائی دے رہی تھی۔

''میں اس وقت اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔'' سلام دعا کے بعد وہ پُرسکون انداز میں بتا رہا تھا ''میں نے سنا ہے کہ وہ محافظوں کی کئی گاڑیوں کے ساتھ، کرّوفر سے باہر نکلنے کا عادی ہے لیکن اس وقت وہ صرف ایک گاڑی میں ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت تین آدمی ہیں۔''

''تم شاید راجن کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے وہ خبر سن کر اس سے تصدیق چاہی۔

''بالکل اسی کا ذکر ہے۔'' اس نے بلاتوقف میری تائید کی ''تم نے کہا تھا کہ میں اس پر نظر رکھوں۔ میرے پاس فی الحال کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے اس کے گھر کی نگرانی شروع کر دی۔ وہ یہاں کا مشہور آدمی ہے۔ ڈرائیور میری زبان سے اس کا نام سن کر چونک جاتا۔ اردو میں کہی ہوئی دوسری باتیں اس کے پلے نہیں پڑ سکتیں، میں اس وقت ذرا محتاط ہوں۔''

''ویری گڈ! یہ بہت اہم اور اچھی خبر ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ تمہاری ٹیکسی اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ تم اس کا نام لینے سے گریز کر رہے ہو۔ کیا ڈرائیور کو یہ علم نہیں کہ وہ کس کا پیچھا کر رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ راجن کو چہرے سے نہیں جانتا۔ اسے یہ تو معلوم ہے کہ میں نے اسے سفید گاڑی کے پیچھے لگایا ہوا ہے لیکن اس نے اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے اسے ہدایت کی اور وہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ وہ کوئی چون و چرا کیے بغیر شہر کے ایک نام ور بدمعاش کا تعاقب کرنے پر آمادہ ہو گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''میں اس کی جرح کا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔'' اس نے وضاحت کی ''اس کی خاموشی سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایسے کام اس کے لیے نئے نہیں ہیں۔ میں خالی ہاتھ اور اکیلا ہوں۔ اسے کوئی شبہ نہیں ہوا ہوگا۔ وہ خاموش طبع پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔ دھیان سے اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کی ٹیکسی میں میٹر نہیں ہے۔ میں عجلت میں کرایہ طے کیے بغیر اس کے ساتھ روانہ ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر میں مجھ سے انعام یا بھاری کرایہ وصول کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہو۔ تم اس کے بارے میں فکر نہ کرو۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ ویسے بھی ڈرائیور تھائی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کی انگریزی چند الفاظ کے بعد جواب دے جائے گی۔ اس سے کسی لمبے مذاکرے کا امکان نہیں ہے۔ سب کچھ نوٹوں کی جھلک دکھا کر طے ہو جائے گا۔''

طارق کے ایک ایک لفظ سے اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے بنکاک آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہر ماحول میں اپنا کام کرنے کا عادی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے ایسے معاملے کو اس کی ذاتی صوابدید پر چھوڑتے ہوئے پوچھا ''تمہیں یقین ہے کہ اگلی گاڑی میں راجن موجود ہے؟''

''اپنی سیاہ رنگت اور آگے مڑے ہوئے کانوں کی وجہ سے وہ ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھا ہوا ہے۔'' طارق نے بتایا ''اس کی جھلک دیکھ کر ہی میں نے اس کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

کچھ اندازہ ہے کہ وہ کس طرف جا رہا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ابھی میں شہر کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم جنوب کی سمت میں سفر کر رہے ہیں۔'' لمحے بھر کے تذبذب کے بعد اس کا جواب آیا۔

اس کا سفر جاری تھا۔ اس کی فراہم کی ہوئی خبر میرے لیے بہت اہم اور سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی ابتدائی گفتگو کو ذرا طول دیا تھا تاکہ وہ راستے وغیرہ دیکھ کر راجن کی منزل کا اندازہ لگا سکے لیکن میری وہ تدبیر کارگر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثابت نہیں ہو سکی۔ شہر سے اجنبیت طارق کے لیے سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ تھی۔

''جوں ہی تمہیں کوئی اندازہ ہوتا ہے، مجھے اطلاع دینا، میں منتظر رہوں گا۔'' میں نے متجسس لہجے میں کہا ''شاید تمہیں اندازہ ہوگا کہ میرے لیے وہ کتنا اہم ہے؟''

''مجھے اس کے بارے میں بریف کر دیا گیا تھا۔ تم کو ضرور علم ہوگا مگر میں پھر بھی واضح کر دوں کہ میں تمہیں صرف معلومات فراہم کر سکتا ہوں۔ اگر تم اس کے خلاف کسی مہم جوئی کا ارادہ کیے بیٹھے ہو تو اس میں میرا کوئی کردار نہیں ہوگا۔''

وہ پاکستان کے ایک اہم مرکزی ادارے کا ذمے دار اہل کار تھا۔ اسے دیارِ غیر میں اپنی حدودِ کار کا پورا پورا ادراک تھا۔ اس نے ایک مخلص اور پیشہ ور مخبر کی طرح صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ راجن کے خلاف کسی جرم کے ارتکاب میں فریق نہیں بنے گا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ''یہ باتیں میرے لیے نئی نہیں ہیں۔ تمہارا پیش رو بھی ان حدود میں رہ کر میرے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔''

طارق سے غیر متوقع طور پر ملنے والی وہ خبر میرے لیے بہت اہم تھی۔ ڈان برنارڈ اور چاؤفان کے ذرائع سے مجھے جو خبریں ملتی رہی تھیں، ان کے مطابق راجن جب بھی موتی محل سے باہر نکلتا تھا، بھاری اسلحے سے لیس محافظوں کی بھاری نفری اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں اسے کہیں بھی للکار کر روکنا اس کے حریفوں کے لیے مہنگا سودا ثابت ہو سکتا تھا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد سے وہ مسلسل موتی محل میں گھسا ہوا تھا۔ اپنے بحری اڈے کی تباہی پر بہت دل برداشتہ ہوا تھا۔ دوسری طرف چاؤفان نے شہر میں نامعلوم ذرائع سے یہ افواہیں پھیلا دی تھیں کہ راجن کے ہر دوست کو بے رحمی سے کاٹ دیا جائے گا۔ ان افواہوں کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ نچلے درجے کے بہت سے لوگوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ان واقعات میں بہ ظاہر ڈان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اپنا سیکرٹ بار چلا رہا تھا۔ اپنا بقیہ وقت وہ بار کی اوپری منزل پر گزار رہا تھا۔ پچھلے چند دنوں میں اس کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی زیرِ زمین دنیا کے بہت سے بچھڑے ہوئے لوگوں نے اپنے عہدِ وفا کی تجدید کے لیے اس کے ٹھکانے کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ شہر میں راجن کی ہوا اکھڑی تو اس کی جگہ لینے کے لیے ڈان کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

پچھلی رات ڈان کے پاس آنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔ اپنا تھوکا ہوا چاٹنے والوں کو اپنے رو برو پا کر ڈان اندر سے بہت خوش تھا لیکن ظاہری طور پر انہیں دھتکارتا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ گوشہ نشین رہ کر سکھ کی زندگی گزار رہا تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

ڈان کی وہ سوچی سمجھی حکمتِ عملی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس بھیڑ میں مل کر راجن کے مخبر بھی اس کے دروازے تک آئیں گے۔ جب ان کے ذریعے راجن کو یہ خبر ملتی کہ ڈان اپنے پاس آنے والوں کو منہ نہیں لگا رہا تو اسے اطمینان ہو جاتا کہ اسے ڈان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں نے اکبر کے روپ میں کام کر کے اس کے شبہات کا رخ اپنی یعنی ڈینی کی ذات کی طرف موڑ دیا تھا۔

وائٹ ہاک کی بربادی کے بعد رونما ہونے والے وہ حالات و واقعات راجن کے لیے بہت مایوس کن تھے۔ موتی محل میں منہ چھپا کر اس نے اپنی پوزیشن اور خراب کر لی تھی۔

اس پس منظر میں طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اگر راجن اپنے معمولات سے ہٹ کر محض تین آدمیوں کے ساتھ اپنے مسکن سے نکلا تھا تو یقینی طور پر اس کے پیشِ نظر کوئی اہم کام تھا۔ میرے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ اگر کسی طرح ان چاروں کو گھیر لیا جاتا تو راجن کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتا تھا۔ اس سے نہ صرف میرا انتقام پورا ہو جاتا بلکہ اس کے انجام پر جلال بھی خوش ہو جاتا۔ رہا ڈان تو اس کی زندگی کا مقصد ہی راجن کو جہنم واصل کرنا رہ گیا تھا۔ راجن کی موت پر اس کی خوشی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

میں نے غزالہ کو اس نئے موڑ سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور پھر فوری طور پر چاؤفان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''چاؤفان! تم اس وقت کہاں ہو؟'' نمبر ملتے ہی میں نے اس سے سوال کیا۔

''ماسٹر! میں اس وقت مادام کے قدموں میں بیٹھا ہوا اسے منا رہا ہوں۔'' اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبے چالیس گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے لیکن مجھے اس کی کامیابی کا جشن منانے کا موقع نہیں ملا۔ مادام نے تم سے مل کر اپنا جی خوش کر لیا مگر میں بے چارہ ابھی تک ہر خوشی سے محروم ہوں۔''

''تمہیں ہر وقت شراب اور عورتوں میں گھسے رہنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟'' میں نے خفگی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ماسٹر! یہ میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ ان کے بارے میں سوال جواب نہ کیا کرو۔ یہ دیکھو کہ کام کے وقت میں تمہیں ہمیشہ مستعد اور تیار ملتا ہوں۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مادام سے الگ ہو سکو؟'' میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

''فی الحال الگ ہی ہوں.....'' اس نے موج میں آ کر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ شاید لی نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون چھین لیا تھا۔

''ڈارلنگ! تم اس وقت کہاں ہو؟'' میرے کان میں لی کی رسیلی آواز گونجی۔ ''کل شام سے ایسے غائب ہوئے ہو کہ تمہارا کوئی پتا ہی نہیں ہے۔ ایک چاؤفان ہے کہ کسی قیمت پر میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ اتنی خوشامد مردانہ شان کے خلاف ہوتی ہے۔''

''دروازے پر کوئی ضدی سوالی آ جائے تو اسے کچھ دے دلا کر جان چھڑالی جاتی ہے۔'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی ''تم بھی اسی فارمولے پر عمل کرو۔ فون اسے دے دو۔ اس وقت بہت اہم معاملہ درپیش ہے۔''

میرا مشورہ سن کر وہ ذومعنی انداز میں ہنسی' پھر بولی ''کیا چھوٹا راجن کی گردن تمہارے ہاتھ میں آ گئی؟''

وائٹ ہاک کی غرقابی کے قصے میں ہماری شریکِ کار بن کر لی راجن کی حد تک ہماری رازداں بن گئی تھی۔ وہ کوئی شریف اور آبرومند خاتون نہیں تھی، پھر بھی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ راجن کے ہاتھوں اپنی اور اپنی بہن کی پامالی پر واقعی اس کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کر کے اس نکتے پر سوچا پھر کہا ''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ فون اسے دے دو، دیر نہ کرو۔ میرے پاس ایک اور کال آنے والی ہے۔''

''تم بہادر اور شیر دل مرد ہو۔'' لی کی آواز میں عجیب سی اپنائیت امڈ آئی ''میں نے تمہیں دیکھتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ تم اس کمینے کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے ہو، لو اپنے چہیتے سے بات کرلو۔''

''ماسٹر! اس وقت میرے دل پر تیر لگا ہے۔'' اس مرتبہ چاؤفان کی مغموم آواز سنائی دی ''مادام نے تم کو کتنے پیار سے ڈارلنگ کہا ہے۔ یہ مجھے اس محبت کا عشرِ عشیر بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ میں تم سے اپنے دل میں حسد اور رقابت محسوس کر رہا ہوں، تم اندازہ نہیں.....''

''چاؤفان! بک بک مت کرو۔ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو ہم ہمیشہ پچھتاتے رہیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا ''اس وقت راجن موتی محل سے صرف ایک گاڑی میں نکلا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت کل تین آدمی ہیں۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔''

''ماسٹر! یہ بہت بڑی خبر ہے۔'' اس نے جواب دیا ''میں دوڑ کر مادام سے دور آ گیا ہوں۔ اب تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔''

''اس سے یہ نہ چھپانا کہ میں نے راجن کے بارے میں بات کرنے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔'' اس کے لی سے دور آنے کا ذکر سن کر میں نے وضاحت کی تاکہ اسے لی کے سامنے کسی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے ''ابھی مجھے خیال آیا کہ راجن کے معاملے میں وہ ہماری رازداں اور ہم خیال ہے۔ اگر میں اسے اپنی کال کا مقصد نہ بتاتا تو وہ اب تک میرا دماغ چاٹ رہی ہوتی۔''

''مجھے اپنی اور اس کی باتیں نہ سنایا کرو، دل پر چھریاں چل جاتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ راجن کا کیا قصہ ہے، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے؟''

اس کے ابتدائی جواب پر میرا خون کھول اٹھا۔ ایک طرف وہ مجھے اپنا ماسٹر اور آقا تسلیم کرتا تھا اور دوسری طرف بازاری انداز میں میرا اور اپنا موازنہ کر رہا تھا مگر میں نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''فوراً وہاں سے نکلو اور اپنی اکارڈ لے کر میرے ہوٹل کے باہر پہنچ جاؤ۔ ہمیں ہر حال میں اس کو گھیرنا ہے۔''

''ماسٹر! اکارڈ بننے کے لیے گئی ہوئی ہے۔'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز آئی ''پھوم فاٹ کو روکنے کے چکر میں وہ پیچھے سے لگ گئی تھی۔ کل تک.....''

میں نے مضطربانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی ''تو کیا لی سے عشق لڑانے کے لیے پیدل چل کر اس کے گھر پہنچے ہو؟''

''اس وقت میرے پاس چوری کی ایک جیپ ہے۔'' اس کی آواز یکایک دھیمی ہو گئی۔ شاید وہ اپنے اعتراف کو اپنی خودساختہ محبوبہ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ اور بھی اچھا ہے۔ جیپ دیکھ لی گئی تو راجن یا اس کے آدمیوں کو پتا نہیں چل سکے گا کہ ان سے ٹکرانے والے کون تھے۔ تمہاری جیپ میں کچھ ہتھیار بھی ہیں؟''

''ماسٹر! تمہارا خادم ہتھیار اور کپڑوں کے بغیر گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا۔'' کسی بات کی تصدیق یا تردید کرنے کا وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طریقہ عاجزانہ ہونے کے باوجود اتنا بے ہودہ تھا کہ مجھے اس سے چڑ ہونے لگی تھی مگر میں اسے برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

''ہتھیاروں کے ساتھ دو نقاب بھی ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

مجھے ڈینی کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچانتا تھا مگر میں اسد کے ساتھ اکبر بن کر راجن سے مل چکا تھا۔ اگر متوقع ٹکراؤ میں اس سے میرا روبہ رو سامنا ہو جاتا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ اس کا ہمدرد بننے والا اکبر اس کے مقابل موجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی حیرت کے ساتھ جہنم واصل کر دیا جاتا لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ تین افراد بھی تھے۔ میں اسد کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ پر موتی محل میں گیا تھا۔ وہاں بہت سے لوگوں نے مجھے اور اسد کو دیکھا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ راجن کے تینوں ساتھی بھی ان لوگوں میں شامل رہے ہوں۔ اگر ان تینوں میں سے کوئی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو اکبر والی کہانی ہر طرف پھیل سکتی تھی۔ اکبر ڈینی کی طرح بے نام و نشان نہیں تھا، اس کا ایک منفرد چہرہ تھا۔ راجن کے رہے سہے حمایتی شہر میں اکبر کی تلاش شروع کر دیتے تو میں مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

''جیپ میں نقاب بھی مل جائیں گے۔'' اس بار چاؤفان کی آواز خفت آمیز تھی۔ ''یہ جیپ دو مہینوں سے میرے آدمیوں کے استعمال میں ہے۔ رنگ کے علاوہ اس کی نمبر پلیٹیں بھی بدلی ہوئی ہیں۔ اس میں نقب زنی کے آلات سے لے کر قتل کرنے والے ہتھیاروں تک، سب کچھ موجود رہتا ہے۔ پتا نہیں کب کس چیز کی ضرورت پیش آ جائے۔''

''چاؤفان! تمہارے آدمی چوری اور نقب زنی بھی کرتے ہیں؟'' میں اس موقع کی سنگینی کے باوجود اپنی بے ساختہ حیرت کے اظہار پر قابو نہیں پا سکا۔

''ماسٹر! زندہ رہنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' اس کی آواز میں بے چارگی تھی ''کوئی کروڑپتی اپنی تجوری کھول کر اپنا مال کسی اور کو نہیں دیتا۔ ہمیں مجبور ہو کر یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اپنی گاڑی چلانے اور زندہ رہنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہے۔ جہاں سے بھی ممکن ہوتا ہے، ہم اپنی یہ ضرورت پوری کر لیتے ہیں۔''

میرے ذہن میں ڈان کی دی ہوئی، انعام کی بھاری رقم نے سر ابھارا۔ اس نے مجھے اور چاؤفان کو بہ یک جنبش ابرو ڈیڑھ لاکھ بھات دے دیے تھے۔ وہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ یہ یقینی بات تھی کہ ڈان کو سیکرز بار سے اتنی آمدنی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ وسائل کچھ اور ہی تھے جن پر چاؤفان کسی حد تک روشنی ڈال رہا تھا۔

چاؤفان جھاڑ کا کانٹا تھا۔ اس سے ایک بات کہی جاتی تو وہ دس باتیں شروع کر دیتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اسے زیادہ نہ کریدا جائے۔ اس کی وضاحتوں کے لیے دن کے چوبیس گھنٹے کم پڑ سکتے تھے۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ''میں انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی جگہ پر پہنچ کر مجھے کال کرو۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' اس کی آواز پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ بات ختم کرتے کرتے اچانک وہ بولا ''مادام دور سے کچھ اشارے کر رہی ہے۔ شاید یہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے سختی سے کہا ''بھول کر بھی اسے اپنے ساتھ نہ لینا۔ وہ عورت ذات ہے۔ پہچان لی گئی تو راجن کے حواری اسے بھی اس کی بہن کے پاس پہنچا دیں گے۔'' اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ گفتگو جاری رہی تو کہیں لی دوبارہ چاؤفان سے فون نہ لے لے۔

''کیا آپ کے اور چاؤفان کے درمیان کوئی اور بھی آ گیا تھا؟'' غزالہ نے مڑ کر پوچھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ بہ ظاہر مصروف ہو جانے کے باوجود اس کے کان میری گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

''لی بات کر رہی تھی۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا ''چاؤفان اسی کے گھر پر بیٹھا ہوا ہے۔''

غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا لیکن اس نے زبان سے اس بارے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ یکا یک بات بدل کر پوچھا ''اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''طارق سے کوئی خیر خبر ملے اور چاؤفان جیپ لے کر آ جائے تو مجھے راجن کے پیچھے جانا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''کیا اس مہم میں میری شرکت کی کوئی گنجائش ہے؟'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی فون پر چاؤفان کہہ رہا تھا کہ لی بھی اس کے ساتھ آنا چاہتی ہے۔ تم نے سن لیا ہوگا کہ میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ تمہاری پوزیشن بھی وہی ہے۔ میں کسی قابلِ شناخت عورت کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''میں آپ کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔'' غزالہ نے اپنی صفائی پیش کی ''فالتو ٹائم بم دیکھ رہی تھی۔ آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی زبان سے ٹائم بم کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آ گیا کہ ابتدا میں چاؤفان نے گولڈن ڈریگن کی تباہی کے لیے مجھے دو ٹائم بم دیے تھے۔ جن میں سے کوئی بھی گولڈن ڈریگن میں استعمال نہیں ہو سکا۔ ایک کا فیوز آن تھا۔ اسے دریا کی نذر کر دیا گیا۔ دوسرا ہمارے ہوٹل کے کمرے میں محفوظ تھا۔ کسی مہم کے لیے وہ ٹائم بم ایک اچھا ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا مگر اس کا ہمارے کمرے میں موجود رہنا مناسب نہیں تھا۔

تازہ ترین مہم میں راجن اور اس کے آدمیوں کا براہِ راست تصادم ہونے کی توقع تھی۔ اس میں کسی ٹائم بم کے استعمال کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے غزالہ سے کہا' وہ بم باہر نکال دے۔ چاؤفان کی وہ امانت اسے لوٹا کر میں اپنا بار ہلکا کر سکتا تھا۔ وہ بم چاؤفان کے زیرِ استعمال مسروقہ جیپ میں پڑا رہتا تو کہیں نہ کہیں کام آ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد طارق کا فون آ گیا ''تعاقب جاری ہے۔ سڑکوں کے پیچ و خم کی وجہ سے سمتیں بدل رہی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی ہم جنوب کی طرف شہر سے تقریباً باہر آ چکے ہیں۔ فضا میں پھیلی ہوئی ہلکی سی سمندری بساند سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ اگلی گاڑی بندرگاہ کی طرف جا رہی ہے۔'' وہ دھیمی اور پُرسکون آواز میں رپورٹ دیتا چلا گیا۔

''وہ اپنی لانچ کے آبی مزار کی طرف جا رہا ہوگا۔'' میں نے کہا ''اس لانچ کی غرقابی کے بعد وہ پہلی بار موتی محل کی چار دیواری سے باہر آیا ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ بساند میرے نتھنوں کو شناسا محسوس ہو رہی ہے۔ خبر ملنے کے بعد میں نے خود ساحل سے سمندر کا جائزہ لیا تھا۔ اس وقت تک لانچ زیرِ آب آ چکی تھی۔'' طارق نے کہا ''حیرت ہے کہ یہ راستے میری شناخت میں نہیں آ رہے۔''

وہ کوئی انوکھی یا پریشان کن بات نہیں تھی۔ طارق نے پہلی مرتبہ دن کے اجالے میں ادھر کا چکر لگایا تھا۔ دن کے مقابلے میں رات کو ہر علاقے میں اندھیروں اور اجالوں کی وجہ سے ایسی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں کہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ امکان بھی تھا کہ راجن کے ڈرائیور نے بندرگاہ تک پہنچنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کیا ہو۔

دونوں صورتوں میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس بار طارق کی رپورٹ سن کر مجھے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ راجن کی منزل بنکاک کے ساحل کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

''تمہارے ڈرائیور کا کیا حال ہے؟'' اس بار میں مطمئن ہونے کے بعد میں نے پوچھا۔

''اس نے مجھے تصویروں کے تین واہیات البم دیے تھے جو میں نے اسے لوٹا دیے۔'' اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا ''اس کے بارے میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ پیسوں کا لالچی ہے۔ تصویریں واپس لیتے ہی اس نے کرائے کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس سے پانچ سو بھات میں معاملہ طے ہوا ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ کوئی مار پیٹ وغیرہ نہیں ہوگی۔ پانچ سو بھات میں وہ مجھے شہر واپس پہنچائے گا۔''

''تعاقب کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔'' میں نے وہ تفصیل سن کر کہا ''اس کی منزل کا علم ہو جانے کے بعد اب تمہارا آگے تک جانا بے سود ہے۔ اگر وہ ہمارے وہاں پہنچنے تک رکا رہا تو خاصا خوں ریز تصادم ہونے کا امکان ہے۔ تم موقع دیکھ کر یہیں کہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔''

''اس اجازت کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میرے لیے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ آخر تک موجود رہنا خطرناک ثابت نہ ہو۔'' اس کی آواز واقعی تشکر آمیز تھی ''مجھے ایک لمبے عرصے تک اس شہر میں رہنا اور پبلک ٹرانسپورٹ پر انحصار کرنا ہے۔ کیا پتا یہ ڈرائیور دوبارہ کہاں ٹکرا جائے؟''

مجھے لی کے گھر سے ہوٹل تک کے فاصلے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وقت کے حساب سے چاؤفان کو کسی بھی لمحے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میں نے شاپنگ بیگ میں لپٹا ہوا ٹائم بم اٹھایا اور غزالہ کو خدا حافظ کہہ کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ بیم گن میں نے اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی تھی۔ انگوٹھیاں انگلیوں میں موجود تھیں۔

میں نیچے اتر کر ہوٹل کی لابی سے گزر رہا تھا کہ چاؤفان کی کال آ گئی۔ وہ ہوٹل کے باہر موجود تھا اور مجھ سے اپنی پھرتی پر داد طلب تھا۔

طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن سفید گاڑی میں سفر کر رہا تھا، چاؤفان کے پاس موجود جیپ کا رنگ بھی سفید تھا۔ اس کی پوری باڈی آہنی چادروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے جیپ کا ذکر سن کر میرے ذہن میں کھلی ہوئی گاڑی کا تصور ابھرا تھا، جو غلط ثابت ہوا۔

وہاں سے روانہ ہوتے ہی میں نے ٹائم بم کا تھیلا اس کے حوالے کر دیا۔ ''تمہاری امانت میں تمہیں لوٹا رہا ہوں۔ اسے کہیں اور آزما لینا۔''

''یہ بہت مہنگا بم ہے۔'' اس نے وہ تھیلی احتیاط سے پچھلے پائیدان پر رکھتے ہوئے کہا ''ڈھونڈنے نے جاؤ گے تو دس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہزار بھات میں بھی نہیں ملے گا۔"

"تم نے تو اسے امریکی فوجی کیمپ سے چرایا ہوگا؟"

میں نے طنز سے تبصرہ کیا۔

"ماسٹر! خدا کا خوف کرو۔ میں ایسی حرکتیں نہیں کرتا۔"

اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم خود نقب زنی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ نقب زنی اور چوری میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ ڈکیتی البتہ مختلف چیز ہوتی ہے۔"

"میں کھلے دل سے تم کو ہر بات بتا دیتا ہوں۔ تم طعنہ دے رہے ہو!" اس نے شکایت کی "نقب زنی اور چوری میں بم وغیرہ ہاتھ نہیں آتے، نقد مال ملتا ہے۔ اس سے دنیا کی ہر شے خریدی جا سکتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو..... میں نے لی کو تیس ہزار بھات اپنی جیب سے دیے ہوں گے!"

"چوری کا مال اسی طرح جاتا ہے۔ اس نے تم سے کوئی رعایت نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

"رعایت!" اس نے استہزائی انداز میں دہرایا "وہ تمہارے سامنے سخاوت کی باتیں کرتی ہے، اندر سے لالچی ہے۔ تیس ہزار کے علاوہ انعام بھی مانگ رہی تھی۔ میں نے اسے اس کی بہن کے انتقام کا معاملہ یاد دلایا تو وہ چپ ہوگئی۔"

"یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟" اس نے اچانک بریک لگا کر سڑک کے بیچ میں گاڑی روک دی اور اپنے سر پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

"تمہارے یاڈان کے سامنے آتا ہوں تو میری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ تم سے کچھ پوچھے بغیر مادام کے گھر کے راستے پر چل پڑا ہوں۔"

پیچھے آنے والی کئی گاڑیوں کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔ لوگوں نے غصے میں لمبے لمبے ہارن بجائے لیکن چاؤ فان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ ان سب کے احتجاج سے بے پروا، ڈھٹائی سے میرا چہرہ تک رہا تھا۔

رکنے والی گاڑیاں اس کے دائیں بائیں سے نکلنے لگیں۔ کئی افراد اپنی زبان میں چلاتے ہوئے گزرے۔ یقینی طور پر انہوں نے چاؤ فان کو کلماتِ خیر سے یاد نہیں کیا ہوگا۔ وہ ان کی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوا۔ سپاٹ لہجے میں بولا "بتاؤ..... کدھر چلنا ہے۔"

"سمندر کی طرف چلو۔ وہ اپنی لانچ کی باقیات کو سطحِ سمندر پر تیرتا ہوا دیکھنے کے لیے گیا ہے۔" میں نے رسانیت سے کہا۔

چاؤ فان نے وہیں سے جیپ واپس گھمالی اور... بڑبڑاتے ہوئے بولا "اچھا ہوا کہ تمہیں بروقت بات یاد آ گئی۔ ہم مخالف سمت میں جا رہے تھے۔"

"جب مرد کے سر پر عورتیں ہی عورتیں سوار ہوں تو اس کا دماغ اسی طرح مفلوج ہو جاتا ہے۔" میں نے پُرسکون انداز میں کہا "لی کی ہوس تمہیں لے ڈوبے گی۔"

"میں کام پر آ گیا ہوں، اب مادام پر لعنت بھیجو۔ وہ سب میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ کام کے وقت میں ان کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"

چاؤ فان نے وہ بات کسی اور موقع پر کہی ہوتی تو میں خاصی بے رحمی سے اس کا مضحکہ اڑاتا۔ اس وقت اس کا دعویٰ بے چون و چرا سن لیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ کام کے دوران میں ذرا کم ہی بھٹکتا تھا۔ وائٹ ہاک کی تباہی کی مہم میں لی نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزارا مگر چاؤ فان نے ایک بار بھی اس سے عشق جھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔

گاڑی میں کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر چاؤ فان نے ہی وہ سکوت توڑنے میں پہل کرتے ہوئے پوچھا "ماسٹر! تم نے سفر کی سمت کا تعین کر لیا، یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں ملے گا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ بنکاک کا ساحل بہت طویل اور کٹا پھٹا ہے۔ ہم ان چاروں کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔"

"وہ سمندر کی سیر کے لیے نہیں گیا۔ اسے لانچ کے ڈوبنے کی جگہ کے آس پاس موجود ہونا چاہیے۔ یہ کام مشکل ثابت نہیں ہوگا۔"

"پھر تو وہ وہیں ملے گا جہاں رک کر ہم نے بموں کے ریموٹ کنٹرول استعمال کیے تھے۔ پورے ساحل پر اسے اپنے مقصد کے لیے اس سے صاف اور بہتر جگہ نہیں ملے گی۔" اس نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔

"ہتھیاروں کی کیا پوزیشن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جہاں ہاتھ ڈالو گے، کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔" اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے لہک کر جواب دیا "میں اسے قاتل جیپ کہتا ہوں۔ پہلے اپنی سیٹ کے نیچے دیکھ لو۔ نقاب ڈیش بورڈ کے خانے میں ملیں گے۔" اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہی مجھے اس کے بیان کی صداقت کا یقین آ گیا۔ ایک ہلکی اور خودکار رائفل کا آہنی دستہ میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

میری سیٹ کے نیچے اس رائفل کے ساتھ دو پستول اور فاضل میگزین کا ایک پیکٹ بھی موجود تھا۔ میں نے لمبی مسافت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راستے میں ہی تینوں ہتھیاروں کا جائزہ لیا۔ رائفل کا میگزین پورا تھا۔ دونوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پستول خالی اور غالباً بالکل نئے تھے۔ میں نے پیکٹ پھاڑ کر ان دونوں پستولوں کو بھی تیار کر لیا۔

کچھ دیر بعد ہم اسی مقام کے نزدیک پہنچ گئے جہاں رک کر ہم نے وائٹ ہاک کی تباہی کا آغاز کیا تھا۔ تارکول کی لمبی اور سیاہ سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی مگر جوں ہی ہماری جیپ ٹیلوں کی اوٹ سے آگے نکلی، مجھے داہنی طرف وہ سفید کار نظر آ گئی جو سڑک سے اتار کر کچے میں پارک کی گئی تھی۔

''ماسٹر! گاڑی تو اسی کی معلوم ہو رہی ہے، اب کیا ارادہ ہے؟'' چاؤفان نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

چاؤفان کا تردد قابلِ فہم تھا۔ وہاں صرف سفید کار نہیں تھی۔ اس سے ٹیک لگائے ہوئے دو انسانی ہیولے بھی رات کی تاریکی میں نمایاں نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کے کندھوں سے چھوٹی نال والی خودکار رائفلیں جھول رہی تھیں۔

''جیپ اسی طرف لے چلو!'' میں نے ان دونوں پر نظریں جما کر کہا۔ تاریکی میں ہیڈ لیمپس کا دور تک پھیلتا ہوا انعکاس ناکافی تھا۔ رائفلوں سمیت ان کے ہیولے نظر آ رہے تھے مگر ان کے چہروں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا ''یہ دونوں محافظ مقامی معلوم ہوتے ہیں، ان سے تم ہی کو نمٹنا ہوگا۔ میرے لیے ان کی بولی اجنبی ہوگی۔''

''ان کے قد کاٹھ پر نہ جاؤ۔'' چاؤفان نے جیپ سڑک سے اتارتے ہوئے جلدی سے کہا ''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ وہ سارے کام مقامیوں سے لیتا ہے لیکن اپنی حفاظت کے معاملے میں ان پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کے سارے ذاتی گارڈز بھارتی ہوتے ہیں۔''

جیپ ناہموار زمین پر اچھلتی اور غراتی ہوئی بہ تدریج ان دونوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے ایک پستول سنبھال لیا تھا، چاؤفان بھی میری تقلید میں کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

ان کی سفید گاڑی سڑک سے کافی دور کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤفان نے جس رخ سے جیپ نیچے اتاری ادھر راستہ صاف نہیں تھا، درمیان میں کئی ٹیلے حائل تھے۔ اس وقت تک میں نقابوں کو بھولا ہوا تھا۔ تصادم کا مرحلہ ہر لمحے قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا اور ٹٹول کر مصنوعی ریشے کے لچک دار، نرم کپڑے کے بنے ہوئے غلاف نما نقاب نکال لیے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ میں نے ایک پھرتی سے اپنے سر پر چڑھا کر گردن تک منڈھ لیا، دوسرا ڈیش بورڈ کے خانے میں واپس ڈالا اور تیسرا چاؤفان کی طرف بڑھا دیا۔

آنکھوں کے سوراخوں کو ان کی صحیح جگہ لانے کی کوشش میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن کپڑا لچک دار ہونے کی وجہ سے اس میں زیادہ دیر نہیں لگی، چاؤفان نے بھی جیسے تیسے اپنا نقاب چہرے پر پہن لیا۔ مجھے اپنے بارے میں اندازہ نہیں ہو سکا لیکن چاؤفان اس حلیے میں خاصا خوفناک نظر آنے لگا تھا۔

جونہی وہ دونوں ہمارے ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں آئے تو میں نے دیکھا کہ جیپ کے انجن کی آواز سن کر وہ پہلے سے چوکنا ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی رائفلیں شانے سے اتار کر سیدھی کر لی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ہماری گاڑی دیکھتے ہی غرا کر کچھ کہا۔

وہ بس ایک لمحہ تھا۔ میں نے دیکھ لیا کہ چاؤفان کے اندازے کے مطابق ان دونوں کے خدوخال ان کے بھارتی نژاد ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔ دونوں ایک ایک ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے لا کر ہماری جیپ کی تیز روشنی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے جس نے عملاً انہیں اندھا کر دیا تھا۔ ان کے دوسرے ہاتھوں میں ان کی رائفلیں دبی ہوتی تھیں۔

''ماسٹر! سالا تھائی بول رہا ہے، ہمیں رکنے اور بتیاں بجھانے کے لیے کہہ رہا ہے!'' اسی لمحے چاؤفان دھیمی آواز میں منمنایا۔

''جو کہہ رہے ہیں وہی کرو، میں نیچے جا رہا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

چاؤفان نے کچی اور ناہموار زمین پر رینگتی ہوئی جیپ کو جونہی بریک لگائے، میں اپنی سمت کا دروازہ کھول کر بھری ریت پر کودا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے جیپ کے نیچے رینگ گیا۔

ہم لمبا فاصلہ طے کر کے وہاں تک پہنچے تھے، جیپ کا انجن بہ دستور چل رہا تھا، اس کے نچلے حصے سے آگ سی نکل رہی تھی۔ چاؤفان نے جیپ کے ہیڈ لیمپس بھی گل کر دیے۔

میں نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا کہ چار جوتے بہت تیزی سے جیپ کی طرف بڑھے پھر وہ دو دو کی جوڑیوں میں بٹ گئے۔ ان دونوں نے بہ یک وقت جیپ پر دونوں سمتوں سے چھاپا مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

وہ صرف دو تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ راجن چوتھے آدمی کے ساتھ ساحل کی طرف گیا ہوا تھا۔ ہمارا اصل ہدف وہی تھا۔ اگر ان دونوں پر کوئی آتشیں ہتھیار استعمال کیا جاتا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فائر کی آواز سنتے ہی راجن کو خطرے کا ادراک ہو جاتا۔ ہوشیار ہو جانے کے بعد اسے زیر کرنا بہت دشوار ہو جاتا۔

اس بارے میں مجھے چاؤ فان سے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا مگر مجھے توقع تھی کہ وہ نکتہ اس کے بھی پیشِ نظر ہوگا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے صرف ایک بار زہریلی انگوٹھی استعمال کی تھی۔ گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں زہریلی سوئی سے محافظ کی موت کو ڈان یا چاؤ فان نے کسی شبہے کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں اپنے شکار کو بے ہوش کر کے باتھ روم میں رکھے ہوئے ایک بڑے گملے پر ڈال کر آیا تھا جہاں وہ اپنی بدقسمتی سے کسی زہریلے کیڑے کے مہلک ڈنک کا نشانہ بن گیا۔ ڈان میرا حمایتی تھا' اس نے میری کہانی پر یقین کر لیا لیکن اس واردات پر سوبھراج کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں بنکاک پہنچ چکا تھا۔ اس نے یقینی طور پر راجن کو بھی بتا دیا ہوگا کہ میں پاکستان میں اپنے کئی حریفوں کو ایسے زہر سے شکار کر چکا تھا۔

میرے لیے پھر وہی امتحان درپیش تھا۔ راجن کے دو مسلح غنڈے ہماری جیپ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ان سے کسی نرمی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان پر گولی چلانا راجن کو کھو دینے کے مترادف ہوتا۔ ان کے لیے صرف اور صرف زہریلی انگوٹھی موثر ثابت ہو سکتی تھی۔ جس کے سریع الاثر زہر کے اثرات ان میں سے کم از کم ایک کو پل بھر میں موت کی اندھی اور سرد وادیوں میں دھکیل سکتے تھے۔ ایک کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوسرے کے بارے میں کچھ سوچا جا سکتا تھا۔

زندگی اور موت' کامیابی اور ناکامی کے درمیان لمحہ بہ لمحہ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا اور میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میری پتلون کی داہنی جیب میں بیم گن بھی موجود تھی۔ وہ یاد آتے ہی مجھے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول پتھر کی طرح بھاری اور بے سود محسوس ہونے لگا۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں رہا تھا۔ میں نے پستول نیچے زمین پر ڈالا اور جیپ کے نیچے اپنی ٹانگ پھیلا کر جیپ میں سے بیم گن نکالی۔ اس سے پہلے میں اضطراری طور پر زہر فشاں نگینے والی انگوٹھی کا رخ اپنی ہتھیلی کی طرف گھما چکا تھا۔

چاؤ فان' آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھا' میرے پاس دو بے آواز ہتھیار بالکل تیار تھے۔ جوں ہی میری طرف جوتے اور پتلون کے دو پائنچے نظر آئے' میں نے انگوٹھی والا ہاتھ بڑھا کر پتلون سرکائے بغیر' اس شخص کی ایک پنڈلی سخت گرفت میں لے لی۔

میرا شکار بہت شدت سے تڑپا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری گرفت سے اپنی پنڈلی چھڑانے میں کامیاب ہو جا۔ مگر وہ اس کا محض ابتدائی ردِعمل تھا۔ اپنی پنڈلی پر ایک دوستانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ بھڑکا تھا۔ اسی اثنا کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے زہر اس کی پ میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کی جدوجہد اسی لمحے دم توڑ گئی۔

اس دوران میں چاؤ فان کی سمت میں تھا کی زبان مذاکرے کا آغاز ہو چکا تھا۔ دونوں تیز اور ترش لہجے میں ا رہے تھے۔ میں حیران تھا کہ راجن کے آدمی نے چاؤ ف کے چہرے پر نقاب دیکھتے ہی گولی کیوں نہیں ماری' وہ امید پر اس سے بات کر رہا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو' وہ میرے لیے مہلت تھی۔ میرا بس لمحہ بھر کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر اس کے گر ہوئے وجود کے جھٹکے سے اس کی پنڈلی میرے ہاتھ سے ک گئی۔

بھربھری ریت پر اس کے گرنے کی دھمک بہت زیا پُرشور نہیں تھی اور شاید جیپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہموار میں دب گئی تھی کیونکہ اس دھمک پر کہیں سے کوئی ردِعمل سا نہیں آیا۔ میں نے اس کی پنڈلی ہاتھ سے نکلتے ہی ریت رینگ کر اپنی پوزیشن تبدیل کی اور دوسری سمت میں سر شروع کر دیا۔

آثار بتا رہے تھے کہ چاؤ فان اور اس کے حریف زبانی تصادم زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکے گا۔ دونوں میں سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگا اور بات ہتھیاروں کے استعمال تک پہنچ جائے گی۔

یکا یک میں نے محسوس کیا کہ چاؤ فان نے جیپ گیر میں ڈالی ہے۔ میری روح فنا ہو گئی۔ اس کی گاڑی کے پہیے روند کر مارے جانے کا تصور میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔

آہستگی سے جیپ نے آگے حرکت کی اور میں زمین پر لوٹ لگا کر دوسری طرف باہر نکل گیا۔ راجن کا آدمی جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر اپنی رائفل تانے کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ اسی شخص پر مرکوز تھی' چاؤ فان کی طرف دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ جیپ ذرا آگے نکل جاتی تو رائفل بردار اپنے دوسرے ساتھی کے انجام کا علم ہو جاتا اور ٹکراؤ شروع ہو جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس کی پشت پر تھا کیونکہ وہ بڑھتی ہوئی جیپ کے ساتھ قدرے ترچھا ہوگیا تھا۔ میں نے زمین پر پڑے پڑے بیم گن سے اس کی پشت کا نشانہ لیا اور بائیں بازو کے قریب دل کے مقام پر گن فائر کردی۔ طاقت ور اور مہلک لیزر شعاعوں کی بہت پتلی اور تیز چمکیلی دھار بیم گن کی نوزل سے نکل کر اس کے جسم سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں تیزی سے جلد اور گوشت جلنے کی چراند پھیل گئی۔ وہ کھڑے کھڑے لمحہ بھر کے لیے پتھر کی کسی مورت کی طرح ساکت ہوا اور پھر منہ کے بل دھب سے ریت پر گر گیا۔

چاؤ فان میں اپنی زندگی میں کسی کو اتنی آسانی سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ اپنی جیپ آگے ضرور لے جا رہا تھا لیکن اس کی توجہ اپنے حریف پر مرکوز تھی۔ دشمن کو ڈھیر ہوتا ہوا دیکھ کر اس نے جیپ کا انجن بند کیا اور رائفل تانے نیچے اتر آیا۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔

''ماسٹر! یہ کیا ہوا..... یہ کھڑے کھڑے کیسے مر گیا؟''

چاؤ فان نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ دونوں شکاروں کے جہنم واصل ہوتے ہی میں نے بیم گن دوبارہ اپنی جیب میں اڑس لی تھی تاکہ چاؤ فان میرے اس نادر ہتھیار سے متعارف نہ ہو سکے۔

''دل کا دورہ پڑا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''گوشت جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' اس نے اپنے نتھنے چڑھا کر دو تین گہرے سانس لینے کے بعد کہا۔

''تمہارا وہم ہے، مجھے کوئی بو نہیں آ رہی۔'' میں نے اسے جھٹلا دیا۔ وہ لحمانی بو تھی جسے سمندری ہواؤں کے ساتھ زائل ہو جانا تھا۔

''تمہارا نقاب کہاں گیا؟'' اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے میں نے سوال داغ دیا۔

''پائیدان میں پڑی ہوگی۔ میں نے آخری لمحے پر اسے نوچ کر اتار دیا۔ وہ میرے چہرے پر نقاب دیکھ لیتا تو مجھے گولی مارنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتا۔'' وہ اس وقت بوکھلایا ہوا اور اعصاب زدہ نظر آ رہا تھا کیونکہ جیپ آگے بڑھ جانے کی وجہ سے زمین پر پڑا ہوا دوسرا شکار بھی اس کی نظروں میں آ گیا تھا۔

''اس سے پہلے تم نے اسے گولی کیوں نہیں ماردی؟'' میں نے پوچھا۔

مودی صاحب کے گھر میں نئی ملازمہ آئی تو اس نے دیکھا، صاحب اوپر کی منزل پر ایک الگ تھلگ کمرے میں میز پر سر جھکائے بیٹھے یا کچھ لکھتے رہتے ہیں یا نہایت پرانی، بوسیدہ اور خستہ حال کتابوں کو جھاڑ پونچھ کر الٹ پلٹ کر دیکھتے رہتے ہیں۔

کئی روز تک ملازمہ اوپر نیچے آتے جاتے ان کے معمولات کا جائزہ لیتی رہی پھر ایک روز نجمہ مودی صاحبہ کے پاس جا کر بولی ''بیگم صاحبہ! آپ نے مجھے تیرہ سو روپے مہینہ پر ملازم رکھا تھا نا؟''

''ہاں بھئی..... اس سے زیادہ ہم نہیں دے سکتے۔'' نجمہ مودی نے جلدی سے کہا۔ انہیں اندیشہ محسوس ہوا تھا کہ ملازمہ ابھی سے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرے گی۔

''میں زیادہ کی بات کب کر رہی ہوں بیگم صاحبہ!'' ملازمہ ترحم آمیز لہجے میں بولی ''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ جب تک صاحب کو کوئی نوکری نہیں مل جاتی، تب تک آپ مجھے تیرہ سو کے بجائے ہزار روپے مہینہ دے دیا کریں.....''

''میں تذبذب میں تھا۔ فائر کی آواز سن کر چھوٹا راجن ہوشیار ہو جاتا۔ یہ دونوں تو اس کے طفیلی ہیں، ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔'' اس نے وہی جواب دیا جو ابتدا سے میرے ذہن میں موجود تھا۔

''مگر ماسٹر! ان دونوں کو کیا ہوا..... یہ اتنی خاموشی سے کیسے مر گئے؟'' میرے سوال کا جواب دینے کے بعد بھی اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''یہ تو پوسٹ مارٹم سے ہی پتا چل سکے گا۔ ان دونوں کے ہتھیار سمیٹ کر اپنی جیپ میں ڈال لو۔ مفت کا یہ سامان کسی وقت تمہارے کام آئے گا۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے پاس لوڈ کی ہوئی رائفلوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ رائفلوں پر قبضہ کرتے ہوئے، چاؤ فان نے دونوں لاشوں کو الٹ پلٹ کر کوئی زخم تلاش کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ اس نے میگزین نکال کر دونوں رائفلیں اپنی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیں۔ اس نے ریت پر پڑا ہوا پستول بھی مالِ غنیمت کی طرح اٹھایا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا تو اس نے منہ بنا کر وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پستول میرے حوالے کر دیا۔

''اب وقت خراب مت کرو۔ چہرے پر نقاب پہن لو۔ ہمیں راجن کو تلاش کرنا ہے۔'' میں نے اسے ہراساں دیکھ کر نرمی سے کہا۔ میں مسلسل نقاب پہنے ہوئے تھا۔

''ماسٹر! یہ مذاق نہیں ہے' اس وقت مجھے تم سے واقعی خوف آ رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا بلا ہو۔ جب تک ان دونوں کی موت کا معما حل نہیں ہوگا' میں یک سوئی سے کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔ اگر تمہارے پاس کوئی خفیہ ہتھیار ہے تو مجھے اس کے بارے میں بتا دو۔ میں کسی کو اس کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ڈان کو بھی نہیں بتاؤں گا۔'' الجھن کے آثار اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھے۔

اپنا مطالبہ پیش کر کے اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جیپ کے پائیدان سے نقاب اٹھالیا اور جھاڑ کر اپنے چہرے پر چڑھالیا۔

وہ اپنی جگہ پریشان تھا۔ اس کے سوالوں نے مجھے بھی پریشان کر دیا۔ میں نے اپنے دونوں خفیہ ہتھیار ناگزیر ضرورت کے تحت استعمال کیے تھے۔ میرا دوسرا شکار مجھ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ میں اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا تو میرے رینگنے کی سرسراہٹ یا قدموں کی خفیف سی آہٹ سن کر وہ چونک جاتا۔ اس لق و دق ویرانے میں ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کے دھیمے اور یکساں شور کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچے بغیر اس کو انگوٹھی کے زہر سے شکار نہیں کر سکتا تھا اور اس تک پہنچنے میں یہ خطرہ مضمر تھا کہ وہ ہوشیار ہوتے ہی مجھے اپنی رائفل کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر اسے بیم گن سے شکار کیا تھا۔

چاؤ فان اس امر کا چشم دید گواہ تھا کہ وہاں ہم چاروں کے سوا کوئی پانچواں متنفس موجود نہیں تھا۔ دو مر چکے تھے' تیسرا وہ خود تھا۔ اسے دونوں حریفوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان تھا کہ وہ دونوں میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

ان دونوں کی موت مختلف طریقوں سے واقع ہوئی تھی۔ وہ دونوں طریقے صرف میرے نام سے منسلک تھے۔ یہ بات امریکی کیمپ کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے اور شاید راجن بھی اس راز سے واقف ہو چکا تھا۔

اس تصادم کا پہلا مرحلہ ہم نے آسانی سے جیت لیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں مجھے اپنے سر پر مشکلات کا ایک پہاڑ آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فوری طور پر مجھے چاؤ فان کو کوئی تسلی بخش جواب دینا تھا۔ اس سے کڑا مرحلہ اس وقت سامنے آتا جب ان دونوں لاشوں کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوتیں اور یہ بات مشتہر کی جاتی کہ ایسی اموات ڈینی نامی پاکستانی کی دہشت گردیوں کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔ اس تشہیر کے بعد ڈان کو مطمئن کرنا آسان نہ ہوتا۔

''پہلے ہمیں راجن کو دیکھ لینا چاہیے۔'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''اس نے یہاں سے واپسی کا ارادہ کر لیا تو ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ اس کا قصہ نمٹانے کے بعد میں تمہیں ہر بات سمجھا دوں گا۔''

وہ اپنے چہرے پر نقاب چڑھا چکا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ میرے جواب پر اس کا کیا ردِعمل تھا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ آگے چل دیا۔

راجن کی سفید کار کے قریب رک کر ہم نے اس کا جائزہ لیا تو کار مقفل نہیں تھی۔ اس وقت کار کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی تلاشی واپسی میں بھی لی جا سکتی تھی۔ کار کا سرسری جائزہ لے کر ہم نے دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ ہمارے اور ساحلی پٹی کے درمیان چند اونچے نیچے ٹیلے باقی رہ گئے تھے۔ جن پر چڑھنے اور اترنے کے دوران میں احتیاط ضروری تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹیلوں کی کس درمیانی گھاٹی میں راجن سے سامنا ہو جائے۔

ہم دونوں اپنی رائفلیں سیدھی کیے' محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔

مجھے احساس تھا کہ راجن ہم سے بہت پہلے وہاں پہنچ گیا تھا۔ ساحل پر اس کے دیکھنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی پسندیدہ لانچ دھماکوں کے چند گھنٹوں بعد سمندر کی تہ میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ حسرت بھری نظروں سے صرف اس مقام کا مشاہدہ کر سکتا تھا جہاں وائٹ ہاک اپنی غرقابی سے پہلے لنگر انداز تھی۔ عین ممکن تھا کہ جن لمحات میں ہم اس کی تلاش میں ساحلی ویرانے کی طرف بڑھ رہے تھے' وہ اپنا دردناک مشاہدہ مکمل کر کے ساحل سے لوٹ رہا ہو۔ ایسی صورت میں اس سے راستے میں آمنا سامنا ہو سکتا تھا۔

ہمارے راستے میں حائل ٹیلوں نے ہمارا کام مشکل بنا دیا تھا۔ جب ہم لی کے ساتھ ٹائم بم چلانے کے لیے اس ساحل پر گئے تو چاؤ فان نے بہت ستھرا اور نسبتاً ہموار راستہ اختیار کیا تھا۔ جس پر رات کے آخری پہر میں بھی چلنا دشوار نہیں تھا۔ راجن اپنی لانچ پر آمد و رفت کے لیے کسی پُرتعیش گھاٹ سے چھوٹی موٹر بوٹس میں سفر کرتا رہا ہوگا۔ اس لیے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان غیر روایتی راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اپنی آمد کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے اس نے کسی باقاعدہ گھاٹ کا رخ کرنے کے بجائے ویرانے کا رخ کیا اور گندے راستے پر آ گیا۔

ان ٹیلوں کی ریت زرخیز تھی۔ ان پر جا بجا سخت ڈنٹھلوں والی خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہم رات کے اندھیرے میں ان رکاوٹوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے رہے۔ ہر بلندی پر پہنچنے کے بعد میں نیچے اترنے سے پہلے ذرا رک کر آگے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اگر ہم نشیب میں ہوئے اور راجن نے بلندی سے ہمیں دیکھ لیا تو ہمارے لیے اپنا بچاؤ دشوار ہو جائے گا۔

چلتے چلتے اچانک چاؤ فان نے اضطراری انداز میں زور سے میرا بازو دبایا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم ریت میں گڑ کر رہ گئے۔

چاؤ فان اپنا نقاب میں چھپا ہوا سر اٹھا کر داہنی طرف سے کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں بھی اس کی اس کوشش میں شامل ہو گیا لیکن میرے کانوں میں ہوا کی دھیمی سرسراہٹ اور لہروں کے دم توڑتے ہوئے شور کے سوا کوئی آواز نہیں آئی۔

''ماسٹر! میں نے کسی کے بولنے کی آواز سنی تھی۔'' چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد چاؤ فان نے پھنسی پھنسی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے سر ہلا کر اسے تسلی دی کہ میں اس کے شبہے کو نظر انداز کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہم دونوں اسی مقام پر جمے کھڑے رہے۔ کسی آواز کی تلاش میں دونوں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔

اچانک تاریک فضا میں کسی ٹارچ کی تیز روشنی چمکی اور پھر معدوم ہو گئی۔ میری بے چین نظروں نے عقابی انداز اس روشنی کا پیچھا کیا اور مجھے چاؤ فان کے شبہے پر یقین آ گیا۔

وہاں ہر طرف ٹیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے اس سلسلے کے ایک حصے سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہم سے داہنی طرف راجن واپس آ رہا تھا۔ ٹیلوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم محتاط تھے اس لیے راجن کو ہماری موجودگی کی کوئی سن گن نہیں مل سکی تھی۔ وہ بے فکری سے واپس لوٹ رہا تھا اس لیے چاؤ فان نے اس کی یا اس کے ساتھی کی آواز سن لی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ جلا کر اس کی روشنی میں راستہ طے کر رہے

''لگتا ہے باس نے آج پھر ڈانٹ پلائی ہے، جو باکسنگ کے اس تھیلے پر پریکٹس کرنے لگے ہو؟''

تھے۔ شاید کسی گڑھے وغیرہ میں پیر پڑنے کی وجہ سے لمحے بھر کے لیے ٹارچ کا رخ بدل گیا اور مجھے اس کی روشنی تاریک فضا میں تیرتی ہوئی نظر آ گئی۔ میں نے روشنی غائب ہونے کا مقام دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ دونوں ہم سے چند سو گز دور، داہنی طرف سے آ رہے تھے اور ہم سے پیچھے تھے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ہم اپنا رخ بدل کر ان کی طرف چل دیں اور انہیں راستے ہی میں گھیرنے کی کوشش کریں۔ وہ ٹارچ استعمال کر رہے تھے۔ اس کے سہارے ان تک پہنچنا آسان تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ان تک پہنچ کر ان پر پہلا برسٹ فائر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارا پہلا برسٹ ان دونوں کو چاٹ لیتا۔ ہماری رائفلوں کے میگزین زیادہ بھاری نہیں تھے، وہ ایک برسٹ میں خالی ہو جاتے۔ اگر وہ دونوں ہمارے پہلے وار سے بچ کر یا زخمی ہو کر تاریکی میں کہیں اپنا مورچا جما لیتے تو اندھیری رات، ٹیلوں اور خودرو جھاڑیوں سے گزر کر انہیں تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا۔ ان دنوں راجن کا ستارہ گردش میں آیا ہوا تھا۔ وہ جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا اور اس میں کامیاب ہو جاتا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہاں سے بھاگنے کے لیے وہ اپنی سفید کار کا رخ کرتا۔ مقابلے کا آغاز ہوتے ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ جاتی کہ اس کے نامعلوم دشمنوں نے اس کے دونوں آدمیوں کو زیر کرنے کے بعد اس کا رخ کیا ہو گا، ایسی صورت میں گاڑی کا لالچ اس کے لیے پھندا بن جائے گا۔ وہ گاڑی پر لعنت بھیج کر کسی بھی سمت میں بھاگتا اور ٹیکسی وغیرہ لے کر شہر کی طرف روانہ ہو جاتا۔ ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سے بہتر اور متبادل حکمتِ عملی یہ تھی کہ ہم راستے میں اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ وہ ساحل سے چل پڑا تھا تو اسے اطمینان سے واپس آنے دیں اور خود اس کی گاڑی کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ اس کی گاڑی ریت کے ٹیلوں سے دور، ہموار زمین پر موجود تھی۔ وہاں ان دونوں کے چھپنے یا فرار ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ رینج میں آتے ہی ہم انہیں اپنی باڑ پر لے کر بھون سکتے تھے۔

اس طریقۂ کار میں صرف دو خرابیاں تھیں۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی لاشیں اور چاؤ فان کی جیپ۔ ان دونوں میں کسی ایک پر نظر پڑتے ہی راجن کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو جاتیں۔ ہماری کامیابی کے لیے اس کا غافل اور بے خبر رہنا ضروری تھا۔

میں نے کھڑے کھڑے چند لمحوں میں وہ ذہنی تجزیہ کیا اور پوری رفتار سے گاڑیوں کی طرف واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ ہوا کا رخ ہماری طرف تھا۔ اس کے دوش پر ان دونوں کی آوازیں ہماری طرف سفر کر سکتی تھیں۔ ہماری کوئی آواز ان تک پہنچنے کا امکان نہیں تھا۔

''واپسی کی دوڑ لگاؤ!'' میں نے نیچی آواز میں چاؤ فان سے کہا اور گاڑیوں کی طرف لوٹنے لگا۔

اپنی محتاط روی کے باعث ہم گاڑیوں سے زیادہ دور نہیں گئے تھے پھر بھی ریتیلے ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے میں چاؤ فان ذرا سی دیر میں ہانپنے لگا۔

''ماسٹر! ذرا آہستہ چلو۔ اس رفتار سے میرا سینہ پھٹ جائے گا۔'' اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان رک رک کر فریاد کی۔ اس نے گھبرا کر اپنے چہرے سے نقاب اتار لی تھی۔

میں نے اس کی بات مان لی پھر بھی ہم بہت جلد گاڑیوں تک پہنچ گئے۔

''ایک ایک کر کے دونوں لاشیں میرے کندھے پر لدواؤ۔ انہیں راجن کی گاڑی میں ڈال دیں گے۔'' میں نے اس کی ابتر حالت دیکھتے ہوئے وہ ذمے داری خود قبول کر لی۔

''وہ گاڑی دور ہے، انہیں جیپ میں ڈال دو نا!'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''دوسری لاش اٹھواتے ہی تم جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جاؤ۔'' میں نے تیزی سے کہا ''راجن کے آنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہو جانا چاہیے ورنہ وہ دور سے اپنا راستہ بدل لے گا۔''

چاؤ فان بھی جنگ جو تھا۔ ایک بات سے پورا منصوبہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تم تنہا ان کا مقابلہ کرو گے!''

''مقابلے کا امکان ذرا کم ہے۔ دعا کرو کہ اس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ نشانے پر آتے ہی میں ان دونوں کو مار لوں گا۔''

واقعات جس رفتار سے رونما ہو رہے تھے، میرا ذہن اسی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پہلی لاش اپنے کندھے سے راجن کی کار کی عقبی سیٹ پر ڈالتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اچھوتی تجویز جنم لے چکی تھی۔ وہ کار راجن کی تھی، مرنے والے دونوں آدمی بھی اسی کے نمک خوار تھے اور گاڑی کی ٹنکی میں وافر مقدار میں پیٹرول کا ہونا یقینی تھا۔ راجن اور اس کے ساتھی کا قصہ نمٹاتے ہی اگر میں اس گاڑی کو آگ لگا دیتا تو گاڑی کے ساتھ دونوں لاشیں بھی جل کر کوئلہ ہو جاتیں۔ لاشیں باقی نہ رہتیں تو ان کے پوسٹ مارٹم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیٹرول کی ہولناک آگ ان دونوں کی موت کے اسباب کو بھی چاٹ جاتی اور میں ہر خطرے سے آزاد ہو جاتا۔

بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کے استعمال کے شواہد مٹ جانے کے بعد میں چاؤ فان کو کوئی بھی کہانی سنا کر مطمئن کر سکتا تھا۔ میری کہانی کی تردید کے لیے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا۔

چاؤ فان کو جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جانا تھا۔ اسے زندگی بھر یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ راجن کی گاڑی کو میں نے آگ لگائی تھی۔

الجھے ہوئے حالات یکایک ناقابلِ یقین حد تک سلجھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں اپنے کندھے پر دوسری لاش لاد کر راجن کی گاڑی کی طرف چلا اور چاؤ فان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کر لیا۔

میں اپنے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر رہا تھا تو جیپ مڑ کر کافی دور جا چکی تھی۔

میں تھکن کے ہلکے سے احساس کے ساتھ راجن کی گاڑی سے ٹیک لگا کر ریت پر بیٹھ گیا۔ رائفل اپنی گود میں رکھ کر میں نے انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے لیے سگریٹ سلگا لی۔ میری نگاہیں اس سمت میں جمی ہوئی تھیں جدھر سے میرے دونوں شکاروں کی آمد متوقع تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خون نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیسرا سلسلہ۔ آدم خوروں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

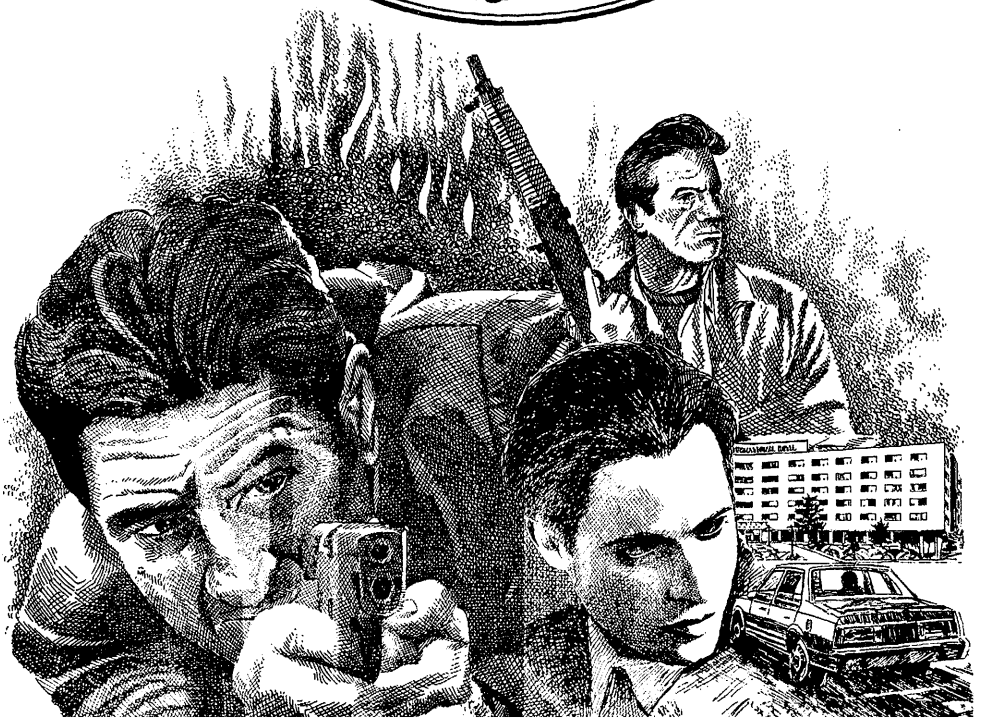

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب آپ قسط نمبر 253 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

میں نرم اور ٹھنڈی ریت پر راجن کی گاڑی سے ٹیک لگائے، سگریٹ پیتا اور سوچتا رہا مگر میری نظریں مسلسل اسی سمت میں مرکوز تھیں جہاں سے راجن اور اس کے ساتھی کے نمودار ہونے کی امید تھی۔

چاؤفان میری توقع کے برعکس اپنی جیپ لے کر بہت آسانی کے ساتھ وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس میں چاؤفان کی سعادت مندی سے زیادہ سچویشن کا دخل تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں آگئی کہ راجن کی گاڑی کے پاس اس کی جیپ موجود ہوئی تو دور ہی سے راجن کو کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوجائے گا اور وہ بے پروائی سے اپنی گاڑی تک آنے کے بجائے دور رک کر صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرے گا۔ اس نے میری ہدایت مان لی۔

اس کے جانے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ مطمئن اور آزاد محسوس کررہا تھا، جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا، اس میں راجن کے بقیہ دو آدمیوں کی اچانک اور خاموش موت کی پردہ پوشی کا بندوبست بھی شامل تھا۔

راجن کا انجام مجھے سامنے نظر آرہا تھا۔ مجھے یقین ہوچلا تھا کہ طارق نے مجھے اس کی نقل و حرکت سے بروقت باخبر کرکے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

ذرا سی دیر کی بات تھی۔ وہ اپنی پرشکوہ لانچ کے غرقاب ہونے کی جگہ کا مشاہدہ کرکے ساحل کی طرف سے اس ویرانے میں میری زد میں آتا اور میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں آن واحد میں اس کا سینہ چھلنی کردیتیں۔ دو سوختہ ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ ممبئی اور بنکاک کا وہ نامور بدمعاش وہاں بے گور و کفن پڑا رہ جاتا۔

راجن کی موت ڈان برنارڈ کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ اس نے میری کارکردگی سے خوش ہوکر خیر سگالی کے اظہار کے طور پر میرا اور غزالہ کا پاسپورٹ لوٹانے پر آمادگی ظاہر کی تھی مگر یہ بھی واضح کردیا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں راجن کو جہنم واصل ہوتا دیکھنا چاہتا تھا۔ ڈان نے وہ باتیں بہت نرم اور دوستانہ انداز میں کہی تھیں مگر مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ راجن کو ہلاک کیے بغیر مجھے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل جانے کی اجازت نہیں مل سکے گی۔

راجن کی موت کا مرحلہ قریب آجانے پر مجھے ایک اور فکر ستانے لگی۔ میں بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کے معاملات میں کافی زیادہ ملوث ہوگیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ مجھے موقع ملے اور میں وہاں سے کہیں اور روانہ ہوجاؤں۔ لیکن اس مرحلے پر ویرا اور سلطان شاہ امریکا میں ایک گہری چوٹ کھانے کے بعد بنکاک آرہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں ان کے آتے ہی وہاں سے کیسے روانہ ہوسکوں گا۔

وہ دونوں ریٹا الیف ہیریسن اور اکبر خان کے ناموں سے سفر کررہے تھے۔ ان کے پاسپورٹ وغیرہ جلال نے بنوائے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ جعلی رہے ہوں گے۔ اگر وہ جعلی تھے تب بھی اصل سے اتنے قریب رہے ہوں گے کہ ان کو پکڑنا ناممکن ہوتا۔ میں نے غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میں ان دونوں کی وجہ سے اپنی روانگی کا پروگرام التوا میں نہیں ڈالوں گا۔ راجن کا قصہ نمٹاتے ہی پہلی فرصت میں وہاں سے نکل جاؤں گا۔

ڈان اپنی دانست میں مجھے بہت زیادہ عزت اور اہمیت دے رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں بنکاک میں رکا رہا تو ڈان کی وہ عزت افزائی میرے گلے پڑ جائے گی۔ ڈان کے تیور بتا رہے تھے کہ بنکاک کے بدمعاشوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے بعد وہ مجھے اپنے گروہ میں کوئی اہم ترین درجہ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں ایک باران چکروں میں الجھ جاتا تو میرے وہاں سے نکلنے کے امکانات ایک لمبی مدت کے لیے معدوم ہوجاتے۔

رہا ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تو وہ دونوں بہ ظاہر سیاحت کے لیے بنکاک آرہے تھے۔ یہ نکتہ ویرا خود بیان کرچکی تھی کہ روزانہ ہزاروں سیاح بنکاک کا حسن دیکھنے اور برتنے کے لیے وہاں آتے ہیں۔ اس بھیڑ میں ان دونوں کی آمد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کسی کی خون آشام مخبری کے بغیر ہمارے دشمنوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ دونوں اچانک بنکاک پہنچ چکے ہیں۔

وہ اپنی مرضی سے وہاں رہتے اور دل بھر جانے کے بعد کسی نئی منزل کا رخ کرسکتے تھے۔ جب تک پاکستان میں امریکی اہلکاروں کی پیدا کی ہوئی معاندانہ فضا سازگار نہ ہوتی، ہم چاروں میں سے کوئی ادھر کا رخ کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمیں ان ملکوں میں گھومتے رہنا تھا جن کے ویزا ہمارے پاس موجود تھے۔

میں تاریکی میں تنہا بیٹھا اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھا۔ میری سگریٹ پوری ختم نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ریت کے ٹیلوں کے درمیان کسی ٹارچ کی روشنی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی اور میں نے آدھ جلی سگریٹ ریت میں مسل کر بجھادی۔

راجن کی چھوڑی ہوئی گاڑی سفید تھی، میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا تو اس کے پس منظر میں دور سے میرا ہیولا دیکھا جاسکتا تھا۔ میں ریت پر بیٹھے ہی بیٹھے اس گاڑی کے عقب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں چلا گیا۔ وہ گاڑی مجھے نہ صرف راجن کی نگاہوں سے بچا سکتی تھی بلکہ براہِ راست تصادم کی صورت میں مجھے بہترین آہنی ڈھال بھی مہیا کر سکتی تھی۔

گاڑی کی اوٹ میں اپنی پوزیشن بنا کر میں نے اپنی نظریں دوبارہ اس روشنی پر جمادیں جو ریتیلے ٹیلوں کے درمیان لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی جارہی تھی۔

روشنی کا رخ میری طرف تھا' آنے والے اس کے پیچھے چل رہے تھے' میں فوری طور پر انہیں دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کئی ثانیوں تک اسی سمت میں نگاہیں مرکوز رکھنے کے بعد آخر کار میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگیا کہ آنے والے تعداد میں دو تھے۔

ان کو دو ہی ہونا چاہیے تھا' میں نے آخری مرتبہ اپنی رائفل چیک کر کے یہ یقین کرلیا کہ وہ ایک ایک گولی اگلنے کے بجائے برسٹ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھی۔

میں اس تاریک ویرانے میں نشانہ لے کر ایک ایک گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں کو ایک بلکہ پہلے وار میں مار گرانا تھا۔ میرا وہ وار کارگر نہ رہتا تو وہ تاریکی میں کہیں بھی گم ہوجاتے۔ وہ مجھے اپنا نشانہ بنالیتے یا پھر میں اندھیرے میں انہیں ڈھونڈتا رہ جاتا۔ دونوں صورتوں میں مجھے اپنے ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا' اس وقت میں کسی بھی طرح وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

طارق نے مجھے راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ طارق کی اپنی کچھ مجبوریاں تھیں۔ وہ اس سے زیادہ میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کر گزرا تھا۔ اس سے آگے میری عمل داری شروع ہوجاتی تھی۔

میری نظریں ٹارچ کی روشنی کے پیچھے حرکت کرنے والے دونوں ہیولوں پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کرلی اور راجن کی گاڑی کی اوٹ میں اس طرح دبک گیا کہ میں ان دونوں کو دیکھتا رہوں' وہ اچانک مجھے دیکھنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ اگر ٹارچ کی روشنی فریب آجاتی تو میں آسانی سے پیچھے سرک کر محفوظ تر پوزیشن میں جاسکتا تھا۔

وہ روشنی ایک اونچے ٹیلے سے ڈھلان کا سفر کررہی تھی۔ غالباً وہ ان کے راستے میں حائل ہونے والا آخری ٹیلا تھا کیونکہ ٹارچ کی روشنی سیدھی نیچے تک آرہی تھی۔

پھر میرے کانوں میں وقفے وقفے سے ان کی اضطراری آوازیں آنے لگیں۔ اندھیرے میں اس کچے اور ناہموار راستے پر پیدل چلنا آسان کام نہیں تھا۔ میں ہوا کے دوش پر تیرنے والی ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ الفاظ اور مفہوم میرے پلے نہیں پڑ رہے تھے۔

میرے لیے انتظار کی وہ گھڑیاں صبر آزما تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی آوازیں واضح ہوگئیں۔ وہ ٹیلے سے اتر کر نسبتاً مسطح میدان میں اتر آئے تھے۔

''یہ راجو سالا کہاں مرگیا!'' اس بار میں نے ایک ایک لفظ صاف سنا۔ وہ تحکمانہ آواز یقینی طور پر راجن کی تھی۔

''باس! یہیں کہیں ہوگا..... ہوسکتا ہے کہ کہیں پیشاب کرنے چلا گیا ہو۔'' دوسری آواز بھی خاصی کرخت تھی لیکن اس وقت سہمی ہوئی اور مدافعانہ محسوس ہوئی۔

''چارلی بھی غائب ہے۔'' ایک غلیظ گالی کے بعد راجن نے طیش سے کہا ''کیا دونوں سالوں کو ایک ساتھ پیشاب خطا ہونے کی بیماری لگی ہے!''

دوسرا کچھ نہ بولا۔ چلتے چلتے وہ دونوں اچانک رک گئے۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہوگئیں اور اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ میرے لیے وہ کچھ اچھا شگون نہیں تھا کہ پیش قدمی کے اس مرحلے پر راجن کو اپنے دونوں آدمی یاد آگئے تھے۔

راجن عقل سے کورا نہیں تھا۔ کار کے پاس اپنے کسی آدمی کو موجود نہ پاکر اس کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ پھر یکا یک فضا راجن کی اونچی آواز سے گونج اٹھی' اس نے راجو کو پکارا تھا۔

راجو اور چارلی اپنے آقا کو جواب دہی کے جھمیلے سے یکسر آزاد ہوکر اپنی گاڑی میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ راجن کو اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اس ویرانے میں کوئی جواب نہیں مل سکا۔

''کچھ گڑبڑ ہے۔'' راجن کی تشویش زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

یکا یک ٹارچ بجھا دی گئی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیل گیا لیکن میری آنکھیں تاریکی میں ان دونوں کے تاریک تر ہیولوں کو بہ خوبی دیکھ رہی تھیں۔

میں نے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ شاید میری رائفل سے نکلنے والی گولیاں ان تک پہنچ جاتیں لیکن ان کا زور ٹوٹ جاتا۔ میں اس وقت فائر کر کے انہیں کوئی کاری زخم نہیں لگا سکتا تھا۔

''نورا تو جا کر دیکھ کہ وہ دونوں کہاں مرے ہوئے ہیں۔'' راجن کی بات جاری تھی ''تو سگنل دے گا تو میں آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھوں گا۔ آنکھیں بند کر کے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''باس!'' نورا کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری ''گاڑی کی اوٹ میں کوئی موجود ہوا تو مجھے بھون ڈالے گا۔ یہیں رک کر تھوڑی دیر دیکھتے ہیں کہ.....''

راجن نے بات کاٹ کر اسے گالی دی اور کہا ''ابے جاتا ہے یا میں تجھے بھون ڈالوں..... تیرے ہاتھ میں بھی گن ہے پھر تیری ماں کیوں مر رہی ہے؟''

''مم..... میں جاتا ہوں۔'' نورا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں منتظر رہا لیکن کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ دونوں اسی جگہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ راجن نے زبان سے اسے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اشارے سے شاید روک لیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو چکر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

یکا یک ان ہیولوں کے قریب شعلے چمکے۔ ٹھک ٹھک کی دبی دبی آوازوں کے ساتھ دو گولیاں ادھر سے تیرتی ہوئی آئیں اور گاڑی کے اوپر سے گزر گئیں۔

میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ راجن نے یقینی طور پر بڑے بور کے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے وہ دو فائر کیے تھے۔ اگر اس کے پستول سے نکلی ہوئی گولیاں میری کمین گاہ کے اوپر سے گزر سکتی تھیں تو میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں ان دونوں کو ادھیڑ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین تھا کہ میری رائفل ہر پستول سے زیادہ طاقتور تھی۔ فاصلے کے بارے میں میرا اندازہ درست نہیں تھا۔ راجن نے فائرنگ میں پہل کر کے میری وہ مشکل آسان کر دی تھی۔

پھر رات کے گہرے سناٹے میں راجن نے راجو اور چارلی کو نام لے کر پوری آواز سے پکارا اور ان دونوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کی اشتعال میں ڈوبی ہوئی آوازوں کی بازگشت دور تک پھیل رہی تھی۔

اس نے اپنے رویے سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے دونوں گمشدہ آدمیوں میں سے کسی کی طرف سے اطمینان بخش جواب ملے بغیر مزید ایک قدم بھی آگے نہیں آئے گا۔ اس نے دو بے آواز فائر کر کے اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو کسی جوابی کارروائی پر اکسانے کی کوشش کی تھی تاکہ اسے تاریکی میں مضمر خطرات کا صحیح ادراک ہو سکے۔

وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں تھا' میں دوڑ کر اس کی طرف جانے اور اسے دبوچنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کی نال کا رخ درست کیا' ریت پر اکڑوں بیٹھ کر اپنی داہنی کہنی کو ران کا سہارا دیا اور پھر نال کو دائیں سے بائیں طرف جنبش دیتے ہوئے ایک برسٹ فائر کر دیا۔ تڑاتڑ کی ہولناک آوازوں کے ساتھ متعدد گولیاں اس طرف تیر گئیں۔

فضا میں ایک دبی دبی اور اذیت ناک چیخ گونجی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چیخ راجن کی تھی۔ میری چلائی ہوئی کسی گولی نے اس کے جسم کا کوئی حصہ چاٹ لیا تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی کہ اس کا نورا نامی ساتھی میری فائرنگ سے بچ گیا تھا کیونکہ فضا میں دوسری چیخ نہیں سنائی دی تھی۔

میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھا لیکن مجھے ان دونوں کے ہیولے کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے دوبارہ ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر تھا جو ضائع ہو گیا۔ میں نے رائفل تان کر اس طرف دوڑ لگا دی جہاں آخری بار وہ دونوں کھڑے ہوئے نظر آئے تھے۔

دوڑتے ہوئے میں نے رائفل کا کھٹکا سرکا کر اسے برسٹ سے سنگل فائر پر منتقل کر دیا۔ میں اپنے اندازے کے مطابق ان کی چھوڑی ہوئی پوزیشن کے قریب پہنچا تو مجھے تاروں کی چھاؤں میں وہاں ریت پر ایک انسانی وجود بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آیا۔

میں نے بے خوفی سے اس کی آستینیں پکڑ کر سیدھا کیا اور میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ میری گولی اس کے بھیجے کو اڑاتی ہوئی پار نکل گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے دہانے سے کوئی آواز نکالے بغیر آناً فاناً میں مر گیا تھا۔ مجھے صدمہ ہوا کہ وہ آدھی کھوپڑی والا' بگڑا ہوا چہرہ راجن کا نہیں تھا۔ اس کا رنگ راجن کے مقابلے میں بہت صاف تھا۔

طارق کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن اپنے تین آدمیوں کے ساتھ ان اطراف میں آیا تھا اور وہ تینوں ہی ذرا سی دیر میں میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ یہ راجن کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

میرے لیے اطمینان کی ایک ہی بات تھی کہ پہلا برسٹ فائر کرتے ہی میں نے واضح طور پر راجن کی چیخ سنی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زخمی ہو چکا تھا۔

میں نے مرنے والے کی لاش کے قریب زیادہ وقت برباد نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر آگے دوڑ لگا دی۔

میرے لیے یہ خیال سنسنی خیز تھا کہ تیسرے ساتھی کی خاموش موت کے بعد راجن نہ صرف اکیلا رہ گیا تھا بلکہ زخمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی ہو چکا تھا۔ میں اپنے اس خطرناک حریف کو نیست و نابود کر دینے کے جوش میں کافی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اس دوران میں میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے چند اندھا دھند فائر بھی کیے جن کا کوئی ردِعمل سامنے نہیں آسکا۔

اندھیرے میں جہاں تک میری نظر کام کر رہی تھی، ہر چیز ساکن نظر آرہی تھی، میرے سوا وہاں نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بے مقصد بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ ہموار ریتیلے میدان میں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ راجن کے لیے بہترین راہ یہ تھی کہ وہ دوبارہ ٹیلوں میں گھس جاتا اور اس نے شاید ایسا ہی کیا تھا۔

مجھے اس کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ لمبا چکر کاٹ کر اپنی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ وہ مر کر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کا مقابلہ صرف مجھ سے تھا۔ اس کے ذہن پر خوف سوار ہوگا کہ دشمن کے ایک دو آدمی اس کی کار کے پاس اندھیرے میں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ ادھر کا رخ کرے گا اور مارا جائے گا۔

اچانک ٹیلوں کی طرف سے ایک بے آواز گولی میری طرف آئی اور قریب سے گزر گئی۔ ٹریگر کی ٹھک کی آواز گہرے سناٹے میں بہت نمایاں تھی۔ فضا میں میری طرف تیرتا ہوا شعلہ اس سے زیادہ نمایاں تھا، میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی کہ راجن کسی ٹیلے پر چڑھ گیا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کا رخ اس کی کمین گاہ کی طرف گھمایا اور دو گولیاں داغ دیں۔ وہ صرف اس کے فائر کا جواب تھا، مجھے کسی نتیجے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بلندی پر تھا۔ اگر وہاں ذرا بھی اجالا ہوتا تو اس کے لیے مجھے مار گرانا بہت آسان ہوتا۔ میرے لیے اسے اپنی زد پر لینا تقریباً ناممکن تھا۔

''ڈینی! میں تجھے فنا کر دوں گا۔'' بلندی سے راجن کی غصیلی آواز گونجی۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ بھاگتے رہنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''کالے شیطان! ہمت ہے تو میدان میں آکر مقابلہ کر!'' میں نے ہوشیار رہ کر اسے للکارا۔

وہ گالیاں ایجاد کرنے اور بکنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کے دہانے سے بلند آواز میں مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اسی کے ساتھ اس نے پھر ایک فائر کیا۔ اس بار اس کی چلائی ہوئی گولی مجھ سے بہت دور تھی۔

میں خاموشی سے اس کے اگلے وار کا انتظار کرتا رہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ جب وہ وقفہ بہت طویل ہوگیا تو میں نے مضطرب ہو کر اسے للکارا اور اندازے سے بلندی کی طرف ایک فائر کر دیا۔

جواب میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ مزید کچھ انتظار کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھے چکما دے کر خاموشی سے کسی طرف نکل گیا تھا۔ ریت کے ساحلی ٹیلوں کے درمیان صحیح سمت میں پیش قدمی کر کے وہ بندرگاہ کے اس علاقے میں پہنچ سکتا تھا جہاں سے اسے شہر کے لیے کوئی نہ کوئی سواری مل جاتی۔ اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنے تینوں ساتھیوں اور گاڑی کو فراموش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

راجن کی وہ حکمتِ عملی میرے لیے قابلِ فہم تھی۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی کوئی مہلک خطرہ مول لینے کے بجائے پسپائی کی راہ اختیار کرتا۔

میں بوجھل قدموں سے راجن کی گاڑی کی طرف چل دیا جو اس تاریکی میں بھی خاصی واضح نظر آرہی تھی۔

واپسی میں، میں نے راجن کے تیسرے ساتھی کی لاش کو نظر انداز کر دیا۔ وہ گولی سے بھیجا اڑ جانے کی وجہ سے مرا تھا۔ اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

راجن کی گاڑی بہ دستور لاوارث حالت میں کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤ فان سڑک پر اپنی جیپ لیے سخت اضطراب سے گزر رہا ہوگا۔ میں نے گاڑی پر ایک نظر ڈالی اور قدرے پیچھے ہٹ کر اس کی پیٹرول کی ٹنکی کے مقام پر فائر کر دیا۔

فائر کے دھماکے کے ساتھ بھق کی زوردار گونج پیدا ہوئی اور گاڑی سے ہولناک شعلوں کا ایک لہراتا ہوا مینار فضا میں بلند ہوگیا۔ وہ منظر بس ایک لمحے کے لیے نظر آیا پھر کار کے نیچے ہر طرف آگ ہی آگ پھیلتی چلی گئی۔

میں نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور آسودہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔

یکایک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف چاؤ فان تھا۔

''ماسٹر.....! کیا ہو رہا ہے..... یہ آگ کہاں لگی ہے..... تم خیریت سے تو ہو نا؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

اس کی فکرمندی سے میں دل ہی دل میں محظوظ ہوا پھر کہا ''یہ آگ میرے دل میں لگی ہے، راجن مجھے نچا دے کر ٹیلوں میں نکل گیا۔ اس کی ایک بھٹکی ہوئی گولی نے گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی میں آگ لگا دی ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ لاشوں کو کیسے باہر نکالوں!''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا، تم بھی جل جاؤ گے۔'' میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخری فقرہ سن کر وہ بوکھلا گیا۔ ''میری مانو تو تم بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ میں ادھر آ رہا ہوں۔''

میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

راجن کی پوری گاڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ شعلوں کے ساتھ فضا میں کثیف دھوئیں کا بادل بھی امڈ رہا تھا۔ وہ تاریک ویرانہ دور تک روشنی میں نہا گیا تھا لیکن راجن کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس الاؤ سے دور ہوتا رہا۔

ذرا سی دیر میں چاؤ فان کی جیپ ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی ہوئی آ گئی۔ جیپ رکتے ہی میں دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور چاؤ فان نے جیپ تیزی سے واپس گھما لی۔

''یہ آگ دور تک دیکھی جائے گی۔'' چاؤ فان بڑبڑایا ''ذرا سی دیر میں پولیس اور آگ بجھانے والی گاڑیاں یہاں پہنچ جائیں گی۔''

''ان کے آنے تک کچھ بھی نہیں بچے گا۔'' میں نے مایوسی سے جواب دیا ''پیٹرول کی آگ بہت موذی ہوتی ہے لاشوں سمیت ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے گی۔''

''جلنے دو..... سب کچھ جل جانے دو' ہمارا کیا بگڑے گا۔'' چاؤ فان اضطراری لہجے میں بولا ''یہ ملبہ راجن کی ایک اور شکست کی گواہی دے گا۔ ایک کار اور دو جلی ہوئی لاشیں اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گی۔''

''دو نہیں' تین لاشیں!'' میں نے اس کی تصحیح کی۔ ''راجن کا تیسرا ساتھی میری رائفل کا نشانہ بن گیا۔ اس کی لاش آگے پڑی ہوئی ہے۔''

''میں نے ایک چیخ سنی تھی!'' چاؤ فان نے جلدی سے لقمہ دیا۔ میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ بھی خاموشی سے مرا تھا' فضا میں گونجنے والی چیخ راجن کی تھی۔

''مجھے صرف تمہاری رائفل کا فائر سنائی دے رہا تھا۔'' چاؤ فان کی بات جاری رہی ''کیا وہ بے آواز ہتھیار استعمال کر رہے تھے؟''

''شاید راجن کے پاس سائلنسر لگا ہوا پستول تھا۔ اس کے آدمی کے کندھے پر پڑی ہوئی رائفل پر مجھے سائلنسر نظر نہیں آیا۔'' میں نے بتایا۔

''یہ برا ہوا کہ وہ بچ کر نکل گیا۔'' چاؤ فان متاسفانہ لہجے میں بولا ''اس کے تینوں ساتھی نکل جاتے اور وہ مارا جاتا تو مزہ آ جاتا۔''

''سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہونے لگے تو ہر طرف آفت آ جائے' یہ قدرت اور اس کی غیبی قوتیں ہیں جو ہر کام اور شے میں توازن برقرار رکھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی راجن کے مقدر میں اور زیادہ ذلت لکھی ہوئی ہو۔''

''ماسٹر! کبھی کبھی تم فلسفہ بولنے لگتے ہو۔ وہ اپنی مادام بھی ایسی ہی ہے۔ ہنستے بولتے ہوئے اچانک ایسی باتیں شروع کر دیتی ہے جو میرے سر پر سے گزرنے لگتی ہیں۔''

''تم انکسار سے کام لے رہے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ عام باتیں کبھی تمہارے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔'' میں نے شگفتہ انداز میں کہا۔

وہ مہم بیٹھے بٹھائے سامنے آئی تھی۔ طارق مجھے یہ خبر نہ دیتا کہ راجن موتی محل سے باہر نکلا ہے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسری راتوں کی طرح وہ رات بھی گزر جاتی' میں چاؤ فان کے ساتھ نکلا اور ہم نے بہت آسانی کے ساتھ راجن کے تین آدمی مار لیے۔ وہ یقینی طور پر اس کے بہت اہم اور قریبی ساتھی رہے ہوں گے۔ ان کی عبرت ناک ہلاکت کے ساتھ میں نے راجن کو بھی زخمی کر دیا تھا' چند گھنٹوں کی جدوجہد کے وہ نتائج بہت حوصلہ افزا تھے۔ میں ذہنی طور پر خود کو بشاش اور ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

''تم کبھی کبھی میرے ساتھ زیادتی کر جاتے ہو۔'' اس نے پژمردہ لہجے میں شکایت کی ''میں اتنا کند ذہن نہیں ہوں۔ اہم مواقع پر تمہارے ہر اشارے کو سمجھ لیتا ہوں۔''

اسی وقت سڑک کے اگلے موڑ سے جلتی بجھتی ہوئی تیز روشنیوں اور سائرن کی خوف آور آواز کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں مڑ کر ہماری طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے پیچھے پولیس والوں کی دو گاڑیاں بھی تھیں۔

درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہوتا چلا گیا پھر وہ چاروں گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ ہمارے قریب سے گزر کر اس سمت میں چلی گئیں جہاں راجن کی گاڑی جل رہی تھی۔ روح کو لرزا دینے والے اس شور شرابے کی وجہ سے میں چاؤ فان کے شکوے کا جواب دینے سے بچ گیا۔

''حیرت ہے کہ پولیس والوں نے ہماری طرف دھیان نہیں دیا۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''ان کی گاڑیاں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ آگ سڑک سے کافی دور بھڑک رہی ہے۔ ہم سڑک پر تھے۔ انہیں یہ خیال نہیں آیا ہوگا کہ ہم ادھر سے آ رہے ہیں۔'' چاؤ فان نے خود ہی ان کی عدم توجہی کی تاویل پیش کر دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر میرے ذہن میں ایک پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔ مجھے بنکاک کی پولیس کا تجربہ نہیں تھا۔ ہم جائے واردات کی طرف سے آرہے تھے' اس آتش زنی سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوتا تب بھی اصولی طور پر ہمیں وہاں رک کر آتش زدگی کا شکار ہونے والوں کی مدد کرنی چاہیے تھی۔ ہم لاتعلقانہ انداز میں وہاں سے گزرے اور پولیس والوں نے ہمارے اس غیر معمولی رویے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ہمیں یکسر نظر انداز کر کے آگے نکلتے چلے گئے۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر اس غفلت کے مرتکب ہوئے تھے۔ دور سے پیٹرول کی خوفناک آگ دیکھ کر ان کے افسر کے سر پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ فائر انجنوں کے ساتھ جلد از جلد جائے واردات پر پہنچ جائے۔ اس بدحواسی میں اس نے ہماری گاڑی پر دھیان نہیں دیا۔

شعلوں میں گھری ہوئی سفید کار کے پاس پہنچ کر جب اسے اندازہ ہوتا کہ وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا تو عین ممکن تھا کہ اسے چاؤ فان کی گزرتی ہوئی جیپ یاد آجاتی اور وہ ہماری تلاش میں وہاں سے واپس دوڑ لگا دیتا۔

''یہاں سے شہر جانے کے کتنے راستے ہیں؟'' میں نے پرسکون انداز میں چاؤ فان سے پوچھا۔

''ماسٹر! میں چھوٹے اور سیدھے راستے سے یہاں آیا تھا' دوسرا راستہ لمبا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا ''تم کو یہ خیال کیوں آگیا؟''

''گاڑی اسی لمبے راستے پر لے لو!'' میں نے اسے ہدایت دی۔

''کیوں؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔

''تمہاری جیپ میں مزہ آرہا ہے' گھومتے پھرتے ہوئے ہوٹل چلیں گے۔'' میں نے اسے اپنے اندیشوں سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

وہ خوش ہوگیا ''میں چوری کے مال پر دل کھول کر رقم صرف کرتا ہوں۔ رنگ اور نمبر پلیٹوں کو بدلوانا مجبوری کا سودا تھا۔ میں نے اس کے پورے سس پنشن پر کام کرایا ہے' گڑھوں میں بھی بے تکے جھٹکے نہیں لگتے۔''

چند ثانیوں بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ چاؤ فان نے جیپ نئے راستے پر ڈال دی تھی۔

''ماسٹر! ایک بات میرے ذہن میں بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔'' کچھ دیر تک خاموشی سے جیپ چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر لہجے میں سکون توڑتے ہوئے کہا ''گولڈن ڈریگن میں تم سے ٹکرانے والا گارڈ خاموشی سے کتے کی موت مرا اور تم نے کسی سانپ وانپ کی کہانی سنائی تو میں نے تمہاری بات پر یقین کرلیا مگر آج میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا بات ہے کہ تمہارے سامنے آنے والا ہر دشمن کھڑے کھڑے اچانک خاموشی سے مرجاتا ہے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی بے آواز موت نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔''

''چاؤ فان' میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں' پہلا گارڈ کیسے مرا' یہ مجھے نہیں معلوم اس وقت وہ میرے نہیں' تمہارے سامنے تھا۔ میں تو جیپ کے نیچے دبکا ہوا اپنی خیر منا رہا تھا۔'' میں نے اس سے زیادہ سنجیدگی اختیار کرلی ''ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہو اور دہشت سے مرگیا ہو۔ دوسرے کے بارے میں میرا پکا اندازہ ہے کہ اسے اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ گرتے ہی مرگیا یا شاید مر کر گرگیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں اس سے کافی دور زمین پر پڑا ہوا تھا۔

''ماسٹر! مجھ سے قسم لے لو جو میں نے ان دونوں کے ساتھ کچھ کیا ہو' میں اسے تمہاری کارستانی سمجھ رہا ہوں' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند سیکنڈ کے وقفے سے ان دونوں کے ہارٹ فیل ہوگئے ہوں۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

اس کے مدافعانہ انداز سے مجھے یکا یک ایک نیا حربہ سوجھ گیا اور میں نے جارحانہ لہجہ اختیار کرلیا ''تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر مجھے یقین ہے کہ ان کے ہارٹ فیل نہیں ہوئے تو تم نے اپنے کسی خفیہ ہتھیار سے انہیں مارا ہے۔ تم مجھے بتاؤ یا نہ بتاؤ' پوری تفصیل سننے کے بعد ڈان ہر قیمت پر تم سے سچ اگلوا لے گا۔''

اس نے گھبرا کر گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا ''ماسٹر! تم کیسی باتیں کر رہے ہو..... میں نے انہیں مارا ہوتا تو مجھے تم کو کریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں مارا ہے' تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو.....''

وہ دھونس میں آتا ہوا نظر آرہا تھا میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے غرا کر کہا ''یہ الزام ہے؟ میں تمہاری جگہ ہوتا تو خاموشی سے اپنا کارنامہ تسلیم کرلیتا۔ وہاں صرف دو آدمی تھے۔ میں اور تم..... اگر ہم دونوں نے انہیں نہیں مارا تو پھر شاید آسمان سے فرشتے ہماری مدد کرنے کے لیے آئے ہوں گے یا نادیدہ بدروحوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہوگا!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم بلاوجہ خفا ہو رہے ہو۔ ان دونوں کا مرجانا ہمارے لیے فائدہ مند تھا۔ وہ نہ مرتے تو ہم دونوں مارے جاتے۔ میرا سوال تو بس اتنا سا تھا کہ وہ دونوں پراسرار انداز میں کیسے مر گئے؟''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معمّا ڈان خود حل کر لے گا۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور تم ڈان سے یہ کہو گے کہ میں نے انہیں کسی خفیہ ہتھیار سے مارا ہے!'' اس نے تقریباً رو دینے والے انداز میں مجھ سے تصدیق چاہی۔

''میں نے جو محسوس کیا ہے وہی کہوں گا۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم اپنی رائے پیش کر دینا۔ وہ دبنگ اور منہ پھٹ آدمی ہے۔ ذرا سی دیر میں سچ جان لے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم مجھے مروا دو گے۔'' وہ دہرے قتل کی گتھی سلجھانے کے بجائے اپنے بچاؤ کی فکر میں مبتلا ہو گیا ''تمہارے سامنے وہ میری کوئی بات نہیں سنے گا۔ تم میری جامہ تلاشی لے لو میرے پاس کوئی خفیہ ہتھیار نہیں ہے۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار مانگے گا تو میں اسے کیا جواب دوں گا..... تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کا ادب کرتا ہوں۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا۔''

''اگر تم نے ان دونوں کو مارنے کے بعد اپنا خفیہ ہتھیار وہیں کہیں پھینک دیا ہے تو ڈان کو سچ بتا دینا' وہ تم کو کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے مکارانہ ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''تم وہی ایک بات کہے جا رہے ہو۔'' وہ زچ ہو کر بولا ''تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے کہ میں نے انہیں نہیں مارا!''

''اور یہی بات میں بھی تم سے کہہ رہا ہوں' ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ کارنامہ یقیناً فرشتوں نے سرانجام دیا ہوگا۔'' میں نے طنز سے کہا ''ڈان کو علم ہونا چاہیے کہ اب فرشتے بھی اس کی مدد کے لیے آنے لگے ہیں!''

''ماسٹر! تم یہ تو مانو گے کہ ان دونوں کی موت حیرت ناک تھی۔ اب ہم دونوں یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کیسے مرے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''ڈان کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ آسیبی انداز میں اچانک مر گئے۔ کہہ دیں گے کہ ایک کو تم نے مارا' دوسرے کو میں نے ڈھیر کر دیا' بات وہیں ختم ہو جائے گی تیسرا تو خیر تمہارا ہی شکار تھا۔''

''نہیں چاؤ فان!'' میں ڈان کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر لاشوں کے پوسٹ مارٹم میں کوئی نئی بات سامنے آ گئی تو میں ہمیشہ کے لیے ڈان کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے اپنی عزت اور ساکھ بہت عزیز ہے' میں اسے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ جھنجلا کر بولا ''پوسٹ مارٹم لاشوں کا ہوتا ہے۔ تم نے ان دونوں کو چھوٹا راجن کی گاڑی میں ڈال دیا تھا' گاڑی کو بری طرح آگ لگی ہوئی ہے' فائر انجن بھی ان لاشوں کو کوئلہ بننے سے نہیں بچا سکیں گے۔ کوئلہ بنی ہوئی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کون کرے گا۔ ان کی کہانی ہمیشہ کے لیے دفن ہو چکی ہے۔''

درحقیقت ابتدا سے میرا وہی منصوبہ تھا کہ دونوں لاشوں کو جلا کر رکھ کر دیا جائے مگر میں نے اس بارے میں چاؤ فان سے ایک لفظ نہیں کہا۔ یہ میری حکمتِ عملی کی کامیابی تھی کہ میری سوچی ہوئی باتیں وہ دہرا رہا تھا۔

میں نے تذبذب کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم نے طے کر لیا ہے کہ ڈان سے جھوٹ بولا جائے!''

''میرے پاس اس کے سوا کیا چارہ ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ میں شروع سے ان دونوں کی حیران کن موت کے مسئلے پر پریشان تھا' میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے ان پر اپنا کوئی کرتب دکھایا ہے' معاملہ نمٹے گا تو تم خود مجھے ہر بات بتا دو گے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ تم نے دل کے دورے کا امکان ظاہر کر کے بات ٹال دی۔ تم نے خود کہا تھا کہ چھوٹا راجن کا قصہ نمٹانے کے بعد مجھے ہر بات سمجھا دو گے لیکن اب تم نے آنکھیں بدل کر ساری ذمے داری میرے سر پر ڈال دی ہے۔'' اس نے پریشان لہجے میں ایک لمبی وضاحت پیش کرنی شروع کر دی ''اگر تم واقعی مجھ پر شبہ کر رہے ہو تو میں بے بس ہوں۔ آج کل تمہارے ستارے عروج پر ہیں ڈان تمہاری بات مان لے گا۔''

''تمہاری باتیں قابلِ فہم ہیں۔'' میں نے مصالحانہ انداز میں کہا ''اس وقت میری ساری توجہ دشمنوں پر مرکوز تھی' وہ مر گئے تو مجھے خوشی ہوئی۔ مجھے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیسے مرے اس وقت میں ان کی موت کے اسباب دریافت کرنے میں الجھ جاتا تو ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اگر ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں ان اطراف میں پائی جانے والی کسی زہریلی خودرو جھاڑی کے کانٹے یا کسی خوفناک کیڑے مکوڑے کا نشانہ بن گئے۔ اب ان کی لاشیں جل کر کوئلہ بن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکی ہوں گی۔ میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ ان کی موت کے اسباب کا تعین کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔ تم چاہتے ہو تو میں ایک قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لوں گا۔''

''چاہو تو تم زہریلی جھاڑیوں والا نظریہ پیش کر کے ڈان کے سامنے دروغ گوئی سے بچ سکتے ہو۔'' اسے فوری طور پر متبادل مشورہ سوجھ گیا ''میں نے جھوٹ بولنے کا مشورہ مجبور ہو کر دیا تھا۔ تم مجھ پر شبہ کر رہے تھے اور پھر خفیہ ہتھیار..... خدا کی پناہ..... وہ میں کہاں سے پیدا کرتا۔''

میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''ڈان عملی دنیا کا آدمی ہے اس کے سامنے ہم نے کوئی نظریہ پیش کیا تو وہ بال کی کھال نکالے گا ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مگر ہم اسے یہ یقین نہیں دلا سکیں گے کہ وہ دونوں اپنی بدنصیبی کا نشانہ بن گئے۔ یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ ہم دونوں نے ایک ایک حریف کا کام تمام کر دیا۔

''مجھے ایک عمر گزر گئی مگر میں ابھی تک ڈان کو سمجھ رہا ہوں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا ''تم نے مختصر سی مدت میں اس کے مزاج کو پالیا۔ وہ دو اور دو چار والا آدمی ہے۔ اس سے سیدھی اور دوٹوک باتیں ہی مناسب رہیں گی۔''

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ محض ہلکی سی بدمزگی کے بعد اس سنگین معاملے کو مفاہمانہ انداز میں نمٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے میرے سامنے اپنے دل کا غبار نکال لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری طرف سے اس کے دل میں کینہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

ویسے بھی وہ ڈان کے سامنے جھوٹ بولنے کے بعد خود بھی میرا شریک بن جاتا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ بعد میں ڈان کو سچ بتا کر اس کے قہر کا نشانہ بننے کا خطرہ مول لینے کی جرات کر سکے گا۔

بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں میری پہچان کی واضح ترین نشانیاں تھیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقع پر اپنے ان دونوں ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے باوجود میں ہر نشانی مٹانے اور چاؤ فان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تیسرا آدمی میری رائفل کی گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش پولیس کے ہاتھ لگتی تو اس سے میرا کوئی راز افشا نہیں ہو سکتا تھا۔ جلنے والی ایک لاش کے ڈھانچے میں پائے جانے والے بیم گن کے سوراخ کو بھی رائفل وغیرہ کی گولی کا کارنامہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جاتا۔

میرے اور راجن کے درمیان ہونے والے مکالمے سے اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ اس کا ٹکراؤ مجھ سے ہوا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ پولیس کو میرے نام سے آگاہ کرے گا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی کہیں اور موجودگی کے عذر کے ساتھ یہ بتائے گا کہ اس کے تین آدمی اچانک غائب ہو گئے۔ وہ کب اور کہاں گئے۔ اس بارے میں وہ اپنی مکمل بے خبری ظاہر کرے گا۔

یہ بڑے مجرموں کا خاص وطیرہ ہوتا ہے کہ کسی تصادم میں سرخ رو ہوتے ہیں تو سینہ ٹھونک کر اپنی مردانگی کے دعوے کرتے ہیں، ہزیمت اٹھانا پڑے تو کوشش کرتے ہیں کہ مقابلے میں اپنی موجودگی کا ذکر سرے سے حذف کر دیں۔

''چاؤ فان! تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟'' کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد میں نے اسے چھیڑا، میرے دل میں چور تھا اس لیے میں باتیں کر کے اسے ٹٹولنا چاہ رہا تھا کہ اس کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت تو نہیں تھی۔

''ماسٹر! آج ہم نے ایک بڑی لڑائی جیتی ہے مگر قلق اس بات کا ہے کہ چھوٹا راجن بچ کر نکل گیا۔'' اس کی مغموم آواز ابھری۔

''وہ بہت ذلت کے ساتھ بھاگا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''اس کی گاڑی جل کر تباہ ہو گئی' وہ خود زخمی ہے۔ ذرا تصور کرو کہ وہ موتی محل سے اپنی گاڑی میں تین محافظوں کے ساتھ نکلا تھا۔ اب زخمی حالت میں ٹک ٹک یا ٹیکسی کے ذریعے زخمی حالت میں وہاں واپس لوٹے گا تو اپنے ملازموں کے سامنے بھی نظریں نہیں اٹھا سکے گا۔''

''اوہ.....! تو تم نے اسے زخمی بھی کر ڈالا!'' چاؤ فان نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''تم نے فائرنگ کے ساتھ جو چیخ سنی وہ راجن ہی کی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔

''مم..... مگر میں تو اسے مرنے والے تیسرے آدمی کی چیخ سمجھا تھا۔ تم نے بھی میری غلط فہمی دور نہیں کی۔''

''مائی ڈارلنگ! آج خاموشیوں کی رات ہے۔ ان دونوں کی طرح تیسرا بھی کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔''

''اوہ! تو کیا تم ان دونوں کے اتنے قریب پہنچ گئے تھے؟''

''قریب پہنچ جاتا تو آج راجن نکلنے نہ پاتا۔ میری رائفل کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی، اس کا آدھے سے زیادہ سر غائب تھا۔''

''خاموش موتوں کی ہیٹ ٹرک ہو گئی۔ چھوٹا راجن کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں زخم آیا؟''

''میں نے برسٹ فائر کیا تھا۔ اس کا ساتھی مارا گیا اور وہ زخمی ہو کر چیخ اٹھا۔ زخم کہیں بھی آیا ہو، یہ بات طے ہے کہ وہ بھاگنے کے قابل تھا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم حیران کر دینے والی صلاحیتوں کے مالک ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم دشمن کے خلاف میدان میں اترتے ہو تو کچھ نادیدہ قوتیں خاموشی سے تمہارا ساتھ دیتی رہتی ہیں۔''

''کہیں تمہارا ذہن جنوں اور بھوتوں کی طرف تو نہیں بھٹک رہا!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''جو نظر نہ آئیں وہ وہی ہو سکتے ہیں۔'' اس نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا ''ایک آدھ آدمی کی بات ہوتی تو اسے اتفاق سمجھ کر درگزر کیا جا سکتا تھا۔ آج رات تم نے تین جیتے جاگتے انسان مارے ہیں اور تینوں نہایت خاموشی سے مر گئے۔ اسے کوئی باؤلا آدمی بھی اتفاق قرار نہیں دے گا۔ اس کے پیچھے یقیناً کچھ اور قوتیں کارفرما ہیں۔''

''تم نے پھر تین آدمیوں کو مارنے کا الزام میرے سر پر تھوپ دیا!'' میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے طے کر چکا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کو میں نے اور دوسرے کو تم نے مارا تھا۔ تیسرا میرا شکار تھا۔''

''ماسٹر! تم کو تمہارے خدا کی قسم ہے، مجھے ابھی اور اس وقت واٹ فرا کیو لے چلو'' وہ یکا یک مچل گیا ''وہاں زمرد میں تراشی ہوئی بدھا کی مورتی ہمارے لیے سب سے مقدس ارضی شے ہے۔ میں اس کے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ آج میں نے کسی کو نہیں مارا۔ تم نے مجھے ایسا چکر دیا ہے کہ میں ڈان کی جرح سے بچنے کے لیے ایک کا خون اپنے سر لینے پر آمادہ ہو گیا ہوں۔ وہ ڈان کے سامنے سنائی جانے والی کہانی ہو گی۔ ہمیں آپس میں کھل کر بات کرنے کی آزادی ہے۔ مجھ سے میری یہ آزادی نہ چھینو۔''

''تم گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو، طے شدہ بات کو چھیڑو گے تو بحث لمبی ہو جائے گی۔'' میں نے خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھی ان دونوں کو ہاتھ نہیں لگایا مگر میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''ماسٹر! میں یہی بات کہہ رہا تھا، تم نے میرے الفاظ پکڑ لیے۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بے بسی سے بولا ''نہیں میں نے نہیں مارا، تم نے نہیں مارا، نادیدہ قوتوں نے مارا ہے۔ وہ تمہارا ساتھ دیتی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی موت کا سبب تم ہو۔''

''چلو، تمہارا دل رکھنے کے لیے میں یہ بات مان لیتا ہوں۔'' میرا لہجہ نیم دلانہ تھا۔ ''اب دوبارہ ان مرے ہوئے مردودوں کا ذکر نہ نکالنا۔ انہیں بالکل بھول جاؤ۔''

''بھول جاؤں!'' وہ استہزائی انداز میں ہنسا ''شاید میں سب کچھ بھول جاؤں مگر مرتے دم تک ان دونوں کو نہیں بھول سکوں گا۔ میں نے سیکڑوں آدمیوں کو مرتے دیکھا ہے، دسیوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، ان میں سے کوئی یوں چپکے سے نہیں مرا جیسے وہ مر گئے ہیں۔ ہم نے ان کی لاشیں گاڑی میں نہ ڈالی ہوتیں تو وہ جلنے سے بچ جاتیں اور ان کے پوسٹ مارٹم سے کچھ نہ کچھ پتا چل جاتا، اب ایسا کوئی امکان نہیں رہا۔''

''اب یہ کہہ دو کہ میں نے جان بوجھ کر دونوں لاشیں... راجن کی گاڑی میں ڈالیں اور پھر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کار کو آگ لگا دی۔'' میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی ترشی سے کہا ''میں نے سارے ثبوت مٹانے کا بندوبست کر دیا!''

حقیقت وہی تھی جو میں نے بیان کی لیکن میرا پینترا کچھ ایسا تھا کہ چاؤ فان بری طرح کھسیائے ہوئے انداز میں بولا ''ماسٹر! تم ہر بات کو اس کی انتہا تک لے جاتے ہو۔ میرا دماغ خراب ہوا ہے جو میں تم پر ایسا بے سروپا الزام لگاؤں۔ سب کچھ ضرورت کے تحت کیا گیا تھا۔ چھوٹا راجن کو پھانسنے کے لیے میدان صاف کرنا ضروری تھا۔ اس وقت ہم دونوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ گاڑی کو آگ لگ جائے گی۔''

''بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی آنکھ سے ہوتا ہوا دیکھنے کے باوجود ان کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد ناصحانہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''آج کی رات ہم نے جو کچھ دیکھا وہ شاید اسی زمرے میں آتا ہے۔ ان کی موت کو حکم خداوندی سمجھ کر بھولنے کی کوشش کرو۔ ان کا مسئلہ تمہارے سر پر مسلط رہا تو تم ڈان کے سامنے گھبرا کر کوئی الٹی سیدھی بات کہہ بیٹھو گے۔ وہ کائیاں آدمی ہے، ڈانٹ ڈپٹ کر تم سے سب اگلوا لے گا اور تمہاری وجہ سے میں اس کے سامنے جھوٹا پڑ جاؤں گا۔''

''میں تو اس بارے میں ڈان سے بات ہی نہیں کروں گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں پسپائی اختیار کرتے ہوئے کہا ''تمہارے آنے کے بعد سے وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتا۔ تم خود اسے یہ قصہ سنا دینا۔ میں تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ غور سے سنوں گا۔ ڈان نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں تمہاری کہانی کی تائید کروں گا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ''ہم ڈان کے وفادار ہیں، اسے دغا نہیں دے رہے۔ اس کی نظروں میں ہماری عزت اور ساکھ کا برقرار رہنا ضروری ہے۔''

''تم نے ڈان کو رام کرلیا ہے۔ تمہاری ساکھ پر آنچ نہیں آسکتی۔ مجھے اپنی فکر تھی، اب وہ بھی دور ہوگئی۔ ہم یک زبان رہے تو ڈان کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہوگی کہ وہ دونوں کیسے مرے..... ویسے میں حیران ہوں کہ تمہیں راجن کے باہر نکلنے کی صحیح خبر کہاں سے مل گئی!''

بے اختیار میرا دل چاہا کہ ایک زوردار مکا مار کر چاؤ فان کی کھوپڑی پچکا دوں جس میں وہ پریشان کن سوالات جنم لے رہے تھے۔ وہ واقعی ایک اہم سوال تھا۔ میں فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس نے جان بوجھ کر میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا یا وہ سوال معصومانہ انداز میں اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ وہ سوال سامنے آ ہی گیا تھا تو اس کا مسکت جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے اضطراری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا ''تم ڈان کی صحبت میں رہ کر مراق کے مرض میں مبتلا ہوگئے ہو۔ پہلے یہ فکر تھی کہ مجھے راجن کی گاڑی کی لوپ بوری میں موجودگی کا کیسے علم ہوا، اب یہ غم ستا رہا ہے کہ موتی محل سے راجن کے نکلنے کی خبر مجھے کیسے مل گئی۔ تم میرے اس دلیر ساتھی کو بار بار بھول جاتے ہو جو میرے ساتھ ڈان سے مل چکا ہے۔ وہ اپنے وطن لوٹنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے موتی محل کی طرف سے گزرتے ہوئے راجن کی گاڑی کو سڑک پر آتے دیکھا اور ذرا سی دیر میں یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ ساحل کی طرف جائے گا۔ اس نے مجھے اطلاع دی اور میں نے تم سے رابطہ کرلیا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟''

''لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا؟'' چاؤ فان نے سادگی سے کہا۔

''وہ ملازمت پیشہ آدمی ہے۔ میں اسے ان جھگڑوں میں الجھانا نہیں چاہتا۔'' میں نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھتے ہوئے جواب دیا ''راجن کے سفر کی سمت کا اندازہ ہوجانے کے بعد میں نے اسے وہیں سے واپس لوٹ جانے کی ہدایت دے دی تھی۔''

''ماسٹر! میں بار بار یہ کہتا ہوں اور تم بار بار یہ بات ثابت کرتے رہے ہو کہ تم کمال کے آدمی ہو اور تمہارا ساتھ دینے والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ میں اور میرے آدمی یہاں کے مقامی ہوتے ہوئے بھی اہم واقعات سے بے خبر رہتے ہیں، تم کو ہر بات کی بروقت خبر مل جاتی ہے۔'' اس کا لہجہ واقعی تحیر زدہ تھا۔

''یہ سامنے کی بات ہے۔'' میں نے بے رخی سے کہا ''اسے سمجھنے کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے سر پر پیٹ پونگ کی لڑکیاں اور لی جیسی بازاری عورتیں سوار رہتی ہیں، میرا آدمی ان خرافات سے دور بھاگتا ہے۔''

''ہائے ماسٹر! یہ کیا کہہ دیا تم نے!'' اس نے اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کے بے تابانہ انداز میں کہا ''وہ بازاری ہوتی تو تمہارا یہ خادم اسے دس بار خرید چکا ہوتا۔ تم سے بے مول دوستی کرنا بھی میرے لیے ایک کڑا امتحان بنی ہوئی ہے۔''

''تمہیں ایسی گھٹیا باتیں کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔'' میں نے ملامت آمیز لہجے میں بے رخی سے کہا۔

''ماسٹر! یہ زندگی کی بنیادی حقیقتیں ہیں!'' اس نے حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''ہر مرد ان سے دوچار رہتا ہے۔ بیش تر گھٹیے ہوتے ہیں۔ اپنے من کی بات کبھی زبان پر نہیں لاتے، موقع مل جائے تو خلوت میں اپنا شرافت کا خول اتار کر وحشی بن جاتے ہیں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں تمہیں اپنا سمجھ کر تم سے اپنے دل کی ہر بات بے دھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔''

''ایسے مواقع پر تم مجھے غیر سمجھ لیا کرو تو میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔'' اس کا جواب سن کر میرا لہجہ تلخ ہوگیا ''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی اپنائیت کبھی کبھی میرے لیے سوہان روح بن کر رہ جاتی ہے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' اس نے بے اعتباری سے کہا ''تم مجھے چڑانے کے لیے مذاق کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے بہت عزیز رکھتے ہو!''

میرا دل چاہا کہ اسے کھل کر یہ بتا دوں کہ زندگی میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جب انسان اپنی عزیز ترین ہستی کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کر دیتا ہے، وہ جیتے جی اپنی ڈھٹائی سے وہ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گاڑی میں چند ثانیوں کے لیے خاموشی طاری ہوگئی۔ اس وقت چاؤ فان کی جیپ ایسے علاقے سے گزر رہی تھی جہاں ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دونوں اطراف میں تاریک اور چٹیل ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ اس مضافاتی حصے میں دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہیں تھا۔

''ماسٹر! مادام سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی؟'' کچھ دیر کے بعد وہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر سوال کر بیٹھا۔

''وہ پھر تمہارے دماغ میں کلبلا رہی ہے!'' میں نے ترشی سے کہا۔

''اوہ.....!'' اس کے دہانے سے ایک بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی پھر وہ بولا۔

''اچھا، مادام کو چھوڑو، یہ بتا دو کہ میرے ہاتھوں پھوم فاٹ کی درگت کب بنی تھی؟''

''اگر تمہاری یادداشت اتنی خراب ہوگئی ہے تو کسی معالج سے رجوع کرو' یہ بک بک کر کے تم کیا جتانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا راجن کے نکل جانے پر تمہارا موڈ سخت خراب ہے۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولا ''حریف مضبوط ہو تو ایسی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ تم نے اسے زخمی کر دیا۔ آج وہ زخمی ہوا ہے تو کل تمہارے ہاتھوں مارا بھی جائے گا۔ اتنی سی بات کو دل پر لینے کی کیا ضرورت ہے!''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر اس کا نام چاؤ فان تھا زیادہ دیر تک خاموش رہنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ قدرے طویل خاموشی کے بعد اس نے کھنکار کر کہا ''میں دراصل تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ مادام دوبارہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ شاید اس نے تم سے چھوٹا راجن کے بارے میں کوئی بات کی تھی۔ وہ اس بارے میں مزید گفتگو کرنا چاہتی ہے۔''

میں اس سے لی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ لی کا تذکرہ چھیڑنے کے چکر میں اس نے راجن کے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کو یکا یک فراموش کر دیا تھا۔ وہ میرے لیے ایک اچھا شگون تھا میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ لی نے میری خود فراموشی کے دوران میں کھل کر اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ راجن کو مردہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی باتوں کا جواب دینا شروع کر دیا تاکہ وہ ڈان کے سامنے اصل واقعات کو بالکل بھول کر وہی کچھ یاد رکھے جو ہمارے درمیان طے ہوا تھا۔

☆☆☆

''کیا کیا.....!'' میرے کان میں ڈان کی تحیر زدہ آواز گونجی ''تم نے اسے زخمی کر دیا!''

''ہاں ڈان!'' میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا ''مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہیں اس کی موت کی خوش خبری نہیں سنا سکا۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔'' ڈان کی تشفی آمیز آواز ابھری۔ ''موجودہ حالات میں یہ بھی بڑی خبر ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب کہاں اور کب ہوا۔ بار میں رش ہے، شور وغل میں بات نہیں ہو سکتی، میں دو منٹ میں اوپر جا کر تمہیں فون کرتا ہوں۔''

لائن بے جان ہوگئی، غزالہ بولی ''آپ کا لہجہ اس قدر معذرت خواہانہ کیوں تھا؟ آپ نے اس کے تین آدمیوں کو موت کی نیند سلا کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔''

''تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' میں نے اسے آنکھ مار کے کہا ''خبر سن کر وہ بے چین ہوگیا۔ اب اپنی رہائشی منزل سے فون کرے گا۔ مزہ اسی میں ہے کہ میں انکسار سے کام لیتا رہوں اور وہ میرے کام پر داد وتحسین کے ڈونگرے برساتا رہے۔''

''میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خود پسند اور ناشکرا آدمی ہے۔'' غزالہ بولی ''وہ آپ کے کاموں کی تعریف اس لیے کرتا ہے کہ وہ کام اس کے کھاتے میں جا رہے ہیں، ان میں دور دور تک آپ کا کوئی ذکر نہیں آتا اور چاؤ فان بے چارہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہے۔''

غزالہ خاموش طبع ضرور تھی لیکن اس کے تجزیے بڑی حد تک درست تھے۔ مجھے یاد آیا کہ جب راجن نے میرے ہاتھوں وائٹ ہاک کی تباہی پر اپنے دشمن کے طور پر ڈینی کا نام لیا تو ڈان تلملا اٹھا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر کہا تھا کہ اس بات کی فوری تردید ہونی چاہیے۔

میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ کی رائے سے سو فی صد اتفاق کرتے ہوئے سمجھایا کہ ڈان کی اس خوش فہمی میں ہماری نجات مضمر تھی۔ میں کسی صورت میں کھل کر سامنے نہیں آ سکتا تھا۔ ہم فرضی ناموں اور جعلی سفری دستاویزات پر بنکاک میں مقیم تھے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ راجن مجھے اپنے بھاری جانی اور مالی نقصان کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

دو منٹ سے بھی قلیل وقفے کے بعد ڈان کا فون آ گیا۔ راجن کے زخمی ہونے کی خبر اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ سیلرز بار کے دھندے کو اپنے ملازموں کے رحم وکرم پر چھوڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر مجھ سے بات کرنے کے لیے اوپر آ گیا تھا۔

جب میں نے ڈان کو یہ بتایا کہ ہم نے راجن کو زخمی کرنے کے ساتھ اس کے تین آدمی بھی بنکاک کے ساحل پر موت کی نیند سلا دیے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے اس واقعے کی پوری تفصیل سننے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے واقعات دہرانا شروع کر دیے۔

اس تفصیل میں سب کچھ سچ تھا۔ میں نے بس زہریلی انگوٹھی اور بیم گن کے استعمال کا ذکر حذف کر کے ان دونوں مسلح محافظوں میں سے ایک کے قتل کا سہرا چاؤ فان کے سر باندھ دیا۔

ایک محافظ کے فرضی قتل کے سوا اس معرکے میں چاؤ فان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اسے میں نے دانستہ سڑک کی طرف ہانک دیا تھا۔ ڈان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ بقیہ دو آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے اور راجن کو بھی میری چلائی ہوئی گولی نے چاٹا تھا۔

''علی! مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرا دوالا نکالنے کا ارادہ کر کے بنکاک آئے ہو!'' پوری کہانی سننے کے بعد ڈان نے گمبھیر آواز میں وہ فقرے ادا کر کے مجھے پریشان کر دیا۔

''ڈان.....! میں تمہارا برا چاہنے والوں کے خون کا پیاسا ہوں۔ میرے بارے میں تم ایسی منفی بات کیوں سوچ رہے ہو؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

ڈان اچانک خوفناک آواز میں ہنس پڑا، اس کی ہنسی سے بھی درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ بولا ''تمہارے کام انوکھے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے قدموں میں اپنی تجوری خالی کر دوں۔ تم میری عزت اور ساکھ کے سچے محافظ ہو۔''

''تم نے یہ کہہ کر میرا دل بڑھا دیا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''پرسوں ہی تم مجھے ایک لاکھ بھات کا بڑا انعام دے چکے ہو۔ وہ رقم کافی دنوں تک میرا ساتھ دے گی۔ میری جیب خالی ہوگی تو میں خود تم سے کچھ مانگ لوں گا۔''

''تم عیبوں سے بچے ہوئے ہو اس لیے وہ رقم باقی ہے۔ شراب نہیں پیتے، میرا اندازہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے بھاگتے ہو گے نہ جوا کھیلتے ہو گے۔ میں نے چاؤ فان کے لیے بھی پچاس ہزار دیے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے وہ رقم جوئے میں ہار دی ہوگی یا عورتوں پر لٹا دی ہوگی۔'' ڈان کا لہجہ کسی حد تک تجسس آمیز تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ براہِ راست سوال کیے بغیر میری زبان سے چاؤ فان کی ذاتی مصروفیات کا ذکر سننا چاہ رہا تھا۔

''تم جہاں دیدہ آدمی ہو، اپنے آدمیوں کو خوب پہچانتے ہو۔'' میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔ ''میرا اور اس کا کام کی حد تک ساتھ رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ شہر میں کیا کرتا پھرتا ہے، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''تم بات کرنے کے فن میں بھی یکتا ہو۔'' وہ بے ساختہ بولا ''خود ان جان بن گئے اور میری مردم شناسی کا حوالہ دے کر میرے اندازے کی تائید بھی کر ڈالی۔ چاؤ فان خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔''

مجھے ڈان کی تعریف و توصیف سے کوئی غرض نہیں تھی پھر بھی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ میں ابتدا سے صرف اس امر کے لیے کوشاں تھا کہ ڈان کو میری اصلیت پر کوئی شبہ نہ ہو، وہ مجھے علی احمد سمجھتا رہے اور میں اسے جو کچھ بتاؤں وہ اس پر اعتبار کر لے۔ میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر گزار تھا کہ اس وقت تک میری وہ کوششیں میری توقع سے زیادہ کامیاب تھیں۔

راجن کے زخمی ہو جانے کی ہم دونوں کو خوشی تھی لیکن دلوں میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ اس فتنے کا جلد از جلد خاتمہ ہو۔ امید افزا فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہماری وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

''آپ کو طارق سے بھی رابطہ کرنا چاہیے۔'' کچھ دیر بعد غزالہ نے پُرخیال انداز میں مشورہ دیا۔ ''اس نے آپ کو راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر یہ سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔''

اس کی بات درست تھی۔ بنکاک میں ڈان اور چاؤ فان کے ساتھ میرے مراسم بہت نازک تھے۔ میں نے حیلوں، بہانوں اور فرضی کہانیوں کے سہارے ان کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ مکر و فریب کے سہارے قائم کیا ہوا وہ رشتہ میری کسی بھی غلطی کے نتیجے میں چشم زدن میں ختم ہو سکتا تھا۔ بے یقینی کی اس فضا میں مجھے ہر لمحے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑ رہا تھا۔ اس ماحول میں پہلے اسد میرا حقیقی ہمدرد اور مددگار تھا۔ اس کے ساتھ بہت تیزی کے ساتھ میری ذہنی ہم آہنگی ہوتی چلی گئی تھی۔ جلال کی یقین دہانی کے باوجود مجھے شبہ تھا کہ اسد کو محض روٹین کے طور پر پاکستان نہیں بلایا گیا بلکہ اسے اس بنا پر بنکاک سے واپس بلایا گیا تھا کہ اس نے میری ہدایات کے زیرِ اثر، سوبھراج کی ہلاکت کی اہم ترین خبر اپنے محکمے کے بڑے افسران سے پوشیدہ رکھی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مرحلے پر اسد کی بنکاک سے واپسی اس کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ مجھ تک رسائی کے لیے راجن نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کردی تھی۔ اس کی طرف سے متوقع تعاون نہ ملنے کی صورت میں وہ اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اسد کے چلے جانے کے بعد طارق نے اس کی جگہ لی تھی۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھتے ہی اپنی ہوش مندی اور فرض شناسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو بہت سرعت کے ساتھ وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر پہنچائی اور اسی طرح مجھے بروقت راجن کے مجوسفر ہونے کی اطلاع دی۔ بنکاک کی غیر یقینی اور خون آشام فضا میں وہ میرا اکلوتا سہارا تھا۔ اس کی مناسب حوصلہ افزائی کر کے میں اس سے زیادہ بہتر تعاون حاصل کرسکتا تھا۔

میں نے فون پر رابطہ کر کے تشکر کا اظہار کیا تو مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ تازہ ترین صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھا۔

مجھے راجن کی پوزیشن کی اطلاع دینے کے بعد اس نے میری ہدایت کے مطابق اس کے تعاقب کا سلسلہ موقوف کردیا تھا لیکن مڑ کر گھر کی راہ بھی نہیں لی تھی۔ وہ واپس موتی محل کے علاقے میں جا پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ بندرگاہ کے علاقے میں جو کچھ ہونا ہے وہ بہت سرعت کے ساتھ رونما ہوگا۔ کسی نتیجے کا انتظار کرنے کے لیے اسے اپنی پوری رات برباد نہیں کرنا ہوگی۔

اس نے راجن کو اپنے تین مسلح ساتھیوں کے ہمراہ ساحلی علاقے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان چاروں کے مقابلے میں وہ مجھے تنہا تصور کررہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تصادم کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو، اس کی خبر بہت تیزی سے موتی محل پہنچے گی۔

طارق کی وہ حکمتِ عملی کامیاب رہی۔ وہ موتی محل کے داخلی پھاٹک کے قرب و جوار میں منڈلا رہا تھا کہ رات بارہ بجے کے قریب ایک ٹیکسی بہت برق رفتاری کے ساتھ سڑک پر نمودار ہوئی اور موتی محل کے بند پھاٹک کے سامنے جا رکی۔ ٹیکسی کی رفتار دیکھتے ہی طارق چوکنا ہوگیا۔ پھاٹک کھلوانے کے لیے ٹیکسی ڈرائیور نے لگاتار ہارن شروع کردیا تھا۔ پھاٹک کھلنے کی نوبت آنے سے پہلے طارق نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر راجن کی جھلک دیکھ لی۔

میں اسد کے ساتھ موتی محل میں جانے کے موقع پر یہ مشاہدہ کرچکا تھا کہ راجن نے اپنی کمین گاہ کی حفاظت کے لیے مسلح نفری کے ساتھ جدید آلات کا بھی سہارا لیا ہوا تھا۔ پھاٹک پر مامور محافظ خفیہ کیمروں کی مدد سے ہر لمحے باہر کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ان کلوزڈ سرکٹ کیمروں کی کارکردگی بڑھانے کے لیے رات کے اندھیرے میں بھی پھاٹک کے ستونوں پر ایسی لائٹس روشن رہتی تھیں جن کی تیز روشنی میں پھاٹک پر رکنے والی ہر گاڑی کی تمام تر جزئیات کیمروں کی آنکھوں میں منتقل ہوجاتی تھیں۔

راجن نے موتی محل کے داخلی راستے پر وہ بندوبست دوسروں کے لیے کیا تھا لیکن اس وقت وہ خود ان روشنیوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ وہاں اندھیرے کا راج ہوتا تو طارق کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ٹیکسی میں کون وہاں آیا تھا۔

مانیٹرنگ اسکرین پر کیمروں سے آنے والی تصاویر دیکھتے ہوئے موتی محل کا پھاٹک کھول دیا گیا اور وہ ٹیکسی بہت تیزی سے اندر داخل ہوگئی۔

راجن کو ٹیکسی سے افراتفری کے عالم میں واپس ہوتا ہوا دیکھ کر طارق نے بہت کچھ اندازہ لگالیا لیکن وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکا کہ راجن اپنے تین آدمیوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوکر پسپائی پر مجبور ہوا ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میری طرف سے حملہ ہوتے ہی راجن اپنے آدمیوں کو گاڑی سمیت چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلا ہوگا۔

اسے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ اس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر میں نے سرعت سے کارروائی کر کے راجن کے تین اہم ساتھیوں کو جہنم واصل کردیا تھا۔

میں نے یہ بات اسے پہلے ہی بتادی تھی کہ اسلام آباد میں اس کے بڑے بھی راجن کی فتنے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اپنی حدودِ کار اور بین الاقوامی ذمے داریوں کے پیشِ نظر کوئی عملی کارروائی کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے تھے۔

میں نے طارق کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا اور مجھے اس سے راجن کی واپسی کا احوال بھی معلوم ہوگیا۔ وہ راجن کو لانے والی ٹیکسی کی واپسی تک موتی محل کے باہر منڈلاتا رہا۔ وہ حوصلہ مند اور بے خوف آدمی تھا۔ چند منٹ بعد ٹیکسی راجن کے بوجھ سے آزاد ہوکر باہر نکلی تو طارق نے اشارہ کر کے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور سے راجن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا متمنی تھا لیکن ڈرائیور اسے دیکھتا ہوا سیدھا نکل گیا۔ شاید اسے موتی محل میں توقع سے زیادہ رقم سے نوازا گیا تھا اس لیے وہ فوری طور پر کوئی نیا مسافر اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسد کی طرح طارق بھی ذہین اور محنتی اہل کار تھا۔ اپنے افسروں کی طرف سے ملی ہوئی ہدایات میں مضمر پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کی ان یقین دہانیوں پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا کہ وہ اسی طرح اپنا دامن بچا کر میرے ساتھ تعاون کرتا رہے گا تاکہ میں اپنے اہداف حاصل کرسکوں۔

ٹیلی وژن کے مقامی چینلوں پر انگریزی میں خبریں آنے کا وقت گزر چکا تھا۔ دن میں وقفوں سے شروع ہونے والا وہ سلسلہ آدھی رات کو ختم ہوجاتا تھا لیکن غزالہ ٹیلی وژن سے چپکی رہی۔ دو بجے اس نے مقامی زبان کے ایک پروگرام میں جلی ہوئی گاڑی اور لاشوں کی تصاویر دیکھ کر مجھے متوجہ کیا تو میں نے راجن کی تباہ حال گاڑی کا ڈھانچا پہچان لیا۔

گاڑی میں پڑی ہوئی دونوں لاشیں بھیانک شعلوں کی زد میں آکر کوئلہ بن چکی تھیں۔ تیسری لاش صحیح سالم تھی۔

تھائی زبان میں رواں تبصرہ ہم دونوں کے لیے ناقابلِ فہم تھا لیکن اسکرین پر دکھائی جانے والی تازہ تصاویر اور ان کے ویران پس منظر کی بنا پر یہ بات ہر قسم کے شک وشبہے سے بالاتر تھی کہ پیٹرول کی آگ کے اوپر کی طرف بھڑکتے ہوئے تیز شعلوں اور دھویں کے بادل نے پہلے امدادی اداروں کو اور پھر خبر رسانوں کو اس واقعے کی طرف متوجہ کردیا تھا۔

خبر پھیل گئی تھی مگر ہمیں یہ علم نہیں ہوسکا کہ اس واقعے کے بارے میں شہر میں کیا آراپائی جارہی تھیں اور موتی محل والوں نے کیا موقف اختیار کیا تھا۔

میں نے سوچا کہ چاؤ فان سے اس بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کردیا۔ وہ عیش وعشرت کا دل دادہ تھا۔ آسان اور ناجائز کمائی نے اسے کاہل بھی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے حساب کے مطابق ان دنوں میرے ساتھ بہت زیادہ محنت کررہا تھا۔ مجھ سے جان چھوٹتے ہی وہ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب جاتا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے شرافت سے اپنے گھر لوٹ کر ٹیلی وژن وغیرہ پر نظر رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔

غزالہ نے اندازہ لگالیا کہ وہ مسائل میرے سر پر سوار ہوچکے تھے۔ اس نے لباس تبدیل کرکے سونے کی تیاری کی اور بستر پر دراز ہوکر مجھے دوسری باتوں میں الجھانے کی کوششیں شروع کردیں۔

اگلی صبح غزالہ کو مجھے جھنجوڑ کر جگانا پڑا۔ گہری نیند سے بیدار ہونے پر میری سمجھ میں کچھ نہیں آسکا کہ اس پر کیا افتاد آپڑی تھی۔ اس کی زبان سے ویرا کا نام سنتے ہی میرا نیند کا خمار یک لخت کافور ہوگیا اور اس کی بات بھی میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اپنے ہاتھ میں میرا کراچی والا موبائل فون لیے، میرے سر پر سوار تھی۔

میں نے فون اپنے ہاتھ میں لے کر ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''دس بج رہے ہیں یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟''

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کی طرف گئیں۔ اس کی سوئیاں واقعی دس بجا رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے کہا ''ٹورنٹو میں بیٹھ کر تمہیں یہاں کے وقت کا بالکل صحیح اندازہ ہے!''

''تمہارے حواس ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئے۔ میں بنکاک پہنچ چکی ہوں۔'' ویرا کی آواز میں ہلکا سا طنز عود کر آیا۔ ''ہماری آخری گفتگو کم وبیش اٹھارہ گھنٹے پہلے ہوئی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں یہاں آنے کے لیے تیار ہوں۔ ٹکٹ اور سیٹ کا مسئلہ حل ہوتے ہی ہم چل دے۔ اب میں یہاں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے کمرا نمبر چھ سو گیارہ میں ہوں۔''

اس کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر مجھے ذہنی جھٹکا سا لگا۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سلطان شاہ ٹورنٹو سے بنکاک تک سفر کے لیے اتنی جلد نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اور وہ مغرب کی طرف سے ایک طویل مسافت طے کرکے اتنی تیزی سے بنکاک پہنچ جائیں گے۔

میں نے اس سے فون کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ سفر کا پروگرام طے ہوتے ہی اس نے اول خان کو اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا جس کے نتیجے میں بنکاک پہنچتے ہی اس کے فون کی رومنگ کھل گئی تھی۔

''یہاں آگئی ہو تو اب الگ تھلگ رہو، میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ جب بھی وقت ملا، میں خود تم سے ملنے کے لیے آجاؤں گا۔''

''تم الجھے ہوئے ہو، دن کے دس بجے تک بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ پچھلی رات تم کسی خون ریز محاذ آرائی میں مصروف رہے ہو!'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تمہیں کسی خوں ریز محاذ آرائی کا خیال کیسے آگیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''نئے شہر یا ملک میں پہنچ کر میں وہاں کے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے سب سے پہلے مقامی اخبارات دیکھتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔ آج کے اخبار بنکاک کی ویران ساحلی پٹی کے قریب تین آدمیوں کی پُراسرار ہلاکت کی خبروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں!'' اس نے بتایا۔

وہ بنکاک آ ہی گئی تھی تو اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ بعد میں اسے حقائق کا علم ہوتا تو ہمارے درمیان پائی جانے والی مفاہمت کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے، رات میں وہیں مصروف تھا۔ اس بارے میں فون پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''تم نے ملنے کے لیے وقت نہ نکالا تو میں بار بار فون کر کے تمہیں عاجز کردوں گی۔'' اس نے دھمکی دینے والے مگر شگفتہ انداز میں کہا۔

''مجھے مجبور نہ کرو۔ میں وعدہ کررہا ہوں کہ جلد ملوں گا..... اکبر کہاں ہے؟'' میں نے اسے یقین دہانی کراتے ہوئے اچانک موضوع بدل دیا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ نیویارک میں مجھے اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کررہا تھا۔ اس دوران میں اسے خیال آ گیا کہ مرد کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں رہنا چاہیے، ان دونوں کے درمیان شیطان بہت آسانی سے غالب آجاتا ہے۔ اسی دن سے وہ الگ کمرے میں رہتا ہے۔ کہو تو اسے برابر والے کمرے سے بلادوں۔''

''بلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہوش مند آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے شیطان کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کے کام تم خوش اسلوبی سے پورے کرلیتی ہو۔''

''میں نے اس کی تبلیغ سے متاثر ہونے کی اداکاری شروع کی ہوئی ہے۔ دیکھتی ہوں کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ مجھے افسوس ہوا کہ وہ اس بارے میں سنجیدہ نہیں ہوسکی تھی۔

ویرا کو احساس تھا کہ اس نے مجھے گہری نیند سے جگایا تھا۔ اس نے اپنی عادت کے برعکس گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی، مجھ سے غزالہ کی خیریت معلوم کر کے فون بند کردیا۔

ویرا کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر میرا سارا خمار کافور ہوچکا تھا۔ اس کی زبان سے بنکاک کے مقامی اخبارات کا ذکر سن کر میرا تجسس بیدار ہوگیا۔ فون سے فارغ ہوتے ہی میں نے تپائی کی طرف چھلانگ لگائی اور اخبار کھول کر بیٹھ گیا۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک میں بھی جرائم کی روزانہ شرح بہت بلند ہے لیکن ان جرائم میں قتل وخوں ریزی کے واقعات کم ہوتے ہیں۔ ساحلی علاقے سے دو جلی ہوئی لاشوں کے ساتھ ملنے والی تیسری لاش کی کہانی اخبار کی شہ سرخی میں موجود تھی۔

راجن کی جلی ہوئی گاڑی کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ جائے واردات پر دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہیں تھا جو اس پراسرار حادثے پر روشنی ڈالتا اس لیے امدادی عملے نے آگ پر قابو پانے بلکہ اس کے سرد ہوجانے کے بعد کار کے تپتے ہوئے ڈھانچے کو پانی کی تیز دھاروں سے ٹھنڈا کیا اور وہاں پہنچنے والی پولیس پارٹی نے وہیں سے کار کا رجسٹریشن نمبر وغیرہ اپنے ہیڈ آفس کو دے کر لاسکی رابطے پر یہ معلوم کرلیا کہ جلنے والی گاڑی راجن کی ملکیت تھی۔

وہ سراہاتھ آنے کے بعد پولیس والوں کا کام آسان ہوگیا۔ موتی محل سے فون پر رابطہ کیا گیا تو راجن دستیاب نہیں تھا۔ زخمی حالت میں وہ سامنے آنے کی حماقت کرتا تو شاید اس کے زرخرید افسر اسے پولیس کی باز پرس سے بچالیتے لیکن میڈیا کے بے رحم نمایندوں کے لیے راجن کا زخم ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا۔ راجن نے اس معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خاموشی اور روپوشی اختیار کرلی۔

راجن نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد موتی محل میں واپس پہنچتے ہی اس نے اپنے کارندوں کے ذریعے مقامی تھانے میں یہ رپورٹ درج کرادی کہ اس کے تین آدمی اس کی گاڑی لے کر سرِشام خریداری کے لیے نکلے تھے اور اس وقت تک وہ واپس لوٹے نہ ان کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔

پولیس کی طرف سے جلی ہوئی کار اور تین لاشوں کی دریافت کی خبر ملنے پر راجن کے دو آدمی تیزی سے جائے واردات پر پہنچے اور انہوں نے سب کچھ پہچان کر وہاں موجود عملے کو بتایا کہ وہ وہی گاڑی تھی جسے لے کر تین افراد شام سے غائب تھے۔ دو لاشوں کی شناخت نہیں ہوسکی مگر انہوں نے تیسرے کو اپنے ساتھی کی حیثیت سے پہچان لیا۔ ایک لاش کی شناخت کے بعد غالب امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ کوئلہ بنی ہوئی لاشیں اس کے ساتھیوں کی ہوں گی۔

راجن نے اپنی چالاکی سے اپنے آدمیوں کو ہر قسم کی جواب دہی سے بچالیا۔ گاڑی سمیت تین آدمیوں کی گمشدگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی رپورٹ ان کی تلاش میں ناکامی کے بعد کافی تاخیر سے درج کرائی گئی تھی۔ مگر بہرحال ریکارڈ پر موجود تھی۔

اس واقعے کی تفتیش اور سفاک مجرموں کی نشان دہی کی ساری ذمے داری پولیس والوں کے سر پر آ گئی۔ ان کا ابتدائی اندازہ تھا کہ وہ واردات کسی پرانی دشمنی کا نتیجہ تھی اور ان تینوں کو اس ویرانے میں گھیر کر مارا گیا تھا۔ اس نظریے کی روشنی میں کار کے نذرِ آتش ہونے کو اتفاقی حادثہ تسلیم نہیں کیا گیا۔

ایک سینئر پولیس افسر کا خیال تھا کہ دونوں لاشوں کو کار میں ڈال کر دانستہ آگ لگائی گئی تھی تاکہ ان اموات کو عبرت ناک بنایا جا سکے۔ اس حرکت کے ذریعے نامعلوم دشمنوں نے موتی محل والوں کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی تھی۔ میرے اندازے کے عین مطابق راجن نے اس واقعے سے مکمل لاتعلقی اختیار کر لی تھی جیسے وہ سرے سے وہاں موجود نہ رہا ہو۔ اسی طرح خبروں میں کہیں بھی میرے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔ راجن نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے ان دونوں نکات پر مکارانہ رویہ اپنایا تھا۔

ڈینی کی حیثیت سے میرا ذکر نہ ہونے سے مجھے یہ فائدہ نظر آ رہا تھا کہ اس بارے میں ڈان کے ذہن میں کوئی خلش جنم نہیں لے سکے گی۔ وہ مطمئن رہے گا کہ آخر کار سارا کریڈٹ اسی کو ملے گا اور وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

میں پوری تن دہی کے ساتھ بنکاک میں درپیش حالات کا مقابلہ کر رہا تھا لیکن جلال سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد میرے ذہن میں اپنے مستقبل کے حوالے سے جو بھیانک سوال پیدا ہوا تھا وہ مجھے مسلسل پریشان کر رہا تھا۔

منشیات فروشوں اور ملک دشمنوں کے خلاف اپنی جاں گسل مہم جوئی کے دوران میں یہ سوال بارہا میرے سامنے آتا رہا کہ حکومتوں اور ان کے قائم کیے ہوئے اداروں کے خلاف صف آرا ہو کر ایک فرد کب تک خود کو بچائے رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے مگر میں نے اس سوال کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ میری نظروں میں ملک اور قوم کا مفاد ایسے ہر سوال سے ماورا تھا۔

ماضی میں میری اس بے پروائی کا سبب شاید یہ تھا کہ میں را، سی آئی اے اور ایف بی آئی کے خلاف لڑ رہا تھا۔ جہاں مجھے ایس ٹی ایف اور دوسرے ملکی اداروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ آڑے وقت میں وطن کے وہ بے خوف سپاہی خاموشی سے میری بھرپور مدد کرتے رہتے تھے مگر جلال کے پُرامید ہونے کے باوجود مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ تمام معاملات میرے ہمدردوں کی گرفت سے نکلتے جا رہے تھے۔

میرے دوستوں کی گرفت کمزور ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے یا وہ میری سرگرمیوں سے بددل ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ عالمی حالات اور واقعات کے نتیجے میں امریکا کو بہ تدریج اس قدر اثر و نفوذ حاصل ہو چکا تھا کہ وہ اپنی ہر جائز اور ناجائز بات منوانے کے لیے افراد تو کیا، حکومتوں تک کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی پوزیشن میں آ گیا تھا۔

سی آئی اے اور ایف بی آئی امریکا کے قومی ادارے تھے۔ وہ پاکستان کے دشمنوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے اور ہر آن ان کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے، انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے ساتھیوں کی سازشوں کا کوئی انفرادی یا اجتماعی مقابلہ کیا جائے۔

انہوں نے زبردست مارے اور رونے نہ دے والی پوزیشن اختیار کر لی تھی۔ اپنی دھاندلیوں اور جرائم کی بیخ کنی کو سنگین جرم قرار دینے پر تل گئے تھے۔ حالات کے اس زبردست دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے دوست ہم چاروں کو پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ دینے پر مجبور ہو گئے۔

پاکستان چھوڑتے ہوئے میرا خیال تھا کہ وہ عارضی مشکلات تھیں جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ دور ہو جانا تھا مگر میرے تازہ رابطے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ حالات میں بہتری آنے کے بجائے سنگینی پیدا ہو رہی تھی۔

امریکی میرے گناہوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ویرا انکی نظروں میں اس لیے معتوب تھی کہ اس نے وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے کے بجائے ڈٹ کر میرا ساتھ دیا تھا۔ ہماری خاموشی یا پاکستان سے غیر حاضری کا بھرپور فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے گرد اپنا گھیرا تنگ اور مضبوط کر رہے تھے۔

امید کی کرنیں روز بہ روز موہوم اور پھر معدوم ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ اس شکنجے میں پھنس جانے کے بعد میرا مستقبل کیا ہوتا، اس کا اندازہ کوئی بھی لگا سکتا تھا۔

ویرا کو حالات کے اس بگاڑ کا پورا ادراک نہیں تھا۔ وہ اپنی دھن میں سلطان شاہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ غزالہ بہت حساس طبیعت کی مالک تھی۔ میں اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں دل کھول کر اس سے کوئی بات نہیں کرسکتا تھا۔ حالات کے تناظر میں ابھرنے والی ڈراؤنی صورتِ احوال سے خوف زدہ ہوکر وہ اپنا وہی پرانا مشورہ دہراتی جو پہلے بھی کئی بار دے چکی تھی اور میں نے ہر بار اسے مذاق میں اڑا دیا تھا۔

''آپ اخبار پڑھ رہے ہیں یا سوچوں کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں؟'' غزالہ کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس کا سوال بجا تھا۔ میں کافی دیر سے اخبار کا پہلا صفحہ اپنے سامنے کھولے بیٹھا تھا مگر میرا ذہن اور میری نگاہیں اپنے مستقبل کے ویرانوں میں بھٹک رہی تھیں۔

میں خفت آمیز انداز میں ہنس دیا اور بولا ''میرے خیالات کی رو موتی محل کی طرف بھٹک گئی تھی۔ اس وقت وہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہوگی۔''

''انہیں سوگ کے بجائے جشن منانا چاہیے کہ راجن آپ کی چلائی ہوئی گولی سے بچ کر زندہ واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگیا۔'' غزالہ ہنس کر بولی۔

''وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد یہ دوسرا بڑا دھچکا ہے۔ تین آدمیوں کا زیاں معمولی نہیں ہوتا۔ اخباروں میں کچھ بھی آتا رہے، موتی محل میں کام کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ راجن ان تینوں کو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہ مارے گئے، راجن زخمی ہوکر لوٹا۔''

''اس واقعے میں راجن کے دوسرے ساتھیوں کو اپنا انجام نظر آرہا ہوگا۔''

''موت سے زیادہ موت کی دہشت خوف ناک ہوتی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کتنے آدمی راجن کا ساتھ چھوڑتے ہیں!''

وہ دن دھیرے دھیرے گزرتا رہا میں نے ویرا کو ٹالنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ میں بہت الجھا ہوا اور مصروف تھا اس لیے فوری طور پر اس سے نہیں مل سکوں گا۔ میں نے اس دوران میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ میرے سامنے کوئی فوری مصروفیت نہیں تھی۔ وقت گزارنے کے لیے ویرا اور سلطان شاہ سے ملاقات کی جاسکتی تھی۔

غزالہ کو میرے ارادے کا علم ہوا تو وہ بھی میرے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی۔ اسے ویرا سے زیادہ سلطان شاہ کی فکر تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ چند دنوں کی بھرپور رفاقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے یا ویرا بے رحمانہ انداز میں سلطان شاہ کے جذبات سے کھیل کر اسے مذہبی مباحث میں الجھا رہی ہے۔

میری خواہش تھی کہ غزالہ اس ملاقات میں شریک نہ ہو ہم چاروں کا یک جا ہونا حفاظتی نکتۂ نظر سے مناسب نہیں تھا۔

ہمارے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ میرے مقامی موبائل فون پر ڈان کی کال آگئی۔

''تم نے چھوٹا راجن کی جڑیں ہلا دی ہیں۔'' ڈان نے میری آواز سنتے ہی بلا کسی تمہید کے اپنی بات شروع کردی۔ ''مقامیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، موتی محل میں گنے چنے آدمی رہ گئے ہیں جن میں اکثریت چھوٹا راجن کے بھارتی محافظوں کی ہے۔''

''یہ سب تمہارے دعاؤں کا کرشمہ ہے۔'' میں نے ڈان کی ذہنیت کے پیشِ نظر وہ کریڈٹ اسی کے سر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم نے میرے سر پر اپنا دستِ شفقت نہ رکھا ہوتا تو میں کسی ہوم ورک کے بغیر اس سے ٹکرا کر فنا ہوچکا ہوتا۔''

''اب معاملہ کچھ گڑبڑ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔'' ڈان نے اپنی تعریف سننے کے بعد قدرے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ ''آج شام کی دو الگ الگ پروازوں سے ممبئی کی زیرِ زمین دنیا کے دو بڑے نام یہاں پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک دہلی کا نخشب ہے، دوسرا ابو سالم ہے جو دبئی سے یہاں آیا ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا۔''

وہ دونوں نام میرے لیے نئے نہیں تھے۔ دہلی میں را کے ریکارڈ سے گرین کو برا نامی اہم ترین فائل اڑانے کے مشن کے دوران میں، میں نخشب سے صرف فون پر بات کرکے اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگا چکا تھا۔ دہلی میں اس کی دھاک اس ڈان کی وجہ سے تھی جس کی وہ نمائندگی کرتا تھا اور شاید وہ اپنے اسی ڈان کے ایما پر دہلی سے بنکاک پہنچا تھا۔ ابو سالم خود ایک اہم آدمی تھا جس نے بھارت کے سارے خفیہ اداروں کو ننگی کا ناچ نچایا ہوا تھا۔ وہ خود دبئی میں رہتا تھا لیکن ممبئی میں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

اگر وہ دونوں نامی گرامی بدمعاش واقعی بنکاک پہنچ گئے تھے تو دال میں ضرور کچھ کالا تھا۔

''وہ کہاں ٹھہرے ہیں؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت ڈان سے سوال کیا۔

''وہ دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں مقیم ہیں۔ نخشب سیام انٹر کانٹی نینٹل میں ہے، ابو سالم کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہے۔'' ڈان نے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیام انٹر کانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ ویرا اور سلطان شاہ اسی ہوٹل میں مقیم تھے اور میں غزالہ کے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے وہاں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ ''تم ان دونوں کی آمد سے کیا خطرہ محسوس کر رہے ہو؟'' میں نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے، پرسکون انداز میں ڈان سے اگلا سوال کیا۔

''کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہو رہی کہ کل رات تم نے چھوٹا راجن کو زخمی کیا اور آج نامور بھارتی... بدمعاش یہاں پہنچنا شروع ہو گئے؟'' ڈان نے الٹا مجھ ہی سے سوال کر ڈالا۔

''اگر وہ ایر پورٹ سے موتی محل گئے ہوتے تو میں ضرور فکر مند ہو جاتا۔ ہمیں ان کی طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں البتہ ان کی سرگرمیوں کی نگرانی ضروری ہے۔'' میں نے پوری ایمان داری سے اپنی رائے ڈان کے گوش گزار کر دی۔

''نگرانی ہو رہی ہے، دونوں ہوٹلوں کے ٹیلی فون آپریٹر خرید لیے گئے ہیں لیکن ان سے مدد ملنے کی امید کم ہے۔ یہ لوگ اہم گفتگو کے لیے ہوٹل کی فون لائن ہرگز استعمال نہیں کریں گے۔ موبائل فون کی نابکار ایجاد نے ایسے لوگوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔''

میں نے ڈان کے الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس وقت ہم دونوں کے درمیان اسی نابکار ایجاد کے ذریعے گفتگو ہو رہی تھی۔

''میں بھی انہیں دیکھتا ہوں۔'' میں نے ویرا سے اپنی ملاقات کے امکان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ دونوں راجن کی دعوت پر یہاں آئے ہیں تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ صبح ہونے سے پہلے ہلی تھیلے سے باہر آ جائے گی۔''

ڈان برنارڈ دلیر اور بے خوف آدمی تھا مگر نخشب اور... ابوسالم کی اچانک آمد نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

اس کے گرد ایسے لوگ جمع تھے جو اس کے مال پر موج اڑا رہے تھے یا اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی تھے۔ ان میں کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ڈان کی رائے سے اختلاف کر کے اسے دلا سا دے سکے۔

میں کچھ دیر ڈان سے اس کے خدشات کے جھول کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ جب ہماری بات چیت کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈان کی تشویش بڑی حد تک رفع ہو چکی تھی۔

میں نے اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے ڈان کی پریشانی عارضی طور پر دور کر دی تھی مگر مجھے اس خبر سے خلجان سا ہو رہا تھا کہ نخشب نے اپنے قیام کے لیے ویرا والے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ نخشب کے وہاں آ جانے کے بعد غزالہ کو میں اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے غزالہ کو اس نئی مجبوری سے آگاہ کیا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ اس نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

میں چاہتا تو فون کر کے ان دونوں کو سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل سے ملحق سیام اسکوائر کے سبزہ زار میں ملاقات کے لیے بلا سکتا تھا لیکن شہر کے کسی کھلے مقام پر ہمارا اس طرح یک جا ہونا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں ملاقات کر کے انہیں شہر کے حساس حالات سے آگاہ کر دیا جائے۔

مجھے خوشی تھی کہ ڈان کا فون بروقت آ گیا اور مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ نخشب کے قیام کی وجہ سے ڈان کے آدمی سیام انٹرنیشنل ہوٹل کی نگرانی کر رہے تھے۔

میرے لیے ڈان یا چاؤ فان کے آدمیوں کے چہرے یاد رکھنا مشکل تھا۔ مجھے بیشتر مقامی باشندے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ میں نے پے در پے کئی معرکوں میں متعدد آدمیوں کے ساتھ کام کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ حاصل کردہ نتائج کی اہمیت کی وجہ سے میرے خدوخال ان سب کے ذہنوں پر نقش ہو کر رہ گئے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے دوبارہ دیکھتا تو مجھے دور سے پہچان سکتا تھا۔

میں بے خبری کے عالم میں غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر جوں ہی اس ہوٹل میں قدم رکھتا، یہ سنسنی خیز خبر ڈان تک پہنچ جاتی اور اس کے ذہن میں میری طرف سے ہزار بدگمانیاں پیدا ہو جاتیں جنہیں دور کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آ جاتا۔

وہاں کی صورت احوال جان لینے کے بعد میں بے فکری سے اکیلا سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں جا سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ہوٹل میں گھسنے کے بعد میں کہاں جاتا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں ڈان کو یہ کہہ کر پوری طرح مطمئن کر سکتا تھا کہ میں نخشب کے عزائم کا اندازہ لگانے کے لیے ادھر گیا لیکن اپنی سر توڑ کوششوں کے باوجود کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ بات وہیں ختم ہو جاتی۔

غزالہ کو پُرجوش انداز میں الوداع کہہ کر میں بلا تاخیر ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ دونوں میری مرضی کے خلاف بنکاک آ گئے تھے تو میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

بنکاک میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مجھے اپنے ہوٹل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے قرب و جوار کے راستوں کی خاصی شد بد ہو گئی تھی۔ سیام اسکوائر کا خوب صورت پارک میرا دیکھا بھالا تھا۔ ہلٹن ہوٹل سے اس کی پیدل مسافت زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس پارک کے ایک سرے پر سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل واقع تھا۔

میں نے اپنے ہوٹل سے باہر نکل کر سگریٹ سلگائی اور پیدل اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

چند منٹوں کی مست خرامی کے بعد میں ویرا کے ہوٹل کے سامنے تھا۔ وہاں لوگوں کی زبردست چہل پہل تھی۔ وہ شہر کا بارونق تفریحی علاقہ تھا۔ مجھے کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی نہ کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا جس پر ڈان کا آدمی ہونے کا گمان ہوتا۔

میں ہوٹل میں داخل ہوا تو وہاں بھانت بھانت کے مختصر کپڑوں میں ملبوس سفید فام خواتین اور لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد ہنسنے بولنے میں مصروف تھی کہ وہاں کسی فیشن پریڈ کے انعقاد کا گمان ہو رہا تھا۔

وہ چاؤ فان کی دلچسپی کے رنگین مناظر تھے۔ میرے لیے ان دعوت انگیز نظاروں میں کوئی خاص کشش نہیں تھی۔ لباس کے فاقے میں مبتلا جسموں کو ہر رنگ اور نسل کے مرد بہت رغبت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ میں بے پروا خواتین اور ندیدے مردوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا سیدھا ٹیلی فون کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

بغیر ڈائل والے ایک فون کا ریسیور اٹھا کر میں نے آپریٹر کو ویرا کے کمرے کا نمبر بتایا اور اسی لمحے مجھے لائن مل گئی۔ ویرا کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اپنی مصروفیات اور الجھنوں کے باوجود ان دونوں سے ملنے کے لیے ہوٹل کی لابی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ میرے استقبال کے لیے نیچے آنے پر آمادہ تھی مگر میں نے اسے روک دیا اور فون بند کر کے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

چھٹی منزل کی راہ داری میں بچھے ہوئے دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے میری نگاہیں.... بے چینی سے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے بند دروازوں کا طواف کر رہی تھیں ہوٹل کی مختلف رہائشی منزلوں میں سے کسی ایک کے کمرے میں مخشب بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ بند دروازوں پر نگاہ ڈال کر اس کے کمرے کا سراغ لگانا... ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میں اپنی اس غیر ارادی حرکت پر قابو نہیں رکھ سکا۔

میں نے کمرا نمبر چھ سو گیارہ کے بند دروازے پر رک کر دستک دینے کے ارادے سے اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور ویرا کا مسرت سے تمتمایا ہوا خوب صورت چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

اس نے بے تکلفی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر کھینچتے ہوئے کہا ''میرا وجدان کام کر رہا ہے۔ مجھے علم ہو گیا تھا کہ تم دروازے پر آ گئے ہو۔''

''اب یہ نہ کہہ دینا کہ تم کو اسی طرح ہر واقعے کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا۔ ''ہر شخص کے بدن سے ایک مخصوص بو پھوٹتی ہے جسے لوگ عام طور پر محسوس نہیں کرتے۔ یہ تمہاری ناک کا کمال ہے کہ اس نے میرے وجود کی مہک پہچان لی۔''

''اپنی یہ منطق اپنے پاس رکھو، میں نے آج تک تمہیں سونگھنے کی کوشش نہیں کی۔'' اس نے مجھے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔

اچانک اندر سے سلطان شاہ اچھل کر نمودار ہوا اور ویرا کو ایک طرف دھکیل کر پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم پھر یک جا ہو رہے ہیں۔'' وہ وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔''

''بے چارہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم تصور کرنے لگا تھا۔'' ویرا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں فقرہ لگایا۔ ''اب اسے اپنی آغوشِ پدری سے الگ نہ ہونے دینا۔''

''مجھے چھوڑو اور اپنا حال بتاؤ۔ تم اتنی حسرت سے ان دونوں کا ذکر کیا کرتی تھیں جیسے تمہیں ان سے ہمیشہ کے لیے الگ کر کے عالمِ بالا میں بھیج دیا گیا ہو۔'' سلطان شاہ تنک کر بولا اور آہستگی سے مجھ سے الگ ہو گیا۔

''میں حیران ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے نامحرم ہوتے ہوئے بھی اس ایک کمرے میں مقیم ہو!'' میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جب سے یہ جعلی ملا بنا ہے، ایسی ہی نت نئی باتیں نکالتا رہتا ہے۔ اس کی منطق کی وجہ سے ہم مسلسل دو کمروں کا کرایہ ادا کرتے آ رہے ہیں۔'' ویرا چیخ کر بولی۔ ''میں نے تمہاری آمد کی وجہ سے اسے اس کے کمرے سے بلایا ہے.....''

''میں تم دونوں کا مذاکرہ سننے کے لیے نہیں آیا۔'' میں نے ویرا کی قطع کلامی کر کے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھے دیکھتے ہی تم دونوں یوں پھیلنا شروع کر دو گے۔ میرا خیال تھا کہ ساتھ رہ کر تم ایک دوسرے کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برداشت کرنے کے عادی ہوگئے ہوگے۔ لیکن تمہارے حالات مایوس کن نظر آرہے ہیں۔ یہاں تم دونوں محتاط اور سنجیدہ نہ رہے تو مشکلات سے دوچار ہوجاؤ گے۔''

''تم آرام سے بیٹھو.....!'' ویرا نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔ ''تمہیں سامنے پاکر اتنے دنوں سے دبی ہوئی چنگاریاں اچانک بھڑک اٹھیں اور دل کا کچھ غبار نکل گیا ورنہ اب تک ہم دونوں پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت گزارہ کرتے رہے ہیں۔ تم کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہاں کے حالات نازک موڑ پر آگئے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر میں نے اپنی بات چھیڑ دی۔ ''تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں۔ وہ تینوں میرا نشانہ بنے تھے۔ ان کے گروگھنٹال کا نام راجن ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ رات کو بچ کر نکل گیا۔ اس سے میری زبردست ٹھنی ہوئی ہے.....''

''لیکن اخبارات میں راجن کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا!'' ویرا نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''کیا وہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟ میں نے کراچی میں اس کا ذکر سنا تھا۔''

''تم بھول رہی ہو۔ موتی محل کے مالک کا ذکر آیا ہے۔ راجن موتی محل کا مالک ہے اور مرنے والے تینوں آدمی اس کے ملازم تھے، گاڑی بھی اسی کی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ ممبئی کا ایک مشہور بدمعاش ہے۔ وہاں اپنی دھاک بٹھانے کے بعد اس نے یہاں اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ وہ سوبھراج کی طرح ''را'' اور ''سی آئی اے'' کے لیے کام کررہا ہے۔''

''اب سب کچھ یاد آگیا۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا ''بنکاک میں وہ سوبھراج کا سب سے مضبوط حمایتی اور مددگار سمجھا جارہا تھا۔''

''یہ اسی کا ذکر ہے۔ سوبھراج کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اب میں اس پر کام کررہا ہوں۔''

''تم نے سوبھراج کو ٹھکانے لگا دیا۔ راجن سے لڑ رہے ہو اور مجھے ان باتوں کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ الگ ہوتے ہی تم ہمیں اس بری طرح نظر انداز کروگے۔'' ویرا نے یکایک شکایات کا پٹارا کھول لیا۔

''تم اپنے پیر کی موچ اور دوسرے مسائل میں الجھی ہوئی تھیں۔'' میں نے سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چٹکی لی۔ ''وقت میں آدھے دن کا فرق تھا۔ ہم بیدار ہوتے تھے اور تمہارا سونے کا وقت شروع ہوجاتا تھا۔ تمہارے فون کے مسائل تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تم نیویارک میں رہ کر یہاں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھیں۔''

''سب کچھ درست ہے لیکن تمہاری کامیابی کی خبروں سے ہمیں خوشی ہوتی۔ تمہارے لیے ہم بہت فکرمند رہتے تھے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''اب یہ باتیں بے سود ہیں۔ وہ وقت کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تم نے سوبھراج جیسے موذی کو کیسے زیر کیا۔ جلال سے کئی مرتبہ رابطہ ہوا لیکن اس نے بھی سوبھراج کے بارے میں مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔'' ویرا نے کہا۔

''تم دونوں یہاں آگئے ہو تو تمہارا ہر نشیب و فراز سے واقف ہونا ضروری ہے۔'' میں نے ویرا سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے بغیر تمہارا محفوظ رہنا دشوار ہوگا، کسی وقت تم میرے لیے بھی مشکلات پیدا کردو گے۔''

وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات کا خلاصہ سنانا شروع کردیا۔

کم و بیش دو ہفتوں تک الگ رہ کر ویرا کے مزاج میں اتنا ٹھہراؤ آگیا تھا کہ اس نے درمیان میں ایک بار بھی دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اسد کی معرفت ڈان برنارڈ سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر نخشب اور... ابوسالم کی آمد کی تازہ ترین اطلاع تک، سب کچھ انہیں بتا دیا۔

''تم نے آتے ہی یہاں ہلچل مچا دی ہے۔'' میری روداد سن کر ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں ان بھارتیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ را کے افسر ہوں یا ممبئی کے بدمعاش، ان کا رویہ ایک ہوتا ہے۔ بنکاک اس خطے کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ راجن کے ذریعے انہوں نے یہاں قبضہ کیا ہوا ہے۔ تم ان کے لیے خطرہ بن گئے ہو تو اب وہ سب سر جوڑ کر تمہارے خلاف محاذ بنائیں گے۔ ابھی دو بھارتی بدمعاش آئے ہیں، اگر تمہارے خلاف کچھ ہو رہا ہے تو تم میری بات لکھ لو کہ صبح شام میں اور بھی آئیں گے تاکہ راجن کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی کوئی حکمتِ عملی وضع کرسکیں۔''

ویرا نے دور کی بات سوچی تھی۔ اس سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے پُرخیال انداز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبان کھولی۔ ''ابھی صرف نخشب یہاں ٹھہرا ہے یہ یہاں کا مقبول ترین ہوٹل ہے ہوسکتا ہے کہ دوسرے بھارتی بھی یہیں قیام کرنا پسند کریں۔ ایسا ہوا تو یہ ہوٹل را اور سی آئی اے والوں کا گڑھ بھی بن جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم ہوٹل تبدیل کرلو۔ اس نازک مرحلے پر تم کسی کی نظروں میں آگئیں تو ہم سب پریشانیوں سے دوچار ہوجائیں گے۔''

''اس بارے میں تم کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہو تو میں رہائش کے لیے بہترین ٹھکانوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ ابھی تم مجھے کمرے میں دیکھ رہے ہو، باہر دیکھو گے تو شاید پہلی نظر میں مجھے پہچان ہی نہیں سکو۔ اپنے تحفظ کے بارے میں، میں خود ضرورت سے زیادہ محتاط ہوگئی ہوں، ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہاں ٹھہرنے والے نخشب کا جغرافیہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔''

''وہ تمہارا محسن اور بھارت کے سب سے بڑے ڈان کا نمائندہ ہے۔ دہلی میں جب ایک رنگین مزاج پولیس افسر تمہاری عزت کے درپے تھا تو میں نے نخشب سے رابطہ کیا تھا۔ اس کے ایک فون پر اس افسر کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ تمہیں اسی وقت رہا کرنے پر مجبور ہوگیا۔'' میں نے بتایا۔

''یاد آگیا!'' وہ ہنستے ہوئے بولی ''بعد میں وہ افسر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب ابو سالم کے بارے میں تمہاری باتوں کا تضاد وضاحت طلب ہے۔ بھارتی ایجنسیاں اس کی دشمن ہیں جب کہ راجن را کا آدمی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ابو سالم را کے ایک ایجنٹ کی مدد پر آمادہ ہوگیا۔''

''راجن بہ ظاہر بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے۔ را سے اس کا تعلق اندر کی کہانی ہے۔ ابو سالم اس کہانی سے بے خبر ہوگا۔ وہ اپنی دانست میں یہاں اپنی برادری کے ایک اہم فرد کی مدد کرنے کے لیے آیا ہے۔'' میں نے وضاحت پیش کی۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتی ہوں۔'' اس نے نیم دلی سے کہا۔ ''میرا تجربہ ہے کہ پولیس اور ایجنسیوں کے مقابلے میں بڑے مجرم زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ اگر ابو سالم بے خبری میں راجن کے عزائم کا آلۂ کار بن رہا ہے تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''بہ ظاہر یہی نظر آرہا ہے۔ اصل صورتِ حال جلد ہی واضح ہوجائے گی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابو سالم تفریحی دوروں پر اتفاقاً ایک ہی وقت میں بنکاک آگئے ہوں اور راجن کے چکروں سے ان دونوں کا کوئی تعلق نہ ہو۔''

''پھر تم ان کے بارے میں فکر مند کیوں ہو؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ تشویش ڈان کی ہے۔ ہم اسے نظر انداز نہیں کرسکتے۔ ہمیں ہر صورت میں محتاط رہنا ہوگا۔''

''ایسے لوگ اجنبی ٹھکانوں پر زیادہ دیر تک نہیں ٹکتے۔'' وہ بولی ''انہیں اپنے خوشامدیوں کے نرغے میں رہ کر جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ دوسری جگہوں پر عنقا ہوتی ہے۔ ایک دو دنوں میں سب کچھ واضح ہوکر سامنے آجائے گا۔''

''اس مہم میں سوبھراج کے انجام کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے پھریریاں آرہی ہیں۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے لب کشائی کی۔ ''وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔ اس کی عبرت ناک موت ایسی ہی بے نام ونشان ہوگی ہے۔''

''انسان زندگی بھر اپنی ساری تدبیریں کرتا رہتا ہے مگر قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا ''میں نے دیکھا ہے کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔''

''میں یہی تو کہتا ہوں کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم لامذہب اور بے دین بنی ہوئی ہو۔'' سلطان شاہ نے اس موقع سے بلاتوقف فائدہ اٹھالیا۔

''کون کہتا ہے میں بے دین ہوں۔ میں نے اپنی کیتھولک ماں کی گود میں آنکھ کھولی اور میں آج بھی کیتھولک چرچ کا احترام کرتی ہوں۔'' ویرا نے تیزی سے کہا۔

''احترام سے کچھ نہیں بنتا۔ تمہارا عمل ہر مذہب سے بہت دور ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم نے دیکھ لیا!'' ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی۔ ''آج کل اس پر کثرت سے ایسے دورے پڑنے لگے ہیں۔''

''میں تم دونوں کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں یہاں کے حالات سے آگاہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا تاکہ تم سے بے خبری میں کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ان کی بحث میں فریق بننے سے انکار کردیا۔

''تم ادھر آئے تھے تو غزالہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے آئے..... اس کا کیا حال ہے؟'' ویرا کو اچانک غزالہ کا خیال آگیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ مزے میں ہے۔ میرے ساتھ آرہی تھی لیکن اسی وقت نخشب کی یہاں موجودگی کی خبر ملی اور میں نے اسے اپنے ساتھ لانے کا ارادہ ترک کر دیا۔'' میں نے اسے بتایا۔

میری وہاں آمد کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد اٹھنا چاہا لیکن ان دونوں نے مجھے زبردستی روک لیا۔ وہ کوئی تواضع کیے بغیر مجھے رخصت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ میں نے وقت بچانے کے لیے کافی پینے کی خواہش ظاہر کی۔ کافی آئی اور پی لی گئی۔ اس دوران میں ہم تینوں گزرے ہوئے اہم واقعات اور تازہ ترین حالات پر مختلف پہلوؤں سے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ جب میں آخر کار ان کے کمرے سے رخصت ہوا تو کئی نئی باتیں میرے ذہن میں سما چکی تھیں۔

ویرا نے مجھ سے کراچی کے حالات کے بارے میں جاننا چاہا تو میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتا دیا کہ ہمارے نکل آنے کے بعد وہاں کی صورتِ حال مزید پیچیدہ ہو گئی تھی۔ مستقبل قریب میں ہماری واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

حالات کی وہ تصویر ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مایوس کن تھی۔ مجھے ان کے چہروں پر فکر و تشویش کی لکیریں صاف نظر آرہی تھیں لیکن ان میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ ہم سب کے اختیار سے باہر تھا۔ ہماری کوئی تجویز یا تدبیر حالات میں کوئی سدھار پیدا نہیں کر سکتی تھی۔

ان دونوں کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس پریشان کن صورتِ حال کے بارے میں ان کے اپنے اپنے تحفظات تھے جن کے بارے میں وہ اس وقت مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے بھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

سیام انٹر کانٹی نینٹل سے اپنے ہوٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے میں ذہنی طور پر بہت الجھا ہوا تھا۔ میں اپنی مرضی سے بارہا لمبے عرصے کے لیے پاکستان سے باہر رہا تھا اور مجھے کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں رہی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ میری واپسی کا راستہ ہر وقت کھلا ہوا ہوتا تھا۔ اس بار جلال اور اول خان کے مشترکہ مشوروں پر مجھے بنکاک آئے ہوئے چند ہی ہفتے ہوئے تھے اور فکر و تشویش نے میرے ذہن میں ڈیرے ڈالنے شروع کر دیے تھے۔

سبب صرف ایک تھا کہ میں اپنی مرضی سے واپسی کی راہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ ہماری ٹولی میں سب سے زیادہ نازک معاملہ ویرا کا تھا۔ اس نے پاکستان کی خاطر اپنی تمام کشتیاں جلا دیں' اپنے وطن پر لعنت بھیجی اور اپنے ہم وطنوں کی بدترین دشمنی مول لی۔ یہ سب اس نے صرف اس امید پر کیا کہ اسے پاکستان میں مکمل آزادی کے ساتھ رہنے اور بسنے کا یقین تھا۔ اگر اس کے وہ سپنے کسی مرحلے پر سراب ثابت ہوتے تو اس کا مستقبل کیا ہوتا۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے میں اپنی ذات سے شرم سار ہو رہا تھا۔

مجھے ویرا کی کہی ہوئی باتوں کا خیال آیا۔ شاید اس کی چھٹی حس کام کر رہی تھی اور وقت اس کی زبان سے زندگی کی تلخ حقیقتیں کہلوا رہا تھا۔

سوبھراج کے عبرت ناک انجام پر اس نے کہا تھا کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ شاید وہ ہم سب کے ماضی کے گناہوں کا خمیازہ تھا جو وسوسوں کی صورت میں ہمیں اپنے سامنے نظر آرہا تھا۔ ہم نے حب الوطنی کے لازوال جذبے سے سرشار ہو کر بہت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیے، غداروں اور سازشیوں کا ان کی قبروں تک پیچھا کیا لیکن اس سے پہلے ہمارے دامن داغ داغ تھے۔ وہ بات میرے ذہن میں آئی تھی مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کسی آڑے وقت میں ویرا کو اس کا بتایا ہوا وہ کلیہ یاد دلانے کی کوشش کرتا۔ ویرا نے اس بات کے تسلسل میں خود انسانی فطرت کی ایک اور بڑی کمزوری بیان کر دی تھی کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال میں ویرا کو ہرگز یہ یاد نہیں آسکتا تھا کہ لڑکپن سے جوانی تک وہ شی کی بلیک کوئن بن کر کیا کچھ کرتی رہی تھی۔

اس ادھیڑ بن میں، میں اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔ مجھے لاشعوری طور پر ڈان کی کال کا انتظار تھا اگر سیام انٹر کانٹی نینٹل کی نگرانی پر مامور، اس کے کسی آدمی نے مجھے پہچان کر ڈان کو میری وہاں موجودگی کی خبر دی ہوتی تو ڈان مجھ سے یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ میرے اس دورے کے نتائج کیا رہے۔

رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی چلی گئی لیکن ڈان کا فون نہیں آیا۔ ہم دونوں اپنے معمول کے مطابق کمرے میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہے تھے۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔

میں نے فون کی روشن اسکرین پر نظر ڈالی تو میری رگ و پے میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ فون کی اسکرین پر نظر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے والا نمبر راجن کا تھا۔

میں نے فون کان سے لگا کر ہیلو کہا تو راجن کی سپاٹ اور چبھتی ہوئی آواز میرے کان میں گونجی۔ ''اکبر! تم کہاں ہو؟''

''استاد، میں یہیں بنکاک میں ہوں۔'' میں نے اکبر والا انداز اور لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے مؤدب آواز میں کہا۔

''کئی دن گزر چکے ہیں۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟'' اس کی آواز گمبھیر ہوگئی۔

''تم کس بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں جانتے بوجھتے ہوئے انجان بن گیا۔

''تمہارا حافظہ کمزور ہے'' اس کی آواز میں ہلکی سی درشتی آگئی۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''استاد، میں نے تمہیں اپنے خوف کے بارے میں بتا دیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میرے بعض جوڑوں میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ میں تمہارے آدمیوں کی مار کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔''

''اس کا مطلب ہے، تمہیں میری زبان اور وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں۔''

''مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔''

''میں صبح دس بجے تم سے اپنے محل میں ملنا چاہتا ہوں!'' اس کی آواز فیصلہ کن اور تکبر آمیز ہوگئی۔

''استاد، مجھے کام بتا دو، میں کر دوں گا۔ مجھے اپنے پاس نہ بلاؤ۔ ابھی سے میری روح فنا ہو رہی ہے۔'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اکبر کے روپ میں، میں اس سے دشمنی مول لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ عاجزی سے اسے ٹال دوں۔

''تم گدھے ہو'' یکا یک اس کی آواز نرم پڑ گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت تک میں اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ میں اس کی تلخ کلامی سے خوف زدہ ہو کر اچٹ جاتا تو وہ ایک اہم کارندے کے تعاون سے محروم ہو سکتا تھا۔ اس کے لہجے میں تبدیلی اس امر کی غماز تھی کہ وہ وقت پڑنے پر گدھے کو اپنا باپ بنانے کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے میری ناز برداری پر آمادہ تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ ''تم یقین رکھو کہ میری ذات سے تمہیں بال برابر بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صبح تمہارا آنا بہت ضروری ہے۔ نہ آئے تو مجھے اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ یقینی طور پر ابو سالم اور نخشب کی بات کر رہا تھا۔ وہی اس کے مہمان ہو سکتے تھے۔ اگر راجن مجھے ان سے ملوانا چاہ رہا تھا تو وہ میرے لیے ان کے عزائم کو جاننے کا بہترین موقع ہو سکتا تھا۔ میں نے ہر خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔

''استاد، تم نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ اگر یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے تو مجھے کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے مہمانوں کو مجھ جیسے غریب مزدور کی ذات میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ وہ سب تمہاری طرح امیر کبیر اور بڑے آدمی ہوں گے.....!''

''وہ اتنے بڑے ہیں کہ تم ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ صبح آجاؤ، تمہارے بیس ہزار بھات پکے ہیں۔'' اس نے مجھے چار اڈا لتے ہوئے کہا۔

''تم وعدہ کر رہے ہو کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا!'' میں نے اس سے ضمانت طلب کی۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس نے اپنے دل ہی دل میں مجھے کوئی ثقیل سی گالی دی ہوگی مگر وہ بولا تو اس کی آواز بہت نرم تھی۔ ''میں شروع سے یہ وعدہ کرتا چلا آ رہا ہوں، اب تمہیں میرے وعدے پر اعتبار کر لینا چاہیے۔ میری بات مانو گے تو زندگی بھر کے لیے محنت مزدوری سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ تم نے ڈینی کا سراغ لگا لیا تو اتنا مال ملے گا کہ تمہاری اولادیں تک عیش کریں گی۔''

''مجھے مال و دولت سے زیادہ تمہاری عزت پیاری ہے۔'' میں نے حریصانہ انداز میں ہتھیار ڈال دیے۔ ''میں دس بجے موتی محل کے دروازے پر پہنچ جاؤں گا۔''

''ویری گڈ!'' میری آمادگی پر وہ کھل اٹھا ''تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ میں نے تمہیں اسد کے ساتھ ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم میرے کام کے آدمی ہو۔ اب صبح آ ہی جانا، ایسا نہ ہو کہ رات بھر میں تمہارا ارادہ کسی نئے خوف سے ڈانواڈول ہو جائے۔ چاہو تو مجھے اپنا پتا بتا دو، میرا ڈرائیور شان دار بیوک لے کر صبح تمہارے دروازے پر پہنچ جائے گا۔''

وہ مکاری سے کام لے کر میرا ٹھکانا معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں میں نے انتہائی مرعوب ہو جانے والے خوشامدانہ لہجے میں جلدی سے کہا۔ ''استاد! تم بے فکر رہو۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں کسی کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں بسوں میں دھکے کھانے والا آدمی ہوں مال ملنے سے پہلے اپنی عادتیں نہیں بگاڑنا چاہتا۔''

''بس' اب صبح ملاقات ہوگی۔'' اپنا وار خالی جانے پر راجن نے بات وہیں ختم کردی۔

''آپ موتی محل کیوں جارہے ہیں؟'' غزالہ نے وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آنکھیں کسی ان جانے خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''وہاں اس کے مہمان جمع ہوں گے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں!'' میں نے اسے بتایا۔

''کیوں..... آخر وہ آپ سے کیوں ملنا چاہیں گے؟''

''بات میری سمجھ سے باہر ہے، صبح ان سے مل کر ہی پتا چلے گا کہ یہ کیا چکر ہے۔''

''مہمانوں کو کیا معلوم کہ بنکاک میں اکبر نامی کوئی آدمی راجن کے رابطے میں ہے۔ یہ سامنے کی بات ہے۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ راجن کا کوئی چکر ہے۔ وہ ہر قیمت پر آپ کو پھانسنا چاہتا ہے۔ آپ ایک بار وہاں چلے گئے تو اس کے آدمی سایوں کی طرح آپ کے پیچھے لگ جائیں گے۔ آپ کا کوئی راز ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔''

''اگر وہ مجھے اپنے مہمانوں سے ملوانے کا ارادہ ظاہر نہ کرتا تو میں ہرگز موتی محل جانے پر آمادہ نہ ہوتا۔'' اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

''یہ اس کی چال ہے۔ اس نے جان بوجھ کر مہمانوں کا شوشا چھوڑا ہے تاکہ آپ کسی پس وپیش کے بغیر وہاں جانے پر آمادہ ہوجائیں۔''

غزالہ کی اس نرالی منطق پر میں بے اختیار ہنس دیا۔ ''غیر ضروری تجویز نے اس وقت تمہاری عقل ماؤف کی ہوئی ہے۔ اسے کیا پتا کہ مجھے باہر سے اس کے مہمانوں کی آمد کی خبر مل چکی ہے۔ ابھی تو یہ بات صیغہ راز میں ہے کہ اس کے مہمان کون ہیں ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابو سالم کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

''مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دونوں بلاوجہ یہاں نہیں آئے۔ راجن نے مشوروں اور مدد کے لیے انہیں یہاں بلایا ہے۔ اب وہ ان کی آڑ میں آپ کو گھیرنے کی کوشش کررہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنائے گا تاکہ آپ سے ڈینی کے بارے میں ہر بات اگلوا سکے۔''

''یہی میرا سب سے مضبوط نکتہ ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ابھی تک میرے پاس ڈینی کے بارے میں ٹھوس معلومات نہیں ہیں۔ میں نے پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں چار آدمیوں کو راجن کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ میں ان کی تلاش میں مصروف ہوں۔ اس موڑ پر وہ مجھ سے کیا اگلوالے گا۔ وہ مجھے اتنا وقت دینے پر مجبور ہے کہ میں ان چاروں میں سے کم از کم کسی ایک کا سراغ ضرور لگالوں۔ اس کے بعد ہی وہ اپنے طور پر کچھ کرسکے گا۔''

غزالہ خوف سے آنکھیں پھیلائے میری بات سنتی رہی۔ میں خاموش ہوا تو وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ جب کوئی فیصلہ کرلیتے ہیں تو اس پر اڑ جاتے ہیں' پھر آپ کو دلیلوں سے قائل کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ میں کسی حجت میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ آپ موتی محل نہ جائیں۔''

میں نے اٹھ کر نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ضد مت کرو، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر اس کی نیت خراب ہوئی تو میں وہاں تباہی پھیلا دوں گا۔''

''تلاشی لیے بغیر وہ آپ کو اندر نہیں جانے دیں گے۔ دشمنوں کی بھیڑ میں آپ خالی ہاتھ ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ دس پانچ مکے اور لاتیں کھانے کے بعد وہ آپ پر غالب آجائیں گے۔''

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ''ابھی ان انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں اتنا زہر باقی ہے کہ میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ میں پہلے بھی سب مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔ وہ ان انگوٹھیوں پر کوئی شبہ نہیں کرسکیں گے۔''

''آپ وہاں جانے پر تل گئے ہیں تو میں آپ کے حق میں صرف دعا کرسکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جائیں گے۔''

لی اور اس کی مظلوم بہن کی دردناک کہانی اچانک میرے ذہن میں رینگ آئی اور میں نے تڑپ کر کہا۔ ''دنیا ادھر کی ادھر ہوجائے، بھول کر بھی وہاں کا رخ نہ کرنا۔ تم جیسی حسین اور معصوم عورتوں کے لیے وہ درندے ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ ان کی غلیظ نگاہیں تمہارے چہرے پر پڑیں۔''

''اگر ان لوگوں نے وہاں آپ سے کوئی محاذ آرائی نہ کی تو راجن کے آدمی آپ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آجائیں گے۔ مجھ سمیت کچھ بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' غزالہ نے ایک مرتبہ پھر اپنا ابتدائی خدشہ دہراتے ہوئے کہا۔

''یہ مسئلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ان کو چکما دینے کے لیے مجھے شب و روز بنکاک کی سڑکوں پر بھٹکنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ ہوٹل کا رخ اسی وقت کروں گا جب مجھے یہ یقین ہو جائے گا کہ ان کا کوئی آدمی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں اسے یقین دلایا۔

غزالہ ہر حال میں خوش رہنے والی ایک خانہ دار خاتون تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر، غزالی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا سر میرے جسم سے ٹکا دیا۔

وہ غزالہ کی سپردگی اور رضامندی کا ایک انداز تھا۔ اپنا فرض پورا کر کے اس نے آخر کار میری رضا کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

ہم بستر پر دراز ہو چکے تھے کہ ایک مرتبہ پھر ڈان کا فون آ گیا۔

''علی! ہوشیار ہو جاؤ۔'' وہ اپنی دبنگ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اب ہر غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔ ان دونوں کو چھوٹا راجن نے بنکاک بلایا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ میں نے ایر پورٹ پر اپنے آدمی پھیلائے ہوئے ہیں جو پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔ اب تک دو اور آدمی آ چکے ہیں۔ ان کے نام لالہ کریم اور حاجی مستان ہیں۔ اب یہاں آنے والوں کی تعداد چار ہو چکی ہے۔''

وہ نام میں راجن کی زبان سے سن چکا تھا۔ اس نے فخر کے ساتھ انہیں اپنا استاد تسلیم کیا تھا۔ اس وقت ان ناموں سے زیادہ اہم سوال میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنی گوشہ نشینی ختم کر کے میدان میں آنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ اس میں ابھی کچھ دیر ہے۔ تم کو اچانک یہ خیال کیسے آ گیا؟'' ڈان نے بھاری اور تحکم آمیز آواز میں سوال کیا۔

''تم نے اپنے آدمیوں کو ایر پورٹ پر پھیلانے کا ذکر کر کے مجھے چونکا دیا ہے۔''

''تم سب میرے ہی آدمی ہو۔ تمہاری اور چاؤ فان کی طرح کچھ اور لوگ بھی دل و جان سے میرے وفادار ہیں۔ ایر پورٹ پر موجود نفری کی کمان وہی کر رہے ہیں۔ مجھے ان سے خبریں مل رہی ہیں۔''

''لیکن ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بڑے لوگ راجن کی دعوت پر آ رہے ہیں؟''

''اس کا ثبوت سامنے آ گیا ہے، حاجی مستان کو لینے کے لیے چھوٹا راجن کا پورا موٹر کیڈ ایر پورٹ پہنچا ہوا تھا۔ اس میں وہ خود نہیں تھا۔ اس کے آدمی حاجی مستان کو موتی محل میں لے گئے ہیں۔ اب میں بنکاک کی فضاؤں میں انسانی خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔''

ڈان کے ان الفاظ پر مجھے پھریری سی آ گئی۔ راجن کے خطرناک مہمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور میں صبح دس بجے ان سفاک سرغنوں کا سامنا کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

''ڈان! وہ پورے بھارت کے نامی گرامی سورماؤں کو جمع کر لے تب بھی اپنی گرتی ہوئی دیوار کو نہیں بچا سکے گا۔ کم از کم میں ان کی آمد سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ یہ بھڑکتے ہوئے چراغ کی آخری لو ہے پھر وہ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''تم شیر دل ہو!'' ڈان نے بے ساختہ کہا ''تمہارے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد وہ بدحواس ہو چکا تھا۔ دوسروں سے مدد لینے میں اس کی سکی ہے لیکن اب اسے شاید کسی چیز کی پروا نہیں رہی۔ کاش میرے پاس تم جیسے ایک دو آدمی اور ہوتے تو اب تک یہاں کا نقشہ پلٹ چکا ہوتا۔''

میں اپنی شدید خواہش کے باوجود ڈان کو یہ نہیں بتا سکا کہ بنکاک میں جمع ہونے والے بھارتی اگلی صبح موتی محل میں سر جوڑ کر بیٹھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

''نقشہ اب بدل کر رہے گا۔ آنے والے زیادہ دنوں تک راجن کو اپنے حصار میں لے کر نہیں بیٹھیں گے۔ وہ جس طرح آئے ہیں اسی طرح جلدی واپس چلے جائیں گے۔''

''میں انہیں یوں نہیں جانے دوں گا۔ میں نے انہیں سبق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' ڈان کی گمبھیر آواز ابھری۔ ''یہ جہاں بھی جمع ہوں گے، میرے آدمی وہاں ایک خوفناک بارودی حملہ کریں گے، ہر طرف آگ اور بارود کی برسات ہو گی۔ میں اب یہاں ان کے قدم نہیں جمنے دوں گا۔''

''ڈان! کیا تم میرے بغیر یہ منصوبہ بنا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ڈان کے اس منصوبے کے بارے میں سن کر میں پریشان ہو گیا کیونکہ مجھے ان کے اجتماع کے سامنے پیش ہونا تھا۔ میں موتی محل کے اندر موجود ہوتا اور وہاں ڈان کے آدمیوں کا حملہ شروع ہو جاتا تو میں ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔ وہ صورتِ حال بہت سنگین تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں!'' ڈان کا جواب سن کر میری کھوپڑی بھق سے اڑ گئی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے لیے تم بہت اہم اور قیمتی ہو۔ میں تمہیں اس اندھی لڑائی کا ایندھن نہیں بنا سکتا۔ وہ جہاں بھی ہوں گے' میرے آدمی چاروں طرف سے بھرپور حملہ کریں گے اور فرار ہو جائیں گے' ان میں سے کئی مارے جا سکتے ہیں' میرے آدمی زخمی بھی ہوں گے۔ چھوٹا راجن مشکل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے بہت سے آدمی بھاگ چکے ہیں۔ آج اس کے دو نائٹ کلب کھولنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہاں وزنی تالے جھول رہے ہیں پھر بھی وہ ان لوگوں کی حفاظت سے غافل نہیں رہے گا۔ دونوں طرف سے اندھا دھند اسلحہ استعمال ہوگا۔ یہ تمہارا میدان نہیں ہے۔ تمہارا کام اس کے بعد شروع ہوگا۔''

ڈان کے منصوبے کی وہ تفصیل کسی حد تک تسلی بخش تھی۔ اس کے آدمیوں کو مارنا اور بھاگ نکلنا تھا۔ ان کی اچانک کارروائی سے سارا خطرہ موتی محل کے محافظوں اور ملازموں کو ہوتا جو پھاٹک اور احاطے کی دیواروں کے آس پاس موجود ہوتے۔ راجن کا طلب کیا ہوا اجلاس موتی محل کے کسی اندرونی اور محفوظ کمرے میں ہوتا جہاں افراتفری پھیل سکتی تھی' براہِ راست کسی جانی یا مالی نقصان کا خطرہ نہیں تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے بارے میں ایسی ہمدردانہ سوچ رکھتے ہو۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا ''کیا یہ ذمے داری چاؤفان کو سونپی جائے گی۔''

''مجھے وہ بھی عزیز ہے۔ یہ کام میں ان چاروں حرام خور جواریوں کو سونپوں گا جو دن رات یہاں پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔'' ڈان بھی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے منصوبے کا خاکہ تیار تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ ان کے امتحان کا وقت ہے۔ انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ابھی ناکارہ نہیں ہوئے۔''

''اگر حاجی مستان کو موتی محل میں لے جایا گیا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ ان لوگوں کا اجتماع وہیں ہوگا۔'' ڈان سے اس کے منصوبے کی پوری تفصیل سن لینے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ قیاس آرائی کے سہارے اس کی توجہ موتی محل کی طرف مبذول کرادوں۔ بعد میں جب وہ سب لوگ وہیں جمع ہوتے تو ڈان میرے اندازوں کی قابلِ رشک درستی کا قائل ہو جاتا۔

جب تک میرا اور اس کا ساتھ چل رہا تھا' میرے لیے اس کی خوشنودی بہت اہم تھی۔ میں نے ابتدا سے اس کے ساتھ سعادت مندانہ مگر باوقار رویہ اختیار کر کے یہ کوشش کی تھی کہ میرے اور اس کے درمیان باہمی احترام کا تعلق قائم ہو جائے۔ یہ اللہ کا کرم تھا کہ اسے اپنا آلۂ کار بنانے کے باوجود میں اس وقت تک اپنی کوششوں میں کامیاب تھا۔

''یہ برا ہوگا۔'' ڈان نے میری زبان سے موتی محل کا نام سنتے ہی اپنی رائے دے دی ''وہ بہت وسیع و عریض محل ہے۔ اس کے اندر تک گھس کر چھوٹا راجن اور اس کے حلیفوں کو نقصان پہنچانا ناممکن ہوگا۔ وہ کسی ہوٹل میں جمع ہو تو ان میں سے ایک آدھ مارا جا سکتا ہے۔''

''یہ میرا اندازہ ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ثابت ہو۔''

''تم نے بہت کام کیا ہے' اب تھوڑا سا آرام کر لو تاکہ فیصلہ کن ٹکراؤ میں اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے سکو۔'' اس نے وہ نادر مشورہ دے کر فون بند کر دیا۔

مجھے نئے آنے والوں کے بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی' اصل فکر ڈان کے منصوبے کی طرف سے لاحق ہوئی تھی جو ہٹ اینڈ رن کا پلان سننے کے بعد کافی حد تک کم ہو چکی تھی لیکن غزالہ کے چہرے پر تشویش کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔

وہ میری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں نہ سننے کے باوجود اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے بلا کم و کاست اسے نئی صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا کہ ڈان کے یکا یک جوش میں آ جانے سے میرے لیے کوئی نیا خطرہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

غزالہ لاکھ دلیر اور معاملہ فہم سہی لیکن پھر بھی ایک عورت تھی۔ اس کے ذہن میں نئے خطرات سر ابھارنے لگے۔ میں بہ مشکل اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ مجھے خود بھی موت کے منہ میں چھلانگ لگانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس مہم میں زیادہ خطرات نظر آئے تو میں موتی محل کے پھاٹک سے واپس لوٹ آؤں گا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں موتی محل کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ چاؤفان کا فون آ گیا۔

''ماسٹر! مبارک ہو' تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' وہ فون پر چہک رہا تھا۔ ''وہ پانچوں ایک ایک کر کے موتی محل میں پہنچ چکے ہیں۔''

مجھے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ اسے وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خبر کہاں سے ملی۔ ڈان برنارڈ سے برا بھلا سننے کے باوجود وہ اس کا منظورِ نظر تھا۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے اس کا باخبر رہنا میرے لیے تعجب خیز نہیں تھا۔

''یہ پانچواں کہاں سے آگیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''منٹھار ہے..... وہ رات دو بجے کی پرواز سے بنکاک پہنچا ہے۔'' اس نے بتایا ''اس وقت وہ پانچوں موتی محل میں ہیں تم کو معلوم ہی ہے کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔''

''رات کو ڈان کا فون آیا تھا۔'' میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''اس وقت تک منٹھار کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کیا تماشا دیکھنے کے لیے ادھر جانے کا ارادہ ہے؟''

''ماسٹر! بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ چاروں موٹوں نے رات بھر زبردست تیاری کی ہے۔ بات فائرنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ وہاں بم چلیں گے۔ ڈان نے اپنے تمام آدمیوں کو موتی محل کے آس پاس سے ہٹا دیا ہے۔ اس طرف وہی لوگ جائیں گے جو اس مہم میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''کیا تم نے مجھے یہ سب بتانے کے لیے فون کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ضمنی باتیں ہیں۔ اصل بات کی مبارکباد میں تمہیں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ ڈان کو حیرت ہے کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟''

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو اس وقت صرف ساڑھے آٹھ بجے تھے' مجھے ڈیڑھ گھنٹے بعد موتی محل میں پہنچنا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان موتی محل پر حملے کی تیاریوں کی خبر سنا رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈان کے آدمی اپنا کام کر گزریں گے اور موتی محل میں اتنی ابتری پھیل چکی ہوگی کہ مجھے ان لوگوں سے ملنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

چاؤ فان کا فون آ ہی گیا تھا تو میں نے اس سے معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تیاریاں مکمل ہیں تو بس دس پندرہ منٹ بعد وہاں تباہی پھیل جائے گی۔''

وہ اس وقت موج میں آیا ہوا تھا۔ دھیرے سے ہنس کر بولا ''ماسٹر! تم ہر ایک کو اپنے جیسا پھرتیلا سمجھتے ہو۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پانچوں اتنے سویرے چھوٹا راجن سے مل بیٹھیں گے۔ ابھی ان کے جمع ہونے کی خبریں ملی ہیں۔ تیاریاں ضرور مکمل ہیں لیکن آدمیوں کو اکٹھا کرنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لگے گا۔ یہ سمجھ لو کہ دوپہر سے پہلے کام ہو جائے گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ وہ تمہارے آدمیوں کا نشانہ بننے کے انتظار میں دن بھر موتی محل میں نہیں بیٹھے رہیں گے۔'' میں نے کہا۔

وہ میرے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''ڈان زیرک آدمی ہے۔ یہ بات جانتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو تیزی سے ہانک دے گا۔ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے مگر مجھے ساری باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے ڈان کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر رہا ہوں۔''

''یہ کھویا ہوا نہیں' نیا مقام ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔''

''تم میرے ماسٹر ہو' جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں برا نہیں مناؤں گا۔'' وہ ایسی باتوں کو نہایت ڈھٹائی سے' ہنس کر جھیل جاتا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم اس وقت جاگے ہوئے ہو۔ شراب نوشی کرنے والوں کا سورج ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے۔'' میں نے اس پر طنز کیا۔

''تم دیکھ چکے ہو کہ کام سامنے ہو تو میں شراب اور شباب کو بھول بھال کر ساری رات بیدار رہ سکتا ہوں۔ آج کا کام ہو جائے تو میں شام کو جشن منانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ موڈ ہو تو تم بھی آ جانا۔ میں نے مادام کو دعوت دی ہوئی ہے۔ وہ مان گئی تو مزہ آ جائے گا۔''

''آج کل تم ہر بات میں کسی نہ کسی طرح اس کا ذکر ضرور نکال لیتے ہو!'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے لی کا نام لیے بغیر کہا۔

''کیا کروں' میں مجبور ہوں۔ عورت جب تک فتح نہ کر لی جائے اسی طرح دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔'' اس نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ''تمہارے چاہنے سے پہلے عورتیں تمہاری طرف لپکتی ہوں گی۔ تم اس کرب کو نہیں سمجھ سکتے۔''

عورتوں کے بارے میں اس کا نظریہ توہین آمیز بلکہ شرمناک تھا۔ میرے جی میں آئی کہ اسے عورت کے مقام اور مرتبے کے بارے میں بتاؤں' اسے سمجھاؤں کہ عورت کسی کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی جسے فتح کیا جائے۔ وہ انسانی فطرت کے لطیف جذبوں میں گندھی ہوئی ایک جیتی جاگتی ہستی ہوتی ہے جسے پیار و محبت سے اپنایا جا سکتا ہے مگر غزالہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی موجودگی کے سبب میں چاؤفان کی گرفت نہ کر سکا۔ غزالہ کو ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ اس وقت میرے اور چاؤفان کے درمیان لی کی ذات زیر بحث تھی تو وہ آزردہ ہو جاتی۔

''تمہارا جشن تم کو مبارک ہو۔ میں اپنا وقت ایسی خرافات میں برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے اسے کورا سا جواب دے کر بات وہیں ختم کر دی۔

چاؤفان سے ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں میری ایک پریشانی دور ہو گئی تھی۔ اس کی زبانی مجھے یہ علم ہو گیا کہ موتی محل کے قرب و جوار سے ڈان نے اپنے آدمی ہٹا لیے تھے۔ میرے لیے یہ خدشہ باقی نہیں رہا تھا کہ ان میں سے کوئی مجھے موتی محل میں جاتا ہوا دیکھ کر ڈان کو خبر کر دے گا۔

اس اطمینان کے ساتھ مجھے ایک نئی تشویش لاحق ہو گئی۔ ڈان کے کیمپ میں موتی محل پر حملے کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ کارروائی کسی بھی وقت ہو سکتی تھی۔ اس کے صحیح وقت کا تعین کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے یا بعد میں وہ حملہ ہوتا تو مجھے کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ لوگ میرے داخلے کے وقت موتی محل پر اچانک دھاوا بول دیتے تو ان کے ہاتھوں میری ہلاکت کا امکان بہت قوی نظر آ رہا تھا۔

فکر و تشویش کے باوجود میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ میں نے بالوں کے اسٹائل وغیرہ میں یہ احتیاط رکھی کہ سب کچھ میرے معمولات سے اتنا مختلف ہو کہ مجھے ایک نظر میں نہ پہچانا جا سکے۔

میں نے تیار ہو کر روانگی کا ارادہ کیا تو غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ دس بجے کی ملاقات کے لیے میں نو بجے سے پہلے روانہ ہو رہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ مجھے ڈان کے آدمیوں کے حملے کی زد میں آنے کا خطرہ تھا' میں ان کی کسی کارروائی سے پہلے موتی محل میں داخل ہو کر محفوظ ہو جانا چاہتا تھا۔

ٹیکسی کی تلاشی میں مجھے ہوٹل سے باہر نہیں جانا پڑا۔ پورچ میں خالی ہونے والی ایک ٹیکسی کی عقبی نشست میں' میں اس طرح دھنس کر بیٹھ گیا کہ باہر سے مجھے پوری طرح نہ دیکھا جا سکے۔

موتی محل شہر کا ایک معروف نام تھا۔ میں ٹیکسی ڈرائیور کے سامنے وہ نام لیتا تو مجھے اس کے دروازے پر اتار دیتا مگر میں احتیاط کے پیش نظر اس نام سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ معمولی سی بات تھی لیکن اس وقت اہمیت اختیار کر گئی۔ مجھے اس علاقے کا کوئی متبادل حوالہ معلوم نہیں تھا۔ میں نے اضطراری طور پر پیٹ پونگ کا نام لیا اور ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔

اس وقت موتی محل کا نام لینے سے گریز کرنے کا مدعا صرف اتنا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو یہ علم نہ ہو سکے کہ اس نے ہلٹن ہوٹل سے کسی کو موتی محل پہنچایا تھا۔ ایک اجنبی شہر میں اپنے خون آشام دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

پیٹ پونگ صرف عیاشی کا گڑھ نہیں ہے۔ دن کے اوقات میں وہاں تجارتی اور کاروباری سرگرمیاں پورے زور و شور سے جاری رہتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر میں دوسری ٹیکسی میں سوار ہوا۔ اس بار میں نے بے دھڑک ہو کر ڈرائیور کو موتی محل کا نام بتا دیا۔

نو بج کر بیس منٹ پر میں موتی محل کے پھاٹک سے اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس وقت وہاں مطلع صاف تھا لیکن اندر عجیب سی ویرانی اور بے رونقی کا راج تھا۔ چند لمحوں میں اس کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا۔ پہلے کے مقابلے میں وہاں ملازموں اور محافظوں کی بہت کم تعداد نظر آ رہی تھی۔ راجن کے آدمیوں کے چلے جانے کے بارے میں ڈان کی معلومات بے بنیاد نہیں تھیں۔

اکبر کے نام سے میرا تعارف ہوتے ہی موتی محل کے محافظ مؤدب نظر آنے لگے۔ انہیں میری آمد کے بارے میں پیشگی ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ سرسری جامہ تلاشی کے بعد ایک محافظ مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر چل دیا۔ اس نے راستے میں مجھے بتایا کہ میری آمد کے لیے دس بجے کا وقت طے تھا اس لیے مجھے اندر بیٹھ کر کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔

راجن کا آراستہ اور پرشکوہ ڈرائنگ روم میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اسد کے ساتھ وہاں راجن سے ایک ملاقات کر چکا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر محافظ باہر چلا گیا۔

وہاں بیٹھتے ہی میں نے اپنے کان اندر سے آنے والی آوازوں پر جما دیے۔ میرے لیے یہ خیال بہت سنسنی خیز تھا کہ اسی عمارت میں کہیں چھ نامی گرامی بھارتی شہری میرے خلاف سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔

اندر سے کچھ ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ بس آوازیں ہی تھیں' ان کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔ اسی دوران میں ڈرائنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور ایک جواں سال بھارتی ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی میری طرف چلی آئی۔

ٹرالی میں واڈکا اور جن کی شفاف بوتلوں کے ساتھ ٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوزی سے ڈھکی ہوئی کیتلی بھی موجود تھی۔ ملازمہ نے میرے لیے کوئی مشروب تیار کرنے کی پیشکش کی' میں نے چائے کی فرمائش کی اور وہ میرے لیے چائے کی پیالی بنا کر اندر لوٹ گئی۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ کھلنے کے بعد اندر سے آنے والی آوازیں قدرے واضح ہوئیں جو دوبارہ معدوم ہو گئیں۔

میرے لیے وہ صبر آزما اور اعصاب شکن صورتِ حال تھی۔ میں اپنے بدترین دشمن کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اندر میرے خلاف جوڑ توڑ ہو رہے تھے۔ باہر سے کسی بھی لمحے خوفناک حملہ ہونے والا تھا اور گھڑی کی سوئیاں رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہی تھیں۔

میرے معدے نے آدھی پیالی سے زیادہ چائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چائے چھوڑ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور اضطراری انداز میں ایک بڑی دیوار گیر پینٹنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں اس تصویر پر مرکوز تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

اس دوران میں' میں ایک بار ٹہلتا ہوا نکاس کے دروازے کی طرف گیا تو مجھے وہاں تک لانے والا محافظ برآمدے میں مستعد کھڑا ہوا تھا۔ جیسے جیسے انتظار کے لمحات طویل ہوتے جا رہے تھے' میرے اعصابی دباؤ میں بہ تدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا تو میری یہ خواہش تھی کہ میں جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤں تاکہ ڈان کے آدمیوں کے ناگہانی حملے کی زد میں آنے سے بچ سکوں۔ راجن کے ڈرائنگ روم میں انتظار کے کٹھن لمحات سے گزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میں نے وقت سے پہلے وہاں آ کر سخت غلطی کی' اس سے بہتر تھا کہ میں کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر مقررہ وقت پر آتا اور ہر قسم کے اعصابی تناؤ سے آزاد رہ کر راجن اور اس کے مہمانوں کا سامنا کرتا۔

پونے دس بجے اندرونی دروازہ کھلا اور وہاں سے کرتے پاجامے میں ملبوس راجن برآمد ہوا تو میں نے اٹھ کر اسے تعظیم دی۔ یہ دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی کہ کرتے کی آستین میں اس کا بایاں بازو بہت پھولا ہوا تھا اور بے جان انداز میں پہلو میں جھول رہا تھا۔

''تم وقت سے بہت پہلے آ گئے!'' راجن نے دبنگ آواز میں شکایت کی۔

''میں ڈر رہا تھا کہ مجھے دیر نہ ہو جائے۔ اس چکر میں وقت سے پہلے آ گیا۔'' میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں وضاحت کی پھر پوچھا۔ ''استاد! تمہارا بایاں ہاتھ لٹکا ہوا ہے..... خیریت تو ہے نا؟''

''گر گیا تھا۔ معمولی چوٹ آئی ہے!''

''استاد' آنبہ ہلدی' چوٹ بجی اور چونے کا لیپ لگاؤ' چند گھنٹوں میں سارا درد دور ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی اپنا نادر مشورہ پیش کر دیا۔ اسے اپنے روبہ رو پا کر میرا سارا ذہنی اور اعصابی انتشار یک بہ یک کافور ہو گیا۔

''شٹ اَپ!'' اس نے کسی اشتعال کے بغیر منہ بنا کر کہا ''مجھے ان گھٹیا مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ' اندر کوئی فالتو بات نہ کرنا۔ جو پوچھا جائے صرف وہی بتاؤ گے۔''

وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ اس کا لٹکا ہوا ہاتھ دیکھ کر میں یہ سمجھ چکا تھا کہ میری چلائی ہوئی ناقص گولی نے اس کے بازو کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ بازو کا زخم اتنا گہرا ضرور تھا کہ وہ موٹی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور راجن وہ ہاتھ ہلانے سے معذور تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر اس امتحان سے گزر رہا تھا کہ وہ میری نیت سے بالکل بے خبر تھا' میں چاہتا تو پیچھے سے لپک کر آہستگی سے اس کی گردن دبوچتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ اس کا قصہ پاک ہو جاتا مگر میری خیر نہ ہوتی' نکاس کے دروازے کے باہر راجن کا مسلح محافظ براجمان تھا' اندر کہیں پانچ خطرناک افراد سر جوڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے لیے کسی طرف سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ میری جان اتنی ارزاں نہیں تھی کہ اسے ایک راجن کے نام پر داؤ پر لگا دیا جاتا۔

دروازے سے گزر کر وہ ایک مختصر اور آراستہ لابی سے ہوتا ہوا ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دروازہ کھلتے ہی جلے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بُو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اسی کے ساتھ ایک بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا۔

اندر زور و شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کمرا یقینی طور پر ساؤنڈ پروف تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو اس کمرے کا دروازہ کھلنے سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ ضرور سنائی دیتا۔

اس وقت وہ کمرا میرے لیے مقتل سے کم نہیں تھا۔ میں چھپے ہوئے گھاگ بدمعاشوں کے سامنے جانے والا تھا جن کی عقابی نظروں سے کچھ چھپانا آسان نہیں تھا۔ دروازہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھلتے ہی قہقہے کے ساتھ دوسری آوازیں یکا یک معدوم ہوگئیں۔

دروازے سے گزرتے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کمرے میں نرم، دبیز اور بڑے بڑے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک صرف ایک فرد کے لیے تھا۔ ان میں سے پانچ پرخوفناک اور رعب دار چہروں والے افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ جرائم کی خبروں کے حوالے سے گاہے گاہے ان کی تصاویر اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں۔ چہرے شناسا تھے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کس کا نام کیا ہے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آرہا تھا۔

راجن اپنے بائیں ہاتھ کو سنبھالتا ہوا احتیاط سے ایک صوفے میں دھنس گیا۔

وہ کمرا بہت وسیع اور آراستہ تھا۔ ہر طرف منقش اور دمکتی ہوئی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر سفید شرابوں کے ساتھ ٹانک واٹر اور سوڈے وغیرہ کی کئی خالی بوتلیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ ان پانچوں کے سامنے رکھی ہوئی تپائیوں پر گلاسوں کے ساتھ پنیر اور ڈرائی فروٹ کی نقرئی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ دن دیہاڑے مے نوشی میں مصروف تھے۔

وہاں مزید کئی صوفے خالی تھے لیکن کسی نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی۔ اپنے ابتدائی جائزے کے بعد میں کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ ان سب کی تیز نگاہیں مجھے اپنے جسم سے آرپار ہوتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔

''تو یہ تمہارا ٹاؤٹ ہے!'' روح میں اتر جانے والے گہرے سکوت میں بڑی بڑی مونچھوں والے ایک خوں خوار شخص کی درشت آواز ابھری۔

''ہاں منٹھار!'' راجن نے جواب دیا ''اس نے مجھے بروقت ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے اسے منہ نہیں لگایا۔ اس کی بات سن لی ہوتی تو شاید اس وقت ہم وائٹ ہاک کے کسی کیبن میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔''

''مجھے یہ صورت سے مکار اور چھٹا ہوا بدمعاش معلوم ہورہا ہے۔'' منٹھار کے الفاظ اور لہجے میں میرے لیے تحقیر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ''ایسے آدمی کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا..... کیوں حاجی، تو کیا کہتا ہے۔''

راجن کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص نے ایک کاجو منہ میں ڈالا اور اسے دانتوں سے کچلتے ہوئے بولا ''دنیا آگے جارہی ہے۔ آج کل کوئی مکار نہ ہو تو اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔'' پوچھے گئے سوال کا جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''کیوں بے! تو نے کیا سنا اور دیکھا تھا۔''

''میں استاد کو بتا چکا ہوں!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر بتا!'' وہ گرج کر بولا ''ہم سب تیرے استاد ہیں۔''

میں نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے راجن کی طرف دیکھا، اس نے اپنے سر کو جنبش دے کر مجھے بولنے کا اشارہ کیا۔

اس ماحول میں ان لوگوں کو دیکھ کر میں خاصا مرعوب ہوچکا تھا۔ راجن کے علاوہ وہ سب پولیس کو مطلوب تھے مگر آزادی کے ساتھ دنیا بھر میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہ ممبئی میں ہوتے ہوئے بھی بھارتی پولیس اور ایجنسیوں کے لیے آسیب بنے رہتے تھے جو اپنے معمول کو ہلکان کرتا ہے لیکن اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ راجن ان پانچوں سے کم تر تھا۔ اس کی فریاد پر وہ بزرگانہ انداز میں اس کی سرپرستی کی رسم نبھانے کے لیے بنکاک آئے ہوں گے۔

میں نے دانستہ رک رک کر پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں سنی ہوئی وہ مفروضہ کہانی سنانی شروع کردی جو میں راجن کو سنا چکا تھا۔

''اس میں ڈینی کا نام تو نے کہاں سے سن لیا؟'' میرے خاموش ہونے پر خشخشی داڑھی والے گورے شخص نے مخمور آواز میں سوال کیا۔

''مم..... مجھے ہر بات لفظ بہ لفظ یاد نہیں ہے۔ انہوں نے کئی بار ڈینی کا نام لیا تھا۔''

''ڈرو نہیں!'' راجن نے مجھے دلاسا دیا ''بے خوف ہوکر بات کرو۔ یہ سب میرے مربی اور دوست ہیں۔ ان کو ناؤ والی بات بتاؤ۔''

میں ان لوگوں کے سامنے اداکاری اور صداکاری کررہا تھا مگر میرا دماغ بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ ان لوگوں کے گنتی کے سوالوں سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ پانچوں بنکاک میں ڈینی کی موجودگی تسلیم نہیں کررہے تھے۔ راجن نے اپنی اس دہشت کی تائید کے لیے مجھے ایک گواہ کے طور پر ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

اس وقت میں ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے حوالے سے کوئی حاشیہ آرائی کرگزرتا تو راجن مجھے ہرگز نہ ٹوکتا۔ میرے بلائے جانے کا مقصد ایک ہی تھا کہ میں شہر میں ڈینی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی موجودگی کی تصدیق کردوں۔

''وہ کہہ رہے تھے کہ سب کام جاری منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا' ڈینی اس کی ناؤ ڈبو دے گا۔''

میں نے اس بیان میں ڈینی کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے راجن کے سیاہی مائل چہرے کا رنگ متغیر ہوا مگر وہ اسی لمحے سنبھل گیا۔

حاجی مستان شاید راجن کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے راجن کے چہرے کی اضطراری تبدیلی پڑھ لی۔ ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس زور سے تپائی پر پٹخا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''خشخش! سالے کے دو تین کرارے ہاتھ لگا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

خشخشی داڑھی والے نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس سے پہلے کہ وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف لپکتا' راجن نے بے چین ہو کر غیر ارادی طور پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا۔ راجن کے چہرے پر کرب و اذیت کی ایک لہر سی تیر گئی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ بایاں ہاتھ ہلانے کی کوشش نے اس کی جان نکال دی تھی۔

وہ اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بولا ''خشخش' تو بیٹھ جا۔'' یہ کہہ کر وہ مستان کی طرف متوجہ ہو گیا ''مستان بھائی! تم میرے بڑے ہو۔ مجھے دس ہاتھ مارلو' میں اُف بھی نہیں کروں گا۔ اکبر ڈرپوک آدمی ہے۔ اسے میں نے مشکل سے یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اسے مار پڑی تو یہ بھاگ جائے گا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس پر کیا شبہ ہے!''

''راجن! مستان بھائی کے بیچ میں مت بول۔'' چوتھے آدمی نے روکھے لہجے میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔ ''ہم سب تیرے بھائی بند ہیں' تیری مدد کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تو یہاں راج کر کے ہم سب کا نام اونچا کر رہا ہے۔ ڈینی سالا یہاں ہے تو ہم اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔ اکبر پر مجھے بھی بھروسا نہیں ہو رہا۔ سالے کی آنکھیں دیکھ' کیسی چڑھی چڑھی اور بے وفا لگ رہی ہیں۔''

اس کے آخری فقروں پر کمرے میں ان سب کے بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے۔ راجن کا چہرہ ستا ہوا نظر آنے لگا۔

پانچواں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے درشت آواز میں بولا ''راجن! تو دو گھنٹوں کے لیے مجھے اکبر کے ساتھ ایک کمرے میں چھوڑ دے۔ اس کی ایک ایک ہڈی سچ نہ بولنے لگی تو میں تجھ سے اپنے منہ پر تھکوالوں گا۔''

راجن کے سوا ان سب کے تیور یکا یک بگڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اس تالاب میں پہلا پتھر مستان نے پھینکا تھا۔ وہ عمر' تجربے اور مرتبے میں ان سب سے بڑا نظر آ رہا تھا۔ ان میں آپس کی کیسی بھی پیشہ ورانہ رقابتیں رہی ہوں' اس وقت وہ سب اس کے ہم خیال ہو گئے تھے۔

''یہ سچ بول رہا ہے' میں نے چھان بین کر لی ہے.....!'' راجن نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا تھا کہ مستان نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''سب کچھ تجھے کرنا تھا تو ہمیں کیوں بلایا ہے!'' وہ غراتے ہوئے بولا۔ ''اپنا معاملہ ہمیں سونپ کر تماشا دیکھ یا پھر ہم چلتے ہیں' تو ڈینی سے خود نمٹتا رہ۔ ابھی تیرے ایک ہاتھ میں گولی لگی ہے۔ کل دل میں اتر جائے گی۔''

مستان کی تائید طلب نظریں اپنے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئیں اور کمرا ان کی تیز و تند آوازوں سے گونج اٹھا۔ وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''تم اتنی سی بات کو بلاوجہ بڑھا رہے ہو!'' راجن نے بے جان آواز میں کہا ''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس سے اچھی طرح پوچھ گچھ کر لو مگر اس سے مار پیٹ نہ کرو۔''

''راجن! تو پاگل ہو گیا ہے!'' مٹھار اپنی مونچھ کے ایک سرے کو تاؤ دیتا ہوا بولا ''اس کی صورت ذرا غور سے دیکھ۔ سالا پکا پاپی لگتا ہے۔ تو نے سنا ہے نا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ یہ اسی ذات کا ہے' جب تک اسے چار چوٹ کی مار نہیں پڑے گی یہ کچھ نہیں اگلے گا۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ یہ تجھے ڈبل کراس کر رہا ہے۔ میں جب تک اس کا پورا شجرہ نہیں کھود لوں گا۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں آئے گا۔ یہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے' اس کے بال بچے یا ماں باپ کہاں ہیں' وہ کیا کرتے ہیں' آئی بی والے سے اس کی دوستی کیسے ہوئی۔ ہزار سوال ہیں' جب تک ان کے جواب نہیں ملتے' میں اس کی کوئی بات نہیں مان سکتا۔''

بات بہت تیزی سے بگڑتی چلی گئی تھی۔ راجن نے اپنا وعدہ نبھانے کے لیے میری حمایت کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ میرے اور اس کے خلاف چلی گئی تھی۔ راجن کے چہرے پر نمودار ہونے والے بے بسی کے آثار دیکھ کر مجھے اپنی عاقبت خراب ہوتی نظر آ رہی تھی۔

موتی محل میں میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ مجھے سارا خطرہ راجن کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بدنیتی سے تھا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ راجن میرا حامی بنا ہوا تھا اور اس کے پانچوں مہمان میرے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ وہ راجن پر اس بری طرح حاوی نظر آ رہے تھے کہ وہ زیادہ دیر تک ان سے اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

میرے لیے وہ لمحات فیصلہ کن تھے۔ یہ بات تسلی بخش تھی کہ وہ سب غیر مسلح تھے۔ میں ان پر ٹوٹ پڑتا تو پہلے ہی وار میں ایک دو کو آسانی سے جہنم واصل کر سکتا تھا۔ بقیہ حریف شاید دہشت زدہ ہو کر خود مجھے راہ دے دیتے۔ میں اس کمرے سے نکل سکتا تھا۔ اس سے آگے کا مرحلہ بہت سخت اور دشوار تھا۔ راجن کے پاس نفری کی شدید قلت ہو چکی تھی مگر میں نے اندر آتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ باہر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔

اصل عمارت سے نکل کر پھاٹک یا احاطے کی دیوار تک پہنچنا میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس دوڑ میں موت کے غالب آنے کے امکانات زیادہ تھے۔

''اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ راجن نے بے بسی سے کہا ''میں اتنا بتا دوں کہ میں اپنی سبکی محسوس کر رہا ہوں' ایسا لگ رہا ہے جیسے اکبر کے بارے میں میری کہی ہوئی باتوں پر تم سب کو یقین نہ ہو۔''

منٹھار اور مستان کی نگاہیں چار ہوئیں پھر مستان نے کہا ''تیری سبکی تو اس وقت ہوئی جب تو نے ہم سب کو فون کیا۔ یہ سب کہنے سننے کی باتیں ہیں' اپنوں میں کسی کی سبکی نہیں ہوتی۔ اب بات تیری نہیں رہی۔ یہ اکبر کا معاملہ ہے۔ تو اسے اپنی ذات سے کیوں ملا رہا ہے۔ سبکی وبکی کے چکر میں پڑنے کے بجائے یہ سمجھ کہ اکبر تجھے بھی دھوکا دے رہا ہے۔ ہماری وجہ سے تیری آستین میں پلنے والا سانپ مر جائے تو سوچ کہ کس کا فائدہ ہے..... ہمارا یا تیرا؟''

مستان کی عقابی آنکھیں راجن کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے بات ایسے سوال پر ختم کی تھی جس کا جواب دینا لازم تھا۔ راجن نے اپنی جگہ کسمسا کر کہا ''تم میرے فائدے کی بات سوچو گے۔ اب اکبر تمہارے حوالے ہے۔ اسے اچھی طرح کھنگال لو۔ میں ایک لفظ.....''

راجن کا جواب ادھورا رہ گیا۔ ایک پرزور دھماکے کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ اس کمرے کے در و دیوار ہل کر رہ گئے اور وہ سب بھڑک کر اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے مرجھائے ہوئے وجود میں فرحت و تازگی کی ایک لہر سرایت کر گئی ہو۔ ان خبیثوں کے جارحانہ چنگل میں پھنس کر میری عقل اس بری طرح ماؤف ہوئی تھی کہ میں موتی محل پر ڈان کے آدمیوں کے متوقع حملے کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

راجن کا وہ کمرا ساؤنڈ پروف تھا۔ ڈرائنگ روم میں انتظار کے دوران کمرے کی وہ خصوصیت میرے تجربے میں آ چکی تھی۔ وہاں سے اندر کی آوازیں باہر جا سکتی تھیں نہ باہر کی معمول کی آوازیں اندر سنائی دے سکتی تھیں۔ بم کے دھماکے کی بات دیگر تھی۔ اس نے کمرے کے ساتھ وہاں موجود لوگوں کو بھی بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ وہ حملہ بہت بروقت شروع ہوا تھا۔ ڈان کے آدمیوں کا جم کر مقابلہ کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ انہیں بم اور گولیاں برسا کر بھاگ جانا تھا۔ خوف و ہراس کی اس طوفانی لہر سے فائدہ اٹھا کر مجھے بھی سرعت سے فرار کی راہ تلاش کرنا تھی۔ وہاں جو کچھ ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔ میرے لیے وہاں رکنا ایک عذاب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

دھماکا ہوتے ہی وہ بس لمحہ بھر کے لیے اپنی جگہوں پر بھونچکا سے کھڑے رہے' خشخش دروازے کے قریب تھا۔ اس نے لپک کر دروازہ کھولا اور یکا یک فائرنگ کا ہولناک شور سنائی دیا۔ وہ سب بدحواس ہو کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ بم کے پہلے دھماکے کی گونج معدوم ہوتے ہی دوسرا اور پھر تیسرا دھماکا ہوا۔ اس دوران میں دھواں دھار فائرنگ کا شور مسلسل گونجتا رہا۔

ان میں کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ ساؤنڈ پروف کمرے سے نکل کر وہ سب اندر کی طرف بھاگے' میں ان کے پیچھے دوڑتا ہوا باہر نکلا اور چشم زدن میں ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

بموں کے تین پے در پے دھماکوں اور فائرنگ کے شور سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مسلح دشمنوں کا کوئی غول موتی محل میں گھس آیا ہو۔ اندر والے اندر ہی پناہ گاہیں ڈھونڈنے میں لگ گئے تھے میں پہلا اور تنہا شخص تھا جو اندر سے باہر نکلا۔

پھاٹک سے مجھے ڈرائنگ روم تک لانے والا گارڈ سینے کے بل برآمدے کے فرش پر اپنی رائفل تانے پڑا ہوا تھا۔ احاطے میں دھول ہی دھول اڑ رہی تھی مجھے ایک نظر میں اندازہ ہو گیا کہ کم از کم دو بم سامنے کے حصے میں گرے تھے۔

''لیٹ جاؤ' گولیاں چل رہی ہیں..... مارے جاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے!'' مجھے دیکھتے ہی گارڈ پھنسی پھنسی آواز میں چیخا۔
''یہاں بم باری بھی ہو رہی ہے۔''
موتی محل کے مکین بے خبری میں اس صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے اس لیے دہشت زدہ ہو کر پناہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ مجھے علم تھا کہ میرے اور ڈان کے آدمیوں کے درمیان احاطے کی فصیل نما دیوار حائل تھی۔ ان کا اندر گھسنے کا کوئی پلان نہیں تھا اس لیے ان کی فائرنگ سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔
موتی محل کے مسلح محافظوں کی فائرنگ کا رخ باہر کی طرف تھا۔ میں ان کی گولیوں سے بھی محفوظ تھا میں نے گارڈ کی ہدایت سنی اَن سنی کر کے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگا دی۔
میں فضا میں اڑتے ہوئے گرد و غبار کے بادل میں گزر رہا تھا کہ اچانک فائرنگ کا زور ٹوٹ گیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ ڈان کے آدمی اپنا مشن پورا کر کے بھاگ نکلے ہیں۔ رہی سہی گولیاں موتی محل کے اعصاب زدہ محافظ چلا رہے تھے۔
میں پھاٹک تک پہنچا تو مجھے کہیں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔ راجن کے تمام آدمی کسی نہ کسی آڑ میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی کمین گاہوں سے ہوا میں فائرنگ کر رہے تھے۔
اس قیامت خیز ماحول میں کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا' سب کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ میں پھاٹک تک پہنچا تو وہ بند تھا۔
لمحہ بھر کے لیے مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس وقت مجھے پھاٹک کے برابر میں دراز نما چھوٹا سا رستہ نظر آ گیا۔ جو شاید ملازمین کی پیدل آمد و رفت کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امید کی وہ کرن نظر آتے ہی میری رفتار خود بہ خود تیز ہو گئی۔
''رک جاؤ!'' پھاٹک کی چیک پوسٹ سے کوئی چیخا۔ ''باہر مسلح دشمنوں کا راج ہے۔''
وہ جو کوئی بھی تھا مجھے اپنوں میں سے سمجھ کر ہمدردی دکھا رہا تھا مگر میرے لیے وہ موت کی پکار تھی۔ میں نے اسے نظر انداز کیا اور چشم زدن میں کھلے ہوئے راستے سے باہر نکل گیا۔
موتی محل پر مسلح افراد کی لشکر کشی کا واقعہ بنکاک کے شہریوں کے لیے معمولی نہیں تھا۔ وہ بارونق اور پُرہجوم علاقہ اس وقت تک ویران ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولیوں کی پہلی باڑ کے ساتھ تمام دفاتر اور دکانوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں۔ جہاں چلنے کے لیے مشکل سے راہ ملتی تھی وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔
موتی محل سے باہر آ کر میں نے سڑک عبور کرنے کے بجائے احاطے کی دیوار کے ساتھ دوڑ لگا دی سڑک پار کرنے کی صورت میں' میں موتی محل کی طرف سے آنے والی کسی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔
موتی محل کے احاطے کی دیوار ختم ہونے کے بعد بھی میں نے اپنی رفتار کم نہیں کی۔
آگے خوف زدہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا جس میں متاثرہ علاقے سے بھاگنے والے بھی شامل تھے۔ لوگوں نے مجھے دیکھا لیکن کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں موتی محل کے زنداں سے بھاگا ہوا کوئی قیدی ہوں۔ بھیڑ میں شامل ہو کر میں نے اپنی رفتار چہل قدمی کی حد تک دھیمی کر لی۔
وہاں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ سب تجسس کے ساتھ ایک دوسرے سے بول رہے تھے لیکن ہر چہرے پر سوال ہی سوال مجسم تھے۔ اس بڑے ہجوم کے پیچھے ٹریفک رکا ہوا تھا۔ متعدد گاڑیاں متبادل راستے اختیار کر رہی تھیں۔
پہلی خالی ٹیکسی نظر آتے ہی میں پھرتی سے اس میں سوار ہو گیا۔ ڈرائیور نے میری ہدایت پر اپنی گاڑی ہلٹن ہوٹل کی طرف جانے والی راہ پر ڈال دی۔
میں معجزانہ طور پر کسی خراش کے بغیر موتی محل سے نکل آیا لیکن اپنی زندگی کے اس بھیانک تجربے نے میرا دل و دماغ سن کر کے رکھ دیا۔
میں چند لمحوں کے فرق سے ایک اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اگر میں ان لوگوں کی باتوں سے مایوس ہو کر ان سے الجھ گیا ہوتا تو میری آزادی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتیں۔ یہ درست تھا کہ راجن اور اس کے حامیوں کے نرغے میں پھنس کر میں موتی محل پر ہونے والے حملے کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا مگر میں نے تحمل سے کام لے کر زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کی۔ میری وہی کوشش آخر کار بارآور ہوئی اور ڈان کے آدمیوں نے موتی محل میں بھگدڑ مچا دی۔
ڈان بہت گھاگ آدمی تھا۔ اس نے ابتدا سے بیشتر کام میری صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے اور ان کے بہتر نتائج پر دل کھول کر میری حوصلہ افزائی کرتا رہا تھا لیکن اس نتیجہ خیز موڑ پر اس نے خود ایک دلیرانہ فیصلہ کر کے راجن کو جیتے جی مار ڈالا تھا۔
جب ڈان نے مجھ سے اپنے منصوبے کا ذکر کیا تو مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی منصوبہ بندی اوچھی اور بچگانہ محسوس ہوئی۔ وہ ڈان کی تجویز نہیں تھی کہ میں اس پر کوئی رائے دیتا۔ ڈان نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ یقینی طور پر وہ اپنے فیصلے کے نتائج سے خوب واقف تھا جو میری نگاہ میں نہیں آسکے۔

ڈان نے باہر بیٹھ کر منصوبہ بنایا' میں نے اندر ان لوگوں کے درمیان رہ کر مشاہدہ کیا کہ ان کے درمیان ظاہری رفاقت کے باوجود خلوص اور باہمی اعتماد کا فقدان تھا۔ ان کی ٹکڑی میں راجن سب سے کمزور حلیف تھا۔ بھارتی انڈر ورلڈ کے چھ بڑوں کی موجودگی میں موتی محل پر بموں اور گولیوں کی برسات انہیں یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ راجن بنکاک میں اپنا اثر و رسوخ اس حد تک کھو چکا ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت بھی نہیں کرسکتا۔

راجن نے بھی انہیں اس زعم میں بلایا ہوگا کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ ان یقین دہانیوں کے پس منظر میں وہ حملہ بہت سنگین ثابت ہونا چاہیے تھا۔ راجن کے پانچوں مہمان منہ پھٹ اور اس پر حاوی تھے۔ ان کی برہمی کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ راجن ان کی حفاظت کے بندوبست میں بری طرح ناکام رہا۔ اس نے انہیں بنکاک بلا کر بے موت مروانے کا پورا بندوبست کردیا تھا۔ حملہ آور موتی محل میں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے یا ان کا پھینکا ہوا کوئی بم صحیح نشانے پر گرا ہوتا تو وہ سب چشم زدن میں جہنم واصل ہوجاتے۔

زخمی راجن کے لیے اس بگاڑ کو سنبھالنا ناممکن تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پانچوں ہمیشہ کے لیے راجن سے متنفر ہوجائیں گے۔

سب کچھ ہو رہا تھا' راجن کو مات پر مات ہو رہی تھی لیکن وہ پھر بھی زندہ تھا۔

ٹیکسی متاثرہ علاقے سے دور' شہر کی بارونق سڑکوں سے گزر رہی تھی اور میرا ذہن دھیرے دھیرے گزرے ہوئے واقعات کا احاطہ کرنے کے قابل ہوتا جا رہا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا کہ میں راجن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا سنہرا موقع ضائع کرکے اپنے ہوٹل کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

بم دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوتے ہی راجن کے پرتعیش کمرے میں جو افراتفری پھیلی میں اس سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ کمرے سے نکل کر وہ سب موتی محل کے اندرونی حصوں کی طرف بھاگے۔ راجن زخمی ہونے کی وجہ سے سب سے پیچھے تھا۔ اس کے بعد میں نے وہ کمرا چھوڑا۔

اس وقت راجن میرے آگے بھاگ رہا تھا۔ اگر میں اس وقت لپک کر زہریلے ٹیکنے کی سوئی اس کے بدن کے کسی حصے میں اتار دیتا تو وہ وہیں گر کر ہلاک ہوجاتا۔ وہاں سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ راجن ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اسے ڈھیر کرنے کے بعد میرے فرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں اسی طرح اپنی راہ بناتا ہوا باہر نکل آتا۔

بعد میں اس کی لاش دریافت ہوتی اور اس کی موت کا سبب سامنے آتا تو ان پر یہ سنسنی خیز حقیقت منکشف ہوتی کہ اکبر کے روپ میں ڈینی ان کے درمیان موجود تھا۔ جو ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر اپنا کام دکھانے میں کامیاب ہوگیا۔

اس واردات کے نتیجے میں اکبر اور ڈینی کے نام سامنے آتے۔ ڈان کے لیے میرے وہ دونوں روپ اجنبی ہوتے وہ مجھے صرف علی احمد کے روپ میں جانتا تھا۔ اسے میرے اوپر کوئی شک نہ ہوتا۔ اسے یہ خلش ضرور ہوتی کہ ایک کبھی لڑائی لڑنے کے باوجود وہ اپنے آدمیوں سے راجن کو مروانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ کام ڈینی نے کرڈالا۔

راجن کا وقت پورا نہیں ہوا تھا' قدرت اس کی رسی دراز کررہی تھی اس لیے وقت پر وہ نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا۔

وقت گزرنے کے بعد اس بارے میں سوچنا بے سود تھا۔ موتی محل میں جو کچھ ہونا تھا وہ یکے بعد دیگرے اپنی رفتار سے ہوتا چلا گیا۔ اس پر دماغ کھپانا خود کو مایوس اور ہلکان کرنے کے مترادف تھا۔

وہ خیال ہی کیا جو انسان کے ارادے کا پابند ہو۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنی کوتاہی کا احساس ذہن سے کھرچ کر مٹادوں لیکن میں اپنی سی پوری کوشش کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں ذہن کو کسی اور سمت میں مرکوز کرتا اور چند لمحوں میں وہی خلش دوبارہ پریشان کرنے لگی۔

میں ان ہی خیالات کی رو میں اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے میں ہوٹل میں داخل ہوا اور لابی سے گزر کر لفٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''ماسٹر!'' پیچھے سے ہلکی سی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ میں تیزی سے پلٹا تو چاؤفان میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔

''تم کس رو میں کھوئے ہوئے ہو؟'' میرے ٹھٹکنے سے وہ پل بھر میں میرے قریب پہنچ گیا اور حیرت سے بولا ''میں لابی کے سرے سے تمہارے پیچھے چلا آرہا ہوں لیکن تم کو مڑ کر دیکھنے کا خیال تک نہیں آیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میں نے کوئی وضاحت کرنے کے بجائے اسے گھور کر سوال کیا۔

''تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' اس نے میرے غصے کو نظر انداز کر کے معصومیت سے کہا۔

''میں نے تمہیں ہوٹل میں آنے سے منع کیا ہوا ہے۔'' میں نے آنے جانے والوں کے لیے گزرگاہ چھوڑ کر دیوار کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

''ضرور کیا ہوا ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکا کے اپنے سر کو تھوڑا سا خم دیتے ہوئے اعتراف کیا ''اگر تم میرے ساتھ باہر تک زحمت کرو تو میں تمہارا دل خوش کر دوں گا۔''

''آؤ!'' میں نے غرا کر کہا اور واپس اسی راستے پر چل دیا جدھر سے آ رہا تھا۔

''ماسٹر! تم بہت جلدی تاؤ میں آ جاتے ہو۔'' ہوٹل کے پورچ سے گزرنے کے بعد اس نے اپنی زبان کھولی۔ ''آج کا دن شاندار رہا۔ موتی محل میں تین بم پھینکے گئے' دھواں دھار گولیاں چلیں اور ہمارے سارے آدمی خیریت کے ساتھ واپس آ گئے۔ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔''

وہ تفصیل بتاتے ہوئے چاؤ فان کا سینہ فخر سے یوں پھولا ہوا تھا جیسے وہ خود سب کارنامے انجام دے کر آیا ہو۔ اسے مطلق اندازہ نہیں تھا کہ میں اس کامیاب حملے کا عینی شاہد تھا۔ اس نے جو خبر سنائی' اس پر میری طرف سے مسرت کا اظہار بہت ضروری تھا۔

''کمال کی بات ہے!'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''یہ ڈان کی منصوبہ بندی تھی۔ سارا کریڈٹ اسی کو جاتا ہے۔ موتی محل میں تو کافی تباہی پھیلی ہوگی۔''

وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ریموٹ کنٹرول سے گاڑی کے تالے کھولے اور بولا۔ ''پہلے دھماکے کے بعد اندر سے کئی دل دوز چیخیں سنائی دی تھیں۔ میں وہاں کا سماں دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آؤ' ادھر کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔''

''ہوٹل میں بھٹکنے کے بجائے تم سیدھے اس طرف کیوں نہیں نکل گئے؟'' میں نے اس کی گاڑی کے قریب رک کر پوچھا۔

''مزہ نہیں آتا۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''تمہارا موبائل فون بند ہے' انٹرکام پر تمہاری عو.....ع.....میرا مطلب ہے بیوی نے بتایا کہ تم نیچے اترے ہوئے ہو' میں نے سوچا کہ انتظار کر لوں۔ دشمن کی بربادی دیکھ کر تمہارا دل بھی خوش ہو جائے گا۔''

اپنی روانی میں غزالہ کے لیے عورت کا لفظ اس نے بروقت اپنی زبان پر روک لیا تھا۔ غنیمت تھا کہ اسے میری ہدایت یاد تھی۔ میں نے اس کی لغزش کو درگزر کر دیا۔

اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہوگئی۔

''آج ڈان نے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔'' وہ موج میں آ کر کہہ رہا تھا۔ ''مجھے جو خبریں ملی ہیں ان سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آج موتی محل میں کئی آدمی مارے گئے ہوں گے۔''

میں نے وہاں سے فرار کی راہ اختیار کی تو میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ میں کسی طرح جلد از جلد موتی محل سے باہر نکل جاؤں۔ اس کے سوا مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کسی کو مرتے یا زخمی ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن وہاں پھیلے ہوئے بربادی کے آثار بتا رہے تھے کہ بموں کے دھماکے یقیناً مہلک رہے ہوں گے۔

دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوا تو میں ساؤنڈ پروف کمرے میں راجن کے مہمانوں کے سامنے اپنی پیشی بھگت رہا تھا۔ دھماکے کے اثرات محسوس کرنے کے بعد کمرے کا دروازہ کھولا گیا تھا۔ اس سے پہلے ابھرنے والی چیخیں میرے کانوں تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''کاش! راجن کا کوئی اہم مہمان بھی مارا گیا ہو۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔'' چاؤ فان نے حسرت سے کہا ''بڑے لوگ محفوظ اور بند کمروں میں بیٹھتے ہیں۔ ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا ہوگا۔ زخم کھانے اور مرنے والے چھوٹا راجن کے ملازم ہی ہوں گے۔''

''اب ان موٹے جواریوں کی دمیں بھی اونچی ہو جائیں گی!''

چاؤ فان کچھ سوچ کر ہنس دیا اور بولا ''وہ دُموں کے بغیر بھی برفانی ریچھ معلوم ہوتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ وہ اپنے وقت کے مانے ہوئے شہ زور اور لڑاکا تھے۔ مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کے بے ڈول ہو گئے ہیں۔''

کچھ دیر کی مسافت طے کرنے کے بعد چاؤ فان کو رک جانا پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر موتی محل کے آثار نظر آ رہے تھے لیکن پولیس والوں نے ادھر جانے کا راستہ رکاوٹیں کھڑی کر کے بند کر دیا تھا۔ رکاوٹوں سے آگے ہر طرف پولیس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وردیاں اور گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے موتی محل پر حملے کی خبر سن کر پورے شہر کی پولیس فورس وہاں امڈ آئی ہو۔

رکاوٹوں کے پاس سے اپنی گاڑی کو واپس موڑتے ہوئے چاؤفان ایک سپاہی کے پاس رک گیا اور اپنی طرف کی کھڑکی کا خودکار شیشہ اتار کر اس سے اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگا۔

سپاہی نے تیزی سے کچھ کہنا شروع کیا جو میری سمجھ میں نہیں آ سکا لیکن اس کے دونوں ہاتھوں کے پرزور اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بات یا کام سے انکار کر رہا تھا۔

چاؤفان نے چڑانے والے انداز میں اس کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں لہرائیں اور ہنستے ہوئے اپنا شیشہ چڑھا لیا۔

''تم اس کو کیا بتانے کی کوشش کر رہے تھے؟'' میں نے تجسس انداز میں پوچھا۔

''آگے جانے کے لیے سوبھات دے رہا تھا' وہ نہیں مانا۔'' اس نے بتایا۔

''کیا یہاں اس طرح کھلی رشوت چلتی ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''بالکل!'' اس نے پرزور انداز میں جواب دیا ''سوبھات پر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ میرے اوپر ناراض ہو رہا تھا کہ آس پاس اس کے افسر منڈلا رہے ہیں اور میں اونچی آواز میں بول رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا ہی کام ہے۔ رشوت لینے سے زیادہ دینے کے لیے ہمت چاہیے۔ میں مر کر بھی کسی وردی والے کو یوں رشوت کی کھلی پیش کش نہیں کر سکتا۔''

''اسی لیے تم علی ہو۔ تم میں یہ خامی نہ ہوتی تو تم بھی ڈان ہوتے۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''رشوت کا لین دین قانون شکنی کا سب سے پہلا سبق ہوتا ہے' جسے یہ نہیں آتا وہ کبھی بڑا نام پیدا نہیں کر سکتا۔''

''تم نے کون سے بڑے تیر مارے ہیں!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ماسٹر! میں اتنا نکما نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔'' میرا جلا کٹا تبصرہ اس نے اپنے دل پر لے لیا اور سنجیدہ ہو کر بولا ''ڈان بلاوجہ میری عزت نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

''تم ہر وقت ڈان کی سختی اور بدکلامی کا رونا روتے رہتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ اب تم اس سلوک کو اپنی عزت افزائی قرار دے رہے ہو۔''

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اس کی زبان پر نہیں جاتا' مجھے معلوم ہے کہ اس کے دل میں کیا ہوتا ہے۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے' اسے میرے اوپر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا حال دیکھ کر تم کیا محسوس کر رہے ہو!''

اس نے موضوع بدل دیا۔ میں نے بھی ڈان کا ذکر وہیں ختم کر دیا۔

چاؤفان دور کا ایک تماشائی تھا۔ اسے موتی محل کے اطراف میں خوف و ہراس کے سائے دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں موتی محل میں جن حالات سے گزر چکا تھا اس کا عشر عشیر بھی چاؤفان کے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔

اس نے مجھے ڈان کی طرف لے جانا چاہا لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ ڈان کی ہدایت تھی کہ میں اشد ضرورت کے بغیر بھی سیلز بار کا رخ نہ کروں۔ اپنے مرضی سے وہ جب چاہتا' مجھے وہاں طلب کر سکتا تھا۔

چاؤفان کی گاڑی دیر تک شہر کی سڑکوں پر بھٹکتی رہی اور ہلٹن ہوٹل کے آثار نظر نہیں آئے تو میں نے اسے ٹوکا۔ اس کے جواب سے اندازہ ہوا کہ وہ موج میں آ کر آوارہ گردی کر رہا تھا۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ راجن کے معاملے میں وہ میرے یا ڈان کے سوا کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ڈان سے اس کے مراسم نیازمندانہ تھے' میرے ساتھ وہ کافی بے تکلف ہو چکا تھا۔ شہر کی کوچہ نوردی کے دوران وہ مجھ سے راجن اور موتی محل کے بارے میں دنیا جہان کی باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

وہ مجھے ہوٹل سے کھینچ کر بنکاک کی سڑکوں پر لایا تھا۔ میں اس کے ساتھ آنے سے انکار کرتا تو اس کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ میں اتنے اہم واقعے میں دلچسپی کیوں نہیں لے رہا۔ میرے اس غیر فطری ردِعمل کی خبر ڈان کے کانوں تک پہنچتی تو وہ بھی میرے بارے میں کوئی منفی بات سوچ سکتا تھا۔ اپنے دہرے کردار کی وجہ سے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔

اس کے ساتھ آتے ہوئے بھی میرا دھیان غزالہ کی طرف تھا۔ اس نے بہت تشویش کے عالم میں اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں کسی نہ کسی طرح یہ بات چاؤفان کے دماغ میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت درپیش نازک حالات میں ہمارا شہر کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سڑکوں پر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے ہوٹل پہنچا کر اسے بھی اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے۔

وہ اپنے گھر اور گھر والی سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ اس نے اچانک لی کی طرف جا کر وقت گزارنے کا فیصلہ کیا اور مجھے ہوٹل کے قریب اتارنے پر آمادہ ہوگیا۔

لی بہت بڑی فن کارہ تھی۔ وہ چاؤفان جیسے رنگین مزاج مردوں کو رجھانے اور تڑپانے کے ہنر میں طاق تھی۔ چاؤفان خود تسلیم کر چکا تھا کہ وہ اپنی مادم کو خوش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ لی اس کے دل و دماغ سے اس بری طرح چمٹی ہوئی تھی کہ وہ اپنی مردانگی کو بالائے طاق رکھ کر لی کی خوشامد اور حاشیہ برداری میں پورا دن بھی گزار سکتا تھا۔

اسے اپنی دل بستگی کی ایک راہ سوجھ گئی تھی۔ اس نے چند منٹ میں مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے بند دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی تو ذرا سے توقف کے بعد دروازہ کھل گیا۔ اس کے پیچھے غزالہ کا چہرہ اندرونی مسرت سے تمتماتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اپنے دوپٹے کو اسکارف کی صورت میں سر اور چہرے کے گرد کچھ اس طرح لپیٹا ہوا تھا کہ اس کے بشرے کی سادگی معصومیت کی حد تک نکھر آئی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ خیریت سے لوٹ آئے۔ میں مسلسل آپ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔''

اس کے پیچھے مجھے قالین پر بچھا ہوا تولیا نظر آ رہا تھا جسے وہ شاید جا نماز کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ زندگی سبک روی سے گزرتی رہے' خوف اور حادثوں کے اندیشے نہ ہوں تو بیشتر انسان اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں۔ کڑا وقت سر پر آجائے تو ایسے میں ہر شخص کو اللہ یاد آتا ہے۔ غزالہ مذہب اور عبادات سے بیگانہ نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی کیفیت دیکھ کر میرے دل پر بھی عجیب سی رقت طاری ہونے لگی۔ یہ میری ہوشیاری اور چالاکی نہیں تھی جس کے سہارے میں موتی محل کے بھیانک زنداں سے زندہ و سلامت نکل آیا تھا۔ یقینی طور پر غزالہ کی دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو مقبولیت کا درجہ ملا تھا۔

غزالہ نے میری واپسی کے لیے نفل مانے ہوئے تھے۔ اس نے تولیے کی جا نماز سے اٹھ کر میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔ مجھے خوش آمدید کہہ کر وہ دوبارہ اسی مصلے پر چلی گئی۔

شکرانے کے نفل پڑھ کر وہ فارغ ہوئی تو تولیا سمیٹ کر میرے پاس آ بیٹھی۔ اس کی دانست میں' میں موت کے منہ میں جا کر واپس لوٹا تھا۔ شاید اس کا وہ اندازہ اتنا غلط بھی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے جلد از جلد سب کچھ سن لینا چاہتی تھی۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کر دی۔

غزالہ کے چہرے کے تاثرات پل پل بدلتے رہے۔ سب کچھ کہہ دینے کے بعد جب میں نے اس بات پر قلق ظاہر کیا کہ میں بھلڈر میں راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کر سکا تو وہ بے ساختہ بولی۔ ''یہ اچھا ہوا کہ آپ کو یہ بات یاد نہیں آئی۔ آپ اسے مار دیتے تو بڑی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ یہاں سے کراچی تک' سب کچھ نکھر جاتا۔''

''تم کن مشکلات کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ آپ کے ہاتھوں مارا جاتا تو جلد یا بدیر یہ ثابت ہو جاتا کہ آپ بنکاک میں موجود ہیں اور دشمنوں کے خلاف اپنے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔'' اس نے پرجوش لہجے میں وضاحت کی۔ ''جلال کا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ اس کی محنت سے آپ کے دشمنوں کی ساری توجہ ان دونوں قیدیوں پر مرکوز ہے جو ڈینی ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ وہ لوگ انہیں چھوڑ کر بنکاک کا رخ کر لیتے۔''

میں چند ثانیوں کے لیے اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ غزالہ نے برجستگی سے ایک سنگین حقیقت کی نشان دہی کی تھی۔ راجن کی دشمنی اور موتی محل میں پیش آنے والے حالات و واقعات نے شاید میری عقل بری طرح ماؤف کر کے رکھ دی تھی!

میں ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہوسکتا تھا۔ ایک وقت میں بنکاک اور کراچی میں میری موجودگی ناممکن تھی۔ اس وقت تک میں صرف راجن سے برسرِ پیکار تھا۔ اس کی موت کے ذریعے امریکیوں کو بنکاک میں میری موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت مل جاتا تو وہ کراچی کو بھول کر اپنے سارے وسائل کے ساتھ بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے جہاں کا مضبوط فوجی اڈا ایک مدت سے فعال تھا۔

جو کچھ ہوا وہ بہتر ہی ہوا تھا۔ اس میں میرے ارادوں سے زیادہ حالات کے دھارے کا دخل تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی منشیات کے منھ میں چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کے ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا مدت راست ثابت ہوا۔ ٹی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ برا لگا یا جو ہر زخم ان لوگوں نے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خالد نے بہت دفرا ہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے آپیشن ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا جمی ابدالدین شی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو اغوا کرنا تھا۔ ڈون کی ایک چینی بدمعاش کے ہاتھ شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز مالی وسائل پر قابو پا کر انٹیلیس ڈیوٹا الارز نامی یہودی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس فلٹے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ انسار از اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مقتول ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں مارگرم مل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوجھ راج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ پام بیل کے ذریعے سوجھ راج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوجھ راج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی کمان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوجھ راج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوجھ راج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوجھ راج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوجھ راج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے نمدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عملدرآمد کر لیا۔ امریکی خفیہ والوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوجھ راج ظہرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوجھ راج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے نمفانات میں واقع ایک قحبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سارے مای پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سارے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں نے میرا بکرا دیا ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ بکھرا نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پر اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی ہتھیا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے قتلے میں بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریز ہی کرتا رہا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ فان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ علاقے کے چھٹا مور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ یہ نازک لمحات تھے تاہم چاؤ فان کی فائرنگ اور بمباری کے باعث میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب رہا۔

اب آپ قسط نمبر 254 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

غزالہ نے اپنی رائے کا اظہار کر کے میرے ذہن کی دھند یکسر صاف کر دی۔ موتی محل سے واپسی پر راستے بھر مجھے یہ سوچ کر قلق ہوتا رہا تھا کہ میں نے وہاں بموں کے دھماکوں اور دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں ہونے والی بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر راجن کو اپنی زہریلی انگوٹھی کے سہارے موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتارا۔

اس وقت میرا ذہن صرف اسی سمت میں کام کر رہا تھا اور مجھے یہ نظر آ رہا تھا کہ میں راجن کو جہنم واصل کر کے بحفاظت موتی محل سے باہر آ سکتا تھا مگر بات اتنی سیدھی نہیں تھی۔

زہر کے ذریعے دشمنوں کی جان لینے کا انداز میری ذات سے مخصوص ہو کر رہ گیا تھا۔ گولڈن ڈریگن میں' میں نے جب ایک محافظ کو اس انگوٹھی سے شکار کر کے اپنی جان بچائی تو سوبھراج نے فوری طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔ یہ میری چرب زبانی کا نتیجہ تھا کہ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو وہ مہلک ہتھیار دے کر کراچی سے بنکاک بھیجا تھا اور گولڈن ڈریگن کیسینو میں مارا جانے والا گارڈ اسی کا نشانہ بنا تھا۔

وہ بنکاک میں میری جانب سے اس انگوٹھی کا پہلا استعمال تھا۔ پچھلی رات میں نے بنکاک کے ساحلی علاقے میں راجن کے دو آدمیوں کو اسی انگوٹھی کے سہارے موت کی نیند سلایا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ میں اپنے منصوبے کے مطابق ان دونوں لاشوں کو راجن کی گاڑی سمیت نذر آتش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یوں ان دونوں کی سوختہ لاشوں سے موت کے اسباب جاننے کا ہر امکان معدوم ہو گیا۔

اگر میں راجن کو بھی اس انگوٹھی کا نشانہ بنا لیتا تو وہ ضرور ہلاک ہو جاتا مگر میرے لیے ناقابل تصور دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ میرے دشمنوں کو سو فیصد یقین ہو جاتا کہ میں بنکاک میں موجود ہوں۔ راجن کی حمایت اور مدد کے لیے آئے ہوئے پانچوں بھارتی سرغنوں کو علم ہو جاتا کہ اکبر کے بارے میں ان کے شکوک و شبہات درست تھے' ڈینی نے اکبر کا روپ دھار کر راجن کو اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا اور اس کے گھر کا بھیدی بن کر اسے موت کے چنگل میں پھانسنے کی تیاری کر رہا تھا۔

میرے اس قدم سے جلال کی کوششوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ اس نے پورے خلوص کے ساتھ امریکی خفیہ محکموں کے افسران کی توجہ پاکستانی ایجنسیوں کے پکڑے ہوئے دو بدنصیب مجرموں پر مرکوز کرائی ہوئی تھی۔ اس کی جانب سے امریکیوں کو یہ باور کرایا جا رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ڈینی تھا۔ میرا نام امریکیوں کے اعصاب پر اس بری طرح سوار تھا کہ وہ جلال کے اس جھانسے میں آ گئے۔ وہ براہ راست ان دونوں سے ہونے والی تفتیش کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہیں یہ خبر ملتی کہ میں نے بنکاک میں راجن کو اپنے خفیہ ہتھیار سے موت کی نیند سلا دیا ہے تو وہ جلال سے بدظن ہو جاتے۔ ان کے لیے یہ احساس بہت شرمناک اور توہین آمیز ہوتا کہ ایک پاکستانی افسر نے ان کی ساری تربیت اور تجربے کو مات دے کر انہیں ایک بے شمر مشق میں الجھایا ہوا تھا۔ وہ کراچی میں اپنی تمام سرگرمیاں موقوف کر کے بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے۔ اسی کے ساتھ انہیں اپنے اس الزام کی تائید کا اکلوتا اور نہایت مضبوط ثبوت مل جاتا کہ پاکستانی ایجنسیاں ڈینی کی پشت پناہی کر رہی ہیں' ڈینی بنکاک میں اپنے حریفوں سے کشت و خون میں مصروف ہے اور پاکستانی ایجنسیاں اسے کراچی میں زیر حراست ظاہر کر رہی ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا واقعہ جلال کی ساکھ کی تباہی کا سبب بن جاتا۔

راجن کو موتی محل میں زندہ سلامت چھوڑ کر نکل آنا میری حماقت نہیں' درحقیقت کوئی غیبی رہنمائی تھی۔ صحیح وقت پر وہ خیال میرے ذہن میں آ جاتا تو شاید میں ایک لمحے کے لیے بھی ان منفی امکانات پر غور نہ کرتا۔ فرار کی کھلی راہ سامنے پا کر میں چشم زدن میں راجن کا کام تمام کرتا ہوا بھاگ نکلتا۔

غزالہ نے میری بات سنتے ہی چند فقروں میں وہ سارے خدشات بیان کر دیے۔ میں موتی محل میں حالات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بدترین بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔ جو شخص برے حالات سے دوچار ہوتا ہے وہ اکثر اوقات سامنے کی اور سیدھی باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جو لوگ جذباتی یا عملی طور پر ان حالات سے نہ گزرے ہوں' وہ پوری روداد سنتے ہی پل بھر میں بالکل صحیح نتائج اخذ کر کے ان کوتاہیوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں جن کے سرزد نہ ہونے سے سب کچھ بدلنا ممکن ہو جاتا۔ غنیمت یہ تھا کہ میں ایک سنگین غلطی کے ارتکاب سے بال بال بچ گیا تھا۔

''تم خانہ نشین ہو چکی ہو لیکن تمہارے دماغ میں جنگ جو عورت چھپی ہوئی ہے۔'' میں نے ہنس کر اس کی تعریف کی ''تم ذرا سے اشارے سے پوری بات سمجھ لیتی ہو۔''

''میرا زندگی بھر ایسے معاملات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ آپ کی ویرا میرے پیچھے نہ لگی ہوتی تو میں آج بھی ان پیچیدگیوں سے نابلد ہوتی!'' وہ شوخی سے بولی۔

''میری ویرا کیوں.....؟'' میں نے چونک کر ہلکا سا احتجاج کیا ''وہ مجھ سے زیادہ تمہاری گہری دوست ہے۔''

''شاید آج کے لیے آپ کی بات درست ہو' ایک زمانے میں وہ میری جان کی دشمن تھی۔ میری اور اس کی دشمنی کا سبب آپ تھے'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے آدمی مجھے زبردستی انگلینڈ نہ لے گئے ہوتے تو میں آج بھی سیدھی سادی ہوتی۔''

اس کی بات درست تھی۔ جو لوگ مصائب سے دور رہ کر زندگی گزارتے ہیں' ان کی سوچ اور ردعمل میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی زندگی کے ایک ایک سانس کے لیے حالات کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہیں' ان کی جبلتیں جلا پا کر اتنی توانا ہوتی چلی جاتی ہیں کہ وہ پلک جھپکتے میں حالات کا صحیح تجزیہ کر کے بہترین فیصلے کرنے کے قابل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

دوپہر کو ٹیلی وژن سے نشر ہونے والی انگریزی خبروں میں موتی محل پر ہونے والے حملے کا ذکر موجود تھا۔ نامعلوم افراد کے ایک جتھے نے دستی بموں اور آتشیں ہتھیاروں سے موتی محل پر حملہ کیا تھا۔ احاطے کی اونچی دیواروں کی وجہ سے فائرنگ نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا لیکن اندر پھینکے جانے والے تین بموں سے پانچ افراد ہلاک اور چار زخمی ہوئے تھے۔

ٹیلی وژن دیکھتے ہوئے میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اس خبر کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی۔ وہ بنکاک کی شہری زندگی کا ایک اہم اور خونیں واقعہ تھا۔ راجن کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا مگر وہ خبر آخر میں اور سرسری انداز میں ٹیلی کاسٹ کی گئی تھی۔ خبر میں جائے واردات کی کوئی تصویری تفصیل شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ خبر کے آخر میں اس کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ واردات پر کسی قسم کی رائے زنی کے لیے راجن سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ پے در پے مار کھانے کے بعد وہ کہیں روپوش ہو چکا تھا۔ وہاں پہنچنے والوں کے لیے موتی محل کا پھاٹک بند تھا۔ فون کی گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں۔ ان کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ موتی محل کے جو مکین موت اور ہلاکت سے بچ گئے تھے' انہیں سانپ سونگھ گیا تھا' وہ کسی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''راجن بدترین خسارے سے دوچار ہوا ہے۔ ان خبروں سے ڈان کو بہت خوشی ہوگی'' خبریں ختم ہونے پر میں نے ٹیلی وژن بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اصل میں اس کی لڑائی ہے۔ راجن کے بعد کوئی ڈان کی راہ نہیں روک سکے گا'' غزالہ نے پرخیال انداز میں تبصرہ کیا۔

''تم بھول رہی ہو کہ جلال بھی راجن کی موت کا خواہاں ہے'' میں نے اسے یاد دلایا ''میں اسی کی خواہش پر راجن کی راہ پر لگا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ڈان میری طرف سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں اس کے لیے دل و جان سے کام کر رہا ہوں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی ''راجن کی موت کا فوری فائدہ ڈان کو حاصل ہوگا۔ اسے خوش کرنا ہے تو آپ کو اسے فون کر لینا چاہیے۔''

''میرا اندازہ ہے کہ وہ خود خوشی سے بے قابو ہو کر مجھے فون کرے گا۔''

''وہ آپ کی ہر کامیابی پر فون کر کے آپ کو مبارک باد دیتا رہا ہے'' غزالہ ناصحانہ انداز میں بولی۔ ''آج کے حملے کا منصوبہ اس کا تھا۔ آپ پہل کریں گے تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا' وہ خوش ہو جائے گا۔''

غزالہ کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے اسی لمحے ڈان کے موبائل فون کا نمبر ملا لیا۔

''ڈان! مبارک ہو' آج تمہارے آدمیوں نے موتی محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی'' سلسلہ ملتے ہی میں نے پرجوش لہجے میں کہا ''تمہارا بنایا ہوا منصوبہ زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے۔ اب آنے والے دن تمہارے ہیں۔''

''یہ میرے ساتھ تمہاری بھی کامیابی ہے'' ڈان کی تحکم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میز آواز میں بردباری سمٹ آئی ''تمہارے آجانے سے ہمارے سب آدمیوں کو حوصلہ ملا ہے۔ اس وار نے چھوٹا راجن کی ہوا اکھاڑ دی ہے۔ اس کے حمایتی یہاں اپنے جھنڈے گاڑنے کے لیے آئے تھے مگر اب بدحواس ہو چکے ہیں۔ ابوسالم ایک پرواز سے ممبئی یا دبئی کی طرف نکل چکا ہے۔ بقیہ چاروں بھی جلد از جلد یہاں سے بھاگ نکلیں گے۔ ہمارا دشمن بے یارومددگار رہ جائے گا۔''

مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ موتی محل پر حملے کے صرف دو تین گھنٹوں بعد ابوسالم بنکاک سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

''کیا وہ اپنی واپسی کی سیٹ کنفرم کروا کے آیا تھا؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں بے ساختہ سوال کیا ''اتنی جلدی وہ کیسے جا سکتا ہے!''

''اس کا نام اتنا بڑا نہیں ہے لیکن وہ ان سب سے زیادہ چالاک ہے'' ڈان کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی۔ ''اس نے بھانپ لیا ہوگا کہ وہ یہاں رکا رہا تو بنکاک میں اس کی قبر بن سکتی ہے۔ یہ لوگ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ یقین کر لیتے ہیں کہ ان کی واپسی کے دس راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے سیٹ لینا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔''

''تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم کام کرنے کے ساتھ ساتھ گردوپیش کے حالات سے باخبر بھی رہتے ہو'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ آج ہونے والی خوں ریزی نے چھوٹا راجن کے ساتھیوں کے دل دہلا دیے ہیں۔'' میری تعریف کے جواب میں ڈان کے لیے اپنی باخبری کا مزید اظہار لازم ہو گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''خبریں ہیں کہ سب لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ موتی محل میں اپنے بھارتی غلاموں کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔''

''وہ کب تک چھپا رہے گا..... سامنے آیا اور مارا جائے گا۔''

''یہ تمہارا کام ہے۔ اس میں چاؤفان پوری طرح تمہاری مدد کرے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟'' بات کرتے کرتے ڈان نے مجھ سے اچانک ایک بے تکا سوال کر دیا۔

''حملے کے بعد وہ میرے پاس آیا تھا۔ ہم دونوں نے موتی محل کی طرف جانے کی کوشش کی لیکن پولیس والوں نے راستے بند کیے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ہوٹل پر اتار کر واپس چلا گیا'' میں نے جلدی جلدی بتایا۔ یہ بات سرے سے گول کر دی کہ مجھ سے رخصت ہو کر وہ کہاں جانے کا ارادہ ظاہر کر رہا تھا۔

''وہ خوش ہو یا مغموم، دونوں حالتوں میں یکساں حرکتیں کرتا ہے۔ شراب پی کر عورتوں میں گھسنا اس کا سب سے بڑا شوق ہے۔ وہ اس وقت لمبی گھوڑی کی طرف گیا ہوگا۔ آج کل وہ وہاں کے چکر لگا رہا ہے۔'' ڈان نے تلخی سے کہا۔

''وہ کہیں بھی ہو، مجھے اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر کے میرے پاس چلا آتا ہے'' میں نے ایمان داری سے حقیقت بیان کر دی۔

''اسے قابو میں رکھو، میں اس کی طرف سے فکرمند ہوں۔ چھوٹا راجن کا قصہ ختم ہونے کے بعد اسے آزادی ملے گی تو وہ بے لگام ہو جائے گا۔''

راجن زندہ تھا لیکن ڈان کو آنے والے وقت کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ زیرِ زمین دنیا کا اقتدار اس کے پاس آ جاتا تو اسے لازمی طور پر ان ہی لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا جو گوشہ نشینی کے دنوں میں اس پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہے تھے۔ ایسے لوگوں میں چاؤفان کا نام سرفہرست تھا۔

''تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ ذمے داری کا بوجھ پڑے گا تو وہ خود ہی سدھرنے کی کوشش کرے گا۔''

''علی! مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے گوشہ نشینی کے بہت دن گزار لیے۔ اب اچھے دنوں کا جلد آغاز ہونا چاہیے۔'' دوسری طرف سے مختصر سے سکوت کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''وہ اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا ہے تو تم کسی طرح اسے باہر نکالو۔ اس کا قصہ اب ختم ہونا چاہیے۔''

''تم نے مجھے حوصلہ افزا خبریں سنائی ہیں۔ اس کے حمایتی ایک ایک کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں تو میں کوئی راہ نکالتا ہوں'' میں نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔

''میں تمہارے اندازوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ کل تم نے کہا تھا کہ شاید وہ سب موتی محل میں جمع ہوں اور آج وہ وہیں تھے۔ وہ کہیں اور اکٹھا ہوتے تو شاید چھوٹا راجن کا منہ اتنا کالا نہ ہوتا'' ڈان کو اچانک میری قیاس آرائی یاد آ گئی اور اس کی زبان چل پڑی ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اس کے اہم مہمان اس کے گھر آئے ہوئے تھے اور وہ میرے آدمیوں کا حملہ نہیں روک سکا۔ جو آدمی اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتا، وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مہمانوں کی کیا حفاظت کرے گا؟''

ڈان نے بالکل وہی بات کہہ ڈالی جو ابتدا سے میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ ڈان نے صرف اندازہ لگایا تھا' میں موتی محل میں اپنی آنکھوں سے راجن کے مددگاروں کے تیور دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے کسی نے راجن کو اپنے برابر کی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص اس سے مربیانہ انداز میں پیش آ رہا تھا۔ تباہ کن حملے کے بعد ان کے تیور بگڑنے لازمی تھے۔

میں نے غزالہ کے ایما پر مخصوص مقصد کے لیے ڈان کو فون کیا تھا۔ میں نے گفتگو کو طول دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

موتی محل میں میری حاضری کا اہم ترین کام صبح سویرے نمٹ گیا تھا۔ اس وقت مشکل سے دوپہر ہوئی تھی۔ آگے پہاڑ جیسا آدھا دن پڑا تھا۔ میں نے شہر کی کوچہ نوردی کے لیے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کیا تو غزالہ بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دوران میں' میں غزالہ کے ساتھ باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہا۔ ہم دونوں کی شناخت بدلی ہوئی تھی پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ہم دونوں الگ الگ باہر جاتے۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے ہم عینکوں وغیرہ کے استعمال سے اپنے حلیوں میں اتنی تبدیلی ضرور کر لیتے کہ کوئی ہمیں پہلی نظر میں نہ پہچان سکے۔

ویسے بھی غزالہ ہوٹل سے بہت کم باہر نکلتی تھی۔ میرے ساتھ کسی مہم میں اس کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر چاؤفان میرے ساتھ ہوتا۔ میں اس کی فطری خباثتوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں عورتوں کے لیے عزت نام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ وہ ہر خوب رو عورت اور لڑکی کو ایک تفریحی کھلونا سمجھنے کا عادی تھا۔ اگر وہ اپنی بسیار گوئی کی روانی میں کسی وقت غزالہ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کر گزرتا تو میرے لیے برداشت کرنا ناممکن ہوتا۔ ایسی کسی تلخی سے بچنے کے لیے میں نے کبھی اس کو غزالہ کے سامنے لانے کی کوشش نہیں کی۔

میری مجبوری یہ تھی کہ وہ بنکاک میں میرا واحد عملی مددگار تھا۔ میں اس کے ساتھ اپنے مراسم بگاڑنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

ڈان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس نے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا جبکہ میں نہایت انکسار اور عاجزی سے کام لے کر اسے اس حد تک استعمال کر رہا تھا کہ چاؤفان میرے اشاروں کا غلام بنا ہوا تھا۔ مجھے ڈان کے ذریعے چاؤفان کا سہارا نہ ملا ہوتا تو سوبھراج پر قابو پانا ناممکن ہو گیا ہوتا۔

ان لوگوں کی مدد سے میں نے نہایت رازداری کے ساتھ سوبھراج کو جہنم واصل کیا۔ وہ کام ایسی خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا کہ نہ سوبھراج کا نام سامنے آ سکا نہ ڈان کو میرے اصل مقصد کی ہوا لگ سکی۔ وہ بدستور میرے گن گا رہا تھا۔

ہوٹل کے بند کمرے میں رہتے رہتے غزالہ کا اکتا جانا فطری تھا۔ اس وقت میرے سامنے کوئی مشن نہیں تھا' میں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادگی ظاہر کی تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور اس نے ویرا سے ملنے کی فرمائش کر ڈالی۔

میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ہم چاروں ایک شہر میں موجود تھے لیکن غزالہ کو ان دونوں سے ملاقات کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی کہ اسے ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اس ملاقات کے لیے ہمارا ہوٹل محفوظ تھا نہ ویرا کا۔ اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی کہ سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم مخشب بنکاک چھوڑ چکا تھا لیکن بقیہ لوگوں کی رہائش کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ادھر کا رخ نہ کیا جائے۔

معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا کے ہوٹل کی پشت پر سیام اسکوائر کا وسیع و عریض پارک موجود ہے۔ جہاں ہر وقت سیاحوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ آنے جانے والوں کو ایک دوسرے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس علاقے میں سیاحوں کی توجہ کے کئی اور مراکز بھی موجود تھے۔ ہم چاروں کی محفوظ ملاقات کے لیے سیام اسکوائر بہترین مقام تھا۔

میں نے اسی وقت فون ملایا۔ کال سلطان شاہ نے وصول کی۔ شاید مجھے اس کے کمرے کا نمبر یاد رہا تھا۔ میں نے اسے ویرا کے ساتھ سیام اسکوائر کے پارک میں پہنچنے کی ہدایت کی اور مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کے ہوٹل اور سیام اسکوائر کے محل وقوع کا علم نہیں تھا لیکن وہ کوئی سوال کیے بغیر میری ہدایت کا مدعا سمجھ گئی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے اسے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کی فرمائش پوری کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

ہم دونوں ہلٹن ہوٹل کے احاطے سے نکل کر بائیں طرف مڑ گئے جہاں نکڑ کی عمارت میں برطانوی سفارت خانہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قائم تھا۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ اسے میرے ساتھ بنکاک کی سڑکوں پر سیر گشت کرنے کا ایک اور موقع مل گیا تھا۔ سفارت خانے سے ہم راما ون روڈ پر داہنی طرف گھوم کر قدیم وضع کی عمارات اور یادگاروں کے قریب سے ہوتے ہوئے سیام اسکوائر کے پارک میں داخل ہوئے تو غزالہ حیران رہ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں نے اپنے لیے اتنے قریبی ہوٹل کا انتخاب کیا ہوگا۔

وہ دوپہر کا وقت تھا۔ پارک میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی پھر بھی وہاں خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ سلطان شاہ نے میری ہدایت پر بہت تیزی سے عمل کیا۔ وہ ویرا کے ہمراہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے دور سے ہمیں دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرایا اور ہم دونوں تیزی سے اس کی طرف ہو لیے۔

ہم چاروں کی ملاقات خاصی پرجوش رہی۔ ویرا یوں غزالہ سے ملی جیسے برسوں بچھڑے رہنے کے بعد ان کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی ہو۔ میں ان سے پہلے ہی مل چکا تھا اس لیے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' دور سے وہ تماشا دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے عورتوں کے روایتی انداز میں کچھ گلے شکوے کیے' سلطان شاہ اپنی باری آنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ ویرا کی مزاج پرسی سے فارغ ہو کر غزالہ نے اس سے ہاتھ ملایا تو اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی جگمگا اٹھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ امریکا میں رہ کر ایسی بے لوث اپنائیت کو ترس گیا تھا۔

اس وقت ہم پارک کی ایک پختہ روش پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ عام گزرگاہ تھی۔ میں انہیں نرمی سے اشارہ کر کے گھاس کے ایک قطعے پر اتر گیا۔

چند منٹ بعد ہم تھکے ہارے سیاحوں کی طرح ستانے والے انداز میں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''آج تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میرے دل کو اطمینان ہوا ہے'' سلطان شاہ' غزالہ سے مخاطب ہو کر بولا ''ایک دوسرے کے بغیر تم ادھورے لگتے ہو۔''

''اور میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''تمہاری ذات سے مجھے کوئی سکھ ملنے کی امید ہوتی تو میں نے اپنے رہنے کے لیے الگ کمرا کرائے پر نہ لیا ہوتا'' اس نے برجستگی سے جواب دیا۔

''ان دونوں کو دیکھ کر اب اپنی اصلیت جتا رہے ہو..... یہ کیوں نہیں کہتے کہ برسوں ایک چھت کے نیچے میرے ساتھ رہنے کے بعد اچانک تم کو خیال آیا ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کو تنہائی میں یک جا نہیں رہنا چاہیے'' ویرا بولی۔

''ابھی بھی چھت ایک ہی ہے' بس بیچ میں دیواریں آ گئی ہیں'' سلطان شاہ نے کہا ''ویسے بھی تم جن برسوں کا حوالہ دے رہی ہو' ان میں' میں بھی تمہارے کمرے میں نہیں رہا' ایک گھر کے الگ الگ کمروں میں رہنے کو تم ساتھ رہنا نہیں کہہ سکتیں!''

''تمہاری بات سو فیصد درست ہے'' میں نے سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن یہ بات تمہیں کب اور کیسے یاد آ گئی؟''

''میں نیویارک میں جہاز کی لینڈنگ سے پہلے الگ کمرے میں رہنے کا فیصلہ کر چکا تھا'' اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اسے دوران پرواز ویرا کا اپنے شانے سے سر ٹکا کر سونا ناگوار گزرا تھا۔ ویرا کی اس بے تکلفی نے اسے ایک ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایک کمرے میں شب و روز ساتھ گزارے جاتے تو اس کی عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ ویرا مجھے فون پر اس واقعے کے بارے میں بتا چکی تھی۔ ویرا کے بے پروائی سے سو جانے پر وہ اتنا برہم ہوا تھا کہ اس کے مزاج کو اعتدال پر لانے کے لیے ویرا کو اپنے پیر میں موچ آنے کا ڈراما کرنا پڑا تھا۔

غزالہ اس قصے کو کریدنے کی فکر میں تھی مگر میں نے بات آگے نہیں بڑھنے دی اور جلدی سے بولا ''تم دونوں ایک کمرے میں رہو یا الگ الگ' مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمہارے مراسم خوشگوار ہیں۔''

''یہ میری برداشت کا کمال ہے کہ تمہیں ہمارے تعلقات خوشگوار نظر آ رہے ہیں ورنہ اس خاتون نے معاملات بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی!''

''یہ سفید جھوٹ ہے'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں اکبر کی بات ماننے سے انکار کرتی چلی آ رہی ہوں۔''

ویرا کا الزام سن کر غزالہ چونک گئی۔ میرے بھی کان کھڑے ہو گئے مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ گفتگو میں قدرے تیزی آ جانے کے باوجود ویرا نے سلطان شاہ کا فرضی نام لیا تھا۔

''اکبر کیا کہتا ہے تم سے؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں پیدائشی کرسچین ہوں۔ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مذہب تبدیل کرلوں۔ جب موقع ملتا ہے اس بارے میں مجھ پر دباؤ ڈالنا شروع کردیتا ہے'' ویرا کا جواب سن کر غزالہ کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات یکا یک ڈھیلے پڑ گئے۔

''تم منہ در منہ جھوٹ بول رہی ہو'' اس بار سلطان شاہ تلملا کر بولا ''میں نے ایک بار بھی تم سے مذہب کی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا' تم کو مسلمان ہوجانے کے فائدے گنواتا رہا ہوں۔''

''میرے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے'' ویرا بے پروائی سے بولی ''ایک کیتھولک کرسچین کو اپنے وعظ سنا کر تم کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

''اوہ خدا!'' غزالہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہنے والے انداز میں بولی ''ہم چاروں ایک مدت کے بعد یک جا ہوئے ہیں اور تم دونوں نے پھر اپنی پرانی.....''

''انہیں بولنے دو'' میں نے ہاتھ اٹھا کر غزالہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''یہ ان کے دلوں میں دبا ہوا غبار ہے جو نکل رہا ہے۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا۔ جب کوئی نہیں بولا تو میں نے سلطان شاہ سے پوچھا ''ریٹا نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟''

''تت..... تبلیغ میں ایسا ہی کرتے ہیں'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا ''غیر مسلم اسی طرح ہمارے مذہب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔''

''یہی بات میں کہہ رہی ہوں تو تم مجھے جھوٹا قرار دے رہے ہو'' ویرا نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا ''یہ تمہاری نہیں' میری برداشت ہے کہ آج بھی گاڑی چل رہی ہے۔ تم مسلسل مجھے میرے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے اور میں چپ رہی۔ میں جانتی تھی کہ میں تمہیں قائل نہیں کرسکوں گی۔ ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا جو تمہیں کوئی معقول بات سمجھاتا۔ اب علی خود فیصلہ کردے گا کہ کون غلطی پر ہے۔''

''تم ریٹا کو مسلمان کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے اپنی نظریں سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز کرکے سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

''کوشش کررہا تھا'' اس نے مجھ سے نظریں چرا کر کمزور لہجے میں جواب دیا ''وہاں ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا' میں نے سوچا کہ بیکار رہنے کے بجائے ایک نیک کوشش کرتا رہوں۔ شاید میری باتیں ریٹا کے دل میں اتر جائیں۔''

''میں کرسچین ہوں لیکن کبھی چرچ نہیں جاتی۔ مسلمان ہوگئی تو تمہاری مسجدوں میں نہیں جاؤں گی'' ویرا جارحانہ انداز میں بولی ''یہ بتاؤ کہ میں مسلمان ہوگئی تو میرا مستقبل کیا ہوگا؟ مجھے کون قبول کرے گا..... تمہارے معاشرے میں ایک بے وطن اور نومسلم عورت کا کیا بنے گا؟''

یکا یک سلطان شاہ کے چہرے سے یتیمی برسنے لگی اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھنا شروع کردیا۔

وہ بہت نازک موڑ تھا۔ ہنسی مذاق میں بات بہت دور نکل گئی تھی۔ غزالہ نے اس موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا ''تم نے ایک نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اپنے اندر تھوڑی سی ہمت بھی پیدا کرو۔ ریٹا کا سوال بہت جائز ہے۔ اسے اپنے مذہب کے دائرے میں لانا چاہتے ہو تو اسے حوصلہ دو کہ تم اسے قبول کرلو گے۔''

سلطان شاہ کے دیدے حیرت سے پھیل گئے' اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر کچھ کہے بغیر دونوں ہونٹ مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمالیے۔ اسے غزالہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ یکا یک اسے ایسے امتحان میں ڈال دے گی۔

''صدف کی بات درست ہے'' میں نے لقمہ دیا ''خود میں اتنی ہمت پاتے ہو تو اس کا مشورہ قبول کرلو ورنہ انکار کردو۔ یہ زبردستی کا معاملہ نہیں ہے۔''

میں کن انکھیوں سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس مرحلے پر ویرا نے متانت آمیز خاموشی اختیار کرلی تھی اور اس کی عقابی نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اس مشکل ترین صورت حال میں پھنس جانے کے سبب سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے اپنی نظریں جھکا کر دھیمی اور ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا ''میں فوری طور پر اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔''

''یہ حال ہے تمہارا؟'' ویرا نے زہریلی آواز میں اس پر الفاظ کا کوڑا برسایا ''مجھے اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہو اور اپنے آپ میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ دوٹوک الفاظ میں میری ذمے داری قبول کرنے کا اقرار یا انکار کرسکو!''

''ریٹا! برہم ہونے کی ضرورت نہیں'' غزالہ نے نرمی سے ویرا کو سمجھایا ''یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کو بہت آسانی سے بڑے بڑے مشورے دے ڈالتا ہے' اس کی اپنی باری آتی ہے تو وہ خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اکبر کو بھی سوچنے سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں ہم کسی بھلے وقت میں دوبارہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات کریں گے۔''

''ابھی تک تم دونوں نے اکبر سے بات کی ہے'' ویرا نے تیکھے تیوروں کے ساتھ کہا ''مجھ سے میری رائے نہیں پوچھی۔ اب اکبر کا فیصلہ آ جانے دو' میں اپنی رائے آخر میں دوں گی۔''

ویرا کے آخری فقرے پر سلطان شاہ کی گردن کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ویرا کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ ویرا نے ایک بے وطن اور نومسلم عورت کے مستقبل کا سوال کر کے اس کے سر پر بہت بڑا بوجھ ڈال دیا تھا۔

''کیا ہم لوگ یہ الجھن پیدا کرنے کے لیے یہاں آئے تھے؟'' چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اچانک ویرا نے ایک مختصر اور جان دار قہقہہ لگایا اور میں بھونچکا رہ گیا۔ اس کا رویہ ہمیشہ غیر یقینی ہوا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کبھی کوئی درست پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی' وہ کسی بھی وقت اپنے قول و فعل کا کوئی انوکھا کرتب دکھانے پر قادر تھی۔

میری طرح غزالہ اور سلطان شاہ بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بے نیازی کے ساتھ کہہ رہی تھی ''دیکھو' اب کیسا بجر بٹو بنا ہوا بیٹھا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ میں آسان شکار نہیں ہوں۔ ہمیشہ فیصلہ کن کھیل کھیلتی ہوں۔ جیت جاتی ہوں یا پھر ہار مان لیتی ہوں۔ اس کی طرح مہلت کی طلب گار نہیں ہوتی۔''

''کیا ہم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟'' میں نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

''دوسری بلکہ اہم ترین بات ابھی باقی ہے۔'' ویرا بولی ''پتا نہیں' یہ مذہبی قصہ کیسے شروع ہو گیا۔''

''وہ بھی کہہ ڈالو۔ غیر ضروری تجسس سے مجھے الجھن ہوتی ہے'' میں نے کہا۔

''جلال سے میری بات ہوئی ہے'' ویرا اپنی بات دانستہ ادھوری چھوڑ کر اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔ میرے اعتراض کے جواب میں اس نے فوری طور پر غیر ضروری تجسس پیدا کرنے کی شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔

''تم نے اسے کب فون کیا؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''وہ کئی دنوں سے مجھ سے رابطہ کرنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ آج کامیاب ہوا تو اس سے خاصی تفصیل سے بات ہوئی۔ وہ میری یہاں آمد سے خوش نہیں ہے۔''

''اس کی ناخوشی میرے لیے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''تم نے بھی مجھے یہاں آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت تاخیر ہو چکی تھی۔ ہمیں ہر حال میں جلد از جلد کینیڈا سے نکلنا تھا اس لیے اسی طرف چل پڑے۔ اس کی التجا بلکہ ہدایت ہے کہ اب کسی بھی قیمت پر یہ راز فاش نہیں ہونا چاہیے کہ ہم چاروں میں سے کوئی بنکاک میں موجود ہے۔'' اس نے اطمینان سے بتایا۔

اچانک میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں اور مجھے یاد آیا کہ میں نے موتی محل میں ہونے والی بھگدڑ میں صبح کے وقت راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کر لیا ہوتا تو جلال کی ہدایت دھری کی دھری رہ جاتی۔ راجن کی لاش دستیاب ہوتے ہی بنکاک میں یہ خبر گردش میں آ جاتی کہ اسے ڈینی نے اپنے مخصوص زہریلے ہتھیار کا نشانہ بنایا ہے۔

''جلال نے اس ہدایت کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''پاکستان میں بہ یک وقت دو قیدی ڈینی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ جلال نے امریکی کیمپ کی ساری توجہ ان دونوں پر مرکوز کروا دی ہے۔ اب یہاں سے کوئی خبر لیک ہوتی ہے تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جلال کی پوزیشن کیا ہوگی؟'' ویرا نے بتایا ''اس وقت اولین اہمیت رازداری کی ہے۔ اسے برقرار رکھنے کے لیے سب کچھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔''

''یہ معاملہ اتنا اہم ہے تو اسے براہ راست مجھ سے رجوع کرنا چاہیے تھا'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ ''یہ پیغام تمہارے ذریعے کیوں پہنچایا گیا ہے؟''

''اپنے کی ضرورت نہیں' وہ تم سے ہی بات کرے گا۔ وہ تمہاری مصروفیات سے بڑی حد تک باخبر ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم بری طرح الجھے ہوئے ہو۔'' ویرا نے کہنا شروع کیا ''میرے فون کے چکروں کی وجہ سے اسے مجھ سے رابطہ کرنے میں ناکامی ہو رہی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ہم دونوں اکبر کی البرٹو میں دلچسپی کی وجہ سے کسی چکر میں نہ پھنس گئے ہوں۔ وہ مخلص اور ہمدرد آدمی ہے۔ مسلسل اپنی کوششوں میں لگا رہا اور آج اس سے میری بات ہو گئی۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے بریف کیا ہے تاکہ اس کی رائے تمہارے کانوں میں پڑ جائے۔ تفصیل وہ خود بتائے گا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ پاکستان میں واقعات ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔''

''یہ احساس مجھے بھی ہو چکا ہے'' میں نے پرتشویش لہجے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کہا ''اسی لیے میں تمہیں بنکاک آنے سے منع کر رہا تھا۔ نفری بڑھ جانے سے نئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ تم یہاں آ ہی گئی ہو تو تم نے خود اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہاں کے حالات کیا ہیں.....؟''

''تھوڑی دیر پہلے خبروں میں راجن اور موتی محل کا ذکر آیا تھا'' اس نے یکا یک میری بات کاٹ کر متجسس لہجے میں کہا ''کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ کیا یہ تمہاری شرارت تھی؟''

''یہ شرارت نہیں' خوفناک لڑائی ہے'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا ''میں تنہا اتنا بڑا کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس منظم کارروائی میں دوسرے لوگ شریک تھے مگر حالات کی بنا پر میں بھی اس واقعے میں ملوث ہو گیا۔''

گفتگو کا رخ تیزی سے بدل رہا تھا۔ رابطے کے فقدان کی وجہ سے ویرا کے ذہن میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے اور وہ جلد از جلد ان کے جواب سننے کی خواہاں تھی۔

میں نے اسے موتی محل میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ فکرمندانہ انداز میں بولی ''معاملات اس حد تک الجھ رہے ہیں تو تم یہاں کیوں ٹکے ہوئے ہو.....؟ ڈان تم دونوں کے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہے' وہ واپس لو اور ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔''

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' میں نے کہا ''جلال راجن کی موت کا خواہش مند ہے۔ اب یہ میری انا کا سوال بھی بن چکا ہے۔ جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اسے مار نہیں لوں گا' مجھے چین نہیں آئے گا۔ اس کام میں مجھے تم لوگوں کی کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم دونوں خاموشی کے ساتھ یہاں سے لوٹ جاؤ بلکہ صدف کو بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ تم تینوں کے نکل جانے کے بعد میں زیادہ بے فکری سے اپنا کام کر سکوں گا۔ یہاں سے نمٹتے ہی میں تم تینوں سے آملوں گا۔ اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

''تم نے بتایا تھا کہ تم ڈان کی خواہش پر راجن کے پیچھے لگے تھے۔ اب تم اس بارے میں اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟'' ویرا کی روایتی جرح شروع ہو گئی۔

''وہ پرانی بات تھی۔ اب میری اور راجن کی لڑائی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈان کا مدعا پورا ہوتا ہے تو وہ ایک ضمنی بات ہے۔ مجھے اس سے زیادہ سروکار نہیں رہا۔ جب تک یہاں میری اصلیت راز میں ہے' مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ سچ پوچھو تو میں یہاں مل جانے والے دوستوں کی وجہ سے خود کو بہت مطمئن اور آسودہ محسوس کرنے لگا ہوں۔''

''آپ ڈان اور چاؤفان کی بات کر رہے ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''یہاں وہی لوگ میرے خیرخواہ ہیں۔ تمہیں ان کی ذہنی سطح کا اندازہ ہے۔ میں جب تک چاہوں' انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہوں۔''

''اگر تم یہاں مطمئن اور آسودہ ہو تو ہم میں سے کسی کو یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں'' ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا ''حالات اور قسمت نے ہمیں یہاں یکجا کر دیا ہے تو اب ہمارا مرنا اور جینا ایک ساتھ ہوگا..... تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟'' آخری سوال اس نے سلطان شاہ سے کیا تھا۔

وہ ندامت اور شرمندگی کے عالم میں اپنا سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے براہ راست مخاطب کر کے زبان کھولنے کا حوصلہ دیا تو وہ نرم آواز میں بولا ''میں تمہاری رائے سے متفق ہوں۔ ہم یہاں ایک ساتھ ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں۔ محتاط رہیں تو ہمیں ایک دوسرے کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔''

''ڈان ان کا گرویدہ ہو چکا ہے'' غزالہ نے خوش مزاجی کے ساتھ ویرا کو بتایا ''اپنے اقتدار کی بحالی کے ساتھ وہ انہیں اپنا دست راست بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔''

''اوہ!'' ویرا ہلکے سے استہزائی انداز میں بولی ''یہ کہو کہ اب تم بنکاک کے بدمعاشوں کا سرغنہ بننے کی تیاری کر رہے ہو۔''

''فضول باتیں مت کرو'' میں نے ناگواری سے کہا ''شی سے بغاوت کرنے کے بعد میں قانون شکنی سے تائب ہو چکا ہوں۔''

''یہ میرے لیے نئی خبر ہے'' ویرا نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ''تم اس وقت سے اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو' وہ دنیا کے کون سے قانون کی رو سے جائز ہے؟''

''میں نے جو کچھ کیا' وہ قانون کی بالادستی اور اپنے ملک کے مفادات کو بچانے کے لیے کیا'' میں نے سنجیدہ ہو کر کہا ''میری دانست میں قانون شکنی وہ ہوتی ہے جو ناجائز ذاتی مفادات کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔''

''خوب! اب پتا چلا کہ تم نے مفہوم اور معانی کے لیے اپنی لغت بنائی ہوئی ہے'' ویرا نے اسی موڈ میں کہا ''دنیا کا ہر مجرم اپنی حرکتوں کے جواز میں ایسی ہی لنگڑی لولی تاویلیں پیش کرتا ہے۔''

''مجھے پروا نہیں کہ تم کیا سمجھتی ہو'' میں نے برہمی سے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں جو کچھ کرتا رہا ہوں' اس کے بارے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میرے بارے میں ڈان جو کچھ بھی سوچ رہا ہو' مجھے بنکاک کی زیرِ زمین دنیا کی سرگرمیوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اپنا کام ختم کر کے میں پاکستان لوٹ جاؤں گا۔''

''وہاں تمہارے لیے جال تیار ہو رہے ہیں۔ جاؤ گے اور دھر لیے جاؤ گے۔'' ویرا اپنی عادت کے مطابق بحث پر تلی ہوئی تھی ''تم پل پل میں بات بدل رہے ہو۔ ابھی ذرا دیر پہلے یہاں بن جانے والے دوستوں کی وجہ سے اطمینان ظاہر کر رہے تھے' اب یہاں سے واپس جانے کی بات کر رہے ہو۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تمہارے دماغ میں کیا ہے۔''

''میری پہلی ترجیح یہ ہے کہ میں جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جاؤں۔ اگر ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلاوطن رہنا پڑا تو پھر میں بنکاک میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔ کسی نئے ملک یا شہر میں جا کر قدم جمانے سے بہتر ہے کہ میں یہیں رکا رہوں۔''

''یہی مسئلہ میرا بھی ہے' تم اپنے دوستوں کی وجہ سے یہاں رہنا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری ذات سے سہارا ملتا رہے گا۔ قصہ ختم اور پیسا ہضم!'' وہ بات پوری کر کے ہنس دی۔

میں نے کھل کر ان لوگوں کے سامنے اپنے دل کی بات بیان کر دی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جلاوطنی کے امکان کا ذکر کر دیا لیکن ان تینوں میں سے کسی نے میری بات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اندیشے ان کے ذہنوں میں بھی چکرا رہے تھے لیکن کسی کو معاملے کی نزاکت کا پورا ادراک نہیں تھا۔

ہم چاروں بے فکری سے اس پارک میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ غزالہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ویرا اور سلطان شاہ کے یکجا ہونے کی بابت کھل کر اپنی خواہش ظاہر کر دی تھی۔ اس پر ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے کوئی منفی ردعمل سامنے نہیں آیا' دونوں طرف تذبذب نمایاں نظر آیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک مدت سے مراسم کی جو غیر سنجیدہ نوعیت چلی آ رہی تھی' اس کے پیش نظر ایک سنجیدہ ترین رشتے کی تجویز پر ان دونوں کی ہچکچاہٹ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اس بارے میں الگ الگ ہم سے مشورہ ضرور کریں گے اور آخر کار کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کچھ دیر بعد ویرا اور غزالہ سرک کر ہم دونوں سے دور ہو گئیں اور ان کے درمیان سرگوشیوں میں باتیں کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ عورتوں کی کچھ فطرت ہوتی ہے کہ وہ جہاں ملتی ہیں' کانا پھوسی کے بغیر ان کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی۔ میں نے انہیں دیکھا اور نظر انداز کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کی غیر موجودگی میں اس سے بہت سی شکایات رہتیں۔ اس بارے میں وہ مجھ سے بارہا بات کر چکی تھی لیکن اس وقت وہ ویرا سے یوں جڑی ہوئی بیٹھی تھی' جیسے روئے زمین پر وہی اس کی عزیز ترین ہستی ہو۔

''غزالہ نے اچانک کیا بات چھیڑ دی؟'' سلطان شاہ نے اس کھلے تخلیے سے فائدہ اٹھا کر نیچی آواز میں سوال کیا تو میں چونک گیا۔

''اس نے صحیح بات کہی ہے۔ غور کرو گے تو تم اس کے خلوص کے قائل ہو جاؤ گے'' میں نے اسی لمحے اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو'' وہ بے بسی سے بولا ''اس کی زبان گز بھر لمبی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے بجر بٹو کہہ رہی تھی۔''

سلطان شاہ کی اس معصومانہ شکایت پر میں نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بہت مشکل سے ضبط کیا اور کہا ''دوست اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مردوں کو یہ عام شکایت ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے شادی کر لیتے ہیں تو وہ بدل جاتی ہے۔ تم یک سو ہو کر فیصلہ کر لو۔ تمہارے بندھن میں آتے ہی وہ خود کو تمہاری مرضی کے مطابق ڈھال لے گی۔''

''مجھے فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اسی کی بھلائی سوچ رہا تھا۔ مسلمان ہو جائے گی تو اس کے ماضی کے سارے پاپ دھل جائیں گے۔ اگر وہ اسی حال میں مرنا چاہتی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ غزالہ بلاوجہ مجھے الجھا رہی تھی۔''

''کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس کے مستقبل کا سہارا بن کر تم یہ سعادت حاصل کر سکتے ہو۔''

''کیا میں ہی رہ گیا ہوں۔ ہزاروں مرد اس کا سہارا بننے پر تیار ہو جائیں گے۔ وہ بلاوجہ جذباتی باتیں کر کے بہانہ بازی کر رہی تھی۔''

''اسے دوسرے مردوں سے کچھ نہیں لینا۔ تم نے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی ہے اس لیے اس نے تم سے سوال کیا ہے۔ رہا اس کا ماضی تو اب وہ بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ شہر کی ہنگامہ پرور زندگی میں ایک لمبی مدت گزارنے کے بعد اب تمہارا اپنے گاؤں کی کسی لڑکی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ نباہ نہیں ہو سکے گا۔ کوئی شخص زندگی بھر تن تنہا نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر تم کو بہت شدت سے ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک ساتھ رہ کر تم دونوں ایک دوسرے کے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگے ہو۔ شادی کے بعد تم دونوں کا لاابالی پن ختم ہو جائے گا۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے بجائے تم دونوں باہمی احترام اور رواداری کے قائل ہو جاؤ گے۔ ویرا بہت بڑے دل کی مالک ہے۔ وہ تمہیں اپنے سر کا تاج بنا لے گی۔''

''تم مجھ سے زیادہ اس کی حمایت کر رہے ہو۔ تم نے سنا نہیں کہ اس نے آخر میں کیا کہا تھا۔ میرے بعد وہ اپنی رائے دے گی۔ میرے اقرار کے بعد وہ لامحالہ انکار کر دے گی اور میں زندگی بھر اپنی اس شکست کی آگ میں جھلستا رہوں گا۔''

وہ آمادگی کا ابتدائی اور بالواسطہ اظہار تھا۔ ویرا الفاظ کی بہترین کھلاڑی تھی۔ اس نے سلطان شاہ کو متذبذب پا کر اندر کے ایک خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے بدستور نیچی آواز میں کہا ''ضروری نہیں کہ تم اسی وقت کوئی فیصلہ کر ڈالو۔ اسے دیکھو، پرکھو، اس سے بات کرو۔ مجھے امید ہے کہ تم نے کھلے ذہن کے ساتھ اپنی مشق جاری رکھی تو تم میرے مشورے سے متفق ہو جاؤ گے۔''

''یہ بے کار باتیں ہیں'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں ایک غیر مسلم عورت کو اپنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''اصل نکتہ یہی ہے'' میں نے زور دے کر کہا ''میں اس کی باتیں سن کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم اسے باعزت مستقبل کی ضمانت دو تو وہ مسلمان ہو جائے گی۔''

''غزالہ نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں، اب تم مجھے ہچکولے دے رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔''

''فی الحال کچھ نہ کرو'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا ''دھیرے دھیرے میری باتیں تمہارے ذہن میں خود جگہ بنا لیں گی۔ ابھی تک میں نے تمہیں دنیاوی فائدے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تصور کرو کہ تم نے اسے مسلمان کر لیا تو تمہارا کیا درجہ ہوگا۔''

''اگر تم دونوں کے راز و نیاز ختم ہو گئے ہوں تو ادھر ہی آ جاؤ'' اچانک ویرا نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

''خود راز و نیاز کے لیے ہم سے دور سرکی ہو اور اب باتیں بنا رہی ہو'' میں نے کہا۔ مجھے ویرا کی آنکھوں میں عجیب سی شوخ چمک نظر آ رہی تھی۔

ہمیں پارک میں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر نمایاں تھا۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو مجھے راجن کی پژمردہ سی آواز سنائی دی۔

قرب و جوار میں لوگوں کی آمد و رفت اور اونچی نیچی آوازوں کے سبب اس وقت راجن سے یک سو ہو کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اپنے تمام تر تجسس کے باوجود میں نے اسے ٹالنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا ''استاد! میں اس وقت بازار میں ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد فون کر لینا۔''

لائن پر سکوت چھا گیا۔ راجن کے کانوں تک پہنچنے والی ملی جلی آوازیں میرے عذر کی کھلی تائید کر رہی تھیں۔ راجن نے بے چون و چرا فون بند کر دیا۔

''تمہارا کون سا استاد پیدا ہو گیا؟'' ویرا نے میرے قریب ہو کر حیرت سے پوچھا ''میں تو تمہیں اب تک استادوں کا استاد سمجھتی رہی ہوں۔''

''راجن تھا'' میں نے اسے بتایا ''اکبر کے روپ میں، میں اسے استاد کہتا ہوں تو میرے ذہن میں ناچنے والیوں کے کوٹھے پر طبلہ بجانے والے استادوں کا تصور ہوتا ہے مگر وہ اس خطاب سے خوش ہوتا ہے۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''کہنے سننے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس کی آواز پر پھٹکار برس رہی تھی۔ تم نے میرا جواب سن لیا ہوگا۔ آدھے گھنٹے بعد دیکھوں گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''یہ تمہارے لیے بہترین موقع ہے۔ وہ مار کھایا ہوا اور ہمدردی کو ترسا ہوا ہے۔ بہانے سے اسے کہیں بلاؤ اور اس کا کام تمام کر دو'' ویرا نے پرجوش لہجے میں مشورہ دیا۔

''بھڑ کا ہوا دشمن اتنی آسانی سے بہکاوے میں نہیں آتا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''رفتہ رفتہ بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اب وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ صبح کی نفت کے بعد وہ کن تیوروں کے ساتھ بات کرتا ہے۔''

میں نے راجن کو وقت دے دیا تھا۔ ان دونوں نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پارک سے ہم چاروں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ باہر نکلے پھر ہماری سمتیں مختلف ہوگئیں۔

''تم ویرا کے ساتھ کیا باتیں کررہی تھیں؟'' کچھ دور تک خاموشی سے پیش قدمی کرنے کے بعد میں نے غزالہ سے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

''کک..... کچھ بھی نہیں'' اس نے بوکھلا کر عجلت میں کہا ''اِدھر اُدھر کی باتیں ہورہی تھیں۔''

''فضول باتوں کے لیے ہم دونوں سے دور کھسکنے کی ضرورت پیش نہیں آتی'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''سچ سچ بتاؤ کہ کیا ہورہا تھا؟''

''میں اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ سلطان شاہ کا جوڑ اس کے لیے بہت مناسب رہے گا۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔

اس کے لہجے سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی بات مجھ سے چھپا رہی تھی مگر میں نے غیر ضروری بحث میں پڑنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے یقین تھا کہ ان دونوں کی خفیہ باتیں کسی کے خلاف نہیں ہوسکتی تھیں۔ شاید غزالہ نے اسے سلطان شاہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش بھی کی ہو لیکن اصل بات کچھ اور ہی تھی۔ وہ دو عورتوں کے نجی معاملات تھے۔ مجھے ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

راستے میں ہمارے درمیان دوبارہ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو موضوعِ سخن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھے۔ ویرا کا کہنا تھا کہ سلطان شاہ اس قدر زبان دراز اور اکھڑ تھا کہ شوہر کی حیثیت سے اسے قبول کرنے کا تصور ہی اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ اسے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ میری وجہ سے اس کا ماضی سلطان شاہ کے لیے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ وہ اسے صرف مسلمان کرنے پر تلا ہوا تھا' اس سے آگے ویرا کی کوئی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اس بارے میں ویرا اتنی پُریقین تھی کہ اس نے غزالہ کو اپنے اعتماد میں لے کر یہاں تک کہہ دیا کہ اگر سلطان شاہ اسے اپنا جیون ساتھی بنانے پر تیار ہوجائے تو وہ اسی لمحے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے گی۔

وہ جذبات کی رو میں کہی ہوئی ایک بات تھی جس پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ مشروط وعدہ کرتے ہوئے ویرا کو کامل یقین تھا کہ سلطان شاہ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوگا نہ اسے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونا پڑے گا۔

غزالہ کی طرف سے وہ تجویز ایکا ایکی ان دونوں کے سامنے آئی تھی۔ وہ اس سوال کا براہِ راست سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے جذبات کی رو میں بہتے چلے گئے۔ سلطان شاہ نے مجھ سے اپنے جن تحفظات کا اظہار کیا اور ویرا نے غزالہ سے جو کچھ کہا، ان سب کو یک جا کرنے کے بعد مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ وہ دونوں بلاوجہ ایک دوسرے سے خائف تھے۔ دونوں فریق ٹھنڈے دل سے اپنا اپنا جائزہ لیتے تو وہ بیل منڈھے چڑھ سکتی تھی۔

ہم دونوں کے لیے وہ موضوع اتنا اہم اور سنسنی خیز تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی ہمارے درمیان اسی پر گفتگو ہوتی رہی۔

مجھے اس تجویز کے بارآور ہونے کے نتیجے میں نئے امکانات ابھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان سمجھوتا ہوجانے کی صورت میں ہمیں ویرا کی فکر سے نجات مل جاتی، ذمے داریاں واضح طور پر تقسیم ہوجاتیں۔ دونوں جوڑے اپنی آزادانہ مرضی سے اپنی اگلی زندگی کا لائحہ عمل طے کرسکتے تھے۔ بے یقینی کی حالت میں ایک مدت سے چلا آنے والا ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ دو الگ الگ راستوں میں تبدیل ہوجاتا۔

اسی دوران میں راجن کا دوسرا فون آگیا۔ اس کی دونوں کالز کے درمیان پورے تیس منٹ کا وقفہ تھا جس کی تائید فون کلاک کررہا تھا۔

''استاد! میں آنے سے انکار کررہا تھا مگر تم نہیں مانے۔ آج تم نے مجھے مروادیا تھا۔'' میں نے اس بار راجن کی آواز سنتے ہی روہانسی آواز میں اپنی شکایت کا دفتر کھول دیا۔

''تم اناڑی اور بدھو ہو۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم گھبراہٹ میں موتی محل کے کسی کونے کھانچے میں نہ مارے گئے ہو۔ تم کہاں ہو، موتی محل سے کیسے نکل گئے؟'' اس نے ایک سانس میں بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔

''اندر تمہارے مہمان میری ہڈیاں توڑنے پر تلے ہوئے تھے، باہر آگ برس رہی تھی۔ میرے لیے دونوں طرف صرف موت تھی۔ میں گولیوں سے بچ سکتا تھا، تمہارے خوں خوار مہمانوں کی مار سے بچنا میرے لیے ناممکن تھا۔ بس میں نے اللہ کا نام لے کر باہر کی طرف دوڑ لگادی اور تمہارے آدمیوں کے روکنے کے باوجود باہر بھاگتا چلا گیا۔''

''میں خوش ہوں کہ تم زندہ ہو۔ موتی محل پر میرے دشمنوں کی لشکر کشی تمہارے لیے انعام ثابت ہوئی اور تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مار کھانے سے بچ گئے۔ میرے مہمان نمک حرام نکلے۔ وہ سب جا چکے ہیں۔ کیا تم میرے پاس آ سکتے ہو؟'' اس کی آواز میں تحکم برقرار تھا۔ رسی جل رہی تھی لیکن اس کے بل باقی تھے۔

''استاد! میں کان پکڑتا ہوں، اب خواب میں بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔'' میں نے خوف زدہ ہونے کی بے ساختہ صداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم سے دونوں ملاقاتیں مجھے بہت مہنگی پڑی ہیں۔ اب میں تیسری غلطی نہیں کروں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری ''تم نے دیکھ لیا کہ میں نے ان کی ناراضی کی پروا کیے بغیر آخر تک تم کو بچانے کی کوشش کی تھی!''

''میں مانتا ہوں لیکن تم ان پانچوں کے سامنے کمزور یا چھوٹے تھے۔ انہوں نے تمہاری سفارش ماننے سے جس طرح انکار کیا وہ بھی میرے سامنے کی بات ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر اس کی دکھتی رگ دباتے ہوئے کہا۔

''انہیں اور ان کی باتوں کو بھول جاؤ۔'' اس کی آواز یکا یک غضب ناک ہو گئی ''میں نے انہیں شیر سمجھ کر بلایا تھا لیکن وہ پانچوں چوہوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔ وہ ڈر کر بھاگ چکے ہیں۔ لوٹ کر یہاں نہیں آئیں گے۔ تمہاری ملاقات صرف مجھ سے ہوگی۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں تمہارا قدردان ہوں۔ میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے حملے میں ڈینی اور اس کے ساتھیوں نے میرے پانچ آدمی مارے ہیں۔ وہ حرامی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس خوں ریزی سے دہشت زدہ ہو کر میرے سارے مقامی نوکر بھاگ گئے ہیں۔ کچھ بھارتی بھی ان کے ساتھ ہتھیاروں سمیت نکل گئے۔ اس وقت یہاں میرے سوا صرف چار جان نثار باقی رہ گئے ہیں۔ ان سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ غصے کی زیادتی میں بولتا چلا گیا۔ میں نے دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے بلانا چاہ رہا تھا اور میں اس کے پاس جانے سے جھجک رہا تھا مگر اس کی زبان سے صرف چار آدمی رہ جانے کا ذکر سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔

یہ خبر مجھے ڈان سے بھی مل چکی تھی کہ بیشتر آدمیوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے زیادہ تفصیل سے اس خبر کی وضاحت کر دی کہ اپنی جانوں کے خوف سے صرف مقامی نہیں بلکہ اس کے کافی بھارتی ملازم بھی موتی محل چھوڑ گئے تھے۔

اگر راجن کی اس وسیع و عریض رہائش گاہ میں اس سمیت صرف پانچ نفوس رہ گئے تھے تو وہ میرے لیے سنہرا موقع تھا۔ میں بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کی مدد سے ان پانچوں کو جہنم واصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ کچھ ہی دیر پہلے مجھے ویرا کی معرفت جلال کا یہ پیغام مل چکا تھا کہ میں بنکاک میں اپنی یعنی ڈینی کی موجودگی کا راز فاش نہ ہونے دوں۔ بیم گن اور مہلک انگوٹھی استعمال کرنے کی صورت میں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ مجھے اپنے روایتی ہتھیاروں کو بھول کر ان پانچوں کے مقابلے میں اپنے زور بازو پر انحصار کرنا تھا۔

عددی اعتبار سے انہیں مجھ پر خوف ناک برتری حاصل تھی، ان کے پاس اسلحے اور ہتھیاروں کے انبار موجود تھے، وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حوصلہ شکن حقائق کا توڑ کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک ہتھیار تھا کہ مجھے راجن کا اعتماد حاصل تھا۔ موتی محل میں گھستے ہی میرا اور ان کا دوبدو مقابلہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجھے ہوشیاری اور مکاری سے کام لے کر اپنے پانچوں حریفوں کو مغلوب کرنا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں وہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر کے فون پر کہا ''سب باتیں ہو چکی ہیں۔ اب تم مجھے کیوں بلا رہے ہو؟''

''میں نے دوسروں پر انحصار کر کے خود کو بہت کمزور کر لیا ہے۔'' اس کی بپھری ہوئی آواز آئی ''اب میں ڈینی اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں خود باہر نکلنا چاہتا ہوں۔ تم انہیں پہچانو گے، میں انہیں اٹھا لاؤں گا۔''

''مم..... مگر استاد، تمہارا ایک بازو زخمی ہے'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں اسے اس کا ایک اور زخم یاد دلایا۔

''بحث مت کرو!'' وہ غرایا ''مجھے دوٹوک جواب دو۔ آ رہے ہو یا میں کوئی دوسرا بندوبست کروں؟''

وہ کھلی دھمکی تھی۔ دوسرے بندوبست سے اس کی مراد یہی تھی کہ وہ مجھے بھی زبردستی اٹھوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ کام آسان ثابت نہ ہوتا اگرچہ وہ اور اس کے آدمی مجھے پہچانتے تھے مگر ان میں سے کسی کو میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ میں دانستہ اسے سسکا سسکا کر مشتعل کر رہا تھا۔ میرا بات بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ڈینی سے حد درجہ خوف زدہ تھا اور اکبر کو کمزور سمجھ کر ڈرانے دھمکانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے بدترین دشمن کو اپنی کمین گاہ میں آنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دعوت دے رہا تھا۔

''تم مجبور کر رہے ہو تو میں آ جاتا ہوں'' میں نے مردہ سی آواز میں کہا ''خوف سے میرا دل دھڑک رہا ہے۔ دیکھو، میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''رونے کی ضرورت نہیں'' اس نے درشت آواز میں کہا ''میں گھر پر ہی ہوں۔ جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤ'' اس نے اپنی بات پوری کرتے ہی فون بند کر دیا۔

''اب آپ پھر موتی محل جائیں گے؟'' غزالہ نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ میری یک طرفہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

''اس کے سارے مقامی محافظ بھاگ چکے ہیں۔ بھارتیوں میں سے بھی صرف چار باقی رہ گئے'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے بتایا ''ان سے فوری طور پر مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میں موقع محل دیکھ کر کوئی قدم اٹھاؤں گا۔''

''آپ بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ ان کے استعمال سے بات کھل جائے گی۔''

''مجھے جلال کی ہدایت یاد ہے۔ میں بھی انہیں استعمال نہیں کرنا چاہوں گا پھر بھی انہیں ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ میں دشمن کے ٹھکانے پر جا رہا ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہاں کیا صورتِ احوال رونما ہوتی ہے۔ جان پر بن گئی تو میں رازداری کو بھول بھال کر کچھ بھی کر گزروں گا۔''

''انگوٹھی بچ سکتی ہے، جامہ تلاشی میں بیم گن پکڑ لی جائے گی۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اسے زیرِ جامے میں لے جاؤں گا'' میں نے ہنس کر کہا ''اس وقت وہاں ویرانی اور سوگ کا سماں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ تلاشی کی نوبت ہی نہ آئے۔''

راجن سے وعدہ کرنے کے بعد میں موتی محل پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا مگر ادھر کا رخ کرنے سے پہلے کچھ اہم کام نمٹانے ضروری تھے۔

میں نے ایک کرسی سنبھال کر طارق کو فون کیا۔ اس سے میں موتی محل کے گردونواح کے حالات کے بارے میں رپورٹ لینا چاہ رہا تھا۔ اس روز اس سے سرے سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔

اس نے بتایا کہ وہ موتی محل پر ہونے والے حملے کی خبر سن کر وہاں پہنچا تو بنکاک کا پولیس کمشنر موتی محل کے احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو اس دیدہ دلیرانہ واردات کے بارے میں بریفنگ دے رہا تھا۔ راجن ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ وہ لوگ بموں سے ہونے والی تباہی کی تصاویر بنا کر لوٹ گئے۔ پولیس والوں نے بھی ضابطے کی کارروائیاں تیزی سے نمٹائیں اور لاشوں کا جلوس لے کر وہاں سے چلے گئے۔

سہ پہر تک موتی محل کے گردونواح میں حالات معمول پر آ چکے تھے۔ ٹریفک بحال ہو گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری رہی لیکن موتی محل کا پھاٹک بند رہا۔

اس علاقے میں پولیس کی گاڑیوں نے گشت لگانا شروع کر دیا تھا لیکن طارق کے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آ سکی جس سے یہ شبہ ہو کہ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اس عمارت کی نگرانی کی جا رہی تھی۔

اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے اس حملے کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ مجھے اس سے مل بیٹھنے اور دوستی استوار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے حملے کے بارے میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اس سے بات کرتے ہوئے میرے دل میں آئی کہ اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر دوں۔ میں نے سوچا کہ وہ باہرہ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ زیادہ دیر تک ان اطراف میں منڈلانے کی وجہ سے وہ بنکاک کی گشتی پولیس کی نظروں میں آ جاتا تو اس کے لیے مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

اسد نے میرے قریب رہ کر مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کی دل جوئی کے لیے میں نے بھی اس کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے سینے میں راز لے کر پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔ طارق کے لیے میں صرف علی احمد تھا، ایک عام سا پاکستانی جو بنکاک میں اس کے بڑوں کے لیے کوئی خاص کام سرانجام دے رہا تھا۔

اسے بنکاک میں اسد کی جگہ سنبھالتے ہی وائٹ ہاک کی غرقابی کی خبر ملی اور وہیں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ میری سرگرمیاں مقامی قوانین کی حدود سے متجاوز تھیں۔ وہ بنکاک میں اپنے محکمے کی سرکاری نمائندگی کر رہا تھا۔ اس نے بھی مجھ سے راہ و رسم بڑھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

جب میں نے اپنے سوالات ختم کر لیے تو اس نے نرمی سے کہا ''میں نے آج صبح کے واقعے کے بارے میں اپنی ابتدائی رپورٹ اسلام آباد فیکس کر دی ہے۔ کیا اس میں تمہارا کوئی حوالہ دینے کی ضرورت ہے؟''

اس نے مہذب پیرائے میں یہ پوچھ ہی لیا کہ اس واقعے میں میرا کیا کردار تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''قطعی نہیں..... وہ کسی اور پارٹی کا کام تھا۔ اس سے مجھے تقویت ضرور ملی ہے۔ اب میں کچھ دیر بعد موتی محل میں جانے والا ہوں'' میں نے دوٹوک الفاظ میں اس پر سب کچھ واضح کر دیا۔

اس نے خود وہ بات نہ چھیڑی ہوتی تو میں اسے اپنے پروگرام سے ہرگز آگاہ نہ کرتا۔ موقع ملا تو میں نے یہ سوچ کر اپنے جانے کا ذکر کر دیا کہ شہر میں کم از کم کسی ایک فعال آدمی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ میں کہاں تھا۔ اگر کسی وجہ سے میری بازی الٹ جاتی اور راجن مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو طارق موتی محل سے میری تلاش کا آغاز کر سکتا تھا۔

اس مہم میں میرا کردار اکبر کا تھا جس سے ڈان اور اس کے آدمی قطعی بے خبر تھے۔ اس بارے میں، میں بھول کر بھی ان پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ ان سب کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ اس روپ میں ان پر بے دھڑک ہو کر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

''اگر تم کسی مہم جوئی کے ارادے سے وہاں جا رہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ وہاں جانے کے کئی راستے ہو سکتے ہیں۔ باہر آنے کا راستہ صرف راجن کی مرضی سے کھلے گا'' طارق کی آواز سرد اور گمبھیر ہو گئی۔ ''میں نے چند دنوں میں اس کے بارے میں جو معلومات جمع کی ہیں ان کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ یہاں کا سب سے زیادہ بارسوخ اور معزز بدمعاش ہے۔ اس کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے اثاثوں کو نقصان پہنچانا اور بات ہے اس کا سامنا کرنے سے پہلے تم کو ہر امکانی پہلو پر دس بار غور کر لینا چاہیے۔ تم بہت بڑا قدم اٹھانے جا رہے ہو۔''

''میں اس مشورے کے لیے تمہارا ممنون ہوں'' میں نے برا منائے بغیر کہا ''میں نے بھرپور ہوم ورک کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آج کی رات ڈھلنے سے پہلے تم کوئی بڑی خبر اپنے بڑوں کو فیکس کر سکو۔ بس میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔''

''میں دعا گو رہوں گا'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''ایک طرح سے تم بھی میری برادری کے رکن ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ پرائے دیس میں ایسے کام کرنے والوں کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ وہاں سے تمہاری کامیابی کی خبر نہ آئی تو میں تمہاری مغفرت کے لیے دعا کروں گا۔ ملک اور قوم کے لیے ایسے کاموں میں اپنی جان قربان کرنے والے شہید کہلاتے ہیں..... گڈ لک دوست!''

وہ سرد، سپاٹ اور روکھے لہجے میں بات کرتے کرتے یکا یک اتنا جذباتی ہو گیا کہ مجھے بے اختیار پھریری آ گئی۔

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر کے غلطی کی تھی۔ موتی محل میں جا کر میرا ہر حال میں کامیاب ہونا ضروری تھا۔ میری ناکامی کی صورت میں میری واپسی اسی شرط پر ہو سکتی تھی کہ راجن کو میری نیت پر شبہ نہ ہو۔ اسے میرے اوپر رائی برابر بھی شک ہو جاتا تو میرا وہاں سے زندہ لوٹنا ناممکن تھا۔ اس انجام کے بعد طارق تو کیا، کوئی لشکر بھی موتی محل میں میرا سراغ نہیں پا سکتا تھا۔

طارق نے فون بند کر دیا۔ میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر میں نے اسی وقت جلال سے بھی بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ ویرا کے ذریعے ملنے والے پیغام کے پس پشت جلال کی کیا مصلحت کارفرما تھی۔

لوکل موبائل فون تپائی پر ڈال کر میں نے اول خان کا دیا ہوا موبائل سنبھالا اور جلال کا نمبر ملا لیا۔

''تم کہاں ہو..... میں تم سے بات کرنے کو ترس گیا ہوں۔'' تیسری گھنٹی کے بعد اس کی پُرجوش اور دردمندانہ آواز ابھری۔ وہ اپنی اسکرین پر میرا فون نمبر دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ وہ کال میری تھی۔

''ریٹا سے تمہاری بات ہوئی ہے، میرے پاس تمہاری کوئی کال نہیں آئی۔''

''میں نے آج صبح دوبار کوشش کی لیکن تمہارا فون بند تھا۔''

''اوہو..... شاید بیٹری کمزور ہو گئی ہو گی۔ میں نے ابھی ابھی اپریٹس چارجر سے نکالا ہے'' میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''ریٹا سے ملنے والا پیغام میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''اسے پتھر کی لکیر سمجھ لو'' جلال کی آواز سخت ہو گئی ''بنکاک سے اب تمہارا نام یا کوئی کام سامنے نہیں آنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تم کس کھیل کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ وہ دونوں قیدیوں میں سے کسی ایک کو ڈینی مان لیں۔ اب ان کے ارادے خطرناک ہیں۔ کالج کے ریکارڈ سے ملنے والی تمہاری تصویر پر ان کی پوری ٹیم نے کام کیا ہے۔ اس میں مصوروں کے ساتھ فزیالوجی کے ماہرین بھی شامل تھے جو کسی بھی شخص کی ارتقائی تبدیلیوں کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔ اس تصویر اور علمی معلومات کی روشنی میں انہوں نے جو تین خاکے بنوائے ہیں، ان میں سے ایک، سو نہیں تو نوے فی صد تم سے مشابہ ہے'' وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُرتشویش لہجے میں بتاتا چلا گیا۔

''دو اقبالی مجرم سامنے ہونے کے باوجود وہ اس منصوبے پر کام کر رہے ہیں؟'' میں نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

''وہ ہر قیمت پر تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں'' جلال ایک گہرا سانس لے کر بولا ''انہوں نے آنے والے ایک دو دنوں میں وہ تینوں خاکے اخباروں میں مشتہر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ اب اشتہار بازی بے سود ہے۔ جب دو آدمی ہاتھ آ گئے ہیں تو ان ہی پر محنت کرنا چاہیے۔''

''کیا وہ خاکے ان دونوں سے بھی کچھ مماثلت رکھتے ہیں؟'' میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''بالکل نہیں۔ اسی وجہ سے فزیالوجی کے ماہروں کو شبہ ہو رہا ہے کہ وہ دونوں تشدد سے بچنے کے لیے جھوٹا اعتراف کر رہے ہیں۔''

''کیا انہیں اپنے علم پر اتنا ناز ہے؟'' میری حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ غنیمت ہے کہ انہیں پہلے یہ خیال نہیں آیا ورنہ تمہارا اب تک آزاد رہنا ممکن نہ ہوتا۔''

''تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ میرا درست خاکہ بنوانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔ اس کی باتوں نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔

''میں نے خود تینوں خاکے دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک پر نظر پڑتے ہی میں اندر سے کانپ گیا۔ وہ ہو بہو تمہاری موجودہ شکل ہے۔ وہ ان تینوں سے کمپیوٹر پر درجنوں خاکے بنا رہے ہیں۔ ہر خاکے کے ساتھ داڑھی اور مختلف انداز کے بالوں وغیرہ کا اضافہ کر کے وہ دائرہ تنگ کر دیں گے۔ میں نے کسی کو اس بات کی بھنک نہیں لگنے دی۔ انہیں خود بھی یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان تینوں میں سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے..... تم پوری بات سمجھ رہے ہو نا..... اس وقت تمہاری بنکاک میں موجودگی کا ذرا بھی اشارہ ملا تو وہ ادھر کا رخ کر لیں گے۔ ان کے بنوائے ہوئے خاکے تمہارے لیے موت کا جال بن جائیں گے۔''

''لیکن راجن نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ ڈینی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا ''امریکیوں کے لیے اس کا دعویٰ دلچسپی کا سبب بن جائے گا۔''

''وہ خوف زدہ ہے۔ تم نے اسے دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ میں وہاں کی پل پل کی خبریں لے رہا ہوں۔ پولیس سمیت سب کا خیال ہے کہ اس کے دماغ پر ڈینی کا آسیب سوار ہے، وہ کسی گینگ وار میں الجھ گیا ہے، جس کا دوسرا فریق ابھی تک سامنے نہیں آ سکا۔'' جلال نے وضاحت کی ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آج جس وقت موتی محل پر حملہ ہوا، وہاں بھارت کی انڈر ورلڈ کے پانچ نامی گرامی ڈان راجن کی مدد کے لیے سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ حملے کے بعد وہ سب تیزی سے وہاں سے نکل گئے اور اب سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی رپورٹ کے مطابق وہ پانچوں ایک ایک کر کے بنکاک سے واپس جا چکے ہیں۔''

میں دخل اندازی کیے بغیر گہری دلچسپی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا ''یہ خبریں تمہیں کس ذریعے سے ملی ہیں؟''

''وہاں میرا ایک ہی ذریعہ ہے۔ طارق بہت محنت سے کام کر رہا ہے۔''

''تم سے پہلے میں اسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ باتیں نہیں بتائیں'' میں نے آزردگی کے ساتھ شکوہ کیا۔

''جب تک وہ اپنے طور پر تمہارے کام کے اسکوپ کا اندازہ نہیں لگا لیتا، وہ تمہیں اپنی خفیہ رپورٹوں سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس کی دانست میں علی احمد کے لیے یہ باتیں غیر متعلقہ ہیں'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی ''اسے تمہاری اصلیت کا علم ہو جائے تو وہ تمہیں سب کچھ بتانا شروع کر دے گا۔ اس وقت ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔''

جلال میری توقع سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔ اس کی الجھنیں میری سمجھ میں آنے لگیں۔ اپنی معلومات کی بنا پر وہ مجھے حکمتِ عملی کے بارے میں صحیح مشورہ دے رہا تھا۔ میں نے رسان سے کہا ''اب تم کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ راجن نے مجھے ان پانچوں کے سامنے یہ گواہی دلوانے کے لیے پیش کیا تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے!''

''تت..... تم وہاں کیا کر رہے ہو..... کیا ہو رہا ہے وہاں؟'' فرطِ حیرت سے اس کی زبان میں لکنت سی آ گئی۔

''حملہ نہ ہو جاتا تو انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی میری گواہی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ راجن کے ساتھ بری طرح پیش آ رہے تھے.....''

''اللہ تم کو سلامت رکھے، تم خوف ناک حرکتیں کر رہے ہو۔'' اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں کہا ''تم اس مردود کے گواہ کیسے بن گئے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اسد کے ساتھ راجن سے ملاقات ہونے کے بعد سے رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ اسے سنا ڈالا۔

''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ بے خوفی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔'' اس نے مشفقانہ لہجے میں ملامت کی۔ ''تمہاری وجہ سے خواہ مخواہ دو بے گناہ سکھوں کے ہوٹل نذر آتش ہوئے۔ تم نے خود اس کے دماغ میں یہ بات بٹھائی ہے کہ ڈینی وہاں ہے۔''

''مگر ان پانچوں کو اس کہانی پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ مار پیٹ کر مجھ سے سچ اگلوانا چاہتے تھے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ اس کے ہذیان پر کسی کو اعتبار نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ اپنی ان محاذ آرائیوں کے باوجود تم نے خود کو برنارڈ اور راجن سے کیسے بچایا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔

''تم اس چکر میں نہ پڑو۔'' میں نے ہلکے سے تمسخر سے کہا ''معدہ برباد ہو جائے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہیں اور میں الگ الگ ان دونوں کا راز داں بنا ہوا ہوں۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ راجن کسی بھی لمحے تمہیں بھون سکتا ہے۔''

''دراصل میں اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے تم سے بات کر لوں۔''

''کیا واقعی تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ موتی محل پر حملے کا واقعہ تازہ ہے' ان پانچوں کی سرد مہری اور بے وفائی پر وہ جھنجلایا ہوا ہوگا۔ اس وقت اس کی دماغی کیفیت ایسی نہیں ہوگی کہ تم اس کے قریب جانے کا خطرہ مول لو۔''

''میں تمہاری اس فکر مندی پر شکر گزار ہوں۔'' میں نے احترام سے کہا ''مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے نہیں' اس کے بلاوے پر وہاں جا رہا ہوں۔''

''صبح تم پٹنے سے بال بال بچے ہو' تمہیں انکار کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ مجھے روکنے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔ ''اب گول ہو جاؤ۔ بعد میں اس سے کوئی بہانہ کر دینا۔''

''میں سب جتن کر چکا ہوں۔ وہ نہیں مانا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے لیے میں اکبر بنا ہوا ہوں۔ میرا لالچ مجھے اس سے مفاہمت کی راہ پر لے گیا ہے۔ وہ.....''

''اسے تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' جلال نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

''میں وہی بتانے جا رہا تھا۔ ہم دونوں ڈینی کے آدمیوں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلیں گے۔ مجھے ان کو شناخت کرنا ہے۔ باقی کام وہ خود کرے گا۔'' میں نے بتایا۔

''اس کھیل میں تم ناگہانی چند بے گناہوں کو مروا دو گے!''

''کسی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں ایک ہوٹل میں دیکھا پھر وہ غائب ہو گئے۔ ضروری نہیں کہ ان میں سے کوئی دوبارہ نظر آ جائے۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اس بار وہ میری دسترس میں ہوگا۔ موقع ملتے ہی تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی؟''

''لیکن تم کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔ اس پر ایسا کوئی طریقہ نہ آزمانا جس سے تمہارا نام سامنے آنے کا موہوم ترین امکان بھی ہو۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو یہاں سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔''

''میری کامیابی کے امکانات روشن ہیں پھر بھی محض حفظ ماتقدم کے طور پر بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ انتہائی بدترین حالت میں' میں ان پر انحصار کروں گا ورنہ پورا کام ہاتھ پیروں یا کسی روایتی ہتھیار سے مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اپنے سارے کارڈز اس کے سامنے کھول دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''حالات کا فیصلہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کرو گے۔ یہ یاد رکھنا کہ ایسے بدترین حالات مجھے تحت الثریٰ میں دھکیل سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ ''تم کو امریکیوں کے چنگل سے بچانے کے لیے میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔''

''تم بے فکر رہو میں معاملات کی نزاکت اور ساری پیچیدگیاں سمجھ چکا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو ہم دونوں کو سرخ روئی حاصل ہوگی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خالی ہاتھ وہاں جا کر خودکشی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا۔ لڑائی میں جیبیں بھاری ہوں تو حوصلہ بلند رہتا ہے۔ آدمی کھلے دل کے ساتھ اپنے حریفوں کا مقابلہ کرتا ہے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''میرے لیے بدترین حالات وہ ہوں گے جب زندہ بچنے کی کوئی امید نہ رہے۔ ایسے وقت میں ساری ضروریات اور ترجیحات یکا یک اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہیں۔''

جلال کو اندازہ ہو گیا کہ میں راجن کو ٹھکانے لگانے کا وہ موقع ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ خود اپنی موت کو دعوت دے رہا تھا تو مجھے پیش قدمی کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''مجھے تمہاری ذہانت اور فیصلوں پر پورا بھروسا ہے۔'' اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم سے دور رہ کر بعض

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن بعد میں سامنے آنے والے نتائج یہ ثابت کرتے رہے ہیں کہ تمہارے فیصلے درست اور جرأت مندانہ ہوتے ہیں۔ اگر میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی سخت بات کہہ دی ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرتا۔ جو کچھ کہتا یا کرتا ہوں اس میں میری نیک نیتی کارفرما ہوتی ہے۔ میں پورے خلوص کے ساتھ تمہیں اور خود کو ہر برے وقت سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں نے تم سے جن بدترین حالات کا ذکر کیا ہے ان کی نوبت نہیں آنے پائے گی لیکن مجھے اس انتہا کے لیے تیار رہنا ضروری ہے۔ مجھے اب راجن کی بساط الٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ یہ چراغِ سحری بھڑک کر کسی بھی لمحے گل ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے لیے یہاں کوئی کام باقی نہیں رہے گا۔ یہ بتاؤ کہ اب ہماری واپسی کا کیا نقشہ بن رہا ہے!''

''مجھے ڈر ہے کہ حالات سازگار ہونے کے بجائے روز بہ روز خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔'' اس کی آواز سے جھجک کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''خاکے بن جانے کے بعد صورتِ حال میں ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ میں ان کے اشتہاری اجرا کو اسی وقت تک رکوا سکتا ہوں جب تک کہیں سے تمہارا نام سننے میں نہیں آتا اور وہ دونوں قیدیوں میں الجھے رہتے ہیں۔''

''وہ ان میں کیسے الجھے رہ سکتے ہیں؟'' میں نے بے یقینی سے سوال کیا۔ ''ابھی تم نے بتایا تھا کہ ان کے علم الابدان کے ماہروں نے ان دونوں کے خدوخال کو مجھ سے یا میری پرانی تصویر سے مشابہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔''

''یہ ان کی تھیوری ہے۔ کسی واضح ثبوت کی غیر موجودگی میں انہیں اس نفوس حقیقت میں الجھایا جا سکتا ہے کہ دو اقبالی مجرموں کی موجودگی میں ایک خیالی نظریہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اسی لیے میں تمہیں بار بار تاکید کر رہا ہوں کہ اب کہیں سے بھی تمہارے نام یا کام کی کوئی بھنک نہیں ملنا چاہیے۔ ایسا ہوا تو ان کی تھیوری میں جان پڑ جائے گی۔ میری دلیلیں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور وہ ہاتھ دھو کر از سرِ نو تمہاری تلاش میں جٹ جائیں گے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے بنوائے ہوئے خاکوں کی تشہیر کے بعد تم کبھی منظرِ عام پر نہیں آ سکو گے۔''

''تم بہت بھیانک منظر کشی کر رہے ہو!'' میں نے بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اپنی مرضی سے برسوں وطن سے دور رہنے کی اور بات ہے لیکن ایسی جبری جلاوطنی کا ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہوگا۔ یہ عذاب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔''

''اللہ مالک ہے!'' اس نے جواب دیا ''میں اپنی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ امید ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس صورتِ حال سے دوچار ہونے سے بچ جاؤ گے۔''

''تمہارا کیا پلان ہے؟'' میں نے متجسس انداز میں پوچھا۔ ''ہو سکتا ہے کہ میں اس بارے میں تمہیں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔''

''ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ ہدف موجود ہے یعنی تم کو مصائب و مشکلات سے بچانا مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ ہدف کیسے حاصل ہوگا۔ ابھی میں ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ جوں ہی کوئی موزوں راہ سجھائی دے گی میں تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔''

جلال ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر تھا۔ اس کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ حقائق کی دنیا میں رہنے والا آدمی تھا، مبالغے سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اگر وہ میری اور میرے ساتھیوں کی واپسی میں مضمر خطرات کے بارے میں اتنا فکرمند تھا تو اصل حالات اس سے کہیں زیادہ سنگین تھے۔

''میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں' تم اپنا محاذ دیکھتے رہو۔ ہماری نیتیں صاف ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کامیابی سے نہیں روک سکتی۔''

''بھارتیوں سے ہماری کھلی لاگ ڈانٹ چلتی ہے۔ ان کے معاملے میں ہم کہیں بھی مجبور یا بے بس نہیں ہوتے۔ ذرا سا شبہ ہوتا ہے اور ہم ان کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''امریکیوں کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ بزعم خود ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں ہم سے گہری اور اٹوٹ دوستی کے دعوے دار ہیں' ان سے ذرا سا بھی اختلاف کیا جائے تو آنکھیں دکھانے لگتے ہیں' ہمیں ہمارا برا بھلا سمجھانے لگتے ہیں جیسے ہم کوئی نومولود قوم ہوں اور ہمیں اپنے مفادات کا پتا نہ ہو۔''

''تم نے سو کی ایک بات کہہ دی۔'' میں اپنی پریشانی کے باوجود اس کے تبصرے سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''وہ زبردستی ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں۔ تم نے وہ کہاوت تو سنی ہوگی کہ سگ باش' برادر خرد مباش۔ ہم ان کا چھوٹا بھائی بنے رہنے پر مجبور ہیں۔''

''ان پر لعنت بھیجو۔ دنیا میں ہر طرف سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب ایک سادہ لوح اور فراخ دل قوم اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اقتدار کی باگ ڈور مکار حکمرانوں کو سونپ دیتی ہے تو یہی سب ہوتا ہے۔ ہم نے ان پر اپنا خاصا وقت برباد کرلیا۔ تمہیں اپنے دشمن سے بھی ملنے کے لیے جانا ہے۔ یہ بتاؤ کہ ریٹا اور اس کے ساتھی کا کیا حال ہے۔ فون پر بات ہوئی تو وہ بہت خوشگوار موڈ میں چہک رہی تھی۔''

''دونوں خوش ہیں۔ دعا کرو کہ وہ ہمیشہ کے لیے اکٹھا ہوجائیں۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ مجھے راجن سے بات کیے کم و بیش بیس منٹ ہوچکے تھے۔

''کیا تم ان کی شادی کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہو!'' اس نے چونکے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ان دونوں کا گھر آباد ہوجائے تو میرا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔'' میں نے خفیف سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''پل پل بدلتے ہوئے خطرناک حالات کی وجہ سے میں ویرا کے بارے میں بہت فکرمند رہنے لگا ہوں۔''

''وہ پٹھان لڑکا ہے۔ ریٹا جیسی آزاد خیال اور بے دین لڑکی کو قبول نہیں کرے گا۔'' جلال نے بے ساختہ اپنی رائے کا اظہار کردیا۔ ''ریٹا بھی اس رشتے پر آمادہ نہیں ہوگی۔ وہ بے رحمی سے اسے رگڑتی رہتی ہے۔''

''ابھی کوششوں کا آغاز ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی مثبت نتیجہ نکل آئے!''

''کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چوطرفہ ذمے داریوں کے احساس نے تمہیں کچل کر رکھ دیا ہے۔ مسائل سے منہ پھیرنے کے بجائے تم بلاتامل انہیں اپنے سر پر سوار کرلیتے ہو۔'' اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا۔ مسائل سے الجھنے میں مجھے لطف آتا ہے۔ زندگی میں یہ اونچ نیچ نہ ہو تو زندہ رہنے کا سارا لطف پھیکا پڑ جاتا ہے۔ حرکت اور ہنگاموں سے زندگی کو تعبیر ملتی ہے۔''

ہم دونوں نے اپنی اپنی باتوں سے ایک دوسرے کے ذہنوں کو بوجھل اور پریشان کردیا تھا۔ آنے والے وقت میں بہتری کی امیدوں کے اظہار کے ساتھ ہمارا وہ رابطہ ختم ہوگیا۔

''آپ بہت وقت لے چکے ہیں' راجن آپ کے انتظار میں بے تاب ہورہا ہوگا۔'' غزالہ نے مجھے ٹوکا اور کہا ''آپ کی بعض باتوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ جلال کیا کہہ رہا تھا؟''

وہ میری یک طرفہ گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ اس نے اپنے طور پر کچھ درست اندازے بھی لگا لیے تھے۔ رہی سہی باتیں میری زبانی معلوم ہوئیں تو وہ قائل ہوگئی کہ موتی محل کی طرف جانے سے پہلے جلال سے وہ گفتگو ضروری تھی۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی بدلتی ہوئی صورتِ احوال واضح ہوگئی تھی۔

میں نے روانگی کی تیاری کرتے ہوئے بیم گن کو اپنے کوٹ کے نیچے' پتلون کی بیلٹ میں چھپایا تو غزالہ بولی۔ ''انگوٹھی تک ٹھیک ہے۔ آپ بیم گن نہ لے جائیں تو بہتر رہے گا۔ کسی مرحلے پر آپ اضطراری طور پر اسے استعمال کر بیٹھے تو بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ یہ.....''

میں نے نرمی سے اس کا رخسار تھپتھپا کے کہا۔ ''کچھ نہیں ہوگا۔ میں وہاں خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا۔ پستول وغیرہ کے مقابلے میں بیم گن بہتر رہے گی۔''

غزالہ سے رخصت ہوکر میں لفٹ کے ذریعے ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو میری نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا طواف کررہی تھیں۔

میں لفٹ سے نکل کر مشکل سے دو قدم آگے بڑھا تھا کہ اچانک میری نظریں ہوٹل کے صدر دروازے سے آتے ہوئے چاؤفان پر پڑیں۔ اس کا کسی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہونا مجھے بہت گراں گزرتا تھا۔ اس وقت میں ویسے بھی موتی محل پہنچنے کی عجلت میں تھا۔ میں نے چاہا کہ پھرتی سے اپنا رخ پلٹ کر اپنی پیٹھ اس کی طرف پھیرلوں اور انجان بن کر ہوٹل کے کسی اور راستے سے باہر نکل جاؤں مگر مجھے لمحہ بھر کی تاخیر ہوگئی۔ اس خبیث نے میری دراز قامت کی وجہ سے دور ہی سے مجھے دیکھ کر فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

''ماسٹر! تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ میں تم سے ملنے کے لیے آرہا ہوں؟'' اس نے میرے قریب آکر مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''میں تمہارے استقبال کے لیے نیچے نہیں اترا۔'' میں نے خفا ہوکر کہا ''ایک ضروری کام سے کہیں جارہا ہوں۔ تم بلائے بے درماں کی طرح یہاں کیوں آئے ہو؟''

''ماسٹر! کیوں مجھ بے چارے پر ناراض ہورہے ہو۔'' وہ نرمی سے میرا بازو تھام کر مجھے راہداری کے ایک دیوہیکل ستون کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے بتاؤ' میں تمہارا ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم یہاں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پیو' میں تمہارا کام کرکے لوٹ آؤں گا۔'' اس کا لہجہ اس قدر عاجزانہ تھا کہ میں بے بسی سے مسکرا کر رہ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے بھوک لگی ہوئی ہو تو میرے بجائے تم کھانا نہیں کھا سکتے۔'' میں نے ذرا تلخی سے کہا ''اپنی بھوک مٹانے کے لیے مجھے خود کھانا کھانا پڑے گا۔ اس کام کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

اس وقت تک ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اس گول اور آراستہ ستون تک پہنچ چکے تھے جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم بہت مبارک آدمی ہو۔'' وہ دھیمے اور عقیدت مندانہ لہجے میں بولا ''صبح تم سے رخصت ہو کر میں مادام کی طرف گیا تھا اور اب سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں۔ وہ بہت اچھے اور کھلنڈرے موڈ میں تھی۔ آج میں نے اسے فتح کر لیا۔''

''اسی لیے تمہارا رواں رواں الکحل کی تیز بو سے مہک رہا ہے۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''تم کو اس حالت میں یہاں آتے ہوئے شرم آنی چاہیے تھی۔''

میری لتاڑ سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا اور وہ مغموم آواز میں بولا ''میرا خیال تھا کہ تم میری کامیابی کی خبر سن کر خوش ہو جاؤ گے۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''

''تمہاری بے شرمی پر اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ آدمی اپنی ایسی حرکتوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے' ان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتا۔ تم نے اپنا پیٹ ہلکا کر لیا۔ اب یہاں کیوں رکے ہوئے ہو۔ جاؤ تاکہ میں اپنا کام کر سکوں۔''

''تم بگڑ جاؤ تو تمہیں منانا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ سر جھکا کر مغموم لہجے میں بولا ''میں نے یہاں آنے سے پہلے سیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کے ساتھ خوب پیاز کھالی تھی تاکہ تمہیں کوئی بو نہ آئے مگر تم سے کوئی بات چھپانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ تم سب کچھ سونگھ لیتے ہو۔ یقین کرو کہ میں نشے میں نہیں ہوں۔ املی اور آلو بخارے کے تیز شربت نے ذہن بالکل صاف کر دیا ہے۔''

اس کی زبان سے سیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کا ذکر سن کر مجھے کراہت سے متلی ہونے لگی۔ ان لوگوں کی خوراک ان سے زیادہ عجیب تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ الا بلا کھا کر زندہ کیسے رہتے ہیں!

''چاؤفان! میں تم سے ذرا بھی ناراض نہیں ہوں۔'' میں نے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے' الفاظ چبا چبا کر کہا ''تم بلاوجہ مجھے منانے کی کوشش نہ کرو.....''

''میں جا رہا ہوں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے درمیان میں بولا۔ ''تم دوسری خبر بھی سن لو۔ چھوٹا راجن کے پانچوں حمایتی یہاں سے واپس جا چکے ہیں۔''

''تم لی کے قدموں میں پڑے ہوئے تھے تو تمہیں یہ خبر کہاں سے مل گئی۔'' میرے متحیر ہونے کے باوجود میرے لہجے پر ترشی غالب رہی۔

میری حیرت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ میرے موڈ کی تبدیلی محسوس کرتے ہی وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا ''ماسٹر! عورت اپنی پسند کی ہو تو اس کے بدن کا رواں رواں بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر یہ بات مجھے مادام نے نہیں میرے ایک آدمی نے موبائل فون پر بتائی تھی۔ سب سے آخر میں لالہ کریم اور حاجی مستان ایک ساتھ ہانگ کانگ گئے ہیں۔''

وہ لی کے خمار سے نکل کر کام کی باتوں کی طرف آ گیا تھا۔ میں نے اس پر اپنی معلومات کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔ ''اس کے آدمیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ موتی محل میں تنہا رہ گیا ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے سر ہلا کر پر یقین لہجے میں کہا۔ ''بڑی ہڈی ہاتھ لگ جائے تو بعض کتے اسے آخر تک چچوڑتے رہتے ہیں۔ مقامیوں نے اس سے بغاوت کر دی ہے۔ اس کے کچھ ہم وطن اب بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔''

''کیا یہ موقع بہترین نہیں ہے۔ اس وقت موتی محل پر دھاوا بول کر اسے مارا جا سکتا ہے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے گھر میں چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ موتی محل ایک بھول بھلیاں ہے۔ وہاں سے نکلنے کے کئی پوشیدہ راستے ہوں گے۔ وہ کہیں سے بھی نکل جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس قدر چالاک اور مکار ہے۔ کھلے آسمان کے نیچے تمہیں جُل دے کر صاف نکل گیا تھا۔''

''پھر ڈان کیا کہتا ہے؟'' میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''اسے جو کچھ کرنا تھا' وہ موٹوں کے ذریعے کر چکا۔ اب چھوٹا راجن تمہارا شکار ہے۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تم کو کرنا ہے۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔'' اس نے سعادت مندانہ لہجے میں جواب دیا۔ اپنی نام نہاد فتح کے سحر سے آزاد ہو کر وہ معقولیت کی راہ پر آ چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتا' میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے جیب سے اپریٹس نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر موجود تھا۔ چاؤفان نے اچک کر وہ نمبر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھنا چاہا لیکن میں نے اسی وقت فون اپنے کان سے لگالیا۔ میں چاؤفان کی موجودگی میں بھی بے خوف ہوکر راجن سے بات کرسکتا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان گفتگو اردو میں ہوتی تھی۔ چاؤفان ہماری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کی ساری زبان دانی مقامی بولیوں اور لنگڑی لولی انگریزی تک محدود تھی۔

''تم کہاں ہو..... میں بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' میرے کان میں گونجنے والی راجن کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنا غصہ دبانے کی کوشش کررہا تھا۔

''دوپہر کے کھانے میں ایک تھائی ریستوران والے نے نہ جانے کیا کھلا دیا کہ میرا معدہ چوپٹ ہوکر رہ گیا۔'' میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''جیسے ہی باتھ روم کی پریڈ سے فرصت ملتی ہے' میں آتا ہوں۔''

''کیا تمہارے باتھ روم میں اور لوگ بھی موجود ہیں۔ کافی ملی جلی آوازیں آرہی ہیں!'' اس کی آواز کاٹ دار اور طنزیہ ہوگئی۔

میں بوکھلا گیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ میں اس وقت ہوٹل کی لابی کے ایک حصے میں کھڑا تھا اور ہمارے آس پاس سے بہت سے لوگ ہنستے بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔

''اس وقت میں دوا لینے کے لیے بازار میں نکلا ہوا ہوں۔'' میں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''کہو تو گھر پہنچ کر تم سے بات کرلوں۔'' میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کردیا۔

''کسی بات چیت کی ضرورت نہیں' بس جلدی پہنچو۔ موتی محل میں بیسیوں باتھ روم ہیں۔ تمہیں پریشانی نہیں ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ کھانے کی گڑبڑ نہیں ہے۔ یہاں آنے کے خوف سے تمہارا ہاضمہ بگڑ گیا ہے۔ آؤ گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''میں آتا ہوں۔'' اسے دلاسا دے کر میں نے فون بند کردیا۔

فون پر میری گفتگو کے دوران میں چاؤفان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر خاموشی سے میرا چہرہ تکتا رہا تھا۔ بات ختم ہونے کے بعد اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔ ''کون تھا؟''

''میرا ایک دوست تھا۔'' اسے ٹالنے کے لیے میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''وہی تو نہیں جو تمہارے لیے جاسوسی کرتا رہتا ہے؟'' چاؤفان کی چرب زبانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''وہ نہیں تھا!'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟''

''دورانِ گفتگو تم نے ایک مرتبہ تھائی ریستوران کے الفاظ استعمال کیے تھے۔'' اس نے مسمسی صورت بنا کے کہا۔ ''میں نے سوچا کہ ڈنر کا پروگرام بن رہا ہو تو میں تمہاری مدد کردوں۔ شاگان یہاں کا ایک چھوٹا لیکن بہت عمدہ ریستوران ہے۔ سانپ کے تلے ہوئے قتلوں سے مگرمچھ کے سالن تک' سب ڈشیں بہت لذیذ ہوتی ہیں۔''

بھنے ہوئے چوہوں کے بعد وہ حد سے تجاوز کررہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری آمد اور معلومات کی فراہمی کا شکریہ۔ میں دعا کروں گا کہ لی تمہیں ہمیشہ اپنے تلوے چاٹنے کا موقع فراہم کرتی رہے..... اب میں چلتا ہوں۔''

''ماسٹر! تم اتنی مزے دار باتیں کرتے ہو کہ تم سے مل کر میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔'' اس نے پُرجوش انداز میں میرے ہاتھ کو جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت جانے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن خیر' تمہاری مجبوری ہے۔ اب میں فون کرکے آؤں گا۔''

میرا ہاتھ چھوڑ کر وہ مڑا اور صدر دروازے کی طرف ہولیا۔ میں چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر مڑ کر ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں سے ایک راستہ ہوٹل کی دوسری سمت میں نکلتا تھا۔

بنکاک میں ٹک ٹک اور ٹیکسیوں کی بہتات ہے۔ عام طور پر قدم قدم پر سواری مل جاتی ہے۔ میں نے کچھ دور تک پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور براہِ راست موتی محل کے لیے روانہ ہوگیا۔

ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھنے کے بعد مجھے بیم گن کی فکر لاحق ہوگئی۔ پتلون کی بیلٹ میں وہ غیر محفوظ تھی۔ پلاسٹک کا وہ جدید ہتھیار وزنی ہونے کے باوجود کسی پستول وغیرہ سے کافی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ اسے چھپانے کے لیے وہی جگہ زیادہ محفوظ تھی جس کا ذکر میں نے غزالہ سے کیا تھا۔

ٹیکسی کا ڈرائیور ادھیڑ عمر اور سست الوجود سا تھا پھر بھی میں نے بیم گن کو بہت احتیاط سے کوٹ کے دامن کی آڑ میں چھپا کر اپنی نشست سے نکالا اور قمیص کے نچلے بٹنوں کے درمیان سے گزار کر انڈرویئر کے اوپری حصے میں پیٹ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چپکا لیا۔

یوں تو بھرپور جامہ تلاشی میں بدن کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن کسی سرسری کوشش میں وہ مقام بچا رہنے کی امید تھی۔ میں اسد کے ساتھ پہلی بار موتی محل پہنچا تو وہاں ہماری مکمل اور بھرپور جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ صبح میں، راجن کے مہمانوں کے سامنے گواہی دینے کے لیے بلایا گیا تو میری تلاشی کا انداز سرسری تھا۔ توقع تھی کہ موتی محل پر راج کرنے والے سناٹے میں تیسری بار مجھے زیادہ کڑی تلاشی سے نہیں گزرنا پڑے گا اور بیم گن بچ جائے گی۔

شام ہو چلی تھی اور شہر میں روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ میں نے موتی محل کے آثار نظر آنے پر ایک دمکتے ہوئے بل بورڈ کے سائے میں ٹیکسی رکوالی تاکہ اس عمارت کے پھاٹک پر لگے ہوئے کیمروں کی گرفت سے دور رہ کر بیم گن کی پوزیشن کا صحیح اندازہ کر سکوں۔

ٹیکسی سے اترنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اچھے زیر جامے مہنگے ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی افادیت ہمہ جہت ہوتی ہے۔ بیم گن میرے جسم سے یوں چپکی ہوئی تھی جیسے ذرا سی دیر میں جزو بدن ہو گئی ہو۔ میں ڈرائیور کو فارغ کر کے اطمینان سے موتی محل کی طرف چل دیا۔

شام کے دھندلکے میں اس عمارت میں بہت سی روشنیاں چمک رہی تھیں لیکن چراغاں کا وہ منظر مفقود تھا جو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ وہ موتی محل کے رہے سہے مکینوں کے لیے ایک شامِ غم تھی۔ وہاں گھور اندھیرے کا راج ہوتا تو وہ بھی کم تھا۔

پُرشکوہ اور دیوہیکل فولادی دروازے کے سامنے رک کر میں نے کسی مظلوم فریادی کی طرح دستک دی۔ مجھے کیمرے کی مدد سے اندر دیکھ لیا گیا تھا۔ پھاٹک کے برابر میں دیوار میں بنے ہوئے پہلے سے راستے پر ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا جو میری سمجھ سے بالا تھا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقامی نہیں تھا۔

راجن کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں اٹکی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ صرف چار بھارتی رہ گئے تھے۔ باقی آدمی ہتھیاروں سمیت فرار ہو چکے تھے۔

''میرا نام اکبر ہے۔ میں.....'' میں نے آنے والے کی طرف متوجہ ہو کر بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے عجلت میں میری بات کاٹ دی۔

''ادھر سے اندر آ جاؤ۔'' اس تنگ راستے میں مجھے جگہ دینے کے لیے وہ اندر سرک گیا۔

وہ راستہ میں صبح کے جاں گسل فرار میں دریافت کر چکا تھا۔ وہاں سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔

موتی محل کی حدود میں قدم رکھتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہاں اداسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ جو لوگ رہ گئے تھے انہوں نے احاطے کی ساری بتیاں روشن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی یا پھر صبح احاطے میں گرنے والے بموں نے بجلی کی ترسیل کے زیرِ زمین نظام کو تباہ کر دیا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ موتی محل میں قدم رکھنے کے بعد مجھے اپنی مرضی سے وقت کے استعمال کی آزادی نہیں رہے گی اس لیے میں تیزی سے ہر طرف کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

مسلح محافظ کی معیت میں، میں گارڈ روم کے سامنے پہنچا تو اس نے میرے بازوؤں اور پہلوؤں پر ہاتھ پھیر کر جامہ تلاشی لی، پھر جھک کر میری دونوں پنڈلیوں پر اوپر تک ہاتھ پھیرے اور مطمئن ہو کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میرا پیٹ اس کی توجہ سے یکسر محروم رہا۔

''باس بہت دیر سے تیرا انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے بدمعاشوں جیسے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''جلدی سے دوڑ کر اندر جا، برآمدے سے کوئی اندر لے جائے گا۔''

میں کچھ کہے بغیر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سامنے پھینکے جانے والے بموں نے احاطے کے بڑے حصے کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا۔

مجھے دور ہی سے نظر آ رہا تھا کہ برآمدے میں ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص نمودار ہو چکا تھا۔ میرا اگلا راہ نما وہی ہو سکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دور رہ کر مجھے اپنا مشن جتنا آسان نظر آ رہا تھا، موتی محل میں آنے کے بعد اتنا آسان نہیں رہا تھا۔ وہ گنتی کے کل پانچ نفوس تھے لیکن مختلف جگہوں پر پھیل کر انہوں نے اپنی طاقت میں کافی اضافہ کر لیا تھا۔ میرے لیے راجن کو موت کے گھاٹ اتارنا شاید زیادہ مشکل نہ ہوتا لیکن بعد میں موتی محل سے نکلنے میں واضح دشواریاں نظر آنے لگی تھیں۔

جلال کی ہدایت میرے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھوں مرنے والوں کا یہ حق تھا کہ انہیں آخری سانس لینے سے پہلے اپنے قاتل کا نام معلوم ہو جائے لیکن ان کے سوا کسی کو میری اصلیت کی سن گن نہیں ملنی چاہیے تھی۔ بیم گن کا استعمال بھی نام کے اظہار کے زمرے میں آتا تھا مگر بدترین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمحات میں وہی میرا آخری ہتھیار ثابت ہوتی۔

جب تک میں باہر تھا مجھے بیم گن اندر لانے کی فکر لاحق تھی۔ اس چکر میں میں نے اسے ایسی جگہ پہنچا دیا تھا جہاں وہ موتی محل کے دربان سے محفوظ رہی۔ اسی کے ساتھ وہ میری دسترس سے بھی دور ہو چکی تھی۔ کوئی ناگہانی ضرورت پیش آتی تو اسے زیر جامے سے نکالنا محال ہو جاتا۔ تلاشی کا مرحلہ گزر چکا تھا۔ دوسری تلاشی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ بیم گن کو میری جیب میں آ جانا چاہیے تھا جہاں وہ بوقتِ ضرورت آسانی سے ہاتھ آ جاتی۔

''ابے' دوڑ لگا۔'' برآمدے والا اپنی جگہ سے غرایا ''باس تیرا انتظار کر رہا ہے۔''

ان لوگوں میں شائستگی نام کو نہیں تھی۔ ان کی تو تڑاق سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دنگا فساد کرنے والے تیسرے درجے کے بدمعاش تھے جو راجن کی جان سے چمٹے رہ گئے تھے۔

اس کی مزید کسی بدتمیزی سے بچنے کے لیے میں نے دھیمی رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔ ''استاد، پہلے مجھے باتھ روم کا راستہ بتا دو' میرا پیٹ گڑ بڑ ہے۔'' میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے تھام کر عاجزی سے کہا۔

''باس کے پاس جانے سے پہلے پیٹ خراب ہو گیا۔ اس سے ملے گا تو سالا پتلون گندی کر لے گا۔'' تضحیک آمیز انداز میں تبصرہ کر کے اس نے فلمی انداز میں قہقہہ لگایا اور بولا ''میرے پیچھے آ جا۔''

اس بار ہم ڈرائنگ روم کے بجائے ایک راہ داری میں داخل ہوئے۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ ساؤنڈ پروف کمرا کدھر واقع تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اس نے ایک کمرے کا بند دروازہ کھول دیا۔

''اندر جا اور باتھ روم سے فارغ ہو کر برابر والے کمرے میں آ جا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کمرے کی نشاندہی کر دی جہاں مجھے جانا تھا۔

وہ کوئی صاف ستھری خواب گاہ تھی۔ صاف ستھرا اور بے شکن بستر ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کمرا شاید کسی کے استعمال میں نہیں۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا باتھ روم میں گھسا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ اس محفوظ چار دیواری میں اپنا کام کرنے سے پہلے میں نے ہر طرف نظریں دوڑائیں۔ مجھے ڈر تھا کہ وہاں کوئی کیمرا نہ چھپا ہوا ہو۔ چھت اور دیواریں سپاٹ تھیں۔ جب کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی تو میں نے اطمینان سے بیم گن اپنے کوٹ کی اندر کی جیب میں منتقل کر لی۔

میں وہاں ایک بہانہ کر کے آیا تھا اس لیے کچھ دیر اندر رکا رہا۔ پانی بہایا' فلش ٹینک چلایا اور ہاتھ گیلے کر کے باہر نکلا تو کمرا بہ دستور خالی تھا۔ کمرے کے باہر بھی سناٹا تھا۔ اس وسیع و عریض مکان میں چھائی ہوئی ویرانی میری روح میں اتری جا رہی تھی۔ رونق کنکریٹ اور مرمر سے نہیں' انسانوں سے ہوتی ہے' موتی محل اچانک مکینوں کے قحط سے دوچار ہو گیا تھا۔

دراز قامت زبان دراز کے بتائے ہوئے بند دروازے پر پہنچ کر میں نے ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے راجن کی غراتی ہوئی آواز ابھری اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

''بہت دیر کر دی تم نے۔'' وہ اپنی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولا۔ ''آتے ہی پھر باتھ روم میں گھس گئے!''

''مجبوری تھی استاد!'' میں نے گھگیا کر کہا۔

کمرے میں راجن کے ساتھ وہی دراز قامت بیٹھا ہوا تھا جو مجھے اندر لایا تھا۔ اس کے بقیہ دو آدمی کہیں نظر نہیں آئے۔ راجن نے اپنے سامنے رکھی ہوئی تپائی سے گلاس اٹھا کر کسی شراب کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارا اور مجھے ایک الگ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سکڑے سہمے انداز میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ راجن کا بایاں بازو بہ دستور سوجا ہوا اور حرکت سے معذور تھا۔

''تم نے ڈینی کے آدمیوں کی باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں؟'' چند ثانیوں کے روح فرسا سکوت کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

''بالکل استاد کیا تم کو اس بات پر شبہ ہے؟'' میں نے دلیری سے کہا۔ میں ڈینی کے روپ میں باتیں کر کے اسے دھمکا تا رہا تھا۔ ویران ساحل پر ہونے والے تصادم میں میرے اور اس کے درمیان براہِ راست مکالمے ہوئے تھے۔ وہ کسی صورت میں اکبر کی دی ہوئی اطلاع پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ڈینی نے بنکاک میں صرف اسی سے بات کی تھی۔ اس کے بیان کی تائید کرنے والا کوئی شخص زندہ نہیں رہا تھا۔

''مجھے رتی برابر شبہ نہیں ہے۔'' اس نے اپنے صوفے میں احتیاط سے پہلو بدل کر کہا۔ ''ڈینی اسی شہر میں منڈلا رہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دوسروں کو اس بات پر یقین نہیں آ رہا۔ یہ بہت بڑا کھیل چل رہا ہے۔ تم برنارڈ کو جانتے ہو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''نہیں استاد! یہ کون ہے؟'' میں نے جوابی سوال کر ڈالا۔

''زخم کھایا ہوا ایک سانپ، جو پھر سر اٹھا رہا ہے۔'' اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں کہا 'اس کے خوشامدی اسے آج بھی ڈان کہتے ہیں۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں ڈینی کے چکر میں پڑ کر برنارڈ کو بھولا رہا اور ان دونوں نے خاموشی سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اب مجھے ان دونوں کو سنبھالنا ہوگا۔''

''باس! تم اس چوزے کو یہ سب کیوں بتا رہے ہو۔'' دراز قامت نے دخل اندازی کی ''اس سے اس کی اوقات کا کام لو اور چلتا کرو۔''

''جوزی!'' راجن اس پر حلق کے بل دہاڑا۔ ''کیا بکواس کر رہا ہے تو۔ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تو چلا جا یہاں سے۔ اسے میری آنکھ سے دیکھ۔ یہ چوزہ نہیں نیولا ہے جو سانپ کا سر چبا سکتا ہے۔''

''باس! غلطی ہوگئی۔'' جوزی نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا ''میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے ڈینی کے آدمیوں کی شناخت کے لیے بلایا ہے۔''

''اسی لیے بلایا تھا۔'' راجن کی آواز اعتدال پر آ گئی۔ ''مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے یہ خبر تو نے سنائی تھی کہ آج برنارڈ نے سیلرز بار میں آتے ہی سب کو مفت شراب پلانا شروع کر دی ہے۔ کسی کو پتا ہو یا نہ ہو' میں جانتا ہوں کہ اس طرح وہ اپنی واپسی کا جشن منا رہا ہے۔ موتی محل کے بھگوڑے اس کے پاس پہنچے ہوئے ہیں اور اسے اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے ہیں۔ جو میرے نہیں ہو سکے وہ کسی کے نہیں ہو سکیں گے۔ شہر میں یہ دھمکی بھی اسی نے پھیلائی ہوگی کہ میرے دوست اس کے دشمن ہوں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ میں حیران تھا کہ ایسی خبریں کون پھیلا رہا ہے۔ اب بات صاف ہو چکی ہے۔''

''باس! مجھے یہ سب کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟'' جوزی نے عاجزی سے کہا۔ ''تم نے جب سے سیلرز بار میں مفت شراب بٹنے کی خبر سنی ہے' تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔ تم خاموشی سے پیے جا رہے ہو۔ یہ آیا ہے تو تم نے زبان کھولی ہے۔''

''برنارڈ کی سازش کا بروقت پتا چل گیا ہوتا تو وائٹ ہاک ڈوبتی نہ آج موتی محل ویران ہوتا۔'' راجن نے دکھ بھری آواز میں جوزی سے کہا۔ ''ہمارے پاس آدمی تھے' طاقت تھی۔ چند گھنٹوں میں برنارڈ کو اس کے بار سمیت پھونک کر رکھ دیا جاتا۔ وقت نکل گیا' آدمی بھاگ گئے۔ اب ہمیں جیتنے کے لیے بہت محنت کرنا ہوگی۔ ہمیں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اکبر بھی ہمارے کام آئے گا۔''

''میں تیار ہوں استاد!'' میں نے اپنا مفروضہ نام سنتے ہی کہا ''تمہاری اور جوزی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''تم یہ تو سمجھ گئے نا کہ میرے دو دشمن ہیں..... ڈینی اور برنارڈ!'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اور وہ دونوں تمہارے خلاف مل گئے ہیں۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ڈینی آسیب بنا ہوا ہے۔ اسے ڈھونڈنا پڑے گا۔ برنارڈ ہمارے سامنے ہے۔ وہ شام کو چھ بجے سے رات بارہ بجے تک اپنے سیلرز بار میں ہوتا ہے۔ ہم لوگ ادھر گئے تو پہچان لیے جائیں گے۔ تم ان کے لیے اجنبی ہو۔ جاؤ اور وہاں ٹائم بم چھوڑ کر لوٹ آؤ۔ اس کام کے لیے میں تمہیں پچیس ہزار بھات دے سکتا ہوں..... بولو' کیا کہتے ہو؟''

میں جو کچھ سوچ کر وہاں پہنچا تھا وہ دھرا رہ گیا۔ ڈان کی ذرا سی بے احتیاطی سے ساری کہانی یکسر بدل کر رہ گئی۔ وہ ابتدا سے بہت کامیابی کے ساتھ اپنا نام چھپاتا چلا آ رہا تھا۔ سیلرز بار میں مفت شراب کا میلہ لگا کر اس نے ساری کامیابیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس وقت میرے سامنے راجن کی تجویز سے اتفاق کرنے کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ ڈان اپنے اقتدار سے ایک مدت سے ترسا ہوا تھا۔ اس نے موتی محل پر ایک کامیاب حملہ کروانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ وہ پوری طرح بازی جیت چکا ہے۔ وہ ذرا سے صبر سے کام لیتا تو سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے سمیٹا جا سکتا تھا۔

''تم پچیس ہزار بھات نہ دو تب بھی میں تمہارا یہ کام کر دوں گا۔'' میں نے بلاوجہ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''سارا مسئلہ یہ ہے کہ سیلرز بار کا نام میرے لیے نیا ہے۔ پہلے مجھے وہاں کچھ وقت گزار کر موقع محل کا جائزہ لینا ہوگا۔''

''ان چکروں میں الجھانے کی کوشش مت کر!'' راجن سے پہلے جوزی بول پڑا۔ ''یہاں آنے کے نام سے تیرا پیٹ خراب ہو گیا' اب کام سن کر حیلے بہانے کر رہا ہے۔''

راجن نے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ مجبور ہو کر مجھے بولنا پڑا۔ ''ایسی جگہوں پر نیا آدمی فوراً نگاہوں میں آ جاتا ہے۔ میں.....''

''ابے! نئے آدمی کو وہاں کرنا ہی کیا ہے۔ ایک چھوٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سی تھیلی لے کر جا' بیٹھ کر ایک دو پیگ لگا اور واپسی پر تھیلی باتھ روم میں چھوڑ کر آ جا۔ کام سے ڈر رہا ہے تو کھل کر بتا دے۔ ہمیں یہ چائزوں وائزوں کے چکر مت دے!'' جوزی نے بے اعتنائی سے کہا۔

''شک ہے تو پھر یہ کام تم اپنے کسی آدمی سے لے لو' مجھے کوئی اور کام بتا دو۔'' موقع ملتے ہی میں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔'' راجن نے وہ بحث سننے کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''تمہاری ایک ادا میرے دل کو بھا گئی۔ صبح بات ہو رہی تھی تو تم نے موقع کی نزاکت سمجھ کر اپنی طرف سے ڈینی کے نام کا اضافہ کر دیا حالانکہ جب تم نے مجھ سے ڈینی کے آدمیوں کا ذکر کیا تو ان کی باتوں میں ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔ بات میرے فائدے کی تھی' میں ان پانچوں کے سامنے چپ رہا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ انہوں نے پھر بھی تمہاری بات نہیں مانی۔ ایسے ذہین آدمی مجھے پسند ہیں... جو حالات کی روشنی میں خود بھی فیصلہ کر سکیں۔''

''یہ سب میرے سر آنکھوں پر۔'' میں نے انکسار سے کہا۔ ''مگر تم نے جوزی کی باتیں بھی سن لیں۔ کام میں کوئی گڑبڑ... ہوگئی تو یہ ساری ذمے داری میرے اوپر ڈال دے گا۔ تم یہ کام کسی اور سے لے لو تو اچھا رہے گا۔''

''اب مجھے کھل کر کچھ بتانا ہوگا۔'' راجن اپنا گلاس خالی کر کے بولا۔ ''آج میری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ موتی محل سے چار کے سوا سارے محافظ اور ملازم لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ بنکاک میں آج میرے سارے کلب اور کیسینو بند پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ ڈر کر اپنے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں یا انہوں نے نوکریاں چھوڑ دی ہیں۔ دو چار دن میں صورتِ حال کچھ واضح ہوگی۔ میرا بازو زخمی ہے۔ اس اہم کام کے لیے میں آنکھیں بند کر کے کسی نئے آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔''

مجھے ابتدا سے یہی تجسس تھا کہ وہاں راجن کے سوا صرف دو آدمی نظر آئے تھے۔ بقیہ دو کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اچانک کہیں سے نمودار ہو کر میری کسی کارروائی کا پانسا پلٹ سکتے تھے۔ راجن نے وہ تفصیل بتا کر مجھے سوال کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''مجھے دربان اور جوزی کے سوا اب تک کوئی اور نظر نہیں آیا۔''

راجن نے چونک کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں معصومانہ انداز میں سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن راجن کی تیکھی نظروں کے سامنے میرے معدے میں واقعی گرہیں سی پڑنا شروع ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی ہیں۔'' راجن نے سرسری اور مبہم جواب دے کر میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔ بقیہ دونوں کے بارے میں کچھ جانے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اس نے اپنی طرف سے سرسری جواب دے کر بات وہیں ختم کر دی مگر میں جانتا تھا مجھے دوبارہ ایسا موقع نہیں ملے گا۔ میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''پھاٹک پر دربان کا ہونا ضروری ہے تاکہ کوئی اجنبی اندر نہ گھس سکے۔ تمہارا بازو زخمی ہے۔ تمہاری دیکھ بھال کے لیے کسی نہ کسی کا موجود رہنا ضروری ہے۔ یہ کام جوزی کر رہا ہے۔ اگر وہ دونوں فارغ ہیں تو مجھے ان کے ساتھ سیلرز بار کی طرف بھیج دو۔ برنارڈ کا قصہ آج ہی نمٹ جائے گا۔''

''وہ تمہارے ساتھ کیا کریں گے؟'' راجن نے دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں بازو سہلاتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

''مجھے تلاش میں بھٹکنا پڑے گا۔ ان کے لیے وہ جگہ دیکھی بھالی ہوگی۔ وہ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔ میں اندر چلا جاؤں گا' وہ باہر رکے رہیں گے۔'' میں نے منظر کشی شروع کر دی۔ ''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہ آسانی سے میری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔''

''اس بھول میں نہ رہنا۔'' راجن بولا ''برنارڈ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میرے آنے سے پہلے یہاں اس کا طوطی بولتا تھا۔ اسے تم پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ اندر ہی سے تم کو کہیں غائب کرا دے گا۔ بعد میں کہیں سے تمہاری لاش مل جائے گی۔ وہاں کسی کمک یا مدد کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ بریفنگ ہے۔ کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تم کو ہر اونچ نیچ کا علم ہونا چاہیے۔''

''یہ اتنا خطرناک کام ہے تو مجھے اس سے معاف کر دو۔'' میں نے راجن کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''یہ ہے اس کی اصل اوقات!'' جوزی زہریلے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ناکارہ اور بودا آدمی ہے۔''

بات بڑھتی جا رہی تھی اور کسی بھی لمحے بگڑ سکتی تھی۔ میں ان دونوں سے دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوری کی وجہ سے ان دونوں میں سے کوئی بھی زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کیا جا سکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ وہ جس کمرے میں موجود تھے۔ اس کی تزئین و آرایش ایک پرتعیش خواب گاہ جیسی تھی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہتا۔ اس وقت میرے لیے نادر موقع تھا کہ میں اچانک انہیں بیم گن کی زد پر لے لوں۔ وہ کمرا عمارت کے اندرونی حصے میں واقع تھا۔ پھاٹک سے عمارت کا فاصلہ بھی کافی تھا۔ وہاں ہونے والی ہڑبونگ کی آوازیں دربان تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر راجن کے بقیہ دو آدمی کہیں سے آ نکلتے تو میں پلک جھپکتے میں انہیں بیم گن سے شکار کرسکتا تھا۔

وہ راجن اور اس کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے یا انہیں بھول جانے کا مرحلہ تھا۔ وہ موقع کھو دینے کے بعد میں کبھی ان کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت میری جیت صرف اور صرف بیم گن کے زور پر ممکن تھی اور جلال نے مجھے اس کے استعمال سے منع کیا ہوا تھا۔

بیم گن کو فراموش کر کے میں اپنے مستقبل کو بہت سے خطرات سے بچا سکتا تھا لیکن پھر راجن کا فتنہ زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میرے ذہن میں شدید کشمکش ہو رہی تھی اور میری پوری توجہ راجن پر مرکوز تھی۔ میرے کان اس کی زبان سے جوزی کے زہریلے تبصرے کا جواب سننے کے منتظر تھے۔

''کیا مجھ سے واقعی فیصلے کی غلطی ہوئی ہے؟'' راجن نے بھویں چڑھا کر عجیب سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''ہاں!'' یہ کہتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بیم گن نکال کر جوزی کی طرف سیدھی کی' نہایت پھرتی کے ساتھ انگوٹھا استعمال کر کے اس کا سیفٹی لاک سرکایا اور شہادت کی انگلی سے ٹریگر دبا دیا۔

جوزی کو سنبھلنے یا اپنی کرسی سے اٹھنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی بے آواز دھار فضا میں تیرتی ہوئی اس کے رخسار سے گزر کر دماغ تک اتر گئی۔ اس کے بدن نے ایک جھٹکا لیا اور وہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔ میں نے بیم گن کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔

''تم سے فیصلے کی سنگین غلطی ہوئی ہے۔'' میں نے اپنی اصل آواز میں ادھورا فقرہ مکمل کیا۔ ''تم خود اقرار کر چکے ہو کہ آج تمہاری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ اجل کا فرشتہ تمہاری زبان سے یہ بات کہلوا رہا تھا..... خبردار! ہلنا نہیں ورنہ کچھ جانے بغیر مارے جاؤ گے!''

جوزی کا انجام دیکھ کر راجن کا سیاہ چہرہ تاریک تر ہوگیا تھا۔ میری اصل آواز سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تت..... تم ڈینی ہو..... تم نے مجھے مارا تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔''

''اسی خوف سے میں نے تمہیں دوبار زندہ چھوڑ دیا۔ موت تمہارے قریب سے دبے پاؤں گزر گئی۔ تیسری بار میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ میری نازک سی گن آدمی کو کس قرینے سے مارتی ہے۔''

''اس بار یہ غلطی ہی ہوگئی۔'' اس نے سنبھالا لینے کی کوشش کی مگر اس کے لہجے پر کمزوری غالب رہی۔ ''اب میں سمجھا کہ تمہیں میرے دو آدمیوں کی فکر کیوں ہو رہی تھی۔ وہ یہیں' اسی کمرے میں چھپے ہوئے ہیں..... نہیں' ابھی ٹھہرو!''

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ میرے شانوں کے پیچھے اچانک کسی سے مخاطب ہو کر زور سے بولا۔ غیر ارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم گئی۔ مجھے شک ہوا کہ اس کے چھپے ہوئے آدمی میری پشت پر نمودار ہو گئے ہیں اور وہی میری فاش غلطی تھی۔

اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اپنی چال بازی سے اس نے چند لمحوں کے لیے میری توجہ دوسری طرف مبذول کرا دی تھی۔ اپنے زخمی بازو کی پروا کیے بغیر اس نے اچانک اپنی کرسی سے جست لگائی اور کسی وزنی لنگور کی طرح میرے اوپر آ گرا۔

دو وزنی جسموں کا تصادم اتنا شدید تھا کہ بیم گن میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ کرسی وہ جھٹکا نہ سہ سکی اور پیچھے الٹ گئی۔ میں پشت کے بل قالین پر تھا اور راجن کا گٹھا ہوا وجود میرے سینے پر سوار تھا۔ اس نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے داہنے ہاتھ سے میرا نرخرا دبوچ لیا۔

اس کے گٹھے ہوئے توانا جسم کو دیکھ کر مجھے اس کی طاقت کا اندازہ تھا لیکن جب اس نے اپنے ایک ہاتھ کی پوری قوت سے میرا گلا دبانا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس کے بدن میں کسی وحشی سانڈ سے زیادہ طاقت تھی۔ شاید موت کو اپنے سامنے پا کر اس کے جسم کی ساری توانائی اس کے داہنے ہاتھ میں سمٹ آئی تھی۔

میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے گرانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس نے اپنے دونوں پیر پھیلا کر سارا بوجھ میرے پیٹ اور سینے پر ڈالا ہوا تھا۔ میں نے گھٹنوں سے اس کی پشت پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی ناکام ہوئی۔ وہ سیدھا بیٹھنے کے بجائے اس طرح جھکا ہوا تھا کہ میرے گھٹنے اس کی پشت کو نشانہ نہیں بنا سکے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ابتدائی چند لمحے تھے جو گھبراہٹ اور سنسنی کے عالم میں گزرے پھر میں نے بائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک زوردار مکا رسید کیا۔ اس کا ایک بازو زخمی تھا' دوسرا ہاتھ میرے گلے پر جما ہوا تھا۔ صرف سر کی جنبش سے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ اس ضرب کی شدت میں نے اپنے مکے پر محسوس کی' رخسار کی ہڈی چٹخنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ راجن کا توازن بگڑا' میرے گلے پر اس کی گرفت کمزور ہوئی اور اسی لمحے میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے نیچے پھینک دیا۔

جب تک راجن ایک ہاتھ سے میرا گلا گھونٹنے کی وحشیانہ کوشش کر رہا تھا' اس کی زبان بند تھی۔ وہ زور ٹوٹتے ہی اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی طرح میرے لیے بھی وہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ میری ذرا سی غفلت مجھے دوسرے جہان میں پہنچا سکتی تھی۔

جب میں نے راجن اور جوزی پر بیم گن استعمال کر کے ان کا قصہ وہیں نمٹانے کا فیصلہ کیا تو جلال کی یہ ہدایت میرے ذہن میں تازہ تھی کہ میرے ہاتھوں کہیں بھی کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں میرا نام سامنے آ سکے۔ بیم گن میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے استعمال کرنے سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس شام موتی محل میں میرے سب حریف بیم گن کا نشانہ بنیں گے۔ ایک ایک کر کے انہیں مار لینے کے بعد اس عمارت میں میرا راج ہوتا۔ راجن سے پچھلے تصادم کا تجربہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں نے اس کے دو آدمیوں کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کیا اور پھر ان کی لاشیں راجن کی کار سمیت نذر آتش کر دیں۔

اس وقت تک ویرا یا جلال سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لاشیں میں نے صرف اس لیے جلائیں کہ ڈان اور چاؤ فان کو ان کی موت کے اسباب کا علم نہ ہو سکے۔ اس وقت وہ میری احتیاط تھی جو موتی محل میں ایک ضرورت بن چکی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میں راجن کو بہت آسانی سے بیم گن سے مار لوں گا لیکن اس نے مجھے جھانسا دے کر اپنی مہلت میں اضافہ کر لیا تھا۔

اس نے دوبارہ اٹھنے میں دیر نہیں کی۔ مجھے فنا کر دینے کا دعویٰ کرتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بیم گن کچھ دور قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ راجن کو زیر کیے بغیر اس تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس وقت اس سے دو بہ دو مقابلہ ہو رہا تھا۔ بیم گن ہاتھ سے نکل جانے کے باوجود میں پل بھر میں اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ حریف کے بدن میں مہلک زہر اگلنے والی انگوٹھی کا استعمال ایک موزوں مکے کے ساتھ راجن کو ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ جوزی پر بیم گن استعمال ہونے کے بعد میں اپنا دوسرا ہتھیار استعمال نہ کروں۔ ویسے بھی راجن نے مجھے خاصا پریشان کیا تھا۔ وہ آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔ میں نے اسے مارنے سے پہلے اس سے کھیلنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو وہ جوزی سے پہلے' ایک پل میں مارا جا سکتا تھا۔

میں نے اکھاڑے میں اترے ہوئے کسی پہلوان کی طرح اپنے قدموں پر حرکت کرتے ہوئے دونوں انگوٹھیوں کے نگینے گھما کر ان کے رخ اندر کی جانب کر لیے تاکہ داہنے ہاتھ سے مکا مارنے کی صورت میں نگینوں کا زہر راجن کے جسم میں نہ اتر سکے۔

اس وقت راجن کی حالت بہت عجیب تھی۔ اس کا مکروہ چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ اس سیاہی میں اس کی آنکھوں کے پھیلے ہوئے ڈھیلے خاصے بھیانک لگ رہے تھے' آگے کی طرف مڑے ہوئے کان مجھے کچھ زیادہ مڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مجموعی طور پر یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے شیطان کا کوئی چیلا میرے مقابلے پر اترا ہوا ہو۔

اس کا زخمی بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی سیاہی میں بازو کی شدید تکلیف کا بھی کچھ نہ کچھ دخل تھا۔

ہم دونوں موقع کی تلاش میں ایک دوسرے کے سامنے پینترے بدل کر قالین پر حرکت کرتے رہے وہ مجھے دھمکیوں اور گالیوں سے نواز رہا تھا' میں خاموش تھا۔ اچانک اس نے اپنے پیر سے میری گری ہوئی کرسی میری طرف اچھالنے کی کوشش کی۔ وہ ہلکی ضرور تھی بہر حال کرسی تھی۔ اچھلنے کے بجائے وہ ایک طرف لڑھک گئی۔

کرسی کی طرف متوجہ ہونے سے لمحہ بھر کے لیے اس کی توجہ کے ارتکاز میں فرق آیا۔ یہ وہی غلطی تھی جو میں نے اس کی مکاری پر گردن گھما کر کی تھی۔ میں لپک کر اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے زبردست مکوں کی زد پر لے لیا۔ بایاں بازو ناکارہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے زبان بند کر کے اپنے دانت بھینچ لیے اور ناکام اور مدافعانہ کوششوں کے درمیان پٹتا رہا۔ اس نے کئی بار اپنے داہنے ہاتھ سے میرے کپڑے پکڑ کر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس سے قدرے دور رہ کر ہی میں اس کی خاطر خواہ مرمت کر سکتا تھا۔

ذرا سی دیر میں اس کے چہرے کا نقشہ بگڑ گیا۔ نیل' ورم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور پھٹی ہوئی جلد سے گاڑھے خون کے رساؤ کے سبب اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا۔ وہ ایک ہاتھ سے خود کو بچانے کی ناکام کوششوں میں لگا رہا۔ یکا یک اس نے میری ٹانگوں کے درمیان زوردار لات رسید کرنے کی کوشش کی اور میں نے خود کو بچاتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔

وہ لڑکھڑایا اور گالیاں دیتا ہوا قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس بار میں نے لپک کر بیم گن پر قبضہ کیا اور پھر راجن کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

مار کھا کر چیخنا اور کراہنا ہر ذی روح کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ راجن کے حلق سے بھی ملی جلی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن ان میں غیر ضروری شدت نہیں تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ عمارت میں اس کے آدمی ہوتے تو وہ ضرورت سے زیادہ چیخ پکار کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ شاید موتی محل سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ پھاٹک پر بیٹھا ہوا محافظ اس کمرے سے بہت دور تھا۔ راجن جانتا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخے تب بھی اس کی آوازیں اس محافظ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

چند لمحوں میں، میں نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح ہانپنے لگا۔

''بب..... بس..... اب بس کرو۔'' وہ اچانک دردناک آواز میں کراہا ''میری ہڈیوں میں مار کھانے کا دم نہیں رہا..... تم بہت سنگ دل ہو!''

میں نے اس کی پسلیوں میں ایک زوردار اختتامی ٹھوکر لگائی اور ایک خالی صوفے پر دراز ہوگیا۔ میں خود بھی اسے مارتے مارتے تھک گیا تھا۔ میں نے بیم گن اپنی گود میں ڈالی اور اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اطمینان سے ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

راجن ایک نامی گرامی بدمعاش تھا۔ آتشیں ہتھیار اس کے پسندیدہ کھلونے تھے لیکن میں نے اندازہ لگالیا کہ اس وقت وہ بالکل غیر مسلح تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنی محفوظ کمین گاہ میں دبکا ہوا تھا، جہاں اس کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ میں بھی اس کی اجازت سے بلکہ دعوت پر وہاں آیا تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ اس نے دوستی کے فریب میں آکر اپنے بدترین دشمن کو اصرار کر کے گھر بلایا تھا۔

اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوش فہمی کے سبب اسے اپنے گھر میں ہتھیار بند رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ لڑائی کے دوران میں اسے نکالنے کی کوشش ضرور کرتا۔ میں نے اس کی جامہ تلاشی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک وہ قالین پر بے سدھ پڑا رہا۔ اس کے تیز سانسوں کے ساتھ اندر سے ایسی کریہہ آوازیں آرہی تھیں جیسے کسی بھی بے قابو سانس کے ساتھ اس کے اعضائے رئیسہ باہر آنے والے ہوں۔ رفتہ رفتہ وہ حرکت کرنے اور بیٹھنے کے قابل ہوگیا۔ اس کے خون میں نہائے ہوئے چہرے پر چمکتی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔

''تت..... تم کیا چاہتے ہو؟'' آخر اس نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بہت پہلے بتا چکا تھا۔ وہ باتیں تمہاری یادداشت میں محفوظ ہونا چاہئیں!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا ''تم چاہتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں۔''

وہ موت کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ایک مکار شخص سے زبردست نفسیاتی جنگ تھی۔ میں نے زبان کے بجائے سر کی جنبش سے اثبات میں جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''اس وقت بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ''اب پتا چلا کہ تم برنارڈ کے لیے مجھ سے میدان خالی کرانا چاہتے تھے۔ برنارڈ چوہے کا بچہ ہے۔ اسے ایک چھوکری نے بنکاک کے بھرے بازار میں جوتیاں لگائی تھیں۔ تمہارا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس بزدل کے لیے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔''

ہر برے آدمی کی طرح وہ بھی اپنے آخری وقت پر زندہ رہنے کی خوش گمانی میں مبتلا تھا۔ ایسے لوگوں کو موت سامنے نظر آتی ہے تو انہیں زندگی یکا یک حسین نظر آنے لگتی ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید راجن کا دماغ اسی ڈھب پر کام کر رہا تھا۔

''کچھ عرصے پہلے ڈان برنارڈ بھی میرے لیے تمہاری طرح اجنبی تھا۔ وہ میرے وقت اور محنت کا معاوضہ دے رہا ہے۔ میں اس کے لیے کام کر رہا ہوں۔''

''میں تمہیں اس سے دگنا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں..... تین گنا..... چار گنا بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے یہاں سے بہت مال کمایا ہے۔ میرے سب کام جمے جمائے ہیں۔ تم نے مجھے مار دیا تب بھی برنارڈ کو اس مقام تک پہنچنے میں برسوں لگیں گے..... ہوسکتا ہے کہ اس کی رہی سہی عمر اسی خواب میں بیت جائے۔ تھکے ہوئے گھوڑے پر بازی لگانے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بجائے مجھ پر رحم کرو' میرا ساتھ دو۔ میں تم کو نہال کر دوں گا۔''

''دولت ہر انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میری اس کمزوری سے کھیلنے کی کوشش مت کرو۔ اس وقت تم اپنی ساری دولت مجھے دینے کا وعدہ بھی کر سکتے ہو۔ تمہاری موت کی یہ گھڑی ٹل جائے گی تو تم اپنے وعدوں سے پھر کر میرے خون کے پیاسے ہو جاؤ گے۔''

''ڈینی! مجھ پر اعتبار کرو!'' وہ تڑپ کر بولا ''میں نے سنا تھا کہ تم کرائے پر پاکستانی ایجنسیوں اور دوسروں کے لیے کام کرتے ہو۔ میں تمہیں اتنا کچھ دے سکتا ہوں کہ تمہیں زندگی بھر خود کو بیچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ذرا سی راہ ملتے ہی اس نے مجھ پر حاوی ہونے اور مجھے لبھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مجھے خود کو بیچنے کا حوالہ دے کر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ بری طرح مار کھانے سے اس کے عضلات ضرور متاثر ہوئے تھے لیکن اس کا ذہن اور اعصابی نظام پوری طرح کام کر رہا تھا۔ شاید یہ موت کی دہشت تھی جس نے اس کی ساری فطری اور جبلی صلاحیتوں کو بیدار کیا تھا۔

''راجن! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو!'' میں نے اس کی گرفت کرتے ہوئے غرا کر کہا ''میں بکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کاموں کے سودے کرتا ہوں۔ کام پورا کرتا ہوں اور دام کھرے لیتا ہوں۔ میں کس کس کے لیے کام کرتا رہا ہوں' یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔ تمہاری کسی بے ہودگی پر میرا دماغ سنک گیا تو تم بھی جوزی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

''مجھے معاف کر دو۔'' وہ داہنے ہاتھ سے اپنا کان تھام کے گڑگڑایا۔ ''میرے اوسان قابو میں نہیں ہیں۔ زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو درگزر کر دینا۔ اس حالت میں' میں تمہاری توہین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''ڈان برنارڈ سے میری کیا ڈیل ہے' یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔'' میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اس کا بقیہ حصہ وہیں قالین پر مسل دیا۔ ''تم اپنی آفر دو' وعدہ پورا کرنے کی ضمانت دو۔ میں اس پر غور کروں گا۔ اس سے پہلے مجھے اپنے کچھ سوالوں کے جواب درکار ہوں گے۔ تم کو یہ شرائط منظور ہیں تو بات آگے بڑھ سکتی ہے ورنہ.....!''

میں نے دانستہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر بیم گن اٹھا کر اس کا نوزل راجن کی طرف لہرایا۔

''اسے رکھ لو!'' وہ بوکھلا کر بولا۔ ''میں تم کو اسی وقت ایک کروڑ بھات دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد کسی ضمانت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔''

''تم جیسی اسامی کی زندگی کے یہ دام کم ہیں۔ اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔'' میں نے بیم گن کے نوزل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''میں نے ابھی بتایا ہے کہ پہلے مجھے کچھ سوالوں کے بالکل درست جواب درکار ہیں۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ ہراساں انداز میں بولا ''زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے آدمی سے انتخاب کا حق چھن جاتا ہے۔ زور اس کا چلتا ہے جس کا ہاتھ لبلبی پر ہوتا ہے۔ برنارڈ عمر رسیدہ ہے' میں جوان ہوں۔ ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو' پوچھتے جاؤ' میں جواب دوں گا۔''

''تمہیں ممبئی سے یہاں کون لایا تھا؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پہلا سوال کیا۔

''کوئی نہیں' میدان خالی ہونے سے پہلے میں یہاں آیا ہوا تھا۔'' اس نے کہا ''میرا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ممبئی میں پولیس زیادہ تنگ کرتی تھی تو میں کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاتا تھا پھر واپس ممبئی لوٹ جاتا۔''

''پہلے ممبئی تمہارا ٹھکانا ہوا کرتا تھا۔ اب تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ تمہارا مستقل ٹھکانا یہاں ہے۔ یہ تبدیلی کب' کیوں اور کیسے ہوئی؟'' اس بار میں نے اس کے ذہن کی دھند صاف کرنے کے لیے زیادہ وضاحت سے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ مشورہ میرے ایک دوست کا تھا۔ ممبئی میں انڈر ورلڈ پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے وہاں کے مقابلے میں بنکاک میں زیادہ مال ہے۔ برنارڈ منہ چھپا کر گھر بیٹھا تو مجھے تیزی سے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔'' اس نے رک رک کر بتایا۔

''وہ دوست کون تھا؟'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''اب میرے سوالوں کا انتظار مت کرو۔ یہاں اپنے جمنے کی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔''

''اس کا نام انل تھا..... انل بسواس۔'' راجن کی زبان سے وہ نام سنتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ انل بسواس دہلی میں را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔ گرین کوبرا فائل کے حصول کے چکر میں' میں نے اسے اس کے گھر میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

''وہ کسی سرکاری ایجنسی میں کام کرتا تھا۔'' راجن کہہ رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ ''کبھی کبھی میں اس کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے بنکاک میں پیر جمانے کا مشورہ دیا تھا۔ بہت نیک اور بے لوث آدمی تھا۔ اسے کسی نے اس کے گھر میں مار ڈالا۔ آج تک اس کے قاتل کا پتا نہیں چلا۔''

''سوبھراج سے اسی نے ملوایا تھا؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

''ہاں!'' سر کی جنبش کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

''اس نے مجھے بہت سے لوگوں سے ملوایا۔ ان میں سوبھراج بھی شامل تھا۔ وہ میرا آئیڈیل تھا۔ میں اسی کی طرح سیاست میں اپنا نام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ پاکستانی تھا مگر انل کے لیے کام کر کے بڑی رقمیں کماتا تھا۔ کئی بار میں نے ممبئی اور بنکاک سے اس کے لیے اپنے آدمی بھیجے جنہیں وہ اچھا معاوضہ دے کر لوٹاتا تھا۔''

اچانک مجھے راجن کے دو روپوش آدمی یاد آ گئے۔ راجن پر غالب آنے کے بعد میں نے انہیں بھلا دیا تھا۔ وہ کہیں سے اچانک نمودار ہو کر مجھے مشکلات سے دوچار کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں راجن سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دونوں اس کے کاروباری ٹھکانوں کی تجوریوں سے رقمیں سمیٹنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ راجن کے ہر کلب اور کیسینو کی بھاری آمدنی رات گئے حساب کتاب کے بعد تجوریوں میں محفوظ کر دی جاتی جسے اگلے روز آنے والا عملہ راجن کی ہدایات کے مطابق بینک یا موتی محل میں پہنچا دیتا۔

اس روز سارے ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے تھے' عملہ غائب تھا۔ راجن نے اپنے پاس سے ڈپلی کیٹ چابیاں دے کر ان دونوں کو ادھر روانہ کر دیا تھا تاکہ باغی عملے کو اس کی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ کچھ دیر پہلے گئے تھے۔ انہیں باری باری شہر میں پھیلے ہوئے چھ ٹھکانوں پر جانا تھا۔ آدھی رات سے پہلے ان کی واپسی کا امکان نہیں تھا۔

''اب پھر اصل موضوع کی طرف آ جاؤ۔'' ان دونوں کے بارے میں جان لینے کے بعد میں نے راجن سے کہا۔ ''انل نے تمہیں کن لوگوں سے ملوایا اور کون کون تمہاری سرپرستی کرتا تھا۔''

''مجھ سے یہ سب نہ پوچھو!'' یکایک وہ خوف زدہ ہو گیا۔ ''ان باتوں سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرا کچا چٹھا اگلوانے کے بعد تم مجھے مار دو گے!''

''ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ زندگی اور موت کے اس دوراہے پر تم سے انتخاب کا حق چھن چکا ہے اور لبلبی پر میری انگلی ہے۔ پھر بھی تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جیسا شکار روز ہاتھ نہیں آتا۔ میرا کام ایسا ہے کہ تمہاری بتائی ہوئی باتیں برسوں میرے کام آتی رہیں گی۔ میں نے یہ موقع کھو دیا تو بعد میں' میں تم سے ایک لفظ بھی نہیں جان سکوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''قسم کھا کر وعدہ کرو کہ تم مجھے نہیں مارو گے!'' اس نے بے اعتباری سے کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں کہ اب تمہیں نہیں ماروں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اسے لاتوں اور مکوں سے نہ مارنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں اتنی مار کھا چکا تھا کہ اس پر مزید ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں تھا۔

''انل نے مجھے صرف کرنل گیری سے ملایا تھا۔ وہ یہاں امریکی سفارت خانے کا انفارمیشن افسر تھا۔'' راجن نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''اس کے کہنے پر میں نے ایک بڑی دعوت کی۔ شراب کی کثرت اور عورتوں کی بھیڑ سے سفارت کار اور بڑے لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا اور میرا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا۔''

''وہ کس ایجنسی کا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ وہ مجھ سے بہت سے کام نکلوا رہا ہے۔ میرا گہرا دوست ہے۔ انل یہاں آتا تھا تو اکثر ہم تینوں مل کر بیٹھتے تھے۔ ان دونوں کی زیادہ تر باتیں پاکستان اور سوبھراج کے بارے میں ہوتی تھیں۔ وہ اسے اور اونچا لے جانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ تم نے وہ سب مٹی میں ملا دیا۔ اسے سوبھراج کے انجام کا علم نہیں ہے۔ کئی بار مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ چکا ہے۔''

''یہ مجھے معلوم تھا۔'' وثوق سے کچھ نہ معلوم ہونے کے باوجود میں نے محض اس کا اعتماد جیتنے کے لیے کہا۔ ''میں جب چاہتا امریکیوں کو یہ ٹپ دے سکتا تھا کہ تم نے پہلے سوبھراج کو پناہ دی اور پھر اسے خاموشی سے مروا دیا۔ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے عتاب میں آ جاتے مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس ایک بات سے تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں تمہاری موت کا خواہاں نہیں ہوں۔''

''مجھ پر تم نے بہت بڑا احسان کیا۔'' اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''مجھے اب سے بہت پہلے تم سے مل لینا چاہیے تھا۔ میں گیری کی باتوں میں آ کر تمہیں ہمیشہ اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ میری یہاں سے واپسی کا مطالبہ کر کے تم نے میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس غلط فہمی میں اور اضافہ کر دیا۔''

''میرا یہ مطالبہ اب بھی برقرار ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس سے دستبرداری کے لیے میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی ہے۔''

''یہ سودا طے نہیں ہوا۔ ابھی میرے سوالات جاری ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ چند فقرے اس کے لیے پُرفریب ثابت ہوئے۔ اسے یقین سا ہو گیا کہ میں اسے مارنا نہیں چاہتا۔ وہ بہت کھل کر میرے سوالات کے جواب دینے لگا۔

سوبھراج کی زندگی کی پوری کہانی میرے سامنے تھی۔ غیر ملکی قوتوں نے اسے پس ماندہ علاقے اور مفلوک الحالی سے اٹھا کر' اپنے مقاصد کے لیے اوپر تک پہنچایا تھا اور اس سے ہمیشہ کام لیتے رہے۔ جب اس سے ویرا کے بارے میں ایک لغزش ہوئی تو وہ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک طرف میں اس کا پیچھا کر رہا تھا' دوسری طرف ایف بی آئی اس کی بو پر لگی ہوئی تھی۔ امریکیوں کا ہاتھ اس کے گریبان تک نہیں پہنچ سکا' میں نے اسے گھیر لیا اور وہ کسمپرسی کے عالم میں لوپ بوری کے بھیڑیوں کی خوراک بن کر ایک قصۂ پارینہ بن گیا۔

راجن کی کہانی بھی کچھ ملتی جلتی سی تھی۔ اسے ممبئی سے بنکاک لا کر پروان چڑھایا گیا۔ اس کا سب سے بڑا مربی انل بسواس تھا۔ جو میرے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا تھا۔ دوسرا سرپرست کرنل گیری تھا جو چھ سال سے مسلسل بنکاک میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس سے سوبھراج کے معاملے میں ناقابلِ معافی خطا ہو چکی تھی۔ دوستی کی بنا پر اس نے ان کے باغی' سوبھراج کو پناہ دی تھی۔ وہ ان کی سزا سے یوں بچا رہا کہ امریکی سوبھراج کے معاملے میں اس کے کردار سے بے خبر تھے اور میں نے بھی دانستہ خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سوبھراج کی ہلاکت کی پردہ پوشی میں پاکستان کا مفاد پوشیدہ تھا۔

انل بسواس جہنم واصل ہو چکا تھا لیکن راکا ایک اور افسر اس کی جگہ لے چکا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیش رو کی طرح راجن سے گہرے مراسم استوار کیے ہوئے تھے۔ بنکاک میں اپنے اثر و رسوخ اور کالے دھندوں سے دولت بٹورنے کے لیے راجن بالکل آزاد تھا۔ اسے کہیں مشکل پیش آتی تو اس کے سرپرست ہر دشواری کی کلید ثابت ہوتے لیکن بھارتی اور امریکی مفادات کا سوال سامنے آتا تو راجن کرنل گیری اور راکے سا گر کا غلام بن کے رہ جاتا۔ میں اس کی زبان سے یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ان دنوں ممبئی اور بنکاک سے راجن کے آدمیوں کی دو ٹولیاں پاکستان گئی ہوئی تھیں۔ دونوں کو بہت خطرناک ذمے داریاں سونپی گئی تھیں۔ ایک پارٹی کو گوادر کے قرب و جوار میں بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں دہشت گردی کی وارداتوں کے ذریعے اگلے دو ماہ تک امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کرنا تھا۔ دوسری پارٹی کو ساہیوال جیل میں تین سال سے پڑے ہوئے را کے دو ایجنٹوں کو عدالت میں پیشی کے موقع پر عدالت سے فرار کرانا تھا۔

مجھے راجن سے گفتگو کرتے ہوئے محسوس ہوا کہ سوبھراج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد پاکستانی محاذ کی کمان نئی دہلی اور بنکاک منتقل ہو گئی تھی۔ سا گر دہلی میں بیٹھ کر تخریبی فیصلے کر رہا تھا اور راجن کے غنڈے انہیں عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

کرنل گیری نے راجن سے کوئی ایسا کام نہیں لیا تھا جو پاکستان کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ امریکی ایجنسیوں کے گرگے پاکستان میں اپنے مورچے جما کر براہِ راست کام کر رہے تھے۔ گیری کی ساری دلچسپیاں تھائی حکومت کے اندرونی معاملات سے تھیں۔ راجن کو اپنی پرتعیش دعوتوں میں مستقل بنیادوں پر آنے والے مقامی مہمانوں سے اس سلسلے میں مطلوبہ معلومات اور کاغذات کی نقلیں آسانی سے مل جاتی تھیں جو وہ پوری سعادت مندی سے کرنل گیری تک پہنچا دیتا۔

میں نے راجن کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس وقت بھی میں اپنے ملک کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ ساری گفتگو کی نوعیت عمومی رہی۔ اس دوران میں وہ قالین سے اٹھ کر بہ وقت تمام ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور میں نے اسے سگریٹ پینے کی اجازت بھی دے دی تھی۔

ایسے مفاہمانہ ماحول میں اس سے ان آدمیوں کے کوائف نہیں پوچھے جا سکتے تھے جو اس کی ہدایت پر گوادر اور ساہیوال پہنچے ہوئے تھے۔ میری دانست میں جلال اور اول خان کے لیے ممکنہ واقعات کی نشاندہی کافی تھی۔ وہ اپنے ذرائع سے مشکوک مجرموں کی گردنیں دبوچ سکتے تھے۔

''تمہارے سوالات کا سلسلہ بہت دراز ہو گیا۔'' اس مرحلے پر راجن نے شکوہ کیا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔ اجازت ہو تو اسکاچ کا ایک گلاس لے لوں۔ اس سے بدن میں جان پڑ جاتی ہے۔''

بوتل کا اس کے ہاتھ میں پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں کا برابر کا مقابلہ تھا۔ کسی کا کوئی ساتھی موجود نہیں تھا۔ میں اس سے کھیل رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اسے مجھ پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غالب آنے کا کوئی بھی موقع ملا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

شیشے کی وزنی بوتل اپنے طلائی سیال سمیت اس کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ثابت ہو سکتی تھی۔ میں نے دیسی حساب سے آدھا گلاس بھر کر سوڈے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ راجن نے مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ نیٹ اسکاچ کی طلب محسوس کر رہا تھا۔

اسے گلاس تھماتے ہوئے میں ہوشیار تھا کہ کہیں وہ گلاس ہی میرے منہ پر نہ پھینک مارے۔ اس کا بایاں بازو میری گولی سے زخمی ہوا تھا' رہی سہی کسر تھوڑی دیر پہلے پوری ہوگئی۔ اس کی جسمانی حالت اتنی ابتر ہو چکی تھی کہ وہ مجھ سے ایسے کسی تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ جس میں نتیجے کا سارا دارومدار دونوں کی جسمانی توانائی پر ہو۔

اس سے باز پرس کرتے ہوئے میں اپنی رسٹ واچ پر بھی نظر ڈالتا رہا تھا۔ مجھے موتی محل میں آئے ہوئے ایک گھنٹا ہونے والا تھا۔ اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی واپسی میں بہت دیر باقی تھی۔ میں اطمینان سے اپنے باقی کام نمٹا سکتا تھا۔

راجن نے ندیدے پن کے ساتھ' میرے دیے ہوئے گلاس سے نیٹ اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ لے کر برا سا منہ بنایا۔ اس کا خون کی پپڑیوں سے ڈھکا ہوا' متورم چہرہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ اس نے وہ گھونٹ اپنے دہانے میں گھما گھما کر حلق سے اتارا تو میں زیرِ لب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ دشمن کی چھت کے نیچے اس کے مقابل ہونے کے باوجود میں خود کو اندر سے بہت مطمئن محسوس کر رہا تھا۔

''اس کا کیا کیا جائے؟'' راجن نے جوزی کی لاش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں۔ اس کا کریا کرم تم ہی کو کرنا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''برا ہوا کہ یہ مارا گیا۔'' اس کی آواز سے اس کا دلی قلق جھلک رہا تھا۔ ''میں ہمیشہ اس سے کہتا تھا کہ اس کی زبان ایک دن اسے مروا دے گی اور آج وہی ہوا۔''

''اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے بدکلامی پر تاؤ آتا تو اس وقت تم بھی زندہ نہ ہوتے۔ تم نے مجھے بہت گالیاں دی ہیں۔ میں نے اسے نمونے کے طور پر مارا تھا تاکہ تمہیں میری ننھی سی گن کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہو سکے پھر بھی تم باز نہیں آئے!''

''اب ان باتوں کا تذکرہ چھوڑو۔ تمہارے سوال ختم ہو گئے ہوں تو اب دوسری بات بھی طے ہو جائے۔'' اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

''تم جو بات چاہو کر سکتے ہو۔'' میں نے کھلے دل سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی تھی۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت کم قیمت ہے۔ زندگی اور بنکاک کی بادشاہی۔ یہ دونوں کا سودا ہے۔''

''پھر تم خود بتا دو' میں مان لوں گا۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

''تین کروڑ!'' میں نے داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں فضا میں لہرائیں۔

''منظور ہے۔'' وہ رقم سنتے ہی بولا۔ ''ایک کروڑ میں ابھی نقد دے دیتا ہوں۔ باقی رقم کل تم کو مل جائے گی۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔''

''ادھار نہیں چلے گا..... بات نقد کی ہوئی تھی۔'' میں نے اصرار کیا۔

شی سے منہ موڑنے کے بعد میں نے گن بوٹ کے سودے کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں مارا تھا۔ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد میرے ذاتی اخراجات نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ہم چاروں کی گزر بسر اسی خطیر رقم سے ہو رہی تھی جس کا بڑا حصہ اس وقت بھی جہانگیر کی بیوی کے پاس محفوظ تھا۔ ضروریات کے پیشِ نظر میں اس سے چھوٹی چھوٹی رقمیں لیتا رہتا تھا۔ آمدنی کے بغیر اخراجات کا سلسلہ جاری رہے تو ایک وقت قارون کا خزانہ بھی جواب دے جاتا ہے۔ راجن قابو میں آ گیا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اس کی حرام کی کمائی میں سے اپنا قابلِ لحاظ حصہ وصول کر لوں۔ میں نے اس سے پانچ کہتے کہتے تین کروڑ کہہ ڈالے تھے اور وہ اسی پر جواب دے گیا تھا۔ میں نے سخت رویہ اپنانے کا ارادہ کر لیا۔

''ادھار کی بات نہیں ہے۔'' وہ لجاجت سے بولا۔ ''میں گھر پر زیادہ رقم نہیں رکھتا۔ تجوری میں ایک کروڑ کی مہر والی گڈیاں موجود ہیں۔ شاید دس پانچ لاکھ اِدھر اُدھر بھی پڑے ہوئے ہوں۔ صبح تمہیں باقی رقم کا ایک ایک پیسا مل جائے گا۔''

''میں صبح کا انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہارے آدمی بھی کیش سمیٹ کر لانے والے ہیں۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

''وہ کیش ضرور لائیں گے۔ چاہو تو تم ان کی واپسی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار کرلو۔ وہ بیس پچیس لاکھ سے زیادہ رقم نہیں ہوگی۔ میں یہ بھی زیادہ سے زیادہ بتا رہا ہوں۔ اس سے تمہارا حساب پورا نہیں ہوگا۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ صبح باقی رقم مل جائے گی۔''

''نہیں راجن..... اس وقت تم میری گن کی زد پر ہو' ہر بات مان لو گے۔ صبح یہ صورتِ حال بدل چکی ہوگی۔ خود کو میری جگہ رکھو پھر سوچو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں ایسا احمقانہ سودا نہیں کرسکتا جس کا انجام غیر یقینی ہو۔''

''تم دشمنی کے نکتۂ نگاہ سے سوچ رہے ہو۔ ہمارے درمیان مفاہمت ہوچکی ہے۔ میں نے تمہارے پچھلے احسانات کو مان لیا ہے۔ اس فضا میں تم کو مجھ پر اعتماد کرلینا چاہیے۔ میں وعدہ خلافی کروں تو تم کرنل گیری کو سوبھراج کا پورا قصہ بتا کر ہر وقت میرا مستقبل تاریک کرسکتے ہو۔ میں زندگی بھر تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ تمہیں دغا کیسے دوں گا!''

''بے کار باتیں ہیں۔'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کرنل گیری کے ایجنٹ تمہارے پیچھے لگ کر تمہیں مار دیں گے۔ وہ غداروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔ تمہاری بے فیض موت سے مجھے کیا حاصل ہوگا..... میں اپنی ڈوبی ہوئی رقم کس سے مانگوں گا؟''

راجن گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی خون آلود پیشانی پر پسینہ آگیا تھا جو خون میں گھل کر لکیریں بنا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر بولا ''میں تمہارا یرغمالی بننے کے لیے تیار ہوں۔ میرے آدمی رقم پوری کرکے مجھے لے جائیں گے ورنہ تمہارے ہاتھ کھلے ہوں گے۔''

''ایک کروڑ کہاں ہیں؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''یہیں' اسی کمرے میں ہیں۔ کہو تو پانچ منٹ میں نکال دوں!'' یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں ایک دم جان پڑ گئی ہو۔

''رقم نکالو!'' میں نے کسی یقین دہانی کے بغیر اسے ہدایت کی اور اس نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی جیسے اسے خوف رہا ہو کہ تاخیر کی صورت میں' میں اپنا ارادہ بدل دوں گا۔

اس نے اس خواب گاہ کے ایک دور افتادہ گوشے میں قالین کا کونا الٹ کر چابیاں نکالیں اور ایک دیوار گیر تصویر کی طرف بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھتا رہا۔ کوئی کل دباتے ہی وہ تصویر اوپر سرکتی چلی گئی۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری نظر آرہی تھی۔ راجن نے اپنے زخمی بازو کے سبب مجھے اپنی مدد کے لیے بلانا چاہا مگر میں نے انکار کردیا۔ تصویر کے سرکنے کا نظام دیکھ لینے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ تجوری میں کوئی شعبدہ پوشیدہ نہ ہو۔ اسے کچھ دیر لگی لیکن اس نے تجوری کھول کر نئے اور پرانے نوٹوں کی گڈیاں مسہری پر ڈھیر کرنا شروع کردیں۔

''پورے ایک کروڑ ہیں' چاہو تو گڈیاں گن لو!'' راجن نے اپنا کام پورا کرکے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ ملے جلے' نئے اور پرانے نوٹ ہیں۔ سب بینکوں سے اسی طرح آئے ہیں۔''

''رقم کسی بریف کیس میں ڈالو!'' میں نے اسے اگلی ہدایت دی۔

رقم بڑی تھی اور کسی چھوٹے بریف کیس میں نہیں سما سکتی تھی۔ راجن نے مناسب سائز کا ایک بریف کیس کھول کر اس کا سارا سامان بستر پر الٹ دیا۔ وہ میری ہدایات پر بہت پھرتی کے ساتھ عمل کررہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے گڈیاں جما کر بریف کیس بند کیا اور اسے لاکر میرے قریب رکھ دیا۔

''تمہارے پاس اپنی گاڑی نہیں ہے۔ تم پیدل پھاٹک پر آئے تھے۔'' اس نے دربان سے ملنے والی معلومات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''ہم یہاں سے کوئی گاڑی نکال لیں گے۔ صبح میں ادائیگی پوری ہونے کے بعد اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی' میں ٹیکسی سے نکل جاؤں گا۔'' بیم گن ہاتھ میں لیے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جارہے..... تم نے میری زبان پر بھروسا کرلیا ہے؟'' اس نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''نہیں راجن! میں نے کہا نا کہ میں ادھار سودے نہیں کرتا۔ اب سن لو کہ میں مردوں کو بھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔ لاشیں مل جاتی ہیں تو لواحقین کو صبر آجاتا ہے۔''

خوف اور دہشت سے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ اس کا داہنا ہاتھ فضا میں اچھلا اور میں نے اسی لمحے اس کی پیشانی پر بیم گن فائر کردی۔ وہ کھڑے کھڑے کسی تناور درخت کی طرح لہرا کر قالین پر آرہا۔

گمنامی سے زندگی شروع کرنے والا راجن بنکاک میں شہرت و امارت کی زندگی گزارنے کے بعد اچانک خاموش ہوچکا تھا۔ وہ سوبھراج کے بدمعاش قبیلے کا آدمی تھا اور آخر کار اسی کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لیے وہ لرزہ خیز عبرت کا مقام تھا۔ ایکڑوں پر محیط موتی محل میں اس وقت صرف میں تھا یا دربان۔ اس پُر شکوہ مکان کا اصل مالک اور مکین اپنی ساری جمع پونجی کو لاوارث چھوڑ کر مر چکا تھا۔ دجل وفریب سے حاصل کی ہوئی بے اندازہ دولت اسے بے بسی کی موت سے نہیں بچا سکی تھی۔ میں نے اپنے وعدہ کے مطابق اسے بالکل نہیں مارا' بس مار دیا تھا!

اس خواب گاہ کی تلاشی لے کر میں نے چند لمحوں میں ایک بھرا ہوا پستول حاصل کر لیا جو مسہری کے سرہانے' تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ پستول کا میگزین چیک کر کے میں نے اسے جیب میں ڈالا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف چل دیا۔ راجن کا قصہ تمام ہو جانے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ واپسی میں تاخیر خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

دربان نے میری بات حیرت سے سنی۔ وہ پریشان تھا کہ راجن نے اسے بلانے کے لیے مجھے کیوں بھیجا۔ وہ انٹرکام پر ہدایت دے سکتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ انٹرکام خراب تھا۔ وہ جسیم اور تند خو آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک وشبہات کی پرچھائیاں دیکھ کر میں نے واپس جا کر راجن کو اس کے تردد سے آگاہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بڑبڑاتا ہوا میرے ساتھ ہو لیا۔ اسے فکر تھی کہ گیٹ لاوارث رہ جائے گا۔

راجن کی قتل گاہ سے باہر آتے ہوئے میں نے راستہ ذہن نشین کر لیا تھا۔ بند دروازے پر رک کر میں نے دربان کو اندر جانے کے لیے کہا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گھسا تو میں اس کے پیچھے تیار کھڑا ہوا تھا۔

جوزی بہ ظاہر کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا جب کہ راجن قالین پر پہلو کے بل غیر فطری حالت میں ساکت پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر دربان کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی' میں نے راجن کے اس چیلے کی کھوپڑی پر گولی چلا دی اور اس کی وہی چیخ موت کی بھیانک پکار میں بدل گئی۔ وہ کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے ہاتھ مارتا ہوا منہ کے بل گر گیا۔

میری چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی چہرے سے نکل گئی تھی۔

موتی محل میں میری آمد کے تین گواہ تھے اور تینوں موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔

وہاں تک سب کام خوش اسلوبی سے ہو چکا تھا لیکن میں جلال کی مخلصانہ ہدایت کا پاس نہیں رکھ سکا تھا۔ دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میرے لیے اپنا تحفظ بھی ضروری تھا۔ موتی محل سے بیم گن سے مارے ہوئے دشمنوں کی لاشیں برآمد ہوتیں تو میرے خلاف ایک اور بھیانک محاذ آرائی شروع ہو جاتی۔

میرے ذہن میں بنکاک کے ویران ساحل کا تجربہ تازہ تھا۔ وہاں آگ نے دو لاشوں کو چاٹا تھا' یہاں بھی اصل حق دار دو تھے جو بیم گن کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔ دربان کی موت یوں ضروری تھی کہ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ یہ بات ہر شک و شبے سے بالا تھی کہ راجن کی ٹولی کا وہ عام سا بھارتی کارندہ بھی پابی مجرم رہا ہوگا۔ وہ گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش کو جلانے کی ضرورت نہیں تھی مگر کھوپڑی سے ہو کر باہر نکلنے والی گولی نے اس کے چہرے کا ایسا بھرتا بنایا تھا کہ مجھے اس کی طرف دیکھنا ہی گوارا نہیں تھا۔ لاش کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنا تو دور کی بات تھی۔

میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ بدن میں اترنے والے زہر کی علامات کو آگ چاٹ سکتی تھی۔ کاسۂ سر میں بیم گن کی دھار کا بنایا ہوا سوراخ سوختہ ہڈیوں میں بھی آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ اس مسئلے کا ایک ہی حل تھا۔ ان دونوں پر بھی چند گولیاں ضائع کر دی جائیں۔

میں نے چند قدم دور ہٹ کر جوزی کی لاش کی پیشانی پر فائر کیا۔ میرے اندازے کے مطابق گولی اس کے سر کے پار نکل گئی۔ راہ میں آنے والی ہڈیاں پاش پاش ہونے کے نتیجے میں بیم گن کے استعمال کا ہر سراغ یقیناً مٹ گیا تھا۔

راجن کی لاش قالین پر سکڑی ہوئی بے طرح پڑی ہوئی تھی مگر گرم تھی۔ میں نے ٹھوکر سے اسے سیدھا کیا اور ایک گولی اس کی پیشانی سے بھی گزار دی۔ وہ لاشیں یوں ہی چھوڑ دی جاتیں تو انہیں دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ تینوں کا قاتل انسانی کھوپڑیوں کو چکنا چور کرنے کا شوقین تھا۔

بظاہر بیم گن کے استعمال کے ثبوت مٹ چکے تھے۔ مگر میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ سائنس بہت ترقی کر چکی ہے قتل کی تفتیش کے شعبے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کوئی ایسا نکتہ ظاہر کر سکتی تھی جو میری نظروں میں آنے سے رہ گیا ہو۔ جوزی اور راجن کے سروں کی ہڈیاں ضرور جل گئی تھیں لیکن ضروری نہیں تھا کہ بیم گن سے نکلنے والی لیزر شعاعوں اور گولیوں کے سفر کی سمت یکساں رہی ہو۔ فائر کے زاویے میں ذرا سے فرق کی وجہ سے لیزر شعاعوں کا کوئی نشان باقی رہ سکتا تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ لاشیں اپنی اصل حالت میں پائی جاتیں۔

شعلوں کی خوراک بننے کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صرف فائرنگ کافی نہیں تھی۔ اس کے بعد وہاں آتش زنی بھی ناگزیر تھی۔

میں نے تیزی سے لاشوں پر اس کمرے کے سامان کا ایک انبار لگایا' ان تینوں کی مشترکہ چتا بنائی' اس پر مسہری کا وزنی گدا ڈالا اور پھر ایک چادر کے سرے کو دیا سلائی سے آگ دکھادی۔ آگ تیز ہونے تک میں وہاں رکنا چاہ رہا تھا۔ دھیمی لو کو شعلوں میں بدلنے کے لیے خاصا وقت درکار ہونا چاہیے تھا۔ یہ راجن کے گناہوں کا ثمر تھا کہ آگ بہت تیزی سے پھیلنے لگی۔ بند کمرے میں اتنا دھواں بھر رہا تھا کہ میرے لیے سانس لینا مشکل ہونے لگا۔

میں نے آگ سے دور رکھا ہوا وزنی بریف کیس اٹھالیا۔ وہ مجھے منوں وزنی محسوس ہو رہا تھا۔ جلتی ہوئی چیزوں کا کثیف دھواں سانس کے ساتھ میرے پھیپھڑوں میں اتر رہا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر زمین نے گویا میرے قدم پکڑ لیے تھے۔

دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش چل پڑی تھی۔ ایک طرف ایک کروڑ بھات کی خطیر رقم کا لالچ تھا تو دوسری طرف ضمیر کی ملامت۔ وہ رقم راجن کی حلال کی کمائی تھی نہ میں نے محنت کر کے حاصل کی تھی۔ راجن نے تھائی لڑکیوں کی آبروریزی سمیت ہزاروں گھناؤنے دھندوں سے وہ رقم جمع کی تھی۔ میں نے اسے دھونس اور دھاندلی کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ میرے لیے اس کا استعمال روا نہیں تھا۔ یکا یک میرے وجود میں اس رقم اور بریف کیس سے نفرت کی ایسی شدید لہر ابھری کہ میں نے بریف کیس کھول کر سلگتے ہوئے انبار پر الٹ دیا۔ ساتھ ہی بریف کیس وہیں پھینک دیا۔

نوٹوں کی خوراک ملتے ہی شعلوں میں مزید تیزی آ گئی۔ شعلے زیادہ بلند نہیں تھے لیکن آگ کمرے میں تیزی سے ہر طرف پھیل رہی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس آگ پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔ موتی محل لاوارث ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا جو کھڑکیوں اور دروازوں سے نکلتا ہوا دھواں دیکھ کر پریشانی یا تشویش میں مبتلا ہوتا۔ جب تک آگ اور دھویں کے مرغولے بلندی پر پہنچ کر باہر والوں کی نظروں میں آتے۔ تینوں لاشیں جل بھن کر کوئلہ یا شاید راکھ ہو چکی ہوتیں۔

میں خالی ہاتھ موتی محل میں آیا تھا اور اسی طرح وہاں سے واپس چل دیا۔

میرا دل بوجھل اور افسردہ تھا۔ ان تینوں کے خون کا مجھے ذرا بھی ملال نہیں تھا۔ ان میں سے کوئی درندہ زندہ رہنے کا حق دار نہیں تھا۔ ملال اس بات کا تھا کہ مجھے اپنی ناگزیر مجبوریوں کے سبب ایک مرتبہ پھر تین لاشوں کو جلانا پڑا تھا۔

موتی محل کے پھاٹک پر اس رات کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا۔ وہاں رہنے والے ایک مدت سے جس آگ سے کھیل رہے تھے اس نے ان کے دامنوں کو پکڑ لیا تھا۔ میں ویران گارڈ روم کے آگے سے ہوتا ہوا، پھاٹک کے برابر والے پتلے سے راستے سے باہر نکل گیا۔

میں راستے بھر زندگی کی بے ثباتی اور انسان کی بے پروائیوں میں الجھا رہا۔ انسان زندہ ہوتا ہے تو اپنے مختلف مقاصد اور منصوبوں کے لیے جائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کے چکروں میں دن رات لگا رہتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کا اندر جانے والا سانس باہر آئے گا یا وہیں رہ جائے گا مگر وہ برسوں اور عشروں کے حساب کتاب میں الجھا رہتا ہے۔ جب اس کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے یہ سارا حساب کتاب اس کے کسی کام نہیں آتا۔ بعض صورتوں میں بعد والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ میرے پیچھے دروازہ بند کرتے ہی والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میری بانہوں میں اس کے جھٹکے لیتے ہوئے بدن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اسے انجام کا علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ میں ایک انتہائی خطرناک مشن سے گھر واپس آیا تھا۔ شاید میری مہم کے بارے میں اس کے دماغ میں اندیشے اور وسوسے پلتے رہے تھے۔ اس نے مجھے صحیح وسلامت اپنے روبرو دیکھا تو ضبط کے سارے بندھن بے اختیار ٹوٹ گئے۔

میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹے وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر تک سسکنے کے بعد اس کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ خود کسمسا کر مجھ سے الگ ہو گئی۔

''اب آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آیندہ اس کی طرف نہیں جائیں گے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے کوٹ کا کالر پکڑ کر اپنائیت بھرے لہجے میں مطالبہ کیا۔ اس وقت اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی مسرت آمیز شوخی چمک رہی تھی اور آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔

''نہیں جاؤں گا۔'' میں نے اس کی تھوڑی اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا ''وہ ایسی جگہ جا چکا ہے جہاں جانے سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے۔''

غزالہ نے کسی بچے کی طرح جس بے پایاں خوشی کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اظہار کیا، اس کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس نے راجن کو نہیں دیکھا تھا، نہ وہ مکروہ صورت بدمعاش ٹیلی وژن پر آنا پسند کرتا تھا۔ اس کی کھلی مکاریوں کے قصے سن سن کر غزالہ نے اپنے ذہن میں اس کی جو تصویر بنالی تھی وہ ناقابلِ شکست تھی۔ ایسے دشمن کے مارے جانے کی خبر اس کے لیے بڑی خوش خبری تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک مدت سے جاری، ہولناک معرکہ آرائی آخرکار اختتام کو پہنچ گئی تھی۔ اس مکار عفریت سے دوبارہ ٹکراؤ ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

غزالہ نے جس پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا اس سے میری ساری کلفت دور ہوگئی۔ موتی محل میں پیش آنے والے واقعات کے بعد طبیعت پر طاری ہونے والا بوجھل پن کافور ہوتے ہی مجھے ڈان کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ واقعہ بہت بڑا تھا۔ میں آخری لمحات پر مشکل سے چاؤفان سے اپنا پیچھا چھڑا کر راجن کی طرف گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میرے ارادے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں اپنی اس کامیابی کا جائز کریڈٹ کیسے لے سکوں گا۔

غزالہ کو تفصیلی واقعات جاننے کا تجسس تھا۔ وہ تحمل اور مستقل مزاجی سے میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی۔ میں اسے نظرانداز کرکے اس کی حق تلفی نہیں کرسکتا تھا۔ جب میں نے اسے موتی محل میں رونما ہونے والے واقعات بتائے تو آخر میں اس نے میرے اس اقدام کو دل کھول کر سراہا کہ میں نے راجن کی تجوری سے نکلوائے ہوئے ایک کروڑ بھات اپنے ہاتھوں سے وہیں نذرِ آتش کردیے تھے۔ وہ رقم ہمارے پاس آتی تو اپنے ساتھ نہ جانے کتنی نحوستیں اور مصائب لے کر آتی۔

ان باتوں کے دوران میں ہم دونوں نے کافی پی اور ٹیلی وژن بھی دیکھتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد موتی محل سے اونچے شعلے اٹھنے شروع ہوجائیں گے اور وہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے بنکاک میں پھیل جائے گی۔ خبر کسی بھی وقت ٹیلی وژن پر آسکتی تھی۔

غزالہ نے اس بار بھی میری خیریت سے واپسی کے نفل مانے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلی وژن کی آواز بند کرکے ایک کرسی کی اوٹ میں نفل پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئی تو میں بستر پر دراز ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر سنتے ہی ڈان مجھے فون کرے گا۔ اس کی طرف سے کوئی رابطہ ہونے سے پہلے میرے پاس کوئی مربوط کہانی ہونی ضروری تھی۔

قارئین متوجہ ہوں

قرآن حکیم کی مُقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مُطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میری نظریں بار بار گھڑی کی سوئیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں ایک بڑا معرکہ سر کرکے آیا تھا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا۔ کہیں سے اس کی خبر نہ آنے پر مجھے رہ رہ کر جھنجلاہٹ ہورہی تھی۔ میں بستر پر لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا کہ شاید میرے آنے کے بعد آگ پھیلنے کی رفتار دھیمی ہوگئی ہو۔ اگر وہاں لگی ہوئی آگ باہر والوں کی نظروں میں نہ آتی تو راجن کے باقی ماندہ دو وفاداروں کی واپسی کے بعد وہاں یقیناً ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ راجن کی زندگی کے آخری اندازے کے مطابق وہ صورت آدھی رات سے پہلے رونما ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

غزالہ نے منت کے نفل پورے کرنے کے بعد شاید عشا کی نماز بھی ختم کرلی۔ اس نے کھانا منگوایا اور کھایا گیا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ٹیلی وژن پر معمول کے مطابق رقص و موسیقی کے تفریحی پروگرام چل رہے تھے۔ دس بجے میرے موبائل کی گھنٹی بجی اور میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔

وہ چاؤفان کی کال تھی۔ وہ ہیجان زدہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''ماسٹر! موتی محل میں زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ پوری عمارت دھڑا دھڑ جل رہی ہے۔ پورے شہر کی گاڑیاں وہاں آگ پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہیں مگر اب تک ناکام ہیں۔''

چاؤفان کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میری بے چینی کو قرار آگیا میں نے سرسری لہجے میں کہا ''مجھے اندازہ تھا کہ وہ آگ تیزی سے پھیلے گی۔''

''ہائیں!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی ''ماسٹر.....! تو کیا یہ کام تمہارا ہے؟''

''چاؤفان! احتیاط سے کام لو'' میرا لہجہ سرد ہوگیا ''اس وقت تم کہاں ہو؟''

''شعلے شہر میں دور دور تک نظر آرہے ہیں۔ آگ دیکھ کر میں ادھر آیا تھا۔ یہاں ہزاروں کی بھیڑ جمع ہے۔ میں ایک بند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوا ہوں۔''

''ڈان کو اس واقعے کا علم ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ شہر سے دور ہے۔ میں اسی کو فون کرنے کے ارادے سے ادھر سناٹے میں آیا تھا۔ سوچا کہ پہلے تم سے بات کرلوں۔ یہ کب اور کیسے ہوا۔ چند گھنٹے پہلے تو تم میرے ساتھ تھے!'' وہ جوش اور سنسنی کے عالم میں اپنے معمول سے زیادہ تیزی سے بول رہا تھا۔

''تم لی کو فتح کر رہے تھے، میں اس کام کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ تم سے اپنی جان چھڑا کر میں اسی طرف گیا تھا۔ یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔'' میں نے کہا ''سنا ہے کہ آج ڈان نے سیلرز بار میں آنے والوں کو مفت شراب پلائی ہے!''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا ''میں مادام کے گھر سے تمہاری طرف آیا پھر اپنے گھر چلا گیا۔ تم نے ظلم کیا کہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لیا..... تمہیں سیلرز بار کی خبر کس نے دی ہے؟''

''راجن کہہ رہا تھا۔'' میں نے اس کی کیفیت کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ کہاں ملا تم سے؟'' چاؤ فان کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔

''میں موتی محل میں اسی سے ملنے گیا تھا۔'' میرے ذہن میں ڈان کے لیے ایک اچھوتی کہانی کا نقشہ ابھرنا شروع ہوگیا اور میں نے اس کی داغ بیل ڈال دی۔

''وہ کالا شیطان کہیں نظر نہیں آیا۔ تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟''

''بس' اب فون بند کردو۔ بنکاک کے سارے فون ناکارہ ہیں۔ ان پر سے میرا بھروسا اٹھ چکا ہے۔'' میں نے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر سلسلہ موقوف کردیا۔

غزالہ میرے قریب کھڑی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی ''بات کرتے کرتے آپ نے اچانک لائن کیوں کاٹ دی..... کیا ہوگیا فون کو؟''

''یہ سارا فتور فون کا ہے۔ بس دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے!'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔ ذہن میں ایک دریچہ کھلتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا۔

''میں وہی پوچھ رہی تھی۔ فون اچھا خاصا تھا، اس میں اچانک کیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔'' وہ میرا اشارہ نہیں سمجھ سکی۔

''راجن اور اس کے ساتھیوں کو میں نے کس طرح مارلیا۔ یہ ڈان کے لیے سب سے بڑا سوال ہوگا۔ اس کے جواب میں مجھے کوئی نہ کوئی مضبوط جواز پیش کرنا ہوگا، ورنہ کامیابی کے باوجود میں ڈان کی نظروں میں اپنا اعتماد کھودوں گا۔'' میں نے اسے بتایا۔

''یہ بات مجھے بھی پریشان کررہی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا ''وہ آپ کے دہرے کردار سے ناواقف ہے۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا سوال یہ آئے گا کہ آپ کو موتی محل میں رسائی کیسے حاصل ہوگئی۔ صبح کے خون ریز حملے کے بعد راجن اتنا خوف زدہ ہوگا کہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہوگا۔ اس نے ایک اجنبی کو اندر کیسے گھسنے دیا۔ یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ ان باتوں کا بنکاک کے ٹیلی فون کے نظام کی خرابی سے کیا تعلق ہے؟''

''کراس ٹاک۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''راجن سے سنی ہوئی باتیں اس حوالے سے بے خوف وخطر دہرائی جاسکتی ہیں۔ ان معلومات کی روشنی میں، میں وہاں پہنچ گیا۔''

''اصل مسئلہ پھر بھی برقرار رہے گا۔'' اس نے پُرتشویش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے الجھن سے کہا۔ ''آپ کو اتفاق سے اندر کی باتیں معلوم ہوگئیں۔ وہ جاننا چاہے گا کہ آپ اندر کیسے پہنچے!''

''آج شام سے ڈان اپنے بار میں لوگوں کو مفت شراب پلا رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ یہ خبر راجن تک پہنچ چکی تھی۔ وہ سخت مشتعل تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ موتی محل پر صبح کا حملہ ڈان کے آدمیوں نے کیا تھا اور ڈان اس کامیابی کی خوشی میں لوگوں میں مفت شراب بانٹ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سیلرز بار میں کوئی بڑی تخریبی کارروائی کرکے ڈان کو اس جسارت کی سزا دینا چاہ رہا تھا۔ اس کے آدمی سیلرز بار کا رخ کرتے تو پہچان لیے جاتے۔ ڈان انہیں اپنے علاقے سے زندہ نہ لوٹنے دیتا۔ اسے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی جو ایک تباہ کن ٹائم بم وہاں پہنچا سکے۔ میں اس کام کا امیدوار تھا۔''

''یہ آپ کے معاملات ہیں، میں ان میں اپنی ٹانگ اڑانا نہیں چاہتی۔ میرے ذہن میں ایک مسئلہ تھا، وہ میں نے بتادیا۔ اس کا حل آپ ہی کو تلاش کرنا ہے۔ میں.....''

فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے اس کی بات پوری نہیں ہوسکی۔

میں نے اپریٹس اٹھایا تو اسکرین پر ڈان کا موبائل نمبر آیا ہوا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور مادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی جاسوسی کے بیورو کی وجہ سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا جو ان پیداوار کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دوست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جنی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جنی لائیڈ میرے لیے جانی دشمن بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا بھاری زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی ٹیم کا سربراہ تھا جو ایجنٹل ٹاسک فورس کہلاتی تھا۔ جنی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر خفیہ الیک مدت سے پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ نتیجے میں ایجنٹل ٹاسک فورس کہلاتی تھا۔ جنی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر خفیہ الیک مدت سے پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ نتیجے میں ہم دونوں کو اگنے نو ٹی ایک تیسری بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی ناپیدا کی کے بے انداز دولت اور وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی سیمولی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جنی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس نطفے کی بہترین پیداوار ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے پرسراسرار مشن کا مقامی سربراہ تھا۔ نتیجے میں ہم دونوں کو اگنے نو ٹی ایک تیسری بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی ناپیدا کی کے بے انداز دولت اور وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی سیمولی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جنی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس نطفے کی بہترین پیداوار ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان اثاثوں کی واپس

طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھٹا مور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا میں نے راجن کے محل میں آ کر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن سمجھا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برمارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برمارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چتا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ اب مجھے ڈان برمارڈ کے پنجے سے گلو خلاصی حاصل کرنی تھی۔

255

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' لائن لیتے ہی میرے کان میں ڈان کی بھاری اور مخمور مگر تحکم آمیز آواز گونجی۔

اس کا سوال بہت سیدھا سا تھا لیکن اس کے لب و لہجے میں ایسی کوئی غیر معمولی بات تھی کہ اچانک میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ میں نے اپنے کارنامے پر کسی فخر یا گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر' سپاٹ لہجے میں کہا ''کیا تمہیں موتی محل کی خبر مل گئی ہے؟''

''ہاں.....!'' ڈان کی آواز میں جوش و خروش کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے ابھی چاؤ فان نے بتایا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ سور کا بچہ تم سے میری شکایت کر رہا تھا کہ میں اپنے بار میں مفت شراب بانٹ رہا ہوں!''

اس کی آواز تائید طلب تھی۔ میں نے جواب میں کہا ''وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ چاؤ فان کو یہ بات میں نے ہی بتائی تھی۔''

مجھے اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ڈان نے اچانک غضب ناک لہجے میں بولنا شروع کر دیا تھا ''اس کی یہ مجال کہ اب وہ میرے کاموں پر تنقید کرنے لگا ہے' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا' اس کی ہڈیاں تک کچل ڈالوں گا۔ ابھی تک میں پردے کے پیچھے رہ کر خاموشی سے تمہارا کھیل دیکھ رہا تھا۔ اب میں خود میدان میں اتر کر دیکھوں گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ تم اسی وقت میرے پاس آ جاؤ۔''

میں نے چاؤ فان کو دانستہ یہ نہیں بتایا تھا کہ میں راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ ڈان کو اس نے معلومات فراہم کی تھیں جو اس بارے میں ادھوری تھیں۔ اس وقت ڈان کے بگڑے ہوئے موڈ کے پیش نظر میں نے کوئی وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ جب تک میری اور راجن کی کشمکش جاری رہی' وہ گوشہ نشین ہو کر میری بھرپور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ راجن کی شکست کے واضح آثار نظر آتے ہی اس نے خود میدان میں اترنے کا عندیہ دے کر یہ ثابت کر دیا کہ ہر بڑے بدمعاش کی طرح وہ بھی بہت چھوٹے دل کا آدمی تھا اور آخری کامیابی کا سہرا اپنے سر سجانے کا خواہش مند تھا۔

''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' میں نے اس کے عزائم پر کوئی تبصرہ کیے بغیر نہایت سعادت مندی سے جواب دیا۔

''وہ تم سے کہاں اور کیسے مل گیا؟'' اشتعال کے باوجود ڈان اپنے فطری تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور میرا جواب سن کر بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''علی! کیا تم ہوش میں ہو؟ میں اسی جہنمی راجن کی بات کر رہا تھا!'' وہ غرایا۔

''اوہ.....! وہ لمبی کہانی ہے۔ میں اس سے موتی محل میں ملا تھا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے پروائی سے کہا۔

''میں وہی سننا چاہتا ہوں۔ چاؤ فان اپنی گاڑی لیے تمہارے ہوٹل کے باہر موجود ہے۔ اس کے ساتھ فوراً یہاں پہنچو!''

ڈان نے اپنی آخری ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

''پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ راجن کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگائے گا۔'' میں نے دہنی آنکھ دبا کر تمسخر سے جواب دیا۔

''آپ کو اسے بتا دینا چاہیے تھا کہ آپ اسے مار چکے ہیں۔'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''بعد میں اسے پتا چلے گا کہ وہ مرے ہوئے دشمن کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتا رہا ہے تو وہ جھنجلا کر آپ پر برس پڑے گا۔''

''تم اس کی پروا نہ کرو۔ ڈان کی نکیل اب میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے پوری روئداد سناتا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ویسے بھی ابھی میری کہانی مکمل نہیں ہے۔ اس میں کئی جھول ہیں جن پر میں غور کر رہا ہوں۔ ڈان کے سامنے زبان کھولنے سے پہلے میرے پاس اس کے ہر سوال کا برجستہ جواب موجود ہونا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چاہیے۔''

ہوٹل کے باہر چاؤ فان اور سیلرز بار میں ڈان میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے جوتے پہنے' آئینے کے سامنے جا کر اپنا حلیہ درست کیا اور کمرے سے چل دیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو چاؤ فان اپنی سیاہ اکارڈ کے دروازے سے ٹیک لگائے بے تابی سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی گاڑی ہر طرف سے بے داغ نظر آ رہی تھی۔ پھوم فاٹ کے تعاقب میں گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کی مہارت سے مرمت کی گئی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے اَدھ جلی سگریٹ سڑک پر پھینک کر جوتے سے مسل دی اور لپک کر میرے قریب آ گیا ''ماسٹر! فون کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟'' میرے قریب آتے ہی اس نے تشویش زدہ اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا ''کیا ہوٹل کی آپریٹر تمہاری باتیں سننے کی کوشش کرتی ہے؟ کہو تو میں سالی کو اٹھوا کر اس کا وہ حشر کروں کہ وہ کئی ہفتوں تک اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہ ہو سکے۔''

''ان گھٹیا حرکتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورتے ہوئے کہا ''ہو سکے تو ٹیلی فون کے محکمے کے سربراہ کو اٹھوا لو۔ وہ مردار سن رسیدہ ہوگا۔ اس کے ساتھ تمہاری بدسلوکی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''کچھ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے!'' اس نے میرے شانہ بشانہ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے اصرار کیا ''بس' فون کو برا بھلا کہے جا رہے ہو!''

میں دروازہ کھول کر اس کی گاڑی کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے پھرتی سے دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔'' میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے مضطرب ہو کر اس نے مجھے ٹوکا۔

''یہ سب باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم لی اور دوسری حسیناؤں کے تصور میں ڈوبے رہو۔ اس سے تمہیں خاصا افاقہ ہوتا ہے۔''

''ہائے' تم نے پھر اس کا نام لے لیا۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''ماسٹر! تم یقین کرو کہ وہ بہت انوکھی عورت ہے۔ مادام کے دیوانے بلاوجہ اسے کے در کے چکر نہیں لگاتے۔ وہ پوری جادوگر ہے.... مرد کو ایسا مسحور کرتی ہے کہ وہ آن جانی دنیاؤں میں.....''

''چاؤ فان! پلیز شٹ اپ۔'' میں نے سختی سے کہا ''مجھے اس حرافہ کے قصیدوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ کہانیاں ڈان کو سنا دینا۔''

''وہ پہلے ہی اسے لمبی گھوڑی کا نام دے چکا ہے۔ میں لمبا نہیں ہوں لیکن وہ جادوگرنی ایک چھوٹے گھوڑے پر بھی مہربان ہو چکی ہے۔ وہ تمہاری مداح ہے۔ پتا نہیں تم اس کے نام سے کیوں چڑنے لگے ہو۔ میں جب اس سے ملتا ہوں' وہ زیادہ دیر تک تمہاری باتیں کرتی رہتی ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے جس پر اسے ناز ہے..... ارے! یہ کیا؟ تم تو سو رہے ہو!''

مجھ پر نظر ڈالتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا۔ میں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن رہا تھا مگر اسے اس کی گفتگو کی فضولیت کا احساس دلانے کے لیے میں نے دانستہ اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ میں نے اس کے تخاطب کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''ماسٹر! مجھے پریشان مت کرو۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس کی خوشامدانہ آواز ابھری ''اب میں مادام کی کوئی بات نہیں کروں گا۔ مجھے فون کے بارے میں کچھ بتا دو۔''

''میں تھک گیا ہوں۔'' میں نے اپنی آنکھیں کھولے بغیر آلکس سے کہا ''جب ڈان سے ملاقات ہوگی تو سب کچھ سن لینا۔''

چاؤ فان بسیار گو اور منہ پھٹ ضرور تھا لیکن اپنے دل کی گہرائی سے میرا احترام کیا کرتا تھا۔ میری غنودگی کا احساس کرتے ہی اس نے سختی سے خاموشی اختیار کر کے اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

میری غنودگی اداکاری کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ اس وقت میری ساری حسیں پوری طرح بیدار تھیں اور میں اپنے ذہن میں نئی کہانی کے تانے بانے بننے میں لگا ہوا تھا۔ میں نے راجن سے جاری جنگ میں فتح حاصل کر لی تھی لیکن وہ قصہ وہاں ختم نہیں ہوا تھا۔ جب تک میں اپنی اصلیت کا راز چھپا کر ڈان کو مطمئن نہ کرتا' میرا بنکاک سے نکلنا محال تھا۔

ماضی میں ڈان میری ہر کامیابی پر پورے جوش و خروش سے مجھے مبارک باد دیتا رہا تھا۔ وہ ہر بار میری تعریفوں کے پل باندھ دیا کرتا لیکن موتی محل میں آتش زنی کی واردات کے بعد اس نے فون پر انتہائی سرد بلکہ منفی رویہ اختیار کر کے مجھے بدترین ذہنی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اس کی خشک اور مختصر گفتگو سے کچھ ایسا ظاہر ہوا جیسے میری طرف سے اس کے ذہن میں شکوک و شبہات جنم لے چکے ہوں۔ انہیں دور کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لیے یہ ضروری تھا کہ میرے پاس ڈان کے ہر کاٹ دار سوال کا ایسا مثبت جواب موجود ہو جو اسے مطمئن کر سکے۔

اس وقت تک میں نے ڈان یا چاؤ فان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ موتی محل میں آگ لگائے جانے سے پہلے راجن اور اس کے دو ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے۔ وہ میرے لیے ترپ کا پتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر کسی وجہ سے ڈان میرے جوابات سے مطمئن نہ ہو پاتا تو راجن کی موت کی خبر سن کر وہ یقیناً سب کچھ فراموش کر دیتا۔

موتی محل پر اپنے آدمیوں کے کامیاب حملے کی خوشی میں ہر ایرے غیرے کو شراب پلانے والے شخص کے لیے اپنے سب سے بڑے حریف کی موت کی خبر بہت اہم ہونی چاہیے تھی۔

اس آخری واقعے سے پہلے ڈان میری وفاداری، دلیری اور کارکردگی سے بہت متاثر تھا۔ اس خوشی میں اس نے ایک مرحلے پر ہمارے پاسپورٹ بھی لوٹانے چاہے لیکن میں نے اپنے چند خدشوں کی بنا پر وہ سفری دستاویزات اسی کی تحویل میں رہنے دیں۔ وہ فیصلہ میں نے اپنی مرضی سے کیا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں ڈان کی مرضی کے بغیر اس سے اپنے پاسپورٹ حاصل نہیں کر سکوں گا۔

چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزار کر مجھے بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے۔ دوستی میں انہوں نے مجھے اپنے سر پر بٹھایا ہوا تھا تو دشمنی میں وہ میرے خلاف ہر گھٹیا اور ناقابلِ تصور ہتھکنڈا استعمال کر سکتے تھے۔

راستے میں ٹریفک کے اشاروں کے مطابق گاڑی رکتی اور چلتی رہی۔ جب آخری بار گاڑی رکنے کے بعد انجن بند ہوا تو میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ.....! ماسٹر ذرا دیکھو کہ پینے والوں نے یہاں کیا حال کیا ہے!'' انجن بند کرتے ہی چاؤ فان نے تحیر زدہ لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ ذخیرہ ختم ہو جانے پر آج سیلرز بار وقت سے پہلے بند کر دیا گیا۔''

میں اس کے کہنے سے پہلے دیکھ رہا تھا کہ سیلرز بار کے سامنے کافی دور تک شراب کی بھانت بھانت کی خالی بوتلیں، بیئر کے خالی ڈبے اور ٹوٹے ہوئے گلاس وغیرہ بکھرے ہوئے تھے۔ سیلرز بار کے دروازے اور تمام روشنیاں بند تھیں۔ بار کے باہر پھیلی ہوئی ابتری سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بار بند ہونے سے پہلے وہاں جمع ہونے والے مفت خور شرابیوں نے دل کھول کر ہڑبونگ اور لوٹ مار مچائی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس شام بار میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔ شراب کے ساتھ سیلرز بار کی نفیس اور بیش قیمت کراکری بھی باہر لا کر چکنا چور کر دی گئی تھی۔

اس علاقے میں ڈان کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کی موجودگی میں نشے میں دھت شرابی بھی اونچی آواز میں ہنسنے بولنے سے پرہیز کرتے تھے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ سیلرز بار سے شراب کی مفت تقسیم کے اعلان کے ساتھ ڈان کا سارا رعب و دبدبہ عارضی طور پر رخصت ہو گیا۔ وہ آنے والوں پر سختی کرتا تو شاید وہاں ایسی تباہی نہ پھیلتی۔ وہ اپنی فتح کے نشے میں سرشار تھا۔ اسی سرمستی کے عالم میں اس نے غیر معمولی ڈھیل سے کام لیا اور وہاں آنے والوں کو اپنے دل کی ساری بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

''شاید آج سیلرز بار کو باقاعدہ لوٹ کر تاراج کیا گیا ہے۔'' میں نے ونڈ شیلڈ سے سامنے نظر آنے والے مناظر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''اب ایسا سناٹا ہے جیسے بدمست بلوائی ہر ایک کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے ہوں۔ حیرت ہے کہ ڈان نے پولیس طلب نہیں کی!''

''شش.....!'' چاؤ فان نے بے ساختہ دہانے سے آواز نکالی ''ماسٹر! آواز نیچی رکھو۔ پولیس سے مدد لینا ڈان کے لیے گالی سے کم نہ ہوتا اور اس علاقے میں کوئی پولیس والا ڈان کی اجازت کے بغیر نہیں پھٹک سکتا۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میں نے تمہاری کہی ہوئی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ چھوٹا راجن نے تم سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ آج ڈان نے پورا بار لٹا دیا ہے۔''

''مفت مل رہی ہو تو لوگ نالیوں میں سے بھی پینے لگتے ہیں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''آج اس علاقے کے لوگوں کے لیے کرسمس ہو گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ یہاں دور تک کوئی بہکا ہوا شرابی نظر نہیں آ رہا۔''

''یہ اس علاقے میں ڈان کا نافذ کیا ہوا ڈسپلن ہے۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے جواب دیا ''شراب پی کر سرِعام غل غپاڑا مچانے والوں کو وہ بہت کڑی اور انوکھی سزائیں دیتا ہے۔ مفت کی پینے والے بدمست ہونے سے پہلے اپنی بیویوں یا محبوباؤں کی طرف نکل لیے ہوں گے۔ ان کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔''

''کچھ لوگ ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''انہیں جہنم میں ڈالو۔'' اس نے اپنی ترنگ میں ہنس کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہا ''محبوبہ نعمت ہوتی ہے' بیوی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ اکثر شادی شدہ لوگ اپنی بیویوں اور ان کی بد دماغیوں کو بھلانے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ جن کی بیوی نہ ہو ان کو شراب نوشی کی کیا ضرورت ہے؟''

اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے اس نے مجھے صدی کا بہترین لطیفہ سنایا ہو۔

''بنکاک کے ہر مرد کو اپنے جیسا بدنصیب مت سمجھو۔'' میں نے قدرے درشتی سے کہا ''آج کل میں بھی یہیں رہ رہا ہوں' شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھلانا چاہتا۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ماسٹر! تم ہر بات اپنے اوپر لے جاتے ہو۔'' وہ کراہنے والے انداز میں بولا ''تم عام آدمی نہیں ہو یا شاید آدمی سے بڑی کوئی شے ہو۔ میں تو اپنے جیسے عام اور مظلوم آدمیوں کی بات کر رہا تھا جن کی بیویاں ان کے لیے ڈراؤنا خواب بنی رہتی ہیں۔''

میں نے مزید اس کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کرلی۔

ہم دونوں عقبی گلی طے کر کے سیلرز بار کے پچھلے سیاہ دروازے پر پہنچے۔ ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھولا گیا تو اس کے عقب میں مجھے ایک شناسا نسوانی چہرہ نظر آیا۔ لڑکی نے ہمیں پہچان کر اندر آنے کے لیے راہ دیتے ہوئے چوبی زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے زینوں کی طرف جاتے ہوئے تنگ سی راہداری کے دوسرے سرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت رات کے نو بھی نہیں بجے تھے لیکن بار میں گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ شاید اس کی صفائی ستھرائی اور تزئین نو کا کام اگلے دن پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

چاؤ فان میرے پیچھے تھا۔ اس نے لڑکی کے قریب سے گزرتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں' اپنی زبان میں کچھ کہا۔ لڑکی کی آواز میرے کانوں تک نہیں آئی۔ شاید اس نے چاؤ فان کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیویوں سے بیزار رہتے ہیں لیکن ہر پرائی عورت پر بری نظر ڈالنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس ذیل میں بلاضرورت بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کوئی من پسند جواب مل جائے تو نہال ہو جاتے ہیں۔ فریق ثانی کے تیور خراب ہو جائیں تو سبکی کے کسی احساس کے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میں اس سے یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ڈان کی کسی ملازمہ سے کوئی بے ہودہ بات کہے گا۔ وہ بات برائے بات کا قائل تھا۔ اس میں کسی مقصد یا دوری کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ شاید اس کی تسکین کے لیے یہی کافی تھا کہ اس کی بات خاموشی سے سن لی گئی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی میری طبیعت پر عجیب سا خلجان طاری ہونے لگا۔ اس عمارت میں ڈان کی موجودگی میں ہمیشہ خاموشی چھائی رہتی تھی مگر اس وقت مجھے وہ خاموشی گمبھیر سی محسوس ہو رہی تھی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ میں موتی محل جیسی محفوظ اور ناقابل شکست عمارت میں آگ لگا کر آیا تھا اور ڈان نے میری پیشوائی کے لیے زینوں کے اوپر سرے تک آنا گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے موڈ کی خرابی کا واضح اظہار تھا۔

میں محتاط انداز میں سیڑھیاں طے کرتا ہوا سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچا تو ڈان اپنے روایتی گاؤن کے بجائے لی شرٹ اور چست جینز میں ملبوس اپنی مسہری پر دراز نظر آیا۔

''چلے آؤ! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر اونچی آواز اور سپاٹ لہجے میں ہانک لگائی۔

اس کی مسہری کے قریب جا کر میں نے اپنے روایتی انداز میں سر کو ہلکا سا خم دے کر اسے تعظیم دی۔ چاؤ فان جو اس لمحے تک میرے پیچھے چلا آ رہا تھا' اس مرحلے پر لپک کر مجھ سے ایک قدم آگے نکلا اور ڈان کے سامنے رکوع سے بھی زیادہ جھکتا چلا گیا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی پشت پر اتنے زور سے گھٹنا رسید کروں کہ وہ اچھل کر ڈان پر جا گرے لیکن وہ ایسی کسی بے تکلفی کے اظہار کا موقع نہیں تھا۔

''دونوں بیٹھ جاؤ!'' ڈان نے لیٹے لیٹے فرمان جاری کیا۔

میں نے اطمینان سے نشست سنبھال لی۔ چاؤ فان صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے کسی بھی لمحے وہاں سے بھاگ نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''تو وہ بھارتی کتا تم سے شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے موتی محل پر حملہ کرانے کی خوشی میں مفت شراب بانٹنا شروع کر دی ہے!'' ڈان غرایا۔

''وہ چھوٹے دل کا آدمی تھا' ایسی ہی بات سوچ سکتا تھا۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔

''جاؤ اور اسے بتا دو کہ میں اس کے خون کا پیاسا ضرور ہوں لیکن وہ میرے لیے اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کی کسی رسوائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی خوشی میں، میں اپنا کاروبار تباہ کرلوں۔ میری فیاضی کا سبب کچھ اور تھا۔ آج میں بہت خوش تھا لیکن چاؤ فان کی رپورٹ نے میری طبیعت بے مزہ کردی۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ آج سیلرز بار میں شراب کی ایک بوند نہیں ہے۔ تہ خانے میں پڑے ہوئے لکڑی کے بیرل تک مفت لٹائے جا چکے ہیں۔''

''میں تمہاری فیاضی کا حال دیکھ چکا ہوں۔ بار کا خاصا سامان باہر بکھرا ہوا ہے۔ آج تم نے ہرآنے والے کو کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔''

''جانتے ہو کہ اس کا سبب کیا تھا؟'' ڈان اچانک اپنے بستر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

''اپنے راز تم ہی جانتے ہو..... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''چھوٹا راجن ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اس کی غلط فہمی دور ہونا چاہیے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا ''یہ بات میں صرف تم دونوں کو بتا رہا ہوں کہ آج وہ عورت ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مرگئی جس نے بنکاک کے بھرے بازار میں میری بے عزتی کی تھی۔ وہ عورت تھی اس لیے میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا لیکن میرے دل سے نکلی ہوئی بددعائیں اس کا پیچھا کررہی تھیں۔ میں نے اس کی موت کی خوشی میں سیلرز بار کے دروازے ہر ایک کے لیے کھولے تھے۔ اب میں سر اٹھا کر چل سکتا ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ میں نے اپنی خوشی کے لیے شراب بانٹی۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ تم سن رہے ہو نا!''

ڈان بولتے بولتے خاصا جذباتی ہوگیا۔ میں نے جلدی سے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس کی زبان سے شراب کی مفت تقسیم کا سبب سن کر مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

سنی سنائی کہانیوں کے مطابق ڈان نے ایک کم سن لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس شوخ لڑکی نے کسی بات پر برہم ہو کر ڈان کو بازار میں اپنی جوتی سے مارا اور پھر اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ ڈان نے شرم سے گوشہ نشینی اختیار کر کے بدمعاشوں کی دنیا میں اپنی بادشاہی چھوڑ دی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ڈان اتنا کینہ پرور تھا۔ وہ کم و بیش دو برسوں سے اپنی روح کے اس زخم کو پال رہا تھا۔ طاقت اور وسائل ہونے کے باوجود اس نے اپنی بھگوڑی بیوی کا پیچھا کیا نہ اسے مروانے کی کوئی کوشش کی۔ اندر ہی اندر وہ انتظار کی دھیمی آنچ میں سلگتا رہا۔ جب اسے اس عورت کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی خوشی کے اظہار کے لیے ایک نرالا ڈھنگ اختیار کرلیا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اسی صبح اس کے آدمیوں نے موتی محل پر کامیاب حملہ کیا تھا۔ ڈان کے لب کشا ہونے سے پہلے میں خود بھی اس سنگین غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ڈان نے راجن کی ہوا خیزی کی خوشی میں شراب کی مفت تقسیم شروع کی تھی۔

ڈان کہہ رہا تھا کہ اس نے اصل سبب صرف ہم دونوں کو بتایا تھا جب کہ اس کے پالے ہوئے چار مسٹنڈے ہر وقت سیلرز بار کے اس فلور پر موجود رہتے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے اس گوشے کی طرف دیکھا جہاں عام طور پر ان کی چوکڑی جمی رہتی تھی۔ اس وقت وہ بستر خالی پڑے ہوئے تھے۔

ڈان پرلے درجے کا کائیاں شخص تھا۔ میری نگاہوں کی جنبش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے تیز آواز میں کہا ''اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ آج ان چاروں کو بھی دل کھول کر پینے کی آزادی تھی۔ وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہاں آتے۔ پی کر کہیں دفعان ہوگئے۔ اس وقت اس فلور پر ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے یہ بات کسی چوتھی زبان سے سنی تو تم دونوں کی خیر نہیں ہوگی۔ میں خود بھی کسی کو بتانا چاہ رہا تھا کہ آج میں کتنا خوش ہوں اور میں نے اپنا پورا بار کیوں لٹایا ہے۔ میرے منہ لگنے والوں کی تقدیر بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اپنی سرکش عورت کو میں نے کوئی سزا نہیں دی مگر تقدیر اسے بہت بے رحمی سے نگل گئی۔''

''یہ بات میرے سینے میں دفن رہے گی۔'' میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''یہ ایک اتفاق تھا کہ تم نے آج اپنی ذاتی خوشی کے لیے اپنے بار پر مفت شراب تقسیم کی اور اسی کی وجہ سے راجن جہنم کی آغوش میں پہنچ گیا۔''

ڈان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا۔ چاؤ فان میرے برابر میں بیٹھا ہوا تھا مگر میں اپنی آنکھ کے گوشے سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی کیفیت بھی ڈان سے مختلف نہیں تھی۔

''وہ..... وہ کیسے مرگیا؟'' ڈان نے بے ساختہ سوال کیا۔

''تمہارے اس خادم کی ایک گولی نے اس کا سر اڑا دیا۔'' میں نے انکسار سے جواب دیا ''اس کے دو ساتھیوں کا بھی یہی انجام ہوا ہے۔''

''تم نے اب تک یہ بات نہیں بتائی تھی۔ اب اچانک یہ ذکر لے بیٹھے ہو، شراب کی تقسیم سے ان کی موت کا کیا تعلق نکل آیا؟'' ڈان کے لہجے سے بے یقینی مترشح تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں کیسے بتاتا۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''فون پر تم نے مختصر بات کی' ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔ یہاں آتے ہی تم نے اپنی بات شروع کر دی۔ اب موقع ملا تو میں نے پہلی فرصت میں تمہیں یہ خبر سنا دی۔''

''علی! مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کا لہجہ تادیبی ہو گیا۔ ''مجھ سے پہلے تم نے چاؤ فان سے بات کی تھی۔ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر مجھے اسی نے دی۔ تم نے اسے راجن کی موت کے بارے میں کچھ بتایا ہوتا تو وہ مجھ سے اس بڑی خبر کا ذکر بھی کرتا۔ تم اب تک یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے رہے؟''

''چاؤ فان نے موتی محل کی آگ دیکھ کر مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے بہت احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''فون پر میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بنکاک کے فون کے نظام پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ فون پر کوئی اور یہ سن لیتا کہ میں نے موتی محل میں راجن اور اس کے دو وفاداروں کو مارا ہے تو میرا یہ اقبالِ جرم مجھے کسی بدترین انجام سے دوچار کر سکتا تھا.....''

''بات تمہاری اور چاؤ فان کی ہو رہی تھی۔ کوئی اور تمہاری باتیں کیسے سن سکتا تھا؟'' ڈان نے میری بات پوری ہونے سے پہلے بے اعتباری سے پوچھا۔

''یہاں کا نظام ناکارہ ہو گیا ہے۔ فون پر لائنیں مل جاتی ہیں۔ ہمارے درمیان اچانک کوئی تیسرا بھی آ سکتا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔ اس بار بھی ڈان نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔

''یہ بے کار باتیں ہیں۔ میرے ساتھ آج تک ایسا نہیں ہوا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے یہ ماننے میں عار نہیں کہ جب سے تم میرے ساتھ ملے ہو' تمہاری کامیابیاں بے مثال رہی ہیں۔ تم جو ارادہ کر لیتے ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ تم نے چھوٹا راجن کو پے در پے گہرے گھاؤ لگائے ہیں اور اب تم اس کی موت کی خبر سنا رہے ہو۔ میں تمہاری ان کامیابیوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ تمہیں اندر کی ایسی خبریں مل جاتی ہیں جن کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ تم نے یکایک کہا کہ چھوٹا راجن کا اہم مہمان لوپ بوری میں ہے اور وہ واقعی وہاں چھپا ہوا تھا۔ تم کو خبر ملی کہ چھوٹا راجن اپنی وہائٹ ہاک کا حشر دیکھنے کے لیے سمندر کی طرف گیا ہے اور وہ ان ہی اطراف میں تھا۔ تم ان خبروں کے حاصل ہونے کے بارے میں جواز دیتے رہے ہو مگر یہ سب مجھے ناقابلِ یقین نظر آتا ہے۔ ایک اکیلا آدمی اتنی بڑی بڑی کامیابیاں کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ نتائج میرے سامنے نہ ہوتے تو میں تمہاری ان باتوں پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ تمہاری پے در پے کامیابیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ تم کو بروقت صحیح خبریں ملتی رہیں۔ تم نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور میدان مارتے رہے۔ میرے ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہاں تمہارا کوئی متوازی گروہ نہیں ہے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ آئے ہو۔ کسی اکیلے آدمی کی یہ کارکردگی میرے لیے حیرت کے ساتھ پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے..... تم خاموش کیوں ہو..... بولتے کیوں نہیں؟'' اس کی آواز میں شبہات اور اضطراب کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

''تم قطع کلامی کر لیتے ہو۔ میں تمہاری بات کاٹ کر بیچ میں نہیں بول سکتا۔'' میں نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارے ذہن میں آنے والے سوال فطری ہیں لیکن تم نے اپنے ذرائع سے ملنے والی معلومات کا حوالہ دے کر ان سوالوں کے جواب خود دے دیے ہیں۔ اس کے بعد میرے کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے باوجود اگر تم کو میری ذات پر کسی قسم کا شبہ ہے تو چاؤ فان کو حکم دو کہ یہ اپنے پستول کی گولی میرے دل میں اتار دے۔ میں کسی احتجاج کے بغیر خوشی سے یہ موت قبول کر لوں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' وہ بے تابانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر غرایا اور اپنی سلامتی کے بارے میں میری ٹوٹتی ہوئی آس دوبارہ بندھ گئی۔ اس بار ڈان کی غراہٹ میں مجھے وہی پرانی مربیانہ اپنائیت محسوس ہوئی تھی جو ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی۔

''بات کو حد سے آگے لے جانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کی تادیب جاری رہی ''میں نے تمہیں مرنے مارنے کے لیے نہیں بلایا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ ہر بات سچ سچ بتا دو۔ تم ایسے فائدے میں رہو گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں ہو گا۔''

چھوٹا راجن کی موت کا واقعہ پسِ پشت چلا گیا۔ میری سوچی سمجھی کہانی دھری کی دھری رہ گئی۔ ڈان کا سارا زور میری ذات پر آ گیا تھا۔

''میں نے تمہارے سامنے ہمیشہ سچ بولا ہے۔ تم کو میری کسی بات پر شبہ ہے تو اس کی نشاندہی کرو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مطمئن کر سکوں۔'' ڈان کی بزرگانہ فہمائش سے میرے وجود میں مچلتی ہوئی بے چینی کی لہر کو بڑی حد تک قرار آ گیا تھا۔

ڈان اپنے بائیں ہاتھ کی چٹکی سے اپنے کان کی لو مسلنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی کشمکش چل رہی ہے۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے بوجھل اور ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ڈان نے غیر متوقع طور پر ایک خطرناک اور براہِ راست سوال کر ڈالا تھا۔ میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ ''عجیب سوال پوچھا ہے تم نے..... میرا نام علی احمد ہے۔''

''یہ تم پہلے بھی بتا چکے ہو۔'' ڈان نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''میں تم سے تمہارا اصلی نام پوچھ رہا ہوں۔''

''علی احمد میرا اصلی نام ہی ہے۔ تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں تحمل اور نرم خوئی سے کام لیتے ہوئے ڈان سے کسی ممکنہ تصادم کا خطرہ ٹال سکوں۔

ڈان اضطراری انداز میں مسہری سے اتر کر فرشی قالین پر کھڑا ہو گیا اور داہنے ہاتھ کا مکا اپنی بائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے بولا۔ ''چھوٹا راجن سے میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ دور دور تک کسی تیسرے فریق کا نام و نشان نہیں تھا پھر وہ بار بار ڈینی کا نام کیوں لے رہا تھا؟''

''اس کا جواب وہی دے سکتا تھا۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''اپنی بدقسمتی سے اب وہ دوسرے جہاں میں پہنچ چکا ہے۔''

ڈان نے جھٹکوں دار چھوٹے چھوٹے قدموں سے قالین پر ننگے پاؤں ٹہلنا شروع کر دیا اور خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا۔ ''چھوٹا راجن پاگل نہیں تھا۔ وہ کسی وجہ سے ڈینی سے خوفزدہ تھا۔ میں نے اس کی طرف سے یہ نام پہلی بار سنا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنے ذرائع سے اچھی طرح چھان بین کی۔ تمہاری طرح وہ بھی پاکستانی ہے مگر چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کا نام سب جانتے ہیں۔ اس کی ذات سے بہت سے بڑے واقعات منسوب ہیں۔ امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ نت نئے طریقوں سے اپنے دشمنوں کو مارتا ہے لیکن کسی نے اس کو نہیں دیکھا نہ کہیں اس کی کوئی صاف تصویر دستیاب ہے۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اچانک میری طرف گھوما اور پُرجوش لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری کامیابیوں میں مجھے ڈینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ تم تنہا وہ سب کرتے پھر رہے ہو جو میرے آدمی آج تک مل کر نہیں کر سکے۔ تمہارے سامنے آنے والے پُراسرار انداز میں مارے جاتے ہیں۔ کسی کو سانپ ڈس لیتا ہے۔ کسی کی لاش آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اب تم نئی کہانی لے کر آئے ہو کہ چھوٹا راجن تم سے ملا۔ اس نے تمہیں اپنا ہم درد سمجھ کر تم سے میری شکایت کی پھر تم نے اسے مار دیا۔ موتی محل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کی لاش بھی جل کر بھسم ہو جائے گی' اس کی موت کے اسباب کا کوئی سراغ باقی نہیں رہے گا۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا یہ کسی عام آدمی کے بس کے روگ ہیں؟''

میں خاموشی سے اس کی طویل تقریر سنتا رہا۔ ڈان اپنے مسائل اور معاملات کی طرف سے اتنا بے پروا نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا تھا۔ یہ راز مجھ پر پہلی بار منکشف ہوا کہ وہ میرے اصلی روپ یعنی ڈینی کے بارے میں بالا ہی بالا معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ نے مجھے اندر سے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے اپنی لمبی تقریر سوالیہ انداز میں ختم کی تھی۔ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ''ڈان! یہ میری بدقسمتی ہے کہ میری کارکردگی تمہارے لیے پریشانی کا سبب بن رہی ہے۔ میں ایک عام آدمی ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔ چاؤفان اس بات کی گواہی دے گا کہ میں موتی محل کی طرف جانے سے پہلے اکیلا اس کے ساتھ تھا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میں نے موتی محل میں مارے جانے والوں کی تینوں لاشوں کو آگ لگا دی مگر اس میں میری کسی سازش کا دخل نہیں تھا۔ میں نے انتقام کے جوش میں وہاں آگ لگائی تھی۔ رہی ساحل پر گاڑی میں جلنے والی لاشوں کی بات تو اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں رہا۔ راجن کی طرف سے آنے والی کوئی گولی پیٹرول کی ٹنکی میں لگی اور وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ہمارے پاس لاشوں کو چھپانے کے لیے راجن کی کار سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ چاؤفان اس واقعے میں شروع سے آخر تک میرے ساتھ شامل تھا۔''

''بار بار چاؤفان کا حوالہ نہ دو۔'' اس نے ہلکی سی ترشی سے کہا۔ ''میں نے اس سے پل پل کی رپورٹ لی تھی۔ جب گاڑی میں آگ لگی تو تم وہاں اکیلے تھے۔ چاؤفان کو تم نے جیپ میں سڑک کی طرف بھیج دیا تھا تاکہ میدان صاف رہے اور چھوٹا راجن بے خبری میں آگے بڑھتا چلا آئے۔ اس بارے میں چاؤفان وہی کہے گا جو تم نے اسے بتایا تھا۔''

میں سانس روکے ڈان کی بات سنتا رہا۔ چاؤفان نے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کا راز فاش نہیں کیا تھا۔ ان میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ایک زہریلی انگوٹھی کا اور دوسرا بیم گن کا نشانہ بنا تھا۔ میں نے چاؤ فان کو کچھ ایسا چکر دیا تھا کہ اس نے ایک کے قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ چاؤ فان اس بارے میں زبان کھولتا تو وہ دروغ گوئی کے الزام میں ڈان کے عتاب کا نشانہ بن سکتا تھا۔

''ڈان! یہ اعتبار کی بات ہے۔'' میں نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔ ''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے چاؤ فان سے کوئی غلط بیانی کی تھی تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''تم پھر بات بڑھا رہے ہو۔'' ڈان چیخ کر بولا۔ ''اس وقت مسئلہ اعتبار کا نہیں' چاؤ فان کی گواہی کا تھا۔ اسے سرے سے کچھ پتا نہیں تھا تو وہ تمہاری ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔''

''اگر تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو تمہارے ذہن میں میری طرف سے شکوک و شبہات کیوں پل رہے ہیں۔'' طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد مجھے ڈان کی دکھتی رگ دبانے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا۔ ''تم مان کیوں نہیں لیتے کہ میں علی احمد ہوں۔''

''مجھے اپنی کامیابیوں کا گُر بتاؤ۔'' ڈان پیر لٹکا کر اپنی مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ آ چکی تھی۔

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' میں نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔ ''ذہانت اور قسمت ڈینی کی میراث نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس سے زیادہ تیز طرار ہوں گے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہو سکتا ہوں اور ہاں' میں تمہیں ایک اور بات بھی بتا دوں۔ میں کوئی تیس مار خان نہیں ہوں مگر اخبارات وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں۔ ڈینی پر امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے انعام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کئی افسروں سے میری بات ہوئی اور ان سب کا خیال ہے کہ ڈینی نام کے کسی آدمی کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ وہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کا تراشا ہوا ایک افسانوی کردار ہے۔ بھارتیوں نے بھی اس نام کو بہت ہوا دی ہے۔ وہ لوگ اپنی ہر بڑی ناکامی اور بربادی کی ذمے داری ڈینی پر ڈال کر اپنی جان بچاتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ لوگ جو اپنے خلائی کیمروں سے صحرا میں گری ہوئی سوئی کی واضح تصویر لے لیتے ہیں' ان کے پاس ڈینی کا کوئی سراغ نہ ہو۔ وہ کوئی حقیقی وجود ہوتا تو اس کی تصویر یا فنگر پرنٹس بھی ہوتے۔ فرضی نام کے بارے میں کچھ نہیں مل سکتا۔''

''تمہیں بہکایا گیا ہے۔'' ڈان میری بات سن کر بولا۔ دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس کی بے چینی کو قرار سا آتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ ٹارزن کی طرح کا کوئی فرضی کردار نہیں ہے۔ اس کی موجودگی کی علامتیں اور سراغ ملتے رہے ہیں لیکن وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ آج تک کسی کی گرفت میں نہیں آیا۔ کسی نے اسے دیکھ لیا تو ڈینی نے اسے زندہ نہیں چھوڑا۔ یہ بحث بے سود ہے۔ آج میں جتنا غور کر رہا تھا' مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ تم ہی ڈینی ہو اور نام بدل کر مجھے دھوکا دے رہے ہو مگر اب میں نے دیکھ لیا کہ تم میں کئی بڑی کمزوریاں ہیں۔ ڈینی مکار اور دبنگ آدمی ہے۔ تم چالاک ضرور ہو' مکار نہیں ہو۔ مجھ سے ڈرتے ہو اس لیے دبتے چلے جا رہے ہو۔ تمہاری رگوں میں ڈینی جیسا خون ہوتا تو تم مدافعانہ دلیلیں دینے کے بجائے اب تک تن کر میرے مدِمقابل کھڑے ہو چکے ہوتے۔''

اس نے خاموش ہو کر اپنے سینے سے طویل اور گہرا سانس خارج کیا۔

''میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھ پر شبہ کیا اور خود ہی اسے دور بھی کر لیا۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ڈان مجھے میرے خون کا حوالہ دے کر میری تضحیک کر رہا تھا اور میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ زیرک ہونے کے باوجود ہمیشہ کی طرح میری باتوں کے جال میں پھنس کر میری گلوخلاصی کر چکا تھا۔ وہ اپنے موقف پر اڑا رہتا تو بات سنگین رخ اختیار کر جاتی۔

''تمہاری طرف سے میرے دل میں ایک پھانس تھی جو نکل گئی۔ اب بتاؤ کہ چھوٹا راجن یکا یک تمہارا رفیق کیسے ہو گیا۔'' ڈان اپنے بیڈ پر سمٹ کر مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ اپنے ہر قول و فعل سے مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

''یہ بڑی حیرت ناک کہانی ہے جو میں نے ابھی تک چاؤ فان کو بھی نہیں سنائی۔ اس کی بنیاد تم نے ڈالی۔ اگر تم سیلرز بار میں مفت شراب نہ بانٹتے تو راجن آج بھی ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہوتا۔'' مجھے پہلی ملاقات میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈان انا پرست شخص ہے۔ ایسے افراد بہ ظاہر صاف گوئی کے سرپرست بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ دل و جان سے خوشامد پسند ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی کہانی کی تمہید میں ڈان کی تعریف کر کے اس کے شوق کو بھڑکا دیا۔

''میری مفت کی شراب سے چھوٹا راجن کو کیا تکلیف ہوئی؟'' اس نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔ چند لمحوں میں وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے لب و لہجے سے ایک بدلا ہوا آدمی محسوس ہو رہا تھا۔

''تم اپنی دغا باز عورت کی عبرت ناک موت کی خوشی میں شراب بانٹ رہے تھے۔'' میں نے بیوی کے بجائے ڈان کے مرغوب الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔

''یہ ایک اتفاق تھا کہ صبح تمہارے آدمیوں نے موتی محل پر بموں اور رائفلوں سے حملہ کیا تھا۔ راجن کی شراب کی مفت تقسیم کی خبر ملی تو اس نے اندازہ لگایا کہ وہ حملہ تمہاری طرف سے ہوا تھا اور تم اس کامیابی کی خوشی میں مفت شراب بانٹ رہے تھے۔ اس کی کھوپڑی سنک گئی اور وہیں سے اس کی تباہی کا آغاز ہو گیا۔''

''بولتے رہو!'' میرے توقف پر ڈان نے بے تابی سے مجھے ٹوکا۔ ''خاموشی سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا اس سے کیسے رابطہ ہوا۔''

''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں ڈان کے اضطراب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اسی وقت تم سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب دوسرا اتفاق رونما ہوا۔ میں نے صبح کے واقعے پر راجن کا ردعمل جاننے کے لیے ہوٹل کی لابی میں لگے ہوئے پبلک بوتھ سے موتی محل فون کیا تو مجھے راجن کی آواز سنائی دی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں باہر کے کسی اخبار کا رپورٹر بن کر اس سے بات کرتا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں نے اپنا سانس روک لیا اور پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ وہ کسی کرنل گیری کو اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ اسے غصہ تھا کہ تم نے باہر سے آئے ہوئے اس کے پانچ نامی گرامی مہمانوں کی موجودگی میں موتی محل پر حملہ کرایا اور اس کا سارا منصوبہ درہم برہم ہو گیا۔ تم اس کامیابی کی خوشی میں اپنے بار پر ہر کس و ناکس کو مفت شراب پلا رہے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بھیڑ بھاڑ میں تمہارے بار میں بم کا دھماکا کر دیا جائے۔ بار کی تباہی اور بہت سے شرابیوں کی ہلاکت سے تمہاری زبردست بدنامی ہو گی۔ اسے توقع تھی کہ شاید وہ دھماکا تمہارے لیے بھی جان لیوا ثابت ہو اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے.....''

''کرنل گیری یہ سب سن رہا تھا۔'' ڈان نے میری بات کاٹ کر حیرت اور غصے سے کہا۔

''نہ صرف سن رہا تھا بلکہ اسے نادر مشورے بھی دے رہا تھا۔'' میں نے ڈان کو اکسایا۔

''یہ حرام کے جنے امریکی کسی کے نہیں ہوتے۔'' ڈان باقاعدہ طیش میں آ گیا۔ ''برے وقت پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ گیری پچھلے چھ برسوں سے یہاں جما بیٹھا ہے۔ میرے گوشہ نشین ہونے سے پہلے وہ مجھ سے یاری کا دم بھرتا تھا' اب چھوٹا راجن کا مشیر بنا ہوا تھا۔ مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے فون پر ان دونوں کی کیا کیا باتیں سنیں۔''

ڈان پر میرا داؤ چل گیا۔ میں ایک تیر سے یہ یک وقت دو شکار کر رہا تھا۔ ایک طرف مفروضہ کراس ٹاک کی آڑ لے کر اپنی پوزیشن صاف کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے امریکی سفارت خانے کے سازشی انفارمیشن افسر کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''راجن تمہارے بارے میں فوری طور پر بم کا دھماکا کرانے پر اڑا ہوا تھا۔'' ڈان کے مطالبے پر میں نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا۔ ''اس کام کے لیے اسے کوئی نیا آدمی درکار تھا۔ کرنل گیری کا کہنا تھا کہ راجن یہ معمولی سا کام اپنے کسی آدمی سے لے سکتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے بیگ میں کوئی طاقتور ریموٹ کنٹرول بم تمہارے بار میں چھوڑ کر لوٹ آتا تو بھیڑ بھاڑ میں کسی کو اس کا ردروائی کا علم نہیں ہونے پاتا۔ اپنے آدمی کی یہ حفاظت واپسی کے بعد راجن جب چاہتا' ایک بٹن دبا کر تمہارے بار کی پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیتا۔ گیری بم فراہم کرنے پر آمادہ تھا مگر راجن کا کہنا تھا کہ اس کا آدمی سیکرٹ زبار میں پہچان لیا گیا تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ وہ مار ڈالا جائے گا' منصوبہ ناکام ہو گا اور تم پوری طاقت سے دوبارہ موتی محل پر چڑھائی کر دو گے۔''

''ہوں!'' ڈان اپنا سر ہلاتے ہوئے غرایا۔ ''یہ خوفناک سازش ہو رہی تھی میرے خلاف۔ چھوٹا راجن میرے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ اب میں گیری خنزیر کو بھی دیکھ لوں گا۔ پھر تم نے کیا کیا؟''

''ڈان! اس وقت میں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''بس اپنا دم سادھے ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرتا رہا۔ راجن اسے اپنی مشکلات بتا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اس کی زندگی کی سب سے منحوس شام ہے۔ اس کے سارے آدمی اس کو پیٹھ دکھا گئے ہیں۔ بہت سے غدار موتی محل میں لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ کچھ بزدل گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حد یہ ہے کہ آج اس کے سارے کاروباری ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ موتی محل میں صرف چار جانثار اس کے ساتھ رہ گئے ہیں جن میں سے دو کو اس نے ڈپلیکیٹ چابیاں دے کر کلبوں اور جوئے خانوں کے تالے کھول کر تجوریوں سے پچھلی رات کی کمائی سمیٹنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد راجن کی کمپرسی پر کرنل گیری کا دل پسیج گیا اور اس نے اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک آدمی موتی محل کی طرف روانہ کرنے کا وعدہ کرلیا۔ پھر فون بند ہوگیا۔''

اچانک چاؤفان نے پھنسی پھنسی اور بے ہنگم آواز میں کھانسنا شروع کردیا۔

''تجھ پر کیا آفت آ گئی؟'' ڈان نے برہمی سے اسے پکارا۔ روانی میں وہ انگریزی ہی بول رہا تھا۔ ''تیرے معدے میں کوئی طوفان اٹھ رہا ہے تو جا کر گلی میں قے کر دے۔ یہاں کا ماحول پراگندہ کیا تو میں تیرا سر توڑ دوں گا۔''

''ڈان! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ گھگیایا۔ ''تمہاری اجازت سے میں اس مرحلے پر کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ماسٹر نے ایک عجیب بات کہہ دی ہے۔''

''بول' میں سن رہا ہوں۔'' ڈان نے ترشی سے کہا۔

''میں نے صبح سے اپنے آدمی چھوٹا راجن کے کاروباری ٹھکانوں کی نگرانی پر لگا دیے تھے.....'' چاؤفان نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے درمیان میں دخل انداز ہوکر اسے خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

''تاکہ رات کے اندھیرے میں وہ ان ٹھکانوں کو لوٹ سکیں۔'' ڈان نے طنزیہ انداز میں گویا چاؤفان کی بات مکمل کی۔

''ہاں!'' چاؤفان نے خوشامدانہ انداز میں اپنا سر ہلا کر کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ غلام ایسے مواقع پر نہیں چوکتا۔ بے بی کلب سے چھوٹا راجن کو سب سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ اب سے تین گھنٹے پہلے دو آدمی وہاں پہنچے۔ شاید وہ وہی تھے جن کا ذکر ماسٹر نے فون پر سنا تھا۔ وہ تالے کھول ہی رہے تھے کہ میرے آدمیوں نے ان دونوں کو بے خبری میں چھاپ لیا۔ وہ ان دونوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ تالے کھول کر وہ انہیں اندر لے گئے اور مارنا شروع کردیا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے وہی باتیں اگل دیں جو ابھی ماسٹر نے بتائی ہیں۔ میرے آدمیوں نے ان سے تالوں اور تجوریوں کی سب چابیاں چھین کر انہیں مار ڈالا۔ لاشیں وہیں چھوڑ کر انہوں نے بے بی کلب کی تجوری صاف کی پھر ایک گھنٹے میں ایک ایک کر کے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری ٹھکانوں سے لمبی رقمیں سمیٹ لائے۔''

''چاؤفان! تو بہت کمینہ ہے۔ ابھی علی ان دونوں کا قصہ نہ سناتا تو' تو ساری رقم خود پی جاتا۔'' ڈان کے لہجے سے چاؤفان کے لیے شفقت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''تیرے سب آدمی چور ہیں۔ انہوں نے بیچ میں گھپلا ضرور کیا ہوگا۔ تجھے کتنی رقم لا کر دی گئی؟''

''پچیس لاکھ سے اوپر ہاتھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ جوئے خانوں سے سونے کے زیور' قیمتی گھڑیاں اور دوسری چیزیں بھی ملی ہیں۔'' چاؤفان نے حریصانہ انداز میں بتایا۔

''گڈ!'' وہ تفصیل سن کر ڈان خوش ہوگیا۔ ''آج مقدر میری یاری کر رہا ہے۔ دو برس کے صبر اور انتظار کے بعد آج زمین کو میری بے وفا عورت کے بوجھ سے چھٹکارا مل گیا۔ میں نے نیک نیتی سے شراب لنڈھائی تو اس کی قیمت سے کئی گنا زیادہ رقم تیرے ہاتھ آ گئی۔ چھوٹا راجن ایک مدت سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ تیرا ماسٹر اس کی موت کی خبر لے کر آیا ہے۔ موتی محل چھوٹا راجن کا قلعہ تھا۔ وہ صبح ہونے تک راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن چکا ہوگا۔''

میں خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔ چاؤفان کسی گیدڑ سے زیادہ مکار ثابت ہو رہا تھا۔ چھوٹا راجن کی زندگی میں وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتا رہا۔ اس پر برا وقت آتے ہی وہ اس کے اثاثوں پر قبضہ جمانے کی گھات میں لگ گیا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھوں سے بچ جانے والے راجن کے دونوں ساتھی چاؤفان کے پھیلائے ہوئے گیدڑوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ شہر میں راجن کا ایک بھی نام لیوا باقی نہیں رہا تھا۔ وہ غلط راستوں پر چلنے والوں کے عروج و زوال کی ایک لرزہ خیز اور چشم کشا مثال تھی۔ اس سے پہلے سوبھراج بھی اسی طرح شہرت و ثروت کی بلندیوں سے اچانک ذلت و گمنامی کی موت مر چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ اپنے سیاہ کرتوتوں کی بنا پر دونوں ایک جیسے انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ان کی بے اندازہ دولت ان کے کسی کام آ سکی نہ ان کا بے پناہ اثر رسوخ انہیں بھیانک انجام سے بچا سکا!

''اچھا ہوا کہ سب قصے آج ہی صاف ہوگئے۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے ڈان سے کہا۔ ''تمہارے لیے آج کا دن مبارک ہے مگر میں اس دن کی سیاہی کو شاید زندگی بھر بھلانے میں کامیاب نہ ہوسکوں۔''

''کیوں.....؟ تمہارے ساتھ کیا ہوا..... تم چھوٹا راجن کو مار کر بھی اتنے ناخوش کیوں ہو؟'' ڈان نے چونک کر تعجب آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ناخوشی میری ساری خوشیاں پی گئی۔'' میں نے اداس لہجے میں کہا۔ ''آج تم نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مجھ کو ڈینی سمجھ کر تم نے میری روح کو زخمی کردیا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈان کسی چیتے کی طرح اچھل کر مسہری سے نیچے آیا اور اضطراری انداز میں مجھ سے لگ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''تم اتنی سی بات اپنے دل پر لے بیٹھے۔ میں کھرا اور صاف گو آدمی ہوں۔ جو دل میں آتا ہے' کہہ ڈالتا ہوں۔ تم نے میرا شک دور کر دیا اور میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ میرا دل آئینہ ہے آئینہ۔ تم کو افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ چاؤ فان کو دیکھو۔ میں غصے میں اسے گالیاں بھی دے لیتا ہوں اور یہ سر جھکا کر سن لیتا ہے۔ کبھی میری تلخ کلامی کا برا نہیں مناتا۔''

میرا دل چاہا کہ ڈان کو بتاؤں کہ ہر آدمی چاؤ فان کی طرح ڈھیٹ اور بے شرم نہیں ہو سکتا۔ میرا ضمیر اس سے بہت مختلف تھا مگر اس تلخ نوائی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ اس صدمے کو فراموش کر دوں۔''

''دل گرفتہ ہونے کے بجائے مرد بنو۔'' ڈان میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے اپنی مردانگی سے میرا دل جیتا ہے۔ اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو دماغ میں جگہ مت دو۔ یہ بتاؤ کہ گیری اور چھوٹا راجن کی باتیں ختم ہونے کے بعد تم موتی محل میں کیسے پہنچے؟''

''اصل کمال بنکاک کے فون سسٹم کی خرابی کا تھا۔ مجھے ان دونوں کی کمزوریوں اور پلان کا علم ہو چکا تھا.....'' میں نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے پھر میری بات کاٹ دی۔

''ایک منٹ رکو!'' وہ یہ کہتا ہوا صوفے سے اٹھ کر دوبارہ اپنی مسہری پر چلا گیا۔ ''تم بار بار یہاں کے فون سسٹم کی خرابی کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ سسٹم کی نہیں' موتی محل کے اندر کی خرابی تھی۔ تم نے بتایا کہ تم نے پبلک بوتھ سے موتی محل کا کوئی نمبر ملایا تھا اور لائن چھوٹا راجن سے مل گئی۔ یہ شاید اس لیے ہوا کہ صبح کے حملے سے وہاں کے فون کی لائنیں ٹوٹ پھوٹ کر ایک دوسرے سے مل گئی ہوں گی۔ سسٹم میں نقص ہوتا تو تمہاری لائن کہیں بھی مل سکتی تھی' چھوٹا راجن کے فون سے نہ ملتی۔ یہاں برسوں سے امریکا کا فوجی اڈا قائم ہے۔ مواصلاتی نظام ان کی نگرانی میں از سرِ نو بنا ہے۔ اس کی ایسی خامیاں ان کی رازداری کو تباہ کر دیتیں۔ یہ مان لو کہ یہاں کا سسٹم بے عیب ہے۔''

''مجھے پورے بنکاک یا موتی محل کی بحث سے غرض نہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں اصل واقعات بتا رہا ہوں۔ وہی کچھ دہرا رہا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔''

میں نے سوچ سمجھ کر ڈان کے لیے جو کہانی تیار کی تھی وہ حیرت ناک طور پر مربوط اور مضبوط ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے راجن سے ہونے والی کم و بیش ساری باتیں فون کی خرابی کے بہانے سنا دی تھیں۔ وہ دونوں قدم قدم پر اس کہانی کے نکات کی تائید کر رہے تھے۔ ڈان فون کی لائنوں میں گڑبڑ کا سہرا اپنے حملہ آور جتھے کے سر پر سجا رہا تھا۔ چاؤ فان نے اپنی زبردست لوٹ مار کے ساتھ ان دو آدمیوں کی ہلاکت کی تصدیق کی تھی جنہیں راجن نے مال سمیٹنے کے لیے بھیجا تھا۔

''ان کی باتیں ختم ہوتے ہی میں نے تیزی سے عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میں کرنل گیری کے آدمی سے پہلے اس کے روپ میں موتی محل میں گھسنا چاہتا تھا۔''

''اوہ!'' ڈان کے منہ سے بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ ''تم نے بہت خطرناک مگر دلیرانہ فیصلہ کیا۔ یوں موت کے منہ میں چھلانگ لگا دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ تمہاری موجودگی میں اصل آدمی بھی وہاں پہنچ جاتا تو موتی محل تمہارا مدفن بن سکتا تھا۔''

''خطرات سے کھیلے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ میرا اور تمہارا دشمن تھا۔ میرا رواں رواں اس سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں اوپر گیا اور کمرے سے کپڑے بدل کر عجلت میں نیچے آیا تو اچانک یہ چاؤ فان وہاں پہنچ گیا۔'' میں نے اس چوبیشن کو یاد کرتے ہوئے کپڑے بدل کر نیچے آنے کا ذکر شامل کر دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ اس مرحلے پر اس نے مجھے لفٹ سے نمودار ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہو۔

''مجھے وہاں دیکھ کر ماسٹر کے دماغ کو گرمی چڑھ گئی۔'' چاؤ فان نے کہا۔ ''یہ جلد از جلد مجھ سے جان چھڑا کر کسی کام پر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے دھکے دے کر مجھے وہاں سے رخصت کیا تھا۔ مجھے ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ ماسٹر کا ارادہ موتی محل میں گھسنے کا ہے تو میں ہر قیمت پر اس کے ساتھ اس مہم میں شریک رہتا۔'' اس نے ڈان کی نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری اور خاموش ہو گیا۔

''بک بک مت کر!'' ڈان نے اسے فہمائش کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تو کتنا سورما ہے۔ اتنا بے جگر ہوتا تو چھوٹا راجن کو اتنا اونچا اڑنے کی مہلت نہ ملتی۔'' چاؤ فان کو لگام دے کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میرے بدن میں تجسس سے اینٹھن ہو رہی ہے۔ تم اپنی بات جاری رکھو۔''

''میں اسے دیکھ کر واقعی جھلا گیا۔'' میں چاؤ فان کے یکا یک بولنے اور آنکھ مارنے کا مقصد بھانپ گیا تھا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میں کہیں ڈان کے سامنے یہ نہ کہہ دوں کہ چاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فان اس وقت لی کو فتح کر کے تیغ پر بھنے ہوئے چوہے کھانے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کی نجی مصروفیات سے پہلو تہی کرتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''یہ چمٹ رہا تھا اور میں اسے بھگانا چاہ رہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے نہیں بتایا کہ میرا کیا پروگرام تھا۔ اسے رخصت کر کے میں موتی محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے کرنل گیری کا حوالہ دیا اور دربان نے مجھے اندر بلالیا۔ شاید راجن اسے گیری کے آدمی کی آمد کے بارے میں ہدایت دے چکا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت پورے موتی محل میں کل تین نفوس تھے۔ راجن جیسے مزاج کا آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ایک اس کے ساتھ ہوگا۔ تیسرا دربان تھا جو میرے ارادوں سے بے خبر اور غافل تھا۔ وہ انٹرکام پر اندر خبر دینے کے لیے مڑا اور میں نے پیچھے سے اسے دبوچ کر اس کے پستول پر قبضہ کرلیا۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد میں نے اسی پستول سے اس کا کام تمام کردیا۔ اس سے آگے کا کام بہت مشکل اور روح فرسا ثابت ہوا۔ پُر پیچ راہداریوں اور کمروں میں بھٹکنے کے بعد مجھے ایک بند دروازے کے پیچھے سے راجن کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ وہ جوزی نام کے کسی آدمی سے باتیں کررہا تھا۔ میرے دماغ پر خون سوار ہونے لگا۔ ذرا سی سن گن لینے کے بعد میں نے لات مار کر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ دو تھے' میں اکیلا۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر جوزی کی پیشانی میں گولی اتاری پھر راجن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ وہ سسکا سسکا کر مارے جانے کے قابل تھا۔ اس کی اتنی آسان موت پر میرے دل کی بھڑاس نہیں نکل سکی۔ میں نے ان دونوں کی لاشوں پر سامان کا ڈھیر لگانا شروع کردیا۔ اس دوران میں مجھے دربان کی لاش یاد آئی۔ میں اسے کندھے پر لاد کر اسی کمرے میں لے آیا۔ ان تینوں لاشوں کی چتا کو آگ لگا کر میں تماشا دیکھتا رہا۔ جب کمرے میں بھرنے والے دھویں کی وجہ سے میرے لیے سانس لینا دشوار ہونے لگا تو میں وہاں سے نکل آیا۔ تینوں لاشوں کو سامان کے ساتھ آگ لگا کر میرا دل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں موتی محل کی فصیل سے باہر نکلا تو اس وقت تک گیری کا اصل آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میں اطمینان سے لوٹ آیا۔ میرا دل ہلکا ہو چکا ہے۔ میں نے بنکاک میں اپنے دشمن سے انتقام لے لیا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا۔ اب میں تمہاری اجازت سے یہاں سے لوٹنا چاہوں گا۔''

''شاندار..... بہت شاندار!'' ڈان جذباتی لہجے میں بولا۔ ''مردوں کے فیصلے اور کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم نے ایک مدت سے جاری آویزش کو ذرا سی دیر میں تن تنہا ختم کردیا۔ تم ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہو۔ ابھی تک تم دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ مجھے احساس ہے کہ اس دوران میں تمہیں عیاشیوں کے اس گڑھ میں سکھ چین کا ایک پل بھی نصیب نہیں ہوا۔ تم مشین کی طرح دن رات کام میں لگے رہے۔ ابھی جانے کا نام نہ لو' کچھ دن یہاں آرام کرو اور دیکھو کہ بنکاک کا ڈان کس طرح تمہاری مہمان داری کرتا ہے۔''

میری نگاہیں ڈان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہاں جوش اور بے پایاں مسرت کے سوا کچھ نہیں تھا لیکن اس کے آخری فقرے میرے دل میں کھٹکنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان جذباتی لمحات میں وہ اوّل درجے کی مکاری سے کام لے کر مجھے واپسی سے روک رہا تھا۔ آرام اور مہمان داری اس کے بہانے تھے۔ ذرا سی دیر پہلے وہ میرا اور ڈینی کا موازنہ کرتے ہوئے مکاری کی افادیت پر روشنی ڈال چکا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ اس وقت اسی ہنر سے کام لے رہا تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے لیے اتنی اپنائیت سے سوچ رہے ہو۔ تم نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے راجن سے انتقام لینا مشکل ہوجاتا۔ یہ کام پورا کرلینے کے بعد میں اب جلد از جلد اپنے ملک لوٹ جانا چاہتا ہوں تاکہ اپنے کنبے اور برادری کے لوگوں کو فخر سے بتا سکوں کہ میں نے آخر کار اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

ڈان سے ملک لوٹنے کی بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں غیر ارادی طور پر جلال کی باتیں ابھر آئیں۔ میرے دل میں ایک ٹیس سی اٹھ کر رہ گئی۔ میں نے ڈان سے اپنی واپسی کا ذکر کرلیا مگر میں جانتا تھا کہ کرنل گیری کے ہم وطنوں نے پاکستان میں میرے خلاف بھرپور محاذ تیار کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں کسی بھی حالت میں پاکستان واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ڈان کی طلبی پر ہیلرز بار کی طرف آنے تک میرے ذہن پر سب سے بڑی یہ الجھن سوار تھی کہ میں ڈان کو اپنی راجن تک مفاہمانہ رسائی کے بارے میں کیسے مطمئن کرسکوں گا۔ وہ کیسے مان لے گا کہ خطرات میں گھرے ہوئے ایک عیار دشمن نے ایک اجنبی کو بلا کسی روک ٹوک اپنے گھر میں بلالیا۔ ڈان کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ راجن کے ساتھ میں ڈینی اور اکبر کا دہرا کردار ادا کررہا تھا۔ وہ شہر میں کسی علی احمد کے وجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بے خبر تھا۔ ڈینی کے روپ میں راجن کا حریف تھا۔ اکبر کی حیثیت سے وہ مجھے اپنے ہاتھوں کا ایک بزدل کھلونا تصور کر رہا تھا۔ سب کچھ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہ میرے حال پر قدرت کی بہت بڑی عنایت تھی کہ میں ہر محاذ پر اپنے طے شدہ کرداروں کا دفاع کرنے میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

ڈان ایک جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے میرے بشرے سے شاید میرے دل کی تحریر پڑھ لی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ دلوں سے کدورتیں دھل گئیں۔ اب تمہیں کسی فکر یا تشویش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ساتھ میرے تعلقات میں کئی نشیب و فراز آئے ہیں۔ مجھے تم سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ نہیں تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم کام ادھورا چھوڑ کر یہاں سے بھاگنے کی تیاری کر رہے ہو۔ میں نے پاسپورٹ ضبط کر کے تمہیں یہاں باندھ لیا۔ پھر تمہارے کام کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ تم نے خود کو منوا لیا۔ میں نے نادم ہو کر تمہارے پاسپورٹ لوٹانا چاہے مگر تم نے لینے سے انکار کر دیا۔ تمہاری وہ امانت اب بھی میرے پاس محفوظ ہے' تم جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کر کے میرے سر کا تاج بن گئے ہو۔ تم کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے مگر اب تم کو میرا دوست اور مہمان بن کر کچھ دن یہاں ضرور رہنا ہوگا۔ ڈان اپنے دشمنوں کے لیے آسمانی قہر ہے مگر دوستوں کے لیے سر سے پیر تک تواضع' انکسار اور رواداری کا پیکر ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے طعنے دیں کہ میں نے علی جیسے جی دار آدمی سے اپنا کام نکال کر آنکھیں پھیر لیں۔''

ڈان کم گو تھا لیکن جب بولتا تھا تو زورِ کلام میں انتہا کو پہنچ جاتا تھا۔ اس سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ جو کچھ تجویز کر رہا تھا اسے مان لینے میں میری عافیت مضمر تھی۔ میں نے خوشی کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں اس عزت افزائی پر تمہارا ممنون ہوں۔ مناسب سمجھو تو پاسپورٹ مجھے دے دو۔ میں فرصت میں جائزہ لے لوں کہ وہ کب تک اور کہاں کہاں کے سفر کے لیے کارآمد ہیں۔ میں پاکستان سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ مجھے راجن کو پکڑنے کے لیے نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننا ہوگی۔ یہ قصہ یہیں نمٹ گیا۔''

''یہ لو!'' ڈان نے بلا توقف بستر پر نیم دراز ہو کر اپنا ہاتھ تکیے کی طرف بڑھایا اور اس کے نیچے سے ہمارے دونوں پاسپورٹ نکال کر سیدھا ہو گیا۔ میں حیران تھا کہ اس نے شروع سے ہمارے پاسپورٹ بے پروائی سے ایک ہی جگہ رکھے ہوئے تھے۔

''میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ تم دونوں نے اتنے زیادہ ملکوں کے ویزے کیوں لیے ہوئے ہیں۔'' اس نے پاسپورٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا پھر اچانک اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ڈان اپنی حرکات و سکنات سے ڈراما پیدا کرنے میں ماہر تھا۔ اس کی نئی حرکت سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سا نکتہ نکالنے والا تھا۔

''تمہیں ان چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' ڈان بے پروایانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''آج چاؤ فان نے بہت لمبا ہاتھ مارا ہے۔ اب یہ عیاشی اور حرام خوری کرتا رہے گا۔ یہ سب چیزیں یہی دیکھ لے گا۔ اپنے ٹکٹ بھی اسے دے دینا۔ چند روز بعد جب چاہو گے' یہ بکنگ کرا دے گا۔''

مسکرانے کی کوشش میں چاؤ فان کا دہانہ کسی مینڈک کے منہ کی طرح پھیل گیا۔ وہ اپنی مضحکہ خیز حرکتوں سے ڈان کی چاپلوسی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

''اسے اس کی دنیا میں مگن رہنے دو۔ میرے یہ ذاتی کام بہت احتیاط اور توجہ چاہتے ہیں۔ انہیں میں خود سرانجام دوں گا۔ چاؤ فان ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں ڈال کر بھول گیا تو میں پریشان ہو جاؤں گا۔''

میری زبان سے لمبی گھوڑی کے الفاظ ادا ہوتے ہی چاؤ فان کا چہرہ دھواں ہو گیا اور وہ بوکھلا کر فریادی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

ڈان نے پاسپورٹ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس آوارہ عورت پر اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس لمبی گھوڑی کا ایک گدھے سے میل نہیں ہو سکتا۔''

ڈان کے توہین آمیز تبصرے پر چاؤ فان کے بشرے پر لمحہ بھر کے لیے زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے کانپ کر رہ گئے مگر وہ اپنی دلی خواہش کے باوجود مادام لی کے بارے میں اپنی فاتحانہ کارگزاری کا اظہار نہ کر سکا۔

پاسپورٹ واپس ملتے ہی میری جان میں جان آئی۔ میں نے ڈان کی کسی نئی ذہنی اختراع سے پہلے وہ اپنی جیب میں رکھ لیے۔

''اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''جاؤ اور عیش کرو!'' ڈان مسہری سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ''دشمن کی تباہی کے جشن کے بارے میں' میں خود تمہیں اطلاع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوں گا۔''

اس نے بڑھ کر گرم جوشی سے مجھے اپنے سینے سے لگایا' دو تین بار مجھے زور سے بھینچا اور الگ ہوگیا۔ چاؤ فان کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

میں وہاں پہنچا تو ڈان نے سرد مہری کی فضا میں ملاقات کی تھی۔ واپسی پر وہ ہمیں رخصت کرنے کے لیے نیچے تک آیا اور میں اسے الوداعی تعظیم دے کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔

''ماسٹر! تم نے ڈان کے سامنے مادام کا حوالہ دے کر میری جان نکال دی تھی۔'' ڈان کی قیام گاہ سے کچھ دور نکل آنے کے بعد چاؤ فان نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''خدا کا شکر ادا کرو کہ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہوٹل میں میری راہ کا روڑا بننے سے پہلے تم کہاں مصروف تھے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''یہ میں مانتا ہوں۔'' اس نے بلا تردد کہا۔ ''رفتہ رفتہ تمہیں بھی اندازہ ہوگیا ہے کہ بعض باتوں کا ڈان سے پوشیدہ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ اس سے ہماری وفاداری پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ایک دوسرے سے دل کھول کر بات کرنے میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' قدرے ٹھنک کر اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

گاڑی میں واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے مجھے نئی فکر لاحق ہوچکی تھی۔ مجھے یہ جان کر دھچکا لگا تھا کہ ڈان کے ذہن میں میری طرف سے شبہات موجود رہے تھے اور وہ خفیہ طور پر ان کی چھان پھٹک میں مصروف رہا تھا۔ کڑوی کسیلی باتوں کے بعد اس نے مجھے ہر شک و شبہے سے بالاتر قرار دے دیا تھا مگر میں مطمئن نہیں ہوسکا تھا۔

راجن کا فتنہ ختم ہوجانے کے بعد ڈان کو میدان میں اترنے کا کھلا موقع مل چکا تھا۔ اسے پسِ پردہ رہ کر اپنا کام چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ راجن کے خلاف اس کی طاقت کا بے رحمانہ مظاہرہ منظر پر آنے کے بعد بنکاک میں کسی میں اتنا دم خم نہیں رہا تھا کہ وہ ڈان کے خلاف سر اٹھاتا۔ زیرِ زمین دنیا کے ہر قابلِ ذکر فرد کو اس کی اطاعت قبول کرنی پڑتی۔ افرادی وسائل میں ہونے والے اس اچانک اضافے کے نتیجے میں ڈان کے ہاتھ بہت لمبے ہوجاتے۔ وہ چاہتا تو زیادہ تسلسل اور باریکی سے میری نگرانی کا بندوبست کرسکتا تھا۔

پاکستان سے جلال کا پیغام میرے لیے حوصلہ شکن تھا۔ بنکاک میں ڈان یکے بھڑک جانے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنا اصل نام استعمال کرنے سے ناصر ہو چکا تھا۔ یہ حالات کی کرم فرمائی تھی کہ میں نے جلال کی ہدایات سے تجاوز کرتے ہوئے موتی محل میں اپنے اصل نام سے راجن کا سامنا کیا اور اسے جوزی سمیت بیم گن کی دھار پر اڑا دیا۔ مجھے شہرت کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ میرے چنگل میں آنے والے حریف کو پوری طرح یہ علم تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔

میں نے اپنی دلی آرزو کے مطابق راجن کو مار لیا تھا۔ اس واردات کے سلسلے میں میرا اصلی نام سامنے آنے کی امید تھی نہ بیم گن کے استعمال کا کوئی سراغ ملنے کا امکان باقی رہا تھا مگر میری چھٹی حس مستقبل کے بارے میں مجھے بدگمان کر رہی تھی۔ میری ذرا سی لغزش یا بے احتیاطی ڈان کے ساتھ میرے تصادم پر منتج ہوسکتی تھی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو کچھ دور تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ روایت کے مطابق چاؤ فان نے ہی سکوت کا سلسلہ توڑا اور بولا ''ماسٹر! آج میں نے جان لیا کہ تمہارا دماغ جتنا گرم ہے، خون اسی قدر ٹھنڈا ہے۔''

''اگر تمہیں سردی لگ رہی ہے تو گاڑی کا ایر کنڈیشنڈ ذرا دھیما کرلو۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''میری بات مذاق میں مت ٹالو۔'' اس کی سنجیدگی برقرار رہی ''تم ذرا سی دیر میں موتی محل میں تین آدمی مار آئے اور ڈان سے اتنے اطمینان سے باتیں کر رہے تھے جیسے تم نے آدمی نہیں مچھر مارے ہوں۔ ایسا سکون عام آدمی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ انسان کا خون بہانا بڑے دل جگر کی بات ہے۔ ایک قتل کا بوجھ سہنے کے لیے بھی فولادی اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے، تم نے ایک ساتھ تین مار ڈالے۔ پھر بھی تمہارے اوپر کوئی وحشت یا گھبراہٹ نہیں تھی۔''

''تم جس خون کی بات کر رہے ہو۔ وہ معصوم آدمی کا خون ہوتا ہے۔ راجن اور اس کے دونوں ساتھی پرانے پاپی تھے۔ انہیں مار کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔''

''تم کچھ بھی کہہ لو، مجھے تم کسی عام آدمی سے ہمیشہ مختلف نظر آئے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خوں ریزی تمہاری گھٹی میں شامل رہی ہو۔'' اس نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''خدا خدا کر کے ڈان سے جان چھوٹی تو اب تم نے وہی خرافات دہرانا شروع کردیں۔'' میں نے برہمی سے کہا ''میں کس کس کو اور کیسے سمجھاؤں کہ میں ایک عام آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔''

''ماسٹر! مجھے غلط نہ سمجھو!'' اس نے جلدی سے وضاحت کی ''میری اور ڈان کی کہی ہوئی باتوں میں بہت فرق ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں، میں تمہاری خوبی یا خرابی بتا رہا تھا۔''

''دنیا میں کوئی دو آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ تم مجھے کسی بھی زمرے میں شمار کر سکتے ہو۔ میں تم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنی معمول کی زندگی میں مصروف ہو جاؤں گا جو تمہارے تصور سے زیادہ سیدھی اور آسان ہے۔''

''تم نے میری اور مادام کی آج کی ملاقات کا ڈان سے ذکر نہ کر کے مجھ پر احسان کیا۔ میں نے اس سے پہلے اس کا بدلہ چکا دیا تھا۔'' چند منٹ تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد چاؤفان نے پھر ایک شگوفہ چھوڑ دیا۔

''میں اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہوں۔ تمہاری طرح شہر کی ہر عورت کے پیچھے مارا مارا نہیں پھرتا۔ تم نے مجھ پر کون سا احسان کیا تھا؟'' میں نے قدرے تنک کر پوچھا۔

''ماسٹر! یہ نہ بھولو کہ جب وہ تمہیں ڈینی بنانے پر تلا ہوا تھا تو اس نے تمہارے حریفوں کی پُراسرار اموات کا ذکر کیا تھا اور میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ''میں اب بھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا ہوں کہ چھوٹا راجن کے دو ساتھی ہماری جیپ کے پاس کھڑے کھڑے اچانک کیسے مر گئے۔''

''تم نے پھر یہ ذکر نکال لیا۔'' میں نے اسے آنکھیں دکھائیں ''تمہیں یاد نہیں کہ ان میں ایک کو تم نے اور دوسرے کو میں نے مارا تھا۔''

''یہ کہانی چھوڑ دو۔ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میں نے ڈان سے کہہ دیا'' وہ مکارانہ لہجے میں بولا ''میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں تم نے مارا۔ ذرا غیر جانب دار ہو کر سوچو۔ کیا ان کی اموات عجیب نہیں تھیں.....؟ بعد میں وہاں صرف تم رہ گئے تھے اور وہ لاشیں گاڑی میں جل گئیں۔ آج تم نے خود اقرار کیا ہے کہ موتی محل میں تم نے تینوں لاشوں کو جلا دیا۔''

''تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے غرا کر جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

''ناقابلِ یقین..... پُراسرار!'' اس نے زور دے کر کہا ''ڈان کئی باتوں سے بے خبر ہے مگر اس نے اپنے تجربے کی بنا پر وہی کہا جو میں سوچے جا رہا ہوں۔ آخر تمہارے دشمن تمہارے روبہ رو آتے ہی اتنی آسانی سے کیوں مر جاتے ہیں۔''

''سوچتے رہو اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے آگاہ کر دینا۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔

ہمارا بقیہ سفر غیر اہم باتوں میں گزر گیا۔ چاؤفان نے اپنی فطری ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے میرا موڈ بحال کر دیا تھا۔ شہر پہنچنے کے بعد وہ مجھے بلٹن ہوٹل کے باہر اتار کر چلا گیا۔

غزالہ بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ راجن اور پھر ڈان کے پاس ہونے والی میری پے در پے پیشیوں نے اسے اعصاب زدہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میری اور ڈان کی ملاقات کا ماحول بہت خوشگوار رہا تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی سنسنی خیز تلخیوں کا تذکرہ میں نے دانستہ گول کر دیا تاکہ وہ ہراساں نہ ہو۔

اس نے بتایا کہ موتی محل میں آتش زدگی کی خبر ٹیلی وژن تک پہنچ چکی تھی۔ موتی محل ویران ہو جانے کے سبب آگ اندر ہی اندر پھیل کر راجن کے بیش قیمت اثاثوں کو چاٹتی رہی۔ قرب و جوار کے لوگوں کو اندر آتش زدگی کا علم ہوا تو آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ طویل جدوجہد کے بعد اس وسیع و عریض عمارت کے بیرونی حصوں کے شعلوں پر قابو پا لیا گیا تھا لیکن وہاں سلگتے ہوئے ملبے کا اتنا کثیف دھواں بھرا ہوا تھا کہ عمارت کے اندرونی حصوں تک رسائی ناممکن تھی۔ عمارت کے وسط سے بہ دستور دھویں اور خوفناک شعلوں کے بادل اٹھ رہے تھے جن پر قابو پانے کے لیے ہیلی کاپٹر سے آگ بجھانے والے کیمیائی مادوں کے چھڑکاؤ کی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

اس وقت خبروں میں صرف آگ ہی کا تذکرہ تھا۔ شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ آگ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کی چتا بنی ہوئی تھی۔ ملبہ ہٹائے بغیر ان لاشوں کا دریافت ہونا ناممکن تھا۔ ٹیلی وژن مبصر نے اس آگ کو موتی محل پر صبح ہونے والے حملے کا تسلسل قرار دیا تھا۔

''سوبھراج کے بعد راجن بھی جہنم واصل ہوا۔'' غزالہ مجھ سے کہہ رہی تھی ''جلال نے آپ کو فی الحال پاکستان جانے سے روکا ہوا ہے۔ ہم یہاں ٹھہرے رہے تو ڈان آپ کو چین نہیں لینے دے گا۔ وہ آپ کی کارگزاریوں سے خاصا خوش ہے۔''

''پاسپورٹ مل گئے لیکن چند روز تک ہم یہیں رہیں گے۔'' میں نے اپنی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی گود میں ڈال دیے ''ڈان کی کامیابی کے جشن کے بعد میں خود بھی یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ اب کدھر کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخ کیا جائے۔''

''آپ جب سے یہاں آئے ہیں، مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے اس بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ کسی اور ملک میں پڑاؤ ہوگا تو آپ سے ذرا تفصیل سے بات ہوگی۔'' غزالہ نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے بشاشت سے کہا۔ اس کی یاقوتی ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیلا ہوا تھا۔

''میں مسائل کا عادی ہوں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔ اپنی زبان بند رکھوگی تو بلاوجہ ذہنی خلفشار میں مبتلا رہوگی۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی۔

''ابھی نہیں!'' وہ اٹھلا کر ایک ادا کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور قریب آ کر محبت سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ غزالہ کا خاص حربہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے وجود کا خواب آگیں لمس محسوس کر کے میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

دس بجے ہم اپنے کمرے میں کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ راجن کی موت اور ڈان سے تازہ ترین ملاقات کے بعد اس وقت کسے میری تلاش ہوسکتی تھی۔

فون اٹھایا تو اسکرین پر طارق کا نمبر موجود تھا۔

''علی! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سلسلہ ملتے ہی بلا کسی تمہید سوال کیا۔

''غالباً فون ہو رہا ہے اور کال تمہاری ہے!'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا ''موتی محل مسلسل عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ وہاں بھیانک آگ لگی ہوئی ہے۔ شہر کا ہر افسر اور رپورٹر راجن کی تلاش میں لگا ہوا ہے لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔''

''نہیں ملے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے بتایا ''وہ بھی اندر ہی ہے، ملنے جلنے سے معذور۔ اسے اب ایک بھولا ہوا خواب سمجھ لو۔''

''تمہاری رفتار بہت تیز نہیں ہے؟'' اس نے محتاط آواز میں پوچھا۔

''حالات کے ریلے میں بہہ رہا ہوں۔ یہ جانتے ہو نا کہ ریلے میں جو اپنی رفتار دھیمی کرنے کی حماقت کرتا ہے، دوسرے اسے روندتے اور پیستے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

''میرے لیے کوئی نیا کام؟'' وہ مختصر گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے میری دی ہوئی خبر پر مزید تبصرہ نہیں کیا۔

''آرام کرو، ضرورت ہوئی تو میں خود رابطہ کرلوں گا۔'' مجھے اس کا روکھا انداز پسند نہیں آیا۔

''اللہ حافظ اور گڈ لک!'' اس نے فون بند کر دیا۔

طارق بنکاک میں اپنے محکمے کا باضابطہ نمائندہ تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے بڑوں نے مجھ سے تعاون کے سلسلے میں اسے جو زبانی ہدایات دی تھیں وہ اس کے سرکاری دائرۂ کار سے متجاوز تھیں۔ وسیع تر ملکی مفاد میں ان ہدایات پر عمل کرنا اس کی مجبوری تھا لیکن وہ کشت و خون کے معاملات سے بہت دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے اسد کی جگہ لینے کے لیے بنکاک آئے چند ہی روز گزرے تھے۔ وہ وہاں کے حالات کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے واقف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میری مدد کرنے کے چکر میں اگر وہ کہیں پھنس گیا تو کوئی بھی اس کی مدد نہیں کر سکے گا۔ اپنی قانونی حدود سے تجاوز کرنے کے الزام میں اسے ناپسندیدہ قرار دے کر بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکال دیا جائے گا۔

طارق کی ان مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے میں اس کے روکھے پھیکے رویے کو نظر انداز کرنے میں کوئی ہتک محسوس نہیں کر رہا تھا۔

اس کے لیے سر منڈاتے ہی اولے پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھا تو راجن کی وائٹ ہاک کی عبرت ناک تباہی کی تازہ ترین خبر شہر بھر میں گردش میں آئی ہوئی تھی۔ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی سے پہلے اسے سمندر کی طرف دوڑ لگانا پڑی۔ اپنی آنکھوں سے اس واقعے کا مشاہدہ کرتے ہی اس نے وہ خبر تیزی سے اپنے بڑوں تک پہنچا کر مجھے حیران کر دیا۔

اپنے خشک رویے سے قطع نظر وہ ایک مستند اور فرض شناس افسر تھا۔ مجھے پوری توقع تھی کہ وہ راجن کی ہلاکت کی خبر بلا تاخیر اسلام آباد والوں کو پہنچا دے گا اور رات میں کسی بھی وقت میرے پاس جلال کا فون آ جائے گا۔ میں اس روز صبح سے اتنا زیادہ مصروف رہا تھا کہ مجھے جلال یا اول خان میں سے کسی سے بات کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ بہتر یہی تھا کہ جلال اپنے آدمی سے مصدقہ خبر ملنے کے بعد مجھ سے رابطہ کرتا۔

میں دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھکا ہوا تھا۔ غزالہ بھی دن بھر صبر آزما انتظار سے گزرتی رہی تھی۔ ہم دونوں کپڑے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گئے۔ میری نگاہیں ٹیلی وژن اسکرین پر تھیں، کان ٹیلی فون کی گھنٹی پر لگے ہوئے تھے لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ بستر پر کروٹیں بدلنے کے باوجود نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بنکاک کا وقت کراچی اور اسلام آباد سے دو گھنٹے آگے ہونے کی وجہ سے مجھے اندازہ تھا کہ جلال اپنے معمولات سے نمٹ کر فون کرے گا تو ہماری آدھی رات بیت چکی ہوگی۔ اس سے بات ہونے سے پہلے میری آنکھوں میں نیند کا اترنا محال تھا۔

بارہ بجے کے قریب میرے کراچی والے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرا ذہن جلال کی طرف گیا۔ میں نے اسکرین پر نمبر دیکھے بغیر کال سنی تو دوسرے سرے سے ویرا کی سنجیدہ آواز سن کر میں پریشان ہو گیا۔

''علی! کیا تم اس وقت ہماری طرف آ سکتے ہو؟'' ویرا نے تفکر آمیز انداز میں وہ سوال کر کے مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔

''نہیں، یہ ناممکن ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔ اس سے یہ طے ہو چکا تھا کہ بنکاک میں ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ ڈان سے آخری ملاقات میں ہونے والی پُرپیچ گفتگو کے نتیجے میں وہ احتیاط اور زیادہ ضروری ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس سے پوچھا ''اس وقت تمہیں میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''معاملہ سنگین اور نازک ہے، کیا میں کھل کر بات کر سکتی ہوں؟''

بنکاک کے فون سسٹم کی خوبیوں کے بارے میں ڈان خاصے وثوق سے مجھے کئی مثبت باتیں بتا چکا تھا۔ ویسے بھی ویرا نے اس کال کے لیے لینڈ لائن استعمال نہیں کی تھی۔ میری دانست میں موبائل فون خاصا محفوظ تھا۔ جلال، اسد اور طارق وغیرہ سے اہم گفتگو کے لیے میں اسے استعمال کرتا رہا تھا اور کسی مرحلے پر کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہماری ساری گفتگو اردو میں ہوتی تھی جو کسی اور کے لیے ناقابلِ فہم ہوتی۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''موبائل فون پر بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں..... اس وقت تم کچھ خائف معلوم ہو رہی ہو!''

''آج ہماری غیر موجودگی میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔'' ویرا نے سلطان شاہ کے بارے میں وہ انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے بے یقینی سے کہا ''ممکن ہے کہ کمرے کی صفائی کرنے والے عملے نے کچھ چیزیں اِدھر اُدھر کر دی ہوں!''

''میں نے پورا اطمینان کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔'' وہ بولی ''آج شام ہم دونوں شہر گھومنے کے لیے نکل گئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے واپس آئے ہیں۔ کمرے میں سلطان شاہ کا ایک چھوٹا دستی بیگ غائب ہے جس میں اس نے نیویارک اور ٹورنٹو کی بہت سی چھوٹی چھوٹی یادگاری اشیا جمع کی ہوئی تھیں۔''

''وہ عقل سے بالکل کورا ہے۔ اسے یہ سب ساتھ لے کر پھرنے کی کیا ضرورت تھی!'' دستی بیگ میں موجود اشیا کے بارے میں سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔

''مجھے بھی اس بارے میں اب پتا چلا ہے۔'' ویرا کی آواز نرم تھی۔ شاید سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ میں پریشان ہوں کہ یہاں کون ہمارے پیچھے لگ گیا ہے اور اس کے کیا عزائم ہیں۔''

''وہ جو بھی ہے تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ اپنے دشمنوں کے ارادوں سے تم اچھی طرح باخبر ہو۔''

میں نے کہا ''اس بارے میں کسی غلط فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔''

''میرے لیے یہ بات حیرت ناک ہے کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی اور میرے کمرے کو نہیں چھیڑا گیا۔'' ویرا بولی۔

''کسی دشمن کا تعین کرنے کے لیے اس بات کا واضح ہونا ضروری ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''اپنے فلور کے عملے سے چھان بین کرو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے تمہارے کمرے کی تلاشی کی نوبت نہ آ سکی ہو۔ مجھے تمہارے ہم وطنوں پر شک ہو رہا ہے۔''

''ہم مکمل رازداری کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ انہیں ہماری بھنک کیسے مل گئی؟'' ویرا نے اپنی سوچ کے مطابق اہم سوال اٹھایا۔

ویرا پرانے دور کے مطابق سوچ رہی تھی جب امیگریشن وغیرہ کے معاملات سوفی صد انسانی صوابدید اور دفتری ریکارڈ پر منحصر ہوتے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ چند عشروں میں کمپیوٹر کے بھرپور استعمال نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ ویسے تو پورے مغرب میں اور مشرق کے ترقی یافتہ ملکوں میں کمپیوٹر نے زندگی کے ہر شعبے میں دخل حاصل کر لیا تھا لیکن امریکا اور کینیڈا اس ذیل میں سب سے آگے تھے۔ کینیڈا کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

امریکا کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس اعتبار سے ان کے بہت سے مفادات، خاص طور پر سرحدی مسائل مشترک تھے اور وہ ان کے حل کے لیے ایک مدت سے مل جل کر کام کر رہے تھے۔

اخبارات وغیرہ میں ایسی خبریں میری نظروں سے گزرتی رہتی تھیں جن کے مطابق امریکا میں سارے امیگریشن کاؤنٹر ایک مضبوط نیٹ ورک کے ذریعے آپس میں منسلک تھے۔ نیویارک سے امریکا میں داخل ہونے والا کوئی بھی شخص اگر لاس اینجلس سے روانہ ہوتا تھا تو وہاں کا امیگریشن افسر اس کے کوائف اپنے کمپیوٹر میں ڈالتے ہی چند لمحوں میں یہ جان لیتا تھا کہ وہ شخص کب اور کہاں سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔

وہ دونوں البرٹو کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد اپنی دانست میں امریکی ایجنٹوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نیویارک سے فرار ہوئے تھے اور ٹورنٹو سے ہوتے ہوئے بنکاک آ گئے مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ نیاگرا چیک پوسٹ پر ان کے کوائف کے اندراجات سے سی آئی اے یا ایف بی آئی والوں کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ امریکا سے نکل کر کہاں گئے تھے۔

ٹورنٹو میں ہوٹلوں کے ریکارڈ میں گھسے بغیر انہیں امیگریشن کے مرکزی کمپیوٹر ریکارڈ سے یہ پتا چل سکتا تھا کہ ان کے مطلوبہ افراد کینیڈا سے نکل کر کدھر گئے ہیں۔ یہ سراغ مل جانے کے بعد ان کے لیے بنکاک کے ہوٹل تک رسائی حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم رازداری کے ساتھ یہاں آئی ہو۔'' میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ ''یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ نام اور پاسپورٹ نمبر ڈالتے ہی کمپیوٹر سب کچھ اگل دیتا ہے۔

قانونی طریقوں سے سفر کرنے والوں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔''

''تم ایک دم انتہائی نتائج پر چھلانگ لگا کر دم نکال دیتے ہو۔ یہ حرکت کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر تبصرہ کیا۔

''تم کسی خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتی ہو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ اس واقعے میں کون لوگ ملوث ہیں۔ وہ اکبر کے کمرے سے ایسے ثبوت نکال لے گئے جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم دونوں کہاں کہاں رکے تھے۔ یہ بھی سوچو کہ تمہیں یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزر رہا ہے۔ تم مشکل سے یہاں کسی سے ملی ہو گی۔ یہاں تمہارا کوئی دوست ہے نہ دشمن۔''

''کیا وہ کوئی چور اچکا نہیں ہو سکتا؟'' ویرا نے نکتہ آفرینی کی۔

''تم کسی مسافر خانے میں نہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہو۔ ان کی ہوم سکیورٹی بہت سخت ہوتی ہے۔ یہ خفیہ طور پر ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھتے ہیں۔ وہاں چور اچکوں کا گزر نہیں ہو سکتا۔ یہ حرکت کسی ایسی شخصیت کی ہے جو شکل صورت اور اپنے لباس سے معزز یا کم از کم قرینے کی نظر آ رہی ہو۔ چور آتے ہیں تو بے وقعت چیزیں نہیں لے جاتے۔ نقدی اور قیمتی اشیا ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ خود فریبی اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''اکبر کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں۔ نقدی اور پاسپورٹ ہم ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں..... لیکن نہیں۔ وہ بتا رہا ہے کہ اس کی کھڑکی کمرے میں تھی، اسے نہیں چھوا گیا۔''

''تم دونوں کے لیے خطرے کی گھنٹی بج گئی ہے۔ میں تمہیں یہاں آنے سے روک رہا تھا مگر تم نہیں مانیں۔ اب ہم سب کو مسائل کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

''ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ساری گڑبڑ البرٹو کی ذات سے ہوئی۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہم ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں ٹک سکتے تھے۔ اگر ریکارڈ وغیرہ کے بارے میں تمہارے اندازے درست ہیں تو ہم جہاں بھی جاتے وہاں ہمارے لیے یہی مسائل کھڑے ہو جاتے۔ اب ہماری گلوخلاصی کے بارے میں سوچو۔''

''کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔'' میں نے تشویش سے کہا ''خطرے کی بات یہ ہے کہ یہ ہوٹل ان کی نظروں میں آ چکا ہے۔ وہ کسی بھی وقت دوبارہ وہاں آ سکتے ہیں۔ تم کو فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔ اس طرح تم کو کچھ وقت مل جائے گا۔''

''کیا ہم یہ رات کھلے آسمان کے نیچے گزاریں گے؟''

''بنکاک بہت مہمان نواز شہر ہے۔ بڑے ہوٹلوں کے لگے بندھے قواعد وضوابط ہوتے ہیں۔ ان کا عملہ اپنے اصولوں سے ہٹ کر کسی کو جگہ نہیں دیتا۔ شہر میں بہت سے چھوٹے ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس ہیں۔ رقم کے لالچ میں ان کے مالکان کوئی پوچھ گچھ نہیں کرتے۔ عارضی طور پر ایسے کسی ٹھکانے میں ڈیرا ڈال لو۔ کوئی نہیں پوچھے گا کہ تم کون ہو اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں سے آئی ہو۔''

وہ میری تجویز سے اسی لمحے متفق ہوگئی۔ بنکاک اس کے لیے نیا شہر نہیں تھا۔ ماضی میں وہ بارہا وہاں آتی رہی تھی۔ نئے ٹھکانے پر نام بدل کر وہ دونوں آسانی کے ساتھ اپنے نامعلوم دشمنوں کی نگاہوں سے روپوش ہو سکتے تھے۔

میں نے اسے تاکید کی کہ وہ نئے ٹھکانے پر قدم جماتے ہی مجھے باخبر کردے۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اندیشہ سر ابھار رہا تھا مگر میں نے اس کا ذکر کر کے اسے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ کسی آڑے وقت میں وہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔

راجن اور موتی محل کے انجام کے بارے میں وہ بے خبر تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

☆☆☆

''کیا طے ہوا؟'' مجھ سے بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے مضطربانہ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

''ڈینی کہہ رہا ہے کہ ہم دونوں کو شادی کر کے فوری طور پر ہنی مون منانے کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ!'' سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر بے زاری سے کہا ''تمہارے سر پر ہر وقت ایسی خرافات سوار رہتی ہیں۔ کیا تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے کمرے کی تلاشی کا واقعہ بہت سنگین ہے۔ ہمارے سروں پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔''

''واقعہ سنگین ضرور ہے لیکن ہم کو صبر و تحمل کے ساتھ اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔'' ویرا نے اپنے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ''ڈینی کی رائے میں ہمیں فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے مگر میں یہاں سے جانے سے پہلے کچھ چھان بین کرنا چاہتی ہوں۔''

''ڈینی کا مشورہ مناسب ہے مگر یہ سوچ لو کہ کوئی یہاں تک آ پہنچا تو اب ہمیں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ ہماری نگرانی کی جا رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات کہہ دی جس کا ذکر میں نے دانستہ گول کر دیا تھا۔

ویرا سوچ میں پڑ گئی۔ سفر میں درپیش مراحل کی وجہ سے وہ دونوں ابتدا سے غیر مسلح رہے تھے۔ صرف ویرا کے پاس بیم گن موجود تھی۔ جسے وہ کسی نہ کسی طرح اپنے سامان میں چھپا کر ساتھ لانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

میری اور اس کی ملاقات اس اعتبار سے سودمند رہی کہ اسے بنکاک کے تازہ ترین حالات کے بارے میں علم ہوگیا۔ وہ جانتی تھی کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلال نے میرے لیے بیم گن کے استعمال پر پابندی لگادی تھی۔ وہ ہتھیار میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کسی ناگزیر مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرتی تو ہر طرف یہی گمان کیا جاتا کہ بیم گن میں نے استعمال کی ہے اور میں یقینی طور پر بنکاک میں موجود ہوں۔

اس اعتبار سے اس کے پاس بیم گن کا ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا۔ ایسا ہتھیار جسے ضرورت پڑنے پر استعمال نہ کیا جا سکے، اس کے لیے بے سود تھا۔

باہمی مشورے سے انہوں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے حساب چیک کیا تو ان کی کچھ رقم فاضل تھی۔ خاموشی سے ہوٹل چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے ویرا نے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے حساب بے باق کرنے کی ہدایت کردی۔

ویرا نے اپنے کمرے میں جا کر انٹرکام پر روم سروس کی ایک ویٹرلیس کو بلایا۔ وہ نوجوان مقامی دوشیزہ تھی اور مقامی لب و لہجے کی فطری تتلاہٹ سے قطع نظر روانی سے انگلش بول رہی تھی۔ ویرا کا خیال تھا کہ اسے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لیے باری باری فلور کی ہر ویٹرلیس سے بات کرنا پڑے گی لیکن خوش قسمتی سے اس کی پہلی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔

ویرا نے اسے کمرے میں بٹھا کر ذاتی نوعیت کے چند سوالات کیے پھر خاموشی سے سوبھات کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا جو گائن ویت وائی نامی لڑکی نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا۔

گائن نے ویرا کے استفسار پر بتایا کہ نو بجے کے لگ بھگ وہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے کمروں میں کھانا پہنچانے میں مصروف تھی تو برابر والے کمرے سے ایک لمبا سا امریکی برآمد ہو کر ویرا کے کمرے کے دروازے پر آیا۔ گائن کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور دروازے پر چند دستکیں دینے کے بعد دوبارہ برابر والے کمرے میں گھس گیا۔

اپنے بالوں کی تراش اور چال ڈھال سے وہ کوئی فوجی معلوم ہو رہا تھا لیکن اس وقت قمیص اور پتلون میں ملبوس تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام فلور پر کئی مہمانوں نے کمروں میں کھانا طلب کیا تھا۔ گائن کا اپنی سروس ٹرالی سے کمروں تک پھیرے لگانے میں کافی وقت صرف ہوگیا۔ اس دوران میں کم وبیش پندرہ منٹ کے وقفے سے وہی امریکی دوبارہ کوریڈور میں نکل آیا۔ غیر متوقع طور پر گائن کو وہیں موجود پاکر اس نے مزاحیہ انداز میں اسے آنکھ ماری اور ویرا کے کمرے کے دروازے پر جا رکا۔

کمروں کی حفاظت اور دیکھ بھال فلور اسٹاف کی ذمے داریوں میں شامل تھی۔ گائن رک کر اس کا جائزہ لیتی رہی۔ اس بار امریکی سولجر نے دروازے پر صرف ایک بار دستک دی اور برابر والے کمرے میں جانے کے بجائے لفٹ کی طرف ہولیا۔

ہوٹل کے ہر فلور پر اس کثرت سے مہمان بدلتے رہتے تھے کہ گائن کے لیے یہ یاد رکھنا دشوار تھا کہ کون کس کمرے میں مقیم ہے۔ وہ سمجھی کہ برابر والا کمرا اسی امریکی کا ہے حالانکہ وہ سلطان شاہ کا کمرا تھا۔ ویرا کو اس لڑکی سے مطلوبہ کڑیاں مل گئی تھیں۔ اس نے مزید سوبھات دے کر اسے رخصت کردیا۔

بات واضح ہوگئی۔ نامعلوم امریکی نے سلطان شاہ کے کمرے میں خاصا وقت گزارنے کے ساتھ ویرا کے دروازے پر بھی اپنا مقدر آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن گائن کی موجودگی کے سبب اسے تالے میں طبع آزمائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ویرا کے ذہن میں رہی سہی موہوم سی خوش فہمی بھی رفع ہوگئی۔ معاملہ واضح ہوگیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح امریکیوں کو اس کی موجودگی کی بھنک مل گئی تھی۔

کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ البرٹو ان کا غدار تھا۔ وہ اس کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور آخر کار ان کی ایک مرد مار ایجنٹ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ البرٹو کو اس کی نظروں میں آئے کتنا عرصہ ہوا تھا۔

جب اس ایجنٹ نے برسرِ عام البرٹو پر ہاتھ ڈالا تو سلطان شاہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بھاگ کر اپنی جان بچالی لیکن سی آئی اے اس کی بو پر لگ چکی تھی۔ وہ لوگ ایسے آدمی کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے تھے جو ان کے باغی کا ہمدرد اور ساتھی رہا ہو۔

وہ معاملہ سراسر البرٹو کی ذات سے وابستہ تھا اس لیے پہلے اس کے کمرے کی تلاشی لی گئی۔ ویرا کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ اکبر یا سلطان شاہ کی ساتھی تھی۔ ان لوگوں نے اسے ویرا لائیڈ کی حیثیت سے شناخت نہیں کیا تھا۔

اگر وہ اسے پہچان لیتے تو بات کمرے کی تلاشی تک محدود نہ رہتی۔ وہ ہوٹل میں پہنچتے ہی اسے پکڑنے کے لیے ایسا جال پھیلاتے کہ مجھ سے رابطہ کرنے سے پہلے اسے قید کرلیا جاتا۔

اس کے لیے یہ اطمینان کی بات تھی۔ خطرہ سامنے آگیا تھا لیکن اس کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ ویرا لائیڈ کو وہ پوری قوت کے ساتھ زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنے کی کوشش کرتے جب کہ اکبر کی ساتھی ریٹا کو وہ باز پرس کے لیے پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ زندہ ہاتھ آنے کے بعد ہی اکبر اور البرٹو کے مشتبہ مراسم کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرسکتی تھی۔

وہ ویرا کا اپنا تجزیہ تھا۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے وہ اہم ترین نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔ میرے ذہن پر صرف ایک خوف سوار تھا کہ آخر کار امریکی ایجنٹ ویرا کی راہ پر لگ گئے تھے۔

ویرا نے دنیا میں اپنی عمر سے زیادہ نشیب وفراز دیکھے ہوئے تھے۔ شی میں بلیک کوئین کے روپ میں اس نے منشیات فروشوں کے ایک بڑے گروہ کی کامیاب قیادت کی تھی۔ اس نے فوری طور پر ہوٹل سے روانگی کی حکمتِ عملی طے کرلی۔

ہوٹل کے حساب کتاب سے فارغ ہوکر ان دونوں نے اپنا سامان سمیٹا جو دونوں کے الگ الگ سفری بیگوں میں سما گیا۔

آپس میں آخری مشاورت کے بعد وہ ویرا کے کمرے سے نکلے۔ سلطان شاہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا، ویرا نے زینوں کی راہ لی۔

ویرا زینے طے کرکے ہوٹل کی لابی میں پہنچی تو سلطان شاہ اپنا مختصر سا بیگ اپنے کندھے پر لٹکائے ہوٹل کے صدر دروازے کے قریب پہنچ رہا تھا۔

رات گہری ہوجانے کے باوجود ہوٹل میں آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ان میں ہر قوم اور رنگ کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ویرا بہت دھیان دینے کے باوجود سلطان شاہ کے پیچھے جانے والوں میں کسی ایسے فرد کی نشان دہی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی جسے وہ اپنے حریفوں کا ہرکارہ تصور کرتی۔

وہ بھی اطمینان سے اسی سمت میں چل دی لیکن اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل و دماغ میں ہلچل کا ایک طوفان سا برپا تھا۔

وہ شہر کا مرکزی اور نہایت بارونق علاقہ تھا۔ اندھیری رات ہونے کے باوجود فٹ پاتھ اور سڑکیں اسٹریٹ لیمپس اور اشتہاری روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ ہوٹل سے نکلتے ہی اسے بائیں طرف کے فٹ پاتھ پر سلطان شاہ نظر آ گیا جو بہ ظاہر اپنے گرد و پیش سے بے پروا، سیدھا چلا جا رہا تھا۔

ہوٹل سے پیدل روانگی ویرا کے پروگرام کا بنیادی حصہ تھی۔ وہ دونوں الگ الگ سواری لیتے تو شہر کے پُرہجوم ٹریفک میں ان کے ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے قوی امکانات ہوتے۔ شہر کے اس حصے میں آدھی رات کے بعد بھی سیاحوں اور شہر کے من چلوں کی خاصی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی۔ پیدل سفر کرنے کی صورت میں ویرا آسانی سے سلطان شاہ پر نظر رکھ سکتی تھی۔

سلطان شاہ کو اس نے دانستہ آگے رکھا تھا۔ اگر تلاشی لینے والے کے بارے میں اس کا نظریہ درست تھا تو سلطان شاہ کو اس کا خاص ہدف ہونا چاہیے تھا۔ ایسی صورت میں پیچھا کرنے والا سلطان شاہ اور ویرا کے درمیان آ جاتا۔

سلطان شاہ فٹ پاتھ پر سیدھا چلتا رہا۔ اچانک وہ ایک جگہ فٹ پاتھ سے اتر گیا۔ اس کا ارادہ سڑک پار کرنے کا تھا۔ اس مرحلے پر ویرا کی عقابی نظریں اس دراز قامت اور دبلے پتلے سفید فام کو گرفت میں لینے میں کامیاب ہو گئیں جو سلطان شاہ سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ سلطان شاہ کے سڑک پر اترتے ہی وہ بھی لپک کر زیبرا کراسنگ پر چلا گیا۔

وہ ویرا کی پیش بینی اور منصوبہ بندی کی زبردست کامیابی تھی۔

اس کی نظروں میں آنے والا سفید فام اپنے خدوخال سے امریکی نظر آ رہا تھا لیکن اس کے بال لمبے تھے۔ اس کے بدن پر ٹی شرٹ اور گھٹنوں تک آیا ہوا نیکر نظر آ رہا تھا۔

سلطان شاہ چاہتا تو شہر کی روایت کے مطابق بھاگ دوڑ کر گاڑیوں کے درمیان سے سڑک کے پار نکل جاتا۔ بریک چیختے، کوئی ہارن بجاتا، کوئی اسے برا بھلا کہتا لیکن اسے راستہ مل جاتا۔ کوئی ڈرائیور اسے ٹکر مار کر گرانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

سلطان شاہ سڑک پر اتر کر یکایک تھم گیا تھا۔ نیکر پوش امریکی تیزی سے سڑک پر گیا تھا۔ وہ کچھ آگے نکل گیا۔ رینگتے ہوئے ٹریفک کے درمیان اپنی راہ بناتے ہوئے اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کا شکار اپنی جگہ پر رکا ہوا تھا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑا۔

ویرا نے سلطان شاہ کو راستے میں کہیں بھی ڈیڑھ دو منٹ کے لیے تذبذب کے عالم میں رکنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ اپنے پیچھے آنے والے امریکی سے بے خبر تھا۔ اس نے وہیں سڑک پر رک کر اپنا وقت پورا کیا اور دوبارہ فٹ پاتھ پر چڑھ کر راہ گیروں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔ امریکی دوبارہ اس کے پیچھے تھا۔

ویرا نے فیصلہ کن انداز میں اپنی رفتار تیز کی اور بھیڑ میں اپنا راستہ بناتی ہوئی دراز قامت امریکی نوجوان کے قریب پہنچ گئی۔

اگلے لمحے میں ویرا نے اس کے برابر میں سے گزرتے ہوئے دانستہ اسے کندھا مار کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ بلا مبالغہ حسین، پرکشش اور سبک اندام تھی۔ نوجوان نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور ویرا نے اسے آنکھ مار دی۔

وہ ہائے بے بی کہہ کر جوں ہی مسکراتا ہوا ویرا کی طرف بڑھا، ویرا کا داہنا ہاتھ پوری قوت سے اس کے رخسار پر پڑا اور اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

ہاتھ کے ساتھ ویرا کی زبان بھی چل پڑی تھی۔ وہ اسے گالیاں دے کر اکیلی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا الزام دے رہی تھی۔

راہ گیروں کی بھیڑ چھٹ گئی۔ حیرت زدہ تماشائیوں نے ویرا اور شرم سار امریکی کے گرد بڑا سا دائرہ بنا لیا۔ ویرا کی اونچی آواز سن کر سلطان شاہ بھی پھرتی سے پلٹ آیا۔

''تمہیں غلط فہمی .....'' امریکی نوجوان نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ باقاعدہ اشتعال میں آ چکی تھی۔ اس نے اچھل کر اس کے منہ پر ایک مکا رسید کر دیا۔

وہ مارشل آرٹس کے کئی شعبوں میں اعلیٰ مہارت رکھتی تھی۔ ہاتھوں اور لاتوں کی مدد سے چند لمحوں میں اپنے حریف کو خاک چاٹنے پر مجبور کر سکتی تھی لیکن ہاتھوں کے ساتھ اس کا ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ ہاتھ پیروں کی کوئی غیر معمولی پھرتی دکھاتی تو محض اس کرتب کی بنا پر اسے ویرا کی حیثیت سے پہچانا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ رسمی انداز میں اپنے شکار کو مار پیٹ کر وہاں سے نکل جائے۔

اس کے پیچھے جاتے ہوئے وہ دو چیزیں نوٹ کر چکی تھی۔ اس کے نیکر کی پچھلی جیب میں پرس اڑسا ہوا تھا اور جیب میں کوئی وزنی چیز مسلسل ہل رہی تھی۔ ویرا کا اندازہ تھا کہ وہ کوئی پستول وغیرہ ہی ہو سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''سب منہ کیا دیکھ رہے ہو، مارو اس باسٹرڈ کو۔'' ویرا مجمع سے مخاطب ہو کر فریادی لہجے میں گویا ہوئی۔

سب سے پہلے سلطان شاہ نے لپک کر اس امریکی کی پشت پر ایک لات رسید کی، وہ لڑکھڑاتا ہوا ویرا کی طرف آیا تو وہ کسی جونک کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ وہ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھا کر اس کے پرس پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھی۔

ہجوم کی طرف سے سلطان شاہ کی شمولیت بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی۔ معاملہ ایک غیر ملکی لڑکی کی ناموس کے تحفظ کا تھا۔ قرب و جوار میں عشرت کدوں کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں تلے کئی تھائی نوجوانوں کی غیرت یکایک جاگ اٹھی اور وہ بھی اپنی زبان میں کچھ غضب ناک کلمات کہتے ہوئے اکھاڑے میں کود پڑے۔

وہاں یکایک ایسی گرما گرمی ہوگئی کہ سلطان شاہ کو ایک کے بعد دوسری لات رسید کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوسکی۔ تھائی لڑکوں نے ویرا سے گتھے ہوئے امریکی کو اپنے نرغے میں گھسیٹ لیا۔

اس وقت ویرا اپنے کسی کرتب سے اس کا بایاں رخسار کھول چکی تھی۔ جہاں بہتی ہوئی خون کی لکیر لمحہ بہ لمحہ دراز ہو رہی تھی۔

''حرام زادے امریکی!'' ویرا اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں بولی ''پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں..... انہیں یہاں آ کر ہر عورت بازاری نظر آتی ہے۔''

وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہوئی بھیڑ میں گھسی اور تیزی سے دوسری طرف نکلتی چلی گئی۔ اسے توقع تھی کہ تھائی لڑکے آسانی سے اپنے شکار کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔

تھائی لینڈ کے بارے میں یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ سرکاری طور پر وہ امریکا کا گہرا دوست اور حلیف ہے لیکن ملک میں مقیم امریکی فوجیوں کی تحکمانہ بدمعاشیوں کی وجہ سے عام لوگوں میں ان کے خلاف دبی دبی نفرت پائی جاتی تھی۔ اس وقت تھائی لڑکے ویرا کو چھیڑنے والے امریکی کو کوٹ کر اسی نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔

ہوٹل کا کمرا چھوڑنے سے پہلے ویرا نے سلطان شاہ کو جو ہدایات دیں ان سے اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ ویرا کسی امکانی تعاقب کا سدِباب کرنے کے لیے وہ جتن کر رہی تھی۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ معاملہ جُل دینے سے تجاوز کر کے مار پیٹ تک پہنچ جائے گا۔

بھیڑ سے نکل کر ویرا بہت تیزی سے ایک طرف بڑھتی چلی گئی تھی۔ اس کا سفری بیگ بہ دستور اس کے شانے سے جھول رہا تھا۔ ہاتھا پائی میں بھی وہ اپنی جگہ پر موجود رہا تھا۔ سلطان شاہ تقریباً دوڑ کر اس کے برابر میں پہنچنے میں کامیاب ہوسکا۔

''یہ کیا کر دیا تم نے..... مار دھاڑ کا ارادہ تھا تو پہلے سے کچھ بتایا ہوتا۔'' اس نے ویرا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شکایتی لہجے میں سرگوشی کی۔

''میرا پہلے سے کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وقت پر جو سوجھا وہ کر گزری۔'' وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بولی ''اب یہاں سے تیزی سے نکلو، معاملہ امریکی کا ہے۔ پولیس تک بات ضرور جائے گی۔''

''پیچھا کرنے والے سے پیچھا چھوٹ گیا۔ کوئی سواری کیوں نہیں لے لیتیں؟'' سلطان شاہ نے ویرا کے ساتھ اپنی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہی کرنا ہے لیکن ذرا دور نکل جائیں۔''

''آج تم نے دل خوش کر دیا۔ کیا اس نے تمہارے ساتھ واقعی بدتمیزی کی تھی؟''

''میری آنکھ میں تنکا پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھا میں نے اسے آنکھ ماری ہے، بس لپکا میری طرف اور میں نے تھپڑ رسید کر دیا۔'' ذہن سے بوجھ ہٹ جانے پر ویرا پہلی بار ہنسی۔

''ہوا بالکل بند ہے، تنکا کہاں سے آ گیا..... ضرور تم نے اس کے ساتھ شرارت کی ہوگی!''

''بعض اوقات تم احمقانہ سوال کرتے ہو اور مذاق کا سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ میں اسے آنکھ نہ مارتی تو یہ سب کیسے ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے اسے میری طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجمع میں سے کوئی اس کی حمایت پر نہیں آیا۔''

''اگر وہ کوئی ہتھیار نکال لیتا!'' سلطان شاہ نے سوال کیا۔

''میرے ذہن میں سب کچھ اچانک آیا تھا۔ اس نازک معاملے میں وہ پستول نکالتا تو لوگ اسے وہیں دبوچ کر ادھیڑ ڈالتے۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں اس کی جیبوں سے اس کا پرس اور پستول اڑا لائی ہوں۔''

''تم واقعی شیطان کی خالہ ہو۔ وہ بھی تم سے پناہ مانگتا ہوگا۔''

''خالہ نہیں، کزن کہو۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولی ''ابھی میں خالاؤں والی عمر تک نہیں پہنچی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ویرا کی خوش دلی سے سلطان شاہ کا ذہن بھی بوجھل پن سے آزاد ہو رہا تھا۔ انہوں نے بدترین ذہنی دباؤ کے عالم میں ہوٹل کو خیر باد کہا تھا۔ ویرا کے حوصلہ مندانہ فیصلوں نے ذرا سی دیر میں انہیں ہر فوری فکر اور تشویش سے آزاد کر دیا تھا۔

تصادم کے مقام سے کافی دور آ کر انہوں نے ایک خالی ٹیکسی لی اور نیو پیچ بری روڈ کی طرف روانہ ہو گئے جہاں تفریحی مقامات کے ساتھ گیسٹ ہاؤسز کی بہتات تھی۔

ٹیکسی لیتے ہوئے ویرا نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کا ڈرائیور تھائی باشندہ ہے۔ کسی بھارتی یا پاکستانی ڈرائیور کے ساتھ سفر کرتے ہوئے وہ اردو یا انگریزی میں بے فکری سے بات نہیں کر سکتی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے ان دونوں کے سوا ہر بڑی زبان اجنبی ہوتی۔

''یہ بھول جاؤ کہ تم اکبر اور میں ریٹا ہوں۔'' ٹیکسی روانہ ہونے کے بعد ویرا نے کہا ''ناموں اور سفری دستاویزات کی وجہ سے وہ یہاں ہمارا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے۔ نام بدل لینے سے یہ تسلسل ٹوٹ جائے گا۔''

''لیکن ہمارے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ ان ہی ناموں پر ہیں۔''

''سب کو بھول جاؤ، اپنے ذہن سے کھرچ کر مٹا دو۔'' ویرا جھلا کر بولی ''یہ سیلانیوں کا شہر ہے۔ یہاں کوئی ہمیں روک کر ہماری شناخت نہیں پوچھے گا۔''

''ذرا اس کا پرس نکال کر دیکھو۔ شاید کچھ پتا چل سکے کہ وہ کون تھا؟'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سلطان شاہ نے کہا۔

''سب دیکھ لیا جائے گا، ابھی اس کا نکالنا مناسب نہیں۔''

نیو پیچ بری کے بارونق علاقے میں پہنچ کر ڈرائیور نے ان کی منزل کے بارے میں جاننا چاہا۔ ویرا نے ٹیکسی ایک ریستوران کے سامنے رکوالی۔ اسے روانہ کر کے وہ اس سڑک کی ایک ذیلی گلی میں گھس گئی۔

ذرا سی دیر میں وہ بازار کے عقب میں ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں متعدد مکانات پر ہوٹلوں اور ریسٹ ہاؤسز کے نمایاں بورڈ نظر آ رہے تھے۔

باہر کی آرائش سے وہ سب صاف ستھرے نظر آ رہے تھے۔ ویرا وہاں پلنے والی گندگیوں سے بے خبر نہیں تھی۔ اس نے محض اندازے سے ایک دور افتادہ گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کیا۔ وہاں انہیں کسی شناخت کے بغیر جیکب اور روزی کے نام سے دو الگ الگ کمرے مل گئے۔

گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن نے ایک جوان جوڑے کے لیے دو الگ الگ کمروں کے حصول پر حیرت ظاہر کی تو ویرا نے یہ کہہ کر اسے مطمئن کر دیا کہ وہ رات کو جیکب کے خراٹوں کی وجہ سے اس کے کمرے میں گہری نیند سے محروم رہ جاتی ہے۔ جواز معقول تھا، عورت مطمئن ہو گئی۔

انہیں کمرے الگ الگ ملے مگر سلطان شاہ دراز قامت امریکی کے پرس کے بارے میں بہت زیادہ متجسس تھا۔ وہیں ویرا کے کمرے میں ہی بیٹھ گیا۔

ویرا نے اپنا سفری بیگ دہرے بیڈ پر ڈالنے کے بعد سب سے پہلے کمرے کی کھڑکی دیکھ کر یہ اطمینان کر لیا کہ وہاں سے کسی کے اندر کودنے کا امکان نہیں تھا۔

ویرا خود بھی یہ جاننے کے لیے بے چین تھی کہ اس کے ہاتھوں مارکھانے والا کون تھا۔ اس نے پھولا ہوا پرس مسہری پر الٹ کر خالی کر دیا۔ بستر پر پھیلی ہوئی اشیا اس کی نظروں میں غیر اہم تھیں۔ ان میں کچھ تھائی کرنسی، چند ڈالر اور کریڈٹ کارڈز کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے پرس کے مالک کے بارے میں کچھ پتا چل سکے۔

ویرا نے پرس کھول کر اس کا جائزہ لیا تو اس کی ایک جیب میں چند وزیٹنگ کارڈ پھنسے ہوئے تھے۔ وہ سب یکساں تھے اور ان پر سارجنٹ ٹی ایچ پال کا نام چھپا ہوا تھا۔ کارڈ پر کوئی پتا یا فون نمبر نہیں تھا۔

''یہ اسی کے کارڈ معلوم ہوتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے ایک کارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''اس کا نام پال کے بجائے کچھ اور بھی ہو سکتا تھا۔ یہ پتا نہیں چل رہا کہ اس کا تعلق کس محکمے سے ہے۔'' ویرا الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

''تمہارے ذہن پر صرف ایف بی آئی سوار ہے۔ اس کے ایجنٹ گلے میں تختی ڈال کر نہیں گھومتے۔ کیا سارجنٹ کے عہدے سے تم کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ اپنے بڑے بالوں کے باوجود وہ امریکی فوج سے تعلق رکھتا ہے۔''

''واقعی یہ سامنے کی بات ہے۔'' ویرا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''امریکی ایجنسیوں کے آدمی فوج سے انتظامیہ تک بہت سے شعبوں میں گھس کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی ان میں سے ایک ہو۔''

''امکان کی بات نہ کرو۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ وہ ان ہی میں سے تھا۔ ایک عام فوجی کو ہم دونوں سے کیا دلچسپی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوسکتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی کے حکم پر میرا پیچھا کررہا تھا۔'' سلطان شاہ بولا۔

ایف بی آئی والوں کے لیے البرٹو کا مفرور دوست کتنا ہی اہم کیوں نہ رہا ہو' ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ساری معلومات یکجا کر کے اتنے مختصر وقت میں امریکا سے اپنے کسی افسر کو بنکاک بھیج دیتے۔ ان کے لیے بہتر اور موثر طریقہ یہ تھا کہ ان دونوں کے بارے میں جملہ معلومات فیکس وغیرہ کے ذریعے بنکاک میں اپنے آدمیوں کو بھیج دیتے۔ وہاں ان کے فوجی اڈے کے قیام کی وجہ سے خفیہ ایجنسیوں کے مضبوط نیٹ ورک کا ہونا یقینی تھا۔

ہوٹل میں گائن نے کمرے کی تلاشی لینے والے کا جو حلیہ بیان کیا اس میں فوجی تراش کے بال سب سے زیادہ اہم اور نمایاں تھے۔ سلطان شاہ کا تعاقب کرنے والے کے بال لمبے تھے۔ لیکن اس کے پرس سے برآمد ہونے والے کارڈ یہ ظاہر کررہے تھے کہ اس کا تعلق بھی امریکی فوج کے کسی شعبے سے تھا۔

بات ویرا کی سمجھ میں آ گئی۔ بنکاک میں متعین فوجیوں کا کوئی گروپ وہاں ایف بی آئی کے لیے کام کررہا تھا۔ کمرے کی تلاشی لینے والا اور پھر سلطان شاہ کا پیچھا کرنے والا' دونوں اس گروپ کے عام کارندے تھے۔ ان کی باگ ڈور کسی سینئر فوجی افسر کے ہاتھ میں رہی ہوگی۔

اسے میری ہدایت یاد تھی کہ کسی نئے ٹھکانے پر پہنچتے ہی اسے مجھ کو فون پر اس پتے سے آگاہ کرنا تھا تاکہ میں دور سے ان دونوں کی دیکھ بھال کرسکوں۔ امریکی فوج کے سارجنٹ سے سڑک پر کھلی محاذ آرائی کے بعد وہ مجھ سے فوری طور پر رابطے کی ضرورت محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

میں ویرا سے بات کر کے فارغ ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد جلال کی کال آ گئی۔ میری توقع کے مطابق طارق نے اپنی ذمے داری پوری کرتے ہوئے اپنے افسر کو بنکاک میں راجن کے عبرت ناک انجام کی خبر دے دی تھی۔ وہ افسر دفتری اوقات ختم ہوجانے کے باوجود قومی سلامتی سے متعلق ایک اہم اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس ختم ہوتے ہی اس نے بنکاک سے ملنے والی خبر جلال کو پہنچادی۔ اسے علم تھا کہ راجن کے معاملات جلال کے ذمے تھے۔ اسے اس بات کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا کہ حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر جلال نے ہمیں پاکستان سے تھائی لینڈ روانہ کردیا تھا۔

''تم نے بہت بڑی اور ناقابلِ یقین کامیابی حاصل کی ہے۔'' جلال کہہ رہا تھا۔ ''میں اب تمہیں بتارہا ہوں کہ راجن کی سرکوبی کے لیے پچھلے چند مہینوں میں یہاں سے دو اسپیشل مشن بنکاک روانہ کیے گئے تھے مگر وہ بے نیل ومرام لوٹ آئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے اس تک کیسے رسائی حاصل کی ہوگی۔ اس کے گرد ہر وقت مسلح محافظوں کی ایک دیوار چلتی تھی جسے عبور کرنا ناممکن تھا۔''

''آتے ہی اس تک پہنچنا ناممکن تھا۔'' میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔ ''حالات اور واقعات کی رفتار کچھ ایسی بنی کہ رفتہ رفتہ اس کی ساکھ برباد ہوگئی' اس کے آدمی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ آج انتہا یہ تھی کہ موتی محل کی ویرانی میں وہ کل دو آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ انہی کے ساتھ ملکِ عدم روانہ ہوگیا۔''

''اس کی موت سے عارضی طور پر بھارتیوں کی کمر ٹوٹ جائے گی۔''

''میری دانست میں وہ ایک اونچے درجے کا بدمعاش تھا۔ پتا نہیں تم شروع سے اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہو!'' مجھے راجن کے بارے میں جلال کا انداز پسند نہیں آیا۔

''راوالوں نے اسے یہ نقاب فراہم کیا ہوا تھا۔ وہ بنکاک میں بیٹھ کر دنیا بھر سے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہونے والے مواد اور ممنوعہ آلات بھارت میں اسمگل کررہا تھا۔ بھارت کے توسیع پسندانہ جوہری عزائم کی پرورش کے لیے وہ ریڑھ کی ہڈی کا کام کررہا تھا۔ اسی وجہ سے میں ابتدا سے اس کی سرکوبی پر اصرار کررہا تھا۔'' جلال نے راجن کی مصروفیات کے اس پہلو کے بارے میں پہلی بار لب کشائی کی۔

''آج سے پہلے تم نے اس بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں دیا!'' میں نے شکوہ کیا۔

''وہ میری مجبوری تھی۔'' اس کی آواز معذرت خواہانہ تھی۔ ''راجن کی یہ سرگرمیاں انتہائی حساس نوعیت کی تھیں۔ ہم اپنی معلومات کو خفیہ رکھ رہے تھے۔ میں تمہارے سامنے زبان کھول کر اپنے منصب کے حلف سے روگردانی نہیں کرسکتا تھا۔

''کیا اب یہ سب بتا کر تم اپنا حلف نہیں توڑ رہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اپنی موت کے بعد اب وہ قصہ پارینہ ہوگیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اسے مار سکو گے۔ یہ بڑی کامیابی حاصل کرنے کے بعد تم بھی اس راز میں شامل ہوگئے ہو۔ یہ معلوم ہونا تمہارا حق ہے کہ اسے مار کر تم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔''

''اس کی موت سے بھارت کی جوہری ہتھیاروں کی تیاریاں ٹھپ نہیں ہو جائیں گی۔'' میں نے اسے جتایا۔

''ریاستی سطح پر چلنے والے معاملات کسی کے مرنے جینے سے نہیں رکتے۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''ان میں رخنہ ضرور آ جاتا ہے۔ راجن کا اپنا نیٹ ورک تھا۔ اب وہ بکھر گیا۔ انہیں از سرِ نو متبادل انتظام کرنا ہوگا' نیا نیٹ ورک بنانا ہوگا۔ اس میں کافی وقت لگے گا۔ ہم اور ہمارے ماہرین اس وقت سے زبردست فائدہ اٹھائیں گے۔''

میرے لیے اس کی مجبوریاں شروع سے قابلِ فہم رہی تھیں۔ میں نے بات بڑھانے کے بجائے ہنس کر کہا۔ ''جب سے تم نے کراچی میں راجن کا ذکر کیا تھا میں کئی بار سوچ چکا تھا کہ بنکاک میں بیٹھے ہوئے ایک بھارتی بدمعاش سے تمہیں کیا پرخاش ہے۔ ممبئی سے دبئی اور ہانگ کانگ تک نہ جانے کتنے بھارتی سورما مل رہے ہیں۔ تمہیں اس ایک کی فکر کیوں تھی۔ اب بات سمجھ میں آ رہی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ تم نے دہرے مقصد کے تحت ہمیں بنکاک کی طرف روانہ کیا ہو۔''

''اصل اور بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ تمہارا کراچی بلکہ پاکستان میں رکنا مخدوش ہو چکا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے اس کا لہجہ کچھ کمزور پڑ گیا۔ ''میں نے سوچا کہ تمہیں جانا ہی ہے تو کیوں نہ بنکاک کی طرف جاؤ۔ اس طرح ایک وقت میں دو نہیں بلکہ تین اہداف حاصل ہو سکتے ہیں۔ تم کو یہاں درپیش خطرات سے چھٹکارا مل جاتا' سوبھراج کا بھرپور ہانکا ہو رہا تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ یہاں کوئی جائے پناہ نہ پا کر وہ بنکاک میں اپنے چہیتے راجن کا رخ کرے گا اور وہاں تم اسے دیکھ لو گے' تیسرا اور ثانوی مقصد یہ بھی تھا کہ اگر تمہاری کوئی حکمتِ عملی کارگر رہی تو تم راجن کو راستے سے ہٹا کر بھارت کے جوہری ہتھیاروں کے توسیعی پروگرام کو بڑا نقصان پہنچا سکو گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری کراچی سے روانگی سے پہلے آخری ملاقات میں' میں نے تم کو راجن کے بارے میں خاص طور پر تاکید کی تھی۔''

''سب یاد ہے۔ اس وقت تم نے وہ تذکرہ اتنے سرسری انداز میں کیا تھا کہ میں نے اسے بھارتیوں کے خلاف حسد سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ہم پاکستانیوں کے لیے کسی بھی میدان میں بھارت کی بالادستی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ شعبہ کھیل کا ہو' جوہری ہتھیاروں کا یا بدمعاشی کا' ہم ہر جگہ انہیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔''

جلال کی ہلکی سی آواز آئی پھر وہ بولا۔ ''تم نے پاکستانیوں اور بھارتیوں کی ساری نفسیات ایک جملے میں سمیٹ کر رکھ دی۔ وہ کرکٹ میں ہم سے جیت جائیں تو ہمیں ایسا صدمہ ہوتا ہے جیسے ہمارا کوئی قریبی عزیز فوت ہو گیا ہو' ہاکی میں ان کو ہرا کر ہم اتنے خوش ہوتے ہیں جیسے ہم نے دنیا فتح کر لی ہو لیکن میری گزارش ایسے جذبات سے ماورا تھی۔''

''اچھا ہوا کہ تم نے یہ وضاحت کر دی۔ اب بھی کچھ نہ بتاتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لیتا۔ اب تک مجھے یہ سوچ سوچ کر اپنی ہتک کا احساس ہو رہا تھا کہ میں محض ڈان کی خوشنودی کے لیے راجن کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔ اب یہ خلش دور ہو گئی۔''

''یہ نہ کہو۔ اس نے تمہارے اور اسد کے ساتھ جو بدسلوکی کی تھی اس کے بعد تم نے بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔''

''تمہارے تینوں ہدف پورے ہو گئے۔ یہ بتاؤ کہ ہم پاکستان کب آ سکتے ہیں۔ ڈان سے آج میری خاصی تو تو' میں میں ہوئی ہے۔ اسے شک ہو گیا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''اوہ.....!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی۔ ''یہ بہت برا ہوا۔ وہ بنکاک میں تمہارا زبردست مددگار ثابت ہوا ہے۔ اب وہ تمہارے کھوج میں لگ جائے گا۔''

''وقتی طور پر میں نے بات سنبھال لی ہے مگر مجھے بھی یہی شبہ ہے۔ مجھے اس کی طرف سے ہر دم چوکس رہنا ہوگا۔''

''لیکن اسے شک کیسے ہوا..... کیا تم نے راجن کے قضیے میں پھر اپنا کوئی خفیہ ہتھیار استعمال کر ڈالا؟'' اس کی آواز یکایک تفکر آمیز ہو گئی۔

''ہاں..... بیم گن استعمال ہوئی تھی مگر.....!''

''اوہ ڈیئر! یہ تم نے کیا کیا؟'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بول پڑا۔ ''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ اب سب کچھ تلپٹ ہو جائے گا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں ہے۔ تمہارے خاکوں پر ان کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ دباؤ شدید ہے۔ ایس ٹی ایف کی سرگرمیاں محدود ہو چکی ہیں۔ اول خان کو یہاں سے ہٹا کر گوادر بھیج دیا گیا ہے۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو میں نے تحمل سے کہا ''تم میری بات اچک کر درمیان میں برس پڑے' اگر تم نے اپنی بات پوری کر لی ہو تو میں کچھ کہوں!''

میرے لہجے سے جلال کو اندازہ ہو گیا کہ اس سے بے صبری میں کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ ''کہو' میں سن رہا ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے لیے تمہاری سلامتی ہر ہدف سے زیادہ اہم ہے۔ اس مقصد کے لیے راجن کو دس بار ڈھیل دی جاسکتی تھی۔''

''راجن کو ڈھیل دی جاسکتی تھی نہ میں اپنی جان خطرے میں ڈال سکتا تھا۔'' میں نے کہا ''موتی محل میں گھسنے کے بعد میں بیم گن استعمال کرنے پر مجبور ہوگیا۔ میں یہ فیصلہ نہ کرتا تو شاید راجن کے ہاتھوں مارا جاتا۔ تم کو متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ناگزیر فیصلہ کرتے ہوئے مجھے تمہاری ہدایت یاد تھی۔ میں نے بیم گن کے زخموں پر پستول سے فائر کرکے ہر سراغ مٹادیا تھا پھر بھی میں نے وہاں آگ لگادی۔ خاکسترلاشوں سے کچھ پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ کیسے مارے گئے۔ ہر رپورٹ گولی سے موت کی کہانی سنائے گی۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ تم نے ہر خطرے کا تدارک کرلیا ورنہ اس وقت میرے لیے معاملے کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اب لاک اپ سے باہر کی دنیا میں تمہارے دشمنوں کو تمہارے سائے کا بھی سراغ نہیں ملنا چاہیے۔'' اس کا لہجہ تشکر کے جذبات سے واقعی مغلوب تھا۔ چند ثانیوں قبل پیدا ہونے والی اشتعال آمیز کیفیت پانی کے جھاگ کی طرح کافور ہوگئی تھی۔

''میرے خاکوں کا قصہ تو چل رہا تھا۔ تم نے اول خان اور ایس ٹی ایف کے بارے میں کیا خبر سنادی؟'' میں نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

''صورتِ احوال افسوس ناک ہے مگر ٹھوس زمینی حقائق یہی ہیں۔''

''کیا گوادر میں بھی ایس ٹی ایف کا کوئی سیٹ اپ موجود ہے؟''

''ماضی میں میری معلومات کے مطابق وہ لوگ وہاں موجود نہیں تھے۔ اگر ضرورت کے تحت اب وہاں کام ہورہا ہو تو میں باخبر نہیں ہوں۔ ان کا کوئی یونٹ وہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ لوگ اپنے افسروں کو خاص مشن دے کر بھی اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں۔''

''راجن نے مرنے سے قبل انکشاف کیا ہے کہ اس کے آدمیوں کی دو ٹولیاں ممبئی اور بنکاک سے پاکستان گئی ہوئی ہیں۔ ایک اگلی دو مہینوں تک بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں اپنی دہشت گردی سے امن و امان کے مسائل پیدا کرنے پر مامور ہے۔ دوسری پارٹی ساہیوال جیل میں موجود راکے دو ایجنٹوں کو فرار کرانے کی کوشش کرے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن الفاظ میں تمہاری شاندار کارکردگی کی تعریف کروں۔ یہ دونوں خبریں بہت اہم ہیں۔ راکے ایجنٹوں سے صدف مینشن میں تمہاری ملاقات ہوچکی تھی۔ دونوں پاکستانی غیر مسلم ہیں اور اقبالِ جرم کرچکے ہیں۔ اگلی پیشی پر عدالت انہیں عمر قید کی سزا سنانے والی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''میری نگاہ میں دہشت گردی کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔''

''میں مانتا ہوں۔ پرسوں ہائی پاور ٹرانس مشن لائن کا ایک ٹاور اڑادیا گیا جس کے نتیجے میں ایک بڑا علاقہ بجلی کے تعطل کا شکار ہوگیا۔ اس سلسلے میں کچھ مشتبہ افراد پکڑے گئے ہیں۔ تمہاری نشان دہی کے بعد ان سے نئے زاویے سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ طویل مدت کے سکون کے بعد یہ بلوچستان میں پہلی بڑی تخریبی کارروائی ہے۔ یہ بہت اہم خبر ہے کہ سندھ کے بعد اب را کی توجہ بلوچستان کے حسّاس علاقے پر مرکوز ہے۔''

''اگر راجن کے آدمی آزاد رہے تو یہ سلسلہ طول پکڑے گا۔'' میں نے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''انہیں دو ماہ کی مدت دی گئی ہے۔ وہ تیزی سے کام کریں گے۔''

''یہ راجن کو را کی طرف سے ملا ہوا پروگرام معلوم ہوتا ہے۔ دو مہینوں تک وہ بجلی، پانی اور گیس کی لائنوں کے ساتھ پلوں وغیرہ کو اپنا ہدف بنا کر افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک بار یہ سلسلہ چل نکلا تو بعض سرکش اور کوتاہ اندیش مقامی عناصر ایسی حرکتیں شروع کرسکتے ہیں۔ ان پر فوری طور پر قابو پانا ہوگا۔''

وہ ملکی سلامتی سے متعلق ایک اہم معاملہ تھا جس میں صوبے کے بعض صنعتی منصوبوں کی تعمیر اور توسیع پر مامور غیر ملکی ماہرین کے تحفظ کا مسئلہ سرفہرست تھا۔

اس موضوع پر باتیں کرتے ہوئے جلال کو ڈان یاد آگیا۔ اس کے شکوک و شبہات کے سلسلے میں بیم گن کے استعمال کا تذکرہ آتے ہی گفتگو کا رخ یکایک تبدیل ہوگیا تھا اور ڈان کا قصہ ادھورا رہ گیا تھا۔

میں نے اسے تفصیل سے پوری صورت حال سمجھادی۔ اس کی رائے مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ وقتی طور پر بات دب گئی تھی لیکن ڈان کے ذہن میں میرے بارے میں ڈینی ہونے کا خیال پیدا ہونا خطرناک تھا۔ جو میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا تھا۔

''فی الحال تم اس کی مہمان نوازی کا رنگ ڈھنگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھو۔ تمہارا واپس یہاں آنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ ڈان کے ذہنی فتور کے سبب اب تمہارا وہاں ٹکنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ میں سوچتا ہوں کہ اب تمہارے لیے کون سا ملک بہتر رہے گا۔'' کافی مغز زنی کے بعد اس نے کہا۔

''میں ملائیشیا کی طرف نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''ڈان اب تیزی سے طاقت پکڑے گا۔ میں نے تمہاری باتوں سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خردماغ آدمی ہے۔ تمہاری طرف سے اس کے دماغ میں دوبارہ کوئی فتور آیا تو تم اس کی دسترس میں ہوگے۔ وہ چند گھنٹوں میں تمہیں وہاں سے اٹھا کر بنکاک لے آئے گا۔ یہ نہ بھولو کہ اب تم اکیلے نہیں ہو۔ نیویارک والی جوڑی بھی بنکاک پہنچ چکی ہے۔ جہاں جاؤ گے وہ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اکیلا آدمی اپنے بچاؤ کے لیے بہت کچھ کرسکتا ہے جہاں بہ یک وقت چار آدمی اکٹھا ہوں وہاں ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں۔'' وہ ایک وقت میں زیرِنظر معاملے کے ہر رخ پر نظر رکھنے کا عادی تھا۔

''میں تمہارے مشورے کا منتظر رہوں گا۔ اب تم نے نیویارک کی جوڑی کی بات چھیڑی ہے تو ان کا ایک مسئلہ بھی سن لو۔ آج ان کی غیر حاضری میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔''

جلال چونک گیا۔ ویرا اور سلطان شاہ کے بنکاک پہنچنے کے بعد اس کا ویرا سے براہِ راست رابطہ ہو چکا تھا مگر وہ تازہ ترین صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ ''ان کے یہاں آتے ہی چکر چلنا شروع ہوگیا!'' اس کی آواز تحیر زدہ سی تھی۔

میں نے اسے ویرا سے سنی ہوئی تفصیل سنا دی۔

''یہ بہت برا ہوا۔ یہاں کون ان دونوں کے پیچھے لگ سکتا ہے؟'' میرے کان میں اس کی تفکر آمیز آواز آئی۔ ''بنکاک میں روز ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ ان میں ان دونوں کی نشاندہی کیسے ہوگئی؟''

میں نے اسے اپنے نظریے سے آگاہ کردیا۔ اس وقت یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ وہ معاملہ ویرا اور سلطان شاہ کا نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا تھا۔ اس کے پس پردہ ریٹا اور اکبر کی شخصیات ہوسکتی تھیں۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ انہیں نام بدل کر کسی اور ٹھکانے پر منتقل ہونے کا مشورہ دے دیا۔ فوری طور پر یہی ہوسکتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اب انہیں اپنی پرانی شناخت کو بھول جانا چاہیے!'' میں نے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے' پاسپورٹ ان کی پول کھول دیں گے۔'' وہ بولا۔ ''یہ نہ بھولو کہ بنکاک سیٹو کا ہیڈکوارٹر ہے۔ اس کی آڑ میں وہاں ایک مدت سے امریکی فوج کی خاصی تعداد مقیم ہے۔ ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ہر سرکاری معاملہ ان کے علم میں رہتا ہے۔ وہاں امریکی ایجنسیاں بھی بہت فعال ہیں۔ ان سب کو فریب دے کر بنکاک سے کہیں اور کے لیے نکلنا ناممکن ہوگا۔''

''میں نے اسی وجہ سے یہ ذکر چھیڑا ہے۔ یہاں ہم لوگ کچھ نہیں کرسکتے۔ تم چاہو تو یہ مسئلہ ذرا سی دیر میں حل ہوسکتا ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' جلال نے پوچھا۔

''طارق کے ذریعے ان دونوں کے نئے پاسپورٹ بھجوا دو۔ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کرکے ہر جھنجٹ سے آزاد ہوجائیں گے۔''

آپ بھی بھرپور طاقت کے مالک بنیئے طبی دنیا میں کامیاب اور لاجواب نسخہ

مرد حضرات ہی پڑھیں۔

برسا برس سے ہمارے ماہر طب خصوصاً ایسے مریضوں کے لیے جو اپنی ناسمجھی کی بنا پر پیچیدہ امراض میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے علاج سے مایوس ہوگئے تھے انکے لیے اپنے تجربے و تحقیقات انتھک محنت لگن اور کاوشوں سے ایسا نسخہ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے جس نے کئی ناکارہ بوڑھوں کو بہت کم دنوں میں جوان مرد بنا دیا اور مایوس گئے گزرے کمزور نوجوان ایک ایک ہفتے آزما کر یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ جو ہر واقعی بے بناقوت کا سرچشمہ ہے آپکی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ اس کے استعمال سے جسم میں نیا اور تازہ خون پیدا ہونے لگتا ہے چہرے پر سرخی ہاتھ پیروں میں چستی توانائی ظاہر کرکے صحت کو قابل رشک بنا دیتا ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہو جاتی ہیں جسکے لیے آپ ایک مدت سے محروم رہے ہیں آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائے گا۔

حکیم اینڈ سنز

پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ویری گڈ! تم جب بھی کوئی مسئلہ بیان کرتے ہو تو اس کا حل پہلے سے تمہارے ذہن میں موجود رہتا ہے۔ یہ کام کل ہی ہو جائے گا۔ ایک دو روز میں طارق دونوں پاسپورٹ تمہارے حوالے کر دے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''صرف پاسپورٹ سے کام نہیں چلے گا۔ ویزا بھی درکار ہوں گے۔''

''فکر مت کرو۔ کام مکمل ہوگا۔ تم سب کی تصاویر میرے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ تمہیں یاد ہے نا کہ میرے پاس اپنی تصویر کی موجودگی پر تم کس طرح بھڑکے تھے!''

''تم سے ڈر لگتا ہے۔ بڑے سرکاری افسر ہو۔ کیا پتا کب دوستی کو بالائے طاق رکھ کر افسری جتانے پر تل جاؤ۔'' شگفتہ موڈ میں بات ہو رہی تھی۔ میں نے کھل کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''میں کہوں گا کہ تم اب تک مجھے نہیں سمجھ سکے۔'' وہ یکا یک سنجیدہ ہو گیا۔ ''تم سے میری دوستی ان سرحدوں سے آگے نکل گئی ہے جہاں اس پر ہزار افسریاں قربان کی جا سکتی ہیں۔''

''یہ تمہاری مہربانی ہے ورنہ میں کس قابل ہوں۔'' میں نے بات مذاق میں ٹالتے ہوئے کہا ''اب میں ان دونوں سے کہہ دوں کہ وہ موجودہ پاسپورٹ تلف کر دیں۔''

''بالکل کہہ دو۔'' اس نے بلا تامل جواب دیا۔ ''میں خود بھی کوشش کرتا ہوں کہ ریٹا سے بات ہو جائے۔ اگر وہ دونوں تمہاری تجویز پر عمل کر چکے ہیں تو مجھے ان کے موجودہ نام معلوم ہونے چاہئیں تاکہ پاسپورٹ سے ان ہی ناموں کی تصدیق ہو سکے۔''

''یہ مجھے بھی علم نہیں' کسی بھی لمحے اس کا فون آ سکتا ہے۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس سے سوال کیا۔ ''ان دونوں کے تھائی لینڈ میں داخلے کا قانونی ثبوت کیا ہوگا۔''

''یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ باریکیاں میری نگاہ میں ہیں۔ ان پر بنکاک ایرپورٹ کی باقاعدہ امیگریشن مہر موجود ہوگی۔ کاغذات کی کسی خامی کی بنا پر انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تم یہ کام کر ہی رہے ہو تو میرے اور صدف کے نئے پاسپورٹ بھی بھجوا دو۔'' میں نے محتاط لہجے میں فرمائش کی۔

''اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس کا وہ سوال فطری تھا۔

''میں ڈان سے مطمئن نہیں ہوں۔ تم خود بھی اس کے کسی نئے ذہنی فتور کا ذکر کر چکے ہو۔ پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائیں تو بہتر رہے گا۔''

''یہ سوچ لو کہ ایک وقت میں دو مختلف ناموں سے پاسپورٹ حاصل کرنا اور رکھنا ہر ملک کے قانون کے تحت سنگین جرم ہے۔ تمہیں موجودہ پاسپورٹ ضائع کرنا ہوں گے۔''

''تم اپنا کام کر ڈالو' یہ میری ذمے داری ہوگی۔'' میں نے اصرار کیا اور اس نے ہامی بھر لی۔

ہمارے درمیان ہونے والی طویل گفتگو ختم ہونے والی تھی کہ مجھے راجن کا خیال آیا۔ اس کے بارے میں جلال نے طارق کی رپورٹ سننے کے بعد مجھے فون کیا تھا۔ اس کے لیے اتنا کافی تھا کہ بھارت کے خفیہ ایجنٹ نیٹ ورک کا ایک بنیادی ستون گرا دیا گیا تھا۔ اس بارے میں اس نے مجھے کریدنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ معذرت خواہانہ انداز میں مجھے راجن کی ذات سے وابستہ وہ باتیں بتاتا رہا جو مجھ سے پوشیدہ تھیں جب کہ میرے پاس بھی اسے بتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔

''راجن کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے شاید وہ تمہارے کام آ سکے!'' میں نے کہا۔

''ضرور' ضرور۔'' اس نے پرزور لہجے میں جواب دیا۔ ''دشمن کے بارے میں جتنی زیادہ معلومات ہوں وہ کم ہوتی ہیں۔ اگر تم نے اسے زندگی کی آس دلا کر زبان کھولنے پر آمادہ کر لیا تھا تو اس کے انکشافات بہت اہم رہے ہوں گے۔''

''تمہیں انل یاد ہے نا؟'' میں نے سوال کیا۔

''را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ کو میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم انل بسواس کی بات کر رہے ہو!'' اس نے اپنی بھرپور معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''وہی جو دہلی میں اپنے گھر میں تمہارے ہاتھوں جہنم واصل ہوا تھا۔''

''وہی۔'' میں نے اس کی تائید کی۔ ''اس نے راجن کے دماغ میں یہ بات ڈالی کہ ممبئی کی انڈر ورلڈ پر مسلمانوں کا راج ہے' اسے بنکاک میں قدم جمانے چاہئیں۔ شاید وہ بھانپ چکا تھا کہ راجن بنکاک میں رہ کر ممنوعہ جوہری ساز و سامان کے حصول کے لیے آزادی سے کام کر سکے گا اور وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامیاب رہا تو بنکاک کی انڈر ورلڈ پر اس کا راج بھی ہو جائے گا۔''

''بالکل یہی بات ہے۔'' جلال بول اٹھا ''اب ہر چیز واضح ہو رہی ہے۔ گرین کو براہ فائل میں راکے ایجنٹ ایکس کا ذکر ہے جو مشرق بعید کے کسی ملک میں بیٹھ کر اہم منصوبوں کے لیے کام کر رہا تھا۔ فائل میں اس کے کام اور منصوبوں کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں تھی۔ وہ تذکرہ پڑھ کر میں پہلی بار راجن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ یہ سوبھراج کے بے نقاب ہونے سے پہلے کا قصہ ہے لیکن میں پوری کوشش کے باوجود یہ جاننے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ بنکاک میں اسے ابھرنے کا موقع کیسے ملا' اس کا پشت پناہ کون تھا۔''

''امریکی سفارت خانے میں پچھلے چھ برسوں سے.....''

''تم کرنل گیری کا ذکر تو نہیں کر رہے!'' میری بات مکمل ہونے سے پہلے جلال نے مضطربانہ لہجے میں سوال کر ڈالا۔

''اسی کا ذکر ہے' تمہارا ذہن اس کی طرف کیسے چلا گیا؟''

''اول درجے کا شاطر اور بدمعاش ہے۔ وہ اپنے سفارت خانے کا واحد افسر ہے جو چھ برسوں سے وہاں ٹکا ہوا ہے اور مصدقہ طور پر سی آئی اے کا ایجنٹ ہے۔''

''راجن کو ابتدائی سہارے اسی نے فراہم کیے۔ کرنل گیری اور انل میں گہری دوستی تھی۔ انل کی موت کے بعد ساگر نے اس کی جگہ لے لی۔ اس وقت گیری اور راجن کے مراسم بہت گہرے ہو چکے تھے۔ وہ گیری کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔''

''تم نے راجن سے بہت کچھ اگلوالیا۔ اگر تمہیں جوہری آلات کے شعبے میں اس کی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے۔'' جلال کی آواز متاسفانہ ہو گئی۔

''جب تک ڈان میدان میں رہا' راجن کا چراغ نہیں جل سکا۔ ڈان کے گوشہ نشین ہوتے ہی وہ تیزی سے ابھر کر پورے بنکاک پر چھاتا چلا گیا۔ وجہ صرف ایک تھی کہ گیری کی حمایت اور مشوروں کی وجہ سے اسے بنکاک کے اعلیٰ سرکاری افسروں اور بارسوخ امرا میں مقبولیت حاصل ہو چکی تھی۔''

''میں حیران ہوں کہ ان دونوں نے اپنے باہمی روابط کو کتنی سختی سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔'' جلال کہہ رہا تھا۔

مالکن نے گھر کی نوجوان ملازمہ سے کہا ''میں دیکھ رہی ہوں کہ پڑوس کی مالی نے اکثر نظر بچا کر تم سے ملنے کے لیے آنا شروع کر دیا ہے۔ میں تمہارے بھلے کے لیے پوچھ رہی ہوں..... وہ یونہی دل لگی کے لیے آتا ہے یا تم سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہوتا ہے؟''

''میرے خیال میں تو سنجیدہ ہی ہے بی بی جی!'' ملازمہ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا ''اس نے تو میرے پکائے ہوئے کھانوں میں نقص نکالنے بھی شروع کر دیے ہیں۔''

''ہمارے آدمی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ان دونوں کے مراسم کا سراغ نہیں لگا سکے۔ میں تم سے یہ ذکر پہلی بار سن رہا ہوں۔ میری یہ بات کہیں لکھ لو کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لینے والے کا کسی نہ کسی طرح گیری سے تعلق ضرور نکلے گا۔''

''تعلق نکلے یا نہ نکلے' میں نے اس کی طرف سے اچھی طرح ڈان کے کان بھر دیے ہیں۔ اگر وہ اپنے قول کا پکا اور سچا ہے تو اس کا گیری سے ٹکراؤ ہو کر رہے گا۔''

''یہ کیسے ہوا؟'' جلال نے بے ساختہ پوچھا۔

میں نے اسے بتا دیا کہ میں نے موتی محل میں اپنے داخلے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کس طرح کرنل گیری کی ذات کا سہارا لے کر اسے ڈان کی نظروں میں گندا کر دیا۔

راجن کی موت کے بعد بنکاک میں بہ ظاہر اس کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ غالب امکان یہ تھا کہ اس کے شروع کیے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال براہِ راست نئی دہلی سے کی جاتی۔ ان میں پاکستانی علاقوں میں دہشت گردی پھیلانے کے مشن پر نکلی ہوئی دو ٹولیوں سے رابطے کا معاملہ بھی شامل تھا۔ کرنل گیری راوالوں کا حلیف ہو سکتا تھا لیکن وہ کسی طرح راجن کے خلا کو پر نہیں کر سکتا تھا۔ پھر بھی جلال نے طارق کو اس کے پیچھے لگانے کا ارادہ ظاہر کر کے فون بند کر دیا۔

میرے لیے ہوٹل کے کمرے سے فون پر کسی سے بات کرنے میں ایک بڑی قباحت یہ تھی کہ غزالہ میری یک طرفہ گفتگو سن کر تجسس میں مبتلا ہو جاتی اور اس کی طرف سے سوالات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ پوچھتی' میں نے اسے خود ہی اپنی اور جلال کی گفتگو کے اہم نکات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔

اس بریفنگ سے نمٹتے ہی میں نے ویرا کا نمبر ملایا تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مصروف تھا۔ تین کوششوں کے بعد میں نے تھک کر اپنا موبائل فون رکھ دیا۔ میرا اندازہ تھا کہ جلال نے مجھ سے بات ختم کرتے ہی ویرا کا نمبر ملا لیا ہوگا۔

وہ نوجوان اور خوش ذوق افسر تھا۔ میں کئی بار یہ بات نوٹ کر چکا تھا کہ وہ غیر ضروری طور پر ویرا سے خوش گپیاں نہیں کرتا تھا لیکن کام کے حوالے سے اس سے بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

جلال کے اس رویے کی بنا پر ابتدا میں' میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا لیکن گہرے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ جلال کو ویرا کی ذات میں کوئی خصوصی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے دل و دماغ میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ ویرا نے پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے اپنوں کو چھوڑ کر ہمارا ساتھ اختیار کرلیا تھا۔ اس ناتے سے ویرا کی خبر گیری اس کی ذمے داری بنتی تھی کیوں کہ وہ واحد پاکستانی افسر تھا جو اپنی تمام تر ہمدردیوں کے ساتھ ہم سے مسلسل رابطے میں رہتا تھا۔ شاید وہ یہ سوچتا ہو کہ ویرا کی خدمات کے کسی سرکاری اعتراف کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اپنی قوم اور حکومت کی طرف سے غیر سرکاری طور پر خیر سگالی کا اظہار اس کا اخلاقی فرض بنتا ہے۔

میری چوتھی کوشش سے پہلے ویرا کی کال آ گئی۔ اس نے تصدیق کی کہ وہ جلال سے گفتگو کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ بار بار مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوششیں کرتی رہی تھی مگر اسے میرا فون ہر بار مصروف ملا تھا۔

اس نے یہ بتا کر میرا دل خوش کر دیا کہ اس نے پہلی فرصت میں میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل چھوڑ دیا تھا اور ایک صاف ستھرے ریسٹ ہاؤس میں منتقل ہوگئی تھی۔

اس اچھی خبر کے بعد اس نے ٹی ایچ پال کا واقعہ سنا کر مجھے پریشان کر دیا۔

''تمہیں اس بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے مطمئن لہجے میں کہا ''بس یہ سمجھ لو کہ وہ تعاقب کی ابتدا میں ہی مارا گیا۔ تھائی لڑکوں نے دل کھول کر اس کی ٹھکائی کی ہوگی۔ اب وہ کسی کے تعاقب کے نام سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگائے گا، جیکب اور روزی کے نام سے یہاں آ جانے کے بعد میں بے فکر ہوگئی ہوں۔ اب ان لوگوں کا ہم تک پہنچنا ممکن ہوگیا ہے۔ دو چار روز میں جلال نئے ناموں سے ہمارے پاسپورٹ بھیج دے گا تو ہر مسئلہ حل جائے گا۔''

''اس بارے میں جلال سے تمہاری تفصیلی بات ہوگئی ہے؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''ہاں .....! یہ بات ہوگئی لیکن اس کی زبان سے راجن کا قصہ سن کر مجھے صدمہ ہوا کہ یہاں اتنا اہم اور بڑا واقعہ رونما ہو چکا ہے لیکن تم نے مجھے اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔'' اس نے بجا طور پر شکوہ کیا۔

''تم کمرے کی تلاشی کے معاملے میں پریشان تھیں میں نے وہ ذکر چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح کے اخبارات سے سب کچھ تمہارے سامنے آ جاتا۔'' میں نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

''میں پریشان تھی تو تم وہ خوش خبری سنا کر میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کر سکتے تھے۔ تم نے مجھے سب کچھ بتایا ہوا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ تمہارے راستے کا آخری کانٹا ہے۔ وہ ہٹ گیا تو تم ہر فکر سے آزاد ہو جاؤ گے۔''

''بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''وہ ڈان کے لیے بہت بڑا نام اور شکار تھا۔ وہ سوچے بیٹھا تھا کہ زبردست محاذ آرائی اور خون ریز تصادم کے بغیر اس کا قصہ ختم نہیں ہو سکے گا۔ میں نے اس کے گھر میں گھس کر چپ چپاتے اسے لمبے سفر پر روانہ کر دیا تو ڈان کو میری طرف سے تشویش ہوگئی، اسے شبہ ہوگیا کہ میں علی نہیں ہوں، وہی ہوں جو میں ہوں۔ تم بات سمجھ رہی ہو نا۔''

''اوہ!'' اس کی بے ساختہ آواز آئی ''جلال نے یہ نہیں بتایا، یہ تو بہت سنگین خطرہ ہے۔ اس فکر نے تمہارا کامیابی کا سارا نشہ ہرن کر دیا ہوگا۔''

''اب تم کو میری پوزیشن کا کچھ اندازہ ہو رہا ہے۔ تم کو ادھوری بات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بعض اوقات خوش فہمیاں تباہی کا سبب بن جاتی ہیں۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ہم چوہے دان میں پھنس رہے ہیں۔'' وہ اپنا شکوہ بھول گئی ''پال اور اس کے ساتھی ہمارے پیچھے لگ گئے، ڈان تم پر شبہ کر رہا ہے، ان حالات میں ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''بہ ظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے لیکن میں عجلت میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ تم نے نام اور ٹھکانا بدل کر خود کو بچا لیا ہے، میں نے وقتی طور پر ڈان کو مطمئن کر دیا۔ جلال کے پاس سے تم دونوں کی نئی سفری دستاویزات آ جائیں تو کوئی فیصلہ کیا جا سکے گا۔''

''موقع ملتا ہے تو تم نکل جاؤ۔ ہماری پروا نہ کرو۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ جلال کے آدمی کے لیے تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں اجنبی ہو۔ ویسے بھی مجھے دور رہ کر تم دونوں کا دھیان رکھنا ہوگا۔ تمہاری اطلاع کے لیے یہ بتا دوں کہ راجن کی پشت پر امریکی سفارت خانے کے کرنل گیری کا ہاتھ کارفرما تھا۔ ہوسکتا ہے کہ نیویارک والوں کے ایما پر اسی نے پال اور دوسرے آدمی کو تمہارے پیچھے لگایا ہو۔''

''کرنل گیری!'' ویرا نے پر خیال آواز میں دہرایا۔ ''یہ نام میرے لیے نیا ہے۔ وہ سفارت خانے میں کیا کام کرتا ہے۔''

''سنا ہے کہ انفارمیشن افسر ہے اور چھ سال سے یہاں کام کر رہا ہے۔''

''یہ میرے لیے نیا نام ہے۔ امریکا میں بیوروکریسی بہت بڑی ہے۔ وہ اتنی لمبی مدت سے یہیں ہے تو یقیناً کسی اہم مشن پر کام کر رہا ہوگا۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ راجن کے ساتھ ملا ہوا تھا؟''

''ان باتوں کو چھوڑ دو۔ کریدو گی تو سوال سے سوال پیدا ہوتے جائیں گے اور ہم اصل موضوع سے بھٹک جائیں گے۔ میں ہوا میں تیر نہیں چلا رہا۔ یہ بات راجن نے خود قبول کی تھی۔ جب ملیں گے تو یہ باتیں ہو جائیں گی.... فی الحال اپنی توجہ موجودہ مسائل پر مرکوز رکھو۔''

''ملنے کی بات دور نظر آ رہی ہے۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔ ہم ایک ساتھ حریفوں کی نظروں میں آ گئے تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔''

''یہ صورتِ حال بدل بھی سکتی ہے۔ ریٹا اور اکبر خطرناک نام تھے۔ محتاط رہ کر جیکب اور روزی سے ملاقات کی جا سکتی ہے۔''

''کب آ رہے ہو؟'' ویرا نے اسی لمحے سوال داغ دیا۔ ''یہ معاملات فون پر طے نہیں ہو سکتے۔ کچھ دیر کے لیے روبرو بیٹھ کر تبادلہ خیال کرنا ضروری ہے۔''

''کوئی وعدہ نہیں کر سکتا، کوشش کروں گا۔ نئی جگہ پر تمہارے کمرے کیسے ہیں؟''

''کسی گھر کو معمولی ردوبدل سے گیسٹ ہاؤس بنا دیا گیا ہے۔ یہاں پرائیویسی کا احساس مفقود ہے۔ میرے کمرے کی ایک کھڑکی لابی میں کھلتی ہے۔ آوازیں سننا تو درکنار، کوئی آنے جانے والا چاہے تو اندر جھانک بھی سکتا ہے۔ میں نے وہ کھڑکی بند کر دی ہے۔''

''میں کل کوشش کروں گا کہ ہم کہیں یکجا ہو سکیں۔'' میں نے کہا ''تمہارا ٹھکانا موزوں نہیں ہے۔''

''کوشش نہیں، بس آ جاؤ۔'' اس نے اصرار کیا۔ ''گیری، پال اور تیسرے آدمی کے خیال سے مجھے ہول آ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے نکلنے پہلے ہم ان سے الجھ جائیں۔''

''میں دامن بچانے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ آگے اللہ کی مرضی!''

''جلال شکایت کر رہا تھا کہ تم نے اس کی سخت ہدایت کے باوجود بیم گن کو بے دریغ استعمال کیا ہے۔'' ویرا بات سے بات نکالتی جا رہی تھی۔ ''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''کرسی پر بیٹھ کر ہدایات جاری کرنے اور جان لیوا پچویشن میں فیصلے کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' میں نے ذرا ترشی سے کہا ''تمہیں بھی اندازہ ہونا چاہیے کہ میں جان بوجھ کر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کی حماقت نہیں کر سکتا۔ میں نے ایک فیصلہ کیا تھا تو اس کا تدارک بھی سوچ لیا تھا۔ شاید جلال نے اس بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتایا!'' میں نے ذرا ترشی سے کہا۔

''بتا دیا تھا۔'' اس نے سرسری انداز میں کہا ''آگ زبردست تھی۔ وہ دعا کر رہا تھا کہ اس نے تمہاری توقعات

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ یعنی عقیق، کچھراج لاجورد، نیلم، زمرد یا قوت پتھر سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ **طلسماتی انگوٹھی** پہنے گا، اس کے تمام بگڑے کام سنور جائیں گے۔ مالی حالت خوب سے خوب تر اور قرض سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں آسانی ہوگی جب کہ ازدواجی زندگی قابل رشک ہو جائے گی۔ کاروبار میں استحکام ہوگا۔

یہ اور اس کے علاوہ، وہ تمام کام جو آپ کے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں، وہ سب حل ہو جائیں گے صرف اور صرف اس **طلسماتی انگوٹھی** کی بدولت۔

یاد رکھیں سورۂ یاسین کو قرآن کا دل کہا گیا ہے۔

رابطہ

صوفی علی مراد

021-2446647 موبائل: 0333-2327650

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے مطابق سارے ثبوت چاٹ لیے ہوں۔''

''تمہیں تفصیل معلوم ہے تو پھر یہ بات چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی..... کیا تم مجھے چڑانے کی کوشش کر رہی ہو؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''میں یہی کہہ رہی ہوں۔ آمنے سامنے بات ہو رہی ہوتی تو تمہیں یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ میرے چہرے پر تمہیں نیک نیتی اور تشویش صاف نظر آجاتی۔''

''جیکب کام بگاڑ کر کہاں چھپا ہوا ہے؟'' میں نے بات بدل کر سلطان شان کے نئے نام سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ ''اس سے کہنا کہ وہ بھی کسی وقت مجھ سے بات کرلے۔''

''تمہارا بجر بتو سامنے بیٹھا ہوا مجھے دیکھے جا رہا ہے۔ چاہو تو اس سے بات کرلو!'' ویرا نے یہ کہہ کر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر فون اسے دے دیا۔

''مبارک ہو!'' میرے کان میں سلطان شاہ کی دھیمی اور سنجیدہ آواز گونجی۔ ''تم نے یہاں آکر اپنا ہر کام پورا کرلیا ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میری ایک غلطی نے اب تک میرا پیچھا نہیں چھوڑا اب تم کو بلاوجہ پریشان ہونا پڑے گا۔''

مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ اس کے الفاظ نہیں تھے۔ ایک ساتھ رہنے سہنے کے سبب ان کے درمیان جس نوعیت کی کشا کش چل رہی تھی اس کا مجھے بہ خوبی اندازہ تھا۔ ویرا نے اپنے ناقدانہ رویے سے یہ بات اس کے ذہن میں بٹھائی ہوگی کہ اس کی ذات نئی پریشانیوں کا منبع بنی ہوئی تھی وہ مجرمانہ احساس سلطان شاہ کی دلیرانہ صلاحیتوں کے لیے مضر ثابت ہوسکتا تھا۔

''کام کیا جاتا ہے تو پریشانیاں لامحالہ سامنے آتی ہیں۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی نیت سے کہا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ تم نے وہاں کے ننگے بھوکے اور بے گھر لوگوں میں جس شخص پر توجہ دی وہ واقعی ایک اہم آدمی تھا۔ اب تمہاری نگاہوں میں خاصی پختگی آگئی ہے۔ تم اپنے طور پر درست فیصلے کرنے لگے ہو۔''

''شاید تم میری دل جوئی کرنے کی کوشش کر رہے ہو!'' اس کی آواز سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ روزی ہر وقت مجھے لعن طعن کرتی رہتی ہے۔''

''یہ تمہارے اور اس کے ذاتی معاملات ہیں۔ کسی بڑے فیصلے سے پہلے دونوں فریقوں میں ایسی زور آزمائی ہوتی رہتی ہے۔ شادی سے پہلے وہ تم پر حاوی ہونے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے تاکہ تم زندگی بھر اس کے مطیع بنے رہو۔''

ہم چاروں بہت سنگین صورت احوال سے گزر رہے تھے، ذہن پر عجیب سی پراگندگی کی لہر سوار تھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آگے ہمیں کس صورت حال سے نبرد آزما ہونا پڑے گا لیکن ذہن میں ویرا اور سلطان شاہ کی یک جائی کا خیال آتے ہی تازگی کا احساس یک بہ یک جاگ اٹھا۔ قوطیت کی لہر یکا یک کافور ہوگئی۔

''تم کو کیا ہوگیا ہے۔'' سلطان شاہ کی آواز میں ہلکا سا غصہ جھلکنے لگا ''ایک مسلمان کسی کافرہ سے کسی حال میں ایسا رشتہ نہیں جوڑ سکتا.....''

''بیٹے! وہ کافرہ نہیں، اہل کتاب ہے۔'' میں نے بات کاٹ کر اس کی تصحیح کی۔ ''تم کو بتا چکی ہے کہ وہ عیسائیوں کے کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔''

''رکھتی ہوگی.....'' سلطان شاہ نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔ ''وہ کھڑکی کی طرف منہ کرکے کھڑی ہوئی ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ اس کے کان میری باتوں کی طرف لگے ہوئے ہوں گے۔ میں نے کھری بات کہہ دی تو ابھی فساد کھڑا ہوجائے گا۔''

''دماغ میں آئی ہوئی بات اپنے دل میں نہ رکھو۔ اسی دبی ہوئی آواز میں کہہ ڈالو۔ کچھ پتا تو چلے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے!''

''صرف عیسائی ماں اور وہ بھی بغیر بیاہی ماں کے گھر میں پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دل سے عیسائی ہے۔ وہ خود اعتراف کرچکی ہے کہ زندگی میں کبھی گرجا نہیں گئی۔ وہ بے دین ہے، اپنی قوم، اپنے مذہب تک کا مذاق اڑاتی ہے۔''

''کان کھول کر پہلی بات یہ سن لو کہ اس کو کبھی بھول کر بھی اس کی ماں کے گناہ کا طعنہ نہ دینا۔'' میں نے سختی سے کہا ''اس میں روزی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک ناکردہ گناہ کا طعنہ ناقابلِ برداشت ہوگا۔''

''اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ بات وہ بارہا ہم سب کے سامنے کہہ چکی ہے اور اسے اس بات پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ شاید اس کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ سب کیا دھرا اس کی ماں کا ہے، وہ کیوں احساسِ جرم میں مبتلا رہے۔''

''اس کی یہ سوچ درست ہے۔ اور اب دوسری بات سن۔ اس کے گرجا نہ جانے پر تم لعن طعن کر رہے ہو، یہ بتاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ تم کب مسجد جاتے ہو!''

''یہ نہ کہو، میں نے نیویارک میں بھی جمعے کی نماز مسجد میں پڑھی تھی۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی جمعہ نہ چھوڑوں۔''

''حالانکہ تمہیں دن میں پانچ بار وہاں جانا چاہیے۔ ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ مذہب کے حوالے سے اس پر تنقید کروگے تو وہ بھی تمہارے نیچے ادھیڑنا شروع کردے گی۔ آدمی اپنے مذہب سے ذاتی طور پر کتنا ہی دور کیوں نہ ہو، اس پر کسی دوسرے کی تنقید برداشت نہیں کرتا۔ تم کو محتاط رہنا چاہیے۔''

''آئندہ میں محتاط رہوں گا لیکن تم کو اتنا ضرور بتادوں کہ میں موقع محل سے یہ سب باتیں اس کے سامنے کہہ چکا ہوں اور وہ بھی چراغ پا نہیں ہوئی۔

''یہ اس کی فراخ دلی ہے کہ وہ حقائق کو خندہ پیشانی سے مان لیتی ہے۔''

''تمہاری اس سے گاڑھی چھنتی رہی ہے۔ یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں اس کی ذاتی رائے کیا ہے!'' اس بار سلطان شاہ کی آواز نارمل تھی۔

''تمہارا دھیما لہجہ بلند ہوگیا۔ کیا وہ کہیں چلی گئی ہے؟'' میں نے دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

''تمہارا مشاہدہ واقعی بے مثال ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''تم چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرکے بڑے اندازے لگا لیتے ہو۔ وہ ابھی سگریٹ سلگاتی ہوئی باہر نکلی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لابی میں بیٹھی آواز میں ٹیلی وژن کھول کر بیٹھ گئی ہو۔''

''اس میں ایک بہت اچھی عادت ہے۔ وہ جہاں بھی گئی اس نے وہاں کے مذہب اور رسوم ورواج کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ وہ اسلام کو سب سے بہتر مذہب تسلیم کرتی ہے۔ اس کے پیروکاروں کے بارے میں اس کی رائے اچھی نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اس پر میری محنت کامیاب ہوسکتی ہے!'' اس نے پرامید لہجے میں کہا۔ ''میں نے بھی اس کی طبیعت کا جھکاؤ دیکھ کر اپنا سلسلہ شروع کیا تھا۔''

''وہ مسلمان ہوگئی تو تم اس سے شادی کرلوگے؟'' موقع پاکر میں نے اس سے وہ اہم سوال کرہی ڈالا۔

''تم میری شادی کے بارے میں اتنے فکرمند کیوں ہو؟''

''لوگوں کو لڑکیوں کی فکر ہوتی ہے، مجھے تمہاری فکر ہے۔ تمہیں بہرحال شادی کرنی ہے۔ وہ بھی ساری عمر تنہا نہیں رہ سکتی۔ اگر تم دونوں ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرو تو ایک دوسرے کا سہارا بن سکتے ہو۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ میرا تعلق سرحد کے ایک گاؤں سے ہے۔ میں اسے اپنی بیوی بنا کر وہاں لے گیا تو گاؤں والے میرے سر پر ایک بال نہیں چھوڑیں گے۔''

''تمہاری منطق نرالی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا ''کبھی آمادہ نظر آنے لگتے ہو۔ میں نے سوال کیا تو اب نئی قلابازی کھا رہے ہو۔''

''یہ قلابازی نہیں، حقیقت ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ گاؤں کے لوگ ان معاملات میں کتنے سیدھے اور سخت ہوتے ہیں۔''

''پھر اس کا شبہ درست ہے۔ مسلمان کرکے تم اسے بے سہارا چھوڑ دوگے۔''

''تم بھی تو اس کی مدد کرسکتے ہو۔ ذہنی طور پر وہ تم سے بہت قریب ہے۔'' سلطان شاہ کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ رسید کردیا ہو۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے سکتے کے بعد میں نے حیرت اور بے یقینی سے سوال کیا۔

''تم کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔ تم ہر وقت دوسری کرسکتے ہو۔''

سلطان شاہ میرے سوال کے دباؤ سے نکلنے کے لیے اس رخ پر آیا تھا مگر میرے دل میں چور تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے سامنے اچانک آئینہ رکھ دیا ہو۔

میں نے اپنے وجود میں دوڑ میں والی سنسنی پر قابو پاتے ہوئے بہت نرمی سے کہا۔ ''تم شروع سے میرے ساتھی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ روزی کی یہی خواہش تھی لیکن جب میں

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔
تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صدف کے ساتھ رشتے کے بندھن میں بندھ گیا تو روزی نے رفتہ رفتہ اس حقیقت سے سمجھوتا کرلیا۔ وہ مغرب کی پلی ہوئی ہے۔ اس کے مذہب اور معاشرت میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی میں تمہارے اس مشورے کے بارے میں صدف سے بات کروں .....''

اس نے بلبلا کر میری بات کاٹ دی۔ ''صدف سے بھول کر بھی اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ اس کے دل میں میری طرف سے ہمیشہ کے لیے گرہ پڑ جائے گی۔''

''تمہاری نیت صاف ہے تو تمہیں صدف یا کسی اور سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ آمادہ ہوگئی تو مجھے ایک نو مسلم خاتون کا سہارا بن کر خوشی ہوگی۔'' میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی بات جاری رکھی۔ میں جان بوجھ کر درمیان میں غزالہ کا ذکر لایا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کا خیال آتے وہ پسپائی اختیار کرلے گا۔

''نہیں ..... نہیں تم اس سے بات نہیں کرو گے۔'' اس کی آواز مضطربانہ ہوگئی۔ ''وہ سوچے گی کہ میں اس کا منہ بولا بھائی بن کر اس کا گھر برباد کرانا چاہ رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں اسے کتنا چاہتا ہوں۔ اس سے مشورہ کرکے اور اس کی رضا مندی کے بغیر میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرسکتا۔''

''مت کرو۔ سمجھ لو کہ میں نے اس بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا۔ وہ اس وقت تمہاری باتیں تو نہیں سن رہی؟'' سلطان شاہ بوکھلایا ہوا تھا۔

''اپنی رسٹ واچ دیکھو۔ اس وقت رات کا ایک بج چکا ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ ''وہ بہت دیر سے گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔''

''اللہ کا شکر ہے کہ میں بہت بڑی خفت سے بچ گیا۔ میں نے رواروی میں اپنی بات کہہ ڈالی۔ میرے ذہن میں صدف کا خیال آجاتا تو میں اپنی زبان نہ کھولتا۔ دیکھو، اس سے اس بارے میں ایک لفظ نہ کہنا۔ عورتیں چھوٹے دل کی ہوتی ہیں۔ وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے متنفر ہوجائے گی۔ میں نے یہ بات تمہیں چڑانے کے لیے کہی تھی، تم بلاوجہ سنجیدہ ہوگئے۔''

''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ میں تمہارے کہے ہوئے ہر لفظ کو اہمیت دیتا ہوں۔'' میں نے اسے مزید رگڑنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے درمیان اس موضوع پر قسطوں میں بات ہورہی ہے۔ اپنے گھر اور گاؤں والوں کے بارے میں اچھی طرح سوچ لو، اپنے حوصلے کا اندازہ لگا لو پھر مجھے جواب دو۔ تمہاری طرف سے کوئی اشارہ ملنے کے بعد میں روزی سے بات کروں گا۔ وہ مادہ پرستی کے ڈھکوسلوں سے اکتائی ہوئی ہے۔ اسے سکھ کی تلاش ہے جو کہیں نہیں مل سکا۔ وہ اپنے ذہنی سکون اور سکھ کے لیے کوئی بڑا فیصلہ کرگزرے گی۔''

''میں نے پہلے بھی وقت لیا تھا۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں، موجودہ جھمیلوں سے نکلنے کے بعد میں سکون سے کوئی فیصلہ کرسکوں گا۔''

میں نے بات کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے لیے وقفوں سے ہونے والی ایسی گفتگو زیادہ کارگر ثابت ہوسکتی تھی۔ پتھر پر گرنے والا بوند بوند پانی آخرکار اس میں گڑھا ڈال دیتا ہے۔ وہ ترغیبی نکتے کبھی نہ کبھی بارآور ہونے والے تھے۔

''آپ ذرا سی دیر میں بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ ہر طرف مہیب خطرات منڈلا رہے ہیں۔ پتا نہیں آپ کے خلاف اب سازشوں کا کون سا نیا جال بنا جارہا ہے۔ ان حالات میں آپ اس سے یوں باتیں کررہے تھے جیسے ہم کراچی میں بے فکر بیٹھے ہوں اور آپ کل ہی ان دونوں کا گھر بسانے کا ارادہ کرچکے ہوں۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا۔

''خطرات ٹل چکے ہیں، راجن کی موت کے بعد ہر طرف ٹھہراؤ آگیا ہے۔'' میں نے بستر پر دراز ہوکر کہا۔ ''اہم ترین بات یہ ہے کہ اب ہمیں یہاں کچھ نہیں کرنا۔ ڈان کی کامیابی کا جشن منعقد ہونے تک ہمیں آرام کرنا ہے پھر ہم یہاں سے چل دیں گے۔''

''وہ دونوں اب کہاں ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اسے ویرا اور سلطان شاہ کی منتقلی کا قصہ سنا دیا جس میں ٹی ایچ پال کی بدنصیبی کا ذکر نمایاں تھا۔

''آپ کہہ رہے ہیں کہ خطرات ٹل گئے۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ پال کی مرمت کے بعد وہ زیادہ شدومد کے ساتھ ریٹا اور اکبر کو تلاش کریں گے۔''

''وہ دونوں غائب ہوگئے۔ ان کے نئے نام روزی اور جیکب ہیں۔ اگر وہ شکل وصورت سے نہ پہچانے جائیں تو ساری امریکن آرمی مل کر بھی بنکاک میں ان کا کھوج نہیں لگا سکتی۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

''ویرا زیادہ دیر تک ٹک کر بیٹھنے والی نہیں ہے۔'' غزالہ نے مایوسی سے کہا ''وہ گھومنے پھرنے کا خطرہ مول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لے گی اور مشکل میں پڑ جائے گی۔''

''اس خدشے کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ پال سے ٹکراؤ ہونے کے بعد اسے معاملے کی نزاکت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ اگر یہ تمہاری بددعا ہے تو بات دیگر ہے۔''

''اس نے کون سی میری جاگیر ماری ہے جو میں اسے بددعا دوں!''

''تم نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ جب میں نے تمہیں آنکھ ماری تھی، اس وقت سلطان شاہ سے میری کیا بات ہو رہی تھی۔''

''ضرورت نہیں سمجھی!'' اس نے مسکرا کے کہا ''شاید اس نے آپ کے سوالوں سے جان چھڑانے کے لیے کوئی جوابی وار کر دیا تھا۔ ذرا سی دیر کے لیے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ کیا اس نے آپ کو ویرا سے دوسری شادی کا مشورہ دیا تھا؟''

غزالہ کے صحیح ترین اندازے پر میں ششدر رہ گیا اور مجھے کسی دوست کی کہی ہوئی یہ بات یاد آ گئی کہ شوہروں کی کمزوریوں کا سراغ لگانے کے لیے بیویوں میں ایک ایسی خصوصی حس بیدار ہو جاتی ہے جو چھٹی حس سے بہ درجہا تیز ہوتی ہے۔ غزالہ نے بہت زیادہ معصومیت کے ساتھ موضوع سخن کے بارے میں درست اندازہ لگایا تھا۔

ہمارے درمیان اس بارے میں نوک جھوک شروع ہو گئی اور اس دوران میں کسی وقت میری آنکھ لگ گئی۔

میرا وہ دن بہت مصروف گزرا۔ صبح سے رات گئے تک جسمانی اور اعصابی تکان سے میرا برا حال ہو چکا تھا۔ نیند کی دیوی مہربان ہوئی تو میں اس کی گہری آغوش میں چلا گیا۔ نہ جانے میں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے میرے فون کی گھنٹی آسیبی انداز میں بج رہی ہو۔ ابتدا میں وہ خواب کا سا موہوم تصور تھا لیکن خواب بہت برق رفتار ہوتے ہیں۔ زمان و مکاں کی ہر قید سے آزاد ہو کر لمحوں میں صدیوں کا احاطہ کر لیتے ہیں لیکن وہ اگر خواب تھا تو بس ایک ہی جگہ رک کر رہ گیا تھا۔

میں نے کسل مندانہ انداز میں آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں ایئر کنڈیشنر کی فرحت بخش خنکی رچی ہوئی تھی اور وہ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ میں نے نیم وا آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا تو سوئیاں صبح کے چار بجا رہی تھیں۔

میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی رہ رہ کر بجے جا رہی تھی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے اس رات بھرپور نیند میرے مقدر میں نہیں تھی۔

> باپ نے کمسن بیٹے سے کہا ''کیا تم اس بات پر حیران نہیں ہوتے کہ انڈوں میں سے چوزے کیسے نکل آتے ہیں؟''
>
> ''ڈیڈی! اس سے زیادہ تو میں اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ چوزے، انڈوں کے اندر جاتے کیسے ہیں؟'' بچے نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک نگاہ اپنے پیچھے ڈالی۔ غزالہ کروٹ لیے گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے فون کا بٹن دبا کر اسے کان سے لگایا تو چاؤ فان کی چہکتی ہوئی آواز سن کر میرا دماغ سنک گیا۔

''ماسٹر! تم سو تو نہیں رہے تھے؟'' اس کا سوال نہایت احمقانہ تھا۔

''چاؤ فان! یہ شریف انسانوں کی گہری نیند کا وقت ہے۔ تم کیوں میری جان کا عذاب بننے پر تلے رہتے ہو..... تم نے مجھے نیند سے اٹھایا ہے.....''

''مجھے افسوس ہے ماسٹر لیکن میں مجبور تھا۔ کیا تم اس وقت اپنے کمرے سے نکلنے کے موڈ میں ہو؟'' معذرت کے ساتھ ایک عجیب سوال کر کے اس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''آج ڈان نے تمہارے سامنے میری مہمان داری کا ذکر کیا تھا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اگر یہ اس مہمان داری کی ابتدا ہے تو میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، آرام کرنے دو ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

''مجھے تمہاری تھکن اور آرام کا پورا احساس ہے۔ میں دوسری طرح اپنی تھکن اتار رہا تھا۔ اس وقت میامی کلب میں چھوٹا راجن کی بربادی کا خفیہ جشن منایا جا رہا ہے۔ ماسٹر، تم یقین کرو کہ یہاں پورا پرستان اترا ہوا ہے۔ بے خودی اور سپردگی کی ایسی فضا ہے کہ فرشتے بھی یہاں سے ہلنا نہیں چاہیں گے مگر میں مجبور ہوں۔ ابھی ڈان کا پیغام آیا ہے۔ وہ اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ سنجیدہ اور معذرت خواہانہ لہجے میں کہتا چلا گیا۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں چند گھنٹے پہلے اس سے ملا تھا۔ اس کا اصل حریف اب تک جل کر راکھ ہو چکا ہوگا۔ ایسی کیا ایمرجنسی پیش آ گئی کہ سورج طلوع ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے دوبارہ طلب کر رہا ہے۔''

میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔ میرا نیند کا خمار غائب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو چکا تھا۔

''تم جانتے ہو کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا۔ بس حکم دیتا ہے۔''

''صبح کے چار بجے میں وہاں کیسے جاؤں گا؟'' میں نے جھلا کر کہا۔

''ہوٹل سے ریڈیو ٹیکسی مل سکتی ہے مگر وہ مناسب نہیں رہے گی۔'' اس نے حسب عادت بولنا شروع کر دیا ''اس نے مجھے حکم دیا ہے۔ تمہیں وہاں پہنچانا میری ذمے داری ہے۔ حکم دو کہ یہ خادم کتنی دیر میں پہنچ جائے!''

''اگر میں اس وقت نہ جا سکوں؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''مجھے صدمہ ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم ہمت کر ہی لو گے۔ ایک انکار سے تمہاری ساری محنت اور کارکردگی اکارت جائے گی۔ وہ خوبیاں بھول جاتا ہے' خرابیاں یاد رکھتا ہے۔'' چاؤفان نے بہت تہذیب اور شائستگی سے مجھے انکار کے نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

اس سلسلے میں چاؤفان کے منہ لگنا بے سود تھا۔ وہ اس وقت چابی دیے ہوئے کھلونے کی طرح ڈان کی طرف داری میں بول رہا تھا۔ وہ اپنے طور پر کوئی متبادل فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا یہ کہنا صحیح تھا کہ میرا انکار میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ڈان کے پاس جانا میری مجبوری تھی۔

''پندرہ منٹ بعد پہنچ جاؤ!'' میں نے جلے کٹے لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

غزالہ اس وقت بھی بے خبر سو رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اس کی نیند میں مخل ہوئے بغیر' خاموشی سے تیار ہو کر ڈان کی طرف نکل جاؤں لیکن میں نے وہ ارادہ فوراً مسترد کر دیا۔ ڈان کا نیا نادر شاہی حکم مجھے اپنے لیے خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ اندازہ نہیں تھا کہ مجھے سیلرز بار میں کیا حالات درپیش ہوں گے اور کب تک میری واپسی عمل میں آ سکے گی۔ غزالہ میری غیر حاضری میں نیند سے بیدار ہو کر سخت پریشانی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

میں نے دل ہی دل میں ڈان اور چاؤفان کو برا بھلا کہتے ہوئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ میں غسل خانے سے نہا کر باہر نکلا تو غزالہ از خود بیدار ہو چکی تھی۔ اس کی خمار آلود نگاہوں سے تشویش جھلک رہی تھی۔

میں نے اپنی تیاری جاری رکھتے ہوئے اسے ڈان کے تازہ ترین فرمان سے آگاہ کیا تو اس کی تشویش خوف میں بدل گئی۔ میری طرح اسے بھی یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ محض چند گھنٹوں کے بعد ڈان کو یکا یک میری کیا ضرورت پڑ گئی تھی۔

میری طرف سے اندیشے کے اظہار پر غزالہ نے متانت سے یہ بتا کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ میری طلبی کا سبب جو کچھ بھی رہا ہو، اس میں ڈان کی برہمی کا عنصر نہیں تھا۔ کسی بھی وجہ سے ڈان میری طرف سے بھڑکا ہوا ہوتا تو مجھے چاؤفان کے ذریعے بلوانے کے بجائے ہوٹل سے زبردستی اٹھوا سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمارے مراسم میں ایسی کوئی سنگین خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ ڈان کو علی الصباح میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

میں نے غزالہ کو سمجھایا کہ میری واپسی میں تاخیر کسی اور گڑبڑ کی صورت میں وہ فوری طور پر طارق اور جلال سے براہ راست رابطہ کر کے پوری صورت احوال بتا دے۔ ڈان کے نظریں پھیر لینے کے بعد بنکاک میں صرف طارق ہی ہمارا مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔ ویرا اپنے مسئلے میں پھنس کر رہ گئی تھی، میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی بری خبر سن کر اضطراری طور پر اپنی نئی کمین گاہ سے باہر نکلے اور اپنے پیچھے لگے ہوئے امریکی بھیڑیوں کے ہاتھوں دھر لی جائے۔

ضروری بریفنگ کے بعد میں جوتے پہن رہا تھا کہ ایک مرتبہ پھر میرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس بار طارق لائن پر موجود تھا۔

اسکرین پر اس کا فون نمبر دیکھتے ہی میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ اس کی طرف سے اس وقت فون آنا حیران کن تھا۔

''مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری پر نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی۔'' میری طرف سے جواب ملتے ہی طارق نے بولنا شروع کر دیا'' مجھے اس کی کسی بھی غیر معمولی نقل و حرکت کی اطلاع فوری طور پر تم کو دینا تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے اپنے گھر سے اکیلا نکلا تھا۔ میں اس کا پیچھا کرتا ہوا بندرگاہ کی طرف جانے والے راستے پر پہنچا ہوں۔ وہ ابھی سیلرز بار نامی ایک پب میں داخل ہوا ہے جہاں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔''

طارق کی دی ہوئی خبر سنتے ہی میرا دماغ گھوم گیا۔ کرنل گیری کے ساتھ میری سیلرز بار میں طلبی میری سلامتی کے لیے کوئی اچھا شگون نہیں تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے اسپیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزال ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کو انگ نوما ئی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنز کک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آنز کک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زار اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مشتبہ ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سمیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے رام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزال وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بناء پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا مختکر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری اخوشی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مار کر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کی ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے ای پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ سکھر انہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پھٹخا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اسٹیفن نور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام منصوبہ خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ ڈان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس فلٹے کے چھ نامور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آ کر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ ڈان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چتا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تھا ہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریلی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کا رفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ ہم اس واقعے کے نتائج و عواقب میں الجھے ہوئے تھے کہ ڈان نے مجھے طلب کیا اس وقت آئی بی کے عقالی نمائندے نے اطلاع دی کہ کرنل گیری بھی ڈان کے بلاوے پر سیکرز بار پہنچا ہوا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 256 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

''اس وقت تم کہاں ہو؟'' چند ثانیوں تک سکتے کی حالت میں خاموش رہنے کے بعد میں نے پوچھا۔

''شاید یہ خبر سن کر تم کو ذہنی دھچکا لگا ہے اور تم میری پوری بات نہیں سمجھ پائے۔'' اس کی آواز میں طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ ''میں نے تمہیں بتایا ہے کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں تک سائے کی طرح اس کا پیچھا کرنا ہے۔ میں سیکرز بار کے سامنے والی سڑک کے پار اندھیرے میں ایک بنچ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ وہ نکلے گا تو اس کے پیچھے چل دوں گا۔''

''ذرا ہوشیار رہنا۔ وہ ڈان کا علاقہ ہے۔ وہ بہت زیادہ باخبر رہتا ہے۔ اس کے کسی گرگے کو تم پر شبہ ہو گیا تو تم مشکلات میں گھر جاؤ گے۔'' اپنی پریشانی کے باوجود میں نے اسے خطرے سے خبردار کرنا ضروری سمجھا۔

''تم ڈان برنارڈ کی بات تو نہیں کر رہے؟'' اس کی تائید طلب آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ میرے انکشاف نے اسے چونکا دیا تھا۔

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔ وہ ایک پیشہ ور سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اپنے فطری تجسس کی وجہ سے اس کو شہر میں ڈان جیسے بھرپور کردار کی موجودگی کی سُن گُن ملنا میرے لیے کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ''سیکرز بار اسی کی ملکیت ہے۔''

''گیری اس جرائم پیشہ شخص سے ملنے کے لیے اتنے نامناسب وقت پر کیوں دوڑا چلا آیا ہے!'' اس کا لہجہ سوالیہ سے زیادہ خود کلامی کا سا تھا۔

''یہ بات میرے لیے بھی پریشان کن ہے۔ ایک اہم غیر ملکی سفارت کار کو مقامی مجرموں سے کیا سروکار ہو سکتا ہے!'' ہم دونوں فکرمند تھے اور کسی کے پاس ایک دوسرے کے ذہن میں ابھرنے والے سوالات کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔

پاکستان میں میرا رابطہ جلال سے تھا۔ اپنے محکمے میں صرف اسے ان خطرات کا مکمل ادراک تھا جو مجھے درپیش تھے۔ یہ یقینی طور پر اس کی ہدایت ہو سکتی تھی کہ طارق گلے اڑتالیس گھنٹوں تک گیری کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے۔ طارق براہ راست جلال کو جواب دہ نہیں تھا۔ جلال نے وہ ہدایت اس کے بڑے افسر کے ذریعے بہت تیزی سے اس تک پہنچائی تھی۔

میں نے جلال کو بنکاک میں درپیش حالات سے پوری طرح آگاہ کر کے اپنا فرض پورا کیا تھا۔ مجھے یا اس کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ راجن کے عبرت ناک زوال کے بعد گیری صبح صادق سے بھی پہلے ڈان سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ اس کی نگرانی کی ضرورت شاید ویرا اور سلطان شاہ کے تحفظ کے لیے محسوس کی گئی تھی لیکن اس کا نتیجہ نہایت سنسنی خیز ثابت ہوا۔ میرے لیے یہ جاننا ضروری ہو گیا تھا کہ ڈان نے گیری کے پہنچنے کے بعد مجھے طلب کیا تھا یا وہ پہلے ہی مجھے بلانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''گیری کو وہاں پہنچے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

''وہ ابھی اندر گیا ہے۔ اس کے اندر جاتے ہی میں نے تمہیں فون کیا ہے۔'' طارق نے بتایا۔

''تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ سیکرز بار والے اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے؟''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے اس کے باوجود بار کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ گیری کی گاڑی رکتے ہی اندر دھیمی روشنی ہوئی اور ایک آدمی نے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا اور وہ دونوں اندر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلے گئے۔ یہاں کا سماں عجیب سا ہے۔ بار کے باہر ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور کانچ کباڑ پھیلا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے رات گئے یہاں شرابیوں میں مار کٹائی ہوئی ہو.....''

''استقبال کرنے والا جسیم اور دراز قامت تھا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اضطراری لہجے میں سوال کیا۔

''نہیں' کوئی موٹا سا' پستہ قامت مقامی معلوم ہو رہا تھا۔''

میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ ڈان برنارڈ کا پالا ہوا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ چاروں موٹے شراب کے نشے میں دُھت ہوجانے کی وجہ سے شام کو ڈان کے ٹھکانے سے غائب تھے۔ نشہ اتر جانے کے بعد وہ ایک ایک کر کے چپکے سے لوٹ آئے ہوں گے۔ شاید ڈان نے ان ہی میں سے کسی کو گیری کے استقبال پر مامور کردیا تھا۔

لمحہ بھر کی خاموشی میں' میں نے اپنے ذہن میں پورا نقشہ جمایا۔ ڈان نے سواری کی دقت کی وجہ سے براہ راست مجھے ہدایت نہیں دی تھی۔ یہ ذمے داری اس نے چاؤفان کو سونپی جو میامی کلب میں راجن کی موت پر برپا ہونے والے طرب و نشاط کے ایک جشن میں شریک تھا۔

اس نے بہکے ہوئے اس مخلوط اجتماع میں اپنے حواس کو یکجا کرنے کے بعد مجھے فون کیا۔ اس کال کو آئے خاصی دیر ہوچکی تھی جب کہ طارق کے بیان کے مطابق گیری اسی وقت سیلرز بار میں پہنچا تھا۔

اس ترتیب وار موازنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے مجھے بلانے کا فیصلہ گیری کے پہنچنے سے پہلے کیا تھا۔ اگر اس نے اس سے پہلے گیری کو فون کردیا ہوتو وہ معاملہ مختلف ہوجاتا۔

ایک بات بہر حال طے تھی کہ میری طلبی کا فیصلہ ڈان کا تھا۔ اس میں گیری کی رائے یا مشورے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اڑتالیس گھنٹے پورے ہونے تک میں گیری کے پیچھے لگا رہوں گا۔ ابھی صرف چار پانچ گھنٹے گزرے ہیں۔'' اس نے جواب دیا ''جب تک وہ سیلرز بار میں رکا ہوا ہے' میں بھی یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہوں گا۔ میں نے اس کی یہاں آمد کے بارے میں تم کو اطلاع دے کر اپنا فرض پورا کردیا۔''

''شاید تمہارے لیے یہ اطلاع دلچسپ ہو کہ تھوڑی دیر میں' میں بھی وہیں آرہا ہوں۔''

''کیوں؟'' آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ میرے الفاظ پر چونک گیا تھا۔ ''کیا تم گیری سے تصادم کے ارادے سے آرہے ہو؟''

''یہ میرا ارادہ نہیں ہے' ڈان نے مجھے وہاں طلب کیا ہے۔''

''ڈان سے تمہارا کیا واسطہ؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔ وہ اندر کی بہت سی باتوں سے یکسر بے خبر تھا۔ ان میں میرے اور ڈان کے نازک مراسم بھی شامل تھے۔

''لمبی کہانی ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ڈان اپنی دانست میں مجھے استعمال کر رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا۔

''خطرناک معاملہ ہے۔'' وہ میرے ایک فقرے سے پوری بات سمجھ گیا۔ ''آخری جیت سے پتا چل سکے گا کہ کون کس کو استعمال کر رہا تھا۔ میں ایک بار پھر تمہیں بتادوں کہ سیلرز بار پر تمہارا ڈان یا گیری سے کوئی ٹکراؤ ہوا تو میں کھل کر تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ میری حیثیت ایک بے بس تماشائی سے زیادہ نہیں ہوگی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' میں نے اپنے حلق میں تلخی سی گھلتی ہوئی محسوس کی۔ ''تمہارے لیے اپنا دامن بچائے رکھنا سب سے مُقدّم ہے۔ تمہاری مہربانی ہے کہ تم نے مجھے گیری کی آمد کی اطلاع دے دی۔ میں راستے میں اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ ذہنی تیاری کرسکوں گا۔''

''اگر تم مجھ پر طنز کر رہے ہو تو شاید تمہیں میری مجبوریوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے پہلی بار شکایتی لہجے میں کہا۔

''مجھے ہر بات کا اندازہ ہے۔ تم میری پوزیشن سے بے خبر ہو۔ میں یہاں تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی لغزش مجھے تحت الثریٰ میں پہنچا سکتی ہے۔''

''بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ تم یہاں اپنی من مانیاں کر رہے ہو۔ موتی محل کے واقعے نے شہر بھر میں خوف و ہراس اور سنسنی کی فضا پیدا کردی ہے۔ اپنی مجبوریوں کے باوجود میری ساری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ الگ تھلگ رہ کر میں جو کچھ کرسکا' کرگزروں گا۔''

میرے لیے اس کی وہ یقین دہانی کافی تھی۔ میں نے تشکر آمیز کلمات کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع کردیا۔

گیری..... گیری..... گیری۔ اس وقت میرے ذہن میں وہی ایک نام گونج رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ صبح کے چار بجے سیلرز بار کیوں پہنچا تھا۔

چاؤفان کو دیا ہوا وقت قریب آرہا تھا۔ میں غزالہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخصت ہو کر کمرے سے نکل آیا۔ میرا ذہن مسلسل گیری کے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ طارق نے اس کے سیلرز بار پہنچنے کی خبر دے کر میرے دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ خبر یقیناً بہت اہم تھی۔ میں بے خبری کے عالم میں ڈان کے پاس پہنچتا تو میرے لیے سنگین مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

ڈان سیلرز بار میں صرف کاروبار کرنے کے اصول پر کاربند تھا۔ میرے تجربے کے مطابق وہ وہاں اپنے کسی ملاقاتی سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ ملنے والوں کو وہ عقبی دروازے سے بار کی اوپری منزل پر بلایا کرتا تھا۔ اس نے گیری کو بلایا ہوتا تو وہ اسی راستے سے اوپر جاتا۔ طارق نے مجھے بتایا کہ گیری کو سیلرز بار کے دروازے سے اندر لے جایا گیا تھا۔ اس باریک نکتے سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید ڈان نے اسے نہ بلایا ہو۔ وہ سازشی ذہن کا مالک تھا۔ عام جرائم پیشہ لوگوں سے روابط رکھنے کے بجائے ان کے سرغنوں سے قریبی مراسم استوار کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اس نے موتی محل میں زبردست آتشزدگی سے ہوا کے رخ کا اندازہ لگا لیا ہو اور ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے منہ اندھیرے وہاں دوڑا چلا آیا ہو۔ دن کے اجالے میں اس کی وہاں آمد کا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے ڈان سے ملنے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کیا جب پورا شہر اور شہر کی خبریں سونگھتے پھرنے والے رپورٹرز گہری نیند سو رہے ہوں۔

گیری خود وہاں پہنچا ہو یا ڈان نے اسے بلایا ہو' میرے لیے دونوں صورتیں تشویش ناک تھیں۔ میں نے گیری کے نام کی آڑ لے کر ڈان کو جو فرضی کہانی سنائی تھی' وہ ان دونوں کے درمیان زیرِ بحث آتی تو میرا کچا چٹھا کھل جاتا۔ ڈان کے دل و دماغ میں میری طرف سے پہلے ہی وسوسے پروان چڑھ رہے تھے۔ گیری کی وضاحتوں کے بعد اس کا یہ شک یقین میں بدل جاتا کہ میں اس کے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اسے فریب دے کر بنکاک میں اپنا کوئی کھیل کھیل رہا تھا۔ میرے لیے وہ بہت مہیب اور گمبھیر مرحلہ تھا۔ میں ڈان کے پاس جانے سے انکار کر دیتا تو وہ اپنی توہین کے احساس سے ویسے ہی میرے خون کا پیاسا ہو جاتا۔ بہتر یہی تھا کہ میں فتح کے نشے میں سرشار' اس سرکردہ بدمعاش کی انا کو ذرا بھی ٹھیس نہ پہنچاؤں' سعادت مندی اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس سے مل کر اپنے لیے کوئی راہ نکالنے کی کوشش کروں۔

چاؤ فان اپنے وعدے کے مطابق میرا منتظر تھا۔ میں گاڑی میں بیٹھا تو یخ بستہ بند کیبن میں الکحل کی تیز بو رچی ہوئی تھی جو چاؤ فان کے سانسوں کے ساتھ فضا میں شامل ہو رہی تھی۔

''تم نشے میں ہو' گاڑی چلا لو گے؟'' میں نے کسی برہمی کا اظہار کیے بغیر' نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہاں تک میں خود ڈرائیو کر کے آیا ہوں تو سیلرز بار بھی پہنچ جاؤں گا۔ جب سے تم ملے ہو میری ساری تفریحات کا لطف غارت ہو گیا۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''کہو تو ذرا سی دیر کے لیے تمہیں بھی میامی کلب لے چلوں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ رات بھر کی مے نوشی کے بعد وہاں خلوص و محبت کا کیسا سماں بندھا ہوا ہے' سب ایک دوسرے پر فدا ہونے پر تلے ہوئے ہیں۔ ہر مرد و زن کو اپنی پسند کے ساتھی کے انتخاب کی آزادی ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے کہ پریاں شراب پیتی ہیں تو شراب ان کا سارا غرور اور گھمنڈ پی جاتی ہے' وہ ڈالی پر لگے ہوئے پکے پھل کی طرح نرم خو اور صلح جو ہو جاتی ہیں۔ بات صرف پسند اور ہمت کی رہ جاتی ہے۔ جو بڑھ کر چھو لے' اس کی جھولی میں آ گرتی ہیں۔''

''نشے کی جھونک میں شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ ہمیں ڈان کے پاس پہنچنا ہے۔'' میں نے طنز سے کہا۔ ''ہم میامی کلب گئے تو تاخیر ہو جائے گی۔''

وہ بے نیازی سے ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! میں الکحل میں نہالوں تب بھی مجھے نشہ نہیں ہوتا' مجھے ہر بات یاد رہتی ہے۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ڈان کے پاس کوئی بن بلایا مہمان پہنچا ہوا ہے۔ راستے میں ڈان کا فون آیا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ میں اس کی طرف سے گرین سگنل ملنے تک سیلرز بار کا رخ نہ کروں۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے سے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم اتنی دیر کے لیے میامی کلب کے ہال میں جا بیٹھیں جہاں زندگی کی ساری رعنائیاں اور رنگینیاں اپنے شباب پر آئی ہوئی ہیں۔ تم کو ایسی محفلیں شاذ و نادر ہی مل سکیں گی۔''

وہ میامی کلب میں خلوص و محبت اور آزادی کی جس فضا کا تذکرہ کر رہا تھا اس کا تصور ہی میرے لیے کراہت انگیز تھا۔ اس خفیہ جشن کے شرکا خمار میں ڈوب کر انسانیت کے مرتبے سے بہت نیچے گر کر حیوانیت کے درجے پر آئے ہوئے تھے۔ جہاں نفس اور شکم کی بھوک مٹانے کے سوا کوئی تیسری ضرورت باقی نہیں رہتی' ساری اقدار ایسے لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ مجھے انسانی روپ میں بہکتے اور لڑکھڑاتے ہوئے ان ہوس زدہ حیوانوں کے اجتماع میں شریک ہونے سے ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے دو ٹوک الفاظ میں وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے اپنی دانست میں میامی کلب جانے کا جواز بیان کیا تھا مگر میرے لیے یہ نکتہ بہت اہم تھا کہ ڈان نے اپنے کسی بن بلائے مہمان کی آمد کی وجہ سے چاؤفان کو اپنا پروگرام کچھ دیر کے لیے ملتوی کرنے کی ہدایت کی تھی۔

چاؤفان کی بسیار گوئی کی عادت کی وجہ سے میری بہت بڑی الجھن دور ہوگئی۔ کرنل گیری کو ڈان نے طلب نہیں کیا تھا۔ اس کے بارے میں میرا دوسرا نظریہ درست ثابت ہوا تھا کہ وہ ڈان سے اپنے پرانے مراسم کی تجدید کے لیے رات کے آخری لمحات میں خاموشی سے اس کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

مجھے بس یہ فکر رہ گئی کہ ڈان اور گیری کی اس غیر متوقع ملاقات میں میری وہ کہانی زیرِ بحث نہ آئے جو میں نے فون کے نظام میں خلل کے حوالے سے ڈان کو سنائی تھی۔

''ماسٹر! تم برا نہ مانو تو میں کہہ دوں کہ تمہاری جمالیاتی حس نہ جانے کہاں سوئی ہوئی ہے۔ پتا نہیں تم اتنے خشک اور کورے کیوں ہو۔'' میرے انکار پر اس نے مایوسی سے کہا۔

''میرے برا ماننے یا نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم جو بات کہنا چاہتے ہو' بے دھڑک ہو کر کہہ جاتے ہو۔ میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں!''

''تم مکّا مار کر میرا چہرہ بگاڑ سکتے ہو۔'' وہ خوش دلی سے بولا۔ ''مگر مجھے معلوم ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے کیونکہ تم ماسٹر کے ساتھ میرے دوست بھی ہو۔ ڈان سے شکایت کر کے میرا مستقبل تباہ کر سکتے ہو اور یہ بھی پسند نہیں کرو گے کیونکہ تم میرے خیر خواہ ہو۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میامی کلب میں ہمارا وقت بہت اچھا گزر جاتا۔ پتا نہیں ڈان کا گرین سگنل کب آتا ہے۔ اس کے انتظار میں ہمیں شہر کی سنسان اور بے رونق سڑکوں کی خاک چھاننا ہوگی۔ کہو تو ہم کسی ہوٹل ہی میں جا بیٹھیں۔''

وہ خالی الذہن تھا اس لیے فضول باتیں سوچ رہا تھا۔ میں نے مفت میں ہاتھ آئی ہوئی اس مہلت کو کام میں ڈھالنے کے لیے اس کی ذہنی رو موڑنے کا ارادہ کر لیا اور کہا۔

''اس وقت ڈان کے پاس کون آ سکتا ہے؟''

''کوئی بے خوف اور بڑا آدمی ہوگا۔'' اس نے اپنی رائے ظاہر کی ''ڈان ناوقت آنے والوں کو ذرا بھی گھاس نہیں ڈالتا۔ وہ کوئی ایسا مہمان معلوم ہوتا ہے جس سے ڈان کو بادل نا خواستہ ملنا پڑ رہا ہوگا۔''

''کیا شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں؟'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''دو' سوا دو سال سے ڈان سب سے کٹا ہوا تھا۔ اب چھوٹا راجن کا ستارہ غروب ہوا ہے تو سب چھوٹے بڑے سرکاری افسر ڈان کی طرف دوڑ لگائیں گے۔'' وہ بولا ''ان میں پولیس والے سب سے آگے ہوں گے۔ ہم لوگوں کی سب سے زیادہ دوستیاں اور دشمنیاں ان ہی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہاں کا پولیس کمشنر سب سے زیادہ بوکھلایا ہوا ہوگا۔ وہ ہر وقت چھوٹا راجن کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے مال بنا رہا تھا۔''

میرے لیے وہ سامنے کی باتیں تھیں۔ انہیں جاننے کے لیے چاؤفان سے کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان مقامیوں کے ساتھ میں اس کی زبان سے گیری کا نام بھی سننا چاہ رہا تھا۔ چاؤفان کا دھیان اس کی طرف نہیں گیا۔

''تم نے راجن کا ستارہ غروب ہونے کی بات کی ہے۔ یہ سب اس کی موت کی خبر منظرِ عام پر آنے کے بعد ہوگا۔ ابھی شہر میں صرف آگ کی خبر گردش کر رہی ہے۔ ہم تین آدمیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ اس آگ میں راجن کی چتا بھی چل رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! یہ بات پرانی ہوگئی۔'' اس نے گاڑی کو ایک سڑک پر موڑتے ہوئے جواب دیا۔ ''اب سے کچھ دیر پہلے بلکہ کئی گھنٹوں پہلے فائر مین جلی ہوئی لاشوں تک پہنچ گئے تھے۔ ان کی شناخت بھی ہوگئی تھی۔ یہ ڈیڑھ دو بجے کا واقعہ ہے۔ وہ خبر سامنے آنے کے بعد ہی ہم لوگوں نے میامی کلب میں جشن منانا شروع کیا تھا۔ اس خبر کے سامنے آنے سے پہلے خوشی کا اظہار کیسے کیا جا سکتا تھا؟''

نشے میں ہونے کے باوجود اس کا ذہن صحیح سمت میں کام کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو میں بہکنے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ پھر بھی میں نے بات اسی پر رکھتے ہوئے کہا ''ابھی کچھ دیر پہلے تم گیری کا ذکر کرتے کرتے چپ ہوگئے تھے' کیا بات تھی وہ؟''

''میں نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا۔'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

''زیادہ پی لینے میں یہی خرابی ہوتی ہے۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر خفگی سے کہا۔ ''اب تم کہہ دو گے کہ تم نے پولیس کمشنر کا نام بھی نہیں لیا تھا۔''

''وہ یاد ہے لیکن گیری!'' اس نے خاموش ہو کر اپنی شہادت کی انگلی سے اپنی پیشانی کو ٹھوکا پھر جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولا ''میں نے گیری کا نام کیوں لیا تھا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسے غائب دماغ لوگوں سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔'' میں نے مزید بے زاری کا مظاہرہ کرنا ضروری سمجھا۔ ''کچھ پتا نہیں کہ تھوڑی دیر بعد تمہیں کیا یاد رہے گا اور کیا بھول جاؤ گے۔ اب میں تمہاری یادداشت بحال ہونے تک یہ سوچتا رہوں گا کہ تم نے گیری کے بارے میں کیا بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کی ہے۔''

''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ ''گیری کے بارے میں بس ایک معمولی سی بات رہ گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ یاد آ گئی ہو۔''

''تو وہی بک دو تاکہ میری خلش دور ہو۔'' میں نے جھلانے کی صداکاری کی۔

''سیلرز بار سے ہم لوگوں کے چلے آنے کے بعد ڈان نے گیری کو فون کر کے لعن طعن کی تھی۔ اس سے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ تک کہہ دیا کہ وہ چھوٹا راجن سے مل کر جو سازشیں کرتا رہا ہے' ڈان ان سے پوری طرح باخبر ہے۔''

''ڈان کی الزام تراشی پر اس کا کیا ردِعمل تھا؟''

''وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس وقت تک چھوٹا راجن کے مرنے کی خبر نہیں آئی تھی۔ لیکن ہوا کا رخ بدل چکا تھا' وہ اپنی صفائیاں پیش کرتا رہا۔''

''یہ باتیں ہمارے چلے آنے کے بعد ہوئی تھیں تو تمہیں ان کا علم کیسے ہوگیا۔''

''ڈان نے بتایا تھا۔ فون پر وہ رابطہ کر لیتا ہے۔ وہ ہم جیسا آدمی ہے۔ جب تک کسی کو اپنی بڑائی اور کامیابی کے قصے نہ سنا لے اسے چین نہیں آتا۔'' چاؤ فان نے خود پسندی کے انداز میں دھیرے سے ہنستے ہوئے بتایا۔ ''میرا اندازہ ہے کہ ڈان نے اسے ان باتوں کے اشارے بھی دیے ہوں گے جو تم نے فون پر سن کر ڈان کو بتائی تھیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس وقت گیری ہی سیلرز بار پہنچا ہوا ہو!'' میں نے پُرخیال لہجے میں اپنی رائے ظاہر کی۔

''اس وقت سب کچھ ممکن ہے۔'' وہ بولا ''اس وقت گیری نے ڈان کی شکایت پر نرم اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر اکتفا کیا۔ وہ زور دے کر کہتا رہا کہ وہ کبھی ڈان کا برا نہیں چاہ سکتا۔ اس وقت بات ختم ہوگئی تھی۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر سن کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہوں گے۔ چھوٹا راجن کی موت کی خبر پھیلتے ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ڈان کی شکایت پر اپنی زبانی معذرت کو ناکافی سمجھ کر وہ ذاتی طور پر ڈان کے دروازے پر پہنچ گیا ہو۔ ڈان اسے نہیں دھتکار سکتا تھا۔''

چاؤ فان نے بہت سرسری انداز میں اپنے قیاس کا اظہار کیا تھا۔ وہ حقیقت سے بے خبر تھا اور محض ایک مفروضے پر بات کر رہا تھا مگر اس کا تجزیہ میرے اندازوں کی عکاسی کر رہا تھا۔ ڈان چاہتا تو گیری کو ذلیل کرنے کے لیے میرا اور اس کا سامنا کروا سکتا تھا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس کے اور راجن کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی لیکن اس نے دور اندیشی سے کام لے کر ہمیں گیری کی موجودگی میں سیلرز بار آنے سے روک دیا۔

ڈان جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اپنی راہ کا سب سے بڑا پتھر نیست و نابود کرنے کے بعد وہ نئی دشمنیاں مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ راجن کی زندگی میں اس کے پسینے پر اپنا خون بہانے والے جاں نثار بھی اپنے آقا کی موت کی خبر سنتے ہی آنکھیں پھیر لیں گے۔ موت اتنی بے رحم اور سفاک ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ ہی سارے زمینی رشتے یک لخت ٹوٹ جاتے ہیں۔ دیکھنے والا باقی نہ رہے تو دکھانے والے اپنی وفاداری اور خیر خواہی کے اظہار کو غیر ضروری سمجھ کر خاموشی سے گوشہ نشین ہو جاتے ہیں اور وقت کی بساط پر ابھرنے والی نئی قوت کے ساتھ اپنے رشتے جوڑنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

راجن کی موت کے بعد بے یار و مددگار رہ جانے والوں کو ایک ایک کر کے آخر کار ڈان ہی سے رجوع کرنا تھا۔ ان میں گیری بھی شامل تھا۔ اپنی پرانی وفاداریوں کے بارے میں حیلے بہانے تراشنا اور اپنی صفائیاں پیش کرنا ان کی ناگزیر مجبوری ہوتی جسے ڈان مسترد نہیں کر سکتا تھا۔

ڈان نے چاؤ فان کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا لیکن اس کے مزاج میں ذرا سی بھی تلخی نہیں تھی۔ وہ ڈان کی طرف سے نازل ہونے والی ایسی ناگہانی آفات کا عادی ہو چکا تھا۔ بس وہ رہ رہ کر اپنی بدنصیبی پر افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ میامی کلب کے فسوں خیز ماحول میں شکار کی ساری تیاریاں مکمل ہوتے ہی ڈان نے کمند ڈال کر اسے شکارگاہ سے باہر گھسیٹ لیا تھا۔

گاڑی کبھی روشن اور کشادہ سڑکوں پر سفر کرتی رہی' کبھی تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتی رہی۔ پُرپیچ راستوں پر کئی بار مجھے گمان ہوا کہ شاید چاؤ فان اپنی رو میں ڈوب کر راستہ کھو چکا ہے لیکن ہر بار میرا اندازہ غلط ثابت ہوتا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اچانک میری جیب میں پڑے ہوئے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ماسٹر! جلدی دیکھو' اس وقت ڈان کا فون ہوگا۔'' چاؤ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فان نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس وحشت میں اس نے غیر ارادی طور پر گاڑی کی رفتار بڑھا دی تھی۔

میں نے موبائل فون نکالتے ہی اسکرین پر طارق کا نمبر دیکھ لیا اور زبان سے کچھ کہے بغیر فون اپنے بائیں کان سے لگا لیا تاکہ اس کی موہوم سی آواز بھی چاؤ فان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔

''وہ ابھی ابھی وہاں سے واپس روانہ ہوا ہے' میں اس کے پیچھے ہوں۔'' میرے کان میں طارق کی آواز گونجی۔

میں نے کن انکھیوں سے چاؤ فان کی طرف دیکھا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ مجھ سے اس کال کے بارے میں ضرور گہرے سوال کرے گا۔ میں نے اپنے ذہن میں آنے والی پہلی تجویز پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ ''ڈارلنگ! فکر مت کرو' میں جلد ہی آ جاؤں گا۔''

میری بات پوری ہونے سے پہلے طارق فون بند کر چکا تھا۔ میری زبان سے اپنے لیے ڈارلنگ کا پہلا لفظ سنتے ہی اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں کسی مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔

''اتنے سویرے تمہاری کس ڈارلنگ کا فون آ گیا؟'' چاؤ فان نے پوچھا۔ میں نے جواب اردو میں دیا تھا اس لیے ڈارلنگ کے سوا کوئی بات اس کے پلے نہیں پڑ سکی تھی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' میری بیوی کا فون تھا۔ اپنی رفتار کم کرو اور ڈرائیونگ پر دھیان دو۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے کچھ کہے بغیر میرے مشورے پر عمل کر ڈالا۔

چند ثانیوں بعد اس کے پاس ڈان کی کال آ گئی۔ میں چاؤ فان کی زبان سے گھوم' گھاٹ' پھاٹ جیسے نامانوس الفاظ سنتا رہا۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہوا تو اس نے بتایا کہ ڈان نے گرین سگنل دے دیا تھا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہم دونوں وقت کی پروا کیے بغیر کاٹھ کے اُلّوؤں کی طرح اس کے حکم کی تعمیل کے لیے نکلے ہوئے تھے۔

چاؤ فان نے یہ ہوشیاری دکھائی کہ شہر میں بھٹکتے رہنے کے بجائے متبادل راستوں سے سیلرز بار کے عقبی علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ ہم ذرا سی دیر میں منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

میں نے خاص طور پر نوٹ کیا کہ اس وقت سیلرز بار کا داخلی دروازہ مقفل تھا اور وہاں گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چاؤ فان کے لیے وہ بات غیر اہم تھی۔ گلی کے سرے پر گاڑی بند کر کے ہم پچھلے راستے سے سیلرز بار کی اوپری منزل پر چلے گئے۔ دروازہ ایک سہمی ہوئی' باوردی لڑکی نے کھولا۔ اوپر ڈان اپنے ریشمی لبادے میں ملبوس' ہمارا منتظر تھا۔

''تم اپنے ٹھکانوں سے چل ہی پڑے تھے تو میں نے تمہیں بلا لیا ورنہ اب تمہارے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔'' ڈان نے ٹھہری ہوئی تحکمانہ آواز میں وہ اعلان کر کے میری کھوپڑی میں انگارے سے بھر دیے۔ وہ ہماری بے توقیری کی انتہا تھی۔

''اجازت ہو تو اب لوٹ جائیں۔'' میں نے اپنے غصے پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔ ''گہری نیند کی طلب سے میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔''

''آ گئے ہو تو اب کچھ دیر بیٹھو۔ کیا یہ نہیں جاننا چاہو گے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا تھا؟'' اس بار ڈان براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوا تھا۔

''بتا دو گے تو تمہارا احسان ہوگا۔'' چاؤ فان جھٹ بول اٹھا۔ وہ ڈان کی خوشامد کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

''میں نے فون پر کرنل گیری کو لتاڑا تھا۔'' ڈان بولا اور چاؤ فان نے کسی سدھائے ہوئے بندر کی طرح تائیدی انداز میں اپنا سر ہلانا شروع کر دیا۔

''میں اس کی وضاحتوں اور یقین دہانیوں سے مطمئن نہیں ہو سکا۔'' ڈان نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میرے دل میں بل تھا کہ اس نے مجھ سے مل کر صلح صفائی کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ اس کا پالتو زندہ ہوگا۔ تمہیں بلا کر میں ایک اہم کام لینا چاہ رہا تھا۔ وہ چھاؤنی سے باہر ایک مہنگے گھر میں رہتا ہے۔ تم اس کے گھر پر دو بم پھینک کر نکل جاتے تو اس کے اوسان خطا ہو جاتے۔ امریکی ہتھیاروں سے لڑنا جانتے ہیں' معاملہ ہاتھ پیروں کا ہو تو ان سے بڑا بزدل ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ دوسری احتیاطیں کرنے کے ساتھ میری طرف بھی آتا لیکن اب وہ قصہ ختم ہو گیا۔''

ڈان نے کچھ توقف کیا پھر بولا ''موتی محل کے جلتے ہوئے ملبے سے چھوٹا راجن کی لاش ملنے کی خبر سنتے ہی اس کے ہوش ٹھکانے پر آ گئے۔ مجھے فون کر کے وہ یہاں آ پہنچا۔ اسے معلوم ہے کہ اب شہر کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہوگی' وہ مجھ سے تعاون اور دوستی کا طلب گار ہے۔ اس کی موجودگی میں' میں نے تم دونوں کو یہاں بلانا مناسب نہیں سمجھا اس لیے فون کر کے روک دیا۔''

''تمہاری خواہش تھی کہ وہ تمہارے بلاوے کے بغیر اپنی مرضی سے یہاں آئے۔ اس کے آ جانے کے بعد اب اس پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت باقی نہیں رہی!'' میں نے ڈان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''یہ معمولی سی بات تھی لیکن میں گربہ کشتن روزِ اوّل کا قائل ہوں۔ بنکاک کی سب سے مضبوط تکون میں امریکی بھی شامل ہیں۔ اصل کام ہم لوگ کرتے ہیں لیکن ہمیں پولیس کی درپردہ حمایت حاصل ہوتی ہے۔ امریکی بہت بددماغ اور مغرور ہوتے ہیں۔ وردی اور اختیارات مل جائیں تو یہ اپنے سامنے کسی کو کچھ نہیں گردانتے۔ اب ان سے نئے رابطے کی ابتدا ہوئی ہے۔ میں اس سے رجوع کرتا تو وہ ہمیشہ کے لیے بالادست ہو جاتا۔ اب میں ان لوگوں کو دبا کر رکھنے کی پوزیشن میں ہوں۔ میں نے اسے بہت کچھ کہا سنا ہے۔ وہ قسمیں کھا رہا تھا کہ اس نے چھوٹا راجن سے مل کر میرے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کی۔'' ڈان بولتا چلا گیا۔

''وہ یہی کہے گا۔'' میں نے پُرسکون لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔ ''تم مجھے اس کے سامنے کھڑا کر دیتے تب بھی وہ اقرار نہ کرتا کہ اس نے اپنے آدمی کے ذریعے سیلرز بار میں ٹائم بم لگوانے کی سازش تیار کی تھی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ڈان سر ہلا کر مربیانہ انداز میں بولا۔ ''وہ مر کر بھی اقبالِ جرم نہ کرتا۔''

''ابھی تم نے تکون کی بات کی ہے۔ امریکی' پولیس اور انڈر ورلڈ..... تم انہی تین قوتوں کی بات کر رہے تھے نا؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''ایک مدت سے یہی سسٹم چلا آ رہا ہے۔'' ڈان نے بے پروائی سے کہا۔

''کیا مقامی انڈر ورلڈ سے غیر ملکی سفارت کاروں کے مراسم جرم کے زمرے میں نہیں آتے؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کون جرم قرار دے گا؟'' ڈان نے تضحیک آمیز لہجے میں سوال کیا۔ ''یہاں کا پولیس کمشنر چھوٹا راجن کا تنخواہ دار تھا۔ چند دنوں میں وہ میرے دسترخوان پر نظر آنے لگے گا..... دراصل اس تکون کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس علاقے میں انڈوچائنا وار ہوئی جو آٹھ برس جاری رہی۔ اس دوران ہمارا ملک کمیونسٹوں کے خلاف تیار ہونے والی مہمات کا گڑھ تھا۔ پھر 54 میں ویت نام وار چل پڑی جو اکیس سال جاری رہی۔ اس دوران یہاں ہر دوسرا شخص سفارتی ایجنٹ ہوا کرتا تھا۔ سیاست' سفارت اور جاسوسی کے نظام چلانے کے لیے ہر فریق انڈر ورلڈ میں گھسنے کی کوشش کرتا تھا۔ امریکیوں نے خزانے کے منہ کھولے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ڈالروں کی بہتات تھی۔ انہوں نے پوری انڈر ورلڈ کو خرید لیا۔ یہاں کے چور' ڈاکو' قاتل اور لٹیرے ٹولیاں بنا کر ویت نامی گوریلوں کا صفایا کرتے تھے۔ اگلے دن وہ کارنامے بہادر امریکی فوجیوں سے منسوب کر کے سنائے جاتے تھے۔ یہ ریت اسی وقت سے چلی آ رہی ہے کہ تکون کو ہر حالت میں مضبوط رکھا جائے۔ آج گیری اسی پالیسی کے تحت یہاں آیا تھا۔''

''راجن کو گیری نے پال پوس کر قد آور بنایا' اس کی اطاعت سمجھ میں آتی ہے۔ تم اس کو پسند نہیں کرتے پھر بھی اس کے ساتھ مل کر چلنے کے لیے مجبور ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' اس نے قدرے ترشی سے کہا۔ ''گیری سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے لیکن ہر تھائی باشندہ امریکیوں سے کسی نہ کسی حد تک نفرت کرتا ہے۔ وہی نفرت میرے خون میں شامل ہے۔ اگر مجھے سسٹم کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو مجھے ان کو برداشت کرنا ہوگا۔ امریکیوں سے نفرت الگ چیز ہے' سسٹم میں رہنا ایک بالکل مختلف بات ہے۔ سسٹم کے باغیوں کو تینوں فریق زیادہ دن نہیں جینے دیتے۔ سسٹم کو چلانے والے اسے زندہ رکھنا جانتے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں اپنی مرضی سے اچانک گوشہ نشین ہوا' دو سال تک میدان سے دور رہا۔ کوئی میرے پاس نہیں آیا مگر سسٹم اسی طرح چلتا رہا۔ وہ میری جگہ چھوٹا راجن کو لے آئے۔ اب میں نے اسے ہٹا کر اپنی جگہ دوبارہ بنالی ہے تو کوئی مجھ پر انگلی نہیں اٹھائے گا۔ انہوں نے اپنے مہرے کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ نہیں بچ سکا تو اب ان کی طرف سے جہنم میں جائے' وہ سامنے آنے والی نئی قوت سے سمجھوتا کر لیں گے امریکیوں کے کام ہوتے رہیں گے۔ پولیس والوں کو بھاری نذرانے ملتے رہیں گے۔ امن و امان کے ساتھ مجھے اپنے کاموں کی آزادی ہوگی۔''

''یہ فلسفہ بہت عجیب ہے۔ تمہاری باتیں بھی الجھی ہوئی ہیں۔'' میں نے نیک نیتی سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔ ''اگر میری عقل صحیح کام کر رہی ہے تو اب تم امریکیوں سے اپنی فطری نفرت کے باوجود ان کے مفاد کے لیے کام کرتے رہو گے۔''

''صرف ان کے مفاد کے لیے نہیں' میں باہمی بلکہ سسٹم کے مفاد کے لیے کام کروں گا۔'' ڈان نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ ''ہم لوگوں نے امریکیوں سے نفرت کے باوجود پچھلی نصف صدی ان کے ساتھ بہت صبر اور سکون سے گزاری ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے ذہن سے گیری سے سامنا ہونے کا خوف مٹ چکا تھا۔ ڈان کی باتوں سے واضح ہو چکا تھا کہ میری طرف سے اس وقت تک اس کی نیت میں کوئی کھوٹ پیدا نہیں ہوا تھا۔ میں نے بے خوف ہو کر کہا ''سسٹم کا مفاد یہ ہوگا کہ امریکی تمہیں تمہارے کام کا بھرپور معاوضہ دیتے رہیں تاکہ تم پولیس والوں کو بھاری نذرانے پہنچاتے رہو۔''

''علی! ہوش میں رہو۔'' ڈان نے مجھے سخت لہجے میں ڈانٹا۔ ''یہ مویشیوں کی منڈی جیسی کھلی خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ اس میں بہت سی نزاکتیں اور معاملہ فہمیاں ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے' افہام و تفہیم سے ہوتا ہے اور ہر فریق طے شدہ نکتوں کا پورا احترام کرتا ہے۔''

یکا یک میرے ذہن سے دھند چھٹ گئی۔ مجھے یاد آ گیا کہ میں ڈینی نہیں تھا۔ ڈان کے سامنے علی احمد بنا ہوا تھا جسے امریکیوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ راجن سے بدلہ لینے کے لیے بنکاک آیا اور اپنا مقاصد حاصل کر چکا تھا۔

''ڈان! میں معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے سنبھل کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''شاید میں نے اپنے مدعا کے اظہار کے لیے بھونڈے الفاظ استعمال کر ڈالے۔ آئندہ میں محتاط رہوں گا۔''

''یہ یاد رکھنا کہ گیری کی طرف سے اب میرے دل میں کوئی کدورت نہیں رہی۔ میرے آدمی اس کے ساتھ عزت اور احترام سے پیش آئیں گے۔''

''ڈان! جب میں تمہیں موتی محل والے واقعات سنا رہا تھا تو تم نے گیری اور امریکیوں کے لیے بہت سخت کلمات استعمال کیے تھے۔'' کوشش کے باوجود میں اپنے اس شکوے کو اپنی زبان پر آنے سے نہ روک سکا۔

''میں اب بھی کہتا ہوں کہ امریکی برا وقت آنے پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔'' ڈان نے اپنی کہی ہوئی بات الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ دہراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن ان کے بغیر گزارہ بھی مشکل ہے۔ میں ان سے معاملات طے کرتے ہوئے چاروں کھونٹ چوکس رہتا ہوں۔ جب تک گیری ہمارے ساتھ کوئی بدمعاشی نہیں کرتا ہمارا سلوک اچھا رہے گا۔''

''کیا تمہارے سسٹم میں صرف گیری پورے امریکا کی نمائندگی کرتا ہے؟''

''کم و بیش ایسا ہی ہے۔'' ڈان بولا ''آنے جانے والے اسی کی معرفت آتے جاتے ہیں۔ وہ یہاں امریکا کی تمام ایجنسیوں اور محکموں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہر کام اس کے ذریعے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چھ برس سے یہاں ٹکا ہوا ہے۔''

ڈان کے دم خم کو دیکھتے ہوئے میں نے رائے قائم کی تھی کہ وہ اپنی سرزمین پر امریکیوں کے لیے بدترین حریف ثابت ہوگا۔ گیری سے ایک ملاقات کے بعد اس نے جو قلابازی کھائی تھی' اس سے مجھے ذہنی صدمہ ہوا تھا۔ اس نے گیری کے لیے عزت اور احترام کا مطالبہ کر کے میری خوش فہمی دور کر دی تھی۔

مجھے شک ہو رہا تھا کہ گیری وہاں خالی ہاتھ نہیں آیا۔ وہ لوگ اپنی دولت کے بل پر دنیا کی ہر شے کو خریدنے کے فن میں طاق تھے۔ ڈان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گیری نے اپنی طرف سے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر کوئی بڑی رقم تحفے کے طور پر ڈان کے حوالے کی تھی۔ راجن کا زوال ہوتے ہی ڈان کی لاٹری نکل آئی تھی۔ اس کے کاروباری ٹھکانوں سے چاؤ فان کے آدمیوں نے پچیس لاکھ بھات کے ساتھ نادر و قیمتی اشیا لوٹ لی تھیں۔ گیری نے از خود ڈان کو اس کا پہلا بھتا پہنچا دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ آنے والے دنوں میں ڈان کو ہاتھ پیر ہلائے بغیر بھاری رقمیں ملنا شروع ہو جائیں گی۔

میری نظروں میں ڈان کی جو عزت اور ساکھ بنی تھی وہ ختم ہوتی نظر آ رہی تھی۔ جب تک ہم راجن کے خلاف صف آرا تھے ڈان کا رویہ بہت پُر وقار اور دلیرانہ تھا لیکن کرنل گیری کے سامنے آتے ہی ڈان مجھے رعایتی سیل میں رکھا ہوا ایک کھلونا نظر آنے لگا جسے ارزاں قیمت پر کوئی بھی خرید سکتا تھا۔

ہم جب تک راجن کے خلاف برسرِ پیکار تھے' ساری توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرے اور ڈان کے مقصد میں مکمل ہم آہنگی تھی لیکن راجن کی زندگی کا چراغ گل ہوتے ہی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا جب کہ ڈان کا نیا کھیل شروع ہو گیا۔ راجن کے ساتھ اس کی آویزش کسی اعلیٰ اصول کی خاطر نہیں تھی۔ وہ صرف اور صرف دولت و اقتدار کی لڑائی تھی۔ ڈان اپنی اختیاری گوشہ نشینی دو سال سے زیادہ نہیں سہ سکا۔ اس کے منہ کو مفت کی آمدنی کا خون لگا ہوا تھا۔ اپنی جگہ راجن کو تیزی سے پھلتا پھولتا ہوا دیکھ کر اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ راجن کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اسے بھی وہی سب کرنا تھا جو راجن کر رہا تھا۔ ڈان کے لیے وہ نئے کام نہیں تھے۔ اپنی نوخیز بیوی کی جوتے بازی سے پہلے بھی ڈان وہ سب کرتا رہا تھا۔ نام اور کام' سب پرانے تھے۔ اسے ان کی تجدید کرنا تھی۔

یہ ڈان کی خوش نصیبی تھی کہ راجن کے ساتھ اسے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دست دراز بیوی سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا۔ اس عورت کے ایک ٹرک کے نیچے کچلے جانے سے ڈان کی پیچیدہ نفسیاتی گرہ کھل گئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص زندہ نہیں رہا تھا جو اس پر ہاتھ اٹھا چکا ہو۔ اس نے نئی امنگ اور ولولے کے ساتھ بنکاک کی انڈر ورلڈ کی عنان سنبھالنے کی تیاری کی تو اس کا پہلا ملاقاتی کرنل گیری تھا جو اسے اپنی اہمیت کا احساس دلا کر لوٹ چکا تھا۔

مجھے اندازہ ہوگیا کہ میری اور ڈان کی مفاہمت صرف راجن کے خاتمے تک محدود تھی۔ ہم دونوں اپنے اپنے مقاصد کے لیے اس کی بیخ کنی کرنے کے خواہاں تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہماری راہیں جدا بلکہ متضاد ہوگئی تھیں۔ ڈان امریکی کیمپ کا سانپ بنا ہوا تھا جب کہ میری ان سے پرانی ٹھنی ہوئی تھی۔ ماضی میں ہونے والی خوں ریز محاذ آرائیوں کے پس منظر میں میرے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ بنکاک میں امریکی ایجنٹ ویرا اور سلطان شاہ کی تلاش میں مصروف تھے۔ ان دونوں نے اپنے نام اور ٹھکانا بدل کر اپنے دشمنوں سے عارضی طور پر گلوخلاصی حاصل کرلی تھی لیکن جب تک وہ بنکاک میں رکے رہنے پر مجبور تھے اس وقت تک انہیں امریکی ایجنٹوں کی طرف سے سنگین خطرات لاحق تھے۔

''تم نے اپنی قومی نفرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ رہنا سیکھ لیا ہے۔ یہ شاید میری بدقسمتی ہے کہ میری نفرت میں ان سے مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے ہر آڑے وقت میں میری قوم کو دغا دے کر اس نفرت کو ہوا دی ہے۔'' گفتگو کے رخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ڈان کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کردیا۔

''تجربہ عمر سے آتا ہے۔'' ڈان نے اپنی کنپٹی کے سفید بالوں کو چٹکی میں پکڑ کر کہا ''تم مصلحت سے ناآشنا ہو۔ طاقت ور دشمن سے لڑ کر تم کبھی نہیں جیت سکتے۔'' اس سے منافقانہ دوستی سودمند رہتی ہے۔ امید رہتی ہے کہ کبھی اس کی پشت میں خنجر بھونکنے کا موقع مل جائے گا۔''

''ڈان! میں اپنی صاف گوئی کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہاری باتیں کچھ متضاد سی ہیں۔''

''یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ بات سیدھی سی ہے کہ میں سانپ پال رہا ہوں' اسے دودھ ضرور پلاؤں گا لیکن ہر وقت ہوشیار رہوں گا۔ ہمیں ان کو عزت دینا ہوگی تاکہ انہیں ہمارے دلوں کے عناد کا علم نہ ہوسکے۔ ویسے بھی تم یہاں چند روز کے مہمان ہو' چلے جاؤ گے۔ تمہارا گیری یا کسی اور امریکی سے واسطہ نہیں پڑے گا۔ وہ صرف مجھ سے رابطہ رکھے گا۔''

''میں یہی چاہتا ہوں۔ ان سیاہ باطن گوروں کے سامنے سر جھکانے میں' میں ذلت محسوس کرتا ہوں۔''

''میرے آدمی بھی انہیں سجدے نہیں کریں گے۔'' ڈان کے چٹخنے سے مجھے محسوس ہوا کہ میں نے ایک بار پھر سخت بات کہہ دی تھی۔ اس کی بات جاری رہی۔'' آنے والے کو عزت دینا تھائی روایات اور معاشرت کا ایک لازمی جز ہے۔ ہم اس کی پاس داری کریں گے اور بس!''

میں نے سر جھکا کر خاموشی اختیار کرلی۔

''تم میں دو بڑی کمزوریاں ہیں۔'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ڈان بولا۔ ''تم جلد باز اور جذباتی ہو۔ ان خامیوں پر قابو پالو تو تم بہت اوپر جاسکتے ہو۔''

''میں کوشش کروں گا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب ایک کام کی بات بھی ہوجائے!'' ان الفاظ پر میں نے ڈان کی طرف دیکھا تو وہ چاؤ فان کی طرف متوجہ تھا۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ہمہ تن گوش ہوگیا تھا۔

''شہر میں دو آدمیوں کا کھوج لگانا ہے۔'' ڈان کہہ رہا تھا۔ ''ایک گوری اور خوب صورت عورت ہے' ریٹا الیف ہیریسن اور دوسرا اکبر خان۔ پچھلی شام تک یہ دونوں سیام انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم تھے۔ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہوگئے۔ دونوں کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہیں۔''

ڈان کی زبان سے ویرا اور سلطان شاہ کے مفروضہ نام سن کر میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ ڈان نے کسی سیاق وسباق کے بغیر اس کام کا ذکر کیا تھا لیکن میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ ان دونوں کی تلاش کی فرمائش کرنل گیری کی طرف سے آئی ہوگی۔ اس کے آقاؤں نے نیویارک سے ٹورنٹو اور پھر بنکاک تک ان دونوں کا بہت کامیابی سے سراغ لگایا لیکن اس کے آدمی اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوداعتمادی اور بے احتیاطی کی وجہ سے انہیں کھو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ٹی ایچ پال نامی ایک سارجنٹ کو زبردست مار پیٹ کی صورت میں اپنے اناڑی پن کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

وہ صورتِ احوال بہت خطرناک تھی۔ گیری نے ایک ہی ملاقات میں ڈان کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ ڈان کو ان دونوں کی تلاش کا کام سونپنے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لوگ ہر قیمت پر جلد از جلد اکبر اور ریٹا کو پکڑنے کا عزم کرچکے تھے۔

ڈان کو امریکی اہل کاروں کے بارے میں میری معاندانہ سوچ کا بخوبی علم ہوچکا تھا' اس لیے اس نے ریٹا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اکبر کے قصے میں سے گیری کا ذکر گول کر دیا۔ چاؤفان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس بارے میں ڈان سے کوئی سوال جواب کرتا۔

''یہ تمہارا معاملہ ہے۔ مجھے اس میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں'' میں نے نرمی سے ڈان سے کہا۔ ''کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ تمہیں ان کی تلاش کیوں ہے؟''

''کیا تم ان دونوں سے واقف ہو؟'' ڈان نے چونک کر پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں نے فوری طور پر سنبھالا لیتے ہوئے کہا ''دونوں نام میرے لیے اجنبی ہیں۔ میری دلچسپی صرف اتنی ہے کہ وہ میرے ہم وطن ہیں۔''

ڈان محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''یہاں ہزاروں پاکستانی رہتے ہیں۔ تم کس کس کی فکر کرو گے۔ وہ ہاتھ آ جائیں تو سب کچھ کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

میری توقع کے مطابق ڈان نے میرے سوال کا جواب ٹال دیا۔

ہم سیلرز بار سے روانہ ہوئے تو آسمان کے مشرقی گوشوں میں سفیدی پھیل چلی تھی۔ کہیں دور سے ابھرنے والے سورج کی کرنوں کا انعکاس گھور اندھیرے کی چادر کو تیزی سے نگل رہا تھا۔

''ماسٹر! میں نے دیر سے اپنی زبان کو قابو میں رکھا ہوا ہے مگر میں سمجھ رہا ہوں کہ میری خاموشی تمہارے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی'' چاؤفان نے وہاں سے روانہ ہونے کے بعد تمہید باندھتے ہوئے کہا ''میرا خیال ہے کہ آج تم ڈان کے سامنے کچھ زیادہ بولے ہو، یہ اچھی بات نہیں ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم کیوں خاموش رہے'' میں نے جواب دیا ''تم خود غور کرو کہ ڈان نے گیری کے گھر پر بم پھینکنے کے ارادے سے ناوقت ہمیں بلایا تھا۔ گیری نے سیلرز بار آ کر نہ جانے ڈان کے کان میں کیا پھونکا کہ وہ اس کے گن گانے لگا۔''

''ماسٹر! تم غلط سمجھ رہے ہو۔ آدمی دودھ دینے والی گائے کی دولاتیں بھی برداشت کر لیتا ہے۔ گیری سے دوستی میں ڈان کا فائدہ ہے۔ گرانٹ کے علاوہ کاموں کے بھاری معاوضے بھی ملتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ کسی سچے تھائی کو ان سے محبت نہیں ہو سکتی اور ڈان پکا تھائی ہے۔ وہ اسے جھکانا چاہتا تھا۔ گیری خود جھک گیا تو محاذ آرائی کی کیا ضرورت ہے۔ گھر بیٹھے لاکھ، دو لاکھ ڈالر ہر مہینے ملتے رہیں تو آدمی کو بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔''

''میں یہی سمجھ رہا ہوں۔ گیری نے سب کو خرید لیا ہے۔ اب وہ من مانیاں کرتا رہے گا۔ تم اسے نہیں روکو گے بلکہ غلط کاموں میں اس کا ساتھ دو گے۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی کہ وہ تم لوگوں کی بہبود کے لیے چندہ نہیں دے گا، تمہارے ذریعے اپنے ناپاک عزائم پورے کرے گا۔''

''تم ڈان کے فیصلے نہیں بدل سکتے۔ بہتر یہی ہوگا کہ آئندہ تم خاموش رہو۔'' اس نے بحث میں پڑنے کے بجائے اپنا مشورہ پیش کر دیا۔

''یہ ماننے والی بات ہے۔ میں پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکا ہوں'' میں نے بھی محتاط رویہ اپناتے ہوئے بات وہیں ختم کر دی۔ چاؤفان مجھ سے ہمدردی ضرور جتا رہا تھا لیکن وہ تھائی کے بینگن سے زیادہ خطرناک تھا۔ ڈان اسے ذرا بھی پچکارتا تو وہ جوش عقیدت سے مغلوب ہو کر، میری کہی ہوئی ہر ہلکی بھاری بات اس کے سامنے دہرا دیتا۔

وہ مجھے ہوٹل کے باہر اتار کر اپنی راہ ہو لیا اور میں بوجھل قدموں سے احاطے میں داخل ہو گیا۔ ڈان اور گیری کا گٹھ جوڑ ہو جانے کے بعد مجھے بنکاک میں قیام کی مدت بھاری پڑتی نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات کی نیند ڈان نے برباد کر دی۔ میں دیر سے بیدار ہوا تو ناشتے کی فراہمی کا وقت گزر چکا تھا۔ لنچ کا وقت قریب تھا۔

میں نے تازہ دم ہو کر روم سروس کو کھانے کا آرڈر دیا اور دوبارہ بستر پر نیم دراز ہوا تو غزالہ نے بنکاک پوسٹ نامی انگریزی اخبار کی تازہ کاپی مجھے تھما دی۔

وہ مقامی روزنامہ تھا۔ اس کی جلی سرخی ڈان راجن کی لاش کے بارے میں تھی۔ جب تک راجن زندہ رہا، سب اس کی بالادستی کو تسلیم کرتے تھے لیکن اسے بنکاک کے ڈان کا خطاب نہیں مل سکا۔ اس کے مرتے ہی اخبار نے اسے یہ اعزاز عطا کر دیا۔

خبر خاصی طویل تھی۔ اس میں صحافیانہ سنسنی خیزی سے کام لیتے ہوئے حقائق کو خاصے ڈرامائی انداز میں بیان کیا گیا تھا۔ میرے لیے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ موتی محل کے جلتے اور سلگتے ہوئے ملبے سے وہ تین لاشیں رات کے ساڑھے بارہ بجے برآمد کی جا سکی تھیں۔ آگ کے بھیانک شعلوں میں جل کر تینوں لاشیں کوئلہ ہو گئی تھیں پھر بھی ان کی باقیات کو شناخت کر لیا گیا تھا۔ موت کے اسباب کے بارے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گولیوں کی کہانی بیان کی گئی تھی۔

وہ ہر اعتبار سے ایک سفاکانہ انتقامی کارروائی تھی۔ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہاں آگ لگائی گئی تھی۔ اخبار میں کسی پر شبہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ بنکاک کے پولیس کمشنر اور امن وامان سے متعلق دوسرے اداروں کے سرکردہ افسروں کے روایتی بیانات بھی پہلے صفحے کی زینت بنائے گئے تھے' جن میں قاتلوں کی گرفتاری اور عبرت ناک سزایابی کے عزائم کا اظہار کیا گیا تھا۔

میں نے وہ خبریں شروع سے آخر تک پڑھ ڈالیں۔ ان میں کہیں بھی ڈان برنارڈ کے نام کا شائبہ نہیں تھا۔ پچھلے واقعات اور بنکاک میں بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کے اجتماع کے حوالے سے صرف یہ کہا گیا تھا کہ ڈان راجن کی موت کسی بڑی گینگ وار کا شاخسانہ معلوم ہوتی تھی۔

اس کے بعد جس ذیلی خبر نے میری توجہ حاصل کی وہ میرے لیے راجن کی موت سے زیادہ اہم تھی۔ اس مختصر سی ایک کالمی خبر کے مطابق سیام اسکوائر کے مصروف اور بارونق علاقے میں مشتعل نوجوانوں کے ایک ہجوم نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر امریکی فوج کے ایک افسر کو گھیر کر بری طرح زدوکوب کیا۔ پولیس کے پہنچتے ہی ہجوم منتشر ہوگیا۔ خون میں نہائے ہوئے سارجنٹ پال کو اسپتال پہنچایا گیا۔ اسے شدید اندرونی ضربات آئی تھیں، جسم سے کافی خون ضائع ہو چکا تھا، دونوں گردے پھٹ گئے تھے۔ ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وہ جاں بر نہ ہوسکا۔ رات کے ایک بجے اس نے آپریشن کی میز پر دم توڑ دیا۔

پوری جدوجہد کے باوجود اس الم ناک واقعے کا کوئی عینی شاہد سامنے نہیں آیا۔ پولیس یہ جاننے سے قاصر تھی کہ سارجنٹ پال کو کس وجہ سے ایسے ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

وہ خبر پڑھتے ہی میرے ذہن میں گیری کی بھاگ دوڑ کا مقصد واضح ہوگیا۔

سارجنٹ پال اندرونی ضربات کی تاب نہ لاکر چل بسا تھا۔ ریٹا اور اکبر ہوٹل چھوڑ کر کہیں غائب ہو چکے تھے۔ پال کو ان دونوں کی نگرانی پر مامور کرنے والوں کے لیے دونوں واقعات کے باہمی تعلق کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ اپنا ایک آدمی کھو دینے کے بعد ان کے لیے گمشدہ جوڑے کو پکڑنا ناگزیر ہوگیا۔ انہوں نے فوری طور پر سارے دستیاب وسائل استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

گیری مصالحت ومفاہمت کے پیغام کے ساتھ وہ کام بھی لے کر ڈان برنارڈ کے پاس پہنچ گیا۔ ڈان کی زبان سے ریٹا اور اکبر کی تلاش کی ہدایات سنتے ہوئے بھی مجھے اس معاملے کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ اخباری اطلاع نے وہ معما حل کردیا۔ گیری کو مشتبہ جوڑے کی نہیں بلکہ سارجنٹ پال کے قاتلوں کی تلاش تھی، جو اسے مشتعل ہجوم کے حوالے کرکے کہیں نکل گئے تھے۔

میں نے بے چین ہوکر اسی وقت موبائل فون پر دیرا کا نمبر ملالیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج تمہاری صبح دیر سے ہوئی ہے؟''

میری آواز سنتے ہی وہ فون پر چہکی ''میرا اندازہ تھا کہ تم اخبار دیکھتے ہی فون کروگے۔''

''میری رات بری طرح برباد ہوئی۔ صبح چھ بجے کے بعد بستر نصیب ہوسکا۔ ابھی سوکر اٹھا ہوں۔''

''سب کچھ نمٹ گیا تھا، پھر تمہاری رات کیوں کالی ہوئی؟''

''ان فضول باتوں کو چھوڑو۔ تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں؟''

''آج کل سب سے پہلا کام یہی کرتی ہوں۔ برابر کی چوٹ ہے۔ تمہارے ساتھ میرے کام کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہاں کے لوگ میری توقع سے زیادہ جذباتی نکلے۔ انہوں نے مار مار کر بھرکس نکال دیا۔''

''تم دونوں کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر طرف تلاش شروع ہوگئی ہے۔''

''یہ ہونا تھا، آنکھ میں تنکا پڑتے ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا۔''

''کس تنکے کی بات کررہی ہو؟'' میں نے الجھ کر پوچھا۔

''تنکا پڑنے کے بعد ہی میری بائیں آنکھ پھڑکی تھی اور وہیں سے فتور پیدا ہوتا چلا گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی زوجہ کو چھوڑ کر رات کہاں گزاری؟''

''بڑے آدمی نے ہلالیا تھا۔ کان کھول کر سن لو کہ وہ تمہارے ہم وطنوں سے مل گیا ہے۔ اب ہمارا یہاں سے جلد از جلد نکلنا ضروری ہوگیا ہے۔'' فون پر بات کرتے ہوئے ہم دونوں محتاط تھے۔ کھل کر کسی کا نام لینے کے بجائے اشاروں کنایوں میں اپنا مدعا بیان کررہے تھے۔

میری تسلی کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ شہر میں پائی جانے والی صورتِ احوال سے بے خبر نہیں تھی۔ حالات نے ان دونوں کو دھکیل کر بنکاک پہنچادیا تھا تو وہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھی۔

''بڑا آدمی رفتہ رفتہ تمہاری جان کا روگ بنتا جارہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب اس سے اپنا پیچھا چھڑاؤ ورنہ وہ تمہیں یہاں سے نکلنے نہیں دے گا۔ وہ غلطی سے تمہیں کام کا آدمی سمجھنے لگا ہے۔''

''کوشش یہی ہے۔ آگے دیکھو کیا ہوتا ہے'' میں نے اس کے آخری فقرے کو نظر انداز کر دیا۔

''اب سارا انحصار جلال پر ہے۔ پتا نہیں وہ کاغذات کب بھیجے گا؟''

''خدا کا خوف کرو۔ ابھی بات طے کیے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی پورے نہیں ہوئے اور تم نے شکوہ کرنا شروع کر دیا۔ ایسے کام آسانی سے نہیں ہوا کرتے۔''

اس سے گفتگو ختم ہوئی تو لنچ آ گیا۔ وہاں رہتے رہتے مجھے اتنا تجربہ ہو گیا تھا کہ شکم پری کے لیے کچھ گوارا ڈشوں کا انتخاب کر سکوں۔

کھانے کے دوران میں غزالہ نے اوّل خان کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس سے رابطہ ہوئے خاصا وقت گزر چکا تھا۔ جلال سے ملنے والی اطلاع کے مطابق اس کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ یہ اندازہ تھا کہ اس بار بھی اسے دباؤ کے تحت کراچی سے دور بھیجا گیا ہوگا۔ میں نے مجرمانہ احساس کے ساتھ اس سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مجھے شبہ تھا کہ اول خان کو سزا کے طور پر کراچی سے بھیجا گیا ہوگا تو اس سے موبائل فون بھی واپس لے لیا گیا ہوگا تاکہ اس کے رابطے محدود ہو جائیں۔ نمبر ملانے کے بعد جب پہلی گھنٹی پر اس کی تر و تازہ آواز سنائی دی تو میرا دل خوش ہو گیا۔

''تم کہاں غائب ہو..... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے علیک سلیک کے بعد گرم جوشی سے پوچھا۔

''اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں اور جنوں کو کام کرتا ہوا دیکھ کر حیران ہوتا رہتا ہوں۔'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔

''کن جنوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہی جو گوادر پورٹ کے لیے کام کر رہے ہیں'' اس کے لہجے میں اطمینان اور آسودگی کی جھلک نمایاں تھی ''یہاں آ کر میں نے دیکھا کہ یہ کیسی زبردست بندرگاہ بن سکتی ہے۔ سمندر میں دور تک ابھری ہوئی زمین کے دونوں طرف وسیع کھاڑیاں ہیں۔ آج کل یہ ماہی گیروں اور لانچوں وغیرہ کے استعمال میں ہیں۔ چینی اس پس ماندہ ساحل پر نئی اور جدید بندرگاہ کے خدوخال تیار کر رہے ہیں۔ منہ اندھیرے اٹھ کر باجماعت ورزش پھر ناشتا کرتے ہیں اور پاگلوں کی طرح کام سے لگ جاتے ہیں۔ اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے یہ اپنے کیمپ کا رخ نہیں کرتے۔ ایسے کارگزار انسان میں نے پہلی بار دیکھے ہیں۔''

آج گوادر پورٹ ایک حقیقت بنتی جا رہی ہے۔ وہ اس منصوبے کا ابتدائی دور تھا۔ میں نے کہا ''ابھی وہاں کچھ بھی نہیں ہے، سہولتوں کا فقدان ہے۔ اس پس ماندہ علاقے میں تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''سازشیں چل پڑی ہیں۔ مجھے جلال کی معرفت تمہاری ٹپ بھی مل گئی ہے'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کچھ عالمی قوتوں کو اس خطے میں چین کی موجودگی پسند نہیں آ رہی۔ پاکستان اور چین باہمی تعاون پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ خبریں ملی ہیں کہ چینی دوستوں کے خلاف دہشت گردی کا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ چند بڑے واقعات کے بعد چینی ورکر شاید کام کرنے سے انکار کر دیں۔''

''اوہ.....!'' میرے لیے اول خان کا وہ انکشاف تحیر خیز تھا ''راجن نے یہاں سے ایک پارٹی کو شاید اسی لیے بلوچستان بھیجا ہوا ہے۔''

''بلوچستان نہیں، خاص گوادر کہو۔ چند روز پہلے کوہک کے قریب ٹرانسمیشن ٹاور اڑانے کے شبہے میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں انہوں نے جیوانی سے داخل ہونے والے کچھ غیر ملکیوں کی نشاندہی کی ہے۔ تم نے بروقت خبر دی تھی۔ اس پر بہت سرعت سے کام ہوا اور اب ان غیر ملکی تخریب کاروں کی تلاش جاری ہے۔ راجن کے گرگے بہت جلد اس کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔''

میری اور جلال کی اس گفتگو کو پورا ایک دن بھی نہیں گزرا تھا لیکن معاملے کی نزاکت کی وجہ سے وہ اطلاع نہ صرف اول خان تک پہنچ چکی تھی بلکہ اس پر کام بھی شروع ہو گیا تھا۔

''تم بہت اہم کام کر رہے ہو'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو دباؤ کی وجہ سے نہ بھیجا گیا ہو۔''

اول خان کی ہلکی سی ہنسی میں درویشانہ بے نیازی تھی۔ وہ بولا ''دباؤ کافی عرصے سے چل رہا تھا۔ کام سامنے آیا تو باس نے ادھر روانہ کر دیا۔ اس مرتبہ تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ دشمن سمجھ رہے ہوں گے کہ میرا تبادلہ ان کے دباؤ کا نتیجہ ہے۔ ویسے بھی کراچی میں اب سکون ہے۔ مار کھانے کے بعد سفید دشمن ستا رہے ہیں۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ گوادر میں چین کی موجودگی سے بھارتیوں کو کیا پرخاش ہے؟'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

''سب سے زیادہ تکلیف امریکا کو ہے'' اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وضاحت کی ''روس کے خاتمے کے بعد وہ چین کو اپنا اگلا حریف سمجھتا ہے۔ چین پر دباؤ رکھنے کے لیے وہ بھارتیوں کی ناز برداری کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں ان کے مفادات مشترک ہیں۔ ان علاقوں کے لوگ بہت حساس اور غیور ہیں۔ امریکی ایجنٹ یہاں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ انہیں اچھوتوں کی طرح الگ تھلگ رہنا پڑے گا۔ بھارتی ہم جیسے ہیں۔ وہ مقامیوں میں گھل مل کر کام کر سکتے ہیں۔''

''پھر یہ صرف راجن کا کام نہیں ہو سکتا۔ وہ گیری اور ساگر کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا'' میں نے پُرخیال لہجے میں کہا ''ان کے ایما پر آدمی پاکستان بھیجے گئے ہیں۔''

''کیا تم را کے پاکستان ونگ کے نئے سربراہ کا ذکر کر رہے ہو؟'' اول خان نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں..... انل بسواس کے بعد اب وہی سربراہ ہے۔''

''کیا راجن کے اس سے بھی رابطے تھے؟'' اول خان بہت سی باتوں سے بے خبر تھا۔

''ساگر اور گیری اس کے اَن داتا تھے، وہ بنکاک میں بیٹھ کر ساگر کی ہدایات پر دنیا بھر سے ایٹمی آلات اور مواد بھارت اسمگل کر رہا تھا۔ یہ تفصیلات تمہیں جلال سے مل سکتی ہیں'' میں نے اسے بہت اختصار سے جواب دیا۔

''اب را کے آدمی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکیں گے'' اول خان کی پُرعزم آواز ابھری ''راجن کو راستے سے ہٹا کر تم نے ثواب کا کام کیا ہے۔ ان کے جوہری منصوبوں میں خلل پڑے گا، دوسری سازشیں بھی عارضی طور پر متاثر ہوں گی، یہاں آنے والوں کے رابطے تو سرے سے ختم ہو جائیں گے۔ ان کے پاس راجن کے سوا کوئی اور نام نہیں ہوگا۔''

''میں حیران ہوں کہ یہ لوگ کتنی سفاکی کے ساتھ ہمارے ملک کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہونے پاتا کہ دوسرا فتنہ سامنے آ جاتا ہے۔ کچھ عرصے سے ہمارے دشمنوں کی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''سوبھراج کی قلعی کھلنے کے بعد ان کی کارروائیاں دھیمی ہو جانا چاہیے تھیں لیکن ان کا دوسرا چینل حرکت میں آ گیا۔ اب راجن گیا ہے تو کوئی اور مہرہ آگے آ جائے گا۔ خرابی یہ ہے کہ زبان سے یہ لوگ دوستی کے دعوے کرتے ہیں، پس پشت ہمیں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ کھلی دشمنی اور آمنے سامنے کا مقابلہ ہو تو ساری راہیں مسدود کی جا سکتی تھیں، دوغلے پن کی وجہ سے مشکلات پیش آتی ہیں۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے آدمی ان کی سرحدوں میں کام کر رہے ہوں۔ وہ تنگ آ کر یہ جوابی وار کر رہے ہوں؟''

''ہو سکتا ہے بلکہ بھارت کی حد تک ایسا ہی ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پہل کون کرتا ہے اور جواب کون دے رہا ہے۔ اس پہلو پر جلال روشنی ڈال سکے گا'' اس نے بلاتوقف جواب دیا ''فساد کی اصل جڑ امریکا بنا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ہزاروں میل دور ہیں۔ ان کے اور ہمارے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں ہمارا کوئی آدمی سرگرم نہیں ہوگا۔ نہ جانے وہ ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں میں کیوں مصروف رہتے ہیں؟''

''انہیں گھمنڈ ہے کہ اب وہ اکلوتی سپر پاور ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں ان کی مرضی کا نظام چلنا چاہیے۔ ان حرکتوں سے وہ حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔''

''حکومتیں جھک سکتی ہیں، عوام نہیں جھک سکتے'' اس نے ٹھوس لہجے میں کہا ''امریکی حکمراں یہ بھول رہے ہیں کہ اپنی ان حرکتوں سے وہ نفرتیں خرید رہے ہیں۔ تم وہاں دیکھ رہے ہو گے کہ تھائی حکمراں امریکا کے قریبی حلیف ہیں، عوام ان سے نفرت کرتے ہیں۔''

''آج میں نے ایک نیا جملہ سنا ہے۔ تھائی اپنی فطرت کے باوجود امریکیوں کے ساتھ مل کر رہنا سیکھ گئے ہیں'' میں نے ذہن میں آنے والے، ڈان کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا ''وہ پوری دنیا کو یہی قرینہ سکھانا چاہتے ہیں۔ نفرت کرو یا محبت مگر ہم کو برداشت کرو۔''

''تم نے وہاں بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ جلال کو توقع نہیں تھی کہ تم اتنی بڑی فتح حاصل کرو گے۔ اب تمہیں وہاں سے نکل آنا چاہیے۔''

''میں پابہ رکاب ہوں۔ سوچتا ہوں کہ کدھر جاؤں؟ پاکستان لوٹنے کے راستے بند ہیں.....'' میں نے اس ذکر کے ساتھ اپنے سینے میں درد کی ایک لہر سی ابھرتی محسوس کی۔

''یہاں کے حالات واقعی مخدوش ہیں۔ تمہارے حقیقی خاکے بن چکے ہیں۔ پتا نہیں جلال نے کیسے جتن کر کے ان کا اجرا روکا ہوا ہے۔ وقفوں وقفوں سے پرانے انعامی اشتہار اخبارات میں آ رہے ہیں۔ جس دن ان میں صحیح خاکہ شامل ہو گیا، تمہیں پہچاننے کے دسیوں دعوے دار سامنے آ جائیں گے۔'' اس نے میری بات کاٹ کر دردمندی سے کہا۔

''ہمارے لیے دعا کرتے رہو'' میں نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا ''یہ غنیمت ہے کہ انہیں ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ ان کے بنوائے ہوئے متعدد خاکوں میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے۔''

''ہم ایک دوسرے کے لیے اور کچھ نہیں تو دعائیں ضرور کر سکتے ہیں۔ صرف زبان ہلانے سے کچھ نہیں بنتا، دل سے نکلی ہوئی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

وہ اول خان نہیں، اس کا مضبوط ایمان بول رہا تھا۔ آج کا مسلمان جب اپنی سب کوششیں کر کے تھک جاتا ہے تو آخر میں سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے تہ دل سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتا ہے اور ایسی دعائیں اکثر شرفِ قبولیت حاصل کرتی ہیں۔

اول خان سے ہونے والی وہ گفتگو ہر اعتبار سے تشویش انگیز تھی۔ پہلے را کے ایجنٹ پاکستان کی قومی تنصیبات اور شہری آبادیوں کو اپنی دہشت گردیوں کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ یہ نئی خبر تھی کہ انہوں نے پاکستان میں کام کرنے والے غیر ملکیوں کو اپنا ہدف بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں غزالہ کے ساتھ دیر تک اسی موضوع پر سر کھپاتا رہا۔ میرے دل و دماغ پر عجیب سی بے بسی طاری ہو چلی تھی۔ دور رہ کر میں ان سازشوں کے سدباب میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔ واپسی پُرخطر تھی۔ ہر سمت سے ایک ہی آواز چلی آ رہی تھی کہ اس وقت میرا پاکستان جانا میرے لیے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

جلال کے بیان کے مطابق میں نے بنکاک آمد کے تین مقاصد حاصل کر لیے تھے مگر میں سوبھراج اور راجن جیسے خوفناک مجرموں کو مار لینے کے باوجود خود کو تہی دست محسوس کر رہا تھا۔ وطن سے ملنے والی نئی اطلاعات نے ان کامیابیوں کو ماند کر دیا تھا۔

میرے ذہن میں اپنے خاکوں کے بارے میں بھی تشویش پل رہی تھی۔ اس بارے میں ایک بات امید افزا تھی کہ امریکی اپنے کام کو خود مشکل بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

انہوں نے اپنے ماہرین کی مدد سے جو خاکے بنوائے تھے۔ وہ خود ان کی افادیت سے بے خبر تھے۔ خاکوں کی اہمیت کا ادراک وہی کر سکتا تھا جس نے مجھے بہت قریب سے دیکھا ہو۔ ایسا آدمی جلال کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے کارآمد خاکے کی نشاندہی کیے بغیر یہ موقف اختیار کیا ہوا تھا کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں دو افراد حراست میں زیرِ تفتیش ہیں۔ ان میں سے ایک یقیناً ڈینی ہے۔ ایسی صورت میں خاکوں کا بکھیڑا پھیلانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

جلال کی چال کی وجہ سے ان کی رفتار سست ہو گئی تھی لیکن انہوں نے اپنا کام ترک نہیں کیا تھا۔ ان کی نظروں میں وہ سارے خاکے اہم تھے۔ ان خاکوں میں کمپیوٹر کی مدد سے داڑھی، مونچھوں اور بالوں وغیرہ کے ردّوبدل سے وہ شناخت کا امکان بڑھانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ یوں اصل خاکوں کی تعداد دس بیس گنا بڑھ جاتی۔ تعداد جتنی زیادہ ہوتی، اصل خاکے کے انتخاب کا امکان اسی قدر کم ہو جاتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لیے وہ بیک وقت سیکڑوں خاکوں کی تشہیر کر کے مذاق کا نشانہ بنتے۔ انہیں آخر کار دو چار خاکے منتخب کرنے ہوتے۔ مجھے توقع تھی کہ بنیادی خاکوں پر کمپیوٹر کی مشقِ ستم کے بعد وہ اصل خاکے کو نظر انداز کر دیں گے اور جلال کے مشورے کو نظر انداز کر کے انہوں نے کسی نئی تشہیری مہم کا ارادہ کیا تو وہ تصویر یا خاکے کی حد تک میرے لیے بے ضرر ہوگی۔

وہ میری توقعات تھیں جن کے پورا ہونے کا دارومدار میرے مقدر اور اتفاقات پر تھا۔ اس بارے میں قبل از وقت وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

شام ڈھلے غزالہ روزمرہ ضروریات کا سامان خریدنے کے لیے گئی تو مجھے طارق کا دھیان آ گیا۔ اپنے بڑے کی ہدایت پر وہ اڑتالیس گھنٹوں کے لیے گیری کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں ایک اہم ترین خبر دینے کے بعد وہ مسلسل خاموش تھا۔

اس کی بارہ گھنٹوں سے زیادہ عرصے پر محیط خاموشی کا سبب جاننے کے لیے میں نے اسے فون کیا تو اس کی آواز سے تکان اور بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ سیلرز بار سے واپسی پر کرنل گیری اپنے گھر کے بجائے سیٹو کے ہیڈکوارٹرز میں چلا گیا۔ وہ خالص فوجی اور ممنوع علاقہ تھا۔ اندر کی سن گن لینا ناممکن تھا۔ گیری مسلسل وہیں گھسا ہوا تھا۔ طارق اس کے نمودار ہونے کے انتظار میں قرب و جوار میں منڈلاتا پھر رہا تھا۔

میں نے اسے حوصلہ دینے کے لیے گفتگو کو ذرا طول دیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے بنیادی فریضے کے طور پر مقامی اخبار ضرور پڑھتا ہے۔ اس اعصاب شکن ڈیوٹی میں بھی اس نے اخبار دیکھ ڈالا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ سیٹو ہیڈکوارٹرز ہی میں ملٹری اسپتال اور امریکی فوجی چھاؤنی قائم تھی۔ شاید گیری وہاں رک کر سارجنٹ پال کی لاش امریکا روانہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔

اول خان نے کام کے دیوانے چینیوں کے لیے جنوں کا خطاب استعمال کیا تھا۔ میری نظروں میں طارق بھی کسی جن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کم نہیں تھا۔ اسے بستر سے پیٹھ ٹکائے چوبیس گھنٹے ہونے والے تھے، نگرانی کے چکر میں اسے ڈھنگ سے کچھ کھانے پینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ بھوک، پیاس اور تھکن سے بے نیاز ہوکر اپنے کام کی دھن میں لگا ہوا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنے محکمے کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کا کوئی متبادل نہیں تھا۔ میں خود بھی اس کا بوجھ ہلکا کرنے میں کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ گیری کی نقل وحرکت کے بارے میں طارق سے کچھ کہنا سننا بے سود تھا۔ اسے اسلام آباد سے جو ہدایات ملی تھیں، وہ ان سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا تھا۔ میں نے چند بھرپور توصیفی کلمات کے ساتھ گفتگو ختم کردی۔

میں کچھ دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں بستر پر پڑا غزالہ کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے ہمیں ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہوجاتی تھی لیکن دستخطوں کے لیے آنے والے چند ابتدائی بلوں میں معمولی اشیا کے دام دیکھ کر غزالہ حیران رہ گئی۔ وہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا تو ان کے دام بھی ویسے ہی تھے۔ اس نے یہ معمول بنالیا تھا کہ فروٹ، مشروبات اور دوسری ضروری اشیا بازار سے سستے داموں خرید کر لاتی اور کمرے میں رکھے ہوئے چھوٹے ریفریجریٹر میں بھر لیتی۔ اس فریج میں ہوٹل والوں کی طرف سے چند ہلکے مشروبات کے ساتھ عمدہ اور قیمتی شرابوں کی چھوٹی بوتلیں منی بار کے نام پر گاہکوں کو مہیا کی جاتی تھیں جو ہمارے کمرے میں جوں کی توں رکھی ہوئی تھیں۔ انہیں استعمال نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہمیں داموں کا علم نہیں ہوسکا مگر مجھے اندازہ تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں ان کی قیمت کئی گنا زیادہ طلب کی جاتی ہوگی۔

ہم بنکاک میں بہت آسودہ حال تھے۔ اپنی رقم کے علاوہ جلال کے دیے ہوئے لفافوں کی رقم موجود تھی پھر ڈان کے انعامات نے ہماری خوش حالی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس بے فکری کے باوجود غزالہ بے جا اصراف کی مخالف تھی، وہ جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی واپس آتی تھی۔ انتظار طویل ہوگیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی تیاری شروع کردی۔

اس وقت میرے ذہن پر اکتاہٹ اور بے زاری سوار ہورہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا خیال تھا کہ رات کی تکان اور بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے میں دوبارہ سو جاؤں گا۔ اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل انداز نہ ہونے کے خیال سے وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنے ساتھ لیتی گئی تھی تاکہ خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آسکے۔

چابی میری تحویل میں ہوتی تو شاید میں کمرے میں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا' تاکہ اسے مقفل کمرے کی چابی حاصل کرنے کے لیے کاؤنٹر تک واپس نہ جانا پڑے۔ اس کی دوراندیشی نے مجھے اس فکر سے آزاد کردیا تھا۔ اپنی تیاری مکمل کرتے ہی میں نے کمرا چھوڑ دیا۔

وہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا جہاں رات گئے تک رونق اور چہل پہل رہتی تھی۔ میں ٹہلتا ہوا ہوٹل کے احاطے سے نکلتا چلا گیا۔ اس وقت میں بہت شدت کے ساتھ ماحول میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کررہا تھا۔ کھلی فضا میں آتے ہی مجھے تازگی کا احساس ہونے لگا۔

مجھے کسی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ڈان سے میری تلخ وترش باتیں ضرور ہوئی تھیں لیکن مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ اس خرانٹ کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت نہیں تھی۔ میرا اور اس کا اختلاف صرف گیری کی ذات تک محدود تھا۔ میری نظروں میں وہ خودغرض اور سازشی امریکی افسر منہ لگانے کے قابل نہیں تھا جبکہ ڈان اپنی مصلحتوں کی وجہ سے اس کے لیے سراپا لطف وکرم بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود میں اپنے فطری تجسس سے مجبور تھا۔ کمرے کی تنہائی سے ہوٹل کے بھرے پرے فلور پر آتے ہی میں نے غیرارادی طور پر اپنے گردوپیش کا جائزہ لے ڈالا تھا اور مطمئن ہوکر ہوٹل کی حدود سے قدم باہر نکالا تھا۔

ہوٹل سے باہر آکر میں نے بائیں طرف جاتے ہوئے ٹھٹک کر سگریٹ سلگائی تو یکایک میری چھٹی حس بیدار ہوگئی۔ میں تیزی سے پلٹا اور آتے جاتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے دو کریہہ صورت مقامی خود بہ خود میری نظروں میں آگئے۔

وہ بہت غیرفطری انداز میں اپنے گردوپیش سے گزرتے ہوئے لوگوں کے درمیان رکے ہوئے تھے۔ ان کا رخ بتا رہا تھا کہ رکنے سے پہلے وہ میرے پیچھے چلے آرہے تھے۔ میں ان دونوں پر سرسری نظر ڈال کر یوں ان کے پیچھے دیکھنے لگا جیسے دور کسی کو تلاش کررہا ہوں۔ اس وقت میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔

وہ اپنی صورتوں سے تیسرے درجے کے لفنگے نظر آرہے تھے۔ مجھے ہلکا سا شک ہوا کہ وہ میرا پیچھا کررہے تھے لیکن یہ مساوی امکان بھی موجود تھا کہ ان کا میری طرف دھیان نہ ہو، وہ کسی اور وجہ سے چلتے چلتے رک گئے ہوں۔

ان دونوں کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کو آزمانا ضروری تھا۔ اس کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ میں اپنی سمت بدل لوں۔

میں نے براہِ راست ان پر نظریں جمائے بغیر کن انکھیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے جائزہ لیا تو انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے آپس میں مذاکرات شروع کر دیے تھے۔ میں کسی واضح پروگرام کے بغیر شہر میں کوچہ نوردی کرنے والے لاابالی سیاح کی طرح مڑا اور چند لمحوں بعد ان کے قریب سے گزرتا ہوا داہنی سمت میں ہولیا۔

میں ایک مرتبہ پلٹ کر ان کا جائزہ لے چکا تھا۔ ذرا سی دیر میں میرا دوبارہ مڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں بظاہر مجھ سے بھڑنے کے موڈ میں نہیں تھے لیکن ان کی وضع قطع کو دیکھتے ہوئے براہ راست تصادم کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس وقت شدت سے میرے ذہن میں یہ احمقانہ خیال آیا کہ انسان کی کھوپڑی کے پیچھے تیسری آنکھ کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ تیسری آنکھ ہوتی تو مجھے کسی زحمت کے بغیر یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ دونوں میرے پیچھے آ رہے تھے یا لاتعلقانہ انداز میں مخالف سمت میں جا چکے تھے؟

تذبذب اور بے یقینی کی اس کیفیت کی وجہ سے میرے اعصاب پر تناؤ کی کیفیت سوار ہونے لگی۔ پیچھے سے آنے والی ہر آہٹ پر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ شبہ ہوتا کہ پیچھے سے اچانک کوئی میرے اوپر حملہ کر دے گا۔ آنے والے کے آگے گزرنے سے ذرا اطمینان ہوتا تو کوئی اور جلد باز مجھے اس اعصاب شکن امتحان میں ڈال دیتا۔ علاقہ مصروف تھا اس لیے وہ تسلسل کسی طرح ٹوٹنے میں نہیں آ رہا تھا۔

اس دباؤ کے سبب غیر ارادی طور پر میری چال تیز ہو گئی۔ لمحہ بہ لمحہ یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ ہم بنکاک میں بہت آسوسے سامنا ہوا تو نوبت یکا یک جلال کے دیے ہوئے لفافوں کی اس مرحلے پر ہر الجھاؤ سے انعامات نے ہماری خوش حالی ہ

بے فکری کے باوجود غزالہ بے بعد مجھے شہر کے عرض میں پھیلی جب بھی بازار جاتی، لدی پھندی وہر کے آثار نظر آنے لگے۔ ہو گیا تو میں نے کمرا چھوڑنے کی جلد پر پہنچ جاتا جس کے پیچھے اس وقت میرے ذہن پر اس میں مقیم تھے۔

ہو رہی تھی۔ غزالہ باہر گئی تو اس کا خان دونوں کی طرف جانے کا بے خوابی کی کسر پوری کرنے کے لیے نکل کر مخالف سمت میں چلا اپنی واپسی پر میری نیند میں خلل اندے مجھے یک بہ یک اپنی سمت وہ کمرے کے تالے کی چابی اپنے کر لیا تھا کہ پیچھا کرنے خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر آ سکتا ہے دور نکل جاؤں چابی میری تحویل میں ہوتی تو

کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا' تا کہ ابارے تک کر کھڑا ہو گیا۔

انداز ایسا تھا جیسے میں نہر کے نظارے سے محظوظ ہو رہا ہوں لیکن اپنی آنکھوں کے گوشوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔

پھر مجھے وہ دونوں نظر آ گئے۔ وہ بھی میری طرح نہر کے نظارے میں محو نظر آ رہے تھے۔ ان کی ڈھٹائی اور بے خوفی میرے لیے تشویش ناک تھی۔ بظاہر انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ میری نظروں میں آ چکے تھے۔ ان کا مقصد صرف پیچھا کرنا ہوتا تو وہ مجھ سے دور رہ کر خود کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ وہ جس انداز میں میرے سر پر مسلط تھے، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی موقع کی تلاش میں تھے۔ انہیں جہاں بھی میدان صاف نظر آتا، وہ اپنی مکمل تیاری کے ساتھ اچانک میرے مقابل آ جاتے اور میرے لیے انہیں سنبھالنا دشوار ہو جاتا۔

میں ہوٹل سے آوارہ گردی کا ارادہ کر کے نکلا تھا۔ میری جیب میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انگلیوں میں جادوئی انگوٹھیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آثار یہ بتا رہے تھے کہ ان زہر افشاں انگوٹھیوں کے استعمال کے بغیر میں اپنے متوقع حریفوں سے چھٹکارا نہیں پا سکوں گا۔ بیم گن کے ساتھ زہر کا استعمال بھی میری ذات سے منسوب ہو چکا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی میرے ہاتھوں مارا جاتا تو اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم کے نتیجے میں یہ رائے قائم کر لی جاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔

وہ سب جلال کے منصوبے کے برعکس ہوتا۔ وہ میرے نام سے دو قیدی لیے بیٹھا تھا۔ اس کی خفت اور بوکھلاہٹ سے قطع نظر میری جان سخت خطرے میں پڑ جاتی۔ ڈان کو پہلے ہی مجھ پر شبہ ہو چکا تھا جسے میں نے اپنی اداکاری اور چرب زبانی سے زائل کر دیا تھا۔ گیری اپنے پورے لشکر کے ساتھ میری تلاش کی مہم میں جٹ جاتا۔

میرے لیے وہ سب ایک ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا۔ آزاد اور زندہ رہنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ میں کسی بھی قیمت پر وہ انگوٹھیاں استعمال نہ کروں۔ میں نے اضطراری یا مجبوری کی حالت میں ان کے استعمال سے بچنے کے لیے وہیں کھڑے کھڑے دونوں انگوٹھیاں اپنی انگلیوں سے اتاریں اور احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیں۔

اس وقت میں دیدہ و دانستہ کوئی بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بات ہاتھ پیروں کے استعمال تک محدود رہتی تو دیر ضرور لگتی مگر میں انہیں تگنی کا ناچ نچا سکتا تھا۔ مجھے خوف یہ تھا کہ انہوں نے میرا پلا بھاری ہوتا دیکھ کر آتشیں ہتھیار نکال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔

میں کچھ دیر تک اسی پُل کے کنارے پر رکا رہا۔ میں ٹکٹکی باندھ کر انہیں نہیں گھور سکتا تھا۔ میں نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا کہ ان کے چہروں کی رہی سہی نرمی جاتی رہی تھی۔ اپنے بشروں سے وہ فکرمند اور سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ کسی کا تعاقب کرنے کے معاملے میں وہ اناڑی نظر آ رہے تھے۔

میرے اس جائزے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ میرا پیچھا کر رہے تھے۔ میں تن بہ تقدیر ہو کر ایک بار پھر پلٹ گیا۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ بری طرح بوکھلا گئے۔ ان کے کمزور ردِعمل کو دیکھتے ہوئے میں نے باقاعدہ انہیں گھورنا شروع کر دیا۔

راستہ تنگ تھا۔ وہ دونوں مجھے راہ دینے کے لیے سڑک کر دیوار سے لگ گئے۔ میں نے یہ نکتہ خاص طور پر نوٹ کیا کہ ان میں سے کسی کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا تھا۔

میں نے ان سے نہ الجھنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ وہ پہل کرتے تو میں جی جان سے ان کا مقابلہ کرتا۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے وجود میں غصے کی ایک شدید لہر ابھری اور میں کسی ارادے کے بغیر اچانک ان کے سامنے رک گیا۔

''کیا چاہتے ہو تم لوگ..... میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہو؟'' میں نے زہر آلود لہجے میں ان سے سوال کیا۔ تھائی زبان میرے لیے اجنبی تھی۔ میں نے انگریزی کا سہارا لیا تھا۔

میرے رکتے ہی ان کے چہروں پر یتیمی سی برسنے لگی۔ دبلے شخص نے اپنے قدرے فربہ ساتھی سے اپنی زبان میں کچھ کہا اور اس کی زبان چل پڑی ''یو تو رست..... سنگل..... وانت گال۔ ویری بیوٹی فل'' وہ میری طرف جھک کر خستہ وشکستہ انگریزی میں جملوں کے بجائے الفاظ بولتا چلا گیا۔ اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی کہانی شروع کر دی تھی۔ اس کے نپے تلے الفاظ اتنے بھرپور تھے کہ اسے اپنا مفہوم سمجھانے کے لیے فقروں کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

اس کی زبان سے وہ خرافات سنتے ہی میرا اعصابی تناؤ دور ہو گیا۔ وہ بنکاک کے گشتی دلالوں کی بولی بول رہا تھا مگر میرے ذہن نے اس کی تاویل کو قبول نہیں کیا۔

آج کا بنکاک ان غلاظتوں سے کافی حد تک پاک ہو چکا ہے لیکن ان دنوں بھی میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ جنس فروش کارندے کسی بھی غیر ملکی کو زبردستی نہیں پھانستے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی بات شروع کرتے اور حوصلہ افزا جواب نہ ملے تو اس موضوع کو یوں بھول جاتے تھے جیسے اس بارے میں سرے سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو جبکہ وہ دونوں کافی دیر سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اتنی دیر میں وہ چاہتے تو دس بیس افراد سے ملاقات کر کے اپنے مطلب کے کئی گاہک تلاش کر سکتے تھے۔

''البم نکالو!'' میں نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے سختی سے مطالبہ کیا۔ اگر وہ وہی تھے جو خود کو ظاہر کر رہے تھے تو ان کے پاس دو چار تصویری البم ہونے ضروری تھے۔

''نو البم!.....'' فربہ شخص کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمودار ہو گئے ''یو کم..... سی گالز..... ویری گڈ!''

انہیں چھیڑ کر مجھے اپنی وحشت ناک ذہنی پریشانی سے نجات مل گئی تھی لیکن میں عجیب مخمصے سے دوچار ہو گیا تھا۔ بات کھل چکی تھی کہ وہ مجھ سے جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ دونوں صورت حرام ہونے کے باوجود جارحانہ موڈ میں نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟

سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بلکہ ان میں سے صرف ایک اپنے مطلب کی محدود انگریزی سے واقف تھا۔ اس گزرگاہ پر رک کر ان دونوں سے بازپرس کی کوشش کی جاتی تو میں خود وہاں تماشا بن جاتا۔ میں کھیت کی کہتا تو وہ کھلیان کی سمجھتے۔

میں نے طیش اور جھلاہٹ کے عالم میں ہاتھ گھما دیا۔ ایک آدھ تھپڑ رسید کیے بغیر انہیں درگزر کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ دونوں میری طرف سے کسی زیادتی کا سامنا کرنے کے لیے پہلے سے تیار تھے۔ دونوں ایک ساتھ مجھے جھکائی دے گئے اور میرا ہاتھ فضا میں گھوم کر رہ گیا۔

اگلے ہی لمحے ان دونوں نے پوری قوت سے ایک طرف دوڑ لگا دی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔

آس پاس سے گزرنے والوں نے حیرت اور مسرت سے ملی جلی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ بعض لوگ سمجھے کہ وہاں کوئی مذاق ہو رہا تھا۔ ایک دو سیٹیاں بجیں، چند آوازے کسے گئے اور میں سخت خفت کے عالم میں ہوٹل کی طرف چل دیا۔ میرے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ میری کوشش تھی کہ میں اپنی سبکی کا منظر دیکھنے والوں کی نظروں سے جلد از جلد دور نکل جاؤں۔

وہ دونوں بھی نہر پار کرنے کے بجائے اسی طرف بھاگے تھے جدھر میں جا رہا تھا لیکن انہوں نے اتنی سرعت سے دوڑ لگائی تھی کہ ان کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

اس واقعے سے میرا ذہن بری طرح الجھ گیا تھا۔ سمجھ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں آ رہا تھا کہ ان دونوں خبیثوں کو کس خانے میں فٹ کروں؟ وہ دوست ہوتے تو چوروں کی طرح چھپ کر میرا تعاقب نہ کرتے، دشمن ہوتے تو خطرناک تیور دکھائے بغیر اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہ چھوڑتے۔ جب تک وہ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، میں تشویش اور سنسنی میں مبتلا تھا۔ بھاگنے کے بعد وہ اپنے پیچھے کئی الجھاوے چھوڑ گئے تھے جن کا کوئی سرا نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں اس ذہنی تکدر کے عالم میں ہوٹل نہیں جانا چاہتا تھا۔ نئی پریشانی میں غزالہ کو شامل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ اس بے سروپا واقعے کے بارے میں کوئی رائے تو کیا دیتی، مجھ سے زیادہ پریشان ہو جاتی۔

میں نے ہوٹل کے احاطے میں داخل ہونے کے بجائے سیدھی راہ اختیار کر لی۔ میرے ذہن میں یہ خدشہ بھی سر ابھار رہا تھا کہ میرے باہر رہنے کی صورت میں اس جیسا حیران کن واقعہ دوبارہ بھی رونما ہو سکتا ہے۔

میں ہوٹل سے کچھ آگے بڑھا تھا کہ مجھے اپنے پیچھے تیز ہارن کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت قریب کی تھی۔ میں نے ناگواری سے پلٹ کر دیکھا تو چاؤفان کی کالی اکارڈ فٹ پاتھ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اس کا انجن چل رہا تھا، وہ اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے بیٹھا، کسی بندر کی طرح شوخی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کے برابر والی نشست پر لی بہت بنی سنوری بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی چاؤفان نے پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا اور دروازہ کھول کر اپنی گاڑی سے اتر آیا۔ اس کا ایک پیر سڑک پر اور دوسرا پائے دان پر تھا۔

میں جوں ہی گاڑی کی طرف بڑھا، لی بھی اپنے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ سجائے گاڑی سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ گزرے ہوئے واقعے پر بات کرنے کے لیے چاؤفان نہایت موزوں تھا۔ لی نے وائٹ ہاک کی تباہی پر کھل کر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ راجن کے خلاف جس انداز میں باتیں ہوتی رہی تھیں ان کی بنا پر وہ بڑی حد تک ہماری راز داں بن چکی تھی۔ اس کی موجودگی میرے اور چاؤفان کے مذاکرات میں رکاوٹ نہیں تھی۔

''ہائے ماسٹر!'' میرے قریب پہنچنے پر لی نے والہانہ انداز میں کہا ''اس سہانی شام میں اکیلے ہی گھوم رہے ہو۔ میں نے دور سے تمہیں دیکھ کر پہچان لیا ورنہ چاؤفان تیزی سے یہاں سے نکلا جا رہا تھا۔ یہ گاڑی یوں دوڑاتا ہے جیسے کہیں ڈاکا ڈال کر بھاگ رہا ہو۔''

''چاؤفان بڑا ڈکیت ہے'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''خوب صورت عورتوں کو لوٹنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے، اس سے ہوشیار رہنا'' غیر متوقع طور پر ان دونوں سے ملاقات ہوتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہو گیا۔

وہ دونوں ہنس دیے۔ لی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔ میں نے اس کی خالی کی ہوئی جگہ سنبھال لی۔

''ماسٹر! کیا بات ہے..... تم اس وقت اکیلے نظر آ رہے ہو؟'' چند ثانیوں بعد چاؤفان نے فکرمند لہجے میں سوال کیا۔

''کیا میرے ساتھ جلوس ہونا چاہیے تھا؟'' میں نے استہزائی انداز میں پوچھا۔

''تمہارے ساتھ عورتوں کا جلوس ہو تو وہ بھی کم ہوگا'' لی شوخی سے بولی ''تم انہیں خوش کرنے کا فن جانتے ہو۔''

''میں نے دو آدمی تمہاری حفاظت پر مامور کیے تھے'' چاؤفان اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے پرتشویش انداز میں بڑبڑایا ''وہ دور دور تک نظر نہیں آ رہے؟''

اس کا وہ انکشاف سن کر میرا دل چاہا کہ اس کا گلا دبوچ لوں۔ میں نے غصیلے لہجے میں کہا ''وہ میرے حفاظت کر رہے تھے یا نگرانی پر لگائے گئے تھے؟''

''کیا تم نے انہیں دیکھا ہے؟'' اس نے بے تابانہ انداز میں سوال کیا۔

''صرف دیکھا نہیں بلکہ بھگتا بھی ہے'' میں نے غصے سے تقریباً پھٹتے ہوئے جواب دیا ''وہ اس قدر بھونڈے انداز میں میرے پیچھے لگے ہوئے تھے کہ مجھے ان سے الجھنا پڑ گیا۔ وہ اتنے بزدل تھے کہ مجھ سے سامنا ہوتے ہی بھاگ گئے۔''

''اوہ..... یہ برا ہوا'' وہ بے ساختہ بولا ''غلطی میری تھی۔ مجھے تم کو بتا دینا چاہیے تھا کہ تمہاری حفاظت پر دو آدمی مامور کیے گئے ہیں۔''

''تم دونوں کن آدمیوں کا ذکر کر رہے ہو؟'' لی نے اٹھلائی ہوئی آواز میں سوال کیا ''مجھے تمہاری ان باتوں سے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔''

''ڈارلنگ! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں'' چاؤفان نے فوری طور پر فدویانہ لہجے میں اسے تسلی دی ''یہ معاملات ہم تمہیں گھر چھوڑنے کے بعد طے کر لیں گے۔ اب ان پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

بظاہر چاؤفان نے لی کو مخاطب کیا تھا لیکن وہ میرے لیے بھی اشارہ تھا کہ لی کی موجودگی میں اس موضوع کو طول نہ دیا جائے۔ میں نے ناگواری سے خاموشی اختیار کر لی۔

اس نے میرے قرب و جوار میں اپنے آدمیوں کو موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ پا کر اپنی فطری بے چینی کا اظہار کیا اور لمحہ بھر میں یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ دونوں چاؤفان کے کارندے تھے۔ وہ اپنے طور پر کوئی اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یقینی طور پر اس نے ڈان کے ایما پر اپنے آدمی میرے پیچھے لگائے تھے۔

بات نبھانے کے لیے اس نے میری حفاظت کا ذکر کیا تھا لیکن میں اس وضاحت سے مطمئن نہیں تھا۔ جب راجن زندہ تھا اور مجھے واقعی تحفظ درکار تھا تو ان لوگوں نے مجھے میدان میں تنہا چھوڑا ہوا تھا۔ سنگین خطرہ ٹل جانے کے بعد جب سب کچھ نارمل نظر آ رہا تھا تو خاموشی سے دو آدمی میرے پیچھے لگا دیے گئے۔

میرے لیے وہ صورتِ احوال تشویش ناک تھی۔ چاؤفان کے اعتراف سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ ڈان نے میرے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو بہت کامیابی سے چھپا لیا تھا۔ وہ گرگ باراں دیدہ تھا۔ اس نے مجھ پر یہ ظاہر کیا تھا کہ میری طرف سے اس کا دل صاف ہوگیا تھا مگر اس نے فوری طور پر میری نگرانی کا بندوبست کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس کے بارے میں میرے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔

''ماسٹر! تم دوبارہ مجھ سے ملنے نہیں آئے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد لی نے لگاوٹ کے انداز میں وہ سوال کر کے میرے خیالات کی رو توڑ دی۔

''میں دوستوں کی حق تلفی نہیں کرتا۔ چاؤفان تمہاری دوستی کا پہلا حق دار ہے۔ میں اس کی کوششوں کو بارآور ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔''

''پوچھ لو..... اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی'' لی اپنے مراسم کے اظہار کے بارے میں میری توقع سے زیادہ بے باک تھی۔ ''میں بھی دوستوں کی قدر کرتی ہوں۔ اسے ستانے میں مجھے لطف آ رہا تھا لیکن وائٹ ہاک والے واقعے کے بعد میں نے اس کی ساری شکایتیں دور کر دیں۔''

''تم واقعی بہت اچھی ہو۔ میں تمہاری دوستی پر فخر محسوس کرنے لگا ہوں'' چاؤفان نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے میری زندگی میں رنگ ہی رنگ بکھیر دیے ہیں۔''

''ماسٹر! تم نے سن لیا۔ میں کسی کا دل نہیں توڑتی۔ چاؤفان مجھے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہے مگر مجھے یقین ہے کہ چھوٹا راجن کو تم لوگوں نے ہی جیتے جی جہنم کی آگ میں جلایا ہے۔ وہ اس سے زیادہ بری موت کا مستحق تھا اور کچھ نہیں تو اس کی موت کی خوشی منانے کے لیے کسی شام میرے گھر آ جاؤ۔ دوسروں کو خوشیاں بانٹنے والی ایک عورت کو کیا تم اتنی خوشی بھی نہیں دے سکتے؟''

''تم فکر نہ کرو۔'' مجھ سے پہلے چاؤفان بول اٹھا ''میں ماسٹر کو تمہارے پاس لاؤں گا۔ فی الحال میں پارٹی کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ اس سے نمٹنے کے بعد مجھے اور ماسٹر کو فرصت ہی فرصت ہوگی۔ تمہاری ساری حسرتیں پوری ہو جائیں گی۔''

''پارٹی میں، میں ڈان کو پہلی مرتبہ قریب سے دیکھوں گی۔ سنا ہے کہ وہ بھی بہت شاندار آدمی ہے مگر عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا؟'' لی بولی۔

''مادام! یہ کیا کہہ رہی ہو'' چاؤفان نے حیرت سے دیدے پھاڑ کر کہا ''ڈان سے زیادہ کون عورت کی عزت کرے گا۔ سارے شہر کو معلوم ہے کہ اپنی بیوی سے سربازار پٹنے کے باوجود اس نے اپنی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ مری ہے تو اب ڈان نے گوشہ نشینی ترک کی ہے۔''

''ان باتوں کو رہنے دو۔ وہ عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا لیکن اپنی زہریلی زبان سے اس کے چیتھڑے اڑا دیتا ہے۔ وہ الفاظ کو کوڑوں کی طرح استعمال کرتا ہے۔''

لی سنی سنائی باتیں دہرا رہی تھی لیکن وہ حقیقت پر مبنی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو شروع ہونے کے نتیجے میں لی کے مطالبے سے میری جان چھوٹ گئی۔

انہوں نے دوران گفتگو پارٹی کا ذکر کر کے میرے کان کھڑے کر دیے تھے۔ قرائن بتا رہے تھے کہ وہ ڈان کی واپسی کے جشن کا تذکرہ تھا۔ ڈان نے اسی کے انتظار میں مجھے روکا ہوا تھا۔ پارٹی کے انعقاد کے بعد ڈان کے لیے مجھے بنکاک میں روکنے کا کوئی جواز نہ رہتا۔ مجھے توقع تھی کہ اس اثنا میں جلال کی طرف سے ہم چاروں کے نئے پاسپورٹ بھی آ جائیں گے اور ہم نئے ناموں کے ساتھ تھائی لینڈ کو الوداع کہہ سکیں گے۔

باتوں باتوں میں لی کا گھر آ گیا۔ اسے پورچ میں اتار کر چاؤفان واپس ہولیا۔

''تم اس لفنگی کے ساتھ کہاں آوارہ گردی کر رہے تھے؟'' میں نے لی کے گھر سے نکلتے ہی چاؤفان سے سوال کیا۔

''شان دار سوال ہے'' چاؤفان نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''ماسٹر! قصہ یہ ہے کہ مادام کے شہر کی ساری معزز لفنگیوں سے گہرے مراسم ہیں۔ ان میں ماڈلز سے اداکارائیں تک شامل ہیں۔ ڈان نے جشن کے لیے پرسوں کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ میں مادام کے ساتھ چیدہ چیدہ ہستیوں کو دعوت دینے کے مشن پر نکلا ہوا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''راجن کی موت پر یوں کھلا جشن منا کر کہیں ڈان خطرہ مول نہ لے رہا ہو۔ سب جان لیں گے کہ اسی نے راجن کو مروایا ہے'' میں نے کہا۔

''یہ بات صرف چند قریبی لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ دراصل ڈان کی گوشہ نشینی ختم ہونے کی پارٹی ہوگی۔ ڈان کے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ خبر بہت تیزی سے گردش میں آ چکی ہے کہ ڈان پر ہاتھ اٹھانے والی عورت تھونگ ری میں ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مر گئی اور ڈان نے اس قدرتی انتقام کی خوشی میں اپنی گوشہ نشینی ختم کر دی ہے۔''

''پارٹی کے بعد میں یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہوں گا'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ''ڈان کی مہمان داری کا انوکھا انداز مجھے راس نہیں آئے گا۔''

''تم کس بات پر آزردہ ہو رہے ہو؟'' اس نے انجان بن کر ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

''چاؤفان! میرے سامنے تمہاری یہ مکاری نہیں چلے گی'' میں نے بگڑ کر کہا ''میں نے لی کی موجودگی کی وجہ سے اپنی زبان بند کر لی ورنہ آج کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے یہ پٹی پڑھانے کی کوشش مت کرو کہ وہ دو آدمی میری حفاظت کر رہے تھے۔''

''ماسٹر! تمہارا غصہ بجا ہے۔ ساری غلطی میری ہے۔ مجھے تم کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا کہ اب ہر وقت دو آدمی تمہاری حفاظت کریں گے۔'' اس نے ندامت سے جواب دیا۔

''غلطی نہیں، یہ میرے خلاف کھلی سازش ہے۔ وہ میری نظروں میں نہ آتے تو اس وقت بھی میرا پیچھا کر رہے ہوتے۔ وہ اتنے بزدل ہیں کہ انہیں خود اپنی حفاظت کے لیے دو چار آدمی درکار ہیں۔ وہ میری کیا حفاظت کرتے، مجھے کس سے خطرہ ہے.....؟ میں ڈان سے پوچھوں گا کہ کیا وہ اسی طرح لوگوں کو اپنا مہمان بنا کر ذلیل کرتا ہے؟''

''تم مجھے جوتے مارلو لیکن خدا کے لیے ڈان سے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا'' وہ بوکھلا کر گڑگڑایا ''ڈان کا خیال تھا کہ گارڈ ہوں گے تو تم آزادی اور بے فکری کے ساتھ شہر میں گھوم سکو گے۔''

''اگر میں تمہارا یہ جھوٹ مان لوں تب بھی میرا باخبر ہونا ضروری تھا۔ جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ دو الّو کے پٹھے میری حفاظت کر رہے ہیں، میں کیسے بے فکر ہو سکتا تھا؟''

''بس مجھ سے یہی چوک ہو گئی۔ میں اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر مادام کی طرف نکل گیا۔ پرسوں ویک اینڈ ہے، لڑکیوں کی پہلے سے بکنگ ہو جاتی ہے۔ میرے پاس وقت کم تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بعد میں بتا دوں گا۔''

''تم فی البدیہہ جھوٹ بولے جا رہے ہو'' میرا پارا چڑھنے لگا ''تمہارے بتانے کی سرے سے ضرورت نہیں تھی۔ ان کو اپنا کام شروع کرنے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہیے تھا۔''

''میری مت ماری گئی تھی۔ یہ آسان طریقہ میرے ذہن میں نہیں آیا'' وہ حجت کرنے کے بجائے ہر بات اپنے اوپر لیے جا رہا تھا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے آج ہی یہ ملک چھوڑنے کی اجازت مل جائے؟'' میں نے دانت پیس کر پوچھا۔

''تم اپنی مرضی کے مالک ہو، تمہیں کون روکے گا۔ سب کچھ تمہارے اور ڈان کے درمیان طے ہوا تھا۔ اسے بتا دو تو میں خود تمہیں رخصت کروں گا'' اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے وہ معاملہ میرے اور ڈان کے سر ڈال دیا۔

''میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں'' میں نے چراغ پا ہو کر اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔

''ارے..... ارے..... ماسٹر! یہ کیا کر رہے ہو؟'' اس نے گھبرا کر بریک لگائے اور اسٹیئرنگ کاٹ کر گاڑی اچانک سڑک کے کنارے روک دی ''ڈان تم سے اس اچانک فیصلے کی وجہ جاننا چاہے گا، تم غصے میں ہو، میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہہ دیا تو وہ مجھے کیا چبا جائے گا، دماغ ٹھنڈا ہونے کے بعد اس سے ضرور بات کر لینا۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسی روانی میں تیزی سے ہیلو کہا تو دوسری طرف سے غزالہ بول رہی تھی۔ بازار سے واپسی پر مجھے کمرے میں موجود نہ پا کر وہ فکرمند ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے بہت مختصر بات کی۔ خیریت کا اطمینان دلا کر کچھ دیر میں واپسی کا وعدہ کیا اور فون بند کر دیا۔ اس دوران میں گاڑی دوبارہ حرکت میں آ چکی تھی۔

''تم اپنی زبان میں بات کر رہے تھے، تمہاری عو..... عع..... بیوی کا فون ہوگا'' اس نے اپنی عادت کے مطابق عورت کہتے کہتے اپنی تصحیح کرتے ہوئے رائے ظاہر کی۔

''چاؤفان! تم ڈان کے حکم کے بندے ہو۔ میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے گہری سنجیدگی سے کہا ''مجھے یہاں رہنا ہے نہ میں ڈان کے اقتدار کے لیے کوئی خطرہ بن سکتا ہوں۔ اسے مجھ سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ اپنی مکاریوں کو چھوڑ کر مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ میں اسے تمہارے بارے میں ایک لفظ نہیں بتاؤں گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

غزالہ کی بے محل فون کال کی وجہ سے میرا غصہ کافور ہو چکا تھا۔ سنجیدگی کے ساتھ چاؤفان کو ٹٹول کر میں ڈان کی سوچ تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ جب سے تم آئے ہو، اس نے مجھ سے بات کرنا کم کر دیا ہے۔ جب بھی تمہارا ذکر آتا ہے، وہ تمہاری تعریفوں کے پل باندھ دیتا ہے'' چاؤفان نے پُرخیال انداز میں کہنا شروع کیا ''سچ بات یہ ہے کہ وہ تمہاری کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر مجھے اکسانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے شکایت ہے کہ میں دل لگا کر اس کے لیے کام نہیں کرتا، ہر وقت شراب، جوے اور عورتوں کی لت میں مبتلا رہتا ہوں۔ تم نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے۔ سچ بتاؤ کہ کیا یہ درست ہے؟''

''وہ تمہارے ساتھ اکثر زیادتی کر جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اسے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔'' اس وقت میری ہمدردی اسے سچ بولنے پر آمادہ کر سکتی تھی۔

''تمہاری طرف سے ڈان کے ذہن میں کوئی نئی بات آ گئی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پچھلے شبہات اس کے ذہن سے ڈھل کر صاف ہو گئے تھے'' اس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔

''تم اس کے کن شبہات کی بات کر رہے ہو؟''

''پرانی باتیں ہیں جو تمہارے سامنے آ چکی ہیں، پہلے اسے شک تھا کہ یہاں کچھ لوگ تمہارے لیے کام کر رہے ہیں۔ ساری بھاگ دوڑ وہ کرتے ہیں، آخر میں تم اپنا کام کر گزرتے ہو۔ پھر اسے تمہاری بڑھتی ہوئی کارگزاری سے شبہ ہوا کہ تم ڈبل ہو اور نام بدل کر اسے فریب دے رہے ہو۔ تم نے اس کا یہ وہم خود دور کر دیا۔''

''میری طرف سے اس کا ذہن صاف ہے تو اسے میرے پیچھے آدمی لگانے کی کیا ضرورت ہے؟'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر پوچھا۔

اس بار چاؤفان کچھ نہیں بولا۔ اس نے میرے تحفظ کی جو رٹ لگائی ہوئی تھی، وہ ختم ہو چکی تھی۔ خاموشی اختیار کر کے اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ نگرانی کا معاملہ تھا۔

''اس معاملے میں تم سے ایک بھول ہوئی ہے'' کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''تم نے ڈان سے اپنے دونوں پاسپورٹ لے کر غلطی کی۔ جب تک پاسپورٹ ڈان کے پاس تھے، اسے یہ تسلی تھی کہ اس کی مرضی کے بغیر تم کہیں نہیں جا سکو گے، اب معاملہ مختلف ہے۔''

اس نے اتنے طویل عرصے میں پہلی بار ڈان کے مقابلے میں میری ہمدردی میں زبان کھولی تھی۔ میں نے دھیمی مگر پُرجوش آواز میں شکوہ کیا ''پاسپورٹ میں نے نہیں مانگے۔ راجن کی موت کی خبر سننے کے بعد اس نے خود لوٹائے تھے۔''

''اس نے پہلے بھی لوٹائے تھے اور تم نے لینے سے انکار کر دیا تھا'' اس نے مجھے یاد دلایا۔

''کیا ڈان نے مجھے یہاں اپنا یرغمالی بنایا ہوا ہے؟''

''اسے تم جیسے شیر دل آدمی کی ضرورت ہے۔ ایک آدھ بار وہ تمہیں اپنا دست راست بنانے کا ذکر کر چکا ہے'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''مگر میں یہاں نہیں رک سکتا۔ میرا گھر بار ہے، دوسری ذمے داریاں ہیں۔ میں ہر حال میں جلد از جلد واپس جانا چاہتا ہوں'' میں نے احتجاج کیا۔

''ڈان شاید یہ نہیں چاہتا۔ سارا اختلاف بس یہی ہے'' چاؤفان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''یہ تمہارا حق ہے۔ میں نے اس کے لیے چند روز کام کیا ہے، تم دو برسوں سے بلکہ ایک لمبی مدت سے اس کے ساتھ اپنی وفاداری نبھا رہے ہو۔ اگر وہ مجھے تمہارے سروں پر مسلط کرنا چاہ رہا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ اس کے خلاف، اندر ہی اندر شورش پروان چڑھے گی اور ایک دن اچانک کوئی ڈان کا گلا کاٹ کر اس کی جگہ سنبھال لے گا۔ میں اس کے ساتھ لگا رہا تو میں بھی بے موت مارا جاؤں گا۔ دونوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملے گا۔''

''ماسٹر..... خاموش رہو!'' وہ گھٹی گھٹی، خوف زدہ آواز میں بولا ''اسے تمہاری ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔''

میں چاؤفان پر نپے تلے وار کر رہا تھا۔ اس کے ہر ردِعمل پر میری گہری نظریں تھیں۔ میری زہرفشانی پر اس نے اعتراض نہیں کیا تھا، اس کا سارا زور رازداری پر تھا کہ میری ان باتوں کی بھنک ڈان کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔

''یہاں کون ہے جو ہماری باتیں ڈان کے کانوں میں پھونکے گا۔'' میں نے اس کے رویے سے حوصلہ پا کر بات آگے بڑھائی ''تم یا میں.....؟ ہم میں سے کوئی خودکشی کرنا پسند نہیں کرے گا۔ ہم نے ڈان کا دیا ہوا مشن پورا کر دیا۔ اب اندر ہی اندر گھٹنے کی ضرورت نہیں۔ یہ موقع ہاتھ آیا ہے تو ہمیں کھل کر بات کر لینا چاہیے۔ اس کے پاس میری کارکردگی کا صلہ یہ ہے کہ وہ مجھ پر شک کیے جا رہا ہے۔ تمہاری وفاداریوں کا انعام یہ ہے کہ وہ مجھے تمہارے اوپر مسلط کرنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے منصوبے بنا رہا ہے۔''

چاؤفان گاڑی کی آرام دہ سیٹ پر بیٹھا، سکون سے ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن اس کے تنفس کی رفتار یوں تیز ہوگئی جیسے وہ دور سے دوڑتا چلا آ رہا ہو۔ اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان بے بسی سے کہا ''ماسٹر! تمہاری باتیں درست لیکن خوفناک ہیں۔ خدا کے لیے اپنی زبان بند رکھو۔ تم ڈان کو نہیں جانتے۔ وہ اپنے آدمیوں کی سوچ بھی پڑھ لیتا ہے۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں جو ڈان کے سامنے زبان کھولے گا، وہ مارا جائے گا۔''

''ڈان کے سامنے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ جس طرح راجن اطمینان سے مار ڈالا گیا، اسی طرح سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ بات ذرا سے حوصلے کی ہے۔ تم ہمت کرو تو سارے معاملات ایک رات میں سدھر جائیں گے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

''نہیں ماسٹر!..... میں ڈان سے بغاوت نہیں کر سکتا'' اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔

''ڈان سے بغاوت کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اسے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کسی خون خرابے کے بغیر سب کچھ سدھر سکتا ہے۔ مجھے صرف تمہارے ساتھ کی ضرورت ہوگی'' میں نے اسے شیشے میں اتارنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اتنا کچھ کہہ جانے کے بعد میرے لیے پیش قدمی کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی تھی۔

''بغاوت اور خون خرابا نہیں ہوگا تو تبدیلی کیسے آئے گی؟'' اس نے کسی توہم زدہ معمول کی طرح کمزور آواز میں کہا۔

''تم تعاون کا وعدہ کرو، میں سب کچھ سمجھا دوں گا'' میں اسے آمادہ کرنے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔

''میں ڈان کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

''میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور سب کچھ ہو جائے گا..... یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

''سارا فتور میری ذات کا ہے۔ میں یہاں سے نکل گیا تو ڈان کے سامنے صرف تم رہ جاؤ گے۔ وہ تمہیں اپنا دست راست بنا لے گا'' میں نے اسے نیم آمادہ پا کر کہا ''میں یہاں رکنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ میں بحفاظت تمہارے ملک کی سرحد پار کر گیا تو ڈان کو ذرا سی جھنجلاہٹ کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تمہاری راہ سیدھی ہو جائے گی۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں سرحد پار پہنچا دوں؟''

''میں خود فرار ہو جاؤں گا۔ تم پرسوں تک میری نگرانی کرتے رہو'' غیر ارادی طور پر میری آواز دھیمی ہوگئی ''ابھی تم بتا رہے تھے کہ پرسوں ڈان کا جشن برپا ہونے والا ہے۔ وہاں مجھے بھی بلایا جائے گا۔ تم ذرا سی دیر کے لیے وہاں افراتفری پیدا کر دو تو میں نکل جاؤں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' میں نے اسے سمجھایا۔

''یہ پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں ہوگی'' اس نے بتایا ''وہاں کسی قسم کی افراتفری پھیلانا ممکن نہیں ہوگا۔''

''مجھے تفصیل بتاؤ، میں تمہیں کوئی نہ کوئی طریقہ بتا دوں گا۔ یہ یاد رکھو کہ تمہارے بہتر مستقبل کے لیے میرا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔''

''تمہاری سب باتیں درست ہیں۔ یہ بڑی بات ہے کہ تم نے کوئی احسان نہیں جتایا۔ تم جانا چاہتے ہو، میں اوپر آنا چاہتا ہوں۔ تمہارا منصوبہ بھی قابلِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ایک اندیشہ ہے کہ فرار ہوتے ہوئے تم کہیں راستہ نہ بھٹک جاؤ۔''

''تم اس کی پروا مت کرو۔ یہ میرا دردِ سر ہوگا۔ میں ناکام رہا تب بھی تمہارے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کروں گا۔ ڈان مجھے فوراً مروا دے گا۔ تم مجھے پارٹی کے بارے میں بتاؤ!'' میں نے مضطرب ہو کر کہا۔

چاؤفان نے مجھے ڈان کی مجوزہ پارٹی کے بارے میں خاص خاص باتیں بتانا شروع کر دیں۔

☆☆☆

حالات نے ایک مرتبہ پھر تیزی سے پلٹا کھایا تھا اور بات یہاں تل گئی تھی کہ میں نے فوری طور پر تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد نہ کہا تو ڈان ایک لمبی مدت کے لیے مجھے اپنا قیدی بنا لے گا۔ میں اس کی رضامندی کے بغیر ملک سے نہیں نکل سکوں گا۔

ڈان مجھ سے کام لینا چاہ رہا تھا۔ بات یہیں تک رہتی تو شاید میں اتنا پریشان نہ ہوتا۔ میرے لیے یہ بات تشویش انگیز تھی کہ ڈان نے کرنل گیری سے پینگیں بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گیری بنکاک میں ایف بی آئی اور سی آئی اے سمیت بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے امریکی وفاقی اداروں کا اکلوتا نمائندہ تھا۔ اس کی ذات سے مجھے سنگین خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

یہ کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا کہ میں ان دونوں کے گٹھ جوڑ کے باوجود گیری کی نظروں میں آنے سے بچا رہوں۔ میں سعادت مندی سے ڈان کے احکام کی تعمیل کرتا رہتا تو یہ امر یقینی تھا کہ وہ اپنے امریکی دوست سے میری خوبیوں کا ذکر کرتا اور گیری میری طرف متوجہ ہو جاتا۔

میں بنکاک میں غزالہ کے ساتھ مقیم تھا۔ گیری مجھے اس کے حوالے سے شناخت کر لیتا تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے امریکیوں کے بھیانک چنگل سے نہیں بچا سکتی تھی۔

بیم گن میرے اسباب میں پوشیدہ تھی، زہر اگلنے والی انگوٹھیاں ہر دم میری انگلیوں میں پڑی رہتی تھیں۔ میں بدترین اندیشوں کے باوجود اپنے ان اہم ترین ہتھیاروں کے اتلاف کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ امریکی ایک بار میری طرف متوجہ ہو جاتے تو ذرا سی محنت سے ان ہتھیاروں کی موجودگی کا سراغ لگا لیتے جو مجھے ڈینی ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ وہ میرے ساتھ جلال کی بھی بدترین ناکامی ہوتی۔ میرے نام پر پاکستان میں پکڑے ہوئے دو قیدیوں کا فریب کھل جانے کے بعد وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ ان گمبھیر حالات سے بچنے کے لیے ہمارا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری ہو گیا تھا۔

مجھے توقع تھی کہ مجھے جلال کی طرف سے کسی بھی وقت چاروں نئے پاسپورٹ مل جائیں گے اور ہم ان کی مدد سے بنکاک سے روانہ ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ پھر بھی میں نے چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کا متبادل منصوبہ بنا لیا تھا۔

اس متبادل منصوبے سے مجھے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ چاؤفان کی ہمدردیاں جیت کر میں نے ڈان کے جاں نثاروں کی ناقابلِ شکست صف میں زبردست دراڑ ڈال دی تھی۔ چاؤفان نے سمجھ لیا تھا کہ اس کی ترقی کے لیے میرا نکل جانا ضروری ہو گیا تھا۔ دوسرا بدیہی فائدہ یہ تھا کہ جلال کی طرف سے پاسپورٹوں کی فراہمی میں کسی ناگزیر تاخیر کی صورت میں بھی ہمیں بنکاک میں دو دن سے زیادہ نہ رکنا پڑتا۔

غزالہ کی دانست میں چاؤفان کی رضامندی میری زبردست کامیابی تھی۔ وہ ڈان کا پیرانا اور منہ چڑھا ساتھی تھا جو سوچے سمجھے بغیر ڈان کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس نے ڈان کی ضرورت کو فراموش کر کے اپنے مفاد کے بارے میں سوچا تھا تو یہ بڑی بات تھی۔

''اگر ڈان آپ کی طرف سے اتنا فکرمند ہے تو آپ کو پاسپورٹ اس کے حوالے کر دینا چاہئیں'' غزالہ نے میری روداد کی روشنی میں مشورہ دیا ''کم از کم رات دن کی نگرانی سے تو آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔''

''مسئلہ یہ ہے کہ پھر ہمارے پاس کوئی شناخت باقی نہیں رہے گی'' میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس ہوٹل میں ضرورت تھی تو ہم یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب تک ان کی ضرورت پیش نہیں آئی، اب کیا آئے گی۔''

وہ اپنی دانست میں صحیح مشورہ دے رہی تھی لیکن وہ فیصلہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اگر کسی وجہ سے ہمارے نئے پاسپورٹ نہ آتے تو فرار کی صورت میں کسی اور ملک میں داخل ہونے کے لیے ہمیں ان دستاویزات کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اس بارے میں چاؤفان سے بات کیے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اسے تھائی لینڈ کے سرحدی حالات کا جائزہ لینے کے بعد مجھے یہ بتانا تھا کہ ہمارے لیے کون سی سمت بہتر رہے گی۔ میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا ''آج کا دن گزر گیا۔ اس بارے میں کل سوچ کر فیصلہ کروں گا۔''

''ڈان دوست کے روپ میں رفتہ رفتہ خطرہ بنتا جا رہا ہے'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولی ''وہ دونوں مقابلے پر جم جاتے تو آپ مشکل میں پڑ جاتے۔''

''مجھے غصہ بھی موقع محل دیکھ کر آتا ہے۔ ان پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ انہوں نے مجھ سے اڑنے کی کوشش کی تو انہیں پل کی دیوار سے نہر میں اچھال دوں گا۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا ''ڈان بھی اپنی قسم کا اکلوتا انسان ہے۔ دراصل جو لوگ خود کام کرنے کے بجائے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں، وہ ذرا ذرا سی بات پر بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں.....''

''آپ کی طرف سے اس کی بدگمانی بے بنیاد نہیں ہے'' وہ میری بات کاٹ کر بولی ''یہ دیگر بات ہے کہ آپ اس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو گئے۔''

''اب مجھے بے چینی سے پرسوں رات کا انتظار ہے۔ یہ قصہ طول پکڑتا جا رہا ہے۔ میں ڈان سے بری طرح اکتا گیا ہوں۔''

''سلطان شاہ اور ویرا کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟'' وہ ان دونوں کی طرف سے بھی غافل نہیں رہتی تھی۔

''اب انہیں یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پال کی ہلاکت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد ان کے لیے خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ وہ بھی ہمارے ساتھ نکلیں گے۔''

''ان کو پہلے سے بریف کرنا ہوگا'' اس نے زور دے کر کہا۔

''کچھ طے ہو جائے تو ضرور بریف کروں گا۔''

''آپ نے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر نہیں دیکھی۔ سارجنٹ پال کی ہلاکت کی تفتیش کے سلسلے میں پولیس کو ریٹا اور اکبر کی تلاش ہے۔''

''خبر نامکمل ہے'' میں نے جواب دیا ''پولیس کے علاوہ بہت سے لوگ انہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ ان دونوں کو ان حقائق کا علم ہے۔''

ہمارے درمیان دیر تک تازہ حالات اور مسائل کے بارے میں بات ہوتی رہی۔ غزالہ کو میں نے ابتدا سے عملی میدان سے الگ تھلگ رکھا تھا لیکن ہمارے درمیان کھل کر ہونے والے تبادلۂ خیال کی وجہ سے وہ حالات کا گہرا ادراک رکھتی تھی۔ اس کے مشورے ہمیشہ اہم اور دوررس اثرات کے حامل ہوتے تھے۔

جلال ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھا ہوا تھا۔ اسے ہمارے حالات کی نزاکت کا شاید ہم سے زیادہ احساس تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ کام پورا ہونے کے بعد ہمارے نئے پاسپورٹ روانہ کرنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا پھر بھی میں نے غزالہ کے ایما پر تازہ ترین پوزیشن جاننے کے لیے اسے فون کر لیا۔

لائن ملی تو پتا چلا کہ وہ پاکستان کے بجائے دبئی میں بیٹھا ہوا تھا جہاں اسے انسانی اسمگلنگ کے موضوع پر ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنا تھی کیونکہ پہلے سے نامزد کیا ہوا افسر اچانک صاحب فراش ہو گیا تھا۔

''تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا کام ایک قابل اعتماد آدمی کے سپرد کر کے آیا ہوں۔ تمہیں جلد ہی سب کچھ مل جائے گا۔'' تمہیدی گفتگو کے بعد اس نے اصلی موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔

''انتظار کا وقت گزر گیا۔ ہمارے پاس صرف کل کا بلکہ پرسوں شام تک کا وقت ہے۔ اس کے بعد سب بے کار ہو جائے گا۔'' میں نے اسے بتایا۔

''کیوں..... پرسوں کیا ہو رہا ہے؟'' میرے جواب نے اسے چونکا دیا۔

''ڈان گھٹیا حرکتوں پر اتر آیا ہے۔ ہم یہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتے۔ تمہاری طرف سے کچھ نہ ہوا تو میں دوسری راہ اختیار کروں گا۔''

''میں خود بھی اپنی جگہ پر موجود ہوتا تو یہ کام اتنی جلدی نہیں ہو سکتا تھا۔ ویرا کے معاملات ذرا پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ کئی ملکوں کا معاملہ ہے۔ پھر بھی میں تاکید کیے دیتا ہوں۔ تم دوسری کس راہ کا ذکر کر رہے ہو؟''

''کوئی غیر قانونی راہ تلاش کرنا ہوگی۔ وہی جس کے تدارک کے لیے دبئی میں کانفرنس ہو رہی ہے یا پھر پرانے کاغذ استعمال کرنا ہوں گے۔''

''تم دونوں ایسا کر سکتے ہو۔ اکبر اور ریٹا کو اس خطرے میں نہ ڈالنا۔ ان کے لیے انتظار ہی بہتر رہے گا۔'' اس کا ذہن ہر طرف کام کر رہا تھا۔

''وہ ویسے ہی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پال زخموں کی تاب نہ لا کر مر چکا ہے اور پوری سرگرمی سے ان دونوں کی تلاش شروع ہو چکی ہے۔ چاروں پر ایک ساتھ مسائل حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ ساتھ جینے اور ساتھ مرنے والی افسوس ناک پوزیشن آ گئی ہے۔''

''میں حیران ہوں۔ کل تک کامیابیاں تمہارے قدم چوم رہی تھیں۔ حالات پوری طرح قابو میں تھے۔ یکا یک کہاں گڑبڑ ہو گئی!''

''یکا یک کچھ نہیں ہوا۔ پہلے سے کھچڑی پک رہی تھی' بھید اب کھلا ہے۔''

''مجھے بتاؤ کہ میں یہاں سے تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں!'' اس کی آواز سے شدید اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔

''بس دعا کرتے رہو، اگر پرسوں شام تک کاغذات مل سکیں تو یہ سب سے بڑا کام ہوگا۔''

''میں جھوٹی امید نہیں دلا سکتا۔ بہ ظاہر ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آ رہا۔ تین چار دن کو ریرسروس والے لے لیتے ہیں پھر بھی میں کوشش کروں گا۔ مجھے تمہاری ضروریات کا اندازہ ہے۔ کام بن گیا تو اسلام آباد سے کسی آدمی کو وہاں بھیج دیا جائے گا تاکہ وقت بچ سکے۔ اس وقت تم نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا متبادل منصوبہ کیا ہے۔''

''ابھی سب چوکنا ہیں۔ ڈان کے آدمی میرا پیچھا کرتے ہیں۔ پرسوں رات وہ اپنی کامیابی کا جشن منا رہا ہے۔ رات بھر سب اسی میں لگے رہیں گے۔ ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر نکل جائیں گے۔'' میں نے اختصار سے بتایا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہارے ذہن میں بھی مکمل خاکہ نہیں بن سکا۔'' اس نے میرے ادھورے جواب سے صحیح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اندازہ لگالیا۔

''تم صحیح سمجھ رہے ہو۔'' میں نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا ''یہ راہ ابھی کچھ دیر پہلے سمجھائی دی ہے۔ منصوبے کے خدوخال میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا ہے۔''

''وہ خطہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ تم کہیں آسمان سے گر کر کھجور میں نہ اٹک جاؤ۔''

اس نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ''بہتر یہی ہوتا کہ تم بدلے ہوئے درست کاغذات پر وہاں سے خاموشی سے روانہ ہوتے.....''

''اب بھی میری پہلی ترجیح یہی ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا ''مگر میں تمہاری مجبوریاں سمجھ رہا ہوں۔ دوسرے طریقے کو میں بہ حالت مجبوری بروئے کار لاؤں گا۔''

''بہت اچھا ہوا کہ تم نے اس وقت مجھے بریف کردیا۔ تم کدھر کا رخ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟''

''اس کا فیصلہ ہونا باقی ہے، ہم جدھر بھی گئے، تمہیں اطلاع مل جائے گی۔''

''سب کچھ غیر یقینی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اپنے گمبھیر مسائل پر کیسے قابو پاؤ گے۔ تم چند روز صبر کرلیتے تو یہ سب سہل ہوجاتا۔''

''میں خود بھی یہ بات سمجھ رہا ہوں۔ اب یہاں چند روز تو کیا چند گھنٹے گزارنا بھی خطرناک ہوگیا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔''

اس نے میری کامیابی کی دردمندانہ دعاؤں اور پاسپورٹوں کے معاملے پر تیز ترین کارروائی کے وعدوں کے ساتھ گفتگو ختم کردی۔

چاؤفان سے مفاہمت اور تعاون کی فضا پیدا ہوگئی تھی، جلال کو بریف کردیا گیا تھا۔ اب ویرا اور سلطان شاہ کو آگاہ کرنا باقی رہ گیا تھا۔

وہ دونوں ہوٹل سے نیو بیچ بری کے علاقے میں منتقل ہوچکے تھے۔ ملاقات کے لیے میرا ان کے گیسٹ ہاؤس کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو کہیں بلالیا جائے۔

اس سے پہلے سیام پارک کے ایک گوشے میں ہم چاروں یک جا ہوچکے تھے۔ وہ جگہ سب کی دیکھی بھالی تھی۔ میں نے فون کیا تو خلاف توقع سلطان شاہ سے بات ہوئی، اس نے بتایا کہ ویرا گیسٹ ہاؤس کی ادھیڑ عمر مالکن سے لابی میں گپ شپ کے دوران اس اخباری اطلاع کے بارے میں اس کی رائے جاننے کی کوشش کررہی تھی جس کے مطابق پولیس کو پال کی ہلاکت کے سلسلے میں ایک پاکستانی جوڑے کی تلاش تھی۔

اس خطرناک موضوع پر کسی مقامی سے بات چیت کرنا مخدوش تھا مگر ویرا ہوشیار تھی۔ میں پس منظر جانے بغیر اس کے فیصلے کی تنقیص نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو آدھے گھنٹے میں سیام پارک کی پرانی جگہ پر پہنچنے کے لیے کہا تو سلطان شاہ نے اس بارے میں کوئی بھی سوال کیے بغیر رضاکارانہ طور پر بتایا کہ وہ ویرا کو وہاں بھیج دے گا۔ میرے لب و لہجے سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ کوئی اہم بات مجوزہ ملاقات کی محرک بنی تھی۔

ان دونوں کے درمیان ذاتی معاملات پر کشیدگی ہونے کے باوجود کام کے معاملے میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ سلطان شاہ کھل کر ویرا کی ذہانت کا اعتراف نہ کرنے کے باوجود اپنے عمل سے یہ ثابت کرتا رہتا تھا کہ وہ ویرا کی صلاحیتوں کو تسلیم کرتا ہے۔ خود آنے کے بجائے ویرا کا نام تجویز کرکے اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی معقولیت ثابت کردی تھی۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ چاؤفان کی کال آگئی۔

''ماسٹر.....! اپنے پاسپورٹ لے کر آجاؤ' میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' اس کی آواز میں سدا بہار شوخی مفقود تھی۔ ڈان کی مرضی کے خلاف مجھ سے گٹھ جوڑ کرتے ہی وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوگیا تھا۔ اپنا پیغام دیتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

چاؤفان کی وہ ہدایت میرے لیے ناقابلِ فہم تھی۔ اس سے یہ ضرور ظاہر ہورہا تھا کہ میری سازش میں شامل ہوتے ہی اس نے تیزی سے کام شروع کردیا تھا۔

میں نے غزالہ سے کہا کہ وہ ویرا یا سلطان شاہ کو فون کرکے یہ بتادے کہ مجھے سیام پارک پہنچنے میں تاخیر ہوجائے تو میرا انتظار کیا جائے۔ میں نے دونوں پاسپورٹوں کا لفافہ سنبھالا اور چاؤفان سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔

چاؤفان اپنی گاڑی میں بے چینی سے میرا منتظر تھا۔ میرے سوار ہوتے ہی اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ میں نے لفافہ اپنی جیب سے نکال کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

''تمہیں ان کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے نرمی سے پوچھا۔

''ماسٹر! یہ تمہارے لیے بے کار ہوچکے ہیں۔'' اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''ڈان نے اپنے پرانے اثر رسوخ کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ امیگریشن کے ڈائریکٹر جنرل سے اس کے پرانے مراسم تھے۔ اس کے آدمی ڈان کی کلیرنس کے بغیر تمہیں یہاں سے نہیں نکلنے دیں گے۔ کسی نہ کسی بہانے سے تمہیں آف لوڈ کرا دیا جائے گا۔''

''اب تمہیں اندازہ ہوا کہ ڈان کے بارے میں میری سوچ غلط نہیں ہے؟'' میں نے کہا۔

''مجھے پہلے سے ان باتوں کا اندازہ تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ تم نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا۔ تم ڈان کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں پڑ جاتے تو ڈان کے ساتھ تمہارے لیے بھی سنگین خطرات پیدا ہو جاتے۔ کوئی دل جلا تمہارے پیچھے لگ سکتا تھا۔''

''تمہیں ان پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' میں نے اپنا ابتدائی سوال دہرایا۔

''میں ڈان سے کہہ چکا ہوں کہ تم نے پارٹی کے بعد اپنی سیٹ کی بکنگ کروانے کے لیے اپنے پاسپورٹ مجھے دے دیے ہیں۔'' وہ بولا'' یہ سننے کے بعد ڈان نے مجھے امیگریشن والی بات بتائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں پاسپورٹ ایک طرف ڈال کر بھول جاؤں۔ چند روز بعد تمہیں بتا دیا جائے گا کہ پاسپورٹ کہیں گم ہو گئے۔ یہ الزام میرے سر آئے گا۔''

''ڈان نے پہلے ہی طنز کیا تھا کہ تم ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں بھول آؤ گے۔''

''ماسٹر! میں اتنا بھولا اور بے وقوف نہیں ہوں جتنا نظر آتا ہوں۔'' اس نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا'' ڈان عمر اور تجربے میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ اس نے مجھے پروان چڑھایا ہے اس لیے میں اس کی ہر بات ہنس کر سہہ لیتا ہوں۔ میرے سامنے دوسروں کا دم نکلتا ہے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ تمہاری روانگی کے سارے راستے بند کر دینے کے بعد ڈان نے تمہیں آزادی دے دی ہے۔ پاسپورٹ میرے قبضے میں آ جانے کے بعد تمہاری نگرانی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں اطمینان کا سانس لیا۔ میرے لیے وہ بڑی خوش خبری تھی۔ مجھے یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ میں سیام پارک میں ویرا سے ملنے گیا تو سب سے پہلے مجھے اپنا تعاقب کرنے والے کو پہچان کر جل دینا ہوگا ورنہ ویرا بھی اس کی نظروں میں آ جائے گی۔

''اچھا ہے!'' میں نے اس پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیے بغیر سرسری لہجے میں کہا'' لیکن کاغذات بلکہ پاسپورٹوں کے بغیر میں کیا کروں گا۔ کسی اور سرحد میں قدم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہوگی۔''

''ماسٹر.....! یہ تمہارے ساتھ میرے لیے بھی زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' اس کی پوری شخصیت اس وقت بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ متانت اور تفکر کے ساتھ کہہ رہا تھا۔'' تم نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی ہے۔ تم سے الگ ہونے کے بعد میں اس بارے میں مسلسل سوچتا رہا ہوں۔ یہاں سے کمبوڈیا کی سرحد سب سے قریب ہے۔ تم تین چار گھنٹوں میں وہاں پہنچ سکتے ہو۔ وہ غریب اور پس ماندہ ملک ہے۔ سرحدی اہل کار ڈھیلے ڈھالے اور رشوت خور ہیں۔ تمہاری جیب میں ڈالر ہوں تو تمہیں سرحد پار کرنے کے لیے کسی کاغذ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ڈان سے مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ ہمارے فرار کے بعد ہمارا سراغ لگانے کے لیے زیادہ ہاتھ پیر مارے گا۔ پرانے پاسپورٹ استعمال کرنے کی صورت میں یہ قوی اندیشہ... بہرحال موجود تھا کہ دیر سویر سے گیری کے آدمی ریٹا اور اکبر کی اگلی منزل کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے میرے ذہن میں مسلسل غیر قانونی فرار کی تجویز گردش کر رہی تھی۔ اس پر کس طرح عمل ہو سکے گا..... میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب موجود نہیں تھا۔

میں نے جلال سے بھی اس مبہم تجویز کا ذکر کر دیا تھا۔ میں موقع نکال کر چاؤفان سے اس بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنے طور پر کمبوڈیا میں گھسنے کی تجویز پیش کر کے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔ اپنے تابناک مستقبل کے لیے وہ دل و جان سے میرے فرار میں مدد دینے کے لیے آمادہ ہو چکا تھا اور اس کے عملی ثبوت فراہم کر رہا تھا۔

''تمہارا مشورہ معقول ہے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا'' سوال ماسٹر پلان کا ہے، اس پر عمل کیسے ہو سکے گا؟'' میں نے بوجھ اس پر ڈال دیا۔

''سب ہو جائے گا۔ پنڈال کے باہر چوری کی گاڑی تمہیں تیار ملے گی۔ ہلکے ہتھیار سے خورد و نوش کی چند چیزوں سمیت تمہیں سب کچھ اس میں ملے گا۔ سیٹ پر راستے کا نشان زدہ نقشہ موجود ہوگا۔ چابی اگنیشن میں لگی ہوئی ہوگی۔ تم خاموشی سے وہاں سے نکلو گے اور سرخ روٹ پر سفر کرتے ہوئے، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے کمبوڈیا کی حدود میں داخل ہو جاؤ گے۔ پارٹی میں سب اپنی دھن میں مگن ہوں گے۔ کسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو تمہارا دھیان نہیں آئے گا، وہاں کوئی افراتفری پھیلائے بغیر تم خاموشی سے نکل جاؤ گے۔''

اس نے ایک ہی سانس میں ایسا جامع منصوبہ پیش کر ڈالا کہ اس کی طرف سے میرے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ کہیں وہ مجھے ڈبل کراس نہ کر رہا ہو۔ ابتدا سے میرے ساتھ اس کا رویہ تابع دارانہ رہا ہے جو کچھ کہتا' وہ اس پر دل و جان سے عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ اس کی اپنی صلاحیتیں کبھی کبھی ابھر کر سامنے نہیں آسکیں۔

لوپ بوری میں اس کے آدمیوں کے ساتھ سوبھراج کا محاصرہ کرنے کے دوران میں یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ اس کے پاس لڑنے مرنے والی نفری کی کمی نہیں تھی لیکن وہ سب غیر تربیت یافتہ تھے۔ کسی منظم مقابلے میں ڈٹ کر لڑنا ان کے بس سے باہر تھا۔ ان کی اس خامی سے چاؤ فان کی اپنی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا۔

اس کی بات مکمل ہونے پر مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ ایک طرف مجھے فرار کی آسان راہ دکھا رہا ہو اور دوسری طرف ڈان کو اعتماد میں لے چکا ہو تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کشتیاں جلا کر اس پر بھروسا کیا تھا۔ اسے یہ بات بھی میں نے سمجھائی تھی کہ میں اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد وہ ڈان کا اکلوتا منظور نظر بن جاتا۔

اسے وہ سب بتاتے ہوئے میرا ذہن صرف ایک رخ پر کام کر رہا تھا کہ وہ مجھے تھائی لینڈ سے نکلنے میں مدد فراہم کرے گا۔ دل میں اس کی طرف سے شک پیدا ہونے کے بعد یہ امکان بھی نظر آنے لگا کہ چاؤ فان کی ترقی کا راستہ صاف ہونے کے لیے میرا تھائی لینڈ سے نکلنا ضروری نہیں تھا۔ وہ مجھے ڈان کی نظروں میں گندا کر کے بھی اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔

چوری کی کار میں فرار ہوتے ہوئے اگر ڈان کے آدمی مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیتے تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ میں ڈان کے ہولناک عتاب کا نشانہ بن جاتا، چاؤ فان اپنی مخبری کی بنا پر ڈان کے لیے عزیز تر ہو جاتا اور یوں وہ ایک تیر سے دو شکار کر لیتا۔ اس کے دل میں یہ خلش بھی پیدا نہ ہوتی کہ اس نے ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے۔

میرے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں تھا جس کی مدد سے میں چاؤ فان کی نیت کا صحیح اندازہ لگا سکوں۔ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''اس منصوبے میں کتنے آدمی تمہارے راز داں ہوں گے؟''

''ماسٹر! اس بارے میں تو میں اپنے سگے باپ پر بھی بھروسا نہیں کروں گا۔'' اس کے بے ساختہ جواب نے میرے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا ''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی تک ڈان کو نہیں سمجھ سکے، وہ دل کی باتیں پڑھ لیتا ہے۔ تمہارے ارادوں کو سمجھ رہا ہے لیکن جان بوجھ کر تم سے کھیل رہا ہے۔ میں نے کسی کو اعتماد میں لیا تو وہ ڈان کے سامنے میرا بھانڈا پھوڑ دے گا۔ ابھی میرا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

ذہن سے بوجھ ہلکا ہوتے ہی میں ہنس دیا۔ ''چوری کی کار کہاں سے آئے گی..... اس میں سب سامان کون فراہم کرے گا۔''

''ابھی تمہیں میری صلاحیتوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' اس نے برا مان جانے والے انداز میں کہا ''میرے آدمی شہر میں وارداتیں کرتے رہتے ہیں۔ میں ان میں سے کوئی گاڑی روک لوں گا۔ کوئی مجھ سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ گاڑی کو تیار کر کے میں خود وہاں پہنچاؤں گا۔''

''مسروقہ گاڑی کمبوڈیا میں پائی جائے گی تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔'' میں اس ملاقات میں چاؤ فان سے ہر منفی پہلو پر بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس کے بعد مجھے اس سے تفصیلی بات چیت کا موقع نہیں مل سکے گا۔ اسے میرے فرار کی تیاری کے ساتھ ڈان کی پارٹی کے لیے جنگل میں منگل منانے کا بندوبست کرنا تھا۔

''اسے بھول جاؤ۔ تم اس خطے سے واقف نہیں ہو اس لیے یہ سب سوچ رہے ہو۔ اچھا ہوا کہ تم نے نکتہ اٹھا لیا۔ سرحد پر تمہارا ایک ڈالر بھی خرچ نہیں ہوگا۔ تم زبردست باتیں کرتے ہو۔ اگر تم کوردو کنے والے انگریزی سے واقف ہوئے تو تم انہیں آسانی سے گاڑی کے لالچ میں پھانس لو گے، ڈالروں کے بجائے نئی گاڑی ان کے لیے بڑا انعام ہوگی۔ سرحد سے نوم پنہہ تک چوروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ گھنٹا بھر میں پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہ گاڑی کہاں گئی۔ انجن اور پرزے کھل کر بازار میں پھیل جائیں گے۔ چیسز گیس سے کاٹ کر کسی کباڑی بازار میں بیچ دیا جائے گا۔''

''کسی وردی والے کو رشوت کی پیش کش کرنا آسان نہیں ہوتا۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔ ''ان میں سے کوئی ایمان دار نکل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''ماسٹر! آج میں پہلی بار تمہیں نروس دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں بہت کچھ کرنا ہوگا۔ ایسے لین دین طے کرنے میں دونوں فریقوں کی صلاحیتوں کا امتحان ہو جاتا ہے۔ یہ یقین رکھو کہ کوئی نخرے دکھاتا ہے تو وہ اپنی بولی بڑھوانے کی خواہش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھتا ہے۔''

اس وقت چاؤ فان بہت ٹھوس اور کارآمد باتیں کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو میں حماقت یا فضول گوئی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ ان تبدیلیوں کا سبب ایک ہی ہوسکتا تھا کہ وہ ڈان کی غلامی کی زنجیر توڑ کر اپنا فیصلہ خود کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

اس کی طرف سے میرے دل و دماغ میں جنم لینے والے خدشات کمزور پڑنے لگے۔ وہ اتنا مکار نہیں تھا کہ مجھے دھوکا دے کر میرے سامنے اپنے دل کا چور چھپا سکے۔

''میں ذرا بھی نروس نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ پارٹی سے نکلنے کے بعد سب کچھ مجھے کرنا ہے۔ میں صرف تمہارے تجربات کا نچوڑ جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی بات سیکھی ہے۔ دوسروں کا خیال رکھنے کے بجائے اپنی منزل پر نگاہ رکھو۔ کوئی راستے میں آتا ہے تو اسے کچلتے ہوئے آگے بڑھ جاؤ۔''

''مجھے حیرت ہے۔ آج تم فلسفہ بول رہے ہو۔ ایسا تو نہیں کہ اس وقت تم میرے اوپر بھی اپنے اس سبق کا اطلاق کر رہے ہو؟'' موقع میسر آتے ہی میں نے تمسخرانہ انداز میں اس سے وہ اہم سوال کر ڈالا۔

''میرے دل میں تمہارے لیے عزت اور محبت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھا ہے میں تم کو دغا نہیں دوں گا۔''

''عزت کہہ لو۔ تمہاری محبت لی کے نام ہے جو آج بھی تمہارے ساتھ گھوم رہی تھی۔'' میں نے گفتگو کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

''ماسٹر! اس کا ذکر نہ کرو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''عورت بھی عجیب شے ہے۔ جب تک وہ مزاحمت کرتی رہتی ہے۔ مرد اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے۔ اسے پا لینے کے بعد ساری امنگ ختم ہو جاتی ہے اور نیا دور شروع ہو جاتا ہے جس میں عورت اسے ڈھونڈتی پھرتی ہے۔''

چاؤ فان نے اپنی طبیعت کے ہرجائی پن کو ایک کلیے کے طور پر بیان کر ڈالا۔ عورتوں کے بارے میں اس کی سوچ بہت سطحی اور عامیانہ تھی۔ بہتر یہی تھا کہ اس سے اس موضوع پر کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔

میں نے اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''پارٹی سے نکلنے کے لیے کون سا وقت موزوں رہے گا؟'' وقت کا تعین ہونا ضروری تھا تاکہ میں ویرا کو اسی کے مطابق وقت دے سکوں۔

''پارٹی کے لیے آٹھ بجے کا وقت مقرر کیا گیا ہے۔ ہلکی پھلکی شرابوں کا دور چلے گا۔ دس بجے تک کھانا شروع ہو جائے گا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا ''پھر رقص و سرود کی محفل شروع ہوگی۔ آدھی رات تک سب اپنی اپنی ذات میں گم ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارے لیے ایک بجے کا وقت مناسب ہوگا۔ صبح کے پانچ چھ بجے تک تم کمبوڈیا میں ہو گے۔''

''میں صحیح سلامت وہاں پہنچ گیا تو تم کو ضرور اطلاع دوں گا۔''

''بھول کر بھی یہ غلطی نہ کرنا۔ پتا نہیں اس وقت میں کہاں اور کس حال میں ہوں۔ ڈان کا رات بھر کا پروگرام ہے۔ شراب اور شباب کا خمار سب کو بے حال کر دے گا۔'' اس نے جلدی سے کہا ''تم نڈر آدمی ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم صاف نکل جاؤ گے۔''

''نگرانی ختم ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے؟'' میں نے اس سے تصدیق چاہی۔

''میں نے بتایا نا کہ اب میدان صاف ہے، تمہیں اپنا کوئی بندوبست کرنا ہے تو ابھی سے تیاری شروع کر لو..... بتاؤ میں تمہیں کہاں اتاروں!''

''مجھے کسی تیاری کی ضرورت نہیں، مجھے ہوٹل پر ہی چھوڑ دو!''

اس منصوبے کی تیاری کے سلسلے میں چاؤ فان کے ساتھ میرے رویے میں نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ اس نے بے مصرف باتوں کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا۔ جواب میں، میں نے بھی بالا دستی کا اظہار ترک کر دیا تھا۔ واپسی میں وہ ناصحانہ انداز میں مجھے سفر کی جزئیات سے آگاہ کرتا رہا۔ وہ کمبوڈیا کے راستے پر کئی بار سفر کر چکا تھا۔ مسروقہ گاڑیوں کے لین دین میں کوئی تنازع ہونے کی صورت میں اسے خود وہاں جانا پڑتا تھا۔

میرے لیے یہ انکشاف تسلی بخش تھا کہ وہ مجھے سنے سنائے مشورے دینے کے بجائے اپنے ذاتی تجربات سے آگاہ کر رہا تھا۔ اسے سرحد پار آنے جانے میں کبھی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ سوڈالر کا نوٹ ہمیشہ اس کے لیے پروانہ راہ داری ثابت ہوتا رہا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا کہ چاؤ فان کے حساب سے ہم چاروں کے لیے چار پانچ سوڈالر کا نذرانہ پیش کرنا کافی ہوتا۔ اس کے عوض ہزاروں ڈالر مالیت کی گاڑی کی پیش کش ہمیں مشکوک بنا سکتی تھی۔

میں نے اس بارے میں چاؤ فان کو مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اپنی عقل کے مطابق مجھے مشورے دے چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سرحد پر پیش آنے والے حالات کے مطابق ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا دارومدار میری مرضی پر تھا۔

وہ مجھے ہوٹل کے قریب اتار کر رخصت ہوگیا۔

میں اپنی جگہ کھڑا اس کی گاڑی کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہوا دیکھتا رہا پھر میں بھی اس سمت میں آگے بڑھ گیا۔

ہلٹن ہوٹل سے سیام پارک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں چاؤفان کی یقین دہانی کے باوجود پیدل چل کر اپنا یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا تھا۔

میں اس بارے میں مطمئن ہوکر سیام پارک میں بنی ہوئی چھوٹی سی مصنوعی جھیل کے قریب پہنچا تو ویرا تیز روشنی سے بچ کر بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے؟'' مجھے دیکھتے ہی اس نے میرا شانہ جھنجوڑ ڈالا ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا زیادہ دیر تک باہر رہنا کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اب اخباروں میں بھی خبر لگ چکی ہے۔''

''پارک میں سیکڑوں عورتیں ہیں۔ جب تک تمہارے پیشانی پر تمہارا نام نہ لکھا ہوا ہو کوئی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ میں تمہارے کام سے چاؤفان کے ساتھ نکلا ہوا تھا۔'' میں نے اپنا شانہ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

''تمہارے گیسٹ ہاؤس کی مالکن کیا کہتی ہے۔''

''وہ انگریزی بولنے کی شوقین ہے۔ اخبار کی پرنٹ لائن تک پڑھ کر نمودار ہوتی ہے اور پھر وہاں ٹھہرے ہوئے لوگوں پر اپنی معلومات کا رعب جھاڑتی پھرتی ہے.....''

''مجھے اس پر ریسرچ نہیں کرنا، جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خبر کا مذاق اڑا رہی تھی۔ پال کو مقامی لڑکوں نے زدوکوب کیا اور پولیس خفیہ پاکستانی جوڑے کو ڈھونڈ رہی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ کسی نے ان دونوں کو دیکھ لیا تب بھی پولیس کو خبر نہیں دے گا۔ بنکاک میں لوگ عام طور پر امریکیوں کو پسند نہیں کرتے۔ معاملہ ایک امریکی کی ہلاکت کا ہے اس لیے کوئی اس میں دلچسپی نہیں لے گا۔''

''تمہیں اپنے ہم وطنوں کی اس بے توقیری پر دکھ ہوا ہوگا۔'' میں نے اسے چھیڑا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی میرے مزاج کی حس جاگ اٹھی تھی۔

''میں بے وطن ہوں۔'' اس نے فوراً اپنا دامن بچالیا ''امریکی حکمرانوں کے تکبر اور آمرانہ رویے نے اس قوم کو دنیا میں اتنا رسوا کردیا ہے کہ اب میں اس ملک میں پیدا ہونے پر شرم محسوس کرنے لگی ہوں۔''

''حالانکہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ چاہتی تو تم ہوانا میں پیدا ہوسکتی تھیں۔''

ویرا نے نیم اندھیرے میں مجھے گھور کر دیکھا اور بولی ''ان دبی ہوئی چنگاریوں کو نہ کریدو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

''آرام سے بیٹھو!'' میں نے پھولوں کے ایک کنج کے قریب نصب چوبی بنچ پر براجمان ہوتے ہوئے کہا ''میں نے تم میں سے کسی ایک کو بلالیا تھا۔ یہ اکبر کی غلطی ہے کہ اس نے اپنے بجائے تمہیں بھیج دیا۔''

''ہوٹل سے گیسٹ ہاؤس میں منتقل ہوتے ہی اس پر قنوطیت کا عجیب دورہ پڑا ہے۔ ہر وقت سر جھکائے کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے، مجھ سے الجھنا بھی کم کردیا ہے جو کچھ کہتی ہوں، بلاحیل وحجت مان لیتا ہے۔'' وہ میرے برابر میں بیٹھ گئی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنے والے دنوں کی مشق کر رہا ہے!''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' میری سنجیدگی دیکھ کر وہ فکرمند ہوگئی۔

''شادی کے بعد اکثر یہی ہوتا ہے۔ عورت حاوی ہوجائے تو مرد بلاوجہ قنوطی اور فلسفی نظر آنے لگتا ہے۔ بھوک اڑ جاتی ہے۔ صحت گرنے لگتی ہے سر پر تانبہ نمودار ہونے لگتا ہے۔''

آج کل تم لوگوں کے سر پر یہی بھوت سوار ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی ''جب ملاقات ہوتی ہے، یہی ذکر لے بیٹھتے ہو۔ یہ بھول جاتے ہو کہ ہمیں اس وقت اس سے زیادہ اہم مسائل درپیش ہیں۔''

''تم کوئی فیصلہ کرلو تو مسائل آدھے رہ جائیں گے۔ مجھے تم دونوں کے بارے میں الگ الگ سوچنا پڑتا ہے۔ تمہاری شادی کے بعد مجھے ان تفکرات سے نجات مل جائے گی، میری خواہش ہے کہ ہم کمبوڈیا میں قدم رکھتے ہی یہ نیک کام کرڈالیں۔''

''کمبوڈیا.....!'' اس نے تحیر زدہ آواز میں دہرایا ''اس کا ذکر کیسے نکل آیا۔''

''وقت کم رہ گیا ہے۔ پرسوں رات ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ تجسس سے مغلوب ہوکر میرے قریب سرک آئی۔ ''جب تک ہمارے نئے پاسپورٹ نہیں آجاتے ہم کہیں نہیں جاسکتے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''پاسپورٹ تیار ہونے میں وقت لگ رہا ہے۔ جلال دبئی میں ہے۔ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔ یہ نہ بھولو کہ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد پولیس گیسٹ ہاؤسز کا رخ بھی کر سکتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ گیسٹ ہاؤسز والے کسی چھان بین کے بغیر ہر ایک کو جگہ دے دیتے ہیں۔''

''مجھے اندازہ ہے۔'' اس نے اقرار کیا ''میں نے اسی خدشے کی وجہ سے اپنی گیسٹ ہاؤس کی مالک کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کسی سخت گیری کا مظاہرہ کرتی تو میں اسی وقت اپنا ٹھکانا بدل لیتی۔ یہاں گزرتا ہوا ہر لمحہ مجھے بہت بھاری نظر آ رہا ہے۔ پال کے لیے مرمت کی سزا کافی تھی۔ اس کی ناگہانی موت سے صورت حال بہت نازک ہو گئی ہے۔''

''پرسوں روانہ ہونا ہے یا پاسپورٹوں کا انتظار کرو گی؟''

''پاسپورٹوں کے انتظار میں اپنی گردن نہیں کٹوائی جا سکتی۔'' اس نے چڑچڑے لہجے میں کہا ''تم نے کوئی ڈھنگ کی بات سوچی ہے تو تفصیل بتاؤ۔ ممکن ہو تو میں اسی وقت اس ملک سے نکل جانا چاہتی ہوں۔''

میں نے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

وہ بہت شوق اور جوش کے ساتھ پورا پلان سنتی رہی میں نے بات ختم کی تو وہ مضطربانہ انداز میں بولی ''یہ تمہاری بہت بڑی کامیابی ہے کہ تم نے ڈان کے ایک قریبی آدمی کو تاڑ لیا۔ وہ راضی ہے تو ہمیں یہاں دوراتیں برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم آج ہی نکل سکتے ہیں۔''

''چند گھنٹوں میں سارا بندوبست ہونا ناممکن ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤ فان سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ اپنا دامن بچائے رکھنا چاہتا ہے۔ پھر ہمیں بھی فرار کے بعد وقت کی ضرورت ہو گی۔ پرسوں رات سب جشن میں مصروف رہیں گے۔ کسی کو ہمارا ہوش نہیں ہو گا۔ رات بھر کی بے اعتدالیوں کے بعد ڈان اتوار کا دن سو کر گزارے گا۔ اتوار کی شب یا پیر کی صبح سے پہلے اسے میرا خیال نہیں آ سکے گا۔''

''اگر تم نے پورا ہوم ورک کر لیا ہے تو بحث بے سود ہے۔ یہ بتاؤ کہ چوری کی کار کا کیا بنے گا۔ وہ جہاں بھی چھوڑی جائے گی، ہمارے لیے عذاب بنی رہے گی۔'' اس نے سب کچھ پوری طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ میں نے کمبوڈیا میں داخلے کے لیے اسے ہزار، پانچ سو ڈالر رشوت کی بات بتائی تھی۔ اس صورت میں مسروقہ کار کا مسئلہ واقعی برقرار رہتا۔

''چاؤ فان کی تجویز تھی کہ معمولی رشوت کے عوض قیمتی کار سرحدی پولیس کو دے دی جائے۔ وہ خود اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اتنی غیر معمولی پیش کش پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ سرحدی پٹی چوری کی گاڑیاں خریدنے والوں سے بھری ہوئی ہے۔ ہم خود اس کا سودا کر لیں گے۔ چند گھنٹوں میں پوری کار کھل کر پرزوں کی صورت میں مارکیٹ میں بکھر جائے گی۔ بنکاک میں کسی کو کانوں کان پتا نہیں چل سکے گا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔''

''یہ دیکھ لینا کہ چاؤ فان ہمیں کہیں مروا نہ دے!''

''میں نے اچھی طرح سے کھنگال لیا۔ میں مطمئن ہوں۔ اس سے آگے مقدر کی کوئی خرابی آڑے آ جائے تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''پرسوں رات کو ہمیں کس وقت روانہ ہونا ہو گا؟''

''پارٹی بنکاک سے بیس میل دور ایک ساحلی ویرانے میں منعقد کی جائے گی۔ میں وہاں سے ایک بجے نکلوں گا۔ مجھے خود ڈرائیونگ کرنا ہو گی۔ شہر کے بہت سے راستے میرے لیے انجانے ہیں۔ بھولنے یا بھٹکنے کی وجہ سے مجھے دیر ہو سکتی ہے لیکن تم دونوں کو پوری تیاری کے ساتھ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر موجود ہونا چاہیے۔''

مسئلہ مقررہ مقام کا تھا، رات کے ڈیڑھ، دو بجے وہ زیادہ دیر تک کسی ویران مقام پر کھڑے رہتے تو پولیس والوں کی کسی گشتی پارٹی کی نظروں میں آ سکتے تھے۔ ان دونوں کے لیے بنکاک کی پولیس ملک الموت ثابت ہو سکتی تھی۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد یہ طے پایا کہ وہ پیچ بری کے علاقے میں کاؤبوائے کلب کے قریب میرا انتظار کریں۔

پیچ بری روڈ کے اس حصے کا شمار ان علاقوں میں کیا جا سکتا ہے جہاں دن سوتے ہیں اور راتیں بیدار رہتی ہیں۔ وہاں رات بھر شب بیدار رند اور مست ایک بہکے بہکے میلے کا سماں پیدا کیے رہتے تھے ان کی بھیڑ میں وہ دونوں آسانی سے مدغم ہو جاتے۔

''یہ سب طے ہو گیا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آتے ہی ٹیڑھی بات کیوں کی تھی!'' بنکاک سے گلا خلاصی کی راہ نظر آنے کے بعد ویرا اپنی اصل جون میں واپس آنے لگی۔

''میں نے کوئی ٹیڑھی بات نہیں کی۔ مجھ سے بلاوجہ الجھنے کی کوشش مت کرو!'' میں نے اس کے تیور بھانپتے ہوئے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ نہ بھولو کہ جب تک ہم سرحد پار نہیں نکل جاتے۔ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹکتی رہے گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''زندگی تلواروں کے سائے میں بھی اپنے رنگ بکھیرتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو موت آنے سے پہلے مردوں سے بدتر ہو جاتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم بہت زندہ دل ہو۔ اب میری جان چھوڑ دو۔ غزالہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔'' میں نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ میری لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ میں مٹی کا کھلونا نہیں ہوں جس کے بارے میں تم لوگ من مانے فیصلے کر لو۔ تم نے کمبوڈیا میں شادی کا کیا ذکر کیا تھا؟''

''وہ ایک مخلصانہ تجویز اور خواہش تھی، فیصلہ نہیں تھا۔ فیصلے کا پورا اختیار تم کو حاصل ہے، میں تم کو صرف سمجھا سکتا ہوں۔''

''کیا تم اس بارے میں واقعی سنجیدہ ہو؟'' ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''ایسے معاملات میں مذاق نہیں کیا جاتا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ سلطان شاہ میرے اور تمہارے مراسم کا عینی شاہد ہے!''

''وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈان مرسیانو نے تمہیں کس فن کی تربیت دی تھی۔'' میں نے گمبھیر سنجیدگی اختیار کر کے موضوع سخن اپنی ذات سے اس کی طرف منتقل کر دیا۔

''اس کے باوجود وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟'' ویرا نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ یہ میری اور غزالہ کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ تم دونوں کو اب ایک ہو جانا چاہیے۔''

''تم کچھ نہیں جانتے تو مجھے صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ مجھے قبول کر لے گا؟'' آخری الفاظ پر ویرا کی آواز فرط جذبات سے لرز گئی میں اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

میں نے ویرا کی طرف دیکھا تو اس کی بڑی بڑی سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان کے گوشوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔

''تم میں کیا کمی ہے۔'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ''یہ سب ہے جس کی ایک مرد خواہش کر سکتا ہے۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ وہ بہت دور رہ گیا ہے۔''

''ماضی کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ کوئی بھول جائے تو دوسرے اسے یاد دلا دیتے ہیں ابھی..... ابھی تت..... تم نے مجھے ڈان مرسیانو کا طعنہ دیا تھا۔'' اس نے دبی دبی ہچکیوں کے درمیان کہا۔ اس کے بدن کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے۔ رقت طاری ہونے کے سبب اس کے لیے الفاظ کی ادائیگی مشکل ہو رہی تھی۔

''میں معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دو۔'' میں نے ندامت سے کہا ''وہ طعنہ نہیں تھا، ایک سادہ سا بیان تھا..... یہ بتانے کے لیے کہ سلطان شاہ کو تمہارے بارے میں ہر بات معلوم ہے۔ وہ آمادہ ہو گیا تو تمہیں تمہارے ماضی کے ساتھ قبول کرے گا۔''

''میں نے تمہارے معاشرے کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔'' وہ سنبھل گئی لیکن اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''تمہارے یہاں عورت کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے روپ میں اسے پاکیزگی کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔ میں جس ماحول میں پلی بڑھی، وہاں ایسا تصور ناپید ہے۔ عورت ایک کھلونا اور اس کی عزت کھیل ہوتی ہے۔ مغرب نے سر بازار عورت کو ننگا کیا ہوا ہے۔ میں نے کبھی اپنی حرکتوں میں عار محسوس نہیں کیا۔ وہ سب کرتی رہی جو میرے گرد و پیش میں ہو رہا تھا تمہارے ساتھ رہ کر مجھے احساس ہوا ہے کہ میں اپنے فطری مقام سے کتنا نیچے چلی گئی تھی۔ شکم پری اور نفس پروری حیوانی جبلتیں ہیں۔ دوسروں کی طرح میں ان سے مغلوب رہی۔ مجھے اپنے ماضی سے نفرت اور کراہت محسوس ہونے لگی ہے۔ تمہارا سلطان شاہ عظیم آدمی ہے، سادہ لوح اور بے داغ کردار کا مالک ہے۔ میں اب تک تمہاری اور غزالہ کی باتوں کو مذاق میں اڑاتی رہی۔ میں ڈرتی ہوں کہ میں نے رضامندی ظاہر کی اور اس نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاؤں گی، اس طرح بکھر جاؤں گی پھر شاید میں اپنے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر لوں۔''

''تم کیوں خوف زدہ ہو..... وہ کیوں انکار کرے گا؟'' میں اس کی دل جوئی کی کوشش میں اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔

''میرا ماضی مجھے ڈستا رہتا ہے۔ وہ مجھے اپنے لیے گالی سمجھے گا۔''

''میں اس کی ذہنی گرہوں کو سمجھتا ہوں۔ وہ تم پر بلاوجہ محنت نہیں کر رہا۔ اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم سچے دل سے مسلمان ہونے کا اقرار کر لو تو وہ تمہیں تمہارے ماضی سمیت قبول کر لے گا۔ شرط یہ ہو گی کہ پھر تم مڑ کر پیچھے نہیں دیکھو گی۔''

''میرے مسلمان ہونے سے اسے کیا مل جائے گا.....؟ اس کے لیے میں وہی ویرا رہوں گی۔ جمی لائیڈ کی ناجائز اولاد۔ ایک خودسر اور رنگین مزاج عورت!''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بار بار ان بے ہودہ باتوں کو نہ دہراؤ۔ اپنی ولدیت پر تمہارا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اپنی پرانی روش سے تم تائب ہو چکی ہو۔ اس کی کوششوں سے تم مسلمان ہو جاؤ گی تو اس کی عاقبت سنور جائے گی۔ تم نہیں جانتیں کہ ہمارے مذہب میں دوسروں کو راہِ راست پر لانے والوں کا کیا مقام اور درجہ ہوتا ہے وہ تمہارے لیے قابلِ فخر سہارا بن جائے گا۔''

''میں خود بھی خواب دیکھتی ہوں۔ میرا اپنا گھر ہو، میرا محبت کرنے والا شوہر ہو، میں کبھی کسی کی جائز ماں بن سکوں، میرا کوئی محافظ' کوئی کمانے والا ہو جو میری طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والے کی آنکھیں نکال لینے کا حوصلہ رکھتا ہو.....''

''یہ سب ممکن ہے۔'' وہ اپنی رو میں بولے جا رہی تھی۔ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''مجھے یہ بتاؤ کہ اسلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے!''

''جتنا میں نے پڑھا اور دیکھا ہے، یہ دنیا کا سب سے بہترین اور فطری مذہب ہے۔ اس کے ہر درس میں حکمت ہے۔ تمہاری نمازوں پر مغرب میں ریسرچ کی گئی ہے۔ یہ طہارت، نفاست اور صحت کی کلید ہے۔ روزوں کے سائنسی فوائد پر مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ حج کو ساری دنیا انسانیت کا بے مثال اجتماع تسلیم کرتی ہے، زکوٰۃ مفلسوں اور ناداروں کی حاجت روائی کا بہترین انفرادی ذریعہ ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ مجھے پڑھا رہا ہے۔ یہ سب میرا پڑھا اور سمجھا ہوا ہے۔ میں تمہارے مذہب کی عظمت کو سات سلام کرتی ہوں، بس مجھ سے اس کے پیروکاروں کے بارے میں کچھ نہ پوچھنا۔''

''تم سچی پیروکار بن کر ایک مثال قائم کر سکتی ہو۔''

یکا یک ویرا نے کلمہ توحید روانی سے پڑھ ڈالا اور جذباتی لہجے میں بولی ''جب نیو یارک میں مذہب اور شادی کے معاملے میں میری اور سلطان شاہ کی پہلی جھڑپ ہوئی تو میں نے اسی دن اس سے چھپ کر کلمہ پڑھ لیا تھا۔ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ میں نے اسے اب تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں نے اس سے شادی کے لالچ میں اس کا مذہب قبول کیا ہے۔ یہ میرا آزادانہ فیصلہ ہے۔ جو میری آخری سانس تک برقرار رہے گا۔''

وہ ہماری گفتگو کا ایسا غیر متوقع اور ڈرامائی موڑ تھا کہ یکا یک میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''ویرا! میں تمہیں سلام پیش کرتا ہوں۔ تم نے ہم سب کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ تمہاری سوچ بہت سیدھی اور سچی ہے۔ اللہ تمہارے ایمان کو مضبوطی عطا کرے۔ اب میں سینہ ٹھونک کر سلطان شاہ سے بات کروں گا۔ وہ انکار نہیں کر سکے گا۔''

''ڈینی! آج ہمارے پرانے رشتے ٹوٹ گئے۔'' ویرا کی آنکھیں ایک بار پھر ڈبڈبا گئیں۔ ''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ آج سے تم میرے ولی ہو۔ تمہیں اختیار ہے کہ میرے بارے میں جو چاہو فیصلہ کر لو۔ میں سر جھکا کر اسے قبول کر لوں گی۔''

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور اپنا سر جھکا لیا۔

وہ سیام پارک کا ایک نیم تاریک اور خالی گوشہ تھا۔ ہمارے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ وہ جگہ بھیڑ اور پختہ روشوں سے دور تھی۔ ہم دونوں اردو میں بے فکری سے باتیں کرتے رہے تھے لیکن میں نے اس کے سر سے اپنا ہاتھ فوراً ہٹا لیا۔ ہمیں گفتگو کی آزادی ضرور میسر تھی لیکن کوئی غیر معمولی عملی صورت حال لوگوں کو ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی اور میں دونوں ہاتھ اپنی پتلون کی جیبوں میں ڈالے کھڑا رہا۔ ویرا کے ساتھ میں بھی یکا یک جذباتی ابال میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ویرا حیران کن صلاحیتوں کی مالک تھی۔ اس نے بار ہا اپنے اچانک فیصلوں سے ہمیں متحیر کیا تھا۔ اپنے آبائی مذہب سے رسمی تعلق ختم کر کے مسلمان ہو جانے کے معاملے میں بھی اس نے اپنی وہ روایت برقرار رکھی تھی۔

''اٹھو اور اب واپس جا کر تیاری کرو۔ پرسوں رات' ڈیڑھ بجے کاؤبوائے کلب کے پاس پہنچنا نہ بھولنا۔'' اسے وہ ہدایت دیتے ہوئے مجھے اپنی آواز اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا اب درمیان میں ہماری ملاقات نہیں ہو گی؟'' اس نے ذرا حیرت سے پوچھا۔

''اب ملنے کی ضرورت نہیں۔ ہم ہر طرف سے دشمنوں میں گھرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے سے دور رہنا ہی ہمارے مفاد میں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''کمبوڈیا پہنچنے تک ہمیں ہر طرف سے بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہو گا۔''

''اب مجھے پروا نہیں کہ میں کمبوڈیا پہنچوں یا اسی شہر میں اپنے دشمنوں کے ہاتھوں پیوند خاک ہو جاؤں۔'' اس نے بنچ سے اٹھ کر پرعزم لہجے میں کہا ''میں نے اپنے دل اور روح کا بوجھ اتار دیا ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں۔''

اس نے مجھے الوداع کہتے ہوئے فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا تو اس کے خوبصورت ہونٹوں پر ایک آسودہ اور خفیف مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ وہ مڑی اور تیزی کے ساتھ ایک طرف چل دی۔

چند ثانیوں بعد میں وہاں سے روانہ ہوا تو مجھے یوں محسوس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا جیسے میں بنکاک کی زمین پر چلنے کے بجائے ہوا میں تیر رہا ہوں۔ ویرا نے مجھے اپنا ولی مقرر کر کے میرے کندھوں پر بہت بھاری ذمے داری ڈال دی تھی۔

مجھے اس بات کی بے اندازہ خوشی تھی کہ ویرا کے مذہب کی تبدیلی میں، میں نے خاموش تماشائی کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ اس وقت میری اور ویرا کی بھرپور گفتگو نہ ہوئی ہوتی تو اس کے مسلمان ہونے کا راز نہ جانے کب تک اس کے سینے ہی میں دفن رہتا۔ میں مسرت اور کچھ عجیب سے خالی پن کے احساسات سے مغلوب اپنے ہوٹل کی طرف بڑھتا رہا۔

ہوٹل کے کمرے میں غزالہ سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔ اسے میری دونوں ملاقاتوں کی اہمیت کا پورا اندازہ تھا اور وہ ان کے نتائج جاننے کے لیے بے چین تھی۔

''اسے ہمارے پاسپورٹوں کی کیا ضرورت تھی؟'' میرے بیٹھتے ہی غزالہ نے سوال کر ڈالا۔ میری خاموشی اس سے برداشت نہیں ہو سکی۔

''سازش میں شامل ہونے کے بعد اس نے ہمارے مفاد میں کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ پاسپورٹ وہ اپنے ساتھ لے گیا، میری نگرانی ختم ہو چکی ہے۔''

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ اپنے پاسپورٹ ڈان کو دے دیں تاکہ نگرانی سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''اس وقت میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کمبوڈیا میں داخلے کے وقت ان کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ اب ہر بات طے ہو گئی ہے۔ ہم پاسپورٹوں کے بغیر کمبوڈیا میں داخل ہوں گے۔''

''اگر پرسوں تک جلال کے آدمی نے نئے پاسپورٹ بھیج دیے تو یہ خطرہ مول لینے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔'' اس نے اپنی دانست میں مجھے یاد دلانا چاہا۔

''وہ آ گئے تو رکھے رہیں گے۔ انہیں کہیں اور استعمال کیا جائے گا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''میں نے چاؤفان کے ساتھ ہر بات کر لی ہے۔ یہ تفصیل بعد میں بتا دوں گا۔ تم یہ بوجھو کہ آج ویرا سے میری کیا گفتگو ہوئی ہو گی؟''

''آپ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ آپ دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔ آپ دونوں کو دل کھول کر بے تکلفی سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہو گا۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے تمسخرانہ لہجے میں وہ بات کہہ دی جو سنجیدگی سے نہیں کہی جا سکتی تھی۔

''تم یہ ثابت کرنے پر کیوں تلی رہتی ہو کہ تم ایک عام سی اور روایتی بیوی ہو۔ میں تمہاری ذہنی سطح اس سے بہت بلند سمجھتا ہوں۔''

''وہ ہر وقت آپ سے بے تکلف ہونے کے چکر میں لگی رہتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی یہ حرکتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔ اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا ہو گا۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ آج میرے اور اس کے درمیان بے تکلفی کا خاتمہ ہو گیا؟''

''میں سمجھوں گی کہ آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''پھر اس نے آپ کو اپنا منہ بولا بھائی بنا لیا ہو گا۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔ منہ بولے بھائی بہن کے رشتے کی کوئی قانونی، اخلاقی یا مذہبی حیثیت نہیں ہوتی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر اور نامحرم رہتے ہیں۔'' وہ ہنس ہنس کر اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔

''تم اس کے خلاف اپنے تعصب کے حصار سے باہر نہیں نکل پا رہی ہو۔ چلو، میں تمہیں اشارہ دیتا ہوں۔ اس کے بارے میں مذہب کے حوالے سے سوچو!'' میں نے اسے دعوت دی۔

بذریعہ ڈاک
خواتین و حضرات گھر بیٹھے داخلہ لیں

انگلش لینگویج کورس	ایئر ہوسٹس	ہوم اکنامکس	بیوٹی پارلر کورس
ریفریجریشن ایئر کنڈیشننگ	ایئر کنگ	بوتیک فیشن	آٹو سروسنگ
ریڈیو ٹی وی وی سی آر ریپیئرنگ	الیکٹریشن	ڈرافٹسمین	ڈریسنگ ٹیچنگ
اسکول ٹیچنگ میتھڈ	صحافت	فوٹو گرافی	انٹیریئر ڈیکوریشن
اسپورٹ ایکسپورٹ	شمسی تعاونی	مہر سازی	سلمنگ بیوٹی
موٹر بائیکل مرمت	لائبریرین	کمپیوٹر	کوکنگ بیکنگ
ایگریکلچر پرمز اور (ہیڈ ڈرائیونگ)	میٹالیکل ایڈہیو	آرٹ پینٹنگ	لیڈیز ٹیلرنگ
پولٹری ڈیری فارمنگ	نیوز رپورٹر	فلاور میکنگ	ڈینٹل مکینیشن
			پبلک ریلیشن آفیسر

یہ تمام کورسز اردو میں بینکروں تصاویر اور ڈایاگرام کے ساتھ پرنٹڈ کتب کی صورت میں بذریعہ ڈاک لڑکے لڑکیوں کو گھر پر کراتے ہیں۔ کورس کے دوران اور سند لینے کے بعد بھی مکمل راہنمائی ایک مدت تک ایک کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ جوابی لفافے کے ساتھ خط لکھیں۔

اسلام آباد اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر 1237
جی پی او، اسلام آباد۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ تو یوں پہیلیاں بجھوا رہے ہیں جیسے وہ مسلمان ہوگئی ہو۔'' غزالہ نے منہ بنا کر طنز سے کہا۔

''یہی ہوا ہے۔'' میں نے بے ساختہ کہا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے اچھل پڑی۔ اس کی آنکھیں کشادہ ہو کر پیشانی پر جا چڑھی تھیں۔

''یہ کیسے ہوگیا؟'' وہ تحیر زدہ لہجے میں بولی ''آپ تو اس کو روانگی کا پروگرام بتانے کے لیے گئے تھے۔ اسے اتنی آسانی سے مسلمان کیسے کرلیا آپ نے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ نیویارک چھوڑنے سے پہلے وہ خاموشی سے ایمان لا چکی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس وقت تک اسے میری بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

میں نے ویرا سے سنی ہوئی باتیں تسلسل کے ساتھ اس کو سنانا شروع کردیں۔

وہ سلطان شاہ سے قریب تھی اور میری دانست میں اس سے اپنی بات منوا سکتی تھی۔ ویرا نے از خود ایک بڑا فیصلہ کر کے ساری ذمے داری ہمارے سر ڈال دی تھی۔ اسے حسن و خوبی کے ساتھ نباہنا ہماری ذمے داری تھی۔ جب تک غزالہ اس واقعے کے پس منظر اور جزئیات سے واقف نہ ہوتی، سلطان شاہ کو موثر انداز میں قائل نہیں کرسکتی تھی۔

''آپ نے سب کچھ بتا دیا لیکن میرا ذہن اب بھی ان باتوں کو قبول نہیں کر رہا۔'' میرے خاموش ہونے پر غزالہ نے خوشگوار حیرت کے ساتھ کہا ''اس کے بڑے فیصلے عام طور پر غیر متوقع اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں۔ بے چارہ سلطان شاہ اپنی تبلیغی کوششوں میں لگا ہوا ہے اور وہ پہلے سے مسلمان ہوئی بیٹھی ہے۔''

''اب سلطان شاہ کو شادی پر آمادہ کرنا تمہارا کام ہے۔ وہ اس موضوع پر میرے سامنے بات کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔'' میں نے کہا۔

''اسے آمادہ ہونا پڑے گا..... ویرا نے پہل کر کے اس کا ہر تذبذب دور کردیا ہے۔ وہ مذہبی رجحان کا مالک ہے۔ اپنے سارے تحفظات کے باوجود ایک نومسلمہ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ آپ نے ویرا کو تو منع کردیا ہوگا کہ وہ اس بارے میں ابھی سلطان شاہ کو کچھ نہ بتائے۔ میں اس سے اپنے طور پر بات کروں گی۔''

''میں نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت ماحول ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں تھا۔''

''وہ اتنے دنوں سے اپنا راز دل میں چھپائے بیٹھی ہے تو اب بھی زبان نہیں کھولے گی۔'' اس نے پر امید لہجے میں کہا ''آپ ویرا کے ولی ہیں۔ اس کی طرف سے رضامندی ظاہر کرچکے۔ اب میرا کام شروع ہوگا۔ میں از خود لڑکے والی بن گئی ہوں۔''

میں نے جواب میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ تپائی پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جلال، اول خان، چاؤفان اور ویرا سے میری تفصیلی گفتگو ہوچکی تھی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔ شاید وہ پاسپورٹ واپس لے لینے کے بعد کوئی نیا شوشا چھوڑنے والا تھا۔

میں نے ریسیور اٹھایا تو مقامی لب و لہجے میں ایک نئی مردانہ آواز سن کر میں چونک گیا۔

وہ انٹرکام پر ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر کی کال تھی۔

''مسٹر علی احمد!'' اس نے اپنا تعارف کرانے کے بعد استفہامیہ لہجے میں کہا۔

''یس!'' میں نے فکرمندی کے ساتھ اقرار کیا۔

''سر! میں زحمت دینے کے لیے تہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس کا لہجہ واقعی ندامت آمیز تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''روم سروس کا ایک آدمی آپ کے کمرے کے باہر موجود ہے۔ اگر آپ اپنی مسز کے ساتھ اپنے پاسپورٹ لے کر ذرا سی دیر کے لیے میرے دفتر میں آسکیں تو میں آپ کا شکرگزار ہوں گا۔ باہر کھڑا ہوا آدمی آپ کو میزنائن فلور پر میرے دفتر تک لے آئے گا۔''

وہ مطالبہ سنتے ہی میرے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے نرمی سے پوچھا ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ یہ ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟''

''سر! دو باوردی افسران آپ لوگوں سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ آپ کے دروازے پر دستک دیں اس لیے آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔''

مجھے اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ میں نے چاؤفان پر اندھا اعتماد کر کے سخت غلطی کی تھی۔ مجھے پاسپورٹوں سے محروم کرتے ہی غالباً پولیس کو میرے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ بندوبست اتنا مکمل تھا کہ ہمارے لیے بھاگنا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر روم سروس کے ملازم کے روپ میں پولیس کا کوئی تجربے کار کمانڈر کھڑا ہوگا جو ہدایت سے انحراف کی صورت میں ہمیں سختی سے روک لے گا۔

چاؤفان نے اپنا وار کردیا تھا۔ کمبوڈیا کی طرف فرار ہونے کا منصوبہ مجھے خاک میں ملتا ہوا نظر آنے لگا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فرشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے ایکشنل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو انگ نو ما کی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مشتبہ ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈنیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا کب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خو میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلچر میں ہم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریکنگ سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسد اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ پوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے نامی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے مبرا کھڑا ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مضامانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ بحث نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گزشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سنلی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پھٹخاری اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر ٹملی کو لے کر اسٹیشن فور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے بم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دل لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سب کچھ دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جانا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چھ اور بدمعاش بھی پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آ کر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤفان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دہشت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل کیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے بنجٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل کیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤفان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آ گیا اور میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔

اب آپ قسط نمبر 257 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

تھائی لینڈ جیسے اجنبی ملک میں دو بار وردی افسران کی طلبی پر نہ جانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ مجھے جانا تھا اور سر کے بل جانا تھا۔ ان افسروں نے مجھے اپنے رویہ رو بلانے کے لیے ایسا فول پروف بندوبست کیا تھا کہ فرار کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

ہوٹل کے کسٹمر کیئر منیجر نے ہمارے دروازے کے باہر موجود جس شخص کو روم سروس کا آدمی قرار دیا تھا' وہ میری دانست میں پولیس یا ایسے ہی کسی ادارے کا کوئی تجربے کار کمانڈو تھا جسے زیر کیے بغیر میں وہاں سے اپنی مرضی کی راہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

ریسیور میرے کان سے لگا ہوا تھا اور ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ مجھے فوری طور پر فیصلہ کر کے ہوٹل کے افسر سے فون پر بات آگے بڑھانی تھی۔

''میں ابھی آتا ہوں!'' اس ذہنی تجزیے کے دوران میں الفاظ میری زبان سے گویا پھسل گئے۔ شاید میرے ذہن کے کسی نہاں خانے میں یہ احساس پوری شدت سے بیدار ہو چکا تھا کہ میں انکار کر کے اپنے لیے خطرات مول لوں گا۔

''میں زحمت دینے کے لیے ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں۔'' وہ فون پر بچھا جا رہا تھا ''آپ دونوں اپنے پاسپورٹ ساتھ لانا نہ بھولیں۔''

جب جانا ہی تھا تو اس کے سامنے جا کر بغلیں جھانکنے سے بہتر تھا کہ میں فون پر پوری بات کر لوں۔ میں نے کہا ''پاسپورٹ میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ نشستوں کی بکنگ کے لیے میں نے اپنے ایک دوست کو دیے ہوئے ہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ اسے وہ جواب دیتے ہوئے' ایر کنڈیشنر کی پھیلائی ہوئی خنکی کے باوجود میری پیشانی پر پسینہ ابھر آیا تھا۔

''سر! ذرا ایک منٹ ہولڈ کریں۔'' اس نے جلدی سے کہا اور لائن پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ شاید وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر وردی والوں سے میرے بیان کیے ہوئے مسئلے پر مشورہ کر رہا تھا۔

''او کے سر!'' چند لمحوں بعد اس کی تروتازہ آواز سنائی دی ''آپ دونوں میرے دفتر میں تشریف لے آئیں۔ ضرورت ہوئی تو پاسپورٹ بعد میں دیکھ لیے جائیں گے۔''

میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کر دیا۔ اس دوران میں غزالہ ہمہ تن میری طرف متوجہ تھی اور میرے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات سے اندازہ لگا چکی تھی کہ اچانک کوئی گڑبڑ رونما ہو چکی ہے۔

''کہاں جا رہے ہیں..... اچانک پاسپورٹوں کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' اس نے سراسیمگی کے عالم میں پوچھا۔

''میرے ساتھ تم کو بھی چلنا ہے۔'' یہ کہہ کر میں نے اسے چند فقروں میں پوری صورت احوال سے آگاہ کر دیا۔

''چاؤفان بہت کمینہ نکلا!'' غزالہ کا بے ساختہ ردعمل میری سوچ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھا۔ ''ہمارے پاسپورٹ ہتھیاتے ہی اس نے اپنا کھیل شروع کر دیا۔ مجھے آپ کا ابتدائی شبہ درست ثابت ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔''

''کس شبہے کی بات کرتی ہو؟'' میں نے دروازے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔

''وہ ہمیں کمبوڈیا کا چکر دے رہا ہے۔'' وہ تنفر آمیز لہجے میں بولی ''اس میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ ڈان کو اتنا بڑا چکما دے سکے۔ یہ بات اس کے دماغ میں بیٹھ گئی ہے کہ آپ اس کی راہ کا روڑا ہیں۔ وہ آپ کو کسی چکر میں پھنسوا کر ڈان کی نظروں سے گرا دے گا۔ بہت آسانی سے اس کا راستہ صاف ہو جائے گا۔''

''اس نے مجھے ڈبونے کی کوشش کی تو میں اپنے ساتھ اسے بھی لے ڈوبوں گا'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا ''اب جلدی آؤ..... ان لوگوں کا بھیجا ہوا فرشتہ ہمارے دروازے پر موجود ہے۔''

غزالہ کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ وہ کیا مجھے خود بھی اپنا سارا منصوبہ برباد ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ چاؤفان نے کمبوڈیا کی آزاد فضاؤں کا سراب دکھا کر ہمیں بنکاک ہی میں دبوچ لینے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔

میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تو روم سروس کے روایتی لباس میں گٹھے ہوئے جسم والا ایک درشت رو مقامی راہ داری میں کھڑا نظر آیا۔ مجھ سے نظریں چار ہوتے ہی وہ خوش خلقی سے مسکرایا لیکن اس کی کینہ توز نگاہیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں یا کم از کم مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا۔

میرے پیچھے غزالہ کمرے سے برآمد ہوئی تو نووارد کے سکڑتے ہوئے ہونٹ دوبارہ مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے۔ اس بار اس نے اپنے سر کو قدرے خم دے کر غزالہ کو تعظیم بھی پیش کی۔ اس وقت وہ مجھے یکا بدمعاش اور منافق نظر آ رہا تھا مگر میں اس پر اپنی برہمی ظاہر کرنے سے قاصر تھا۔ وہاں سے دفتر تک پہنچنے کے دوران میں مجھے صرف اسی سے اصل معاملے کا کچھ سراغ مل سکتا تھا۔

وہ مقامی تھا لیکن بنکاک کے ایک بڑے ہوٹل میں ملازمت کر رہا تھا جہاں دن رات سیکڑوں غیر ملکیوں کی آمد و رفت رہتی تھی اس لیے اپنے بگڑے ہوئے تلفظ سے قطع نظر صاف اور اچھی انگریزی بول رہا تھا۔ اس نے اخلاق سے ہمیں اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا اور راہ داری میں لفٹ کی طرف ہو لیا۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا اور شکایتی لہجے میں بولا ''یہ انوکھی بات ہے کہ تمہارا منیجر ہمیں اپنے دفتر میں بلا رہا ہے۔ یہ حرکت مہمان داری کے اصولوں کے سراسر منافی ہے۔ یہ میری زندگی کا تلخ تجربہ ہے۔''

''سر! میں آپ کی کوفت کا اندازہ کر رہا ہوں۔'' اس نے سر ہلا کر مؤدب لہجے میں کہا ''اسے بھی کوئی مجبوری درپیش ہوگی۔ اس کے کمرے میں ایک بڑا پولیس انسپکٹر آیا ہوا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پولیس کہیں کی بھی ہو، ہوٹل والوں کو ان سے دبنا پڑتا ہے۔''

انگریزی میں آپ کا کوئی صیغہ نہیں ہوتا لیکن اس کے طرزِ تکلم سے عزت افزائی کے اس قرینے کا اظہار ہو رہا تھا۔

''وہ دو پولیس والے بتا رہا تھا۔'' میں نے کسی باریکی کا لحاظ کیے بغیر اس کی تردید کی۔

''پولیس والا تو ایک ہی ہے۔'' وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ ایک امریکی فوجی لڑکا بھی ہے جو وردی میں ہے۔ شاید منیجر نے جلدی میں اسے بھی پولیس والا کہہ دیا ہوگا۔''

اس نے کسی پس و پیش کے بغیر مجھے اصل بات بتا دی۔ اس کے خلاف میرے ذہن میں ابھرنے والے شبہات دھندلانے لگے۔ اگر اس کا تعلق پولیس کے محکمے سے ہوتا تو وہ بھول کر بھی ہوٹل والوں پر پولیس کے ناروا دباؤ کا ذکر نہ کرتا۔

اس نے ہمارے لیے لفٹ کا دروازہ کھولا اور آخر میں اندر آ کر میز نائن فلور کا بٹن دبا دیا۔ لفٹ تیزی سے نیچے روانہ ہوگئی۔

''ہم نے اس ہوٹل میں قیام کر کے کوئی جرم نہیں کیا، پولیس کو ہم سے کیا لینا ہے؟'' میں نے اپنا شکوہ جاری رکھا۔

''سر! میں کیا کہہ سکتا ہوں، ذرا سی دیر میں سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اس نے نہایت عاجزی سے کہا ''معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ انٹرکام کے بجائے مجھے نیچے بلا کر آپ لوگوں کے بارے میں بتایا گیا تھا۔''

لفٹ ایک ہلکے سے جھٹکے سے رک گئی۔

لفٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے راہ داری میں نظر آنے والے تیسرے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سر! اس دفتر میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔''

اس دروازے کے اوپری نصف حصے میں لگے ہوئے شفاف شیشے سے روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی۔ ہماری منزل اتنے قریب تھی کہ ہمیں لانے والے سے مزید گفتگو کا موقع باقی نہیں رہا تھا۔ میں اس کی طرف سے اپنی بدگمانی پر دل ہی دل میں نادم تھا۔ میں نے مسکرا کر الوداعی انداز میں اس کی طرف دیکھا اور اس کے بتائے ہوئے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیشے کے سامنے پہنچتے ہی اندر کا منظر میرے سامنے تھا۔ وہاں کل تین نفوس تھے جن میں سے ایک اپنے سیاہ سوٹ کی وجہ سے ہوٹل کا کوئی بڑا ملازم نظر آ رہا تھا۔

میرے دل پر اضطراب اور بے یقینی کی کیفیت طاری تھی مگر میں نے اس موقع پر اپنی برہمی بلکہ بدتمیزی کا مظاہرہ ضروری سمجھا۔ دستک دیے بغیر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ غزالہ میرے پیچھے تھی۔

تینوں نے چونک کر ہماری طرف دیکھا اور پھر امریکی نژاد' نوجوان فوجی اپنے سر کو مایوسانہ انداز میں ہلانے لگا۔ تھائی پولیس افسر نے ہمیں دیکھ کر گورے فوجی کی طرف دیکھا اور اس کے مایوسانہ ردِعمل کو دیکھ کر اپنی زبان میں سیاہ سوٹ والے سے جلدی جلدی کچھ کہنے لگا۔

اس دوران میں سیاہ سوٹ والا ہمارے استقبال کے لیے اپنی کرسی چھوڑ کر' اپنی جگہ سے کئی قدم آگے بڑھ آیا۔

''تیسرے درجے کی کسی سرائے میں بھی مہمانوں سے ایسا سلوک نہیں ہوتا۔'' میں اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کر کے پھٹ پڑا ''یہ میری زندگی کا بدترین تجربہ ہے۔ ہمیں مجرموں کی طرح کیوں طلب کیا گیا ہے؟''

وہ خفت آمیز انداز میں اپنا داہنا ہاتھ بالوں پر پھیرتے ہوئے بولا ''میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں پھر کہوں گا کہ میں نے ان دونوں باوردی افسران کے ساتھ آپ کے دروازے پر آنا مناسب نہیں سمجھا۔ بلاوجہ پورے فلور پر چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تشریف رکھیں اور حکم کریں کہ آپ کے لیے کیا منگوایا جائے؟''

''میں ایک لمحے کے لیے بھی یہاں رکنا پسند نہیں کروں گا۔'' میں نے اپنا جارحانہ رویہ برقرار رکھتے ہوئے کہا ''مجھے جس کام کے لیے بلایا گیا ہے' وہ بلاتاخیر ختم کیا جائے۔''

پولیس افسر نے کرسی چھوڑ دی۔ امریکی فوجی نے بھی اس کی تقلید کی۔ پولیس والے نے اپنی زبان میں کچھ کہہ کر سوٹ والے سے ہاتھ ملایا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا ''مسٹر اور مسز علی! میں بھی تم سے معافی چاہتا ہوں۔ تھام پوٹ نے میرے ایما پر تم دونوں کو بلایا تھا۔ دراصل ہمیں ایک مشتبہ پاکستانی جوڑے کی تلاش ہے۔ ہم اپنے مہمانوں کی عزت کرتے ہیں لیکن کبھی مجبوریاں پیش آ جاتی ہیں۔ ہم شہر کے سارے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے مل رہے ہیں۔ یہ میرا اور کپتان اولڈ کا پانچواں ہوٹل ہے۔ ابھی ہمیں مزید جوڑوں سے ملنا ہے۔''

''.....اور اب آپ شیئرز کے بھاؤ سنیے.....امریکن اسٹیل، دو ڈالر زیادہ.....عرب ریفائنری، ڈیڑھ درہم کم.....''

اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی خلیقانہ مسکراہٹ سے مجبور ہو کر میں نے نیم دلی سے ہاتھ ملا لیا۔ اس کے بعد کپتان اولڈ سے ہاتھ ملاتے ہوئے میں نے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ وہی مردود تھا جو سلطان شاہ کے کمرے میں گھس کر اس کا ایک بیگ اٹھا لے گیا تھا۔

ویرا نے اپنے ہوٹل میں گائن نامی ویٹریس سے سن کر نامعلوم امریکی کا جو حلیہ بتایا تھا' وہ کیپٹن اولڈ پر سو فی صد صادق آ رہا تھا۔

وہ دونوں تیزی کے ساتھ دفتر سے نکل گئے اور تھام پوٹ ہماری خوشامدوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ ہمیں ہر قیمت پر کچھ دیر کے لیے اپنے دفتر میں بٹھانا چاہ رہا تھا۔

ہمیں کچھ باتیں تھائی پولیس افسر نے بتا دی تھیں۔ رہی سہی کسر کپتان اولڈ کی شناخت نے پوری کر دی۔ میرے لیے صورت احوال بالکل صاف ہو چکی تھی' جس میں تھام پوٹ بالکل بے قصور نظر آ رہا تھا۔ پولیس والے کے دباؤ نے اسے بے بس کر دیا تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے ہوٹل میں یقینی طور پر کیپٹن اولڈ ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ کاغذی ریکارڈ سے قطع نظر' وہ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دونوں کو بہ چشم خود دیکھ چکا تھا۔ اس نے سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لے ڈالی مگر گائن کے متوجہ ہوجانے کی وجہ سے ویرا کے کمرے میں گھسنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

وہ چلا گیا' اس کی جگہ سارجنٹ پال ان دونوں کی گھات میں لگا۔ وہ ہوٹل کا حساب بے باق کر کے نکلے تو پال ان کے پیچھے لگ گیا۔ ویرا کی ذہانت اور چالاکی کے نتیجے میں پال مقامیوں سے بری طرح مار کھا کر جہنم واصل ہوگیا۔ کسی کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ فرشتۂ اجل کا دیدار ہونے سے پہلے اس پر کیا کچھ گزری تھی۔

پال ان دونوں کی نگرانی پر مامور تھا۔ وہ ہوٹل چھوڑ کر غائب ہوچکے تھے۔ شہر میں بڑے پیمانے پر ان کی تلاش شروع کردی گئی۔ اولڈ ان دونوں کو پہچانتا تھا۔ اس لیے وہ تھائی پولیس افسر کو اپنے ساتھ لیے بنکاک کے ہر بڑے ہوٹل میں پاکستانی جوڑوں کو تنگ کرتا پھر رہا تھا۔ اس امریکی گدھے کو اس کام پر لگانے والوں نے یہ نہیں سوچا کہ ریٹا اور اکبر سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں الگ الگ کمروں میں مقیم تھے۔ اپنا ٹھکانا بدلنے کے بعد بھی وہ الگ الگ رہتے۔ ان تک پہنچنے کے لیے جوڑوں کو کھنگالنا بے سود تھا۔

اس وقت شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ان دونوں کی تلاش کی مہم جاری تھی' جس کی ناکامی یقینی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ اس معاملے میں امریکی اعصاب زدہ ہوکر فیصلے کررہے تھے۔ بڑے ہوٹلوں میں ناکامی کے بعد اگر کیپٹن اولڈ شہر میں بکھرے ہوئے گیسٹ ہاؤسز وغیرہ کا رخ کرلیتا تو ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔ ان دونوں نے روزی اور جیکب کے نام ضرور اختیار کرلیے تھے تاہم ان کے چہرے وہی تھے۔ اولڈ انہیں دیکھتے ہی پہچان لیتا۔ ایک طرف وہ جال پھیلا دیا گیا تھا' دوسری طرف ڈان اور چاؤفان کے آدمی انہیں ڈھونڈنے میں لگے ہوئے تھے۔

میں بہ وقت تمام تھام پوٹ کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوسکا کہ میں اس کی مجبوری کا اندازہ لگا چکا تھا۔ پولیس والے اور امریکی فوجی کے دباؤ پر وہ ہوٹل میں مقیم سارے مہمانوں کو بھی کسی میدان میں جمع کرنے پر مجبور ہوجاتا۔

اس نے لفٹ کے دروازے تک آکر ہمیں بہت تپاک سے رخصت کیا۔

میں نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی موبائل فون پر ویرا کا نمبر ملالیا۔ اس وقت خلاف توقع سلطان شاہ کی آواز سنائی دی۔

''ریٹا کہاں ہے؟'' میں بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''ابھی فون مجھے دے کر اپنے کمرے میں گئی ہے۔ کیا بات ہے' تم آواز سے کچھ پریشان معلوم ہورہے ہو۔'' میرے لب و لہجے نے اس کے کان کھڑے کردیے۔

''کان کھول کر سن لو اور اسے بھی بتا دینا۔ بڑے ہوٹلوں میں مشتبہ جوڑے کی سرکاری اور غیر سرکاری طور پر تلاش شروع ہوگئی ہے۔ ادھر سے ناکامی کے بعد وہ چھوٹے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کا بھی رخ کرسکتے ہیں۔'' میں نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا ''ابھی دشمن بولائے ہوئے ہیں۔ اوسان ٹھکانے آتے ہی قرینے سے جال پھیلا کر تم تک پہنچ سکتے ہیں۔ دونوں کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''یہ خبر پرانی ہے اور اس پر ریٹا سے شاید تمہاری بات بھی ہوچکی ہے۔'' وہ بولا۔

''اب اس میں نیا وزن پیدا ہوگیا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''میں ابھی صدف کے ساتھ ایک خطرناک پیشی بھگت کر آرہا ہوں۔ تمہارے کمرے کی تلاشی لینے والا' ایک تھائی پولیس افسر کے ساتھ بڑے ہوٹلوں میں پاکستانی جوڑوں سے ملتا.....''

میری بات ادھوری رہ گئی۔ اچانک دروازے پر دستک کی آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور میں نے اضطراری طور پر فون بند کردیا۔ یکایک عجیب و غریب باتیں ظہور میں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ پتا نہیں اس وقت کون ہمارے دروازے پر آپہنچا تھا۔

میں پھرتی سے فون جیب میں ڈال کر یوں کرسی پر بیٹھ گیا جیسے دیر سے میرے پاس کوئی کام نہ ہو۔ میرے اشارے پر غزالہ نے دروازہ کھولا تو میرے کانوں میں تھام پوٹ کی لجلجائی ہوئی آواز آئی ''مسز علی! یہ میری اور ہوٹل کی انتظامیہ کی طرف سے خیر سگالی کا تحفہ ہے..... آج آپ کو ڈسٹرب کیا گیا ہے۔ آج کا کرایہ آپ کے بل میں سے منہا کردیا جائے گا۔''

''شکریہ!'' غزالہ کی سنجیدہ آواز آئی ''پھلوں کی ٹوکری دے دیں۔ شمپین کی بوتلیں ہمارے لیے بے کار ہیں۔ ہم کوئی شراب نہیں پیتے۔''

میں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' غزالہ نے اسے دروازے سے ہی ٹال دیا۔ وہ پلٹی تو اس کے ہاتھ میں تنکوں سے بنی ہوئی ایک خوبصورت ٹوکری جھول رہی تھی جس میں پھلوں کے ساتھ چاکلیٹ کے پیکٹ بھی نظر آرہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میں گھبرا گئی تھی کہ اب نہ جانے کون سی مصیبت نازل ہوگئی۔'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے وہ لدی پھندی ٹوکری لکھنے کی میز پر رکھ دی ''وہ بے چارہ اپنے ناکردہ گناہ کا کفارہ ادا کرنے آیا تھا۔''

''اس کی گرہ سے کچھ نہیں گیا لیکن یہ اچھی اور کامیاب انتظامی پالیسی کا اظہار ہے۔ آج کی رات مفت میں گزرے گی۔ ہم ان پھلوں پر ہی گزارا کرتے رہیں تو یہ ٹوکری ہماری روانگی تک خالی نہیں ہوگی۔'' میں نے خوش دلی سے کہا۔

بات آئی گئی ہوگئی مگر میرے ذہن پر ایک بوجھ سوار ہوگیا۔

میں نے چاؤفان پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کرلیا تھا۔ اسے عمر بھر تھائی لینڈ میں ڈان کے ساتھ رہنا بسنا تھا۔ میں اس کے لیے ایک غیر ملکی شناسا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اگر اس کی ذہنی رو صحیح سمت میں چل پڑتی تو وہ پوری بے خوفی سے ہمارے ساتھ وہ سب کرسکتا تھا جو میں کچھ دیر پہلے تک سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہا تھا۔

اس کے بارے میں صرف ایک بات اچھی تھی کہ وہ ذہین نہیں تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک ہی سمت میں سوچنے کا عادی تھا اور اپنی پوری صلاحیتیں اسی سمت میں صرف کردیتا تھا۔ اگر ہمیں ڈان کی پارٹی سے فرار کرانے کی سازش اس کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی تو اسے یہ دھیان آنا محال تھا کہ وہ کسی اور طرح بھی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرسکتا تھا۔

فکر و تشویش کے سائے میں وہ رات آئی اور کسی نہ کسی طرح گزر گئی۔ میرے اعصاب پر کمبوڈیا کا پُرخطر سفر سوار ہوچکا تھا۔ سونے سے پہلے میں دیر تک اس امکان پر غور کرتا رہا کہ ہمیں ڈان کو دھوکا دے کر بنکاک سے بھاگنا تھا تو اس کے لیے اگلے دو دن انتظار کی کوفت میں گزارنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم فوری طور پر اپنا مختصر سا اسباب سمیٹ کر اس شہر خرابات سے کوچ کرسکتے تھے لیکن چاؤفان کے تعاون کے بغیر ہمارا فرار ہونا ممکن نہیں تھا۔

وہ ڈان سے بہت زیادہ خوف زدہ رہتا تھا۔ دوسری طرف وہ پارٹی کے انتظامات میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ سب کام چھوڑ کر بے خوفی سے ہماری روانگی کا بندوبست کردے گا۔ یہی غنیمت تھا کہ اس نے ڈان کی پارٹی میں ہمیں قابلِ اعتماد گاڑی اور سفر کے لوازم مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ اس دوران میں چاؤفان کی ذہنی رو نہ بہکے اور وہ ڈان کے عفریت سے ہماری گلوخلاصی کرادے۔

اگلی صبح کے اخبار میں مشتبہ پاکستانی جوڑے کی زور و شور سے تلاشی کے بارے میں خبر موجود تھی۔ خبر پہلے بھی آچکی تھی۔ اس بار زور و شور کا اضافہ ہوگیا تھا۔ موتی محل میں لگنے والی آگ اور راجن کی موت کے بارے میں خبریں موجود تھیں لیکن ان کے تیور بدل گئے تھے۔ جب تک وہ زندہ تھا' اسے معزز اور شریف شہری قرار دیا جاتا تھا۔ اس کے مرتے ہی اخبار والوں نے اس کا ماضی اچھالنا شروع کردیا تھا۔ یکایک ان کی بینائی تیز ہوگئی تھی اور انہیں ماضی قریب میں ہونے والے بہت سے منظم اور بڑے جرائم میں راجن کا ہاتھ نظر آنے لگا تھا۔

دھونس' دھاندلی' طاقت اور سازشوں کے بل پر بھرپور زندگی گزارنے والے دونوں ساتھی یکساں انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ سوبھراج کی موت ریکارڈ پر نہیں آئی تھی مگر اس کے کرتوت ہر ایک کے سامنے آنا شروع ہوگئے تھے۔ راجن کی موت کی تصدیق ہوگئی تھی۔ اس کے خلاف دل کھول کر بھڑاس نکالی جارہی تھی۔

دوپہر کے بارہ بجے غیر متوقع طور پر ڈان کا فون آگیا۔ اس کے لب و لہجے سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے نہایت پُرتپاک لہجے میں میری مزاج پرسی کی پھر بولا ''تم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ گے؟''

''ہاں..... میری کچھ ذاتی مجبوریاں ہیں۔ مجھے جانا ہوگا مگر میرا وعدہ ہے کہ میں جلد ہی واپس آؤں گا۔ تمہارے پاس سال چھ مہینے رہ کر میں اتنا کما سکتا ہوں جو پاکستان میں رہ کر عمر بھر حاصل نہیں ہوسکے گا۔''

فون پر ڈان کے بے ساختہ قہقہے کی آواز گونجی۔ میرے کانوں نے پہلی بار اس کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے فرصت میں اس موضوع پر خاصی دماغ سوزی کی ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں کے لیے یہاں رکو۔ اگلی بار آؤ تو اپنی عورت کو ساتھ نہ لانا۔ عورت کا ساتھ انسان کو بہت کمزور کردیتا ہے۔''

''تم نے میرے دل کی بات پڑھ لی۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا ''اگلی بار میں اکیلا آنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔''

''تم نے اپنی واپسی کا معاملہ چاؤفان کے سپرد کردیا ہے۔ یہ تمہارا اور اس کا معاملہ ہے۔ میں بار بار تمہیں نہیں بتا سکتا کہ بے پروائی اس کے خمیر میں شامل ہے۔'' ڈان نے اپنی سازش کی داغ بیل ڈال دی ''اب اس کے پیچھے لگ کر اپنے ٹکٹ اور پاسپورٹ جلد لے لینا۔ نشے میں اس نے یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیزیں کہیں چھوڑ دیں تو اسے مر کر بھی یاد نہیں آئے گا کہ اس نے تمہاری چیزیں کہاں چھوڑی ہوں گی۔ تم لٹک کر رہ جاؤ گے۔''

''ڈان! مجھے ایسی بددعا نہ دو۔ وہ اتنا غیر ذمے دار بھی نہیں ہے۔''

''میری ساری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اس وقت میں نے تمہیں دعوت دینے کے لیے فون کیا ہے۔ کل رات چاؤفان تمہیں لے آئے گا۔ اپنی عورت کو ضرور ساتھ لانا۔''

وہ غزالہ کو بار بار عورت کہہ رہا تھا۔ چاؤفان کو میں اس تحقیر آمیز انداز پر جھاڑ چکا تھا۔ ڈان کو کچھ کہنا میرے بس سے باہر تھا۔ میں نے اوپری دل سے کہا ''ہم ضرور آئیں گے۔''

''ہو سکے تو ایک کام بھی کر ڈالو۔'' ڈان نے سرسری لہجے میں کہا۔

''حکم دو۔ میں جب تک یہاں ہوں' ہر کام کے لیے حاضر ہوں۔''

''پاکستانی جوڑا..... جوڑا نہیں بلکہ ایک مرد اور ایک عورت..... ان کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ بنکاک میں ہزاروں ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس بکھرے ہوئے ہیں۔ میرے آدمی ان کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں چل رہا کہ وہ سیام کانٹی نینٹل سے نکل کر کہاں غائب ہو گئے۔ تم بھی اپنے طور پر کوشش کرو' تم نے ان کو ڈھونڈ لیا تو میں تمہیں ایک بڑا انعام دوں گا۔''

''میں کوشش کرتا ہوں!'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔

''تمہیں ان کے کوائف یاد ہیں ناں..... اکبر خان اور ریٹا ایف ہیریسن..... وہ.....!''

''مجھے سب یاد ہے۔'' میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے کہا ''تم نے میرے سامنے چاؤفان کو ان کے بارے میں ہدایات دی تھیں۔''

''ویری گڈ!'' ڈان کی ستایشی آواز آئی ''یہ کام ہو جائے تو کل کے جشن کا مزہ دوبالا ہو جائے گا۔ مرد کو عورتیں گھیر لیں گی' عورت مردوں کے نرغے میں ہوگی۔ ہمارے پس ماندہ قبائلی اسے طاغوتی رقص کہتے ہیں۔ یہ دشمن کے گردنا چا جاتا ہے.....''

میں اس سے زیادہ تفصیل سننا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ پھر نرمی سے اس کی بات کاٹ دی ''ڈان! آج تم سنسنی خیز باتیں کر رہے ہو۔ میں نے سنا تھا کہ تم عورتوں کی بہت عزت کرتے ہو' اپنی زندگی میں کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا تم نے!''

''میں نے عورت کو حقیر' کم تر اور کمزور سمجھ کر ہمیشہ معاف کیا ہے۔'' اس کی آواز تکبر آمیز ہو گئی ''اس پر رحم کیا جا سکتا ہے' اس کی عزت نہیں کی جا سکتی۔ یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔''

''مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ میرا اندازہ تھا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا ''اچھا ہوا کہ تم نے میری غلط فہمی دور کر دی۔ کمزور سمجھ کر رحم کھانے اور عزت کرنے میں بہت فرق ہے۔''

''عزت بڑوں یا برابر والوں کی' کی جاتی ہے۔'' اس وقت ڈان چبا چبا کر بول رہا تھا۔ اقتدار کا نشہ اس کے لب و لہجے سے جھلک رہا تھا۔ اس نے میرے جواب میں چھپے ہوئے ہلکے سے طنز کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔

''تمہاری ہر بات میں حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔'' میں نے کوئی نئی تلخی پیدا کرنے کے بجائے اس کی ہاں میں ہاں ملانے میں عافیت جانی۔ میں وہ سنبھالا لینے کے بجائے کوئی کڑوی بات کہہ دیتا تو ڈان کا مزاج برہم ہو سکتا تھا ''اپنے سے کم رتبے والوں کی کوئی عزت نہیں کرتا۔'' میں نے اپنی بات پوری کی۔

''کل تم تماشا دیکھ لینا۔'' وہ بولا ''وہاں بہت بڑی بھیڑ نہیں ہوگی' چیدہ چیدہ لوگ آئیں گے۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہیں میں نے جان بوجھ کر نہیں بلایا مگر وہ آئیں گے تاکہ مجھے اپنی قربت اور وفاداری کا یقین دلا سکیں۔''

''ایسے لوگ چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان سے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہوگا۔'' میں نے رسمی لہجے میں کہا۔

''میں یہ سب کھیل جانتا ہوں۔ دنیا کو نچانے والے اب میری انگلیوں کے اشاروں پر ناچیں گے۔ اس تماشے کی جھلک کل رات کو نظر آ جائے گی۔''

شاید ڈان نے واقعی مجھے مدعو کرنے کے ارادے سے فون کیا ہو مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری غلطی کی نشان دہی کرنے کے لیے فون کیا ہو۔ چاؤفان مجھے ڈان کے ارادے سے باخبر کر چکا تھا۔ چاؤفان کی غیر ذمے داری پر زور دے کر ڈان نے گویا اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ چند روز بعد وہ مجھے دونوں پاسپورٹ گم ہونے کی خبر دیتا تو ساتھ ہی یہ ٹیپ کا بند بھی دہرا دیتا کہ چاؤفان کے بارے میں وہ پہلے ہی اپنے اندیشے کا اظہار کر چکا تھا۔ میں ڈان کے سامنے شکایت کا ایک لفظ بھی اپنی زبان پر لانے کے قابل نہ رہتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چند ثانیوں تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈان نے فون بند کر دیا۔

''ڈان اپنا کام نکال لینے کے بعد شرارت پر تلا ہوا ہے تو آپ اس بارے میں کیوں فکر مند ہو رہے ہیں؟'' غزالہ نے پوری روداد سن کر قدرے حیرت کے ساتھ کہا ''اس کی پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہم تھائی لینڈ کی سرحد عبور کر کے کمبوڈیا میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ڈان جو چاہے کرتا پھرے' اس سے ہمیں کیا نقصان پہنچے گا؟''

''اب وہ پرانا ڈان نہیں رہا۔'' میں نے دھیرے سے کہا ''وہ موذی ہو گیا ہے۔ اگر کہیں بھی کوئی گڑبڑ ہو گئی اور ڈان کو ہمارا سراغ مل گیا تو وہ ہماری زندگیاں عذاب بنا دے گا۔''

''یہ خطرہ پہلے بھی تھا' اب بھی ہے۔ ڈان سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس میں کون سا نیا اضافہ ہوا ہے جو آپ پریشان ہو رہے ہیں؟''

''تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟'' میں نے ذرا جھنجلا کر کہا ''پہلے بات کھلی نہیں تھی۔ ڈان سے لحاظ و مروت کی امید کی جا سکتی تھی۔ اب وہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ اس نے چاؤفان کی غیر ذمے داری کا ذکر کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاسپورٹوں کی خورد برد کے بارے میں چاؤفان نے مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔ وہ پاسپورٹ غائب کر کے مجھے اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے۔ اسے ہمارے فرار کی ذرا بھی سن گن مل گئی تو کم از کم مجھے کچل دینے کی بھرپور کوشش ضرور کرے گا۔ یوں سمجھو کہ اب اس کے ساتھ میری سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔''

''یہ کافی ہے کہ یہ سرد جنگ زیادہ لمبی نہیں ہو گی۔ کل رات اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد آپ اس کے چنگل سے آزاد ہو جائیں گے۔''

''تم یہ سوچ سکتی ہو' میرے لیے یہ فرض کرنا مشکل ہے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں تمہارے علم میں نہیں ہیں اس لیے تم خوش گمانی میں مبتلا ہو۔''

''آپ اس وقت شدید ذہنی دباؤ میں آئے ہوئے ہیں۔'' غزالہ نے متانت سے کہا ''چھوٹی اور بڑی ہر اہم بات مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو بہتر مشورہ دے سکوں۔ یہ ہم سب کے لیے بہت خطرناک مرحلہ ہے۔ ذرا سی چوک ہوئی تو سب مارے جائیں گے۔''

''ڈان کے سارے روابط بہت تیزی سے استوار ہو رہے ہیں'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد کہنا شروع کیا ''چاؤفان بتا رہا تھا کہ امیگریشن کے محکمے کا سربراہ ڈان کا پرانا دوست ہے۔ ڈان میرے بارے میں اسے ہدایت دے چکا تھا۔ اگر میں خاموشی سے بنکاک سے روانہ ہونے کی کوشش کرتا تو امیگریشن والے کسی بھی بہانے مجھے سفر کرنے سے روک دیتے۔''

''آپ نے پاسپورٹ لوٹا دیے ہیں۔ اب ایسا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔''

میں نے خاموشی سے غزالہ کی آنکھوں میں جھانکا پھر کہا ''تم درست کہہ رہی ہو لیکن اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ ڈان کا اثر رسوخ بہت زیادہ ہے۔ وہ کمبوڈیا میں بھی ہمیں تلاش کر سکتا ہے۔ تھائی لینڈ کے قرب و جوار کے ملکوں میں ہم زیادہ دیر تک اس سے نہیں بچ سکیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی گمبھیر ہے۔ سفری دستاویزات کے بغیر ہم وہاں سے کیسے نکل سکیں گے..... اس بار ہمارے پاسپورٹوں کی تیاری میں جلال کو کیا مشکل پیش آ رہی ہے؟''

''پاسپورٹ بن چکے ہیں۔ ان کا کوئی مسئلہ نہیں' ساری دشواری ویزا کے حصول میں پیش آ رہی ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''ہمارے لیے متعدد ملکوں کا ویزا ضروری ہے۔ بعض ممالک نے ویزا کے اجرا کا طریقہ پیچیدہ بنا دیا ہے' جس کے باعث دیر ہو رہی ہے۔''

''اب پوری صورتِ حال واضح ہو گئی۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''پاسپورٹ بنوانا جلال کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ساری دشواری ویزا کی ہے' اب کیا ہو گا؟''

''وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔'' میں نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''اس سے ایک بار پھر بات کرنی پڑے گی۔ ہماری یہاں سے روانگی اٹل ہے۔ ہمارے پاسپورٹ تاخیر سے آتے ہیں تو طارق کو کمبوڈیا تک دوڑ لگانی ہو گی۔ جب تک ہم تھائی لینڈ کی سرحدوں سے دس پانچ ہزار میل دور نہیں نکل جاتے' ڈان کا خطرہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا۔''

وہ نکتہ میرے ذہن میں اتنا واضح نہیں تھا۔ غزالہ سے ہونے والے سوال و جواب میں بات سے بات نکلتی رہی اور وہ نتیجہ سامنے آ گیا۔

کمبوڈیا اس علاقے کا ایک افلاس زدہ ملک تھا۔ چاؤفان نے اس ملک کے سرحدی پاسبانوں کی بدعنوانیوں اور رشوت خوری کی جو تصویر پیش کی تھی اس سے یہ امید پیدا ہو چلی تھی کہ کمبوڈیا میں رقم خرچ کر کے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن ایسے لین دین اور سہولتوں کے حصول کے لیے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زبان سے واقفیت ضروری تھی۔

تھائی لینڈ میں دنیا بھر سے انگریزی بولنے والے لاکھوں سیاح آتے ہیں لیکن بنکاک میں انگریزی جاننے والے عام مقامیوں کی تعداد قابل رحم حد تک کم تھی۔ کمبوڈیا میں مجھے اس سے بدتر حال نظر آنے کی توقع تھی۔ جب زبان یارمن ترکی و من ترکی نمی دانم والا معاملہ ہو تو روزمرہ گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے ملک میں کسی سے غیر قانونی سفر کے بارے میں معاملات طے کرنا مشکل ہی نہیں' خطرناک بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

بہتر یہی تھا کہ ہم جیسے تیسے تھائی لینڈ سے نکل جاتے اور کمبوڈیا میں کہیں ٹک کر جلال کے بھیجے جانے والے نئے پاسپورٹوں کا انتظار کرتے۔ ان پر بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان پر ہمارے کمبوڈیا میں داخل ہونے کا اندراج ہوتا تو ہم ان پاسپورٹوں پر نئے ناموں کے ساتھ نہایت اطمینان سے کسی اور منزل کی طرف روانہ ہو سکتے تھے۔ ڈان یا گیری کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم بنکاک سے کہاں غائب ہو گئے تھے۔

اس موضوع پر مسلسل سوچتے رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند باریکیاں میرے ذہن میں واضح ہو گئیں جو بدلے ہوئے حالات میں کلیدی اہمیت اختیار کر گئی تھیں۔

نئے ناموں سے ہمارے لیے پاسپورٹ اور ویزا کے حصول کے لیے جلال کی ہدایات پر جو کچھ ہو رہا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم بنکاک سے کسی بین الاقوامی پرواز کے ذریعے کسی دور دراز مقام کے لیے روانہ ہو سکیں۔ اس پلان میں کمبوڈیا جیسے غیر معروف ملک کا سرے سے کوئی ذکر نہیں تھا۔

جلال سے آخری بار میری گفتگو ہوئی تو میں نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ میں ہر قیمت پر بنکاک سے نکل بھاگنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے میری اگلی منزل کے بارے میں جاننا چاہا تو میں اسے کوئی جواب نہیں دے سکا کیونکہ اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ چاؤفان مجھے کدھر کا رخ کرنے کا مشورہ دے گا۔

جلال کو یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ تاخیر ہونے کی صورت میں ہمیں تھائی لینڈ کے ویزا کی ضرورت رہی تھی نہ بنکاک میں داخلے کی مہروں کی ضرورت تھی۔ ان لوازم کی تکمیل کمبوڈیا کے حوالے سے ہونی تھی۔ جب تک ہمارے پاس کمبوڈیا میں داخل ہونے کا جائزہ اور قانونی ثبوت نہ ہوتا ہم وہاں سے آسانی سے نہیں نکل سکتے تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ وہ مسئلہ اتنی شدت کے ساتھ میرے ذہن پر سوار ہوتا چلا گیا کہ میں نے بے چین ہو کر جلال کا فون نمبر ملا لیا۔

وہ اس وقت دبئی انٹرنیشنل ایرپورٹ پر تھا۔

''ایرپورٹ پر تم کیا کر رہے ہو؟'' جلال کی زبان سے وہ خبر سنتے ہی میں نے بے ساختہ سوال کیا۔

''ایک گھنٹے بعد میں کراچی روانہ ہو رہا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے کس سلسلے میں فون کیا ہے؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''کراچی!'' میں نے چونک کر دہرایا ''کیا تمہاری کانفرنس ختم ہو گئی؟''

''کل کانفرنس کا آخری دن ہے۔ میں اپنے معاون کو یہاں چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ میرے لیے تم چاروں کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ اس میں گڑبڑ ہوئی تو ہمیں پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔'' اس کی آواز سے بے چینی مترشح ہو رہی تھی۔

''میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے تشکر آمیز لہجے میں کہا ''تم نے معاملات کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ یہاں کے حالات پل پل رنگ بدل رہے ہیں' ہم دونوں اپنے پاسپورٹوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم کسی نہ کسی طرح کل رات یہاں سے نکل جائیں گے.....''

اس نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹ دی ''کسی طرح دو دن اور گزار لو۔ میں تم لوگوں کے مکمل پاسپورٹ وغیرہ لے کر خود بنکاک آؤں گا۔ اس کے بعد میں تمہیں ایک پل بھی نہیں روکوں گا۔ میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ تم بہت برے پھنسے ہوئے ہو۔ عجلت میں تمہارے ساتھ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں عمر بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔'' میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا ''میں نے نپا تلا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس میں کامیابی کا نوے فی صد سے زیادہ امکان ہے۔ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارے مقدر کی خرابی کے سبب ہوگی۔ مقدر کو ٹالنا میرے اور تمہارے بس سے باہر ہے۔''

''اب تک تم نے یہ تو طے کر لیا ہوگا کہ تمہیں کہاں جانا ہے؟''

''کمبوڈیا! ہم رشوت دے کر زمینی راستے سے وہاں پہنچیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''اب بنکاک اور تھائی لینڈ کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ ہمارے پاسپورٹوں کے مندرجات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ ایسے ہونے چاہئیں کہ ہم کمبوڈیا سے بلا روک ٹوک نکل سکیں۔''

''بہت مناسب فیصلہ ہے۔'' اس نے بے ساختہ لہجے میں میری تائید کی ''بنکاک تمہارے بدترین دشمنوں کی آماج گاہ بن چکا ہے۔ کمبوڈیا میں تمہیں ان سب سے نجات مل جائے گی..... ہوسکے تو مجھے اپنے منصوبے کے کچھ خدوخال بتادو۔''

آخری فقرے پر اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی۔ میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ وہ آئی بی کا ایک ذمے دار اور باخبر افسر تھا۔ اگر وہ فون پر کچھ جاننے کی خواہش ظاہر کررہا تھا تو اسے اس خواہش کے مضمرات کا بھی اندازہ ہونا چاہیے تھا۔ فون پر میری کہی ہوئی باتیں کسی اور کے کانوں میں پڑجاتیں تو میں بہت مخدوش حالات کا شکار ہوسکتا تھا۔

پھر مجھے یاد آیا کہ جب میں نے اپنے موتی محل کے داخلے کے سلسلے میں فون پر کراس ٹاک سننے کا افسانہ تراشتے ہوئے بنکاک کے فون سسٹم پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کیا تو ڈان نے پورے اعتماد سے اس سسٹم کی وکالت کی تھی۔ ویسے بھی میں نے بنکاک آنے کے بعد کسی اہم بات کے لیے لینڈ لائن استعمال کی تھی اور نہ سی ایس ڈی سامان سے نکالنے کی نوبت آئی تھی۔ سارے اہم اور خفیہ رابطوں کے لیے دو موبائل فون میرے استعمال میں رہتے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ محتاط رہنے کے باوجود مجھے ان پر بہت کچھ کہنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود میرے قیام کے دوران میں اس حوالے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب تک خاص طور پر کوشش نہ کی جاتی' میرے موبائل فونز پر ہونے والی گفتگو کوئی غیر متعلق آدمی نہیں سن سکتا تھا۔

دوسرا اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ڈان اور چاؤفان کو میرے اس فون کا سرے سے کوئی علم نہیں تھا جو مجھے اول خان نے دیا تھا۔ میرے سارے بیرون ملک رابطے اسی فون پر ہوتے تھے۔ ان دونوں کو صرف اس مقامی موبائل فون کا علم تھا جو میں نے بنکاک میں لیا تھا۔ ڈان میری سرگرمیوں سے باخبر رہنے کے لیے کسی کو میرے پیچھے لگاتا تو اس کی ساری توجہ اسی فون نمبر پر مرکوز رہتی جس پر میں ڈان اور چاؤفان سے بات کرتا تھا۔

میری چند لمحوں کی خاموشی سے جلال نے میری الجھن بھانپ لی اور میرے لب کشا ہونے سے پہلے مضطربانہ لہجے میں بولا ''فکر نہ کرو..... موبائل فون محفوظ ہے' ہماری گفتگو کوئی نہیں سن سکے گا' کسی نے سن بھی لی تو اردو اس کے پلے نہیں پڑے گی۔''

اس کا تبصرہ سنتے ہی میں نے اسے اشاروں کنایوں میں اپنے پورے منصوبے سے آگاہ کردیا۔ میں نے چاؤفان کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میری زبان سے ایسے کلمات سنتے ہی وہ مصر ہوجاتا کہ میں کوئی خطرہ مول لینے کے بجائے اس کی طرف سے آنے والے پیکٹ کا انتظار کرلوں۔ مجھے اس کے خلوص کے بارے میں کبھی کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ اس نے ہماری پریشانی کا ادراک کرتے ہوئے دبئی کی کانفرنس سے قبل از وقت واپس لوٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور بذات خود ہمارے پاسپورٹ بنکاک لانے پر تل گیا تھا۔

''میں کبھی سوچ بھی نہیں سکا کہ کسی وقت تمہیں کمبوڈیا جانا پڑے گا۔'' اس نے میری روداد سن کر پرتشویش آواز میں کہا ''تمہارے پرانے پاسپورٹ پر کمبوڈیا کا اندراج تھا نہ اب یہ ملک شامل ہے۔ میں کراچی پہنچتے ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں۔ آثار بتارہے ہیں کہ اب مجھے بنکاک کے بجائے کمبوڈیا میں تم سے ملنا ہوگا۔''

''ابھی مجھے خود اندازہ نہیں کہ ہم کس شہر میں ٹکیں گے۔'' میں نے تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا ''اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہاں سے نکل کر کمبوڈیا میں داخل ہونا ہے۔ یہ مرحلہ طے ہوتے ہی میں تم کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کروں گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ شہر بڑا ہو اور وہاں سے بین الاقوامی پروازیں روانہ ہوتی ہوں۔'' اس نے پرخلوص لہجے میں مشورہ دیا۔

''مجھے تمہاری مجبوریوں اور ذمے داریوں کا اندازہ ہے۔'' میں نے کہا ''پاسپورٹوں کے اندراجات درست ہوں تو تمہیں کمبوڈیا آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کسی بھی قابل اعتماد آدمی کے ہاتھ ہمارا پیکٹ بھیج سکتے ہو.....''

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی ''تم ان تفکرات کو اپنے ذہن سے جھٹک دو' میں نے اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنالیا ہے۔ دعا کرو کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب رہوں۔ تم سے بس اتنی گزارش ہے کہ اب اپنا نام منظر عام پر نہ آنے دینا۔''

''مجھے تمہاری ہدایت اچھی طرح یاد ہے۔ راجن سے آخری مقابلے میں' میں نے بیم گن ضرور استعمال کی مگر اس کی نشانیاں اس طرح مٹائیں کہ اب تک کہیں سے اس کا ذکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سننے میں نہیں آیا۔'' میں نے اس کی مکرر تاکید کا برا منائے بغیر جواب دیا ''میری کوشش ہوگی کہ آیندہ ایسی کوئی نوبت بھی نہ آنے پائے مگر مجبوری انسان کو بے بس کر دیتی ہے۔''

''میرے اطمینان کے لیے اتنا کافی ہے کہ میرا مشورہ تمہارے ذہن میں جاگزیں ہے۔ تم نے سرسری انداز میں اسے فراموش نہیں کیا۔''

''میں اب یہاں سے کسی سے رابطہ نہیں کروں گا۔ تم سے بات کرنی ضروری تھی۔ یہ تو بتاؤ کہ اول خان کا کیا حال ہے' وہ کیا کر رہا ہے؟''

''تختی آدمی کہیں بھی ہو' اپنا وجود منوا لیتا ہے۔'' جلال کی آواز سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میرا اندازہ ہے کہ امریکی کیمپ کا دباؤ ختم کرنے کے لیے اسے کراچی سے گوادر بھیجا گیا تھا۔ اس نے وہاں اپنے لیے کام تلاش کر لیا۔ باقی کسر تمہاری ٹپ نے پوری کر دی۔ میری تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اس نے تین آدمی دھر لیے ہیں۔ ان میں ایک مقامی اور دو بھارتی ہیں۔''

''کیا یہ غیر معمولی پیش رفت نہیں ہے؟'' میں نے اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی تحیر زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ اس کی انتہائی غیر معمولی کامیابی ہے۔'' اس سے زیادہ حیران کن حقیقت یہ ہے کہ زندہ بچنے والے بھارتی نے بہت تیزی سے سب کچھ اگل دیا ہے۔''

''یہ کیسے ہوا.....؟ کیا ان میں سے کوئی مارا بھی گیا ہے؟'' میری حیرت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

''تینوں کچھ مزاحمت کے بعد زندہ پکڑے گئے تھے۔ تمہارا اول خان ملک کے دشمنوں کے لیے بہت سفاک آدمی ہے۔ روٹین کی باز پرس میں ناکامی کے بعد اس نے دو کے سامنے ایک بھارتی ایجنٹ کو گندھک کے تیزاب سے نہلا دیا۔ رنگ سازوں کے برش سے اس کے پورے بدن پر دھیرے دھیرے تیزاب پھیرا گیا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اس کی کرب ناک موت دیکھ کر دونوں نے ٹیپ ریکارڈر کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ تمہاری دی ہوئی خبر سو فی صد درست تھی۔ بنکاک سے تین کی ٹولی وہاں پہنچی تھی۔ ان کے سرغنہ کو راجن ممبئی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ شاید وہی را کا اصل ایجنٹ تھا جس کی تلاش جاری ہے۔ بقیہ دونوں بدمعاش اس کے مددگار تھے۔ ایک مر گیا' دوسرا اول خان کا قیدی ہے۔''

وہ تفصیل سن کر میرے ذہن میں سوالات کا ایک طوفان سا اٹھا۔ میری دانست میں وہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس بارے میں مکمل معلومات اول خان ہی فراہم کر سکتا تھا۔ وہ جلال سے زیادہ جرح کرنے کا محل نہیں تھا۔ میں نے کہا ''اس نے پنجاب جانے والی دوسری پارٹی کے بارے میں بھی کچھ بتایا ہوگا۔''

''ہاں' ابھی اتنی خبر ملی ہے کہ ان کی تعداد چار ہے۔ ان کے لیے چوہے دان تیار کیا جا چکا ہے۔ وہ اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے جوں ہی نمودار ہوں گے' بھاری سادہ پوش نفری انہیں گھیر لے گی۔''

''مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میں نے یہاں بیٹھ کر اپنا وقت برباد نہیں کیا۔ اپنے ملک کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہا ہوں۔ کاش' میں جلد از جلد وہاں آ سکوں۔''

جلال کی طرف سے فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ میرے بے ساختہ کلمات سے شاید اسے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ لحہ بھر کے نہایت واضح سکوت کے بعد اس کی ٹھہری ہوئی اور دھیمی آواز ابھری ''فکر نہ کرو' میں کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ تم کو جلاوطن شہزادہ نہ بننا پڑے' تم جلد از جلد ہمارے درمیان لوٹ آؤ۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے اور بہت سے دردمند پاکستانیوں کے دلوں میں تمہارے لیے کتنی عزت ہے۔ ایک فرد کی حیثیت سے تم نے نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ تم کچھ بھی نہ کرتے تو ہم راجن کے خاتمے پر ہمیشہ تمہارے احسان مند رہتے۔ تم نے را کے بڑے بڑے ستون گرائے ہیں۔ ان کا ایک زخم بھرنے نہیں پاتا کہ تم انہیں دوسرا گھاؤ لگا دیتے ہو۔''

''یہ ہماری خوش فہمیاں ہیں۔ دہلی میں نریش شرما اور انل بسواس مارے گئے تھے تو ہمارا خیال تھا کہ اب را کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ پاکستان کے خلاف ان کی کارروائیاں ایک لمبے عرصے کے لیے ماند پڑ جائیں گی لیکن وہ آج بھی اسی طرح سرگرم عمل ہیں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''دراصل فرد اور ادارے میں یہی فرق ہوتا ہے۔ فرد ختم ہوتا ہے تو اس کا بنایا ہوا پورا شیش محل اچانک ختم ہو جاتا ہے۔ اداروں میں افراد کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انل دہلی سے ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ ساگر نے بنکاک میں راجن کا سہارا لے لیا۔ پاکستان کے خلاف ان کی سازشیں اور سرگرمیاں آج بھی جاری ہیں۔''

''ان کی نوعیت دوسری ہے جو نیٹ ورک تم نے توڑا تھا' اس کا متبادل اب تک تیار نہیں کیا جا سکا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے پاس راجن کے بارے میں حساس اور خفیہ معلومات موجود تھیں جو میں تم کو بھی نہیں دے سکتا تھا۔ راجن ایک الگ اور بڑا مسئلہ تھا۔ وہ خود گیا' گوادر میں اس کے بھیجے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لوٹنے کا موقع ملا' یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم بنکاک میں رکتے ہوئے جائیں گے تاکہ تم دل کھول کر اپنی خریداری کرسکو۔''

''آنے والا وقت کس نے دیکھا ہے۔ میرے دل میں ایک بات آئی اور میں نے آپ سے کہہ دی۔ یہاں اور کون ہے جس سے دل کی بات کی جائے۔'' اس نے ایک ادا سے اپنا سر جھٹک کے کہا ''ایک دوسرے سے کچھ کہہ سن لیا جائے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

''فکر نہ کرو۔ چند گھنٹوں کی بات ہے پھر تمہارے چہیتے تم سے آملیں گے۔ ویرا کی بعض عادتوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اس سے تمہاری گاڑھی چھنتی ہے۔ سیام پارک میں ہونے والی پہلی ملاقات میں تم اس کے ساتھ الگ بیٹھ کر یوں راز و نیاز کررہی تھیں جیسے وہ تمہاری اکلوتی سہیلی ہو۔''

''اوہ.....! آپ نے یہ بھی نوٹ کرلیا۔'' اس نے بے ساختہ ایک گہرا سانس لے کر کہا ''عورتوں کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو آپس میں کی جاتی ہیں۔ میں آپ کے خلاف کوئی سازش نہیں کررہی تھی۔''

اس کے لہجے کی شوخی نے وہ بات وہیں ختم کردی مگر میں نے دل ہی دل میں طے کرلیا تھا کہ پہلی فرصت میسر آنے پر اس کی خریداری کی خواہش کو پورا کرنے کا موقع ضرور دوں گا۔

چار بجے چاؤفان کی کال آگئی۔ اس کی آواز اور لب و لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بہت بری طرح الجھا ہوا اور بدحواس ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ یاددہانی کرانے کے لیے فون کیا تھا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے ٹھیک ساڑھے چھ بجے ہوٹل پہنچ جائے گا۔

اس نے زیادہ بات کی نہ میں نے چھیڑ چھاڑ کی کوئی کوشش کی۔ میری رضامندی پاتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

ہوٹل کا حساب کچھ اس طرح چل رہا تھا کہ ہر وقت ہمارا ایک دن کا کرایہ وغیرہ پیشگی جمع رہتا تھا۔ ہم کسی اطلاع کے بغیر رخصت ہوجاتے تو ہوٹل والوں کو کم از کم واجبات کی حد تک کوئی شکوہ نہ ہوتا۔ میں نے پیشگی جمع کرائی ہوئی آخری رسید کا جائزہ لے کر اسے تلف کردیا۔ غزالہ نے پورے کمرے کی تلاشی لینی شروع کردی تھی۔

اسے مصروف چھوڑ کر میں غسل خانے میں گھس گیا تاکہ بنکاک میں آخری پُرتعیش غسل سے لطف اندوز ہوسکوں۔

چھ بجے ہم دونوں پوری طرح تیار ہوچکے تھے۔ ویرا کی طرح غزالہ بھی میک اپ کی عادی نہیں تھی۔ ڈان کی تقریب میں شرکت کے لیے اس نے سیاہ دھاریوں والا سوٹ زیب تن کیا تھا' جس میں اس کا نکھرا نکھرا سراپا بہت زیادہ دلکش لگ رہا تھا۔ میں نے ناقدانہ نظروں سے اس کا بھرپور جائزہ لیا' کوئی نکتہ تلاش نہ کرسکا جس کے سہارے غزالہ کی شخصیت کو دبایا جاسکے۔

وہ شرابیوں اور زن پرستوں کا جشن تھا جہاں ذہنی کج روی کو مہمیز دینے کے سارے اسباب جمع کیے جاتے تھے۔ مجھے فکر تھی کہ غزالہ وہاں آنے والوں کی بدنگاہی سے محفوظ رہ سکے۔ ڈان کے مہمانوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تو میرے لیے اپنی کھوپڑی پر قابو پانا دشوار ہوجاتا اور فرار کا منصوبہ پسِ پشت چلا جاتا۔

غزالہ میری تیز نگاہوں کا مدعا بھانپ کر مسکراتے ہوئے بولی ''مجھے یوں گھور گھور کر نہ دیکھیں۔ میں نے دانستہ یہ سیاہ دھاریوں والا لباس پہنا ہے۔ رنگ اور ڈیزائن کے لحاظ سے یہی سب سے ہلکا تھا۔ میں وہاں خود کو سنبھال لوں گی۔ بس آپ اپنے غصے پر قابو رکھیے گا۔''

غزالہ نے ہمارا ضروری اسباب ایک تھیلے میں سمیٹ لیا تھا۔ جو شولڈر بیگ کی صورت میں آسانی سے اس کے شانے کی زینت بن سکتا تھا۔ کپڑے وغیرہ وہیں چھوڑ دیے گئے کیونکہ ہم کوئی بڑا تھیلا لے کر ڈان کی پارٹی میں شریک نہیں ہوسکتے تھے۔ چاؤفان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ ہمارے اسباب کا تھیلا خاموشی سے مسروقہ کار میں منتقل کردے۔ ہمیں بالکل نارمل انداز میں پارٹی میں شریک ہونا تھا تاکہ ڈان کو ہمارے عزائم پر کوئی شبہ نہ ہوسکے۔

سوا چھ بجے ہم نے اپنے کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر اسے خیرباد کہہ دیا۔

اپنے فلور سے ہوٹل کے دروازے تک مجھے یوں محسوس ہوتا رہا جیسے ہر آنے جانے والا ہمیں غور سے دیکھ رہا ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے سنسنی خیز معرکے سر کیے تھے لیکن کسی ملک سے ایک منظم سازش کے ذریعے فرار ہونے کا وہ پہلا تجربہ تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں اور آنے والے مراحل کے بارے میں ذہن میں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا۔

ہم اپنے خوف اور وسوسوں کو اپنے دلوں میں چھپائے' خراماں خراماں ہوٹل سے باہر نکلے تو دور ہی سے چاؤفان کی سیاہ اکارڈ نظر آگئی۔ وہ اپنے معمول کے مطابق مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی آپہنچا تھا۔

ہمارے کار تک پہنچنے سے چند لمحے پہلے اس نے نیچے اتر کر غزالہ کے لیے ادب سے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر مجھے حیران کردیا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی یا پرائی کسی بھی عورت کی عزت نہیں کرتے' صنفِ نازک کو ہر حال میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یک پُرتعیش کھلونا تصور کرتے ہیں۔

دروازہ بند کر کے اس نے کسی مستعد ڈرائیور کی طرح اپنی جگہ سنبھالی اور گاڑی تیزی سے حرکت میں آ گئی۔

''ماسٹر! تمہارا سامان کہاں ہے؟'' اس نے دھیمی اور سپاٹ آواز میں پوچھا۔

''سب ہوٹل میں چھوڑ دیا۔ ڈان سے آزادی کے لیے یہ قربانی ضروری تھی۔'' میں نے کہا۔

''اچھا کیا' میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم پارٹی میں تھیلا کہاں لیے پھرو گے۔''

''کیا تم اسے ہماری گاڑی میں نہیں ڈال سکتے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ماسٹر! توبہ کرو..... اب میں بھول کر بھی اس گاڑی کے قریب نہیں جاؤں گا۔ وہ شان دار بجیرو ہے اور وہاں پہنچائی جا چکی ہے۔'' بات کرتے ہوئے اس نے اپنا بایاں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور چابی نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا ''اس میں سب کچھ موجود ہے' ٹنکی بھری ہوئی ہے۔ فاضل کین بھی تیل سے بھرا ہوا ہے۔ تمہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی پھر بھی میں نے احتیاط سے کام لیا ہے..... آج میں خود کو معزز سمجھ رہا ہوں۔ اپنی مادام کو پہلی بار میری گاڑی میں بٹھا کر تم نے میری عزت افزائی کی ہے۔ میں تم دونوں کے لیے دعا گو رہوں گا۔''

''چاؤفان! یہ مادام نہیں میری بیوی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''ماسٹر! تمہیں عورت کہنے پر اعتراض تھا' مادام تو عزت کا لفظ ہے۔ کیا تم اسے بھی برا سمجھتے ہو؟'' اس نے معصومانہ حیرت سے سوال کیا۔

''یقیناً عزت کا لفظ ہے لیکن تم نے اسے لی کے لیے استعمال کر کے مشکوک بنا دیا ہے۔''

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا اور پیچھے مڑے بغیر بولا ''صدف! تمہارا شوہر بہت دلچسپ اور دلیر آدمی ہے۔ ہر وقت حاضر دماغ رہتا ہے۔''

''بجیرو میں گاڑی کے کاغذات موجود ہیں؟'' میں نے غزالہ کے کچھ بولنے سے پہلے بات کا رخ یکا یک تبدیل کر دیا۔

''رنگ اور نمبر پلیٹ بدلی ہوئی ہے۔ اس کے مطابق کاغذات کی جعلی فوٹو کاپیاں بھی رکھ دی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ تم کو ان کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تھائی پولیس قیمتی اور نئی گاڑیوں کو کہیں نہیں روکتی۔ میں نے یہی سوچ کر نئی بجیرو کا بندوبست کیا ہے۔ گاڑی کی سج دھج کمزور ہوتی تو راستے میں تم کہیں بھی مشکل میں پڑ سکتے تھے۔''

مجھے اس کی زبان سے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تھائی پولیس کی ذہنی سطح ہماری پولیس سے بلند نہیں تھی۔ جاہ و حشمت اور ثروت و امارت سے وہ بھی فی الفور مرعوب ہو جانے کے عادی تھے۔ خوش پوش مجرم واردات کا ارتکاب کر کے بیش قیمت گاڑی میں آسانی سے فرار ہو سکتے تھے۔ خستہ حال گاڑیوں میں سفر کرنے والے بلا تکلف کہیں بھی روکے جا سکتے تھے اور ضرورت پیش آنے پر مشتبہ قرار دے کر بند کیے جا سکتے تھے۔

وہ ضمنی خوشی تھی۔ اہم تر بات یہ تھی کہ چاؤفان نے ہمارے فرار کے منصوبے پر خاصی باریکی کے ساتھ کام کیا تھا۔ بجیرو کا بندوبست دیگ کے ایک چاول کی طرح اس کی نیک نیتی کی غمازی کر رہا تھا۔ میں نے سارے منفی خیالات اسی لمحے اپنے ذہن سے جھٹک دیے۔ چاؤفان کے بارے میں اندیشے دور ہوتے ہی مجھے تقویت اور توانائی کا احساس ہونے لگا۔

''چاؤفان! میں تمہارا ممنون ہوں۔'' میں نے پُرخلوص لہجے میں کہا ''میں زندگی بھر تمہارے اس تعاون کو فراموش نہیں کر سکوں گا۔''

''ماسٹر! مجھے شرمندہ نہ کرو۔ تمہارے بھاگ جانے میں تمہارے ساتھ میرا بھی فائدہ ہے۔ تم نے مجھے یہ رخ نہ سمجھایا ہوتا تو میں مر کر بھی ڈان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاتا۔'' ..... آخری سفر میں صاف گوئی سے کام لے کر اس نے مجھ سے زیادہ غزالہ کو حیران کر دیا۔

''اس کے باوجود تم ہمارے محسن ہو۔'' غزالہ بولی ''تمہارے تعاون کے بغیر ہم یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔''

''اب بھی یہ مرحلہ آسان نہیں ہے۔'' چاؤفان متانت سے بولا ''گاڑی میں اس علاقے کا ایک بڑا نقشہ رکھا ہوا ہے۔ میں نے سرخ قلم سے تمہارے راستے کی نشان دہی کر دی ہے۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد راستہ کچا پکا اور خراب ہے۔ تم بھٹک گئے تو پھر اللہ ہی تمہارا محافظ ہوگا۔''

''تم نے اپنی سی ہر کوشش کر لی ہے۔ اب کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو وہ ہمارا مقدر ہوگا۔'' میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا ''بنکاک سے نکلنے کے بعد تم قدم قدم پر یاد آتے رہو گے۔''

''تمہارا سفر درست سمت میں جاری رہا تو تم سورج نکلنے سے پہلے کمبوڈیا میں سیسوپھون کے سرحدی قصبے میں داخل ہو جاؤ گے۔'' وہ پُرخیال آواز میں بولا۔

''وہاں تمہاری کمی بری طرح محسوس ہوگی۔'' میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوچے سمجھے انداز میں گفتگو کا رخ بدلا ''کمبوڈیا کی زبان سے ناواقفیت ہمارے لیے عذاب بن سکتی ہے۔''

''وہ پس ماندہ ملک ہے' غربت اور جہالت عام ہے۔ وہاں نوم پنہہ سے باہر انگریزی جاننے والے بہت کم ملیں گے۔ کوئی بھی مشکل درپیش ہو تو بے دریغ ڈالر یا مقامی کرنسی استعمال کرنا۔ غربت کی وجہ سے لوگ خاصے لالچی ہیں۔'' چاؤفان نے اپنے تجربات کا نچوڑ بتایا۔

''تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہمیں کسی کارآمد آدمی کا پتا وغیرہ دے دو۔ ہم اس کو منہ مانگا معاوضہ دیں گے۔''

''ماسٹر! کیا کہہ رہے ہو؟'' وہ خوف زدہ آواز میں بولا ''یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکے گی کہ میں نے دو غیر ملکیوں کو وہاں کسی کے پاس بھیجا تھا۔ میں ڈرتے ڈرتے ڈان کے اعتماد کو دھوکا دے رہا ہوں لیکن اس کے غیظ و غضب کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اس علاقے میں میرے دیسوں شناسا ہیں مگر میں تم کو کسی کے پاس نہیں بھیج سکتا۔''

''تم نہ بھیجو' مجھے صرف نام' پتا اور فون نمبر دے دو۔'' میں نے لجاجت سے کہا ''میں تمہارا نام لیے بغیر اس سے رابطہ کروں گا۔ اسے رقم ملے گی تو وہ زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرے گا۔''

''ماسٹر! تم کیوں اس طرح بات کر رہے ہو' میں زمین میں گڑا جا رہا ہوں۔''

''اس وقت تم زمین پر نہیں' اپنی کار میں ہو۔ تم نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے تو تھوڑی سی ہمت اور کر ڈالو۔ یقین رکھو کہ تمہارا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہا ''تم ان علاقوں کے رواج سے ناواقف ہو۔ وہاں حوالے کے بغیر کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ جو بھی ملے گا' سب سے پہلے یہ جاننا چاہے گا کہ تمہیں کس نے اس کے پاس بھیجا ہے۔ نام شناسا ہوا تو وہ تمہارا خادم ثابت ہوگا ورنہ وہ رکھائی سے تمہاری ساری جمع پونجی لوٹنے کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو جائے گا۔''

''یہ اور بھی آسان ہے۔'' میرے ذہن میں برمحل ایک تجویز آ گئی ''تم اپنے کسی حریف کا نام بتا دو جو اس علاقے میں پہچانا جاتا ہو۔ بات کھلے گی تو تمہارے بجائے وہ ڈان کے عتاب میں آ جائے گا۔ تم کو اپنے ایک دشمن سے نجات مل جائے گی۔''

''ماسٹر! تم نے نہایت اعلیٰ درجے کا حرام مغز پایا ہے۔''

اس نے بے ساختہ کہا اور میں بھونچکا رہ گیا۔

''میرے حرام مغز کا کیا ذکر نکل آیا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے لڑکپن میں اپنے گاؤں کے حکیم سے سنا تھا کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں چھپا ہوا حرام مغز ساری ذہنی صلاحیتوں کو کنٹرول کرتا ہے۔ تم اتنی پھرتی سے ہر مشکل کا حل پیش کر دیتے ہو کہ مجھے تمہارے حرام مغز پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اب کبھی اپنے گاؤں کی طرف جانا ہو تو اس حکیم کو گولی مار دینا۔ حرام مغز دماغ کا حاکم نہیں' تابع مہمل ہوتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ایسے نیم حکیم اپنے الو کھے فتووں سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری تجویز کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میرے ذہن میں پھوم فاٹ کا نام آ رہا تھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''وہی' لی کا مال دار عاشق جو تمہارے ہاتھوں پٹا تھا؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''وہ چھوٹا راجن کا حاشیہ بردار تھا۔ ابھی اس کے کس بل باقی ہیں۔ نشے میں ڈوب جاتا ہے تو مادام کو بار بار فون پر تنگ کرتا ہے۔'' میں نے محسوس کیا کہ گاڑی میں غزالہ کی موجودگی کی وجہ سے چاؤفان نے سنبھل سنبھل کر وہ وضاحت پیش کی تھی۔

''پرسوں تم لی سے بیزار تھے کیونکہ اب وہ تمہارے پیچھے لگی رہتی ہے۔ اب کیوں اس سے ہمدردی کر رہے ہو۔ وہ خود پھوم فاٹ سے نمٹ لے گی۔'' میں نے کہا۔

''ماسٹر! تمہاری بیوی کی وجہ سے میری زبان بند ہے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کمینہ کیسا بلیک میلر ہے۔ دھمکیاں دیتا ہے کہ مادام کے قابلِ اعتراض پوسٹر شہر کی ساری دیواروں پر لگوا دے گا۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ بھونکنے والے کتے کاٹا نہیں کرتے۔''

''ماسٹر! یہ نہ کہو۔ اب کبھی کبھی کاٹ لیتے ہیں۔ زمانہ بدل گیا ہے' محاورے غلط ثابت ہوتے جا رہے ہیں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا۔

''اب تمہارا وقت آ گیا ہے' کسی بھی وقت اسے گھیر لو۔''

''اب وہ چھپتا پھر رہا ہے۔ میں نے بتایا نا کہ مادام کے گھر کے چکر لگانے کے بجائے وہ فون کرنے لگا ہے۔ میں اسے کہاں پکڑوں..... بس تمہاری تجویز درست ہے۔ اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نام استعمال کر ڈالو۔ میری شکایت پر ڈان کان نہیں دھرے گا۔ تمہارے چکر میں اس کا نام سامنے آئے گا تو ڈان غضب ناک ہو کر اس کا خون پی جائے گا۔'' چاؤفان نے میری مرضی کا فیصلہ سنا دیا ''یہ عجیب بات ہو رہی ہے کہ میرے فائدے میں تمہارا فائدہ ہو رہا ہے۔ تم کو کمبوڈیا میں مدد گار مل جائے گا۔ پھوم فاٹ سے مادام کی جان چھوٹ جائے گی۔ چند دنوں میں اس خبیث نے مادام کو زچ کر دیا ہے۔''

''تم مجھے سیسو پھون والے آدمی کا نام بتا دے دو۔ میں پھوم فاٹ کے کریا کرم کا پورا بندوبست کر دوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

گاڑی شہر کی حدود سے باہر آ کر کشادہ سڑک پر بہت تیزی سے رواں تھی۔ بنکاک میں وہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد کہیں راز و نیاز کی باتیں کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ چاؤفان نے رفتہ رفتہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔

گاڑی کی کیبن لائٹ جلا کر اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک مڑی تڑی جیبی ڈائری نکالی اور اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد اسی میں سے ایک صفحہ پھاڑ کر اس پر انگریزی میں اپنے کمبوڈین شناسا کا نام اور فون نمبر لکھ کر وہ کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔

''اسے احتیاط سے رکھ لو۔ یہ یاد رکھنا کہ وہ تھوڑی بہت انگریزی جانتا ہے۔ دھیمی اور آسان زبان میں بات کرو گے تو وہ سب سمجھ جائے گا ورنہ مشکل ہو گی۔''

''بے فکر رہو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔'' میں نے اس کا دیا ہوا کاغذ تہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے تعاون سے میرے مسائل ایک ایک کر کے حل ہوتے نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ہوا میں مخصوص سمندری بو کے گہرے رچاؤ سے اندازہ ہوا کہ ہم ساحلی علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے بندرگاہ کی تیز روشنیاں اور اس روشنی میں حرکت کرتے ہوئے کرینوں کے بلند فولادی ڈھانچے کہیں نظر نہیں آئے۔

''ماسٹر! اندھیرے میں کسے تلاش کر رہے ہو؟'' چاؤفان نے میری بے چینی بھانپ کر پوچھا۔

''شاید ہم سمندر کے قریب پہنچ چکے ہیں لیکن بندرگاہ کہیں نظر نہیں آ رہی۔''

''میں نے دوسرا راستہ لیا ہے۔ بندرگاہ پیچھے رہ گئی ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ڈان کی پارٹی ایک ساحلی ویرانے میں ہو گی' ہم اسی طرف جا رہے ہیں۔''

''کھلے ساحل پر کسی سے تکلف ضیافت کا بندوبست بہت مشکل ثابت ہوا ہو گا۔''

''ماسٹر! تمہارا خادم ناممکن کو ممکن بنانے میں ماہر ہے۔'' اس نے شیخی بگھاری ''سارا بندوبست مثالی ہے۔ ذرا سی دیر میں تم کو جنگل میں منگل ہوتا ہوا نظر آئے گا۔''

ہماری گاڑی غالباً ساحل کے متوازی دوڑتی رہی۔ پہاڑیوں اور ٹیلوں کی وجہ سے سمندر ہماری نظروں سے اوجھل تھا لیکن فضا سمندر سے قریب کی چغلی کھا رہی تھی۔ چند منٹ کے بعد ہمیں تاریک فضا میں اوپر تک روشن غبار سا پھیلا ہوا نظر آنے لگا جو تیزی سے واضح ہوتا جا رہا تھا۔

''ماسٹر! یہ آسمان تک چمکتی ہوئی روشنی دیکھ رہے ہو نا۔ آج کی پارٹی لوگوں کو مدتوں یاد رہے گی۔ دو دیوہیکل موبائل جنریٹروں نے اس وقت ساحلی پٹی کو بقعۂ نور بنایا ہوا ہو گا۔ کھانے پینے کا سارا تیار سامان ریفریجریٹیڈ ٹرکوں میں منگوایا گیا ہے۔ شرابیں یخ بستہ اور کھانے بھاپ اڑاتے ہوئے سرو کیے جائیں گے' جیسے ابھی چولھوں اور تندوروں سے اتارے گئے ہوں۔ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کی خدمت کے لیے ایکا سی لڑکیاں بلائی گئی ہیں۔ ریت پر جما ہوا پنڈال پرستان کا سماں پیش کر رہا ہو گا۔''

اس دوران میں تقریب گاہ کا نقشہ واضح ہونا شروع ہو گیا۔ ہماری داہنی سمت میں سمندر کی سر پٹکتی ہوئی موجوں سے کچھ دور خیمے نما بڑا سا پنڈال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ اس سے کچھ پیچھے' سڑک کے کنارے کئی بند ٹرک جیسے کارواں ایک قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر بہت خواب ناک نظر آ رہا تھا۔

چاؤفان پنڈال کے قریب سے تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ پنڈال کے بعد ہی ریت کو ہموار کر کے گاڑیاں پارک کرنے کی جگہ بنائی گئی تھی جہاں ہم سے پہلے متعدد گاڑیاں موجود تھیں۔

''پہلی قطار میں چوتھی گاڑی غور سے دیکھ لو۔'' چاؤفان نے پارکنگ کے لیے گاڑی گھماتے ہوئے کہا ''تم کو اسی پجیرو میں نکلنا ہے۔''

''کیا ابھی سے اتنے مہمان آ گئے ہیں؟'' میں نے وہاں کھڑی ہوئی گاڑیوں کی تعداد دیکھ کر حیرت سے سوال کیا ''پجیرو ہر طرف سے گاڑیوں میں گھری ہوئی ہے۔''

''اسے میں نے دانستہ ایسی جگہ پارک کیا ہے جہاں روشنی کم ہے تاکہ گاڑی غیر ضروری طور پر کسی کی نظروں میں نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ سکے۔'' اس نے اپنی گاڑی ایک جگہ روک کر کہا ''یہ گاڑیاں یہاں کے کام کرنے والوں اور ہمارے آدمیوں کی ہیں۔ کچھ لڑکیاں بھی اپنی گاڑیوں میں آئی ہوئی ہیں۔ سارے میزبانوں کو مہمانوں کی آمد سے پہلے یہاں جمع ہونا ہے۔''

''ڈان کب آئے گا؟'' میں نے گاڑی سے اترتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ ٹھیک نو بجے پہنچے گا..... کوئی بات رہ گئی ہے تو پوچھ لو۔ تم کو اندر پہنچانے کے بعد میں مصروف ہو جاؤں گا۔ تمہاری طرف آنا ہوا تو کوئی خاص بات نہیں ہو سکے گی۔''

پارٹی شروع ہونے میں دیر تھی لیکن فضا میں مترنم قہقہے گونج رہے تھے۔ ریتیلے پارکنگ لاٹ سے نکلتے ہوئے چاؤفان دانستہ سیاہ بجیرو کے قریب سے گزرا اور میں نے اندازہ لگا لیا کہ پارکنگ میں کسی بے ترتیبی کے باوجود بجیرو دوسری سمت سے بہ آسانی نکالی جا سکے گی۔

وسیع پنڈال سڑک اور دونوں پہلوؤں سے پوری طرح بند تھا۔ اس کا طول و عرض دیکھ کر میں حیران تھا کہ ڈیڑھ دو سو مہمانوں کے لیے اتنے رقبے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

چاؤفان جوں ہی سڑک پر آیا' مختلف سمتوں سے مرد اور عورتیں نمودار ہو کر اسے تعظیم دینے لگیں۔ بعض کا انداز بہت زیادہ بے تکلفانہ تھا مگر ان کی بے تکلفی میں بھی چاؤفان کی بالادستی کا اعتراف جھلک رہا تھا۔ وہ ان سب سے ہنستا بولتا' کسی کسی کے ساتھ دست درازی کرتا' ہمارے ساتھ بڑھتا رہا۔

کھانے کی دو گاڑیاں سڑک پر' پنڈال کے عقبی حصے کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دونوں جنریٹر کچھ فاصلے پر کھڑے کیے گئے تھے تاکہ ان کا شور محفل کے شرکا کی سماعت پر بوجھ نہ بنے۔ ایک جنریٹر چل رہا تھا۔ چاؤفان نے بتایا کہ اس کی کسی غیر متوقع خرابی کے اندیشے سے دوسرا جنریٹر تیار کیا گیا تھا تاکہ محفل میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو۔

اس ویران ساحلی علاقے میں نظر آنے والی لڑکیوں کے لباس اشتعال انگیز حد تک مختصر تھے اور وہ چلتے پھرتے ہوئے شوخی سے اپنے جسمانی خدوخال کو مزید واضح کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ جن لڑکیوں نے پورا لباس پہنا ہوا تھا انہوں نے بہ طور خاص یہ اہتمام کیا تھا کہ لباس ان کے بدن کے کسی زاویے کو شکنوں میں معدوم نہ کرنے پائے۔

ہم دونوں چاؤفان کی معیت میں پنڈال کے سرے پر پہنچ کر سڑک سے اترے تو قدموں میں ریت کی جگہ دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ قالینوں کی اس روش سے ہم سامنے پہنچے تو وسیع و عریض پنڈال کا وہ حصہ پورا کھلا ہوا تھا یعنی اس پارٹی کے شرکا اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے کھلے سمندر کا بھرپور نظارہ کر سکتے تھے۔

ریت میں گڑے ہوئے اونچے پائپوں پر سرچ لائٹوں کی پوری قطار لگی ہوئی تھی جس کا رخ سمندر کی جانب تھا۔ ان روشنیوں میں جھاگ اڑاتی اور پھر دم توڑتی ہوئی سمندری لہریں سفید و سیاہ رنگوں میں ہولناک شبیہیں بنا رہی تھیں۔

اس سمت میں پنڈال کے باہر تک قالین بچھے ہوئے تھے۔ اندر کا فرش بھی ان قالینوں سے مُرصّع تھا۔ پنڈال میں کوئی اسٹیج نہیں تھا۔ قناتوں کے ساتھ نیم دائرے کی صورت میں سجی سجائی میزیں اور آرام دہ کرسیاں بہت قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ درمیانی جگہ کو خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس خالی جگہ کی تین سمتوں میں میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ چوتھی سمت میں نہ جانے کیا کچھ جوڑ کر ایک بار کھڑا کر دیا گیا تھا جہاں مختصر لباسوں والی کئی لڑکیاں گلاس اور پیمانوں کو رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

چاؤفان ہمیں فخریہ انداز میں وہ سب دکھاتا اور بتاتا ہوا پنڈال میں لے گیا جہاں جوان' خوب رو اور بے باک تھائی لڑکیوں کا ایک پورا غول بے مقصد کاموں میں مصروف تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ ہم وہاں پہنچنے والے پہلے مہمان تھے۔

ڈان کو روایتی طور پر اس نیم دائرے کی وسطی میز پر بیٹھنا تھا۔ چاؤفان نے ہمیں اس کی قریبی میز پر بٹھانا چاہا لیکن میں نے دور کی ایک میز منتخب کر لی۔ ڈان کی نظروں سے دور رہ کر میں آسانی سے فرار کی راہ اختیار کر سکتا تھا۔

''تمہارا بندوبست بے مثال ہے۔'' میں نے اس کا دل بڑھانے کے لیے کہا ''کوئی من چلا پاکستانی یہ منظر دیکھ لے تو کراچی کا ساحل روز اسی طرح آباد ہونے لگے۔''

''سمندر کو آلودگی سے بچانے کے لیے یہاں ایسی پارٹیوں پر پابندی ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا ''یہ ڈان کا معاملہ ہے۔ اس لیے چھوٹ ملی ہوئی ہے۔ میں نے دل کھول کر ساری حسرتیں نکالی ہیں۔''

''خرچ بھی تم کو اٹھانا پڑے گا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اس کی پروا نہیں۔'' وہ بائیں آنکھ دبا کر مکاری سے بولا ''ماسٹر! یہ سرمایہ کاری ہے۔ چند دنوں میں ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک لوٹ آئیں گے۔ چھوٹا راجن اپنے باپ کا خزانہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ یہیں سے کما کر کروڑ پتی بنا تھا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ختم کرتے ہی وہ چونک کر پلٹا۔ بار پر کوئی اسے بلا رہا تھا۔ وہ ہم سے مزید کچھ کہے بغیر ادھر ہولیا۔

اس کے جاتے ہی ایک طرح دار لڑکی ہماری میز پر آ گئی۔ لباس کی مفلسی اس کے پورے وجود سے عیاں تھی۔ اس نے جھک کر بڑی ادا سے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے فریش لائم کی فرمایش کی تو اس نے حیرت سے یوں میری طرف دیکھا جیسے میں نے کوئی ناشائستہ بات کہہ دی ہو۔ وہ گئی اور چند لمحوں میں میرے مطلوبہ مشروب کے دو ٹھنڈے گلاس میز پر لے آئی۔

''یہ تقریب سمندر کی کھلی فضا میں نہ ہوتی تو میرے لیے یہاں بیٹھنا دشوار ہو جاتا۔'' غزالہ نے اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لے کر کہا ''لڑکیاں ابھی سے بے لگام ہو رہی ہیں۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ آپ کے سوا یہاں کوئی بھی اپنی بیوی کے ساتھ نہیں آئے گا۔''

''یہ تھائی شرفا کی معاشرت کا ایک رخ ہے۔ ان کا میزبان ایک ڈان ہے۔ وہ سب یہاں آ کر فخر محسوس کریں گے۔ عورت اور شراب کی کشش بے پناہ ہوتی ہے۔ اس گُر کو آزما کر اس قوم نے سیاحوں سے اربوں ڈالر بٹورے ہیں۔ ان کی اشرافیہ بھی اس لت میں مبتلا ہے۔''

تقریب گاہ کا بندوبست اس ڈھب سے کیا گیا تھا کہ پروگرام واضح تھا۔ بار اور میزوں کے درمیان چھوڑی ہوئی خالی جگہ یقینی طور پر رقاص جوڑوں کے لیے چھوڑی گئی تھی۔

ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے فریش لائم کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے رہے۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی۔ اس اثنا میں ایک شوخ و چنچل لڑکی مسکراتی ہوئی ہماری طرف آئی۔ اس نے توتلی انگریزی میں اپنا تعارف کراتے ہوئے انکشاف کیا کہ ہماری دیکھ بھال اس کے سپرد کی گئی تھی۔ مجھ سے اجازت لے کر وہ ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی شرارت سے چمکتی ہوئی روشن آنکھیں بار بار میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

اس کے براجمان ہوتے ہی ایک اسی لڑکیوں کا مصرف میری سمجھ میں آ گیا۔ ہر میز کے لیے ان میں سے ایک لڑکی مخصوص تھی۔ جو رہ جاتیں وہ اوپر کی بھاگ دوڑ میں لگی رہتیں۔ آنے والے باذوق مہمان بعد میں ان کا بھی کوئی نہ کوئی مصرف تلاش کر لیتے۔

ہمارے لیے فریش لائم لانے والی لڑکی انگریزی سے نابلد نظر آتی تھی۔ یہ چاؤفان کی مہربانی تھی کہ اسے انگریزی جاننے والی مختصر پوش سے بدل دیا گیا تھا۔

لڑکی باتیں کرنے کا فن جانتی تھی۔ وہ اپنی ادا دکھا کر بے تکلفی سے باتیں کرتی رہی۔ غزالہ نے اس سے جب یہ کہا کہ اس لمبی تقریب میں صرف واش رومز کی تھی لڑکی نے ہنستے ہوئے بتایا کہ مے نوش مہمانوں کی ضرورت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ سڑک پر جنریٹروں پہلے چار کارواں کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر کارواں میں جملہ سہولیات سے آراستہ تین تین واش روم بنے ہوئے تھے۔ میں نے چاؤفان کے ساتھ ادھر آتے ہوئے کارواں دیکھے تھے۔ لڑکی نے ان کا مصرف بھی واضح کر دیا۔

پنڈال میں لگے ہوئے طاقت ور اسپیکرز پر اچانک دھیمی مغربی موسیقی گونجنی شروع ہو گئی۔ موسیقی کی لے پر لڑکی کے ہاتھ پیر تھرکنے لگے۔

میز کے نیچے یکایک اس لڑکی کے گھٹنے میرے گھٹنوں سے ٹکرائے۔ میں نے سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ پُرشوق انداز میں میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ میرے اضطراری ردِعمل سے غزالہ کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ اس نے لمحے بھر کے لیے اشتباہ آمیز نظروں سے لڑکی کو گھورا پھر اس کے شانے پر ہلکی سی تھپکی دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''تم بہت اچھی اور خوبصورت لڑکی ہو۔'' غزالہ نے سپاٹ لہجے میں کہا ''بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی ضروریات کے معاملے میں ہم دونوں خود کفیل ہیں۔ ہمارے درمیان کسی اور کی شمولیت کا امکان نہیں ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم خالی بیٹھنے کے بجائے گھومتی پھرتی رہو تاکہ ہم تخلیے میں یہاں کے رومانس انگیز ماحول سے کچھ فیض حاصل کر سکیں۔ جب بھی ضرورت ہوئی، ہم تمہیں بلا لیں گے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' لڑکی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کرسی چھوڑ دی ''یہ یاد رکھنا کہ اب میں تمہاری میزبان ہوں۔''

وہ ہوش ربا انداز میں لچکتی اور مٹکتی ہوئی بار کی طرف چل دی۔

''تم نے بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔'' میں نے غزالہ سے کہا ''وہ عذاب کی طرح ہمارے سروں پر مسلط ہو گئی تھی۔ اب اس کو بھی ذہن میں رکھنا پڑے گا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی ''میں نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اس لیے وہ جھٹ سے چل دی۔ میں نے آپ دونوں کے درمیان اپنے پیر پھیلائے ہوئے تھے۔''

''بیوی ہر حال میں بیوی ہوتی ہے۔ شوہر کے معاملے میں اس کا ریڈار بہت مستعدی سے کام کرتا ہے۔'' میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اسی طرح ہمارے سروں پر مسلط رہی تو ایک بجے کیا ہوگا۔ مجھے یہ میزبانی سے زیادہ نگرانی نظر آ رہی ہے۔''

''وہ شوقین اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ اسے اکسا کر اتنی پلا دیں کہ وہ مدہوش ہو جائے۔ اس صورت میں ہم خاموشی سے نکل سکیں گے۔'' اس نے میرے ذہن میں کلبلانے والی تجویز کو بلا توقف الفاظ کا جامہ پہنا دیا ''مجھے اس مسئلے کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں اس کی چوری پکڑنے کے بجائے اس کی حرکتوں کو نظر انداز کر دیتی' اب آپ کو اسے بہلانا ہوگا۔''

وہاں کھلا بار لگا ہوا تھا۔ کئی لڑکے لڑکیاں اس کے آس پاس منڈلا رہے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی کو کچھ پیتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ شاید انہیں صرف اپنے مہمانوں کے ساتھ پینے کی اجازت دی گئی تھی۔ وہ احتیاط نہ کی گئی ہوتی تو مدعوئین کی آمد سے پہلے چاؤفان کا سارا عملہ کیف و سرور کی اجنبی دنیاؤں کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہوتا۔

آٹھ بجے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے دو سفید فام مرد آئے جو اپنے اطوار سے امریکی معلوم ہو رہے تھے۔ چاؤفان باہر سے انہیں اپنے ساتھ پنڈال میں لایا۔ وہ ان دونوں کے سامنے جس انداز سے بچھا جا رہا تھا' اس سے مجھے گمان ہوا کہ ان میں سے ایک کرنل گیری ہوگا۔ میرے شبہے کو اس بات سے بھی تقویت ملی کہ چاؤفان نے انہیں مرکزی میز کے قریب بٹھایا تھا۔

ان دونوں کے بیٹھنے سے پہلے دو لڑکیاں لپک کر اس میز پر پہنچ گئیں۔ چاؤفان نے ان کی طرف اشارے کر کے کچھ کلمات ادا کیے اور امریکیوں نے بڑی ڈھٹائی سے ان لڑکیوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر انہیں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

چاؤفان دوبارہ باہر چلا گیا۔ اس نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔

میں کن انکھیوں سے امریکیوں کی میز کا جائزہ لیتا رہا۔ لڑکیوں کے اشارے پر ایک تیسری لڑکی نے بار سے مے نوشی کے لوازم ایک ٹرے میں سمیٹ کر ان کی میز پر سجا دیے تھے۔ ذرا سی دیر میں وہ چاروں اپنے پیمانے ایک دوسرے سے ٹکرا کر مے نوشی کا آغاز کر چکے تھے۔

اگلی کھیپ میں کئی مہمان ایک ساتھ پنڈال میں آئے۔ اس بار چاؤفان ان کے ساتھ نہیں تھا۔ لمحہ بھر کے بعد اس کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ مہمان تیزی سے آ رہے تھے۔ ان کے استقبال کے لیے چاؤفان باہر رکا ہوا تھا۔ مہمانوں کو ان کی نشستوں تک پہنچانے کی ذمے داری لڑکیوں نے سنبھال لی تھی۔

اس وقت تک غزالہ کی پیش گوئی درست ثابت ہو رہی تھی۔ آنے والوں میں کسی خاتون کا وجود نہیں تھا۔

ہماری میز بان اِدھر اُدھر سے بھٹکتی ہوئی ہمارے قریب آئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''اجازت ہو تو میں تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں؟''

میں نے فوراً اسے اجازت دے دی۔ ہم مہمانوں کے ناموں اور مراتب سے بے خبر تھے۔ وہ دور سے ہمیں ان کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی آزردگی سے بتایا کہ رفتہ رفتہ سب لڑکیاں آنے والوں کے ساتھ مصروف ہوتی جا رہی تھیں۔ اسے ہمارے رویے کی وجہ سے اپنی ہم جولیوں میں سبکی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چاؤفان نے اسے ہماری خدمت پر مامور کیا تھا اس لیے وہ کسی اور مہمان کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح پنڈال میں بھٹکتے ہوئے اسے دوسری لڑکیوں کے طنز اور آوازوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

میں نے اسے اپنی میز پر شراب نوشی کی اجازت دی تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ایک لڑکی کی ٹرے سے اسکاچ کا لارج پیگ اٹھا لیا۔

''یہاں بیٹھ کر جو چاہو کرتی رہو لیکن میز پوش کی آڑ میں اپنی ٹانگوں پر ذرا قابو رکھنا۔'' غزالہ نے وضاحت کی ''گڑبڑ کی تو میں دوبارہ اٹھا دوں گی۔''

وہ غزالہ کی براہِ راست الزام تراشی کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ بوکھلاہٹ میں اس نے تیز اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ اپنے حلق سے اتار لیا۔

''ہمیں یہاں آنے والوں کے بارے میں بتاتی رہو۔ ہم تمہارے شہر میں نئے وارد ہوئے ہیں۔'' میں نے اس لڑکی کو خفت سے بچاتے ہوئے اپنا مدعا بھی بیان کر دیا۔

اس وقت تک دس بارہ افراد وہاں آ چکے تھے۔ ان میں سے بیشتر ایک دوسرے سے یوں گھلے ملے ہوئے تھے جیسے ان میں پرانی شناسائی رہی ہو۔

گومی نامی وہ لڑکی ان سب لوگوں سے واقف نہیں تھی۔ جنہیں جانتی تھی' ان کے بارے میں دھیرے دھیرے ہمیں بتانا شروع کر دیا۔

سفید فاموں کے بارے میں اس نے میرے اندازے کی تائید کر دی۔ پختہ عمر والا امریکی کرنل گیری تھا۔ اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوجوان ساتھی کیپٹن کک تھا۔ وہ دونوں شہر کی رنگین مزاج خواتین میں بے حد مقبول تھے۔ عورت اور شراب کی کسی بھی ضیافت سے انکار ان کے مسلک میں شامل نہیں تھا۔

مقامیوں میں سب ہی معروف چہرے تھے۔ تجارت' صنعت' بنکاری' وزارت اور دیگر سرکاری شعبوں کے کلیدی عہدے دار اور شہری وہاں چلے آ رہے تھے۔ ان میں بنکاک کا پولیس کمشنر بھی شامل تھا جو پہلے راجن کا نمک خوار ہوا کرتا تھا۔

کچھ لوگ ڈان کے لیے پھول اور تحائف لے کر آئے تھے جو مرکزی میز کے قریب قرینے سے قالین پر سجا دیے گئے تھے۔

پونے نو بجے آنے والوں میں تھائی لینڈ کے دو امیر ترین افراد نمایاں تھے۔ ان کی آمد پر موسیقی روک کر تھائی زبان میں کچھ اعلان کیا گیا۔ اعلان ختم ہوتے ہی تالیوں کی زبردست گونج میں موسیقی کا سلسلہ دوبارہ چل پڑا۔

گومی نے بتایا کہ ان میں سے ایک نے ڈان کے لیے مرسیڈیز سکس ہنڈریڈ کی چابی پیش کی تھی' دوسرے نے ڈان کے رفاہی کاموں کے لیے دس لاکھ بھات کا چیک دیا تھا۔

ان غیر معمولی نذرانوں کا ذکر سن کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ دنیا جانتی تھی کہ ڈان کا رفاہی کاموں سے دور کا بھی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف اپنے حاشیہ برداروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا اور وہ سب شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف سے اپنے کاروبار اور جان و مال کے تحفظ کے لیے پیشگی ادا کیا جانے والا تاوان تھا جسے تحفے کا نام دے دیا گیا۔ ان دونوں نے ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے پورے اجتماع کے سامنے تحائف پیش کر کے سب کو بتا دیا تھا کہ وہ ڈان کو اس کا حصہ دے رہے ہیں' اس کے بعد ڈان یا اس کے آدمیوں کو ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کا حق نہیں تھا۔

میں پڑھتا اور فلموں میں دیکھتا رہا تھا کہ ڈان گلے تک جرم و گناہ کی دلدل میں غرق ہونے کے باوجود کس طرح سوسائٹی میں معصوم اور معزز بن کر زندگی گزارتے ہیں۔ ان کے ستم کا شکار ہونے والے کس طرح ان ہی کے پاس اپنی فریاد لے کر آتے ہیں۔ اس اجتماع میں' میں وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مجھے بے اختیار چاؤفان کے الفاظ یاد آ گئے۔ اس نے ڈان کی دعوت عیش و طرب کو سرمایہ کاری کا نام دے کر یہ توقع ظاہر کی تھی کہ ایک کے سو بلکہ ہزار یا لاکھ تک مل سکتے ہیں۔ اس کی توقع پوری ہو رہی تھی۔ اسے کچھ دینا یا نہ دینا ڈان کی صوابدید پر منحصر تھا۔

پنڈال کی تقریباً ساری میزیں آباد ہو چکی تھیں۔ ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا۔ زندگی کی رونقیں اور رعنائیاں اپنے جوبن پر آتی جا رہی تھیں۔ جام و سبو لیے ہوئے لڑکیاں پھرکیوں کی طرح پورے پنڈال میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ مترنم اور رسیلے قہقہے' کبھی جلی آوازیں اور کبھی کبھی کہیں سے ابھرنے والی تحیر زدہ سریلی چیخ خلیج سیام کے اس ساحلی گوشے کو خوابناک آرزوؤں کے ایک جوالا مکھی میں تبدیل کرتی جا رہی تھیں۔

نو بجے یکایک موسیقی تھم گئی۔ ساؤنڈ سسٹم پر ڈان کی آمد کا اعلان ہوا اور پنڈال میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ سب کی نگاہیں ساحل کی طرف تھیں جدھر سے گھوم کر ڈان کو پنڈال میں آنا تھا۔

ڈان کے نمودار ہوتے ہی سب لوگ کرسیاں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ پنڈال تالیوں کے شور سے گونجنے لگا۔ ڈان نفیس تراش کے سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیص میں بہت وجیہ اور باوقار نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ وہ چاروں موٹے بھی تھے جو دن رات سیکرز بار کی اوپری منزل پر مفت کی کھا کر پل رہے تھے۔ وہ بھی سوٹ پہنے ہوئے تھے مگر ان کے شانوں سے خودکار رائفلیں اور ان کے میگزین جھول رہے تھے۔ وہ چاروں ڈان کے دائیں بائیں تھے' اس کے پیچھے چاؤفان کسی روبوٹ کی طرح اکڑ کر چل رہا تھا۔

پنڈال کے سرے پر رک کر ڈان نے مہمانوں کی طرف ہاتھ لہرا کر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تالیوں کی گونج دھیمی ہوتے ہوتے معدوم ہو گئی۔ چند لمحوں میں سب مہمان اپنی جگہوں پر بیٹھ چکے تھے مگر ان کی نگاہیں ڈان کی مسحور کن شخصیت پر مرکوز تھیں۔

ڈان نے ہاتھ ہلا کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ پانچوں وہاں سے واپس ہو لیے۔ ڈان بائیں طرف پہلی میز پر بیٹھے ہوئے مہمانوں کی طرف بڑھ گیا۔ ڈان کی وہ حرکت سب کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس میز کے گرد بیٹھے ہوئے چھ نفوس گھبرا کر اٹھے۔ وہ تین مرد اور تین میزبان لڑکیاں تھیں۔ ڈان نے وہاں رک کر سب سے باری باری ہاتھ ملایا' کچھ باتیں کیں اور دوسری میز کی طرف ہو لیا۔

''اوہ..... ڈان یہاں بھی آئے گا..... میں کیا کروں؟'' گومی بوکھلا کر بولی۔

''سکون سے بیٹھی رہو' وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا۔'' میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سرد لہجے میں کہا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا اور ایک گھونٹ میں اپنا بقیہ گلاس خالی کر ڈالا۔

ہر میز پر لوگوں سے فرداً فرداً ملنے کے بعد وہ ہماری میز پر آیا تو پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا ''علی! تم مجھ سے اتنی دور کیوں بیٹھے ہو؟''

''ڈان! میری عورت ذرا شرمیلی ہے۔'' میں نے اسے خوش کرنے کے لیے غزالہ کے لیے دانستہ عورت کا لفظ استعمال کیا ''بھیڑ بھاڑ سے گھبراتی ہے۔ تمہاری میز کے قریب بہت سے لوگ ہوں گے.....''

''خوب صورت عورتیں شرمیلی ہوتی ہیں۔'' ڈان نے مربیانہ ہنسی کے ساتھ غزالہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بہت نرمی سے مصافحہ کر کے چھوڑ دیا۔

''علی خوش نصیب ہے کہ اسے تم جیسی حسین بیوی ملی ہے۔'' ڈان کے ان الفاظ پر غزالہ کا چہرہ حیا سے تمتما اٹھا۔ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی غیر مرد کی زبان سے اپنی اتنی بے باکانہ تعریف سنی تھی۔ ڈان اس کے ردِعمل سے بے پروا ہو کر کہتا رہا ''عورت اچھی نہ ملے تو مرد کی زندگی جہنم ہو جاتی ہے۔ تم دونوں میرے پیارے ہو' تمہارا مستقبل بہت تابناک ہوگا۔''

ڈان کے الفاظ میں طنز یا تضحیک کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔ غزالہ نے سر جھکا کر خاموشی سے ڈان کی باتیں سن لیں' زبان سے کچھ نہ بولی۔

''میرے قریب بیٹھتے تو میں تمہیں بہت کام کے لوگوں سے ملواتا۔'' ڈان میری طرف متوجہ ہو گیا ''یہ موقع بار بار نہیں آئے گا۔ میں سب سے مل لوں تو میرے پاس آنا۔ میں تمہیں کرنل گیری سے ملواؤں گا۔ وہ اتنا برا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔''

ڈان کے مزاج میں عجیب شاہانہ بے نیازی تھی۔ اپنی بات کہہ کر اس نے میرا جواب سننے کی ضرورت نہیں سمجھی' گومی سے رسمی انداز میں ہاتھ ملا کر اگلی میز کی طرف چلا گیا۔

جب تک ڈان اپنے مہمانوں سے ان کی میزوں پر ملتا رہا' سروس معطل رہی۔ ساری لڑکیاں سمٹ کر بار کے قریب جمع ہو گئیں۔ جوں ہی ڈان اپنی وسطی میز پر پہنچا' ساغر و مینا ایک مرتبہ پھر گردش میں آ گئے۔ اس بار سروس بہت تیز اور مستعد نظر آ رہی تھی۔ شاید لوگوں کی مے نوشی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ بنکاک میں ہمارے قیام کے آخری چند گھنٹے تھے۔ اس وقت ڈان سے کوئی بگاڑ مول لینا حماقت کے مترادف ہوتا۔ میں نے غزالہ اور گومی کو ہر حال میں اسی جگہ بیٹھے رہنے کی ہدایت کی اور خود ڈان کی طرف چل دیا۔

ڈان کی میز بڑی تھی۔ اس کے گرد کئی خوشامدی جمع تھے جن میں پولیس کمشنر پیش پیش تھا۔ گیری' ڈان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈان نے پُرتپاک انداز میں گیری سے کہا ''لو' میں ابھی ذکر کر رہا تھا' علی آ گیا۔ بہت شیر دل سورما ہے یہ میرا۔''

گیری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ایک لڑکی نے اسی لمحے میرے لیے جگہ خالی کر دی۔ ڈان کے اشارے پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔

''ابھی ڈان تمہاری دلیری اور تمہاری بیوی کے حسن کی تعریف کر رہا تھا۔'' گیری ہنستے ہوئے بولا۔

''میں اپنی بیوی کو یوں موضوعِ سخن بنانا پسند نہیں کرتا۔'' میں نے گیری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''جہاں تک میری دلیری کا تعلق ہے تو میں صرف ڈان کے حکم پر عمل کرتا ہوں۔ ڈوریاں ڈان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرنا ڈان کی خوبی ہے۔''

ڈان نے پسندیدگی کے اظہار میں اپنا سر ہلایا اور بولا ''دلیری اور وفاداری..... یہ دو خوبیاں بہت کم لوگوں میں یکجا ہو پاتی ہیں۔ علی ان کا مرقع ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ڈان نے دوسروں کو آنکھ کا اشارہ کیا۔ اسی لمحے میز خالی ہو گئی۔ وہاں صرف تین نفوس رہ گئے۔ گیری' ڈان اور میں۔

''علی پاکستانی ہے۔'' اس بار ڈان نے ذرا دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی ''یہ واپس جانا چاہتا ہے مگر میں نے اسے روکا ہوا ہے۔ تم اس سے کیا پوچھنا چاہ رہے تھے؟''

''پاکستان کے حوالے سے آج کل ہمارے ذہنوں میں صرف ایک نام آتا ہے..... کیا تم ڈینی کو جانتے ہو؟'' گیری نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''صرف نام سنا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''راجن ذہین آدمی تھا!'' گیری نے یکایک ڈان کی طرف متوجہ ہو کر تائید طلب لہجے میں کہا۔

''الّو کا پٹھا تھا۔'' ڈان نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا ''ذہین ہوتا تو یوں کتے کی موت نہ مارا جاتا۔''

گیری نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا ''اس کا اصرار تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے اور اس کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس نے بھارتی انڈر ورلڈ کے پانچ بڑوں کو یہاں بلایا تھا۔ کل منٹھار سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ راجن نے اکبر نامی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کسی گواہ کو ان پانچوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس سے باز پرس کی نوبت آنے سے پہلے موتی محل پر باہر سے خوفناک حملہ ہوگیا اور سب کو بھاگنا پڑا.....''

''سب بکواس ہے۔'' ڈان نے بیزاری سے اس کی بات کاٹ دی ''پتا نہیں تم لوگ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہے ہو۔ وہ ڈینی فوبیا میں مبتلا تھا۔ میں نے خود چھان بین کی ہے۔ کراچی میں دو آدمی پکڑے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈینی ہے۔ چھوٹا راجن کو ہر جگہ وہ نظر آ رہا تھا۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ موتی محل پر وہ حملہ میرے آدمیوں نے کیا تھا۔''

میری جان میں جان آئی کہ ڈان نے برہم ہوکر مجھے ایک کڑی آزمائش سے بچالیا۔

''یہ سب مجھے معلوم ہے۔'' گیری بولا ''ان پانچ بڑوں کی یہ رائے ہے اور میں اس سے متفق ہوں کہ ڈینی یہاں نہیں آیا۔ راجن کے اعصاب پر اس کی دہشت سوار تھی۔''

''پھر اس خبیث کا ذکر کیوں کر رہے ہو؟''

''میں علی کو صورتِ حال سمجھا رہا تھا تاکہ یہ بھی اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرے کہ ایک آدمی بہ یک وقت دو دور دراز شہروں میں کیسے ہوسکتا ہے؟''

''گیری! یوں وقت برباد کرنا ہے تو یہ معما بھی حل کرو کہ پانی میں آگ کیسے لگ سکتی ہے؟ بھینس انڈے کیسے دے گی..... ناممکنات کے بارے میں سوچنا وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔'' ڈان کا موڈ بدستور خراب تھا۔ اسی لہجے میں وہ مجھ سے مخاطب ہوکر بولا ''تم اپنی میز پر جاؤ' جوڑے فلور پر آرہے ہیں۔ لوگ تمہاری بیوی کے ساتھ بھی رقص کرنا چاہیں گے' تمہاری موجودگی میں کوئی اس میز کا رخ نہیں کرے گا۔''

وہ ڈان کی نہایت ہمدردانہ ہدایت تھی۔ میں پلٹا تو موسیقی کی دُھن پر متعدد جوڑے پنڈال کی خالی جگہ پر تھرک رہے تھے۔ ہر مرد نے اپنی شریکِ رقص کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

میں اپنی میز کی طرف چلا تو وہاں ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ غزالہ کے بشرے کی ترشی مجھے دور سے نظر آ گئی۔ غنیمت یہ ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ شخص ساقی گری کرنے والی ایک لڑکی کا ہاتھ تھام کر رقاصوں کی بھیڑ میں شامل ہوگیا۔

میری عدم موجودگی میں تین افراد غزالہ کے پاس آچکے تھے۔ اس نے اردو میں کہا کہ وہ انہیں ایسا نچاتی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجاتا لیکن مصلحت سے کام لے کر وہ معذرت پر اکتفا کرتی رہی۔

پتا نہیں پہل کس نے کی تھی' رفتہ رفتہ ساری میزیں خالی ہوگئیں۔ ہر مرد کسی نہ کسی لڑکی کو اپنی بانہوں میں سمیٹے قالین پر موجود تھا۔ ڈان بھی اٹھ کر اس بھیڑ میں شامل ہوچکا تھا۔ سرد کرنے والی لڑکیاں کسی نہ کسی کے ساتھ ناچ میں شامل ہوگئی تھیں۔

میں غزالہ کو ساتھ لے کر ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ گومی اپنے گلاس سمیت ہمارے ساتھ تھی۔

وہ کوئی باقاعدہ رقص نہیں تھا۔ سب اوندھے سیدھے پیر چلا رہے تھے۔ جوڑوں کی حرکات وسکنات میں کوئی تسلسل تھا نہ ہم آہنگی۔ سب اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق ہل جل رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بے ہنگم رقص صرف صنفِ نازک سے قرب کا ایک بہانہ تھا۔

لوگ رقص کے دوران میں بھی مے نوشی میں مصروف تھے۔ کئی جوڑے قالین پر ہلکورے لیتے ہوئے خاموشی سے ریتیلے ساحل کی طرف نکل گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ چاؤفان نے میزبان لڑکیوں کی تعداد کم بتائی تھی۔

اس وقت مجھے گیری کا ساتھی نظر آیا۔ وہ ایک میز پر کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا جام دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھاما ہوا تھا اور میز پر آگے جھک کر کچھ بول رہا تھا۔ جب میں ڈان سے ملنے کے لیے گیا تب بھی وہ وہیں نظر آیا تھا۔ دور سے محسوس ہو رہا تھا کہ بسیار نوشی کی وجہ سے وہ خاصے نشے میں تھا۔ گیری کی جگہ خالی تھی۔

وہ محفل پونے گیارہ بجے تک یوں ہی چلتی رہی۔ جوڑے تھک کر میزوں پر آئے اور دوبارہ رقص میں شریک ہوتے رہے۔ آخر کار ساؤنڈ سسٹم پر دھیمی موسیقی کے دوران میں کھانے کا اعلان ہوا اور رفتہ رفتہ ویران میزیں ایک مرتبہ پھر آباد ہونے لگیں۔

ٹھیک گیارہ بجے پنڈال اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ بھانت بھانت کے گرم کھانوں کی قابیں اٹھائے لڑکیاں میزوں کے درمیان چکراتی پھر رہی تھیں۔ مجھے ہوٹل میں قیام کے دوران میں تجربہ ہوچکا تھا کہ سچے تھائی باشندے سمندری پیداوار میں گھاس سے مگر مچھ تک نہیں چھوڑتے۔ یہی حال خشکی پر پائے جانے والے جانوروں کا تھا۔ ان میں سبزی خور وقت کے ساتھ عنقا ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے گومی کو واضح طور پر بتادیا کہ ہم مچھلی اور مرغی کے سوا کچھ استعمال نہیں کریں گے۔ اس کی ہدایت پر ہمارے لیے پسندیدہ ڈشیں فراہم کردی گئیں۔ گومی نے اپنے لیے عجیب وغریب سوپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے بعد سانپ کا سالن منگوایا تھا۔

جب تک میزوں پر کھانا فراہم کیا جاتا رہا' پنڈال میں ہلچل رہی۔ میدان صاف ہوتے ہی سامنے سے رقاص لڑکیوں کی ایک قطار اندر آئی اور انہوں نے پیشہ ورانہ انداز میں خوب صورت رقص پیش کرنا شروع کر دیا۔ مسئلہ صرف اتنا تھا کہ ان لڑکیوں نے جو کچھ زیب تن کیا ہوا تھا' اس پر لباس کا نام ایک تہمت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کچھ آرائشی چیتھڑے ضرور کہے جا سکتے تھے جن پر بلاسبب نگاہیں مرکوز ہو رہی تھیں۔

کھانے کا دور توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔ اس دوران میں گیری کہیں سے بھٹکتا ہوا ہماری میز کی طرف آ نکلا۔ اس نے اپنی بھری ہوئی پلیٹ ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔

اس نے اپنی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر میرے سامنے ڈالا اور جھک کر میرے کان میں سرگوشیانہ لہجے میں بولا ''یہاں بات نہیں ہو سکی' میں ایک بجے نکل جاؤں گا۔ ایک دو روز میں وقت نکال کر مجھے فون ضرور کرنا' تم سے اہم باتیں کرنی ہیں۔''

اس کے دہانے سے آنے والی الکحل اور کھانوں کی ملی جلی بو بہت ناگوار لگ رہی تھی مگر اس کے سنسنی خیز پیغام نے مجھے وہ بدبو برداشت کرنے پر مجبور کر دیا۔

مجھے کب بنکاک میں رکنا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور وہ آگے چل دیا۔

اس نے ایک بجے اپنی روانگی کا پروگرام بتا کر مجھے پریشان کر دیا۔ وہی ہماری روانگی کا طے شدہ وقت تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ مدہوشوں کی اس محفل میں ایک بجے تک کسی کو دوسروں کی سدھ بدھ نہیں رہے گی۔ لیکن روانگی کے وقت پارکنگ لاٹ میں گیری سے ہماری مڈبھیڑ ہو جاتی تو بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ ہمیں ڈیڑھ اور دو بجے کے درمیان ویرا اور سلطان شاہ کو بھی اپنے ساتھ لینا تھا۔ وہ ڈیڑھ بجے مقررہ مقام پر ہمارا انتظار کرتے۔ ہماری طرف سے زیادہ تاخیر کے نتیجے میں وہ دونوں کسی سنگین مسئلے سے دوچار ہو سکتے تھے۔

کھانے کے بعد رنگِ محفل بدل گیا۔ تکلفات کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں۔ بنے سنورے لباس جسموں پر ڈھلکے ہوئے نظر آنے لگے۔ ناچنے والی پیشہ ور لڑکیاں دھیمے اور خوبصورت رقص سے ہیجان انگیز ناچ پر مائل ہو گئیں۔ مرد انہیں دیکھ کر بے پروایانہ انداز میں فقرے چست کر رہے تھے۔ ایک آدھ اٹھ کر ان کے درمیان پہنچا ہوا تھا۔

بنکاک کے نام نہاد شرفا کا وہ اجتماع ماحول اور روتیوں کے لحاظ سے بازاری لفنگوں کے اجتماع کا منظر پیش کرنے لگا۔

غزالہ کے لیے وہ بہت تکلیف دہ تجربہ تھا۔ اس نے کبھی مردوں کے اتنے بڑے غول کو خود فراموشی میں مبتلا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنی زبان پر کوئی حرفِ شکایت لائے بغیر' خندہ پیشانی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ اسے معلوم تھا کہ ذہنی کوفت کے اس مرحلے کے بعد ہمیں ڈان کی غیر علانیہ قید سے آخر کار رہائی ملنے والی تھی۔

چاؤفان گا ہے گا ہے پنڈال میں نظر آ رہا تھا۔ جب سے ڈان وہاں پہنچا تھا' وہ زیادہ تر اسی کے آس پاس منڈلاتا رہا۔ بھول کر بھی اس نے ہمارا رخ نہیں کیا۔

گومی کھانے کے بعد بھی ندیدے پن سے پیتی رہی۔ نشے کے باعث اس کی زبان پر لکنت طاری ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی کہنیاں میز پر ٹکائیں اور دونوں ہتھیلیوں میں سر تھام کر کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ وہ ہمارے لیے بے ضرر ہو چکی تھی۔ اسے دنیا و مافیہا کا کچھ پتا نہیں تھا۔ ہم اٹھ کر چلے جاتے تو اسے کانوں کان علم نہ ہوتا کہ وہ میز پر اکیلی رہ گئی ہے۔

میرے ذہن میں خیال آیا کہ میں گومی کو کسی اور لڑکی کے حوالے کر دوں مگر اس خوف سے خاموش بیٹھا رہا کہ کہیں اس کی جگہ کوئی ہوش مند لڑکی ہمارے سروں پر مسلط نہ ہو جائے۔

میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بارہ بجے کے بعد میری گھڑی کی رفتا سست ہو گئی ہو۔

''گیری کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے؟'' غزالہ نے گومی پر ایک نظر ڈال کر پوچھا۔

''ہم دس منٹ کی تاخیر سے نکلیں گے۔'' میں نے اسے بتایا ''پنڈال سے نکل کر پہلے ہم واش روم جائیں گے۔ وہاں سے سڑک پر ٹہلتے ہوئے پارکنگ میں جا نکلیں گے۔ امید ہے کہ اس وقت تک وہ یہاں سے روانہ ہو چکا ہوگا۔''

میری نظریں گیری کی تلاش میں بار بار بھٹکتی رہیں۔ ایک بجنے سے چند منٹ پہلے مجھے بھیڑ میں اس کی صورت نظر آئی پھر وہ غائب ہو گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ پنڈال میں بھیڑ بڑھ گئی تھی۔ کھانا وغیرہ سرو کیا جا چکا تھا۔ مہمانوں اور میزبانوں کو صرف پینے اور ناچ گانے سے غرض رہ گئی تھی۔ ان کے وہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر بیرونی کاموں پر مامور عملہ بھی دھیرے دھیرے اندر گھس آیا تھا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تماش بینی کے ساتھ شرابوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

وہ ساحلی ویرانہ اتنا دور افتادہ تھا اور باہر موجود ساز و سامان اتنا محفوظ تھا کہ کسی کو چوری چکاری کا ڈر نہیں تھا۔ سب بے فکر ہو کر اس محفل کے مزے لوٹ رہے تھے۔

ایک بجے میں نے قریب سے گزرنے والی ایک لڑکی کی توجہ گومی کی طرف مبذول کرائی جو میز پر اپنا سر ٹکائے فرصت سے اونگھ رہی تھی۔

اس لڑکی نے فوری طور پر اپنے ایک ساتھی کو بلایا اور وہ دونوں گومی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اس کے قدموں پر زبردستی چلاتے ہوئے لے گئے۔ وہ حال صرف گومی کا نہیں' ناچ گانے کے شور شرابے میں اور بھی کئی مہمان اور میزبان اسی طرح بے سدھ نظر آ رہے تھے۔ انہیں کوئی نہیں چھیڑ رہا تھا۔ جو جس حال میں تھا' مست اور خوش تھا۔

ایک بج کر دس منٹ پر میں نے غزالہ کو اشارہ کیا اور ہم دونوں نے سرسری انداز میں کرسیاں چھوڑ دیں۔ میں نے عقابی نظروں سے پنڈال کا جائزہ لیا تو ڈان مہمانوں کی بھیڑ میں گھرا ہوا تھا۔ کئی رقاص لڑکیاں اس کی میز کے سامنے مرغِ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر عجیب انداز میں ناچ رہی تھیں۔ اس ہجوم میں گیری کا پتا تھا نہ چاؤفان کہیں نظر آ رہا تھا۔

ہم پنڈال کی بغل میں بچھے ہوئے قالینوں پر سے گزرتے ہوئے روشن سڑک پر آ گئے جہاں دور تک سناٹے کا راج تھا۔ کیٹرنگ کا عملہ بھی اپنی گاڑیوں کو مقفل کر کے شاید اندر پہنچا ہوا تھا۔

آگے لمبا سفر درپیش تھا۔ میں مثانے کا دباؤ ہلکا کرنے کے لیے ایک کارواں میں داخل ہوا تو مجھ پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔

کاروان کی پتلی سی راہ داری میں ایک قطار سے سات واش روم بنے ہوئے تھے جن میں سے بیشتر آباد تھے۔ اندر کی محدود فضا میں گونجنے والی دھیمی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ اس بندوبست کو خلوت کدے کے طور پر مصرف میں لا رہے تھے۔

میں ایک خالی باتھ روم میں گھسا تو اس کی عمدہ بناوٹ کسی طیارے کے باتھ روم سے مشابہ نظر آئی۔ وہاں غسل کے سوا تمام حوائجِ ضروریہ کا اہتمام موجود تھا۔ غزالہ کاروان کے باہر کھڑی میرا انتظار کر رہی تھی' میں عجلت میں باہر آ گیا۔ میری دانست میں یہ اچھا ہی ہوا کہ غزالہ نے میرے ساتھ کارواں میں داخل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا۔

ہم ویران سڑک پر چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ فضا ملے جلے انسانی شور اور موسیقی سے گونج رہی تھی۔ اس ساحلی ویرانے میں رات گہری ہونے کے ساتھ محفل پر رنگ آتا جا رہا تھا۔ ہمیں پارکنگ لاٹ تک کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔

ہم قناتوں کے ساتھ پارکنگ لاٹ کے اس حصے میں اتر گئے جو نسبتاً اندھیرے میں تھا۔

وہاں کسی کی مداخلت کا امکان نہیں تھا پھر بھی ہم بہت محتاط انداز میں بڑھتے ہوئے سیاہ پجیرو تک پہنچے۔ اگلے چند ثانیوں میں ہم گاڑی میں موجود تھے۔

انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہو گئیں۔ مجھے توقع تھی کہ انجن چلنے کی آواز ساؤنڈ سسٹم سے ابلنے والے شور میں دب جائے گی۔ یہی ہوا' ہم گاڑی میں سست روی سے سڑک پر نکل آئے۔ میں نے اس وقت تک ہیڈ لیمپس روشن نہیں کیے تھے۔

گاڑی کا انجن طاقت ور اور کم آواز تھا۔ ہم سبک رفتاری کے ساتھ پنڈال کی عقبی سڑک سے گزرتے چلے گئے۔ دور تک پھیلی ہوئی روشنی میں دوسرے کارواں کے قریب ہمیں ایک نفس گزیدہ جوڑا نظر آیا جو اپنی دُھن میں مگن تھا۔ میں نے پجیرو کی رفتار بڑھانے کے ساتھ ہیڈ لیمپس روشن کر دیے۔

''اللہ کا شکر ہے کہ اس حیوانی جنگل سے صحیح سلامت نکل آئے۔'' غزالہ نے فرطِ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''اب آگے ہمارا مقدر ہوگا۔''

''جلدی سے گاڑی میں موجود سامان کا جائزہ لے ڈالو۔ نقشہ ملنا بہت ضروری ہے۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

اگلے پائیدانوں میں کچھ نہیں تھا۔ غزالہ کسی بندر کی سی پھرتی سے پیچھے کود گئی اور وہاں اسے پائیدان میں رکھا ہوا بیگ مل گیا۔ جو ایک بڑی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔

تھیلے میں نقشے کے ساتھ سفری ضروریات کا سامان اور فاضل میگزین کے ساتھ ایک چھوٹی خودکار رائفل بھی موجود تھی۔

میں غزالہ سے وہ تفصیل سن رہا تھا کہ مجھے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سڑک کے وسط میں ایک شخص اچھلتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ فضا میں لہرا کر ہمیں رکنے کے بے تابانہ اشارے کر رہا تھا۔

ہمارا درمیانی فاصلہ بہت تیزی سے کم ہو رہا تھا۔ اگلے چند لمحوں میں گاڑی کی تیز روشنی میں' میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بلاشبہ کرنل گیری تھا۔ اس کی گاڑی سڑک کے کنارے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیک پر ایک طرف سے اٹھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔
''یہ یہاں کیا کر رہا ہے.....'' میں نے تشویش زدہ آواز میں کہا۔
''وہ راستے سے نہ ہٹے تو اسے کچلتے ہوئے آگے نکل جائیں۔'' غزالہ خوف زدہ بلکہ ہذیانی سی آواز میں بولی۔ وہ بیگ سنبھالے عقبی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے تبصرے سے پہلے وہ سڑک پر آئے ہوئے گیری کو دیکھ چکی تھی۔ اپنا جملہ پورا کرتے ہی وہ دوبارہ آگے آ گئی۔
میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ میرے پاس فیصلہ کرنے کے لیے چند سیکنڈ سے بھی کم وقت تھا۔ میں نے گیری کو نظر انداز کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن اس کا برا وقت آ گیا تھا۔ اس کی موت نے گاڑی میں کسی خرابی کی صورت میں اسے بری طرح گھیر لیا تھا۔
میں چاہتا تو کسی طرح اسے بچا کر تیزی سے آگے نکل سکتا تھا۔ اس تدبیر میں یہ خرابی تھی کہ وہ ہماری ایک جھلک دیکھ کر ہمیں پہچانتا یا نہ پہچانتا' اس امر کا گواہ ضرور بن جاتا کہ تقریب گاہ کی طرف سے سیاہ پجیرو واپس گئی تھی۔ اس کی گاڑی میں یقیناً کوئی ایسی خرابی رونما ہوئی تھی جو فوری طور پر دور ہونے والی نہیں تھی۔ وہ تقریب گاہ سے کئی میل دور لق و دق ویرانے میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ لامحالہ وہیں رک کر تقریب سے لوٹنے والی کسی اور گاڑی کا انتظار کرتا۔ وہ پہلی ملاقات میں ڈان کا چہیتا بن چکا تھا۔ ڈان کو اس کی پریشانی کا علم ہوتا تو وہ اس سے رابطہ کرتا اور سیاہ پجیرو کے بدداغ مالک کا ذکر سامنے آ جاتا۔ یوں ہمارے کبوڈیا پہنچنے سے پہلے پورے زور و شور سے اس گاڑی کی تلاش شروع ہو جاتی۔ معاملہ ایک اہم امریکی سفارت کار سے بداخلاقی کا ہوتا اس لیے شبہ یہ تھا کہ ملک گیر پیمانے پر کالی پجیرو کی تلاش کی مہم شروع ہو سکتی تھی۔
غزالہ کے مشورے کو روبہ کار لانے میں کئی پیچیدگیاں تھیں۔ دھیمی ٹکر سے گراں ڈیل گیری کو جہنم واصل کرنا ناممکن تھا۔ تیز رفتاری سے گاڑی ٹکرانے میں خدشہ تھا کہ گاڑی کے کسی حساس حصے کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ہمیں لمبا سفر درپیش تھا۔ میں ایسا سنگین خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔
سڑک پر ہاتھ لہراتے ہوئے کرنل گیری کی طرف گاڑی دوڑاتے ہوئے شاید میرے اندیشوں نے بدترین صورت اختیار کر لی تھی مگر اس وقت کی حقیقت یہ تھی کہ میرے ذہن نے پلک جھپکتے میں وہ تجزیہ کر کے گاڑی روکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
میں نے بریک لگا کر گیری سے چند میٹر کے فاصلے پر گاڑی روکی اور دروازہ کھول کر سڑک پر اتر گیا۔
''اوہ گاڈ! شکر ہے کہ تم آ گئے۔ میرا ہر حال میں اپنے دفتر پہنچنا ضروری ہے۔ دو بجے واشنگٹن سے میرے لیے ایک اہم ترین کال آنے والی ہے۔'' وہ اپنی پیشانی ملتے ہوئے تشکر آمیز لہجے میں بولا۔
''تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟'' میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
''یکایک پچھلے بریک جام ہو گئے۔ سڑک پر تیزی سے رگڑنے سے ایک ٹائر پھٹ چکا ہے۔ گاڑی جہنم میں جائے' تم مجھے شہر پہنچا دو..... میں نے آج ہی تم سے تخلیے میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی' اتفاق دیکھو کہ کن حالات میں یہ تخلیہ میسر آیا ہے۔''
وہ پجیرو کے پچھلے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ غزالہ پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر پھرتی سے نیچے آ گئی۔ ''تم یہاں بیٹھ جاؤ' میں پیچھے چلی جاتی ہوں۔''
غزالہ کی اس پیش کش میں اخلاق کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اسے چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے اس بیگ کی فکر لاحق ہو گئی تھی جو پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا تھا۔
گیری کو اس وقت غزالہ کے حسن کی ستائش کا دھیان نہیں آیا۔ اس نے بہت شائستگی سے اس کا شکریہ ادا کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔
''تم اکیلے ہو؟ کیپٹن کک کہاں رہ گیا؟'' میں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
''ڈان کی پارٹی زبردست ہے۔ کام نہ ہوتا تو میں بھی وہاں رکتا۔ یہ جوان افسر ذرا رنگین مزاج ہوتے ہیں۔ کک وہیں رک گیا۔ پارٹی ختم ہو گی تو کسی سے لفٹ لے کر لوٹ آئے گا۔''
چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ کے ساتھ ہماری اہم اشیا بھی اس وقت غزالہ کے پاس تھیں۔ ان میں ایک بھرا ہوا پستول بھی شامل تھا۔ اس لمحے مجھے افسوس ہوا کہ گیری تک پہنچنے سے پہلے میں نے غزالہ کو کوئی ہدایت کیوں نہ دی کہ ضرورت پیش آنے پر اسے کون سا ہتھیار استعمال کرنا ہو گا۔
بیم گن کے بارے میں جلال کی واضح تاکید غزالہ کے علم میں تھی لیکن اس وقت وہ بوکھلائی ہوئی تھی۔ اضطرار کے عالم میں غلطی بھی کر سکتی تھی۔
''مارنا ہے۔'' میں نے اردو میں کہا۔
''کیا کہا تم نے؟'' گیری نے چونک کر مجھ سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کک کے لیے اپنی مادری زبان میں شاندار متبادل لفظ استعمال کیا تھا۔'' میں نے زبردستی ہنستے ہوئے کہا ''تم کو ڈینی کے بارے میں تجسس تھا۔ قدرت کے کھیل بہت ہی نرالے ہوتے ہیں۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ اس وقت تم ڈینی کے ہم سفر ہو۔''

میرے آخری فقرے پر وہ ایک گالی بک کر بری طرح سیٹ میں اچھلا۔ اس سے پہلے کہ وہ میری ڈرائیونگ میں حارج ہوتا' غزالہ نے اس کی کنپٹی پر پستول سے فائر کر دیا۔

قریب کے فائر کے باوجود گولی اس کے دماغ میں پیوست ہو کر رہ گئی۔ اس کے جسم نے روح کو لرزا دینے والا ایک شدید جھٹکا لیا اور اس نے بیٹھے بیٹھے اسی لمحے دم توڑ دیا۔

وہ گیری سے قدرت کا انصاف تھا۔ میں اس سے کسی تصادم سے بچنے کی بھرپور کوششوں کے باوجود اسے راستے سے ہٹانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

''تم نے پستول استعمال کر کے زبردست عقل مندی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' میں نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کے کہا۔

''جلال نے بیم گن کو شجرِ ممنوعہ قرار نہ دے دیا ہوتا تو میں اسی کو آزماتی۔ اب اس لاش کو یہیں چلتی گاڑی سے لڑھکا دیں۔''

''مجھے خوشی ہے کہ آج تم نے بھی ایک ملک دشمن کو ٹھکانے لگا دیا۔ پارٹی سے لوٹنے والے سڑک پر اس کی لاش دیکھیں گے تو شہر میں ایک کہرام برپا ہو جائے گا۔ یہ انکشاف ہمارے حق میں نہیں ہوگا.....''

''گاڑی کو فوروہیل میں ڈال کر سڑک سے اتار دیں۔ ٹیلوں کے درمیان کسی کو کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر متبادل تجویز پیش کر دی۔

''ہمارے پیچھے پارٹی سے کوئی اور بھی لوٹ سکتا ہے۔ اس نے ہماری گاڑی کو کچے میں جاتے یا وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تو مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ گیری کی لاش کو چند روز تک غائب رہنا چاہیے تاکہ ہم کمبوڈیا میں سکون سے کوئی ٹھکانا تلاش کر سکیں۔ تم کو اندازہ نہیں ہے' گیری کا قتل ہر طرف ایک آگ سی لگا دے گا۔''

''ان ویران ٹیلوں کے پیچھے کون جائے گا۔ لاش وہیں گلتی سڑتی رہے گی۔'' وہ اپنی تجویز پر مصر رہی۔

''مردار خور پرندوں پر شاید کوئی توجہ نہ دے لیکن معاملہ امریکی افسر کا ہوگا۔ اس کی گاڑی سڑک پر ملے گی۔ وہ پورے علاقے کا فضائی جائزہ ضرور لیں گے اور لاش دریافت کر لیں گے۔''

''کیا آپ اسے اپنے ساتھ کمبوڈیا لے جانا چاہ رہے ہیں؟''

''چڑنے کی ضرورت نہیں۔ بنکاک سے نکلنے کے بعد اسے کسی نالے یا کنوئیں میں پھینک دیں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ابھی لاش گرم ہے' جوڑ نرم ہوں گے۔ اسے مار دیا ہے تو اتنی مہربانی اور کرو کہ اسے سیٹ سے پائیدان میں دھکیل دو۔''

''میں پہاڑ جیسا یہ بوجھ نہیں دھکیل سکوں گی۔'' وہ عجیب سے انداز میں منمنائی۔

''میں نے یہ کام کرنے کے لیے گاڑی روکی اور پیچھے سے کوئی سر پر پہنچ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ''ذرا سی ہمت سے کام لو' یہ اتنا بھاری نہیں ہے' جتنا نظر آ رہا ہے۔''

''آپ بات ہی نہیں سمجھتے۔'' وہ جھنجلا گئی ''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اب تم بہانہ کر رہی ہو۔ اچانک تمہاری طبیعت کو کیا ہو گیا؟'' میں نے ذرا ترشی سے سوال کیا۔ اس کے ہچکچانے پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔

''میں آپ کے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہی تھی۔ میری خواہش تھی کہ آپ ہر طرف سے بے فکر ہو کر اپنا کام کرتے رہیں۔ آپ ناراض ہو رہے ہیں تو سن لیں کہ میں آپ کی ہونے والی اولاد کے تحفظ کے لیے یہ احتیاط کر رہی ہوں۔''

غزالہ کے وہ الفاظ میرے لیے اس قدر خوشی کا سبب بنے کہ فرطِ مسرت سے چند لمحوں کے لیے میری زبان گنگ ہو گئی۔ دل چاہا کہ گاڑی روک کر والہانہ انداز میں غزالہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں۔ اس خبر کا مجھے ایک مدت سے انتظار تھا۔ اس تاخیر میں ہمارے کسی ارادے یا کوشش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس بارے میں ویرا اور سلمیٰ نے کئی بار ٹوکا لیکن میں نے ہمیشہ کوئی دوٹوک جواب دینے کے بجائے ایسا مبہم رویہ اختیار کیا کہ تمسخر و استہزا کرنے والوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہم دونوں جان بوجھ کر اس التوا کا سبب بن رہے ہیں۔

غزالہ نے وہ خبر اچانک اور مجبور ہو کر جس انداز میں سنائی' وہ میرے لیے بہت عجیب بلکہ خیال انگیز تھا۔ غزالہ خوب جانتی تھی کہ اسے ماں کے روپ میں دیکھنا میرا پرانا خواب تھا۔ اس بارے میں ہمارے درمیان دیر تک باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس ذکر پر غزالہ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسین چہرے پر آزردگی کے سائے تیرتے نظر آنے لگے تو میں نے اس ذکر سے کنارہ کرلیا۔ میں نے رضا کارانہ طور پر اپنی زبان ضرور بند کرلی لیکن وہ خواہش میرے لاشعور سے یوں چپکی ہوئی تھی کہ ہر ماہ و سال مجھے غزالہ کی طرف سے کسی خبر کا انتظار رہتا تھا۔

وہ مبارک گھڑی آئی تو ایسے وقت میں آئی جب میں غریب الوطن ہوکر اپنے الجھاووں میں پھنسا ہوا تھا۔ غزالہ کو احساس تھا کہ اس نے مجھے اپنے راز میں شریک کیا تو میری توجہ بٹ جائے گی' ذہن اپنے مسائل کے ساتھ اس کی فکر میں بھی الجھ جائے گا لیکن گیری کے ناگہانی ظہور اور پھر اس کی موت نے وہ گرہ دور کردی۔

مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میرا وجود ہلکا' بہت ہلکا ہوکر فضاؤں میں تیر رہا ہو۔ صرف وہ ماں نہیں بننے والی تھی' میں بھی باپ کے درجے پر فائز ہونے والا تھا۔ وہ پُرگداز احساس ایسا انوکھا تھا جسے میں صرف محسوس کررہا تھا' اسے الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ممکن ہی نہیں تھا۔

یہ بہت مبارک شگون تھا کہ وہ خبر میرے ایک حریف کی موت کے موقع پر سامنے آئی تھی۔ حریف بھی ایسا جس سے میرا کوئی مقابلہ ہوا نہ مجادلہ۔ وہ اپنی سازشی حرکتوں میں مصروف تھا۔ اس کی فتنہ انگیزیوں کی کہانیاں ثبوتوں کے ساتھ میرے علم میں آچکی تھیں لیکن میرے پاس اس سے الجھنے کا وقت نہیں تھا۔ میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرتا تو میری شہ رگ کے گرد ڈان کا پھندا تنگ ہوتا چلا جاتا۔ میں نے اس سے کنی کاٹ کر نکل جانا چاہا لیکن قدرت نے مکافاتِ عمل کے آفاقی اصول کے تحت اسے دھکیل کر میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ شاید انسانی مقدر پر حکمرانی کرنے والی غیبی طاقت نے ہی غزالہ کے دماغ میں یہ خیال ڈالا کہ وہ اپنے وجود میں پنپنے والے ایک نئے وجود کے بارے میں اپنی زبان بند رکھے تاکہ ایک خاص موقع پر مجھے وہ نوید سنا سکے۔

میرا دل اپنے رب کے لیے تشکر اور ممنونیت کے جذبات سے یوں لبریز ہوا کہ غزالہ سے کوئی مکالمہ ہوئے بغیر میرے وجود کی گہرائیوں میں رقت کا ایک طوفان امڈ پڑا اور میری بصارت ایک آبی پردے سے دھندلانے لگی۔

ان چند لمحوں کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔ میں سب کچھ فراموش کرچکا تھا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میرے برابر والی نشست پر ایک تازہ لاش رکھی ہوئی ہے۔ میں اس وقت چونکا جب گاڑی کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میں نے غیر ارادی طور پر ایک ہاتھ سے پاور اسٹیئرنگ کاٹ کر بیجیر و کو سنبھالا' دوسرے ہاتھ کی آستین سے آنکھوں کی نمی صاف کی تو اندازہ ہوا کہ ہماری گاڑی اس لمحے ایک خطرناک کھڈ میں اترتے اترتے بچی تھی۔

غزالہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی میرے اس جذباتی ابال کو محسوس کررہی تھی۔ اس نے نرمی سے میری پشت سہلائی' کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹوں سے چند بے معنی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ اس کی حالت مجھ سے مختلف نہیں تھی۔

گاڑی کے جھٹکے سے گیری کا بدن پشت گاہ سے لڑھک کر بند دروازے سے ٹک گیا تھا۔ میں نے عقب نما آئینے میں دور تک پھیلے ہوئے گھور اندھیرے سے مطمئن ہوکر گاڑی کی رفتار دھیمی کی اور ایک ہاتھ سے زور لگا کر گیری کے بھاری وجود کو کسی نہ کسی طرح گاڑی کے کشادہ پائیدان میں گرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ناگہانی جھٹکے نے اس کام کو خاصا آسان بنادیا تھا۔

غزالہ اسی لمحے اگلی نشست پر آگئی۔ گیری کی لاش اس کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔

ہم دونوں کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے جیسے دونوں کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہو۔ اس تاریک ویرانے سے نیم روشن سڑک پر آنے کے بعد میں نے غزالہ کو چلتی گاڑی میں بار بار نشستوں کی تبدیلی کے حوالے سے چھیڑا تو اس نے بتایا کہ ڈاکٹر نے اسے وزن اٹھانے سے منع کیا ہوا تھا۔ ہلکی پھلکی اچھل کود اس کے لیے بے ضرر تھی۔

ڈاکٹر کے ذکر نے مجھے پھر چونکا دیا۔ بنکاک میں اس کے شب و روز میرے سامنے تھے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے کسی ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا موقع کب مل گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ خریداری کے بہانے دوبار ایک تھائی گائنا کولوجسٹ سے ملی تھی۔

جمود ٹوٹ گیا' باتیں چل نکلیں تو پتا چلا کہ ویرا اس کی ہم راز بنی ہوئی تھی۔ سیام پارک میں غزالہ نے اسے تخلیے میں لے جاکر اپنے دل کی بات بتادی تھی۔ اس وقت تک ہم میں سے کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ ہم کب تک بنکاک میں رکے رہیں گے۔ ویرا خود کبھی ماں بننے کے تجربے سے نہیں گزری تھی لیکن اس نے غزالہ کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ ان ابتدائی ایام میں محتاط رہنے کے ساتھ باقاعدگی سے اپنی معالجہ سے رجوع کرتی رہے۔

مجھے یاد آرہا تھا کہ غزالہ ایک سے زائد بار سیام پارک کے گوشے میں ویرا سے ہونے والی باتوں کے بارے میں کچھ بتاتے بتاتے خاموش ہوگئی تھی۔ اس نے ویرا کے ساتھ مل کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بہت کامیابی سے اپنی رازداری برقرار رکھی تھی۔

ویرا بے لگام، منہ پھٹ اور موڈی خاتون تھی۔ اسے اس کی مرضی کے خلاف بولنے یا خاموش رہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غزالہ کے معاملے میں وہ بہت پکی نکلی۔ مجھ سے غیر معمولی بے تکلفی ہونے کے باوجود اس نے مجھے اس امر کی ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ غزالہ تبدیلی کے کسی نازک دور سے گزر رہی تھی۔

''یہ باتیں ہوتی رہیں گی۔ ان میں پڑ کر آپ یہ کیوں بھول گئے ہیں کہ میرے قدموں میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔'' غزالہ نے شوخی سے کہا۔

''آنے والے نے گیری کی بھینٹ لی ہے۔ فی الحال اس کے لیے وہی جگہ بہتر ہے جہاں وہ پڑا ہوا ہے۔'' میں نے سرور کے عالم میں جواب میں دیا ''ان دونوں کو لینے کے بعد اس کے بارے میں کچھ سوچا جائے گا۔''

''میں مشورہ دوں گی کہ پہلی فرصت میں اس سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ رات کے گہرے اندھیرے میں کوئی نالا یا کنواں تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔''

''وہ میری ابتدائی تجویز تھی۔ کہیں نرم زمین مل گئی تو رک کر اسے دفن بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''آپ اس کے لیے ان بکھیڑوں میں کیوں پڑنا چاہ رہے ہیں؟'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا ''اس چکر میں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''

''اس کی لاش کا چند روز تک غائب رہنا ہمارے مفاد میں ہوگا۔'' میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھایا ''لاش دستیاب ہوتے ہی اس کے اعلیٰ افسران ایک قیامت کھڑی کردیں گے۔''

''لاش چھپا کر آپ اس قیامت کو نہیں ٹال سکتے۔''

''اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ لاش ملنے کے بعد اس کے قتل کا الزام ہمارے سر آئے گا کیونکہ کسی کو ہمارا سراغ نہیں مل سکے گا۔ اگر یہ بجیر وکسی کی نظروں میں نہیں آئی تو وہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم گیری کو اغوا کرکے کہیں چھپ گئے ہیں۔ وہ یہ اندازہ لگائیں گے کہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے ہم وہاں سے زیادہ دور نہیں جا سکے ہوں گے۔ وہ اپنا کافی وقت ان اطراف میں برباد کریں گے۔ ناکامی کے بعد ان کی ساری توجہ بنکاک کو کھنگالنے پر مرکوز رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر کمبوڈیا سے بھی نکلنے میں کامیاب ہوجائیں۔ ہمارے لیے وقت بہت اہم ہے۔ لاش چھپا کر ہم یہ وقت خرید سکتے ہیں۔ کئی دن برباد کرنے کے بعد شاید وہ گیری کے قتل کے امکان پر غور کرسکیں گے۔''

''ہم اس ملعون کی وجہ سے بہت گمبھیر صورتِ حال سے دوچار ہوگئے ہیں۔''

''سامنے آجانے کے بعد اسے مارنا ناگزیر تھا۔ مارنے کے بعد لاش کو چھپانا ہماری ضرورت بن گیا ہے۔ وہ جتنی دیر تذبذب اور بے یقینی کا شکار رہیں گے، ہم ان کی دسترس سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔'' اس سے گفتگو کرتے ہوئے میرے ذہن میں آنے والے وقت کا ایک واضح خاکہ بنتا جا رہا تھا۔

''ہر دو صورتوں میں ہم دونوں ہی ان کے شکوک وشبہات کا مرکز رہیں گے۔''

''یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے لیے واشنگٹن سے آج ہی فون آنا تھا۔''

''رات کے دو بجے کس کا فون آتا..... وہ بہانے بازی کررہا تھا، کسی اور چکر میں رہا ہوگا۔''

''تم وقت کے فرق کو فراموش کررہی ہو۔ بنکاک اور واشنگٹن کے وقت میں کم وبیش آدھے دن کا فرق ہے۔ وہاں اس وقت دوپہر ہوگی۔ چہرے مہرے سے یہ بھی اوباش اور تفریحات کا رسیا نظر آتا تھا۔ سرکاری کام نہ ہوتا تو یہ بھی روشنیاں گل ہونے کے انتظار میں وہاں رکا رہتا۔''

''کیا وہ پارٹی سورج طلوع ہونے تک چلتی رہے گی؟'' غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

میں دھیرے سے ہنس دیا ''کبھی کبھی تم احمقانہ بات کہہ جاتی ہو۔ چاؤفان نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا خمار گہرا ہونے کے بعد صرف ساحل کی طرف جلنے والی سرچ لائٹس روشن رہیں گی۔ باقی تمام روشنیاں ڈان کے ایک اشارے پر بجھادی جائیں گی۔''

''لعنت ہو ڈان اور اس کے مہمانوں پر۔'' وہ تیزی سے بولی ''کاش، سمندر کی کوئی اونچی لہر ان سب کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائے۔ ان سیاہ کرتوتوں کی پردہ داری کے لیے اس دور افتادہ ویرانے کا انتخاب کیا گیا ہوگا ورنہ یہ تقریب کہیں اور بھی ہوسکتی تھی۔''

''ڈان کے دماغ میں راجن کی وائٹ ہاک گھسی ہوئی ہے۔''

وہ میرے لیے بنکاک میں ڈرائیونگ کا پہلا تجربہ تھا۔ ہم گھور اندھیرے کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ میرے سامنے شہر کے روشن اور کشادہ راستے پھیلے ہوئے تھے۔ ان علاقوں میں لوگوں کی دل بستگی کے لیے شبینہ تفریحات کے ٹھکانے نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پائے جاتے تھے اس لیے ہر طرف خاموشی اور ویرانی کا گہرا راج تھا۔ اسٹریٹ لیمپس کے روشن قمقمے بھی تھکے تھکے اور خوابیدہ سے نظر آ رہے تھے۔ مجھے وہ سب بالکل نیا نظر آ رہا تھا۔ کہیں بھی کوئی ایسی نشانی نظر نہیں آ رہی تھی کہ جس کے سہارے میں صحیح راستے کا تعین کر سکوں۔

بس سمت کا ادراک ذہن میں موجود تھا۔ اس کے سہارے میں رکے بغیر بڑھتا جا رہا تھا۔ بہ ظاہر میں غزالہ سے باتوں میں مصروف تھا مگر مجھے راستے کی فکر دامن گیر تھی۔ چاؤفان سے سب کچھ طے ہو گیا تھا۔ بس وہی ایک مسئلہ میں نے معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

ہمارے لیے وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ میرے ایما پر غزالہ نے چاؤفان کے فراہم کیے ہوئے بیگ میں سے تہ کیا ہوا نقشہ نکال کر اپنی گود میں پھیلا لیا۔

کیبن لائٹ کی روشنی میں مجھے محسوس ہوا کہ چاؤفان اپنے قول کے مطابق واقعی اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا مجھے نظر آتا تھا۔ اس نے ہمیں کوئی لمبا چوڑا نقشہ دینے کے بجائے ایک بڑے نقشے سے صرف وہ حصہ کاٹ لیا تھا جس پر سفر کر کے ہمیں کمبوڈیا کی سرحد میں داخل ہونا تھا۔ بڑے اسٹیل پر چھپے ہوئے اس نقشے میں چاؤفان کی لگائی ہوئی سرخ لکیر بہت نمایاں تھی۔ اس راستے کے قرب و جوار میں چھوٹی بڑی سڑکیں اور آبادیاں بھی بہت واضح تھیں۔

مجھے پہلے سے اس راستے کا علم نہیں تھا لیکن غزالہ سے یہ سن کر کہ ہمیں پیچ بری روڈ سے ہی شمال کی طرف ایکسپریس وے پر جانا تھا' خوشی ہوئی کہ میں نے ویرا اور سلطان شاہ کو صحیح مقام پر پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

کچھ دیر بعد مجھے جانی پہچانی عمارات نظر آنے لگیں۔ میں بنکاک کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا مگر چاؤفان کے ساتھ شہر کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے میں نے ہر ممتاز عمارت اور نمایاں مقامات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی تھی جو اس آڑے وقت میں میرے کام آئی۔

ہم شہر کے مرکزی حصے میں داخل ہوئے تو میری رسٹ واچ رات کے پونے دو بجا رہی تھی۔ پارٹی سے قدرے تاخیر سے روانگی اور کرنل گیری سے مڈبھیڑ ہونے کے باوجود ہمارا وقت خراب نہیں ہوا تھا۔ اس رات ہمارے ستارے یاوری کر رہے تھے۔ گیری جیسا چالاک اور خطرناک آدمی حالات کی بے بسی کا شکار ہو کر غزالہ کے ہاتھوں کسی مینمنے کی طرح مارا گیا۔ راستوں کا علم نہ ہونے کے باوجود میں اپنی چھٹی حس کے سہارے صحیح سمت میں گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خوش نصیبی اس سفر میں آگے بھی ہمارا ساتھ دے گی اور ہم عافیت کے ساتھ ڈان اور تھائی قانون کی گرفت سے دور نکل جائیں گے۔

چاؤفان کے ساتھ اپنے فرار کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے میرے ذہن پر صرف اور صرف ڈان کی بدنیتی کا خوف سوار تھا۔ وہ اپنے مکارانہ حربوں سے مجھے بنکاک میں روک کر مجھ سے کام لینا اور میرے بارے میں مزید جہان بین کرنا چاہ رہا تھا۔ بنکاک میں قانون کی بہت سی سنگین خلاف ورزیاں کرنے کے باوجود مجھے قانون کے محافظوں کی طرف سے کوئی تشویش لاحق نہیں تھی کیونکہ وہ میری درپردہ کارروائیوں سے بے خبر تھے۔ گیری کی ہلاکت نے وہ صورتِ حال یکایک بدل دی تھی۔ اس کی گمشدگی کے بارے میں ہمارے خلاف کوئی ثبوت نہ ہونے کے باوجود مقامی پولیس واقعاتی شہادتوں کی روشنی میں ہماری تلاش شروع کر دیتی۔

پیٹ پونگ سے پیچ بری تک' شہر کے قلب میں شب بیدار رندوں کی مشتبہ سرگرمیاں پورے زور و شور سے جاری تھیں۔ ان میں ہر ملک اور ہر قوم کے مرد و زن نظر آ رہے تھے۔ سب کھوئے کھوئے اور خواب زدہ انداز میں سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر رواں دواں تھے۔ ان کے لیے رات اترنے کے بعد دن طلوع ہوتا تھا۔

گاڑی میں ایک اہم امریکی سفارت کار کی تازہ لاش لے کر بنکاک کے اس شب بیدار علاقے سے گزرنا آسان کام نہیں' میرا دوران خون تیز ہو چکا تھا' دل کی دھڑکنیں کنپٹیوں میں محسوس ہو رہی تھیں اور نگاہیں تیزی سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ وہ دونوں کاؤبوائے کلب کے قریب کسی آوارہ گرد جوڑے کی طرح بے پروائی سے ایک دیوار سے لگے ہوئے تھے۔ کاؤبوائے کلب میں رات اپنے ہنگامہ خیز شباب پر تھی' فٹ پاتھ پر بھی کافی لوگ موجود تھے لیکن کوئی ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

انہیں یہ علم نہیں تھا کہ میں کس گاڑی میں انہیں لینے کے لیے آؤں گا۔ جوں ہی میں نے گاڑی کنارے سے لگا کر روکی' انہوں نے ہماری ایک جھلک دیکھی اور تیر کی طرح ہماری طرف چلے آئے۔ کسی سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان دونوں کے شانوں پر ہلکے پھلکے سفری تھیلے جھول رہے تھے جو قلاش سیاح عام طور پر اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ وہ دونوں ایک ہی سمت کا دروازہ کھول کر پھرتی سے عقبی نشست پر سوار ہو گئے اور میں نے گاڑی آگے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بڑھادی۔

''فرار کے لیے اس سے بہتر گاڑی ملنی مشکل تھی۔'' ویرا نے بیٹھتے ہی ستایشی لہجے میں تبصرہ کیا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ چاؤفان کو الو کا گوشت کھلا کر تم نے اپنا مطیع بنالیا ہے۔''

''تم لوگوں کا بقیہ سامان کہاں ہے.....؟ کراچی میں تو تم دونوں نے سفر کے لیے اچھے خاصے سوٹ کیس تیار کیے تھے۔'' میں نے اس کے تبصرے کو نظرانداز کر کے متجسس لہجے میں پوچھا۔

''یوں سمجھ لو کہ ایک دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے' کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔'' خطرناک مہم درپیش ہونے کے باوجود ویرا شگفتہ موڈ میں تھی۔ اس کی بات جاری رہی ''کچھ نیویارک میں رہ گیا' چند جوڑے ٹورنٹو میں پھینک دیے' ایک تھیلا راستے میں کوڑے دان میں پھینکتے ہوئے آئے ہیں۔ بس کچھ چیزیں ہیں' جن کے بغیر گزارہ مشکل تھا۔''

یکا یک اس نے چند گہرے سانس لیے پھر تشویش زدہ انداز میں بولی ''گاڑی میں جلے ہوئے بارود کی بو کیوں آرہی ہے؟''

میں دل ہی دل میں ویرا کے تیز مشاہدے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ گاڑی میں میلوں پیچھے فائر کیا گیا تھا۔ ساری بو تیز ہوائیں اڑا لے گئی تھیں مگر اس کی حساس ناک نے گیری کے دماغ میں گھسی ہوئی گولی کی بارود کی بو سونگھ لی تھی۔

''جس طرح دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے اسی طرح بارود انسانی خون میں نہا کر اپنی افادیت ثابت کرتا ہے۔'' میں نے پُرمزاح لہجے میں جواب دیا ''غزالہ کی چلائی ہوئی گولی ایک دشمن کی کھوپڑی میں پیوست ہے اور وہ اگلے پائیدان میں موجود ہے۔''

''نہیں!'' ان دونوں کے دہانوں سے گھٹی گھٹی تحیر زدہ آوازیں آئیں اور وہ ایک ساتھ اگلی نشستوں کے درمیان آگے جھک آئے۔

گاڑی میں اندھیرا تھا لیکن ایکسپریس وے کی تیز روشنیوں کا انعکاس اتنا کافی تھا کہ دونوں نے ہی غزالہ کے قدموں میں پڑی ہوئی گٹھڑی نمالاش دیکھ لی۔

''یہ کون ہے.....تم اسے اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے ہو؟'' سلطان شاہ کے ہونٹوں سے دبی دبی مگر تیز سرگوشیانہ آواز برآمد ہوئی۔

''یہ امریکیوں کا گیری دی گریٹ ہے۔ تم دونوں کی تلاش میں لگا ہوا دشمن نمبر ایک۔'' میں نے کہا ''یوں سمجھ لو کہ یہ صرف مرنے کے لیے دست بستہ ہمارے سامنے آکھڑا ہوا۔''

''تم اب بھی ان دنگلوں میں لگے ہوئے ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ غزالہ آج کل کس حال سے گزر رہی ہے؟'' ویرا نے بے ساختگی سے ترش لہجے میں اپنی تشویش ظاہر کی۔

''گیری کے آنجہانی ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے..... تمہیں متفکر ہونے کی ضرورت نہیں۔ غزالہ نے صرف پستول کا ٹریگر دبایا ہے۔ محنت کا کام میں نے خود کیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''مجھے سخت شکایت ہے کہ تم دونوں نے اپنی زبانیں بند رکھ کر میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''کیا ہوا.....غزالہ کو کیا ہوگیا؟'' سلطان شاہ کی آواز کی پریشانی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے اسے بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

''غزالہ تمہاری منہ بولی بہن ہے۔ یوں سمجھ لو کہ سات آٹھ مہینوں کے بعد تم کسی کے منہ بولے ماموں بننے والے ہو۔ آئی بات سمجھ میں!'' ویرا نے منہ توڑ انداز میں جواب دیا۔

میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ ویرا کے ذہن سے میری پچھلی ملاقات کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ اس میں ذرا بھی دھیما پن نہیں آیا تھا۔

''بہت خوشی کی بات ہے کہ آج یہ خبر مل رہی ہے۔ یہ واقعہ تو آج سے بہت پہلے رونما ہوجانا چاہیے تھا۔'' سلطان شاہ کی آواز سے بے پناہ مسرت جھلک رہی تھی ''مبارک ہو.....میری طرف سے تم سب کو مبارک ہو۔ اب ہم اپنی گود میں ڈینی کے بچے کو کھلائیں گے۔''

''ڈینی کا بچہ کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔'' ویرا کھلکھلا کر ہنس دی ''ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ وہ بچی بھی ہوسکتی ہے۔''

''تم لوگوں نے کیا خرافات شروع کردیں۔'' غزالہ جھنجلائی ہوئی آواز میں بولی ''کیا ہم اس لاش کو یوں ہی اپنے سینے سے لگائے پھرتے رہیں گے؟''

''ہاں' اس کی کہانی سناؤ۔'' ویرا بولی ''اس جیسا مکار اور موذی شخص کسی دھوم دھڑکے کے بغیر اتنی آسانی سے تمہارے چنگل میں کیسے آپھنسا؟''

وہ بہت مختصر سا واقعہ تھا۔ میں نے پوری جزئیات کے ساتھ ان دونوں کے سامنے دہرادیا۔ ساتھ ہی انہیں اپنے تحفظات اور اندیشوں سے بھی آگاہ کردیا۔

''فی الوقت تمہارا اندیشہ بے بنیاد ہے۔'' ویرا نے پوری بات سن کر فیصلہ کن انداز میں اپنی رائے دی۔ ''اس ویران سڑک پر گیری کی خراب گاڑی دریافت ہوگی اور اس کا کہیں پتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں چلے گا تو ہر طرف بھونچال ضرور آئے گا لیکن کسی کو بھول کر بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔ تم بتا رہے ہو کہ پارٹی میں ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ڈان سمیت سب لوگ نشے کے خمار میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ گیری کی گاڑی دریافت ہونے تک سب ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکے ہوں گے۔ ہر شخص گیری سے ہمدردی ظاہر کرتا ہوا' اپنے گھر جا کر سو جائے گا۔ تم دونوں کے فرار کا راز اس وقت کھلے گا جب ڈان ہوش و حواس میں آنے کے بعد کسی ضرورت کے تحت تم سے رابطہ کرنا چاہے گا اور تم کہیں دستیاب نہ ہو گے۔ دونوں الگ الگ واقعات تصور کیے جائیں گے۔ ڈان تمہیں تلاش کرے گا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد وہ یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ گیری تم دونوں کو اغوا کر کے کہیں غائب ہو گیا۔ گاڑی خراب ہونے پر اس نے کوئی متبادل تلاش کر لیا ہو گا۔ تمہاری ذات میں گیری کی دلچسپی ڈان کے علم میں آ چکی تھی۔ منفی سمت میں مت سوچو۔ ڈان کو صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کئی دن بھی لگ سکتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مہلت غنیمت ثابت ہو گی۔ اصل نکتہ وہی ہے جو تمہارے ذہن میں جما ہوا ہے۔ کسی کو گیری کی لاش کی بھنک نہیں ملنی چاہیے۔ لاش سامنے آنے سے پورا کھیل بگڑ جائے گا۔''

تعداد میں دو سے چار ہوتے ہی صورتِ حال حوصلہ افزا نظر آنے لگی۔ سب کچھ جوں کا توں تھا لیکن میرے ذہن سے دباؤ دور ہو گیا۔ ہم چاروں ایک مدت کے بعد بے تکلفانہ فضا میں یکجا ہوئے تھے۔ ماحول میں عجیب جوش اور گرم جوشی پائی جا رہی تھی۔

بیچ بری سے ایکسپریس وے سیدھی جا رہی تھی۔ اس پر لاش کو کسی محفوظ مقام پر ٹھکانے لگانے کا موقع ملنا محال تھا۔ بنکاک کے مضافاتی رہائشی علاقے میں سڑک کے کنارے تھائی اور انگریزی زبانوں میں لگے ہوئے بورڈ سے علم ہوا کہ وہاں سے آگے اس سپر ہائی وے کا نام شاہ راہِ دوستی ہو گیا تھا۔ وہ علامات دیکھتے ہی ویرا نے غزالہ سے نقشہ لے لیا اور پورے انہماک سے ہمارے سفر کے مجوزہ راستے کے مطالعے میں جٹ گئی۔

سلطان شاہ نے غزالہ سے باتیں شروع کر دیں۔ ہم سب چار جان ایک قالب تھے۔ ہمارے درمیان کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی تھی۔ غزالہ اسے جلال کی کمبوڈیا میں متوقع آمد اور اس کے دیے ہوئے نئے ناموں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ویرا بہ ظاہر اپنے کام میں لگی ہوئی تھی لیکن درمیان میں لقمے دیتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر کی دماغ سوزی کے بعد ویرا نے بتایا کہ اس وقت ہم لوپ بوری کی سمت میں جا رہے تھے۔ جہاں سوبھراج کی زندگی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہوا تھا۔ لوپ بوری سے کافی پہلے پھرانا خون (PHIRA NAKHON) نامی قصبے سے ہمیں سپر ہائی وے سے اتر جانا تھا۔ اس نئی سڑک کا نام شاہ راہ دوستی تھا جو متعدد شہروں اور قصبوں سے ہوتی ہوئی کمبوڈیا میں داخل ہو جاتی تھی۔

سپر ہائی وے پر لگے ہوئے سائن بورڈ کے بارے میں غلط فہمی دور ہونے سے مجھے اطمینان ہوا کہ پھرانا خون کے بعد ہم گیری کے ناپسندیدہ بوجھ سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ نکال سکیں گے۔

تقریباً ایک گھنٹے کی آرام دہ اور تیز رفتار مسافت کے بعد ہمیں پھرانا خون کے نشانات نظر آنے شروع ہو گئے۔ اس دوران میں ویرا اور سلطان شاہ نے ٹارچ کی روشنی میں باری باری گیری کی لاش کا دیدار کر لیا تھا۔

اس کی کنپٹی پر چھوٹے سے زخم کے گرد خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ فوری طور پر اس کی موت واقع ہونے کی وجہ سے زخم سے خون بہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اسے مرے ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لیے لاش کے جوڑ بہ دستور نرم تھے۔

سپر ہائی وے پر رات گہری ہو جانے کے باوجود مال بردار ٹرکوں اور ٹریلروں کی خاصی آمد و رفت جاری تھی۔ اس دوران میں ہمیں گنتی کی چند گاڑیاں آتی جاتی نظر آئیں۔ ان میں لوگ شاید کسی ہنگامی ضرورت کے تحت سفر پر نکلے تھے۔

پھرانا خون کی آبادی خاصی وسیع تھی۔ ہائی وے کی بلندی سے شہر کی خواب ناک روشنیاں دور تک پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ہم سپر ہائی وے سے بائیں طرف شاہ راہ دوستی پر اترے تو میں نے سکھ کا سانس لیا۔ ہمارے سفر کا ایک مرحلہ خیر و خوبی سے مکمل ہو گیا تھا۔

ہم آبادی کے بیرونی سرے کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ وہ سڑک بھی کشادہ اور ہموار تھی۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ سپر ہائی وے کے مقابلے میں اس روٹ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔

پھرانا خون کی آبادی سے آگے نکل جانے کے بعد میں نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ میری نگاہیں کوئی مناسب مقام تلاش کر رہی تھیں جہاں گیری کی لاش کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔

''تمہیں اپنے چاؤ جان پر پورا بھروسا ہے؟'' اچانک ویرا سوال کر بیٹھی۔ غزالہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس کا نام چاؤ چان نہیں چاؤ فان ہے۔ ابھی تک وہ اپنے قول کا دھنی ثابت ہوا ہے۔'' میں نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا ''اس پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ڈان کا ایک پرانا نمک خوار یکا یک تمہارا ہمدرد کیوں بن گیا؟''

وہ بہت سی باتوں سے بے خبر تھی۔ جب میں نے اسے سمجھایا کہ بنکاک میں میری موجودگی اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھی۔ میری مدد کر کے اس نے وہ رکاوٹ دور کرنے کی ایک بے ضرر کوشش کی تھی تو بات اس کی سمجھ میں آ گئی ورنہ وہ کمبوڈیا جانے کے بجائے کہیں اور روپوش ہو جانے کی تجویز لیے بیٹھی تھی تاکہ چاؤ فان کو بھی ہماری اگلی منزل کا سراغ نہ مل سکے۔

پھر انا خون سے کافی دور آنے کے بعد مجھے سڑک کے دونوں طرف چھدرے درختوں سے گھرا ہوا ویرانہ نظر آیا۔ اس وقت ہمارے آگے پیچھے' دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔ میں نے ان تینوں کو ہوشیار کیا اور گاڑی دھیمی کر کے سڑک سے نیچے اتار دی۔

ویرا اور سلطان شاہ کے شامل ہونے کے بعد مجھے جو اطمینان حاصل ہوا تھا' وہ وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ دوبارہ اعصابی دباؤ میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ راستے اجنبی تھے۔ آگے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا کہ ہمیں کہاں موقع میسر آ سکے گا۔ بہتر یہی تھا کہ پہلی فرصت میں گیری کی لاش سے نجات حاصل کر لی جائے۔

''اس ویران جنگل میں اترتو رہے ہو' ذرا واپسی کا خیال بھی رکھنا۔'' ویرا نے تفکر آمیز لہجے میں مجھے ٹوکا ''ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر واپس لوٹ جائیں۔''

''یہ تمہاری بھی برابر کی ذمے داری ہے' ذرا سستوں کا خیال رکھنا۔''

''اس جنگل میں کیا گیری کی لاش کو کسی پیڑ پر لٹکانے کا ارادہ ہے؟''

''اور کچھ نہ ہو سکا تو یہی کرنا پڑے گا۔'' میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ابھی لمبا سفر باقی ہے۔ کہیں نہ کہیں بہتر موقع مل جاتا۔ غزالہ کا پیر بھاری ہو چکا ہے۔ گیری نکل کر کہیں نہیں بھاگ سکے گا۔ یہاں دور تک سپاٹ میدان نظر آ رہا ہے۔ گاڑی یہیں سے سڑک کی طرف موڑ لو۔'' اس نے مسخرانہ انداز میں رائے زنی کی۔

''اس چکر میں ہم سرحد تک پہنچ جائیں گے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔''

کچھ زمین ناہموار تھی' بے ترتیبی سے اگے ہوئے درختوں کے درمیان راستہ بنانے کے لیے تھوڑی سی دشواری ہو رہی تھی۔ گاڑی ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی۔

''روکو..... گاڑی روک دو!'' یکا یک سلطان شاہ چلایا اور میں نے گھبرا کر بریک لگا دیے۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور سسپنشن پر جھول کر رہ گئی۔

''کیا تمہیں اپنے گاؤں کی کوئی بدروح نظر آ گئی؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''میرے گاؤں کی نہیں' امریکی ہے۔'' اس نے بے رخی سے جواب دیا اور اپنی سمت کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

میری ساری توجہ گاڑی کے راستے پر مرکوز تھی۔ سلطان شاہ ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دونوں اطراف کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ زمین میں ایک تازہ گڑھا دیکھ کر اس نے گاڑی رکوائی تھی۔

میں نے گاڑی کا انجن بند کیا۔ ہیڈ لیمپس روشن رہنے دیے اور سلطان شاہ کے ساتھ ہو لیا۔ ویرا بھی ہمارے پیچھے آ رہی تھی۔

میں نے دور ہی سے وہ گڑھا دیکھ لیا جس پر نظر پڑتے ہی سلطان شاہ نے گاڑی رکوائی تھی۔ وہ کوئی لمبا سا گڑھا تھا جس کے کناروں پر مٹی کا خاصا ڈھیر جمع تھا۔ میں نے بے اختیار سلطان شاہ کو شاباش دی اور لپک کر گڑھے کے کنارے پہنچ گیا۔

وہ زمین پر نیم گولائی میں خاصا بڑا گڑھا تھا جو کسی قدرے بڑے چوپائے نے اپنے آرام کے لیے زمین میں کھودا تھا۔ مٹی کے ڈھیر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک دو دن سے زیادہ پرانا نہیں تھا۔

''یہ تو گیری کی بنی بنائی قبر ہے۔'' وہ جگہ دیکھتے ہی ویرا بے ساختہ بولی ''ذرا سی محنت سے اسے گہرا اور چورس کر لیا جائے تو وہ آسانی سے یہاں سما جائے گا۔''

ہمارے پاس زمین کھودنے کا کوئی اوزار نہیں تھا مگر میں وہ موقع ضائع کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے گاڑی وہیں گھمالی۔ ہیڈ لیمپس کا جلتے رہنا خطرناک تھا۔ وہ مشکوک روشنی سڑک سے دیکھی جا سکتی تھی۔ ہیڈ لیمپس گل کرنے کے بعد تاروں کی روشنی ناکافی محسوس ہوئی۔ چاؤ فان کے فراہم کیے ہوئے تھیلے کو ٹٹولا گیا تو اس میں جیبی ٹارچ کے ساتھ ایک طاقتور سرچ لائٹ اور مضبوط رسی بھی موجود تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہم نے گیری کی نرم لاش پائیدان سے وہیں گرا کر سیدھی کی۔ رات کے پُرہول اندھیرے میں اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں خوف آور انداز میں ہماری طرف نگراں تھیں۔ ویرا نے پھریری لے کر اس کے بے نور چہرے پر اپنا اسکارف ڈال دیا۔

ہاتھوں کی مدد سے اس گڑھے کو لمبا اور ہموار کرنے کے کام شروع کیا گیا تو غزالہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔ ویرا نے سختی سے اسے روک دیا۔ اس کا کام صرف روشنی دکھانا تھا۔

سطح ٹوٹ جانے کے سبب اندر کی زمین قدرے نرم تھی مگر اتنی بھی نرم نہیں تھی کہ ہم کسی جنگلی درندے کی طرح اسے تیزی سے کھرچ لیتے۔ سلطان شاہ ابتدا میں ٹرانسپورٹ لائن سے وابستہ رہا تھا۔ وہاں اس کا پرانا تجربہ کام آیا۔ وہ پیجیرو کے ٹول بکس میں سے جیک راڈ اور پیچ کس نکال لایا۔ ان اوزاروں کی مدد سے کام کی رفتار تیز ہوگئی۔

ویرا کی سفاکانہ تجویز تھی کہ گڑھے کو لمبا کرنے کے بجائے لاش کی ٹانگیں کاٹ کر اسے گڑھے میں ٹھونس دیا جائے۔ ہم میں سے کوئی اس کام پر آمادہ نہ ہوا۔ جب تک گیری زندہ تھا' میرا ناپسندیدہ شخص تھا لیکن ہلاکت کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی کرنا مناسب نہ ہوتا۔

سرسری طور پر وہ کام جتنا آسان نظر آ رہا تھا' عملی طور پر اس سے کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ تقریباً پون گھنٹے کی کڑی محنت کے بعد جب ہم تینوں تھک کر پسینوں میں نہا گئے تب وہ گڑھا اس قابل ہوا کہ اس میں لاش اتاری جا سکے۔

انسان جب تک زندہ رہتا ہے' اپنی ذات کے فسوں میں ایسا گرفتار رہتا ہے کہ دنیا کی کسی شے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ مال و زر اور آرام و آسایش کے حصول کی دوڑ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں کرتا۔ اپنی راہ میں آنے والوں کو کچل کر آگے بڑھنے کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ اس زندگی کا آخری انجام ہمارے سامنے تھا۔ گیری کا رسوخ اس کے کام آیا تھا نہ شہ زوری اسے بے بسی کی موت سے بچا سکی تھی۔ زندگی بھر اس نے جو کچھ کمایا تھا' وہ پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اس منزل پر اتنا تہی دست اور تہی دامن تھا کہ اسے ڈھنگ کی تدفین بھی نصیب نہیں ہو سکی تھی۔

لاش کو گڑھے میں ڈال کر میں نے ویرا کے اسکارف کا غور سے معائنہ کیا۔ اس پر ایسا کوئی نشان نہیں تھا جو اس کا سراغ ثابت ہو سکے۔ لاش گڑھے میں اس طرح پھنس گئی تھی کہ اسے ہلانا جلانا مشکل تھا۔ اسے پہلو کے بل لٹانے کے لیے گڑھے کو مزید کئی انچ گہرا کرنا پڑتا جو ہم تینوں کے بس سے باہر تھا۔ میں نے اسی حالت میں گیری کے چہرے پر ویرا کا اسکارف ڈالا اور اس پر مٹی گرانی شروع کر دی۔

مٹی ڈالتے ہوئے ہم محتاط تھے کہ ہمارے چہرے اور کپڑے زیادہ گرد آلود نہ ہوں۔ ساری مٹی پھیلانے کی کوشش میں اس مقام پر ایک نمایاں ابھار پیدا ہو چکا تھا۔ اس وقت ویرا نہ جانے کس رو میں تھی کہ اس نے پیجیرو کے ٹائروں سے اس مقام کو ہموار کرنے کا مشورہ پیش کر دیا۔ اس بربریت کے لیے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ ہر ایک کی بس اتنی سی خواہش تھی کہ جنگلی درندے دو تین روز تک اس نرم زمین کو ادھیڑ کر گیری کی لاش باہر نہ کھینچیں۔

گاڑی میں موجود کولر کے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھونے میں غزالہ نے ہماری مدد کی۔ وہاں سے تازہ دم ہو کر ہم گاڑی میں سوار ہوئے تو ویرا نے واپسی کے راستے کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ لاش کی جبری تدفین کے کام میں الجھ کر کسی کو ہوش نہیں رہا تھا کہ ہم کدھر سے آئے تھے۔

اس مرحلے پر غزالہ نے گاڑی سے اتر کر ٹائروں کے نشانات دیکھے اور ان کے سہارے ہمارا قافلہ سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ چند منٹ میں ہم دوبارہ سڑک پر محوِ سفر تھے۔

راستے میں چھوٹی موٹی آبادیاں آتی اور گزرتی رہیں۔ ہر جگہ خواب ناک سناٹا نظر آیا۔ راستے میں کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں رک کر ستایا جا سکے۔ کچے پکے مکانات' جھونپڑیوں اور ٹمٹماتی ہوئی روشنیوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اصل تھائی لینڈ وہی ہے۔ بنکاک اور دوسرے مشہور تفریحی مقامات کا سجا سجایا چہرہ سیاحوں کی دل بستگی کے لیے تیار کیا گیا تھا' جس کی اس ملک کی حقیقی معاشرت اور معیشت سے دور کی بھی نسبت نہیں تھی۔ یہ اور بات تھی کہ ان تفریحی مقامات کے لیے زندہ خام مال ان قریبی آبادیوں سے ہی فراہم کیا جاتا تھا۔

بسکٹوں کے پیکٹ کھول کر تھرموس سے گرم گرم چائے پیتے ہوئے ہم سب کے دلوں سے چاؤ فان کے لیے دعائیں نکل رہی تھیں جس نے اس اکتا دینے والے سفر کے لیے ہماری ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔

چائے نوشی کے بعد میں نے سگریٹ سلگالی۔ میں نے نوٹ کیا تھا کہ ہمارے ساتھ شامل ہونے کے بعد ویرا نے ایک بار بھی سگریٹ نہیں سلگائی تھی جبکہ اپنی عادت کے مطابق اسے اتنی دیر میں چار پانچ سگریٹیں پھونک دینی چاہیے تھیں۔ مجھے علم تھا کہ سلطان شاہ کو سگریٹ پیتی ہوئی عورتیں زہر لگتی تھیں۔ وہ انہیں مرد مار بلکہ مرد خور تصور کرتا تھا۔ مجھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو رہا تھا کہ اس کی سخت ناپسندیدگی کی وجہ سے شاید ویرا نے اپنی وہ عادت ترک کر دی تھی۔ وہ مسئلہ اتنا نازک تھا کہ اسے مذاق کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں شدید خواہش ہونے کے باوجود اس بارے میں ویرا سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

سفر کی ابتدا سے ہی میرا ذہن مسائل میں الجھا رہا۔ سکون میسر آیا تو مجھے یاد آیا کہ ویرا مسلمان ہو چکی تھی اور اس نے مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر لیا تھا۔ سلطان شاہ ان تبدیلیوں سے بے خبر تھا۔ ویرا کی موجودگی میں سلطان شاہ سے اس بارے میں بات کرنا مناسب نہیں تھی۔ وہ کوئی تلخ بات کہہ جاتا تو بات بگڑ سکتی تھی۔ بہتر یہی تھا کہ ویرا کی طرح اس سے بھی علیحدگی میں بات کی جاتی۔ اس کے لیے ہمارا سفر ختم ہونے کا انتظار ضروری تھا۔

ویرا نے ہمارا سفری نقشہ غزالہ سے لیا تو لوٹانے کے بجائے اس پر قبضہ کر کے بیٹھ گئی۔ وہ وقفے وقفے سے اس کا جائزہ لے کر اعلان کر رہی تھی کہ ہمارا سفر صحیح سمت میں جاری تھا۔ ہم جن نشانات یا آبادیوں سے آگے نکل آئے تھے' وہ انہیں نقشے پر کاٹتی جا رہی تھی تاکہ ایک نظر میں بقیہ مسافت کا اندازہ ہو سکے۔

نقشے کے مطابق آخری منزل میں ہمیں مشرق کی طرف بڑھتے چلے جانا تھا۔ رفتہ رفتہ سامنے پو پھٹنے کے آثار نظر آنے لگے۔ صبح ہونے والی تھی اور ہم بہ دستور تھائی لینڈ کی حدود میں تھے۔ اس وقت ویرا کو اچانک موبائل فون کا خیال آیا۔ میں نے بٹن دبا کر اس کی اسکرین روشن کی تو سگنل کا اشارہ غائب تھا۔

بنکاک میں دنیا کی ہر سہولت اور آسائش میسر تھی لیکن تھائی لینڈ کا وہ دور افتادہ سرحدی علاقہ اس وقت بھی موبائل فون جیسی سہولت سے محروم تھا۔ اس وقت ڈان یا چاؤ فان کا نمبر ملانے کی کوشش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی' لے دے کر طارق ہی ایسا شخص تھا جس کی نیند میں خلل ڈال کر ذرا سی معذرت کر لی جاتی تو کوئی مسئلہ کھڑا نہ ہوتا۔

میں نے طارق کا نمبر ملایا لیکن لائن پر سکوت چھایا رہا۔ وہاں آنے کے بعد ہمارا مقامی موبائل فون ناکارہ ہو چکا تھا۔ اوّل خان کے دیے ہوئے فون کے بارے میں مجھے امید تھی کہ تھائی لینڈ کے لیے رومنگ موجود ہونے کی وجہ سے وہ شاید کمبوڈیا میں بھی کارآمد رہے۔

سات بجے سورج کی تیز روشنی میں ہم ساکیونا نامی آخری قصبے کے قریب سے گزرے تو اندازہ ہوا کہ ہم گیری کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی افتاد میں مبتلا نہ ہوئے ہوتے تو ہمارا سورج نکلنے سے پہلے ختم ہو جاتا۔

کچھ دیر بعد ہمیں لکڑی کے ٹیڑھے میڑھے کھمبوں سے لگی ہوئی خاردار تاروں کی باڑ نظر آنے لگی جہاں تھائی لینڈ کی سرحد ختم ہو رہی تھی۔ اس باڑ کے درمیان ایک رسی سی عارضی رکاوٹ موجود تھی۔ اس سرحدی شان و شوکت کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا جو دا ہگ پر سرحد کے دونوں طرف نظر آتی ہے۔

سرحدی باڑ سے کچھ پہلے ٹین کی چھت والا ایک پختہ کمرا بنا ہوا تھا جس پر تھائی زبان میں لکھا ہوا ایک بورڈ آویزاں تھا۔ دور سے وہاں کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈھیلی ڈھالی وردی میں ملبوس ایک مدقوق سا آدمی باہر نکل آیا۔

غزالہ نے اسے دیکھتے ہی سو سو ڈالر کے چند نوٹ مجھے تھما دیے۔

صورت سے نظر آ رہا تھا کہ سرحدی ویرانے میں دنیا سے کٹ کر ڈیوٹی سرانجام دینے والا وہ شخص اپنی زندگی سے بے زار تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کیا۔ میں اس سے پہلے رفتار کم کر چکا تھا۔

اس کے پاس گاڑی روک کر میں نے ادب سے اپنے سر کو ذرا سا خم دیا اور تین نوٹ مٹھی میں دبا کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے نوٹوں کی مالیت پر ایک نظر ڈالی اور گننے کی زحمت کیے بغیر انہیں اپنی جیب میں اڑس لیا۔ ہمارے چہروں سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ تھائی زبان میں کہا جانے والا ہر کلام نرم و نازک ہم پر بے اثر رہے گا۔ وہ زبان ہلائے بغیر مست خرامی سے رکاوٹ کی طرف چل دیا۔ میں گاڑی روکے اس کی ہدایت کا انتظار کرتا رہا۔

اس نے رسی سے بندھا ہوا بانس کا سرا کھولا تو وہ دوسرے سرے پر بندھے ہوئے بھاری پتھر کے بوجھ سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ بانس کو دوبارہ نیچے لانے کے لیے اس نے رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔

مجھے حیرت تھی کہ گاڑی کے انجن کی آواز کے باوجود اس نام نہاد امیگریشن چیک پوسٹ سے کوئی اور شخص باہر نہیں آیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تھائی لینڈ کے حکمرانوں نے اس اکلوتے شخص کو جملہ اختیارات سونپے ہوئے تھے۔

اس نے اشارہ کیا اور اگلے لمحے میں ہم تھائی لینڈ کی سرزمین کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ تین سو ڈالر میں وہ سودا برا نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے خیال تھا کہ رکاوٹ سے گزر کر ہم اس غیر جانب دار سرحدی پٹی سے گزریں گے جس پر دونوں میں سے کسی ملک کا دعویٰ نہیں ہوتا۔

جب آگے بنے ہوئے زیادہ خستہ حال کمرے کی اوٹ سے ایک شخص کچھ چباتا ہوا نمودار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ وہاں نومینز لینڈ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ رسی سے بندھے ہوئے بانس نے اس خطۂ زمین کو دو الگ الگ ملکوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔

میں نے اس کے قریب گاڑی روکی تو اس نے کھڑکی سے ہاتھ اندر ڈال کر پھرتی سے انجن بند کیا اور چابی اپنی تحویل میں لے لی۔ میں نے پچھلے تجربے کے مطابق سوڈالر کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے تو اس نے اپنے منہ میں موجود خوراک کو نگلتے ہوئے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں بے بسی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ میرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہوا تھا لیکن اس نے نوٹوں کو ہاتھ لگانا گوارا نہیں کیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں اور دماغ پر یہ وحشت سوار ہوگئی کہ شاید ہمارا واسطہ کسی ایمان دار کمبوڈین اہلکار سے پڑ گیا تھا۔

وہ کوشش کے باوجود اپنا دہانہ پوری طرح خالی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ میری بے چارگی کا اندازہ کرتے ہوئے اس نے ہاؤ چ کہا تو میری جان میں جان آئی۔

میں نے اسے تین سوڈالر بتائے تو اس کا منہ بن گیا۔ انگریزی کے معاملے میں وہ بے چارہ بالکل یتیم تھا۔ اسے لین دین میں استعمال ہونے والے گنے چنے الفاظ اور گنتی کے سوا کچھ نہیں آتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں جملہ الفاظ اور متعدد ہندسوں کو یک جا کر کے قے کرنے کے انداز میں ایک مختصر سی تقریر کر ڈالی جس کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

میں اس سے اپنی کم علمی بلکہ جہالت کا اعتراف کرنے والا تھا کہ پیچھے سے ویرا بول پڑی۔ اس نے جلدی جلدی بتایا کہ وہ ایک ہزار ڈالر فی کس کے حساب سے مبلغ چار ہزار ڈالر کا طلب گار تھا۔ ویرا کا مشورہ تھا کہ میں مطلوبہ رقم دے کر اس کا منہ کالا کروں۔ ڈالر کم ہوں تو اس سے لے لوں۔ وہ مول تول سے چڑ کر قانونی موشگافیوں پر اتر آیا تو ہم لبِ سرحد ہی درگور ہو جائیں گے۔

چاؤفان نے مجھے کمبوڈیا میں داخلے کی رشوت کی شرح سوڈالر فی کس بتائی تھی۔ وہ شاید دونوں طرف کے مقامیوں کے لیے رعایتی شرح تھی۔ ہم چاروں واضح طور پر بیرونی مخلوق نظر آ رہے تھے۔ دکان دار سے سرکاری اہلکار تک باہر سے آنے والوں کی کھال ادھیڑنا اور اپنا حق طلب کرنا اپنا اخلاقی اور قومی فرض تصور کرتے ہوں گے۔ ہمارے لیے وہ شرح یکا یک دس گنا بڑھا دی گئی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ہم کسی خستہ حال گاڑی کے بجائے شاندار بجیرو میں سفر کر رہے تھے۔

ویرا نے مشورہ دینے پر اکتفا نہ کرتے ہوئے ڈالر گننا شروع کر دیے تھے۔ کمبوڈین اہلکار کی حریصانہ نظریں میرے چہرے سے ہٹ کر ویرا کے ڈالروں پر مرکوز ہوگئی تھیں۔

اس نے گنتی کرنے کے بعد نوٹ میری طرف بڑھائے۔ وہ پچھلی سیٹ پر تھی۔ میرے متوجہ ہونے سے پہلے کمبوڈین نے وہ گڈی جھپٹ لی۔ ساتھ ہی اس نے میری چٹکی سے تین سوڈالر بھی اچک لیے اور چابی میرے حوالے کر کے ہمیں اپنے ملک کے طول و عرض میں گھومنے پھرنے کی اجازت عطا کر دی۔

تھائی اہل کار کی طرح اس نے بھی نوٹ گنے بغیر اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ تاروں کی ایک معمولی باڑ کے آر پار نرخوں میں ایسا زمین آسمان کا فرق تھا۔ ترقی یافتہ شہروں کے مقابلے میں دور دراز اور پس ماندہ سرحدی علاقوں کے وہ طور طریقے میرے لیے حیران کن تھے۔

''تیزی سے نکل چلو۔'' ویرا نے میری پشت پر ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اس مردود کو صرف ہزار ڈالر دیے ہیں۔ اس نے گن لیے تو تمہیں روک لے گا۔''

میں نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

سرحد پار کرنے کے چکر میں ہم مجموعی طور پر ایک ہزار چھ سوڈالر کے خسارے سے دوچار ہو چکے تھے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک بڑی رقم تھی۔ ہم حالات کے چنگل میں اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ وہ اس سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتا تو ہم وہ بھی ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

یہ بڑی بات تھی کہ اس رشوت کے عوض ہم سے ہمارے کاغذات کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا تھا نہ مسروقہ گاڑی کی ملکیت کا ثبوت طلب کیا گیا۔ ہم اپنے ساتھ چوری کی ایک بیش قیمت گاڑی کمبوڈیا میں لے آئے تھے جسے سرحدی چور بازار میں بیچ کر ہم آسانی سے اپنا نقصان پورا کر سکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خون نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑانا اس نوجوان کا شغل ہو گیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیسرا سلسلہ۔ آدم خوروں کو زہر فروخت کرنے والوں کی تصویریں

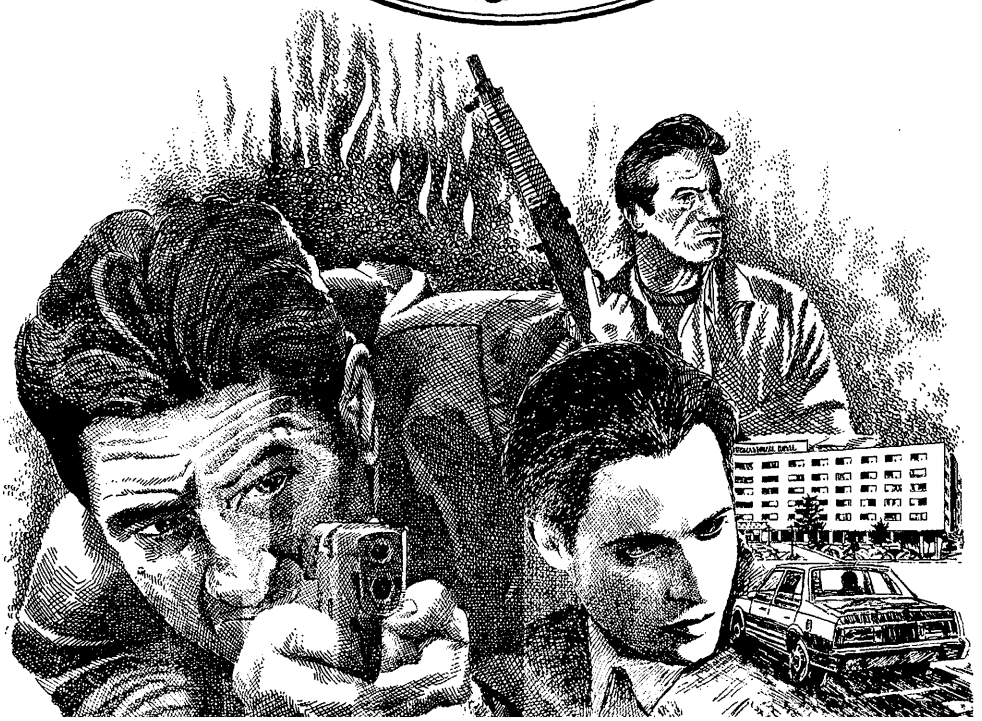

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغرب، معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں سے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلیجنٹ ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارنز صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارنز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسر گرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں قتل کرا سے انوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سہیل کے ذریعے سوبھراج نے کرایا تھا۔ ناہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوبھراج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا سب تک ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی حکام ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلبر میں بم رکھا کے کرائے۔ اسی دوران سوبھراج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری انگوٹھی کے زہر کا نشانہ بن گیا تھا جس کے باعث سوبھراج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوبھراج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے غدار سے خود ہی نمٹ لیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پر عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوبھراج خطرہ بھانپتے ہی وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پر تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریفک سسٹم کے باعث مجھے سوبھراج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی موت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کھیتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ سامنے کی پولیس آفیسر کمرے کی تلاشی لینے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامنے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرا اس طرح امتحان لینا چاہ رہا تھا اور خوش قسمتی سے میں اس میں سرخرو ہوا تھا۔ میں وہاں سے روانگی کے لیے پر تول رہا تھا کہ راجن کے آدمیوں سے میرا ٹکراؤ ہوا۔ وہ مجھے اور اسد کو سبق سکھانا چاہتے تھے مگر ہم سے پٹ کر فرار ہوئے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب راجن سے دو دو ہاتھ کیے بغیر وہاں سے روانہ نہیں ہوں گا۔ اسی دوران ڈان سے ملاقات میں میں نے راجن کی بوٹ کو تباہ کرنے کی تجویز پیش کی اور وہ خوش ہو گیا۔ جلال نے بتایا کہ اس کی بنکاک تبادلے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اسد بنکاک میں اپنی آخری رات گزار رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے اس کے گھر پہنچے اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مخاصمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ مکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پہ اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک جا پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمیٰ نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پیٹ ڈالی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمیٰ کو لے کر اسٹیشن نور میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی مہم پہ لگا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی ناٹی ایک عورت راجن کی بوٹ کے قتلے میں بم لگانے پر آمادہ ہوئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے کاٹیج پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریزاں تھا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چائے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکاری آئی اے والوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤ ڈان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جا رہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس ضلع کے چھٹا مور بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا یوں لگتا تھا میں نے راجن کے محل میں آ کر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ ڈان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دعوت پر آئے چھ بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع مل چکی تھی کہ ڈان برنارڈ اس کے خلاف میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برنارڈ کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چنا کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ ڈان برنارڈ اس خبر سے بے حد خوش ہوا تاہم وہ مجھ سے اس سارے واقعے کی تفصیل جاننا چاہتا تھا میں نے امریکی کرنل گیری اور بنکاک کے ٹیلی فون نظام میں گڑبڑ کی کہانی سنا کر اسے قائل کر دیا کہ جو کچھ ہوا اس میں میری کارکردگی سے زیادہ راجن کی بدقسمتی کارفرما تھی۔ اسی دوران ویرا اور سلطان شاہ بھی بنکاک پہنچ چکے تھے وہ ہم سے علیحدہ قیام پذیر تھے ہمارا خیال تھا کہ وہ بنکاک میں محفوظ ہیں مگر سلطان شاہ کے کمرے کی تلاشی لی گئی تو ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی اس کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان شاہ کی نگرانی کی جا رہی تھی جس پر ویرا نے اپنی فطری ذہانت سے کام لے کر نگرانی کرنے والے کی درگت بنا ڈالی۔ یہ خطرناک صورت حال تھی۔ اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سی آئی اے ایجنٹ سلطان شاہ کے تعاقب میں تھائی لینڈ تک پہنچ چکے تھے۔ میں اب وہاں سے نکلنے کے لیے پر تول رہا تھا مگر ڈان کا اصرار تھا کہ میں اس کا دست راست بن کر وہیں رہوں۔ امریکیوں سے نفرت کرنے کے باوجود وہ راجن کی موت کے بعد ان کے ہاتھوں میں کھیلنا چاہ رہا تھا۔ کرنل گیری نے اس کے ذمے سلطان شاہ اور ویرا کو ڈھونڈنے کی ذمہ داری لگا دی تھی۔ اس موقع پر میں نے چاؤ ڈان سے مدد لینے کا فیصلہ کیا میں اس کی مدد سے تھائی لینڈ چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ میری باتوں میں آ کر میرے فرار کا منصوبہ بنانے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ جب تک میں بنکاک میں موجود ہوں ڈان اسے اپنا دست راست نہیں بنائے گا جبکہ میرے منظر سے ہٹ جانے کے بعد ڈان مجبور ہو گا کہ اسے آگے لائے اور اپنا نمبر دو بنا ڈالے۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ ڈان کے خلاف میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ سے کمبوڈیا جانے کا تھا۔ دوسری طرف ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان مفاہمت پروان چڑھ چکی تھی پھر اچانک ویرا نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے مجھے ششدر کر ڈالا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ سلطان شاہ سے شادی پر آمادہ ہے۔ یہ حقیقی خوشی تھی جو ان ناگفتہ حالات میں مجھے ملی تھی۔ ہمارے فرار کا منصوبہ تیار تھا۔ ڈان کے اپنی حیثیت کی بحالی کی خوشی میں پارٹی کا بندوبست کیا تھا۔ مجھے وہیں سے اسے جل دے کر نکلنا تھا۔ پارٹی زور دار تھی اور اس میں کرنل گیری بھی موجود تھا۔ میرا اس سے تعارف ہوا وہ مجھ سے ڈینی کے حوالے سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ ہم وہاں سے نکلے تو راستے میں اس نے مذہب چھڑ ہو گئی اس کی موت اسے ہمارے راستے میں لے آئی تھی۔ اسے واصل جہنم کر کے ہم نے سلطان شاہ اور ویرا کو ساتھ لیا اور کمبوڈیا کی طرف روانہ ہو گئے۔

آخری قسط کے واقعات

مشرق بعید کے اس حصے میں ترقی اور خوش حالی کے سارے مظاہر میکڑوں میل پیچھے رہ گئے تھے۔ جو چمک دمک بنکاک میں نظر آتی تھی۔ وہ شہر سے نکلنے کے بعد عنقا ہو گئی تھی۔ ہر طرف کچے پکے مکانات دیہاتوں کی صورت میں بکھرے ہوئے نظر آئے جن کے درمیان کہیں کوئی پرشکوہ عمارت یا یادگار نمایاں نہیں تھی۔ رات کے اندھیرے میں سفر کرتے ہوئے اس علاقے کی پس ماندگی کا احساس اور بھی نمایاں ہو رہا تھا کیونکہ تاریک آبادیوں میں کہیں کہیں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہاں بیشتر علاقوں میں بجلی تک دستیاب نہیں تھی۔ ہم بنکاک سے جوں جوں دور ہوتے چلے گئے، تھائی لینڈ کی ترقی کا تصور دھندلاتا چلا گیا۔ اس ملک میں اگر کوئی تعلیمی یا معاشی ترقی ہو رہی تھی تو اس کے ثمرات صرف اس اشرافیہ تک محدود تھے جس کے نمائندوں کو ہم ڈان کی محفل طرب و نشاط میں ہوش و خرد سے بے گانہ ہو کر حیوانی جبلتوں کی تسکین میں مبتلا چھوڑ آئے تھے۔ دور افتادہ مقامات پر رہنے بسنے والے عام لوگ ترقی کے فیوض سے ناآشنا تھے۔ دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح تھائی لینڈ میں بھی گنے چنے امرا اور سرکاری اہل کار پھل پھول رہے تھے۔ کرپٹ اہل... کاروں اور حریص اشرافیہ کی بدمعاشی سے حاصل ہونے والی معاشی ترقی کو بھی شماریاتی گورکھ دھندوں میں الجھا کر پورے ملک کے باشندوں کی ترقی کا پیمانہ بنا دیا گیا تھا۔

سرحد پار کرنے کے بعد ترقی کا رہا سہا تاثر بھی جاتا رہا۔ طویل مدت تک خانہ جنگیوں اور جنگی آزمائشوں میں مبتلا رہنے والے کمبوڈیا کا دور افتادہ سرحدی علاقہ غربت اور پس ماندگی کی عبرت اثر تصویر پیش کر رہا تھا۔ دھان پان جسموں اور بوسیدہ لباسوں والے کمبوڈین دہقان اپنی زبانِ حال سے وہ سب بتا رہے تھے جو کسی خبر یا رپورٹ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتا تھا۔

زمین پر بانس کی رکاوٹ کی صورت میں بنی ہوئی سرحدی لکیر سے ہمارا فاصلہ بڑھتا رہا۔ کچھ دیر تک ویران علاقے میں سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک آبادی کے آثار نظر آنے لگے۔

ویرانے بنکاک سے سفر کی ابتدا میں غزالہ سے نقشہ لے کر اس پر یوں قبضہ جمایا تھا کہ کسی اور کو اس پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ راستے بھر اس سفری نقشے کا جائزہ لے کر گاہے گاہے مشورے دیتی رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہوئے اندازہ لگایا کہ چاؤ فان نے ہماری رہنمائی کے لیے نقشے پر سرخ لکیر نہ لگائی ہوتی تب بھی راستہ بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا، پھرانا خون سے آگے صرف ایک لہراتی اور بل کھاتی ہوئی سڑک سرحد تک چلی آئی تھی جس سے راستے میں جابہ جا بہت سے کچے راستے ملے ہوئے تھے۔ اس اکلوتی سڑک پر بھٹکنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

آبادی کے موہوم سے آثار نظر آتے ہی ویرا نے نعرہ لگایا کہ ہم سیسوپھون پہنچنے والے تھے۔

''اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے۔ سفر کرتے ہوئے دیر سویر... اس قصبے کو آنا ہی تھا۔'' سلطان شاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''اس طرح سپاٹ انداز میں سوچو گے تو زندگی اور موت کی بھی کوئی وقعت نہیں رہے گی۔ ویرا نے چٹخنے کے بجائے متانت سے جواب دیا'' زندگی ایک مخصوص عمل کے نتیجے میں جنم لیتی ہے اور ہر پیدا ہونے والے کو ایک نہ ایک دن مرنا ہوتا ہے۔ تمہاری سوچ کے مطابق کسی کے پیدا ہونے یا مرنے کی کوئی اہمیت نہیں ہونی چاہیے۔''

''یہی اس زندگی کی سب سے اٹل حقیقت ہے جسے ہم زندگی بھر بھولے رہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے برجستہ کہا۔ ''آخری وقت سامنے آتا ہے تو ہم یکا یک صدمے اور دہشت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔''

''یہ معاملات اتنے سہل اور سیدھے نہیں ہیں جتنا تم بیان کر رہے ہو۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں دخل انداز ہوتے ہوئے تبصرہ کیا'' تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ راجن اور گیری کے مرنے پر مجھے کیسی خوشی ہوئی تھی۔''

''یہ بھی ڈینی کے دل سے پوچھو کہ اسے باپ بننے کی خبر سن کر کتنی خوشی ہوئی ہے۔'' میری بات مکمل ہوتے ہی ویرا بول پڑی۔

ویرا شاید دلوں کے بھید جان لیتی تھی۔ اس نے وہ بات کہہ ڈالی جو میں سوچنے کے باوجود اپنی زبان پر نہیں لا سکا۔ زندگی اور موت کا فلسفہ اتنا غیر اہم نہیں تھا جتنا سلطان شاہ نے بتایا تھا۔ مجھے غزالہ کی کوکھ میں پنپنے والی نئی زندگی کی اس سے کہیں زیادہ خوشی تھی جتنی اپنے مضبوط حریفوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے حاصل ہوئی تھی۔

ان دونوں کی باتوں میں دخل انداز ہوتے ہوئے میرے ذہن میں ایک عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی، میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ اگر دشمنوں سے جاں گسل معرکہ آرائی کے دوران ہمارے گھر کوئی نومولود آ گیا تو اس کا مستقبل کیا ہوگا۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ میں نے اپنی عملی زندگی کی ابتدا بہت صبر آزما حالات میں کی تھی۔ باپ کے سائے سے محرومی کے بعد سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے ستم جھیلے، گھر سے دربدر ہوا اور ان ہی حالات میں اپنی سگی ماں کو بھی ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ وہ میری زندگی کا سیاہ ترین دور تھا جب آسمان مجھے اپنا دشمن نظر آ رہا تھا اور زمین مجھ پر تنگ ہو چکی تھی۔

اپنا آبائی شہر لاہور میرے لیے اجنبی ہو گیا جہاں دور دور تک مجھے ایسی کوئی سایہ دار ہستی نظر نہیں آتی تھی جس کی محبت اور شفقت کے سائے میں، میں زندگی کی کٹھن راہیں حوصلہ مندی سے طے کر سکوں۔

ماں اور باپ کو کھو دینے کے بعد انسان دنیا میں کس طرح خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ مجھے اس کا خوب تجربہ تھا۔ اس ہولناک اور اندر سے توڑ پھوڑ دینے والے تجربے کے بعد میں تہی دست کراچی آیا اور اس شہر نے مجھے قبول کر لیا۔

شی میں میری شمولیت مجھے ایک تازہ خواب کی طرح یاد تھی۔ ہیروئن کس طرح بازار میں متعارف ہوئی اور گھر گھر پھیلتی چلی گئی، میں اس عمل کا عینی شاہد بلکہ اہم کارگزار تھا۔ میرے سامنے انتخاب کی کوئی راہ نہیں تھی۔ وہ میری مفلسی اور مجبوریوں کی بھاری قیمت تھی جو میں نے آسان جان کر خوشی سے ادا کی پھر میں شی کی مقامی تنظیم میں ایک اہم رتبے تک پہنچ گیا۔

شاید میں عمر بھر اسی رو میں بہہ کر ایک خطرناک منشیات فروش کے طور پر اپنی زندگی کا سفر گزار کر کسی بھیانک انجام سے دوچار ہوتا مگر میرا ضمیر زندہ تھا، دل و دماغ کے نہاں خانوں کے کسی گوشے میں خیر و شر کی تمیز موجود تھی جسے میں نے اپنی مجبوریوں کے تحت تھپک تھپک کر سلا دیا تھا مگر وہ میرے وجود میں اندر ہی اندر جان پکڑتی رہی۔

جب اوپر والوں نے میرے جگری دوستوں اور شی کے بااثر کارندوں کو لگنا شروع کیا تو میرے وجود پر شر کی گرفت کمزور ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گناہ فروشوں سے میری کھل کر ٹھن گئی۔ وہ میرے ملک میں میرے ہم وطنوں سے موت کی سوداگری کر رہے تھے۔ بھاری مول لے کر انہیں وہ زہر بیچ رہے تھے جو انسان کے وجود کو اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر دیتا ہے اور ایک روز ہیروئن کا عادی کسی کوڑا گھر میں، گندے نالے کے کنارے یا فٹ پاتھ پر خاموشی سے مر جاتا ہے۔ بدنامی کے خوف سے ان کے گھر والے ان خستہ حال لاشوں کے قریب نہیں آتے۔ عبدالستار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایدھی کے رضا کار اُن لاوارث لاشوں کو خاموشی سے کفن دے کر کسی گورستان میں دفن کر دیتے ہیں۔

موت کے سوداگروں سے میری لڑائی قدم قدم پر جاری رہی۔ میں نے دور دراز سفر کر کے جگہ جگہ ان کے بڑے مفادات کو اس طرح تباہ کیا کہ شی کو پالنے والا امریکی صدر وائٹ ہاؤس کی چار دیواری میں شی کے بانی جمی لائیڈ کو سفاکانہ انداز میں مروانے پر مجبور ہو گیا۔

جمی لائیڈ کی پُراسرار ہلاکت شی کی بربادی کی ابتدا تھی۔ اس کے جانشین ایک ایک کر کے میرے ہاتھوں مارے جاتے رہے پھر شی کا ذکر رفتہ رفتہ ناپید ہو گیا۔

وہ میرے ماضی کے گناہوں کا کفارہ تھا جو میں پورے خلوص سے ادا کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں یہ بھید کھلے کہ منشیات فروشی سے حاصل ہونے والی بھاری رقمیں امریکی ایجنسیوں کے ذریعے متعدد ملکوں کے خلاف استعمال ہو رہی تھیں جن میں پاکستان سرفہرست تھا۔

امریکی حکمراں پاکستان کو سرکاری طور پر اپنا دوست کہتے نہیں تھکتے تھے۔ وہ اسے اہم اتحادی اور حلیف کا درجہ دے کر پاکستانی خواص کو خوش کرتے لیکن چوری چھپے ان کی ایجنسیاں پاکستان میں افراتفری اور انتشار پھیلانے کی سازشوں پر کاربند تھیں۔ انہیں ساری ہدایات وائٹ ہاؤس کے اس شیطانی گڑھ سے ملتی تھیں جہاں سے گہری دوستی اور قریبی مراسم کے اعلامیے جاری ہوتے تھے۔

میں دل و جان سے وہ لڑائی لڑ رہا تھا لیکن غزالہ کی زبان سے خوش خبری سنتے ہی میرے دماغ میں بہت سے سوال ابھرنے لگے تھے۔

ان سوالوں پر ایک حقیقت سب سے زیادہ بھاری تھی۔ میرے ساتھی ہمیشہ کہتے رہے تھے کہ کسی ریاست سے لڑ کر کوئی فرد نہیں جیت سکتا۔ فرد اپنی ذات میں اکیلا ہوتا ہے۔ ریاست کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہاتھ پیر ہوتے ہیں۔ ایک مرتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا لے لیتا ہے، وہ گرتا ہے تو تیسرا سامنے آجاتا ہے۔ مجھے یکایک محسوس ہو رہا تھا کہ میں کبھی نہ ختم ہونے والی ایک جنگ میں مصروف تھا۔ اس کا خاتمہ صرف ایک ہی صورت میں ممکن تھا کہ میرے دشمن مجھے مار دیں۔

مجھے مرنے کا کوئی خوف نہیں تھا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ میرا ایمان تھا کہ ہر ذی روح کی موت کا ایک وقت مقرر ہے جسے ٹالنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسی کے ساتھ میں یہ بھی جانتا تھا کہ ریل کی پٹری پر لیٹ کر کاتبِ تقدیر کے کرشموں کا انتظار کرنے والے پلک جھپکتے میں اپنی زندگی ہار جاتے ہیں کوئی ریل ان کو زندگی کے چند سانس عطا کرنے کے لیے پٹری چھوڑ کر کھیتوں اور میدانوں میں نہیں اترتی، وہ ان کے وجود کو کچل کر دندناتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے۔ اس وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرنے والے کی موت اسی طرح لکھی گئی تھی۔ اس کے عقل پر پردہ نہ پڑا ہوتا تو ریل اس کے گھر کی خواب گاہ میں گھس کر اس کی زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکتی تھی۔

میں کرشموں کا قائل نہیں تھا۔ تقدیر کے فلسفے پر میرا یقین بہت مضبوط تھا مگر میں تدبیر سے ٹالے جانے والے مصائب کو بے عملی سے جھیلنے کو حماقت سمجھتا تھا۔ اپنے دشمنوں سے بچنا اور انہیں خاک و خون میں نہلانا میرا حق تھا جسے میں پوری طرح استعمال کر رہا تھا لیکن فرد اور ریاست کی طاقت اور رسائی کا ادراک مجھے پہلی بار ہو رہا تھا۔

میں تنہا ان سے برسرِ پیکار تھا۔ میرے ہمدرد معذرت خواہانہ انداز میں چھپ چھپا کر میرا ساتھ دے رہے تھے۔ میں اپنے دشمنوں کی سازشوں کے طفیل اپنے وطن میں اشتہاری مجرم بنا ہوا تھا۔ اپنی اور غزالہ کی سلامتی کے لیے مجھے جلال اور اول خان کے مشوروں پر جلا وطنی قبول کرنی پڑی تھی۔ میں نے راجن اور پھر گیری کو جہنم واصل کر کے اپنے اہداف سے زیادہ کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اس کے باوجود میرے لیے وطن میں داخلے کی ہر راہ مسدود تھی۔

میں کہاں جاؤں..... میری اولاد کی جائے پیدائش کیا ہوگی..... اسے دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد اپنے باپ کا سایہ نصیب ہو سکے گا یا اس کی پیشانی پر پیدائشی یتیم کا داغ لگا ہوا ہوگا..... وہ سب لرزا دینے والے سوال تھے۔

زمین پر خیر و شر کی لڑائی ازل سے جاری تھی اور اسے ابد تک جاری رہنا تھا۔ اس میں کسی ڈینی کے شامل ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ لڑائی اس وقت بھی جاری تھی جب میرا کہیں وجود نہیں تھا۔ میرے بعد بھی اسے ختم نہیں ہونا تھا۔ میری ذات محض ایک درمیانی کڑی تھی جس کے طفیل لڑائی میں ذرا تیزی آئی ہوئی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری جگہ لینے والے اسے اور تیز کر دیتے۔

''تم کہاں کھو گئے!'' ویرا نے پیچھے سے میرے شانے پر ہاتھ مار کر میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے بارے میں ابھی کچھ کہا تھا۔''

''وہ تمہاری اور سلطان شاہ کی بات تھی۔ میرا کچھ کہنا ضروری نہیں تھا۔'' میں نے اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے دل میں گدگدیاں ہو رہی ہوں گی مگر ہم سے اپنے جذبات چھپا رہے ہو۔'' ویرا بولی ''ذرا تم سلطان شاہ کو بتاؤ کہ پہلی اولاد کی خوشی کیا ہوتی ہے۔''

''یہ جاننے کے لیے سلطان شاہ کی آڑ کیوں لے رہی ہو؟'' یکایک غزالہ بولی ''سننا ہے تو مجھ سے براہِ راست سنو کہ کسی بھی عورت کے لیے پہلی بار ماں بننے کا تجربہ بہت انوکھا، پرگداز اور باوقار ہوتا ہے ماں بن کر ہی ایک عورت کی ذات کی بھرپور تکمیل ہوتی ہے ورنہ وہ زندگی بھر بہت خاموشی سے اس محرومی اور اس سے پیدا ہونے والی بے شمار تشنگیوں کو جھیلتی رہتی ہے۔ میری خواہش بلکہ دلی دعا ہے کہ تم بھی مستقبل قریب میں اس باعزت تجربے سے گزر سکو۔''

غزالہ نے موقع پاتے ہی ویرا پر بہت زبردست وار کیا تھا۔ اس کے فقرے اس قدر نپے تلے اور بھرپور تھے کہ ویرا سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا اور چند لمحوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی۔ مجھے غزالہ سے ایسی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔ میں خود بھی لمحہ بھر کے لیے سناٹے میں آ گیا۔

سب سے پہلے میں نے سنبھالا لیا اور غزالہ کی بات کا سہارا لے کر ویرا سے کہا۔ ''یہ چھپانے والی باتیں نہیں ہیں۔ دنیا بھر میں ہر لمحے کئی بچے جنم لیتے ہیں لیکن پہلی بار کسی نئے انسانی وجود کی پرورش کا تجربہ واقعی انوکھا ہوتا ہوگا۔ میں خود بھی اس خبر سے بہت خوش ہوں اولاد مرد اور عورت کے رشتے کو مضبوط کرنے کے ساتھ ان کی زندگیوں میں بے شمار چھوٹی چھوٹی مسرتیں لاتی ہیں۔ شادی ان خوشیوں کا پہلا سنگِ میل ہوتی.....''

''یہ مجھے کیا سنا رہے ہو!'' ویرا نے اچانک میری بات کاٹ دی ''معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خوشی میں کھو کر تم بہت کچھ بھول گئے ہو۔''

ویرا کے لہجے میں کوئی تلخی نہیں تھی۔ مجھے یاد آ گیا کہ اس بارے میں اس سے بات کرنی بے سود تھی۔ وہ پہلے ہی مجھے اپنا سرپرست قبول کر کے فیصلے کا اختیار مجھے دے چکی تھی۔

میں نے پچھلا دن بہت مصروفیت میں گزارا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور ذہنی تکان کے بعد شام کو ہم ڈان کی پارٹی میں چلے گئے جہاں اس نے راجن کی غرق ہونے والی وائٹ ہاک کی ٹکر پر اپنے مہمانوں کے لیے طرب و نشاط کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہاں سے رات گئے ہمارے سفر کا آغاز ہوا جو اس وقت بھی جاری تھا۔

کم و بیش چوبیس گھنٹوں کی اس تھکن میں صرف ایک خیال نے ہم چاروں کو پوری طرح فعال اور متحرک رکھا ہوا تھا کہ ہمیں جلد از جلد ڈان کی دست رس سے اتنی دور نکل جانا چاہیے کہ اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود ہمارے فرار کی راہ میں کوئی رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ اس جدوجہد میں میرا جسم پوری طرح چاق و چوبند تھا لیکن ذہن پر شاید کچھ تھکن طاری ہو چلی تھی جس کے نتیجے میں سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔

''تم سن رہے ہو کہ ویرا کیا کہہ رہی ہے.....!'' اس بار میرا تخاطب سلطان شاہ سے تھا جو بیجیرو کی پچھلی سیٹ پر ویرا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''سب سن رہا ہوں۔'' سلطان شاہ نے رکھائی سے جواب دیا۔ ''یہ تمہاری اور اس کی باتیں ہیں۔ مجھے ان سے کیا لینا!''

''یہ ایک اصولی گفتگو ہے۔'' غزالہ نے اسے ٹوکا۔ اُس میں تم کو بھی دلچسپی لینی چاہیے کیونکہ شادی ان گنت خوشیوں کا پہلا سنگ میل ہوتی ہے اور اس سے نسلِ انسانی کو فروغ ملتا ہے۔''

''میں حیران ہوں کہ رات بھر کے تھکا دینے والے سفر کے باوجود تم لوگوں کو ایسی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' اس بار بھی سلطان شاہ کا انداز لاتعلقانہ تھا۔

''تھکن اور کوفت کے عالم میں ایسی باتیں دل کو خوش کرتی ہیں، ان سے جینے اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔'' میں نے گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ ہم جلد از جلد سیسو پھون پہنچ جائیں اور مجھے ایک آرام دہ بستر مل جائے تاکہ میں چند گھنٹوں کی نیند لے کر اپنی تھکن اتار سکوں۔'' سلطان شاہ نے کسی بھی طرح گرفت میں نہ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔

''تمہاری نیند ادھوری ہوگی۔'' غزالہ نے بات سے بات نکال لی۔ ''تھکے ہارے مرد کے لیے خدمت گزار بیوی ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔ وہ سنگلاخ زمین کو بھی پھولوں کی سیج میں بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم دونوں کیا چاہ رہے ہو۔'' وہ الجھے ہوئے اور ہراساں لہجے میں بولا۔ ''ابھی ڈینی نے ویرا کو شادی کی افادیت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اب تم میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ یہ تمہاری کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔''

غزالہ بے ساختہ ہنس دی اور بولی ''رات سے ہم تمہارے ہم سفر ہیں۔ سازش کیسے کرتے؟ یہ وقت بہت مناسب ہے۔ ہماری شادی مکاؤ میں ایک چینی مولوی کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ذریعے ہوئی تھی۔ تم چاہو گے تو ہم سیسو پھون میں کسی کمبوڈین قاضی کا بندوبست کرلیں گے۔''

''تم لوگ بلاوجہ بات بڑھا رہے ہو۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں ہے۔''

''یہ مذاق نہیں حقیقت ہے!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا ''تمہاری منطق کے مطابق ایک کافرہ سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔ ویرا پہلے بھی کافر نہیں تھی۔ اہلِ کتاب تھی۔ اب وہ مسلمان ہوچکی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی سگریٹ نوشی میں بھی کمی آچکی ہے۔ اس قصے کو اب طے ہوجانا چاہیے۔ تم دونوں نے لڑ جھگڑ کر اپنا بہت وقت برباد کرلیا ہے۔''

''شاید تم نے گاڑی کی رفتار اسی لیے کم کی ہے کہ تمہیں اس بارے میں بات کرنے کے لیے کچھ وقت مل سکے۔'' سلطان شاہ نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد اپنی زبان کھولی ''یہ سن لو کہ اتنے اہم فیصلے یوں راہ چلتے نہیں کیے جاسکتے۔ ان کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔''

''تم ہمیشہ یہی بہانہ لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ آخر تمہیں کتنا وقت درکار ہے؟'' غزالہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تمہیں اپنے گاؤں سے کسی بڑے کے خط کا انتظار ہے..... تم خود کافی بڑے ہوچکے ہو، تمہیں مردانگی کے ساتھ اپنا فیصلہ خود کرلینا چاہیے۔''

''تم کیسی احمقانہ باتیں کررہی ہو.....'' سلطان شاہ چڑ کے بولا ''ہمارا کوئی گھر در ہے نہ ٹھکانا، پل پل میں ہم جگہیں بدلتے رہتے ہیں۔ کیا ایسے حالات میں کسی سے خط کتابت کا تصور کیا جاسکتا ہے؟''

''میرا بھی یہی مطلب تھا۔ جب کہیں سے مشورے کی امید بلکہ ضرورت نہیں تو اپنا فیصلہ خود کیوں نہیں کرلیتے!'' غزالہ اسے گھیرنے پر تلی ہوئی تھی۔

''تم لوگوں کی اجازت ہو تو میں ذرا ہنس لوں.....!'' ویرا اجازت طلب انداز میں سنجیدگی سے بولی۔

اچانک انجن کے ہموار شور میں سلطان شاہ کی ایک دبی دبی سی بے ساختہ سسکی ابھری۔ مشینی انداز میں میری نگاہیں عقب نما آئینے پر گئیں تو وہ برا سا منہ بناتا ہوا، اچھل کر ویرا سے دور ہورہا تھا میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ ان دونوں کے درمیان ہلکے پھلکے تشدد آمیز رومانس کا آغاز حوصلہ افزا تھا میرا اندازہ تھا کہ ویرا نے اسے چٹکی لی تھی۔

سلطان شاہ کی وہ آواز غزالہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اس نے شوخ اور دزدیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ سلطان شاہ نے ویرا کی کوئی شکایت کی نہ ہم دونوں نے اس کی بے ساختہ آواز کے بارے میں کوئی سوال کیا۔

''تمہیں ہنسنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟'' میں نے ویرا سے پوچھا۔

''تم پتھر کو جونک لگانے کی کوشش کررہے ہو۔'' ویرا نے جواب دیا ''میں نے اکیلے پن میں اتنی زندگی گزاری ہے، بقیہ بھی گزار لوں گی۔ رہا سلطان شاہ کا مسئلہ تو اسے بھی بھول جاؤ میں اس کی ذہنی گرہ کو شاید سمجھ رہی ہوں۔ کڑی پابندیوں میں بچپن گزارنے والے بہت سے مرد دنیا کی ہر عورت کو صرف ماں کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، خلوت میں عورت کا سامنا کرنے سے ڈرتے ہیں.....''

''یہ بکواس ہے۔'' سلطان شاہ غصیلی آواز میں غرایا۔ ''اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔''

''اوہ! تم کیوں بھڑک رہے ہو.....'' ویرا نے استہزائی انداز میں اسے پچکارا ''میں تمہارا نہیں، مردوں کی ایک قسم کا عمومی تذکرہ کررہی تھی۔''

''اگر تمہیں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں تو فیصلہ کیوں نہیں کرلیتے۔ ایک بار اقرار کردو یا انکار کردو تاکہ یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے!'' میں نے کہا۔

''فیصلہ بھی ہوجائے گا۔'' سلطان شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اسے کسی کی کوئی بات بری لگ گئی تھی۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''مجھے نشانہ بنانے سے پہلے اپنی بی جمالو سے بھی پوچھ لو کہ یہ کیا چاہتی ہے۔ ابھی کان دبائے تمہاری باتوں کے مزے لے رہی ہے، میں نے مشرق کہا تو یہ مغرب کو چل دے گی۔ تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ صرف مجھے دبانے سے تم دونوں کو کچھ بھی حاصل نہ ہوسکے گا۔ یہ محنت رائیگاں جائے گی۔''

''اس پر مجھے پورا بھروسا ہے کہ وہ میرے حکم کو نظر انداز نہیں کرے گی۔'' میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''میں نے کچھ کہا تو بے چون وچرا اسے مان لے گی۔''

''میں نے اپنی کشتیاں جلا کر تم لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔'' ویرا بولی ''میں اپنے وطن گئی تو میری بقیہ عمر کسی جیل میں گزرے گی۔ میرے ہم وطن میری آزادی بلکہ جان کے دشمن ہوچکے ہیں۔ میرے پاس تمہاری بات ماننے کے سوال کوئی چارہ نہیں ہے۔''

''اب بولو!'' غزالہ نے قدرے نرم لہجے میں سلطان شاہ کو للکارا۔

''تم کہہ رہے تھے کہ کمبوڈیا میں جلال ہم سے ملنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے آئے گا۔'' سلطان شاہ نے راستے میں ہونے والی گفتگو کے حوالے سے یکا یک ایک عجیب سوال داغ دیا۔

''میں نے صرف امکان ظاہر کیا تھا۔'' میں نے وضاحت کی ''میں نے اسے آنے سے منع کیا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی ہمارے نئے پاسپورٹ لے آئے۔''

''کاش! وہ خود آجائے میں اس سے مشورہ کر کے تمہیں اپنا فیصلہ سنادوں گا۔'' سلطان شاہ نے ایک بار پھر بات ٹال دی۔

''کسی کو اپنے اوپر بھروسا نہ ہو تو وہ اسی طرح لنگڑے لولے سہارے ڈھونڈتا ہے۔'' ویرا نے لقمہ دیا۔

''جو بے چاری اس کے پلے بندھے گی، نہ جانے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔''

''یہ نہ بھولو کہ اس وقت تم ہی زیرِ غور ہو۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا ''تمہاری یہ جلی کٹی باتیں مجھے زہر لگتی ہیں۔''

''جلنے والے کو جلانا میرا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ میری یہی بات کہیں لکھ لو کہ تم زندگی بھر غور کرتے کرتے سلطان شاہ غوری بن جاؤ گے، اپنا فیصلہ نہیں کرسکو گے۔ جلال آگیا تو تم کوئی نیا عذر تلاش کرلو گے۔''

''مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اسی وقت انکار کردوں'' سلطان شاہ نے اسے ڈرایا۔

''وہ بھی ایک فیصلہ ہوگا جو تمہارے بس سے باہر ہے۔'' بات کھل جانے کے بعد ویرا ترکی بہ ترکی جواب دینے پر تل گئی تھی۔

''تم جو چاہو بکتی رہو، میں نے تمہاری طرف سے اپنے کان بند کرلیے ہیں۔'' سلطان شاہ نے تلخی سے کہا۔ اقرار نہ کر کے وہ انکار بھی نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

ویرا سے براہِ راست گفتگو کے اس مرحلے پر انکار نہ کر کے اس نے میرا دل خوش کردیا مجھے پہلی بار یہ اندازہ ہوا کہ ویرا اس کے لیے گلے کی ہڈی بن گئی تھی جسے اگلنا یا نگلنا اس وقت اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا کی بہت سی عادات وصفات کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ دل و جان سے اس کی بہت سی خوبیوں کا معترف تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ مثالی بیوی قسمت کی خوبی سے لاکھوں میں کسی ایک کو ملتی ہے، بقیہ جوڑوں کو سمجھوتوں کے تحت زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ اگر سمجھوتا کرنا ہی تھا تو ویرا اس کے لیے بہترین انتخاب ثابت ہوسکتی تھی۔

گھاس پھوس اور گارے سے بنے ہوئے پہلے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے ہمیں چند ننگ دھڑنگ بچے مٹی میں کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ ان سے کسی رہنمائی کی توقع عبث تھی۔ میری نگاہیں کسی مرد کی تلاش میں بھٹکتی رہیں اور ہماری پجیرو رینگتی ہوئی اس بے نام ونشان قصبے میں داخل ہوگئی جو ویرا کے پاس موجود نقشے کے مطابق صرف سیسو پھون ہوسکتا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ ہماری شان دار گاڑی بچوں کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ بڑی اور نئی گاڑیاں سیسو پھون کے باسیوں کے لیے نئی چیز نہیں تھیں۔ وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی جن علاقوں میں اسمگلنگ اور دوسرے غیر قانونی دھندوں کی بھرمار ہوتی ہے وہاں رہنے والے غربت کی سطح سے قدرے اوپر زندگی گزارنے کے باوجود سامانِ تعیش دیکھنے کے اس قدر عادی ہوجاتے ہیں کہ کچھ بھی انہیں اجنبی یا حیران کن نظر نہیں آتا۔ سب کچھ ان کے ہاتھوں یا نگاہوں سے گزر چکا ہوتا ہے۔

اس اکلوتے مکان سے آگے بستی کا باقاعدہ آغاز ہوگیا، پختہ لیکن خستہ حال سڑک کے دونوں اطراف سے مکانات وغیرہ بنے ہوئے تھے جہاں زندگی کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ سڑک سے ان کچی تعمیرات کا فاصلہ اتنا تھا کہ سڑک چھوڑے بغیر کسی مکان یا دکان تک رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔

بستی کے سارے مکان پتھروں یا گارے کے بنے ہوئے تھے۔ چھتیں گھاس پھوس اور چٹائیوں سے ڈالی گئی تھیں، کہیں کہیں ٹین کی نالی دار چادروں کی چھتیں بھی نظر آرہی تھیں۔

''چلتے ہی جارہے ہو'' ویرا نے مجھے ٹوکا ''کہیں رک کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو، یہاں کوئی از خود تمہاری رہنمائی کے لیے نہیں آئے گا۔''

''سب جاہل مقامی دہقان نظر آرہے ہیں۔'' میں نے کہا ''کوئی ڈھنگ کا آدمی نظر آئے جو انگریزی کے دو چار الفاظ سمجھ سکے تو میں گاڑی روکوں!''

''انگریزی سے واقفیت کا اندازہ چہرے پڑھ کر نہیں لگایا جاسکتا۔'' وہ بولی ''تم سڑک سے اتار کر گاڑی روکو گے تو بھیڑ جمع ہونا شروع ہوجائے گی۔ ان ہی میں کوئی انگریزی داں بھی نکل آئے گا۔''

''وہ کوئی ڈھنگ کی دکان نظر آرہی ہے۔ ہمیں وہاں رکنا چاہیے!'' غزالہ نے آگے دہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کی زبان سے دکان کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آیا کہ ہوٹل چھوڑنے سے پہلے وہ بنکاک میں خریداری کرنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیے بے چین تھی۔ اس وقت مجھے اس کی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ میں نے اس کی بے چینی کو ایک عورت کا شوق سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اس وقت سمجھ میں آیا کہ وہ اپنے ہونے والے بچے کے لیے کچھ اہم خریداری کرنا چاہتی تھی۔

اس کی نشان دہی پر میں نے داہنی جانب دیکھا تو ایک بڑی سی دیوار پر رنگا رنگ تصویروں کے ساتھ نامانوس رسم الخط میں بہت کچھ لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ہم آگے بڑھے تو اس ساٹھ ستر فٹ لمبی دکان کا بڑا سا دروازہ بھی نظر آ گیا۔ گھروں کی طرح اس کے در و دیوار بھی مٹی، گارے اور پھوس وغیرہ سے بنے ہوئے تھے لیکن ہر رخ سے وہاں ایک قرینہ نظر آ رہا تھا۔ دروازے سے لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی، اندر سے آنے والوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ کچھ موجود تھا۔

اس دور افتادہ کمبوڈین قصبے میں شوقیہ خریداری کی کوئی گنجائش نہیں تھی، مقامی باشندے کسی نہ کسی ضرورت کے تحت دکان کا رخ کرتے ہوں گے۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے لیکن نہ صرف دکان کھلی ہوئی تھی بلکہ وہاں خریداری بھی جاری تھی۔

میں نے گاڑی سڑک سے اتار کر اس دکان کے دروازے سے ذرا پہلے روک لی اور انجن بند کر کے گاڑی سے اتر گیا۔

باہر کے رنگ روغن کے مقابلے میں اندر کا سماں مایوس کن تھا۔ سامان سجانے کے بجائے زمین اور چوبی میزوں پر ڈھیر کیا ہوا تھا۔ اندر سے وہ مجموعی طور پر کوئی گودام نظر آ رہا تھا۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہاں خریداروں کی بھیڑ میں دکان دار کون تھا۔

مجھے دکان میں گھس کر جائزہ لیتے ہوئے چند لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ پشت سے کسی نے سختی سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں تیزی سے پلٹا تو ایک ادھیڑ عمر مقامی مجھے تیز عقابی نظروں سے گھور رہا تھا۔

اس کی ہیئت دوسروں سے بہت مختلف اور عجیب تھی۔ اس نے نیلی جینز پہنی ہوئی تھی۔ کثرت استعمال سے اس کا رنگ جگہ جگہ سے اڑا ہوا تھا۔ اوپری دھڑ پر آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ پھنسی ہوئی تھی جس میں اس کا کسرتی جسم جھلک رہا تھا۔ دکان یا گودام میں دھوپ کا براہِ راست گزر نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ روشنی نہیں تھی لیکن اس نے اپنے سر پر بڑے چھجے والا انکوں کا ہیٹ جمایا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سروں پر پڑی ہوئی گہری جھریوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے ماہ و سال مسائل اور مصائب سے لڑ کر گزارے ہوں گے۔

اس نے نگاہیں چار ہوتے ہی مستفسرانہ لہجے میں اپنی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتایا کہ میں انگریزی کے سوا کسی اور زبان میں بات کرنے سے قاصر تھا۔

''کہاں سے آئے ہو..... کسی کی تلاش ہے تمہیں.....؟'' اس نے مقامی لہجے میں صاف انگریزی بول کر مجھے حیران کر دیا۔

''بنکاک سے آئے ہیں، ہمیں سیسوپھون میں نان فینگ سے ملنا تھا۔ یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے سوال کیا۔

اس نے میرے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔ لڑکیاں خریدنے آئے ہو.....؟''

میں نے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''مسافر ہیں، نوم پنہ تک رہنمائی چاہتے ہیں۔''

''کاغذات کے بغیر سرحد پار کی ہے؟'' اس نے پھر سوال کیا اور مجھے اس پر غصہ آنے لگا۔ کچھ بتانے کے بجائے اس نے ہماری انکوائری شروع کر دی تھی۔

''کچھ بتا سکتے ہو تو بتا دو ورنہ ہم کسی اور کو تلاش کرتے ہیں۔'' میں نے بے رخی سے کہا۔

''مجھے مطمئن کیے بغیر اب تم کہیں نہیں جا سکو گے۔'' اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ میرے ساتھ باہر آؤ۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی آئے ہیں.....؟''

''ہم چار ہیں..... دو مرد اور دو عورتیں!'' اس مرحلے پر کسی تصادم سے بچنے کے لیے میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے تیوروں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں بے خبری میں کسی غلط آدمی سے ٹکرا گیا تھا۔

''اوہ.....! شان دار گاڑی میں آئے ہو۔ یہ تمہاری اپنی ہے؟'' دروازے سے ہماری گاڑی پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے ساختہ کہا۔

''دوست!'' میں نے خون کا گھونٹ پی کر جواب دیا۔ ''فی الحال یہ ہماری اپنی ہے۔ ہم لمبے سفر سے آئے ہیں اور تھکے ماندے ہیں، ہمارا وقت برباد نہ کرو۔ ہمیں نان فینگ کا پتا بتا دو۔ ہمیں اس کے ایک گہرے دوست نے بھیجا ہے۔ تم نے ہمیں تنگ کیا تو ہم اس سے تمہاری شکایت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟'' اس نے چونک کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارے لیے وہ اجنبی ہوگا۔ اس کا نام پھوم فاٹ ہے!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''اوہو..... پھر تو تم میرے مہمان ہو!'' اس نے میرے دونوں شانے تھام کر مجھے تقریباً جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''تم صحیح جگہ پر پہنچے ہو۔ میرا نام نان فینگ ہے۔ میں ہر ایرے غیرے کو منہ نہیں لگاتا۔ اس راستے پر اکثر... خطرناک لوگ سفر کرتے ہیں۔ میں ان سے اپنا دامن بچاتا ہوں۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں تم کو مجھے پھانسنے کے لیے نہ بھیجا گیا ہو..... اب یہ شک دور ہوگیا۔ بتاؤ، میں تمہاری کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کی حریصانہ نظریں بار بار پجیرو کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

''ہمیں کچھ دیر کے لیے ایک کمرا اور باتھ روم فراہم کردو۔ تازہ دم ہونے کے بعد ہم جلد از جلد نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔'' میں نے پجیرو میں اس کی دلچسپی بھانپتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ''یہ مشکوک گاڑی ہے۔ جانے سے پہلے ہم اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وہ ستایشی انداز میں بولا ''مجھے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ گاڑی کا کوئی چکر ہوگا۔ میری دکان کے پچھلے احاطے سے یہ کھل کر تین چار گھنٹوں میں اس طرح غائب ہوگی کہ فرشتے بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکیں گے۔''

مجھے اس کی باتوں سے کچھ اشارے مل چکے تھے۔ تعارف بھی ہوگیا تھا۔ میں نے بے خوفی اور پورے اعتماد سے کہا ''پھوم فاٹ نے ہمیں یہی بتایا تھا کہ تم ہر کام میں ہمارے مددگار ثابت ہوگے۔ ہمیں اس گاڑی کا کیا مل جائے گا؟''

''کئی سال پرانا ماڈل ہے۔ چار پانچ ہزار ڈالر مل جائیں گے۔'' اس نے پجیرو پر ایک بھرپور نظر ڈال کر بے پروائی سے کہا۔

''سرحد پر ہمیں زیادہ رقم مل رہی تھی!'' میں نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

''تمہیں میرے دوست نے کچھ سمجھ کر میرے پاس بھیجا ہے میں تم سے زیادہ مول تول نہیں کروں گا۔'' اس نے جیبوں میں ہاتھ اڑس کر کہا۔ ''تمہیں اپنی گاڑی میں نوم پنہہ بھی لے جانا ہوگا۔ اس کی بھاری فیس ہوتی ہے۔ یوں کرتے ہیں کہ تم نقد چار ہزار لے لو۔ گاڑی میری ہوگئی۔ تمہیں حفاظت سے منزل تک پہنچانا میری ذمے داری ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ نان فینگ اس سودے میں چال بازی سے کام لے رہا تھا پھر بھی وہ میرے لیے گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ ہم نے سرحد پار کرنے کے لیے جو کچھ خرچ کیا تھا اس سے زیادہ ہاتھ آرہا تھا۔ میں نے کسی تکرار کے بغیر آمادگی ظاہر کردی۔

اس وقت تک کہیں بیٹھنے یا ٹکنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ نان فینگ سے سارے مذاکرات کھڑے کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے ایما پر میں گاڑی اسٹارٹ کرکے اس کی دکان کی پچھلی گلی میں لے گیا جہاں وہ ایک بھونڈا سا چوبی پھاٹک کھولے میرا منتظر تھا۔

گاڑی اندر جاتے ہی اس نے پھاٹک بند کردیا۔ وہ کچا صحن اتنا کشادہ تھا کہ بہ یک وقت وہاں دو تین گاڑیاں سما سکتی تھیں۔ وہاں کچی دیواروں کے ساتھ کچھ کا ٹھ کباڑ پڑا ہوا تھا۔ زمین پر سیاہ تیل اور گریس کے بڑے بڑے گہرے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ پہلی نظر میں اندازہ ہوگیا کہ نان فینگ نے پجیرو کو چند گھنٹوں میں غائب کرنے کا ذکر کرکے مبالغہ آرائی نہیں کی تھی۔

وہ کچا مکان قدیم طرز پر بنا ہوا تھا۔ اگلے حصے میں نان فینگ کی دکان تھی۔ اس کی پچھلی دیوار کے ساتھ تین کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے دھوپ سے بچاؤ کے لیے پھوس اور بانسوں کا بنا ہوا مختصر سا برآمدہ تھا جس کے آگے صحن یا کھلا ہوا گیراج واقع تھا۔

ہم سب اپنا مختصر اسباب لے کر گاڑی سے اترے تو نان فینگ نے پُرتپاک انداز میں سب سے ہاتھ ملایا۔ اس وقت تک اس نے ہم میں سے کسی کا نام جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے لیے صرف یہ حوالہ کافی تھا کہ ہمیں بنکاک سے پھوم فاٹ نے اس کے پاس بھیجا تھا۔

وہ ہمیں وسطی دروازے سے ایک کمرے میں لے گیا تو اس کی دیواروں پر چپکی ہوئی موٹی موٹی چھپکلیاں دیکھ کر ویرا اور غزالہ پھریریاں لیتی ہوئی باہر آگئیں۔ ویرا نے صاف کہہ دیا کہ وہ اس کمرے میں قدم بھی نہیں رکھے گی۔

نان فینگ ان دونوں کے کراہت آمیز خوف سے خاصا محظوظ ہوا۔ اس نے بتایا کہ جنگلی چھپکلیاں کھانے سے اکثر زہر خورانی کا خطرہ رہتا تھا۔ اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے اس نے اس کمرے میں چھپکلیوں کی نرسری بنائی ہوئی تھی۔ وہ انہیں سرخ چیونٹے، شہد کی مکھیاں اور کئی چیدہ چیدہ حشرات الارض کھلا کر پالتا تھا اور حسب خواہش انہیں اپنی خوراک میں استعمال کرتا رہتا تھا۔ وہ سب بے ضرر اور انسان دوست تھیں۔

چاؤ فان چوہے کھانے کا شوقین تھا، نان فینگ چھپکلیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا رسیا نکلا۔ یہ قدرت کا نظام ہے۔ اگر دنیا کی ساری آبادی چوپایوں کا گوشت کھانے کی شوقین ہوتی تو تیز ترین افزائش نسل کے باوجود شاید دنیا سے صدیوں پہلے چوپایوں کی نسلیں فنا ہو چکی ہوتیں۔ ہر قوم اور خطے کی غذائی عادتیں جداگانہ تھیں جن کے سبب طلب اور رسد کا توازن برقرار چلا آ رہا تھا۔

نان فینگ کی وضاحت چھپکلیوں کے مشاہدے سے زیادہ گھناؤنی اور کراہت انگیز تھی۔ وہ تقریرین کر سلطان شاہ کا بھی منہ بن گیا۔ نان فینگ نے ہماری ناپسندیدگی کا اندازہ کرتے ہوئے ہمیں دوسرا کمرا دے دیا جس کی دیواریں صاف تھیں۔ پھوس کے چھپروں کے استعمال کے باوجود اس کی بنائی ہوئی چھپکلیوں کی نرسری اتنی محفوظ تھی کہ متصل کمرا اس مخلوق کے تصرف سے محفوظ تھا۔

وہاں نل کے پانی کا سرے سے رواج نہیں تھا۔ سیسو پھون کی غریب عورتیں قلیل معاوضہ لے کر قریبی ندی یا کسی کنویں سے ضرورت کا پانی گھر گھر پہنچا دیتی تھیں۔ وہ نان فینگ کا گھر نہیں، محض کاروباری اڈا تھا۔ اس کے آدمی دکان چلاتے تھے۔ وہ فاضل وقت میں عقبی کمروں میں اپنے حواریوں اور لین دین کے لیے آنے والوں کے ساتھ محفلیں جماتا تھا۔ اس کے بیوی بچے قصبے کے کسی اندرونی علاقے میں رہتے تھے۔ وہ ان کے ساتھ رات گزار کر صبح سویرے دکان پر آ جاتا جسے وہ سیسو پھون کا اکلوتا سپر اسٹور قرار دے رہا تھا۔

غزالہ نے بیٹھنے سے پہلے اس کمرے کے ہر کونے کھدرے کا جائزہ لے کر یہ اطمینان کر لیا کہ وہاں کوئی چھپکلی موجود نہیں تھی۔ کمرے میں فرش کو اس مہارت سے لیپا گیا تھا کہ وہاں گرد کا نام و نشان نہیں تھا۔ فرش پر ایک بڑا قالین بچھا ہوا تھا۔ دو دیواروں کے ساتھ بان سے بنی ہوئی چار پائیاں پڑی ہوئی تھیں۔ باہر بنے ہوئے غسل خانے کے باہر ایک بڑے ڈرم میں پانی لبالب بھرا ہوا تھا۔ اس کے قریب ڈونگا اور بالٹی بھی موجود تھی جس میں ضرورت کے مطابق پانی لیا جا سکتا تھا۔

نان فینگ ہمیں اس کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا اور ہم نے اردو میں تبادلۂ خیال شروع کر دیا۔ ہمیں یہ اطمینان تھا کہ نان فینگ یا اس کا کوئی آدمی ہماری آوازیں سن کر بھی کچھ نہیں سمجھ پائے گا۔

ہم بنکاک سے نکل آئے تھے لیکن ڈان کی طرف سے میں مطمئن نہیں تھا۔ سیسو پھون جیسے قصبے میں اس کے آدمی بہت آسانی سے ہم تک پہنچ سکتے تھے۔ کمبوڈیا کا کوئی بڑا شہر ہمارے لیے محفوظ ثابت ہوتا جہاں رہنے اور بسنے والے انسانوں کے سمندر میں کسی کا سراغ لگانا آسان نہ ہوتا۔

ان تینوں کا ڈان برنارڈ سے براہِ راست واسطہ نہیں پڑا تھا اس لیے انہیں خطرات کا صحیح ادراک نہیں تھا۔ وہ سب نان فینگ کے ٹھکانے پر رک کر رات بھر کے سفر کی تھکن اتارنے کے موڈ میں تھے جبکہ میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

وہ تینوں میرے فیصلے سے واقف ہونے کے بعد کسل مندانہ انداز میں اِدھر اُدھر لیٹ گئے۔ میں کمرے سے باہر نکلا تو حیرت میری منتظر تھی۔ پانچ مقامی لڑکوں کی ایک ٹولی نہایت تیزی سے ہماری بیجیرو کو ادھیڑنے میں مصروف تھی۔ ٹائر، دروازے اور بونٹ سمیت بہت سے بڑے بڑے حصے اتارے جا چکے تھے۔ جن کا کہیں پتا نہیں تھا۔ بیجیرو کے قریب ایک ٹھیلا کھڑا ہوا تھا جس پر انجن سے الگ کیے جانے والے پرزے جمع کیے جا رہے تھے۔ لڑکوں کی پھرتی بتا رہی تھی کہ کچھ دیر میں گاڑی کا انجن بھی باہر آ جائے گا۔

آگے بڑھنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی کی تمام نشستیں بھی نکالی جا چکی تھیں۔ ان پیشہ ور لڑکوں کو آسانی سے نکالے جانے والے ہر حصے سے پوری واقفیت تھی۔ نٹ، بولٹ اور پنوں سے جڑے ہوئے ہر حصے کو انہوں نے مہارت سے اتار لیا تھا۔ سامان کا ڈھیر لگانے کے بجائے ساتھ ساتھ کہیں اور پہنچایا جا رہا تھا۔ ساری دیرا انجن اور گیئر بکس وغیرہ اترنے کی تھی۔ اس کے بعد وہاں بیجیرو کے کھوکھلے آہنی ڈھانچے اور چیسز کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

تیسرا کمرا کسی دروازے کے ذریعے دکان سے ملا ہوا تھا۔ میں غسل خانے سے لوٹ رہا تھا تو مجھے نان فینگ اس کمرے سے برآمد ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے پیچھے دو مقامی بڑے بڑے تھال اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ قریب جانے پر مجھے وہ تھال خورد و نوش کی اشیا سے بھرے ہوئے نظر آئے۔

نان فینگ نے ہماری مدارات کے لیے ناشتے اور کھانے کے جملہ لوازم یک جا کر دیے تھے۔ ہمارے انکار پر اس کا اصرار غالب آیا۔ وہ دونوں تھال قالین پر ہمارے سامنے سجا دیے گئے۔ جب میں نے اسے یہ بتایا کہ ہم شکم پری کے بعد فوری طور پر نوم پنہہ کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں تو وہ خاصا حیران ہوا۔ وہ کم از کم ایک رات کے لیے ہمیں سیسو پھون میں روکنا چاہ رہا تھا۔ مگر میں اس بارے میں اپنی ترجیحات کو خوب سمجھ رہا تھا۔ جب اسے اندازہ ہو گیا کہ ہم روانگی کے لیے پابہ رکاب ہیں تو وہ سفر کی تیاری کرنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارادے سے رخصت ہوگیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے اشتباہ آمیز انداز میں کھانوں وغیرہ کا جائزہ لیا اور اسے جس ڈش میں کوئی لمبی شے نظر آئی' اسے الگ کردیا۔ اس چھان بین کی زد میں گوشت آنا ہی تھا۔ اس نے سبزیوں کے لمبے قتلوں کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ چند گنی چنی اشیا ہمارے سامنے رہ گئیں جن میں دال، روٹی، چاول اور چائے شامل تھی۔

بارہ بجے نان فینگ تروتازہ ہوکر لوٹ آیا۔ اس نے آتے ہی اپنی جیب سے چار ہزار ڈالروں کا بند لفافہ نکال کر میرے حوالے کردیا۔

اس وقت تک سب کچھ بہت آسانی سے ہوتا چلا جارہا تھا۔ میں نے باتوں باتوں میں نان فینگ سے نوم پنہہ کے ہوٹلوں کے بارے میں بات چھیڑی تو اس نے بتایا کہ وہاں صرف کوئین ہوٹل ہی اس قابل تھا کہ وہاں کے سنجیدہ ماحول میں خواتین کے ساتھ قیام کیا جاسکے۔ بقیہ صرف نام کے فائیو اسٹار ہوٹل تھے وہاں بے فکری سے نہیں رہا جاسکتا تھا۔

ہم بنکاک سے بہ خیر وخوبی نکل آئے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ اسی طرح ہم سیسو پھون بلکہ کمبوڈیا سے بھی جلد از جلد نکل جائیں تاکہ ڈان کی طرف سے کسی بے جا رخنہ اندازی کا خوف سرے سے دور ہوجائے۔ اس کا انحصار ہمارے نئے پاسپورٹوں کی آمد پر تھا۔ جو جلال یا اس کے کسی آدمی کو لے کر آنا تھا۔

نان فینگ سے نوم پنہہ کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد میں نے ارادہ کرلیا کہ وہاں پہنچنے کے بعد ہم نان فینگ کو دھوکا دینے کے لیے عارضی طور پر کسی بھی ہوٹل میں پڑاؤ ڈالیں گے اور اس سے گلو خلاصی ہوتے ہی پہلی فرصت میں کوئین ہوٹل منتقل ہوجائیں گے۔

وقت کے زیاں سے بچنے کے لیے میں نے اسی وقت جلال کو اپنے پروگرام سے باخبر کرنا ضروری سمجھا۔ تھائی لینڈ کے سرحدی علاقے میں آتے آتے ہمارے موبائل فون بے جان اور ناکارہ ہوچکے تھے۔ بیٹریاں چارج ہونے کے باوجود سگنلز غائب تھے۔ میں نے نان فینگ سے کسی انٹرنیشنل فون کے بارے میں دریافت کیا تو وہ مجھے تیسرے کمرے سے گزار کر اپنے نام نہاد سپر اسٹور میں لے گیا جہاں ایک گوشے میں چوبی تخت پر گرد آلود دری کی صورت میں اس کی مسند لگی ہوئی تھی اور وہیں فون بھی نظر آرہا تھا۔

مجھے خوشی ہوئی کہ سیسو پھون میں پانی کی سہولت نہ ہونے کے باوجود بین الاقوامی فون دستیاب تھا۔

پاکستان کا وقت ہم سے دو تین گھنٹے پیچھے تھا۔ میں نے جلال کے موبائل فون نمبر پر رابطہ کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہم تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوچکے تھے۔

''میں اب بھی تمہاری طرف سے فکر مند ہوں۔'' ابتدائی گفتگو کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز ابھری۔ ''تھائی لینڈ سے نکلنے کے لیے تم نے بہت پُرخطر راستہ اختیار کیا۔ تم سے بات ہونے کے بعد میں نے انٹرنیٹ کی بہت خاک چھانی ہے۔ اس راستے پر ٹھگوں اور لٹیروں کا راج ہے۔ لوٹ مار پر غیر ملکی ذرا سی بھی مزاحمت کریں تو یہ بے دردی سے انہیں ہلاک یا زخمی کردیتے ہیں۔''

''ہم خطرناک راستہ طے کرچکے ہیں۔'' میں نے اسے بتایا ''یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارا کسی بدمعاش سے پالا نہیں پڑا۔ اب سیسو پھون کا سب سے بڑا دادا گیر ہمارا گائیڈ ہوگا رچ ڈھلنے سے پہلے ہم نوم پنہہ پہنچ جائیں گے۔''

''کیا تم رکے بغیر سفر جاری رکھو گے؟'' اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

''مجبوری ہے۔ ڈان کو ہوش آنے سے پہلے ہم بہت دور نکل جانا چاہتے ہیں۔ راستے میں ایک حادثہ یہ ہوا کہ کرنل گیری اچانک ہمارے سامنے آگیا۔ اسے زندہ چھوڑتے تو وہ ہمارے فرار کا بھانڈا پھوڑ دیتا۔ ناچار' اسے جہنم واصل کرنا پڑ گیا۔ یہ.....''

''کیا تم نے اسے مار دیا؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر اضطراری لہجے میں کہا۔ ''تم کیا کرتے پھر رہے ہو..... میں نے تم سے کہا تھا کہ اب اپنا نام سامنے نہ آنے دینا۔ اس کی لاش ملتے ہی ہر طرف ایک کہرام برپا ہوجائے گا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ گیری ان کا بہت مضبوط مہرہ تھا۔ اس کے قاتل تک پہنچنے کے لیے وہ زمین اور آسمان ایک کردیں گے!''

''تم بلاوجہ اعصاب زدہ ہورہے ہو۔ ہم اس کی لاش ایک ویرانے میں دبا آئے ہیں۔ درندوں نے اسے نکال کر کھانا شروع نہ کیا تو کئی دنوں تک کسی کو اس کے انجام کا پتا نہیں چلے گا۔ لاش مل گئی تو میرا نام کہیں نہیں آئے گا۔ حالات بد سے بدتر ہوئے تو شبہ علی احمد پر ہوگا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اسے کس طرح مارا گیا؟'' وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوسکا۔

''گولی سے!'' میں نے کن انکھیوں سے قرب و جوار کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔ میں نے پستول کا لفظ دانستہ استعمال نہیں کیا۔ وہ لفظ دنیا کے ہر خطے میں سمجھا جا سکتا تھا۔ ''تم فکر نہ کرو۔ اب میں پوری طرح محتاط ہوں۔ بیم گن اور انگوٹھیوں کا استعمال ترک کیا جا چکا ہے۔ اسے غزالہ نے روایتی ہتھیار کا نشانہ بنایا تھا۔''

''اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز ابھری۔ ''میں نے تمہارے لیے جو پلان بنایا ہوا ہے اس کا سارا دارو مدار تم پر ہے کہیں بھی تمہارا نام سامنے آیا تو میز اکھیل ختم ہو جائے گا۔''

''میں تمہاری نازک پوزیشن سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے تفہیمی لہجے میں کہا۔ ''ایسی کوئی بات ہوئی تو کراچی کے دو قیدیوں کے بارے میں تمہارا موقف تباہ ہو جائے گا۔''

''بات اس سے بھی آگے کی ہے۔ ابھی میں قبل از وقت کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ یہاں سے نمٹ کر کسی طرح آج رات کو ہی نوم پہنچ جاؤں۔''

''اب میں تم پر رکنے کے لیے مزید دباؤ نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے رسان سے کہا۔ ''یہ یاد رکھنا کہ وہاں ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں گے۔ میرا نام دلاور ہوگا۔ تم آسانی سے مجھ سے رابطہ کر لو گے۔''

''گائیڈ پر تمہیں پورا بھروسا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔ ''وہ تمہیں دھوکا تو نہیں دے گا؟''

''ہمیں یہاں پہنچے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہمیں دغا نہیں دے گا۔''

''تمہارے اندازے غلط نہیں ہوتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں تم سے کیا کہوں۔ تم یہاں سے بچنے کے لیے نکلے تھے لیکن تم نے ایک ایک کر کے تین پہاڑ گرا دیے۔ سوبھراج، راجن اور اب تم نے گیری کی خبر دی ہے۔ یہ تمہاری افسانوی کامیابیاں ہیں۔''

''میں نے کبھی یہ سب نہیں سوچا۔ ہدف سامنے آتا ہے اور میں سنبھل کر وار کر دیتا ہوں۔ یہ قدرت کی مہربانی ہے کہ کامیابی میرا مقدر بن جاتی ہے۔ شاید تمہیں یہ جان کر خوشی ہو کہ غزالہ ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔''

''مبارک ہو!'' اس کی آواز بے ساختہ تھی۔ ''میں نے اس بارے میں تم سے کبھی بات نہیں کی مگر یہ سوچتا ضرور تھا کہ تم اب تک لاولد کیوں ہو..... یہ کب کی خبر ہے؟''

وہ میرا ہمدرد دوست اور بہی خواہ تھا۔ میں نے اس کی بھرپور خوشی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ ''خبر کچھ پرانی ہے جو دونوں عورتوں تک محدود تھی۔ مجھے گیری کی موت کے بعد مجبوراً یہ بات بتائی گئی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ پیدائش کے لیے اپنے وطن کا سایہ نصیب ہوتا ہے یا وہ پیدائشی جلاوطن ہو گا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو!'' جلال کی آواز میں عجیب سی تڑپ سمٹ آئی۔ ''مایوسی کفر ہے، میں اپنی سر توڑ کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو تم جلد واپس آؤ گے۔''

''ذرا ایک اور معاملے کے لیے تیار رہنا۔ ویرا مسلمان ہو گئی ہے۔ سلطان شاہ اس سے شادی کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے۔'' میں نے اس سے وہ آخری بات بھی کہہ ڈالی۔ ''اس نے سارا بوجھ ہار تمہارے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ وہ تمہارے مشورے سے اپنا فیصلہ بتائے گا۔''

''یہ دوسری بڑی خوش خبری ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی ہے۔ کیا سلطان شاہ کو قبول کر لے گی؟''

''اسے میں راضی کر لوں گا۔'' میں نے اس پر ویرا کا بھرم برقرار رکھنے کے لیے کہا۔ ''وہ مجھے اپنا سرپرست تسلیم کر چکی ہے۔''

''اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو اس سے تمہاری گہری دوستی ہوا کرتی تھی۔''

''وہ سب ماضی کی بھولی ہوئی کہانیاں ہیں۔ ہر فریق انہیں فراموش کر دینے پر آمادہ ہے۔'' میں نے ہلکی سی خفت کے ساتھ وضاحت کی۔

''تم مجھ سے سلطان شاہ کو کیا مشورہ دلوانا چاہتے ہو؟''

''وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ان کی زندگی بہت خوشگوار گزرے گی۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم اس کار خیر میں شریک ہو جاؤ۔''

''سلطان شاہ سے کبھی میری زیادہ بے تکلفی نہیں رہی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نے اتنے بڑے فیصلے کی ذمے داری میرے اوپر کیوں ڈال دی؟''

''سب موجود تھے، تم نہیں تھے۔ اس نے وقت حاصل کرنے کے لیے تمہارا نام لے دیا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یوں سمجھ لو کہ وہ ایک ڈھلان پر اٹکا ہوا بڑا سا پتھر ہے، تم ذرا سا اشارہ کرو گے اور وہ نیچے لڑھکتا چلا جائے گا۔ بے یقینی کے حصار سے باہر آنے کے لیے اسے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میرا بس چلا تو میں وہیں ان دونوں کا نکاح پڑھوا دوں گا۔ دعا کرو کہ میں آج رات تک نوم پہنچ پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''یہ یاد رکھنا کہ پاسپورٹ ملنے کے بعد ہم وہاں نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکیں گے۔ پہلی پرواز سے کہیں بھی نکل جائیں گے۔ ڈان نے راجن کے خاتمے کے بعد بہت تیزی سے طاقت پکڑی ہے۔ میں اس کے حرکت میں آنے سے پہلے اس علاقے کو خیرباد کہہ دینا چاہتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم محسن کش نہیں ہو۔ بنکاک میں ڈان نے تمہیں بہت سہارے فراہم کیے ہیں۔ اس سے ٹکراؤ کی نوبت آئی تو تم اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکو گے۔''

''بس اتنی سی بات ہے۔'' میں نے خوش دلی سے اس کی دلیل مان لی۔ ''ورنہ ڈان کا قرب حاصل کرنے کے بعد اس پر کسی بھی وقت بے خبری میں وار کیا جا سکتا تھا۔''

''یہ شیر دل مردوں کی نشانیاں ہوتی ہیں۔ وہ دشمن کو بخشتے ہیں نہ اپنے محسن کو ڈستے ہیں۔ تم نے بھی ڈان کی بہت مدد کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے کوئی موقع ملا تو شاید وہ تمہارے ساتھ ایسی کشادہ دلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔''

''میں اسی بات سے ڈر رہا ہوں اسی لیے جلد از جلد اس علاقے سے باہر نکل جانا چاہ رہا ہوں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔

جلال نے ایک مرتبہ پھر نوم پنہہ میں ملنے کا وعدہ کیا اور ہمارے درمیان گفتگو ختم ہو گئی۔

نان فینگ اس اعتبار سے مجھے شریف النفس آدمی نظر آیا کہ مجھے تخلیہ فراہم کرنے کی نیت سے اس نے اکیلا چھوڑ دیا تھا اور زمین میں گڑے ہوئے ایک شہتیر سے ٹیک لگائے سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ اس کی خالی خالی نگاہیں گودام نما دکان میں ہونے والی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور ہم دونوں ایک مرتبہ پھر بیٹھک نما کمرے سے گزر کر عقبی احاطے میں جا نکلے۔

پجیرو سے نکالے گئے سامان کی کھیپ لے کر ٹھیلا غائب ہو چکا تھا۔ دو لڑکے انجن نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک شخص کہیں سے ٹرالی پر لدے ہوئے سلنڈر لے آیا تھا اور گیس کٹر کے ذریعے پجیرو کی باڈی کاٹنے میں مصروف تھا۔

''تمہارے آدمی اپنے کام میں بہت ماہر ہیں۔'' میں نے تعریف کی۔

''یہ جانتے ہیں کہ انہوں نے پھرتی اور صفائی سے کام نہ کیا تو میں ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھ لوں گا۔'' اس نے بتایا۔ ''یہاں بے روزگاری ایک عذاب ہے۔ اس علاقے میں کوئی صنعت ہے نہ تجارت۔ نوکریاں بہت مشکل سے ملتی ہیں۔ زراعت اور گلہ بانی سے سب کا گزارا نہیں ہو سکتا۔ سیاحوں کی آمد و رفت بڑھے تو یہاں کے مسائل حل ہوں۔ اس وقت تک سرحد پار سے آنے والے مال پر گزر بسر ہوتی رہے گی۔ اپنا کاروبار چلتا ہے، ان کی روزی بھی لگی رہتی ہے۔''

وہ سفر کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ اس کے ایما پر ہم نے اپنا قلیل سا سفری سامان سمیٹا اور اس کی دکان سے ہوتے ہوئے ہم سڑک کی سمت میں باہر نکل آئے جہاں اسٹور کی دیوار کے سائے میں ایک اسٹیشن ویگن کھڑی ہوئی تھی۔ نان فینگ کے پاس ملازموں کی کمی نہیں تھی۔ وہ گاڑی خوب چمک رہی تھی۔ وہاں نظر آنے والے مرد وزن ہم سے بالکل بے گانہ نظر آ رہے تھے۔ کسی کو اس بات سے دلچسپی نہیں تھی کہ ہماری پجیرو کہاں گئی یا ہم نان فینگ کی گاڑی کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔

''تم لوگوں کے پاس کوئی ہتھیار بھی ہے؟'' نان فینگ نے اپنی کرولا کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالنے کے بعد اچانک مجھ سے سوال کیا۔

وہ ٹیڑھا سوال تھا میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا۔ ''حفاظت کے خیال سے ایک پستول لیتے آئے تھے۔''

''میں دیکھے بغیر اس کے پچاس ڈالر دے سکتا ہوں۔'' اس نے پیش کش کی۔

''کیا یہاں کوئی مقامی کرنسی نہیں ہوتی؟'' میں نے پوچھا۔ ''تم ڈالروں میں لین دین کے بہت زیادہ عادی معلوم ہوتے ہو۔''

''ڈالر اعتبار والی اور بڑی کرنسی ہے۔'' اس نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہاں ریئل چلتا ہے۔ وہ ایک ڈالر میں تقریباً چار ہزار ہوتے ہیں۔ ذرا سی چیز لاکھوں کی ہو جاتی ہے۔ مزہ نہیں آتا۔ یہاں ڈالر ریئل سے زیادہ مقبول ہیں۔ دونوں کرنسیاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔''

بات بدل گئی تھی۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ چند ثانیوں بعد اس نے مجھے ٹوکا کہ میں نے پستول کے بارے میں اس کی پیش کش کا جواب نہیں دیا۔

''فی الحال اسے ہمارے پاس رہنے دو۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ تمہیں مفت میں مل جائے گا۔ ہماری طرف سے تحفہ سمجھ کر قبول کر لینا۔'' میں نے ہنس کر ایسا جواب دیا کہ وہ دورانِ سفر ہمیں نہتا کرنے کے بارے میں دوبارہ نہ سوچ سکے گا۔ اس راستے کے بارے میں جلال کی وارننگ نے مجھے نان فینگ کی طرف سے چوکنا کر دیا تھا۔ ڈالروں کے معاملے میں وہ بہت حریص نظر آ رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے دیے ہوئے کم از کم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چار ہزار ڈالر ہماری تحویل میں موجود تھے۔ اس خطیر رقم پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے وہ راستے میں بھی کوئی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔

گاڑی اپنے پیچھے دھول اڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور سڑک پر چڑھ گئی۔

سیسوپھون زیادہ بڑا قصبہ نہیں تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم نے آبادی کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ہمارے سامنے شاندار سڑک پھیلی ہوئی تھی۔ قصبے میں بیٹھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ اس سے ذرا آگے ایک عمدہ شاہراہ ہوگی۔

دورانِ سفر ہم نے درختوں کے تنوں سے اوپر تک لدے ہوئے کئی بھاری بھرکم ٹرکوں کو اوورٹیک کیا۔ نان فینگ نے بتایا کہ جنگلات کی لکڑی کمبوڈیا کی اہم قدرتی پیداوار میں شامل ہے۔ مرطوب موسم اور زرخیز زمین کے سبب ملک میں جنگلات کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

راستے میں دائیں بائیں بہت سے یکساں بورڈ دیکھ کر میں نے اس سے استفسار کیا تو پتا چلا کہ وہ بارودی سرنگوں کے بارے میں وارننگ دینے کے لیے لگائے گئے تھے۔ ویت نام کی طویل جنگ اور کمبوڈیا کی خانہ جنگی کے دوران اس ملک کے جنگلات اور گزرگاہوں میں دونوں فریقوں کی طرف سے بے شمار بارودی سرنگیں بچھائی گئی تھیں جنہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے کا کام کئی عشروں سے جاری تھا۔ ہدایت کو نظر انداز کرنے والے آئے دن ان سرنگوں کی زد میں آ کر ہلاک ہوتے رہتے تھے۔

ان سرنگوں کو پھیلانے پر آنے والی لاگت بہت قلیل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں انہیں تلاش کر کے ناکارہ بنانے پر سو سے ہزار گنا تک لاگت آتی ہے۔ جدید وسائل دستیاب ہونے کے باوجود ان کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔ انہیں تلاش کرنے والے بھی ان کی زد میں آ کر مارے جاتے ہیں۔

چاؤ فان کے مقابلے میں نان فینگ کم گو تھا مگر اسے بھی تیز رفتاری کا شوق تھا۔ اسٹیئرنگ پر اسے مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ ہم میں سے کوئی اس کی تیز رفتاری پر معترض نہیں ہوا۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم دن کے اجالے میں اپنا سفر مکمل کر لیتے۔ میں نے اس دوران میں ان تینوں کو اپنی اور جلال کی تازہ ترین گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ راستے میں چھوٹی بڑی بستیاں آتی اور تیزی سے گزرتی رہیں۔ نان فینگ نے چائے نوشی وغیرہ کے لیے کہیں رکنے کے بارے میں پوچھا تو ہم چاروں نے یک زبان ہو کر انکار کر دیا۔ سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمارا جلد از جلد نوم پنہہ پہنچنا ضروری تھا۔ میرے ذہن میں یہ نکتہ بھی موجود تھا کہ سفر کے تسلسل میں نان فینگ ہمارے ساتھ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتا تھا۔ راستے میں رکنے کی صورت میں اسے آسانی سے کوئی شرارت کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس نے مجھ سے ابتدا میں لڑکیوں کی خریداری کے بارے میں سوال کر کے اپنی ساکھ بگاڑ لی تھی۔ بردہ فروشی جیسا گھناؤنا کام کرنے والا بے ضمیر شخص دو چار ہزار ڈالروں کے لیے کسی کی بھی جان کو خطرہ بن سکتا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے ایک ویران جنگل کے درمیان سے گزرتے ہوئے گاڑی کی رفتار دھیمی کی تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ مجھے شبہ ہوا کہ اس نے اپنی طویل خاموشی میں ہم سے ڈالر ہتھیانے کی کوئی تدبیر سوچ لی تھی۔ میں چوکنا ہو گیا۔

''کیا بات ہے..... گاڑی کیوں روک رہے ہو؟''

گاڑی سڑک سے اترتے ہی میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''دو منٹ میں پیشاب کر کے آتا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

اس فطری عذر پر کوئی اعتراض بے سود تھا۔ اس نے گاڑی کنارے سے روک کر انجن بند کیا اور اتر کر جنگل کی طرف بڑھ گیا۔

میں اگلی سیٹ پر اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اپنی جگہ چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہ رہا تھا جس پر مجھے بعد میں پشیمان ہونا پڑے۔

''تم کہاں چلے آ رہے ہو..... میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا!'' مجھے اپنے پیچھے آتا ہوا دیکھ کر اس نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا۔

''میری اور تمہاری حاجات مشترک ہیں۔'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

وہ جھلائے ہوئے انداز میں اپنا سر جھٹک کر قریبی جھاڑیوں کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت میں نے اس کی ٹی شرٹ کے نیچے ایک واضح ابھار دیکھا۔ اس نے اپنی پشت پر پتلون کی بیلٹ میں کوئی خودکار ہتھیار اڑسا ہوا تھا جس کا دستہ ٹی شرٹ کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

جھاڑیوں کے پاس رک کر اس نے پہلو بدلا۔ میری نظریں اسی پر مرکوز تھیں جوں ہی اس نے چھپا ہوا ہتھیار نکالنے کے لیے اپنی ٹی شرٹ کے نیچے ہاتھ ڈالا میں نے نہایت سرعت سے جست لگا کر اسے وہیں دبوچ لیا۔

وہ میری طرف سے کسی کارروائی کے لیے بڑی حد تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیار تھا لیکن اسے میری بے خوف پیش قدمی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے کامیاب ہونے سے پہلے میں نے اس کی پشت سے چھوٹے بور کا خودکار پستول نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

''یہ کیا حرکت ہے..... میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔'' وہ میری مضبوط گرفت سے نکلنے کے لیے مچلتے ہوئے بھنا کر غرایا۔ وہ منظر دیکھ کر تینوں پھرتی سے گاڑی سے نیچے آ گئے۔

نان فینگ کو غیر مسلح کرتے ہی میں نے چھوڑ دیا اور کہا۔

''یہ کھلونا خوبصورت ہے نوم پنہہ پہنچ کر تمہیں اپنے پستول کے ساتھ لوٹا دوں گا۔''

''مجھے ایسا مذاق پسند نہیں، یہ مجھے لوٹا دو!'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں نے یہ نہ چھینا ہوتا تو اب تک تم ہمیں اس کی زد پر لے چکے ہوتے۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا۔

''اب یہ میرے پاس رہے گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ غرایا۔ ''میں نے اسے ٹٹول کر اس کی موجودگی کا اطمینان کرنے کی کوشش کی اور تم مجھ سے لپٹ پڑے..... میری نیت خراب ہوتی تو میں تمہیں سیسو پھون میں ایک ڈالر بھی نہ دیتا۔ گاڑی چھین کر تمہیں سرحدی پولیس کے حوالے کر دیتا۔''

''میں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ تم خود اپنے ذہن کا زہر اگل رہے ہو۔'' میں نے زہرخند لہجے کے ساتھ کہا۔ ''تم ضرور ایسا کرتے لیکن تمہیں اندیشہ تھا کہ سرحدی پولیس تم سے بھاری حصہ طلب کرے گی اور تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔''

''تم بلاوجہ میری طرف سے بدگمان ہو رہے ہو۔'' چند ثانیوں کے توقف میں وہ سنبھالا لے کر تحمل سے بولا۔ ''میری نیت خراب نہیں ہے۔ میں ہمیشہ مسلح ہو کر سفر کرنے کا عادی ہوں.....''

''اب تمہارے بجائے ہم مسلح ہیں۔'' میں نے درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ ''شرافت سے واپس چلو اور گاڑی چلاؤ ورنہ میں تمہیں گولی مار کر یہیں پھینک دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سڑک سیدھی نوم پنہہ جاتی ہے۔ تمہاری طرح ہم بھی سیدھے لوگ نہیں ہیں۔ مار دھاڑ کی نوبت آئی تو تم ہم سے بہت پیچھے رہ جاؤ گے۔''

اس نے لمحہ بھر کے لیے خاموش رہ کر میری دھمکیوں کے وزن کا اندازہ کیا پھر سر جھٹک کر گاڑی کی طرف واپس ہو لیا۔

اس ہنگامے میں وہ یہ بھول چکا تھا کہ اس نے پیشاب آنے کا بہانہ کر کے گاڑی روکی تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کوئی طنز کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس بار گاڑی میں چھائی ہوئی خاموشی میں کشیدگی کا عنصر شامل ہو گیا تھا۔

غنیمت یہ تھا کہ میں نے بروقت مداخلت کر کے نان فینگ کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ اسے کھل کر ہمارے سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اس نے شک کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وضاحتوں کی آڑ لے لی۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار باریوں سر جھٹک رہا تھا جیسے دل ہی دل میں کچھ بول رہا ہو۔

مجھے ڈر تھا کہ اس ہلکے سے تصادم کے نتیجے میں اس کے دماغ پر بغض سوار ہو گیا تو وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر دے گا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ ہم چوری کی کار میں، کسی قسم کی سفری دستاویزات کے بغیر تھائی لینڈ سے کمبوڈیا میں داخل ہوئے تھے۔ نوم پنہہ پہنچ کر وہ ہم سے بدلہ لینے کے لیے وہ باتیں کسی پولیس افسر تک پہنچا دیتا تو ہم کمبوڈیا میں غیر قانونی داخلے اور قیام کے جرائم میں سیدھے حوالات میں پہنچائے جا سکتے تھے۔

میں نے اس کی طمع کا فائدہ اٹھا کر اسے رام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

''تم خود سے کیا باتیں کیے جا رہے ہو۔'' میں نے اس سے کہا۔ ''تمہارا دل صاف ہے تو آنکھ ملا کر مجھ سے بات کرو۔''

''تم سے آنکھ ملائی تو گاڑی بل دار سڑک سے کہیں بھی اتر جائے گی۔'' اس نے تلخی سے جواب دیا۔ ''میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ تم نے سنگین غلطی کی ہے۔''

''پھوم فاٹ کو یہ جان کر صدمہ ہو گا کہ تم نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''تم غلط کہہ رہے ہو۔ میرا ایسا ارادہ نہیں تھا۔''

''کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے جس بہانے سے گاڑی روکی تھی اسے پورا نہیں کیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تمہارا مثانہ پھٹنے کے قریب ہے۔'' میں نے تحمل کے بجائے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''دیکھو نان فینگ! ہمارے لیے ڈالر ہاتھ کا میل ہیں۔ زندگی بھر کماتے اور اڑاتے رہے ہیں۔ تم مجھ سے مانگ لیتے تو میں پورے چار ہزار ڈالر تمہیں لوٹا دیتا۔''

''تم ایسے ہی تنگ ہو!'' وہ جل کر بولا۔ ڈالروں کا ذکر آتے ہی اس کی ذہنی رو بہک گئی۔ اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے بجائے میری سخاوت کو ہدف بنا لیا۔

''مانگ کر دیکھو، تمہیں میری سخاوت کا علم ہو جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔''

''لاؤ کیا دے رہے ہو؟'' اس نے تحقیر آمیز انداز میں اپنا ایک ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔ جیسے اسے مجھ سے ایک کوڑی بھی ملنے کی امید نہ ہو۔

میں نے اس کا دیا ہوا لفافہ اپنی جیب سے نکال کر خاموشی سے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''کیا تم یہ رقم واقعی مجھے دے رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کے لیے میری طرف دیکھ کر حیرت سے سوال کیا۔ ''یہ سب میری ہے۔''

''یہ میری طرف سے خیر سگالی کا اظہار ہے۔ دو ہزار تم لے لو، دو ہزار مجھے لوٹا دو۔ میں سمجھ لوں گا کہ بجیرو کا سودا دو ہزار ڈالر میں ہوا تھا۔ دو پستول تمہیں نوم پنہ میں مل جائیں گے۔''

''پھوم فاٹ کبھی نہیں مانے گا کہ میں نے تمہاری لائی ہوئی گاڑی اتنے کم داموں میں خریدی ہو گی۔'' اس نے ڈالروں کا لفافہ اپنی گود میں رکھ لیا مگر اسے شک تھا کہ مفت کی وہ رقم اسے ہضم نہیں ہو سکے گی۔ ''وہ اس علاقے میں بجیرو کی مارکیٹ سے واقف ہے۔''

''گاڑی اس کی تھی نہ پیسا اس کو پہنچے گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''گاڑی میں نکال کر لایا۔ یہ سودا یہیں ختم سمجھو۔ قسمت نے ساتھ دیا تو پھر بہت کمالوں گا۔ اس کے بعد تم نے ذرا سی بھی گڑبڑ کی تو یاد رکھنا کہ تم پاتال میں بھی مجھ سے نہیں بچ سکو گے۔''

اس نے رقم کا لفافہ اپنی گود سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا۔ ''میں گاڑی چلا رہا ہوں۔ تم اسے دوجگہ بانٹ لو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں نے پہلے کوئی گڑبڑ کی تھی نہ اب کروں گا۔''

دو ہزار ڈالر مفت میں ہاتھ آتے ہی اس کا موڈ بحال ہو گیا۔ بقیہ سفر کے دوران میں نے اندازہ لگایا کہ وہ نوم پنہ میں ہمارے لیے کوئی دشواری پیدا نہیں کرے گا۔

سورج ڈھلنے سے کافی پہلے ہم نوم پنہ کی حدود میں داخل ہو گئے۔ راستے میں آنے والی کمبوڈین آبادیوں اور بستیوں کے برعکس اس شہر کی رونق اور شادابی بہت نمایاں تھی۔ وہاں آسمان کو چھو لینے والی عمارتیں نہیں تھیں لیکن شہر کے مضافات میں قدیم اور جدید طرز کے امتزاج سے بنی ہوئی ایک اور دو منزلہ عمارتوں سے مکینوں کی ثروت اور سلیقے کا اظہار ہو رہا تھا۔

نوم پنہ پہنچنے کے بعد بھی نان فینگ اصرار کرتا رہا کہ ہم کوئین ہوٹل میں قیام کریں لیکن میں نے صاف الفاظ میں اسے بتا دیا کہ ہم اوسط درجے کے کسی ہوٹل میں عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہتے تھے تاکہ کسی کی خصوصی توجہ کا مرکز نہ بن سکیں۔

شہر کے مرکزی حصے میں پہنچ کر اس نے ایک بارونق بازار میں گاڑی روک دی۔ وہاں ایک قطار میں کئی ہوٹل نظر آ رہے تھے جن کے سائن بورڈ پر مقامی زبان کے ساتھ انگریزی بھی نظر آ رہی تھی۔

نان فینگ ہمیں ہوٹل تک پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے اسے بمشکل تمام وہیں سے رخصت کر دیا۔ بدلے ہوئے حالات میں، میں ایک لمحے کے لیے بھی ایسے کسی ہوٹل میں رکنا نہیں چاہ رہا تھا جہاں تک نان فینگ کی رسائی ممکن ہو۔

ہم ٹہلنے والے انداز میں فٹ پاتھ کی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔

کمبوڈیا کا شمار مشرق بعید کے پس ماندہ اور غریب ملکوں میں ہوتا ہے مگر وہاں ہر سال غیر ملکی سیاح قدرتی مناظر اور مقامی معاشرت سے لطف اندوز ہونے کے لیے آتے ہیں۔ اس وقت بھی پستہ قامت اور دبلے پتلے مقامیوں میں لمبے تڑنگے اور جسیم امریکیوں کے ساتھ یورپ کے مختلف خطوں کے مردوزن بھی موجود تھے۔ امریکیوں کے لیے دو عشروں پر محیط ویت نام کی جنگ کے حوالے سے اس پورے خطے کے چپے چپے پر یادگاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس جنگ سے زندہ لوٹنے والے ہزاروں امریکی سپاہی اپنے جوان بچوں کو وہ جگہیں دکھانے لاتے ہیں جہاں انہوں نے اپنی جوانی میں امریکا کے وقار کو بچانے کے لیے ایک بہت لمبی جنگ لڑی اور آخر کار شکست کا داغ لے کر رخصت ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اس بھیڑ کے ساتھ خراماں خراماں بڑھتے ہوئے جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ نان فینگ اس علاقے سے رخصت ہو گیا تو میں ٹیکسی لینے کے لیے فٹ پاتھ کے کنارے آ گیا۔

بنکاک کے خالص مشینی ٹریفک کے مقابلے میں نوم پنہ کا ٹریفک ملا جلا تھا۔ وہاں سائیکل رکشا کی کثرت تھی جنہیں نحیف و ناتواں جسم پوری مشقت سے کھینچتے ہیں۔ خال خال دو پہیوں والے ہاتھ رکشا بھی نظر آ رہے تھے جنہیں آدمی دونوں بازوؤں سے کھینچ کر دوڑتے ہیں۔

مجھے زیادہ دیر تک ان مظاہر کا مشاہدہ نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سے اشارے پر ایک خالی ٹیکسی ہمارے قریب آ رکی۔ میں کوئین ہوٹل کا نام لے کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں پیچھے سوار ہو گئے۔ ڈرائیور نے میٹر گرایا اور ٹیکسی چل دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''میرے اوپر کیوں سوار ہو رہے ہو، ذرا الگ بیٹھو!'' ویرا کا وہ شکوہ سن کر میں نے پیچھے دیکھا تو صورت حال دلچسپ تھی۔ ویرا دونوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔

''گڑبڑ کیوں رہی ہو..... یہاں جگہ ہی تنگ ہے۔'' سلطان شاہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں اپنی صفائی پیش کی۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جسامت کے لحاظ سے نشستیں بنوائی ہیں۔ ملنے جلنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔''

''پھنس کر بیٹھ گئے ہو تو ذرا اپنے ہاتھ پیروں پر قابو رکھنا۔'' ویرا نے ناگواری سے کہا۔ ''مجھے کہنی لگی تو دروازہ کھول کر تمہیں نیچے اتار دوں گی یا خود اتر جاؤں گی۔''

''دماغ ٹھنڈا رکھو!'' میں نے ویرا سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی ہوا تمہیں راس نہیں آئی۔ نان فینگ کی گاڑی میں بھی تم تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت تمہیں کسی سے شکایت نہیں ہوئی۔ صبر سے کام لو، سفر چند منٹ میں ختم ہو جائے گا۔''

میری مداخلت پر ان دونوں کے درمیان جنگ بندی ہو گئی۔

ٹیکسی کافی دیر تک شہر کی بھری پری سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اس دوران میں، میں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ موٹر سائیکل سوار جا بجا مسافروں کو ان کی منزل تک لے جا رہے تھے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اس علاقے کے بعض بڑے شہروں میں موٹر سائیکل ٹیکسی کا سسٹم رائج تھا۔ اکیلے مسافروں کے لیے وہ سواری تیز اور باکفایت ثابت ہوتی تھی۔

کافی دیر بعد ٹیکسی رک گئی۔ میں نے میٹر دیکھ کر ریئل کو چار ہزار سے تقسیم کیا اور پانچ ڈالر کا ایک نوٹ ڈرائیور کے حوالے کر دیا۔ وہ ہمیں اتارتے ہی تیزی سے رفو چکر ہو گیا۔ میں نے فٹ پاتھ پر آ کر گرد و پیش پر نگاہ ڈالی تو میری کھوپڑی ناچ اٹھی۔ چند سو گز کے فاصلے پر ہمیں ہوٹلوں کی وہ قطار نظر آ رہی تھی جس کے قریب نان فینگ نے ہمیں اتارا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے ہماری لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر ہمیں بلاوجہ سڑکوں پر گھمایا اور کرایے کی رقم کے ساتھ ٹپ کی رقم بھی لے اڑا۔ وہ سیر و سیاحت کا ایک حصہ تھا۔ اجنبی شہروں کا سفر کرنے والوں کو عام طور پر اپنی بے خبری کا بھاری خراج ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر اپنا خون جلانا بے سود تھا۔

کوئین ہوٹل واقعی صاف ستھرا اور کشادہ تھا۔ عمارت کل چار منزلوں پر محیط تھی۔ اندر گھستے ہی ہم سب کی طبیعت خوش ہو گئی۔

کاؤنٹر پر ہم نے برابر کے دو ڈبل روم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی جو پوری کر دی گئی۔ خوش شکل لڑکی نے اندراج کے لیے فارم آگے کھسکائے تو میں نے مسٹر اور مسز دلاور لکھ کر اپنے دستخط کر دیے۔ ویرا نے تیکھی نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور الٹے سیدھے دستخط کر کے فارم دوبارہ میری طرف سرکا دیا۔ وہ سمجھے بوجھے بغیر خود کو کوئی نام نہیں دینا چاہتی تھی۔

میں نے ان کے فارم پر مسٹر اینڈ مسز شا کا اندراج کر کے فارم لوٹائے تو لڑکی نے دیگر کوائف کے لیے ہمارے پاسپورٹ طلب کیے۔ میں اس نازک مرحلے کے لیے تیار تھا۔ میں نے بے پروایانہ انداز میں اسے بتایا کہ ہمارے پاسپورٹ وغیرہ ہمارے پانچویں ساتھی کے پاس تھے جو ایک دو روز میں نوم پنہ پہنچنے والا تھا۔

میں نے اس سوچے سمجھے جواب کے ذریعے لڑکی کو یہ پیغام دینے کی کوشش کی تھی کہ ہم سب اس کے ہوٹل میں کئی دنوں کے قیام کے ارادے سے آئے تھے اس لیے وہ ہم سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کرے جو وہاں سے ہماری واپسی کا سبب بن جائے۔

لڑکی ذہین اور اپنے کام میں ہوشیار تھی۔ اس نے ایک ادا سے مسکرا کر نیو رمائنڈ کہا پھر گزارش کی کہ ہم اپنے پانچویں ساتھی کے آتے ہی اپنے اندراجات ضرور مکمل کرا لیں۔

اس نے پورٹر کو چابیاں دیں اور ہم لفٹ کے ذریعے چوتھی منزل پر اپنے کمروں میں پہنچ گئے جہاں ہر شے سے نفاست اور آرام کے قرینوں کا اظہار ہو رہا تھا۔

پورٹر کے جاتے ہی سلطان شاہ ہمارے کمرے میں گھس آیا۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ آتے ہی برہمی کے لہجے میں بولا۔ ''میں روزی کے ساتھ ایک کمرے میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ میں فٹ پاتھ پر یا کسی پارک میں رات گزار لوں گا.....''

''روزی نہیں، اب اس نام کو بھول جاؤ۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''پچھلے نام ہم بنکاک میں چھوڑ آئے ہیں۔''

''ہاں، اب میرے اور تمہارے نام مسٹر اور مسز شاہ ہیں!'' ویرا نے شاہ کے صحیح مخرج پر زور دیتے ہوئے لقمہ دیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ ''یہ نام دلاور نے دیے ہیں۔''

''یہ ہرگز نہیں ہو سکتا..... میں ابھی نیچے جا کر نام بدلواتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔"

"بھول کر بھی ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہم مشتبہ ہو جائیں گے۔" میں نے سختی سے سمجھایا۔ "خدا کا شکر ادا کرو کہ ہمیں پاسپورٹوں کے بغیر اس ہوٹل میں جگہ مل گئی۔"

"تم نے اسے میری مسز کیوں لکھوایا؟" وہ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ "میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

"تم گھامڑ ہو!" مجھے اس پر غصہ آ گیا۔ "وہ شاہ نہیں انگریزی والا شا ہے، ایس ایچ اے ڈبلیو..... کچھ آیا تمہاری سمجھ میں! فارم میں لکھنے سے کوئی قیامت نہیں آ گئی۔ عملاً تم دونوں اب بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہو۔ اس پر اتنا بگڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

میرا لہجہ بلند ہوا تو سلطان شاہ دھیما پڑ گیا۔ "مان لیا کہ فرضی ناموں سے کچھ نہیں ہوتا لیکن تم کو میرے لیے الگ کمرا لینا چاہیے تھا۔ تین کے بجائے دو کمرے لینے کی کیا تک تھی؟"

"ضرورت ہوتی تو میں چار کمرے بھی لے لیتا۔ تمہیں ویرا کے ساتھ رہنے پر اعتراض ہے تو غزالہ وہاں چلی جائے گی، تم میرے کمرے میں سو لینا!"

"ابھی تم مسٹر شا کو میرا پچھلا نام لینے پر تادیب کر رہے تھے اب خود سب کے اصل نام لے رہے ہو۔ یہ کون سی منطق ہے؟" ویرا نے سوال کیا۔ وہ اس وقت سلطان شاہ کو اشتعال دلانے پر تلی ہوئی تھی۔

"اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ!" میں نے اسے گھور کے کہا۔ "وہ غصے میں نام لے رہا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر بات واضح کرنے کے لیے نام لیے ہیں۔ ہوش و حواس میں رہ کر ہم آپس میں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ آپے سے باہر ہو کر ہم نے غلط موقع پر کوئی غلط بات کہہ دی تو مصیبت آ جائے گی۔"

"مسٹر شا! سن لیا تم نے؟" ویرا نے چڑانے والے انداز میں سلطان شاہ سے کہا۔ "یہ فرمانِ امروز ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو۔"

"یہ نہ بھولو کہ تمہاری یہ باتیں میرے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہیں!" سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو دھمکی دی۔

"اب تو فیصلہ جلال ہی کرے گا۔ تم اپنی بے بضاعتی تسلیم کر چکے ہو۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔

"مجھے بتایا جائے کہ کون سا کمرا میرا ہے۔" وہ منہ پھیر کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں اس ماحول میں زیادہ رکا رہا تو میرا سر پھٹ جائے گا۔"

"آؤ، ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔" ویرا نے غزالہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنے ساتھ لے کر دروازے کی طرف چل دی۔

"وہ جب چاہتی ہے بہت آسانی سے تمہارا خون کھولا دیتی ہے۔" تخلیہ ہونے پر میں نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ "تم اسے نظر انداز کیوں نہیں کر دیتے۔"

"اسے نظر انداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "اس نے پورٹر کے جاتے ہی اول فول بکنا شروع کر دیا اور میں گھبرا گیا۔ میں اس کے ساتھ کچھ دیر اور رکا رہتا تو وہ دباؤ ڈال کر مجھ سے نہ جانے کیا کہلوا لیتی۔"

سلطان شاہ جیسے ذہین اور ہوشیار آدمی کی زبان سے وہ احمقانہ جواب سن کر میں بہ مشکل اپنی بے ساختہ ہنسی روک سکا۔ ویرا کا کمال یہی تھا کہ وہ کسی زیرک ترین آدمی کو بھی ذرا سی دیر میں ذہنی فتور میں مبتلا کر سکتی تھی۔

سلطان شاہ اپنی فطرت کے اعتبار سے شرمیلا تھا۔ ویرا جارح مزاج کی مالک تھی۔ اس نے یقینی طور پر مجوزہ ازدواجی رشتے کی براہِ راست بات چھیڑ کر سلطان شاہ کو امتحان میں ڈالا ہوگا۔

ہم نے سیسو پھون میں مختصر سے قیام سے قطع نظر، بنکاک سے نوم پنہہ تک کا طویل سفر مسلسل طے کیا تھا۔ تھکن سے سب چور تھے۔ نان فینگ کے مہمان خانے میں کسی نے ڈونگے اور بالٹی کے ذریعے غسل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے پہلے سلطان شاہ کو موقع دیا پھر خود باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے اور گرم پانی کے تیز شاور کے نیچے نہانے کے بعد میں باہر آیا تو نیند آنکھوں میں گھسی جا رہی تھی۔ سلطان شاہ نے انٹرکام پر غزالہ سے بات کر کے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ویرا سو چکی تھی اور خود سونے کی تیاری کر رہی تھی۔

کمرے کے منی بار میں متعدد شرابیں موجود تھیں جن میں انگ کا اور اے بی سی نامی مقامی بیئر کی تعداد اور مقدار غالب تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ اس چھوٹے ریفریجریٹر میں منرل واٹر کی بوتلیں بھی موجود تھیں۔ میں نے ٹھنڈے پانی کی پوری چھوٹی بوتل اپنے معدے میں اتاری اور بستر پر گر گیا۔

☆☆☆

میں ذہنی طور پر اتنا الجھا ہوا تھا کہ نیند کے عالم میں مجھے عجیب و غریب خواب نظر آتے رہے جن کا تعلق مجھ سے درپیش مسائل سے تھا۔ میں نہ جانے کب تک گہری نیند سوتا رہتا مگر فون کی مسلسل گھنٹیوں نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔

وال کلاک کی سوئیاں اس وقت دو بجا رہی تھیں۔ ہم سر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شام سوئے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ میں نے غنودہ ذہن کے ساتھ ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی آپریٹر مجھے معذرت خواہانہ انداز میں جلال کی کال کی خبر دے رہی تھی۔

وہ اس روز کی اہم ترین اطلاع تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ کراچی یا اسلام آباد سے نوم پنہہ کے لیے کوئی براہِ راست پرواز نہ ہونے کی وجہ سے جلال اپنے وعدے کے مطابق بروقت نوم پنہہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کی نون کال میرے یقین کی نفی کر رہی تھی۔

اس نے زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے صرف اتنا بتایا کہ وہ اسی وقت کمبوڈین کسٹم سے فارغ ہو کر ایرپورٹ آیا تھا اور اپنے سرکاری استحقاق کے مطابق کسی فور اسٹار ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

آپریٹر کی زبان اس کا نام سنتے ہی میرے ذہن سے نیند کا گہرا خمار کافور ہو چکا تھا۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا۔ اس وقت تک حالات سازگار تھے۔ کہیں کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ میں نے اسے کوئین ہوٹل آنے کا مشورہ دیا جو اس نے قبول کر لیا۔

میری نیند اڑ چکی تھی۔ میں اپنی تھکن سے نڈھال تھا۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ جلال نے ہم سے زیادہ مصروف اور تھکا دینے والا دن گزارا تھا۔ اپنی دفتری مصروفیات سے نمٹ کر اس نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا جس میں کہیں نہ کہیں پرواز کی تبدیلی بھی شامل رہی ہوگی۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا رہا۔ پرانے سوال پھر ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں نے بہت دور تک اپنی لڑائی لڑ لی تھی۔ آنے والے دنوں میں غزالہ اور نئے مہمان کو میری توجہ کی زیادہ ضرورت تھی۔ وقت کا تقاضا تھا کہ میں اپنی سرگرمیوں سے ریٹائر ہو جاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں دوسروں کو اپنے اس فیصلے سے کیسے آگاہ کر سکوں گا!

سوچتے سوچتے بھوک کا احساس جاگ اٹھا۔ کمرے میں چاکلیٹوں کے سوا کچھ موجود نہیں تھا۔ زیادہ کپڑے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے میں قمیص پتلون میں بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ غسل خانے کے آئینے میں، میں نے لباس کا جائزہ لیا۔ کسی شب بیدار سیاح کے لیے وہ لباس موزوں تھا۔ منہ دھو کر میں نے بال درست کیے اور غسل خانے سے نکل کر روشنی گل کر دی۔

سلطان شاہ بستر پر پیٹ کے بل لیٹا گہری نیند سو رہا تھا۔

فون کی تیز گھنٹیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔ میں چابی لے کر خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ مجھے توقع تھی کہ باہر کے بازار میں مجھے اپنی شکم پری کے لیے کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔

لفٹ سے نچلی منزل پر پہنچنے کے بعد میں نے چابی کاؤنٹر پر دیتے ہوئے یہ بتا دیا کہ میرا ایک ساتھی کمرے میں سو رہا تھا۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے اسی لمحے ایک کارڈ بنا کر میرے حوالے کر دیا۔ کارڈ دکھا کر میں آسانی سے اپنے کمرے کی چابی حاصل کر سکتا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر ہلکے ہلکے کش لگاتا ہوا ہوٹل کے صدر دروازے سے نکل کر برآمدے میں پہنچا تو میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہو گئیں۔ پورچ میں جلال ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر رہا تھا۔ اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اول خان بھی اس کے ساتھ موجود تھا۔

وہ دونوں میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ غیر متوقع طور پر ان دونوں کو دیکھ کر میرے لیے اپنے اوپر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کی طرف جا رہا تھا کہ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے جلال نے اپنا بریف کیس اٹھایا اور ہوٹل آنے کے لیے مڑا۔

مجھے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر جلال ہکا بکا رہ گیا۔ اول خان نے بریف کیس سمیت اپنے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلائے اور میری طرف دوڑ پڑا۔

ہم سب ایک اجنبی سرزمین پر تھے جہاں کوئی ہمیں نہیں پہچانتا تھا۔ اجنبیوں کی حیرت یا ہنسی کی پروا کیے بغیر تینوں نے اپنے بے لگام جذبوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اول خان کو دوڑتا دیکھ کر جلال نے بھی اپنے افسرانہ وقار کو بالائے طاق رکھ کر دوڑ لگا دی۔ ہم پورچ کے تقریباً وسط میں والہانہ انداز میں آپس میں لپٹ گئے۔ اول خان نے اپنے گداز ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیے۔

وہ منظر دیکھ کر کسی من چلے نے ہارن بجایا۔ تینوں میں سے کسی نے پروا نہیں کی۔ پورچ میں داخل ہونے والی گاڑی کی روشنیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم تینوں ایک دوسرے سے الگ ہو کر تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں جھولتے ہوئے ایک ایک بریف کیس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے نہایت عجلت میں وہ سفر کیا تھا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم اول خان کو بھی اپنے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لائے ہو!'' برآمدے میں رک کر میں نے جلال سے شکوہ کیا۔ میری زبان پر شکایت تھی لیکن اندر ہی اندر خوشی کے گلاب کھلے جا رہے تھے۔ ان دونوں کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری راہ میں حائل ساری رکاوٹیں یک بہ یک دور ہو گئی ہوں۔ ذہن میں کوئی مسئلہ باقی رہا تھا نہ پریشانی۔

''یہ تمہارے لیے سرپرائز تھا!'' جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم باہر کھڑے ہو کر ہمارا انتظار کیوں کر رہے تھے۔ کیا تم نے ہر احتیاط کو خیرباد کہہ دیا ہے؟''

''اب تک نہیں کہا، اب کہہ دوں گا۔ یہ اتفاق ہے کہ ہمارا آمنا سامنا ہو گیا۔ ہم صبح دس بجے کھانا پانا شتا کر کے چلے تھے۔ اس کے بعد کھیل بھی اڑ کر منہ میں نہیں گئی۔ تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو تینوں کی طرح میں بھی اس وقت بے خبر سو رہا ہوتا۔''

''یوں کہو کہ شکم پری کے لیے نکلے تھے!'' جلال خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

''جاؤ، یہ کار خیر ضروری ہے۔'' جلال نے میرے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ ''ہمارے لیے بھی کچھ لیتے آنا۔ اول خان کے مراق کی وجہ سے جہاز پر ہم دونوں نے صرف کافی پینے پر اکتفا کیا..... اپنے کمرے کا نمبر بتا دو ہم چیک ان کرتے ہیں۔ آدھے گھنٹے بعد میں میں تمہیں رنگ کر لوں گا۔''

''میں اتنا بھوکا نہیں ہوں۔ چند منٹ زندہ رہ سکتا ہوں۔'' میں ان کے ساتھ اندر چل دیا۔

میں ہوٹل سے نکلتے ہوئے دیکھ چکا تھا کہ ڈیوٹی تبدیل ہونے کی وجہ سے فرنٹ ڈیسک پر نئی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسے ہمارے پاسپورٹوں کے مسئلے یا پانچویں ساتھی کی آمد کا علم نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس لڑکی نے بورڈ پر سے میرے کمرے کی چابی اتاری۔ میں نے مسکرا کے اسے چابی لوٹانے سے روک دیا۔

ان دونوں کو بھی چوتھی منزل پر الگ الگ کمرے مل گئے۔ یہ اچھی بات تھی کہ ہم سب ایک فلور پر جمع ہو رہے تھے۔ ان کے کمروں کے نمبر معلوم ہوتے ہی میں اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔

نوم پنہہ میں بازار جزوی طور پر کھلا ہوا تھا۔ سڑکوں وغیرہ پر کچھ نہ کچھ چہل پہل بھی ہو رہی تھی۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر زیادہ رونق تھی لیکن ان تمام سرگرمیوں میں وہ تیزی اور رنگ آمیزی نہیں تھی جو بنکاک میں نظر آتی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ اتنی رات گئے میں سڑک پر اکیلا نہیں تھا۔

ہوٹل کے برآمدے سے کاؤنٹر تک جاتے ہوئے جلال نے مجھے بتا دیا تھا کہ وہ دونوں ایمرجنسی میں کراچی سے ہانگ کانگ اور وہاں سے واپس کمبوڈیا آئے تھے۔ دوسری پرواز پر ایرہوسٹس نے مسافروں میں ان کی پسند کے مطابق خنزیر، بکری اور مرغی کے گوشت کے سینڈوچز پیش کیے۔ وہ ہر قسم کے سینڈوچ ایک ہی چٹخے سے اٹھا رہی تھی۔ اول خان کو شک تھا کہ اس عمل میں ہر قسم کے گوشت کے ریشے مسافروں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ خنزیر کا گوشت چھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی نشان دہی پر جلال نے بھی اس پرواز پر کچھ کھانے سے گریز کیا اور دونوں صرف کافی پی کر نوم پنہہ پہنچ گئے۔

وہ اول خان کا مراق نہیں مناسب احتیاط تھی۔ سامان خورد و نوش کی خریداری میں مجھے بھی اس احتیاط کو پیش نظر رکھنا تھا۔

بازار میں کھانے پینے کی متعدد دکانیں کھلی ہوئی تھیں جہاں مے نوشوں کی شکم پری کے لیے بہت کچھ تلا اور بھونا جا رہا تھا۔ فضا بھانت بھانت کی اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد میں سبزیوں کی ڈشیں بیچنے والی ایک چھوٹی سی دکان تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا جسے ایک مقامی لڑکی اپنے باپ یا عمر رسیدہ شوہر کے ساتھ چلا رہی تھی۔

اس دکان سے کچھ منتخب خریداری کر کے میں واپس ہوٹل کی طرف ہو لیا۔

چوتھی منزل پر لفٹ سے اتر کر میں راہ داری میں نکلا تو سامنے والے دروازے پر وہ نمبر نظر آیا جو اول خان کے حصے میں آیا تھا۔ میں نے اپنے کمرے میں لوٹنے کا ارادہ ملتوی کر کے وہاں دستک دی۔ اول خان نے دروازہ کھول کر مجھے اندر بلا لیا۔

مجھ سے مل کر وہ اس قدر خوش اور پُرجوش تھا کہ میرے ہاتھ سے تھیلیاں لے کر میز پر رکھتے ہی دوبارہ بغل گیر ہو گیا۔ اس کی محبت کے اس بے پایاں اظہار نے مجھے عجیب جذباتی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ چند منٹ بعد ہم دونوں سکون سے بیٹھے تو میں نے اول خان سے اس کی غیر متوقع آمد کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

جلال کراچی اور اسلام آباد کے چکر میں پھنسا رہتا تھا۔ اول خان تربت میں تھا۔ میرے لیے یہ معمّا ناقابلِ فہم تھا کہ آپس میں بہت زیادہ بے تکلف نہ ہونے کے باوجود وہ دونوں اس سفر میں کیسے یک جا ہو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے اوپر سے حکم ملا تھا کہ فوری طور پر کراچی پہنچ کر جلال سے ملوں۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''کراچی آیا تو جلال نشستوں کے حصول کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔''

''جلال تمہارے باس سے رجوع کرنے کے بجائے براہ راست تم کو یہاں آنے کی دعوت دے سکتا تھا۔'' میں نے اپنے تحفظ کا اظہار کیا۔

''جلال نے کوئی سمری اوپر بھجوائی تھی جو راجن کے انجام کے بارے میں تھی۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اسے اندازہ تھا کہ تم بنکاک میں بری طرح پھنس گئے ہو۔ وہاں سے نکلنے کے لیے تمہیں فوری طور پر نئے پاسپورٹوں کی ضرورت ہے۔ وہ اپنی تیاری میں لگا ہوا تھا کہ اسے دبئی جانا پڑا۔ وہ ایک الگ قصہ ہے۔ وہ دبئی سے واپس آیا تو ایک ارجنٹ حکم نامہ اس کا منتظر تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جلال کی سمری پر اعلیٰ ترین سطح سے حکم جاری ہوا تھا کہ فوری طور پر ایک دو نفری وفد تم لوگوں کو پورے احترام کے ساتھ بنکاک سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دے۔ اس وقت تک اوپر والوں کو تمہاری نوم پنہہ آمد کا علم نہیں تھا مگر جلال کو پل پل کی خبر تھی ہم دونوں بنکاک جانے کے بجائے ادھر آ گئے۔''

''دو نفری وفد میں تم کیسے شامل ہو گئے؟'' میرا تجسس برقرار تھا۔

''میں نے راجن کے بھیجے ہوئے دہشت گرد پکڑ لیے۔ سب کو علم تھا کہ یہ کارروائی تمہاری ٹپ کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ویسے بھی مقتدر حلقوں میں سب جانتے ہیں کہ ایس ٹی ایف سے تمہارا بہت قریبی رابطہ رہا ہے اسی طرح تمہارے اور جلال کے مراسم خفیہ ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ حکم نامے میں ہم دونوں کو اس وفد کے لیے نامزد کیا گیا تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت تسکین ہوئی کہ خفیہ طور پر سہی لیکن پہلی بار اعلیٰ ترین سطح پر تمہاری بے مثال خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ تم جانتے ہو کہ ایس ٹی ایف والے کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بھی نہیں ہیں۔ آئین اور قانون کی دستاویزات میں ہمارا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارے سب کام زبانی ہوتے ہیں۔ اس بارے میں پوری تفصیل جلال کے علم میں ہوگی۔ ہماری فورس کی طرح تم بھی ہمیشہ پس پردہ رہے ہو۔ نیچے سے اوپر تک، ہر شخص تمہاری خدمات سے باخبر ہے لیکن تمہیں گلے سے نہیں لگا سکتا کیونکہ ہمارے طرح طرح تمہاری کام کرنے کے طریقے بھی ہر قانون سے ماورا رہے ہیں۔ ہم سب نے اپنے ضمیر کی نوکری کی ہے۔ جسے ملک اور قوم کے مفادات کا دشمن جانا، اس کا خون پی گئے۔ بدخواہ جرم کا درجہ دیتے ہیں، ہم سب کو مجرم گردانتے ہیں۔ ہمارے خیر خواہ بلکہ ہمیں وجود میں لانے والے بھی ہمارے حق میں کچھ نہیں بول پاتے کیونکہ ریکارڈ کے مطابق ہمارا کوئی وجود نہیں ہے۔''

مجھے اپنا سینہ کچھ پھولتا ہوا محسوس ہوا۔ میرے لیے یہ واقعی عزت و افتخار کی بات تھی کہ اپنے دشمنوں کی طرف سے بدترین اشتہاری مجرم قرار دیے جانے کے باوجود میں اپنوں کی نظر میں آخر کار عزت و احترام کا حقدار گردانا گیا تھا۔ وہ خفیہ سرکاری اعتراف میری برسوں کی جاں سوز اور زہرہ گداز جدوجہد کا ثمر تھا۔ اندر کی تڑپ اور محرومی کے پرخلش احساس سے مجھے یک بہ یک نجات مل گئی۔ وہ دونوں میرے جگری دوستوں کی حیثیت سے نہیں، ایک خفیہ سرکاری وفد کی صورت میں میری معاونت کے لیے آئے تھے۔ یہ بڑی بات تھی کہ اس کٹھن موڑ پر میرے ملک کے بڑوں کو میری دست گیری کا خیال آ گیا تھا۔ مجھے بس ایک خلش رہ گئی تھی۔ وہ دو نفری وفد مجھے حالات کے بھنور سے نکالنے کے لیے آیا تھا مگر میری اپنے وطن واپسی کا دروازہ پھر بھی بند تھا۔ اس بارے میں اول خان کی طویل تقریر نے بھی کسی اور محفوظ مقام پر منتقلی کی خبر سنائی تھی منزل کے طور پر پاکستان کا نام کہیں نہیں آیا تھا۔

ایس ٹی ایف پاکستان میں پنپ رہی تھی۔ اس کی حیثیت وہ تھی جو ہر چند کہیں کہ ہے مگر نہیں ہے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کا کام سامنے آتا تھا' ریکارڈ پر اس کا وجود نہیں ملتا تھا۔ امریکیوں کو اپنے خفیہ ذرائع سے سب کچھ معلوم تھا۔ ایس ٹی ایف پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی مگر اپنی گوناگوں سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے وہ سرکاری سطح پر اس کا اظہار کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ میرا معاملہ مختلف تھا۔ میں اپنے دشمنوں کے لیے ایک ٹھوس وجود تھا۔ جسے وہ پیس کر ریزہ ریزہ کر دینا چاہتے تھے۔ میرے لگائے ہوئے زخم ان کے دلوں، جسموں اور فائلوں میں رستے رہتے تھے، وہ میرے خون کے پیاسے تھے، ان کے خون آشام ایجنٹ ہر طرف میری بو سونگھتے پھرتے تھے۔ ان حالات میں پاکستان میں میرا وجود نہیں پنپ سکتا تھا۔ افق تاریک تھا۔ مجھے اپنے اس کرب کا کوئی درماں نظر نہیں آ رہا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی میں مجھے یاد آیا کہ اول خان نے سب کی خیریت معلوم کرنے کے باوجود غزالہ کے حوالے سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ میں نے بھی کوئی ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے کہا۔ ''میرے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ اب کسی نہ کسی طرح میرے کام کو مانا گیا ہے۔ دوسری خوشی یہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ تم اور جلال یکجا نظر آ رہے ہو۔ تم دونوں کے درمیان ہمیشہ کچھ فاصلہ رہا ہے۔ کبھی ایک دوسرے سے گھل مل نہیں سکے۔''

''وہ نک چڑھا افسر مشہور ہے۔ بڑوں کی بے جا ناز برداری میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں خود ہی محتاط رہا۔ اس سفر میں مجھے اس کے ساتھ رہ کر اندازہ ہوا کہ وہ بہت کھلے دل اور دماغ کا مالک ہے۔ طبیعت کا کھرا اور صاف گو ہے۔ اس لیے دور سے کچھ اکھڑ سا نظر آتا ہے۔''

''غنیمت ہے کہ اس سفر کے طفیل تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی۔ تم دونوں کے مراسم کی سرد مہری میرے لیے کبھی کبھی پریشانی کا سبب بنتی رہی ہے۔ شاید اب یہ رفع ہو جائے۔''

''اوہ..... تمہارا لایا ہوا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ جلال بھوکا ہے، اسے بلا لینا چاہیے۔'' اول خان کو اچانک یاد آ گیا کہ باتوں میں مصروف ہو کر ہم کھانے کو بھول گئے تھے۔

جلال فوری طور پر آ گیا۔ میں کسی کی نیند میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا مگر مجھے اپنے تینوں ساتھیوں کی فکر تھی۔ میری طرح وہ بھی بھوکے تھے۔ انٹر کام کی گھنٹی نیند میں خلل ڈالتی میں ان دونوں سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف ہو لیا۔ چابی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ تینوں متوحش انداز میں وہیں جمع تھے۔

''تم خاموشی سے کہاں غائب ہو گئے تھے..... تم نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا!''

''آپ کے غائب ہونے کی خبر سنتے ہی میرے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی تھی!''

''میں تمہارے ساتھ تھا، کہیں جانا تھا تو کم از کم مجھے تو بتا دیتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں تمہیں کہاں تلاش کروں۔ اتنی رات کو کہاں نکل گئے تھے؟''

میں نے مسکراتے ہوئے ان کی شکایتیں سنیں۔ ان کا بارود ختم ہونے کے بعد میں نے رسان سے کہا۔ ''میں کوئی شیر خوار نہیں ہوں.....''

''وہ بھی آ جائے گا۔'' ویرا نے میری بات کاٹ کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم کہاں تھے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔ چار سو پندرہ نمبر کمرے میں حیرتیں تمہاری منتظر ہیں!'' یہ کہہ کر میں دوبارہ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''حیرتیں کیا ہوں گی۔ زیادہ سے زیادہ جلال آ گیا ہوگا!'' مجھے اپنے عقب میں ویرا کی اونچی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ بدحواس ہونے کے باوجود اس کا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

''اس کے آ جانے کا مطلب ہے کہ کل ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔'' اول خان نے ویرا کے تبصرے کے جواب میں رائے زنی کی۔

''کل بہت دور ہے۔ آج کی بات کرو۔ رات کے بارہ بجے نیا دن شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین بج رہے ہیں!'' غزالہ نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔

میں نے اس مختصر سے جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی تو اول خان نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھتے ہی تینوں اپنی بے ساختہ اور تحیر زدہ آوازوں پر قابو نہ رکھ سکے۔

کمرے میں پہنچے تو کھانے کا سامان میز پر لگا ہوا تھا مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ سب بہت تپاک سے ایک دوسرے سے ملے۔ خیر سگالی کا بھرپور اظہار ہوا پھر اول خان پر سوالات کا حملہ شروع ہو گیا۔ تینوں کے لیے جلال کی آمد متوقع تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اول خان اچانک نوم پہنہ کیسے پہنچ گیا۔

''کھانا کھاؤ!'' جلال نے لقمہ لینے میں پہل کرتے ہوئے کہا۔ ''سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ یہ باتیں کھانے کے ساتھ ساتھ چلتی رہیں گی۔''

نیند اور بھوک پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بھوک کی نقاہت ہر چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ سب جلال کے ساتھ شریک ہو گئے۔ کھانے کے دوران میں اول خان نے اختصار کے ساتھ ان تینوں کو اپنی اچانک آمد کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''سارا مسئلہ نئے پاسپورٹوں کا تھا۔'' ویرا لقمہ چباتے ہوئے بولی۔ ''وہ مل جائے تو ہم لوگ خاموشی کے ساتھ کہیں بھی نکل جاتے۔ تم دونوں کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''ہمارا آنا ناگزیر تھا کہ بعض معاملات طے ہو سکیں۔'' جلال نے کہا۔ ''ویسے بھی تم اسے خیر سگالی کا سرکاری اظہار سمجھ سکتی ہو۔ تم لوگوں کی بے لوث خدمات کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔''

''شاید راجن کی موت اہم ترین موڑ ثابت ہوئی ہے۔'' میں نے خیال ظاہر کیا۔

''سوبھراج ملک کے لیے اہم ترین مسئلہ تھا۔ بات وہیں سے چلی تھی۔ اسے عدالت میں لایا جاتا تو نہ جانے کن کن پردہ نشینوں کے نام سامنے آتے۔ پورا ملک ایک خوفناک سیاسی بحران کی لپیٹ میں آ جاتا۔ کئی دنوں تک اسلام آباد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کسی کو یقین نہیں آ سکا کہ سوبھراج اتنی راز داری سے مارا گیا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔''

''اس میں میرے ارادے سے زیادہ راجن کی مجبوری کا دخل تھا۔ امریکی فوجیوں سے بولے ہوئے جھوٹ کو نبھانے کے لیے اس نے سوبھراج کے باقیات کو نرائن پرشاد کی ہڈیاں قرار دے دیا۔ وہ شور مچا دیتا تو سوبھراج کو مروانے کا الزام تم لوگوں کے سر آ جاتا۔'' میں نے کہا۔

''اسباب کچھ بھی رہے ہوں، اس کے خاتمے میں تمہارا کردار بہت اہم تھا۔ وہاں سے اسلام آباد کی سوچ میں تبدیلی آئی اور ہم سے تمہارے بارے میں سارا ریکارڈ طلب کر لیا گیا۔ وہ قصہ چل ہی رہا تھا کہ اچانک راجن کی موت کی خبر نے وہاں ایک دھماکا کر دیا۔ وہ مدت سے ایک عذاب بنا ہوا تھا۔''

''کچھ بھی ہو، یہ بڑی بات ہے کہ آج تم دونوں سرکاری حیثیت میں ہم سب کے پاس آئے ہو۔'' ویرا نے پوری بات سمجھنے کے بعد اعتراف کیا۔

کھانے کا دور مختصر رہا۔ میں اپنے حساب سے خاصا سامان لایا تھا لیکن میز پر کچھ بھی باقی نہ رہا۔ سب کو اتنا سہارا ضرور مل گیا تھا کہ سکون سے صبح کے ناشتے کا انتظار کیا جا سکے۔

کھانے کے بعد باتوں کا دور شروع ہو گیا۔ گزرے ہوئے واقعات دہرائے جا رہے تھے یا مستقبل کے بارے میں اندیشوں کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال ان باتوں میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے رہا تھا۔ اس نے پراسراری خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس کی آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ہمارے ساتھ نہیں تھا' کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ اس کی تفکر آمیز خاموشی میرے لیے پریشان کن تھی۔

''اب ایک سنجیدہ مسئلے پر تمہاری رائے درکار ہے۔'' ایک مرحلے پر میں نے موقع پا کر جلال سے کہا۔ ''سلطان شاہ کی نظروں میں تمہاری ذات مشورے کے لیے.....''

سلطان شاہ کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اور اس نے بوکھلا کر میری بات کاٹ دی۔ ''وہ میرا مسئلہ ہے، میں تخلیے میں خود بات کر لوں گا۔''

''میں ضرور وقت دوں گا۔'' جلال نے گمبھیر لہجے میں اسے یقین دہانی کرائی۔ ''فی الحال ڈینی سے میں تخلیے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ فیصلہ کن امور پر کچھ طے ہو جانا چاہیے۔''

جلال کے لہجے میں کوئی عجیب سی بات تھی۔ میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

اس کا اشارہ بہت واضح تھا۔ چاروں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جلال نے اول' خان کو وہیں روک لیا۔ تینوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

جلال نے اطمینان سے سگریٹ سلگا کر اس کا ایک گہرا کش لیا مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔ میری اور اول خان کی متجسس نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''ایک مدت کے بعد یہ مرحلہ آیا ہے کہ سب کچھ ختم ہو گیا۔'' اس نے دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔ ''تم نے اپنی ذمے داریوں سے زیادہ کام پورے کر لیے ہیں۔ تمہارے سامنے کوئی حریف باقی نہیں رہا۔ یہ تمہاری زندگی کا اہم موڑ ہے.....''

''تم بھول رہے ہو کہ امریکی بھیڑیے آج بھی میرے خون کی بو پر لگے ہوئے ہیں۔'' میں نے قطع کلامی کر کے اس کی تصحیح کی۔

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے تحمل سے کہا۔ ''یہ تمہاری زندگی کا اہم بلکہ اہم ترین موڑ ہے۔ کچھ دنوں میں تم صاحب اولاد ہو جاؤ گے۔ تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ تم سکون اور عافیت کی زندگی گزار کر اپنے گھر بار پر توجہ دینا چاہتے ہو یا عمر بھر یوں ہی اپنے دشمنوں سے لڑتے اور بھاگتے رہو گے۔ یہ یاد رکھو کہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ قانون کبھی تمہارا مددگار نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں نے تمہارے خلاف اتنی لمبی فردِ جرم تیار کی ہوئی ہے کہ دنیا کے کسی ملک کا قانون تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔ اس میں گیری کے قتل کا اضافہ بھی ہو جائے گا۔ تم کو اپنی لڑائی خود لڑنا ہوگی۔''

اس نے وہ سب کہہ ڈالا جو میرے ذہن میں لاوے کی طرح پک رہا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے یہ واضح کر دیا کہ امریکیوں کے سوا میں نے اس وقت تک سب سے اپنا حساب بے باق کر لیا تھا۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور میں نے بے ساختہ کہا۔ ''جلال میں تھک گیا ہوں۔ تمہاری اور اول خان کی طرح مجھے قانون یا کسی فورس کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ اپنے جیسوں کو میں نے لڑ کر گرا دیا۔ بڑھتے ہوئے امریکی عزائم کی بیخ کنی مجھے اپنے بس سے باہر کی بات نظر آتی ہے۔ میں اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہوں۔ مجھے پاکستان کی خاک عزیز ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا انجام اسی مٹی میں ہو۔ غریب الوطنی کی موت کے تصور سے میرا رواں رواں کانپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھتا ہے۔ کسی طرح مجھے پاکستان جانے کا پروانہ دلا دو۔''

اول خان خاموشی سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے جلال کی زبان سے میرے صاحب اولاد ہونے کے تذکرے کو ایک دعائیہ فقرہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

''میں اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ وطن واپسی کی ایک شرط بہت کڑی ہے۔ تم کو اپنا نام ترک کرنا ہوگا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''جلال! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' میں نے تڑپ کر احتجاج کیا۔ ''تم مجھ سے میری شناخت چھین لینا چاہتے ہو..... اس سے بہتر ہے کہ تم مجھے مار کر اپنے ہاتھوں سے کہیں دفن کر دو۔ نام ہی میری زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ میرا ماضی میرے نام سے وابستہ ہے۔ نام کھو کر میں کس چیز پر فخر کروں گا، غزالہ کی کوکھ میں پرورش پانے والے بچے کو میں چند برسوں بعد کیا بتاؤں گا کہ اس کا باپ کون ہے اور ماضی میں کیا کرتا رہا ہے..... جلال! یہ بہت بڑی قیمت ہے۔ مجھے بالکل مفلس اور بے نام نہ کرو، وہ مانگو جو میں دے سکتا ہوں۔ تمہاری مانگی ہوئی قیمت ادا کرنا میری بساط سے باہر ہے۔''

وہ ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتا اور خاموشی سے میری بات سنتا رہا۔ میرے چپ ہو جانے کے بعد لمحہ بھر کے لیے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ جس میں مجھے اپنے دل کی تیز دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں پھر جلال نے کمزور لہجے میں زبان کھولی۔ ''تم جذباتی ہو رہے ہو۔ ٹھنڈے دل سے میری تجویز پر غور کرو۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں چھیننا چاہتا۔ سب جوں کا توں رہے گا۔ اپنے لہو کے پیاسوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ڈینی یا تنویر علی کے بجائے تم قمر علی بن جاؤ گے۔ بیم گن اور زہر بھری انگوٹھیاں ایک بھولا ہوا خواب بن جائیں گی اس ذرا سے سمجھوتے کے عوض تم پاکستان میں سکھ چین کی آزادانہ زندگی گزار سکو گے۔ تمہارے نئے نام پر وزارت خارجہ اور ہوم ڈپارٹمنٹ نے اپنے اپنے سیکرٹ فنڈز سے پانچ پانچ لاکھ روپے کے دو الگ الگ انعامی ڈرافٹ دیے ہیں۔ تم کو آرام اور آسایش کی زندگی گزارنے کے لیے پاکستان کے ہر حصے میں بھرپور تعاون فراہم کیا جائے گا۔ تم اچھی طرح سوچ لو۔ یہ کوئی بڑی قیمت نہیں ہے۔ کسی مراعت کے بغیر چھپ کر زندہ رہنے کے لیے حکمراں اپنے نام بدلتے رہے ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ اب یا کبھی نہیں والا مرحلہ درپیش ہے۔ میرے ہاتھ میں آخری کارڈ رہ گیا ہے۔ تمہارے جواب کے بعد میں اسے کھیلوں گا۔''

''تمہاری باتیں میرے لیے ناقابلِ فہم ہیں۔ میں نام بدل لوں گا مگر میرے خون آشام دشمن میری تلاش میں لگے رہیں گے۔ ہم ان سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ وہ ہمارے خفیہ راز جان لیتے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں کی تصاویر ان کے پاس موجود ہیں۔ ایک نہ ایک دن وہ یہ بھی جان لیں گے کہ قمر علی کے روپ میں ڈینی کو نوازا جا رہا ہے۔''

''اچھا ہوا کہ تم اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہو۔ یہ سب نہیں ہوگا۔ تم نے قمر علی بننے کا فیصلہ کر لیا تو کراچی میں ڈینی کی خودکشی کی تصدیق ہو جائے گی۔ تمہارے انکار کی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ مرنے والے کی اصلیت بے نقاب کر دے گا۔ تمہارے لیے میں نے سب گھر گھاٹ دیکھ کر بہت بڑا جوا کھیلا ہے۔ میری بار بار کی تاکید بے سبب نہیں تھی۔ تم نے بنکاک میں اپنے نام اور بیم گن کا استعمال چھپا کر میرے مشن کو بہت مضبوط کر دیا۔ اب اسے یوں نہ ٹالو!''

اس کی باتیں بہت الجھی ہوئی تھیں۔ میرے پے در پے سوالوں کے جواب میں جو کچھ سامنے آیا وہ یوں تھا کہ اس نے کراچی میں ڈینی ہونے کے شبہے میں جو دو آدمی پکڑے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے حوالات میں خودکشی کر لی تھی۔

میرے اصرار کے باوجود جلال نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ اس قیدی کو سازش کے تحت ہلاک کیا گیا تھا۔ وہ ہمیشہ قانون کی بالادستی اور سربلندی کا علم بردار رہا تھا۔ اپنی حدود میں رہ کر کام کرنے کی شہرت رکھتا تھا۔ اعتراف کر کے وہ اپنی پیشانی پر یہ داغ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو بچانے کے لیے ایک قیدی کو ماورائے عدالت قتل کرا دیا تھا۔

بنکاک سے کسی کو میری موجودگی کی بھنک نہیں مل رہی تھی۔ گیری کے قتل میں ایک عام پستول استعمال ہوا تھا۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اسے ڈینی نے مارا ہے۔ میرا نام بہ دستور پس منظر میں تھا۔

قیدی کی لاش امریکیوں کی نگرانی میں تھی۔ انہوں نے لاش سے چند سالمے نکال کر ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے فوری طور پر امریکا بھجوا دیے تھے۔ موازنے کے لیے انہیں ڈینی کے کسی قریبی عزیز خون کے رشتے دار کے جسم کا نمونہ درکار تھا۔ میں قمر علی بننے پر آمادہ ہو جاتا تو جلال یہ بندوبست کر کے آیا تھا کہ مرنے والے قیدی کے کسی عزیز کے بدن سے نمونہ حاصل کر کے مکمل رازداری کے ساتھ یہ کہہ کر امریکی حکام کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ میرے رشتے دار کا نمونہ تھا۔ ڈی این اے ٹیسٹ دونوں نمونوں کے یکساں ہونے کی تصدیق کر دیتا۔ وہ سند بن جاتی کہ ڈینی نے اپنے انجام سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مایوس ہو کر حوالات میں خودکشی کر لی۔ امریکی اطمینان کا سانس لیتے، فائلیں بند ہو جاتیں اور میری تلاش کی دیوانہ وار کوششیں دم توڑ جاتیں۔ میں قمر علی کے نام سے اپنی بقیہ زندگی بے فکر ہو کر گزار سکتا تھا۔

جلال کی تجویز بہت بھرپور تھی۔ اس کا آخری کارڈ ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے دوسرے نمونے کی فراہمی کا تھا۔ اس کے آدمیوں نے سرتوڑ کوششوں کے بعد مرنے والے قیدی کے ایک بھتیجے کا سراغ لگا لیا تھا جو اوکاڑہ میں گداگری کر رہا تھا اور اپنے چچا کے عبرت ناک انجام سے بے خبر تھا۔

اس سے گفتگو کے دوران میرا ذہن اس تجویز پر مسلسل کام کرتا رہا۔ اسے قبول کرنے کے بعد میرے لیے ضروری ہوتا کہ میں زندگی بھر کوئی ایسا کام نہ کروں جس کی وجہ سے ڈینی کا نام دوبارہ زندہ ہو۔

میں غزالہ کے ساتھ سکھ چین کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکتا تھا مگر ویرا کا کیا بنتا۔ میری طرح وہ بھی امریکیوں کے عتاب کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔

سیسو پھون میں پچھلی صبح مجھ سے گفتگو ہونے کے بعد جلال نے ویرا کے مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لیا تھا۔ اس کی دانست میں ویرا اور سلطان شاہ کے ازدواجی رشتے میں ویرا کی عافیت مضمر تھی۔ اسے علم تھا کہ سلطان شاہ معاشی مسائل اور بے روزگاری سے تنگ آ کر کراچی آیا تھا۔ وہاں اس نے ٹرکوں کے مستری کی حیثیت سے نوکری کا آغاز کیا پھر وہ یوں میری نظروں میں آیا کہ میرے گھر کا ایک فرد بن کر رہ گیا۔

ویرا مسلمان ہو چکی تھی۔ رسمی طور پر اس کے نام کی تبدیلی ناگزیر ہو گئی تھی۔ جلال نے کوثر خان کے نام سے اس کا نیا پاسپورٹ بنوایا تھا۔ اگر سلطان شاہ کو مناسب مالی مدد فراہم کر دی جاتی تو وہ شادی کے بعد ویرا کو اپنے ساتھ لے کر آسانی کے ساتھ اپنے آبائی گاؤں میں کوئی موزوں کام شروع کر سکتا تھا۔ اس علاقے میں عورتوں کے کھلتے ہوئے رنگ روپ کے سبب ویرا آسانی سے مقامی معاشرے کا ایک حصہ بن جاتی۔ اس کے ہم وطن سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس جیسی طرار اور آزاد خیال لڑکی کسی پاکستانی سے شادی کر کے ایک گاؤں میں زندگی بسر کر رہی ہو گی۔ ویسے بھی اس علاقے میں غیر ملکی تو درکنار کسی بھی اجنبی کا داخلہ ناممکن تھا۔

ویرا اور سلطان شاہ کے متضاد معاشرتی قرینوں کی وجہ سے اول خان کے کچھ تحفظات تھے۔ اس نے ان دونوں کے رویوں کا کبھی غور سے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے نکتہ نظر سے اس تجویز کی مخالفت میں ہم دونوں سے خاصی بحث کی اور آخر کار ہم اسے اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہماری گفتگو کے دوران اول خان پر بار بار حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے۔ اس نے کراچی سے نوم پنہ تک جلال کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ جلال کی خوش خلقی اور ملنساری کا اعتراف کر چکا تھا مگر جلال نے سرپرائز دینے کے چکر میں اس سے کافی باتیں چھپائی ہوئی تھیں۔

غزالہ کی ماں بننے کی اطلاع اور ویرا کے مسلمان ہونے کی خبر اس کے لیے نہایت مسرت افزا ثابت ہوئی۔ گرما گرم گفتگو کی جذباتی فضا میں اول خان نے اس بارے میں اپنی زبان بند رکھی لیکن فضا خوشگوار ہوتے ہی اس نے دل کھول کر مجھے مبارکباد دی۔ اس کی دانست میں ویرا کے قبولِ اسلام میں میرا کافی دخل تھا۔

''ساری باتیں ہو گئیں، تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے۔'' جلال نے سخت ذہنی دباؤ کے عالم میں تیسری سگریٹ ختم کر کے ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔

''بعض اوقات خاموشی ہی رضامندی ہوتی ہے۔'' اول خان نے خوش دلی سے کہا۔

''میرے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں ہے۔ میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے بہت سوچ سمجھ کر میرے لیے ایسی پر پیچ راہ نکالی ہے۔'' میں نے سر جھکا کے اس کے سوال کا جواب دیا۔ ''رضامند ہونے کے بعد ہی میں نے ویرا کے مستقبل کا سوال اٹھایا تھا مجھے اپنی ذات سے زیادہ ان لوگوں کے تحفظ کی فکر ہے جو میرے ایک اشارے پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے میرا ساتھ دینے چلے آ رہے ہیں۔''

''تم نے دل میں فیصلہ کیا ہوگا۔ مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' جلال کے ہونٹوں پر پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''اب میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ تمہاری طرح میں بھی سب کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی ہوں۔ کل صبح تم نے ویرا اور سلطان کی شادی کا مسئلہ نہ اٹھایا ہوتا تو آج میں خود یہی تجویز پیش کرتا۔ میری نظروں میں ویرا کا رتبہ کسی جلا وطن شہزادی سے کم نہیں ہے۔ اس نے تم لوگوں کے لیے سب کچھ بلکہ حد یہ ہے کہ اپنا آبائی مذہب تک چھوڑ دیا۔''

اپنی بات پوری کرتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک پتلا سا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا، میں نے لفافے میں سے قمر علی کے نام پر بنے ہوئے پانچ پانچ لاکھ کے دوسرکاری ڈرافٹ نکال لیے۔

''ان میں سے ایک ویرا کے نام پر ہونا چاہیے تھا۔'' میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بوجھل دل سے کہا۔

''یہ تمہارے ہیں۔ اسے اور سلطان کو پاکستان پہنچنے پر بہت کچھ مل جائے گا۔''

وہ بس لمحوں کی بات تھی۔ جلال سے گفتگو ہونے تک میں جلاوطنی کے عذاب میں مبتلا تھا۔ مستقبل کے ان جانے خوف اور وسوسوں نے مجھے دہلایا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں نوم بہہ سے نکل کر کہاں جاؤں گا، کون میرا مددگار رہے گا۔ اس سے کھلی کھلی باتیں ہونے کے بعد وہ تمام مسائل حل ہوگئے تھے۔ اس نے اچھا کیا کہ ان تینوں کو رخصت کردیا۔ ان کی موجودگی میں یک سوئی سے مذاکرات نہیں ہوسکتے تھے بات بات پر سب اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے اور اصل مسائل کھٹائی میں پڑ جاتے۔ میں نے جم کر اس سے ہر پہلو پر بات کرلی تھی۔ آنے والے دنوں کے بارے میں میرا ذہن صاف ہوچکا تھا۔

''تم کو گیری کے بارے میں کوئی خیر خبر ہے!'' میں نے جلال سے پوچھا۔

''بنکاک سے طارق نے رپورٹ دی تھی۔ فی الحال اس کی تلاش جاری ہے۔ سوچا جارہا ہے کہ وہ اپنی گاڑی خراب ہونے کے بعد کسی سے لفٹ لے کر کہیں بھٹک گیا ہوگا۔'' اس نے بتایا ''اس کے انجام کے بارے میں سب بے خبر ہیں۔''

''ڈان کے کیمپ کی کیا خبریں ہیں.....؟'' اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر ہونے کا بعد میرا ذہن بنکاک کی طرف بھٹک گیا۔

''طارق کے لیے وہ غیر متعلق فریق ہے۔ خاص معاملات پر وہ خود نگاہ رکھتا ہے۔ کوئی غیر معمولی خبر ہوتی تو وہ ضرور اپنے افسر کو اطلاع دیتا۔''

''ہوسکے تو کسی طرح اسے پیغام دے دو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میری گم شدگی کی خبر ملنے پر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ میں نے بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ اسے میں شاید عمر بھر فراموش نہیں کرسکوں گا۔'' میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

''وقت بہت سفّاک ہوتا ہے۔'' اول خان ایک گہرا سانس لے کے بولا۔ ''دھیرے دھیرے سب کو بھلا دیتا ہے، حد یہ ہے کہ لوگ اپنے پیاروں کو مٹی دے کر کچھ دنوں بعد بھول جاتے ہیں۔ ان کی قبروں کو گیدڑ اور کتے کھود ڈالتے ہیں۔ پھر وہ قبریں بیٹھ جاتی ہیں۔ انہیں نئے آنے والوں کے لیے تیار کرلیا جاتا ہے.....''

''اب پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔'' جلال نے متانت کے ساتھ مجھے مشورہ دیا۔ ''کسی وقت تم اپنے تاب ناک ماضی کے سحر میں گرفتار ہوگئے تو ساری مشق رائگاں جائے گی۔''

''ماضی کچی ڈور سے بندھا ہوا رشتہ نہیں ہوتا جو ذرا سے اشارے سے ٹوٹ جائے۔'' میں نے جواب دیا ''یہ تعلق رفتہ رفتہ ہی ختم ہوگا۔ ابھی ماضی کی کئی یادیں تشنہ ہیں۔ جیسے جیسے خیال آتا رہے گا۔ وہ باتیں بھی زبان پر آتی رہیں گی۔''

''گیری کو مار کر تم نے ہر قصہ سمیٹ دیا۔ اب کیا باقی رہ گیا ہے؟'' جلال نے پوچھا۔

''گوادر جانے والوں کے انجام کے بارے میں اول خان نے بتادیا۔ ان لوگوں کی کوئی خبر نہیں ملی جنہیں راجن نے ساہیوال کی طرف بھیجا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ ان کے گرد مضبوط جال پھیلا دیا گیا ہے۔ دہشت گردوں کی عدالت میں پیشی کے موقع پر وہ اپنی کارروائی کریں گے اور پکڑے جائیں گے۔'' جلال نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میرا ایک مشورہ ہے، مانو تو پیش کروں!''

''میں نے آج تک تمہاری کوئی معقول بات نہیں ٹالی۔''

جلال دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نامعقول باتیں بھی کرتا رہا ہوں۔''

''ضروری نہیں کہ یہی دو مطلب ہوں۔ کم معقول باتوں کو نظر انداز کردیا جاتا ہے..... تم یہ بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔''

''تم نے بہت بھرپور اور دلچسپ زندگی گزاری ہے۔ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیاسی مفادات کے لیے بڑی طاقت کس طرح موت کی سوداگری کررہی ہے۔ دوسروں کے استفادے کے لیے تم کو اپنی سرگزشت قلم بند کرنی چاہیے۔'' جلال نے کہا۔

''زبردست مشورہ ہے۔ تمہاری کہانی اتنی پُرپیچ ہے کہ ہزاروں صفحات پر پھیل جائے گی۔'' اول خان نے اس کی پُرزور تائید کی۔

''یہ میری فطرت اور مزاج کے خلاف ہوگا کہ میں ایک کونے میں بیٹھ کر دن رات اپنی کہانی لکھتا رہوں۔ کسی اچھے رسالے کے اچھے مدیر سے ملاقات ہوگئی تو شاید کوئی قسط وار سلسلہ شروع کردوں۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''اس کے لیے بھی تمہاری شرائط ہوں گی!'' اول خان نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ عام سی باتیں ہیں، ادارت ہو یا زندگی کا کوئی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شعبہ، آدمی کی فطرت میں خباثت موجود ہو تو دوسروں کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہے۔ طویل رشتے درمیان میں ٹوٹ جاتے ہیں۔ دونوں طرف نیک نیتی کارفرما ہو تو ہر کام سکھ چین سے برسوں چلتا رہتا ہے۔'' میں نے وضاحت کی ''میری کوشش ہوگی کہ میں تمہارے مشورے پر عمل کر سکوں۔''

یہ ان دونوں سے کیا ہوا وعدہ تھا یا میرے دل میں بھرا ہوا غبار کہ میں نے پوری دل سوزی سے سب کچھ کاغذ پر منتقل کر دیا اور کسی نہ کسی صورت میں دوسروں تک پہنچا دیا۔

وہ دونوں آرام کے موڈ میں تھے۔ مشاورت مکمل ہو چکی تھی۔ اس کی روشنی میں فیصلے کیے جا چکے تھے جنہیں غزالہ بے چون و چرا تسلیم کر لیتی۔ اصل مرحلہ ویرا اور سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ وہ اسے بعد کے لیے ملتوی کرنا چاہ رہے تھے۔

ان دونوں سے نوم پہنچ میں وہ میری پہلی ملاقات تھی۔ جلال نے تخلیے کی خواہش ظاہر کر کے ان تینوں کو متجسس کر دیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ کسی ایک کمرے میں سر جوڑے اپنی طلبی یا میری واپسی کا شدت سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ میرے لوٹتے ہی مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور میرے لیے کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہو جاتا۔ ان کے لیے میری بات میں زیادہ وزن نہ ہوتا۔ انہیں علم ہو چکا تھا کہ اول خان اور جلال اپنی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ اوپر کے حکم پر ایک سرکاری وفد بن کر نوم پہنچ آئے ہیں۔ ان دونوں میں جلال سینئر تھا۔ اس کی زبان سے جاری ہونے والی ہدایات پر بحث کی کوئی گنجائش نہ ہوتی اور معاملہ سکون سے نمٹ جاتا۔

اس وقت اہم ترین مسئلہ سلطان شاہ کی رضا مندی کا تھا۔ میں نے جلال سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تو اس نے گھبرا کر مجھے روک دیا۔ اس بارے میں جلال مکمل طور پر میرا ہم خیال تھا۔ میری دانست میں بہتر یہی تھا کہ وہ اپنا معاملہ براہِ راست جلال کے ساتھ طے کر لے۔

ان دونوں نے میرا نکتہ نظر مان لیا۔ ویرا کے کمرے میں انٹر کام کی کئی گھنٹیاں بجیں لیکن کوئی جواب نہ آیا تو میں نے اپنے کمرے کا نمبر ملایا۔

دوسری طرف سے فوری طور پر ویرا کی آواز آئی۔ میں نے اسے غزالہ اور سلطان شاہ کے ساتھ جلال کے کمرے میں پہنچنے کی ہدایت دے کر ریسیور رکھ دیا۔

''تمہارے چہرے پر مسکراہٹ ناچ رہی ہے۔'' میں نے جلال کو بتایا۔ ''اس کیفیت میں تم بہت نرم خو اور صلح جو نظر آتے ہو۔ تمہارا گمبھیر چہرہ ان دونوں کو فضول گوئی سے روکنے میں مددگار ثابت ہوگا۔''

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا، اپنی کرسی میں پہلو بدلا اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔ اس لمحے وہ تینوں کمرے میں آ گئے۔

''معاملات بہت خطرناک رخ پر آ گئے ہیں۔'' ان کے بیٹھ جانے کے بعد جلال نے خشک لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''جب تک میں بے بس نہیں ہوا تھا۔ سب کو اپنے اپنے انداز میں ملک و قوم کی خدمت کرنے کی پوری آزادی تھی لیکن ڈینی اور ویرا کے گرد دشمن کا گھیرا دن بہ دن تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ تم دونوں کا موجودہ حالات میں دشمنوں سے بچنا محال نظر آ رہا ہے۔ طے یہ ہوا ہے کہ اب ویرا اور ڈینی متروک نام ہوں گے جنہیں بھول کر بھی زبان پر نہیں لایا جائے گا۔ ڈینی کے نام پر کراچی کے لاک اپ میں ایک قیدی نے خودکشی کر لی ہے، ویرا لاپتا ہو چکی ہے۔ تمہارا نام قمر علی، کوثر خان، صمد خان اور رعنا خاتون ہوں گے۔ تمہارے نئے پاسپورٹ ان ناموں سے بنے ہیں۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل سے اپنا بریف کیس اٹھا کر اس میں سے پاسپورٹوں کا بھاری لفافہ نکالا اور ویرا کی طرف بڑھا دیا۔

ڈینی کو قمر علی بن کر رہنا ہوگا۔'' وہ کہہ رہا تھا اور میں بھی پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا کیونکہ اس نے طے شدہ امور میں ان جزئیات کو بھی شامل کر لیا تھا جو اس وقت تک میرے سامنے نہیں آ سکی تھیں۔

''یہ مجبوری ہے کیونکہ قمر علی کا نام ریکارڈ کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ بقیہ تینوں افراد کو آزادی ہوگی کہ وہ پاکستان پہنچنے کے بعد اپنی پسند کے نام اختیار کر لیں۔ میرا نکتہ ان پسندیدہ ناموں سے شناختی کارڈ اور دوسرے لوازم فراہم کرنے کا ذمے دار ہوگا تاکہ دنیا کے کسی بھی حصے میں شناخت کے حوالے سے کوئی پریشانی نہ ہو۔'' وہ یوں بول رہا تھا جیسے کاغذ پر لکھا ہوا کوئی فرمان پڑھ رہا ہو۔ اس کی بات جاری رہی۔ ''بیم گن یا کوئی ایسا ہتھیار استعمال نہیں ہوگا۔ جو ڈینی کی ذات سے منسوب رہ چکا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ ویرا مسلمان ہو چکی ہے۔ نام بدلنا اس کی ضرورت بن گیا ہے۔ صمد خان یعنی سلطان شاہ کو اب اپنے والدین کے پاس گاؤں لوٹنا ہوگا۔ وہاں نئے سرے سے کاروبار شروع کرنے کے وسائل فراہم کرنا میرے ذمے ہوگا۔''

اس نے خاموش ہو کر استفہامیہ نظروں سے باری باری سب کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا جیسے ان کے دلوں کے احوال پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''تم کو یہ سب قبول ہے؟'' ویرا نے مجھ سے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجبوری ہے!'' میں نے بے پروائی سے کہا ''اس کے علاوہ وطن لوٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دوسری صورت میں ہم عمر بھر بھاگتے رہیں گے۔ امریکیوں کو جہاں ہماری بو ملے گی۔ وہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر وہیں پہنچ جائیں گے۔ ہم ان کے آدمیوں کو ماریں گے تو دوسرے ان کی جگہ لیتے رہیں گے۔ ہم مارے گئے تو ہماری جگہ لینے والا کوئی ہوگا نہ کوئی ہماری لاشوں کو اٹھانے کے لیے آگے آنے کی ہمت کر سکے گا۔''

''آپس کی باتیں بعد میں کر لینا۔'' جلال نے میری بات مکمل ہونے پر ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''اس وقت مجھ سے بات کرو۔ کچھ دیر تک ستانے کے بعد مجھے باہر نکلنا ہے تاکہ ہم سب آج ہی یہاں سے واپس روانہ ہو سکیں۔''

''میں کوثر خان بن گئی!'' ویرا نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں کہا پھر جلال کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ''یہ تم تینوں کے فیصلے ہیں تو کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔''

''یہ ہمارے فیصلے نہیں ہیں۔ اعلیٰ ترین سطح پر اس ضرورت کا احساس کیا گیا ہے کہ تم سب کو وطن واپس لا کر پورا تحفظ فراہم کیا جائے۔''

''تم کس وطن کی بات کر رہے ہو.....؟'' میں تو شاید ہمیشہ کے لیے بے وطن ہو چکی ہوں..... مرتے دم تک امریکا نہیں جا سکوں گی۔''

''تمہاری قربانیوں کا سب کو بھرپور اندازہ ہے۔ تمہیں پاکستان کی مکمل شہریت دی جائے گی مگر نئے نام سے۔ اپنے مذہب سے کنارہ کشی اختیار کر کے تم نے مجھے جھنجوڑ دیا ہے۔ یہ ہم لوگوں اور ہماری زمین سے گہری محبت کا آخری ثبوت تھا جو تم نے فراہم کر دیا۔''

''تم اعلیٰ ترین سطح کی بات کر رہے ہو۔ کھل کر بتاؤ کہ تمہیں پاکستان کے صدر نے یہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی یا وزیراعظم نے ایسا کہا تھا۔ اشاروں کنایوں سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔''

''دونوں کو علم ہے کہ تم چاروں بنکاک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے۔''

''تم پھر گول مول سفارتی زبان استعمال کر رہے ہو۔'' ویرا نے اپنی جھونک میں جلال کی سنجیدگی کو یک سر نظر انداز کر دیا تھا۔ ''میرے سوال کا صاف جواب کیوں نہیں دیتے؟''

''ایس ٹی ایف صدر کی تخلیق ہے۔ اس کا سربراہ صرف اسی کو جواب دہ ہے۔ اول خان کی میرے ساتھ موجودگی سے تم کو سمجھ لینا چاہیے کہ پس پردہ ہدایات کون دے رہا ہے۔'' جلال نے قدرے توقف کے بعد کہا اور ویرا کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ آئی۔

''کچھ نہ بتا کر بھی تم نے بہت کچھ کہہ دیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تمہاری حکومت مجھے مکمل شہریت دے دے گی۔ پاکستان میں شہری حقوق کی بے رحمانہ پامالی کے واقعات میں اخبارات میں پڑھتی اور ٹیلی ویژن پر دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ ایسے معاشرے مجھ جیسی اکیلی عورت کا کیا مستقبل ہوگا۔ قمر اور رعنا کے لیے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ یہ اپنی نئی دنیا میں مگن ہو جائیں گے میں کہاں جاؤں گی۔''

ویرا کے سوال نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس نے بہت ہوش مندی سے میری سرپرستی قبول کر کے اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا تھا مگر وہ اپنے بارے میں سلطان شاہ کے تذبذب کی عینی شاہد تھی۔ اسے کسی بہلاوے میں الجھانا بہت مشکل تھا۔

یہ ہمارے سامنے کی بات تھی کہ سلطان شاہ نے اپنا معاملہ جلال کی آمد تک ملتوی کیا تھا۔ وہ آ چکا تھا۔ ویرا کے لیے مزید انتظار ممکن نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس صبر آزما انتظار میں اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔ اس نے جلال کو براہ راست اپنی زد پر لے لیا۔

ہم میں سے کسی کے پاس ویرا کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سب کی نظریں یکا یک سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

اس نے میری تیز سوالیہ نگاہوں سے بوکھلا کر باری باری دوسروں کی طرف دیکھا۔ سب کسی امید کے سہارے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''تم سب میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' اس نے تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے کسی سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔ ''میں کیا کہہ سکتا ہوں!''

''میری طرف دیکھو!'' جال کی دھیمی مگر بارعب آواز گونجی۔ ''جانتے ہو کہ زمین پر مرد اور عورت کی تخلیق کیوں کی گئی؟''

سلطان شاہ کسی ہونق کی طرح اس کا چہرہ تکتا رہا۔ منہ سے کچھ نہ بولا۔ اسے امید نہیں تھی کہ جلال براہ راست اسے مخاطب کر بیٹھے گا۔

''صرف اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔'' جلال نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دے دیا۔ ''ایک دوسرے کے بغیر وہ ادھورے رہتے ہیں۔ تم جوان اور ہوش مند ہو۔ تم نے اپنے زور بازو سے اپنے اور ڈینی کے دشمنوں کے دانت کھٹے کیے ہیں۔ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ تم کو اپنی عورت کی ضرورت ہے جو صرف اور صرف تمہاری ہو.....''

اس نے سلطان شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے کی پل پل بدلتی ہوئی رنگت سے اس کے دل کا حال بھانپ رہا تھا۔ لوہا گرم دیکھ کر اس نے پھر چوٹ لگائی۔ ''ہماری طرف دیکھو، میں، جلال، قمر..... سب شادی شدہ ہیں۔ میں بھیرہ کے چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ دیہاتی ماحول کو جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اگر تمہارے بڑوں نے کسی لڑکی کے بڑوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ تمہارے گاؤں کی کوئی لڑکی آس لگائے تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کر رہی تو تم اسی وقت ہماری صف میں شامل ہو جاؤ.....''

''تم یہ باتیں مجھ سے کیوں کر رہے ہو؟'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بہ دقت تمام بولا ''صرف میرے کہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ دوسرے فریق کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ میں اس بارے میں بارہا سوچ چکا ہوں۔ سوچتا ہوں اور میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ اس کی نظروں میں سب کچھ ہیچ ہے۔ یہ شادی سے زندگی تک کو مذاق سمجھتی ہے۔ یہ صرف میرا اقرار سننا چاہتی ہے تاکہ انکار کر کے خوش ہو سکے۔ میں ایک عورت کے سامنے یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کچھ پوچھنا ہے اسی سے پوچھو۔ میرا کیا ہے۔ مجھ سے تم سب جو بھی کہو گے، مان لوں گا۔''

ہم سب کی تیز نگاہوں کی زد میں آ کر سلطان شاہ اپنے دل کی بات پہلی بار زبان پر لے آیا۔ اس کی ہچکچاہٹ بے سبب نہیں تھی۔ ویرا کے مزاج کے تلون نے اسے اندر سے خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ بات تل گئی تو وہ حقیقت اگلنے پر مجبور ہو گیا۔

ابتدا سے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی سنجیدہ تعلق استوار نہیں ہو سکا۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ نوک جھوک کر کے وقت گزارتے رہے۔ انہیں ہر وقت ایک دوسرے کی طرف سے اپنی ٹانگ کھینچے جانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ ایسے ماحول میں باہمی اعتماد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ویرا پھر بھی کھلے دل کی مالک تھی۔ اس نے پنکاک کے سیام پارک میرے سامنے اپنے دل کا سارا غبار اگل کر خود کو اندر سے پھول کی طرح ہلکا کر لیا لیکن سلطان شاہ نے بھول کر بھی کسی سے اپنے دل کی بات نہیں کی۔ اس کی آخری باتیں سن کر مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہم سب کے نرغے میں نہ آیا ہوتا تو اس وقت بھی اپنے من کی بات زبان پر نہ لاتا۔ جلال سے وہ ویسے ہی مرعوب رہتا تھا۔ اس سے بے تکلفانہ گفتگو خارج از امکان تھی۔

''دونوں طرف ایک حال ہے۔'' میں نے مسرت آمیز لہجے میں کہا ''دونوں راضی ہیں مگر ایک دوسرے کے انکار سے خوف زدہ تھے۔''

''شاباش!'' جلال نے اٹھ کر مربیانہ انداز میں سلطان شاہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''تم نے ایک مردانہ فیصلہ کر کے ہم سب کے دل جیت لیے..... مجھے تم سے یہی توقع تھی۔''

''میں نے قمر سے کہہ دیا تھا کہ یہ فیصلہ تمہارے آنے پر ہوگا اور ہو گیا۔'' سلطان شاہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولا۔

جلال کی بانہوں سے آزاد ہوتے ہی سلطان شاہ مجھ سے لپٹ گیا۔ ادھر غزالہ ویرا کو اپنے بازوؤں میں سمیٹے کھڑی تھی اور اول خان بزرگانہ انداز میں ویرا کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا وہ سلسلہ کچھ دیر تک جاری رہا۔ ایسے فیصلے کچھ جلالی سے ہوتے ہیں۔ رشتوں کے بندھن کی بات آتے ہی جذبات اتنے منہ زور ہو جاتے ہیں کہ فریقین کے دل موم ہو جاتے ہیں، آنکھوں میں نمی ابھر آتی ہے۔ الفاظ سینوں میں گھٹنے لگتے ہیں بس چہروں کی بشاشت اور رونق خوشی کی مظہر ہوتی ہے۔

''میاں بیوی راضی ہیں، قاضی کہاں ہے؟'' میں نے آواز لگائی۔

''نوم، مہہ میں اس وقت ڈھونڈنے سے کوئی قاضی نہیں ملے گا۔'' جلال نے فتوا صادر کیا۔ ''بات طے ہو گئی ہے۔ یہ کام کسی بھی وقت ہو جائے گا۔''

''نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ مقدس فریضہ میں انجام دوں گا'' اول خان نے مسرت کے ساتھ اپنی خدمات پیش کر دیں۔

ویرا سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ کسی بیر بہوٹی کی طرح گلنار ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ اس میں یکایک کیا تبدیلی آ گئی۔ اس کی مشرقی ادا میں تصنع کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ غزالہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی سے اٹھایا اور دروازے کی طرف لے گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اسے کہاں لے جارہی ہو..... نکاح ابھی ہوگا۔'' میں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔ لڑکے کے ساتھ وہیں آجائیں۔'' غزالہ شوخی سے جواب دے کر کمرے سے نکل گئی۔

چار مردوں میں ایک دلہا تھا دوسرا قاضی۔ دلہن حوصلہ مند تھی۔ اس کے لیے کسی وکیل کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ نکاح کی گواہی کے لیے میں جلال کے ساتھ موجود تھا۔ شرعی طور پر کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ البتہ شرکا کی ضیافت کے لیے کچھ میسر نہیں تھا۔ دالوں اور سبزیوں کا کچھ دیر پہلے صفایا ہو چکا تھا۔

فوری طور پر روم سروس سے رابطہ کیا گیا۔ اس وقت ٹھنڈے اور گرم مشروبات کے ساتھ صرف بیکری کی اشیا دستیاب تھیں۔ اول خان نے ایک کیک اور کچھ پیسٹریوں کے ساتھ کافی لانے کا آرڈر دے دیا۔

ویٹرس کو بتا دیا گیا کہ وہ پندرہ منٹ بعد غزالہ کے کمرے میں سامان پہنچا دے۔

ہم چاروں غزالہ کے کمرے پر پہنچے تو دستک کے جواب میں ویرا نے دروازہ کھولا اور تیزی سے پلٹ کر کرسی پر جا بیٹھی۔ غزالہ غائب تھی۔

''رعنا کہاں گئی۔'' میں نے متجسس نظروں سے کمرے اور باتھ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی آنے کا کہہ کر کہیں چلی گئی!'' ویرا نے ہولے سے کہا۔ اس کی ساری شوخی اور طراری رخصت ہو چکی تھی۔

ہم میں سے کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ یوں بیٹھے بیٹھے بات ان کے نکاح تک پہنچ جائے گی۔ اس وقت ایک اصولی فیصلہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا گیا۔ میں نے محض اس خیال سے فوری نکاح کی حمایت کی کہ کسی تکرار کے نتیجے میں ان میں سے کسی کا ارادہ ڈانواڈول نہ ہو جائے۔

ویرا کے لیے وہ پیش رفت حیرت کا سبب رہی ہوگی۔ شاید اس نے محسوس کیا ہو کہ ہم نے ان تینوں کو اسی ارادے سے جلال کے کمرے میں بلایا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا لیکن غزالہ واپس نہیں آئی۔ اس کی طرف سے سب کی تشویش ہو رہی تھی۔ جب ویٹرس کافی نوشی کے لوازم سے لدی ہوئی ٹرالی لے آئی تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ غزالہ آگئی۔

اس کے چہرے پر خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں بڑے بڑے شاپنگ بیگ جھول رہے تھے۔ اس کے وجود کے ساتھ آنے والی مہک سے اندازہ ہو گیا کہ وہ پھول لے کر آئی ہے۔

اس نے کمرے میں آتے ہی ایک تھیلے میں سے بڑا سا ہار نکال کر سلطان شاہ کے گلے میں ڈالا۔ وہ اس کا منہ بولا بھائی تھا۔ کامران کی موت کے بعد وہ اس رشتے کو ترس کر رہ گئی تھی۔ اپنے مرحوم بھائی کی کمی پوری کرنے کے لیے اس نے سلطان شاہ کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔

دلہا کی بلائیں لینے کے بعد اس نے گلاب اور موتیا کے پھولوں سے بنے ہوئے چھوٹے ہار ہم تینوں کو بھی پہنا دیے۔ ایک تھیلا خالی ہو گیا۔ دوسرا تھیلا لے کر وہ ویرا کے ساتھ مسہری پر چڑھ گئی۔

ہم چاروں لمبی اور گہری نیند لے چکے تھے مگر جلال اور اول خان نیند کو ترسے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس مختصر سی تقریب کی تیاریوں میں الجھ کر وہ اپنی تھکن اور نیند کو فراموش کر چکے تھے۔

غزالہ نے کچھ پھول ہوٹل کی فلاور شاپ سے خریدے تھے۔ بقیہ کمی اس نے بازار سے پوری کی۔ وہ کمرا ذرا سی دیر میں خوشبوؤں میں بس گیا۔

وہاں کوئی ناز و نخرے نہیں تھے۔ غزالہ خوشی کے اس موقع پر ویرا کو پھولوں سے لاد دینا چاہتی تھی۔ اس نے بہت پھرتی سے اپنا کام مکمل کر لیا۔ پھولوں کے ہالے میں ویرا ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

اول خان نے سب کی اجازت سے اپنا اہم کام شروع کر دیا۔ اس وقت صبح کے چار بج رہے تھے۔ فریقین کے ایجاب و قبول کے بعد اس نے نکاح کا خطبہ شروع کیا تو مجھے پتا چلا کہ وہ خوش الحان بھی تھا۔

مبارک، سلامت کی دعاؤں کے ساتھ کافی نوشی کا دور شروع ہوا۔ ''خیال آنے پر سلطان شاہ اور ویرا نے مل کر کیک کاٹا۔ دوسرے کمروں میں مقیم مہمانوں کے خیال سے دھیمی تالیاں بجائی گئیں اور وہ چھوٹی سی تقریب اختتام کو پہنچنے لگی۔

ہم سب مسافر تھے، نوم ہنی میں پڑاؤ صرف ایک رات کا تھا۔ رخصتی یا کمرے کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ غزالہ کے شوق نے اسی کمرے کو خوشبوؤں میں نہلا کر حجلہ عروسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہم چاروں ویرا اور سلطان شاہ کو الوداعی دعائیں دے کر ان کے کمرے سے نکل آئے۔

ویرا نے کسی ہوٹل میں سلطان شاہ کے ساتھ ایک چھت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نیچے رات گزارنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس تجویز پر وہ ہمیشہ بھڑکتی رہی لیکن اس رات وہ نکاح کی بندھن کی اسیر ہو چکی تھی۔ اس کے پاس انکار کی کوئی راہ نہیں تھی۔

وہ کوئی احتجاج کیے بغیر، سر جھکائے مسہری پر بیٹھی رہی تھی۔

راہ داری میں جلال اور اول خان ہم سے رخصت ہو کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے خواب ناک اور پراسرار سناٹے میں، میں غزالہ کو لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ میری اور غزالہ کی شادی مکاؤ میں ڈان کوانگ فو کے محل میں ہوئی اور وہ دونوں نوم پنہہ میں شادی کے بندھن میں جکڑے گئے۔ ہم نے اپنی شب زفاف ڈان کے شیش محل میں منائی۔ وہ کوئین ہوٹل کے ایک کمرے میں خلوت گزین تھے، مشرق بعید نے ہم چاروں کی ازدواجی زندگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

مقدرات کا لکھا اٹل ہوتا ہے۔ وہ دونوں امریکا جیسے ملک میں شرو شکر ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے نہ ہو سکے۔ نوم پنہہ ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا۔ سب کھنچ کر وہاں جمع ہوئے اور ذرا سی دیر میں نوشتہ تقدیر ایک حقیقت بن گیا۔

ہم ڈان کوانگ فو کے شیش محل میں نہیں تھے لیکن ایک نویلا ہتا جوڑے کا پڑوس میسر تھا۔ دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شب زفاف کی کچھ یادیں تازہ کیں پھر غزالہ تھک ہار کر سو گئی۔ شاید وہ ویرا کے ساتھ رہ کر گہری نیند نہیں لے سکی تھی۔

میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ ذہن میں خیالات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا۔ ان میں یہ فکر بھی شامل تھی کہ سلطان شاہ اور ویرا اپنی بگڑی ہوئی عادتوں کو ازدواجی ضابطوں میں کیسے ڈھال سکیں گے۔ اس سوال کا جواب ان سے اگلی ملاقات پر ہی مل سکتا تھا۔

میرے پاس کرنے کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ کسی اور کو اپنی بے خوابی میں شریک کرنا مناسب نہیں تھا۔ واپسی کے انتظام اور سفر کے لیے جلال اور اول خان کا تازہ دم ہونا ضروری تھا۔

مجھے یکا یک چاؤفان کا خیال آ گیا۔ اس سے ڈان کے بارے میں خیر خبر مل سکتی تھی۔

میرا موبائل فون بہ دستور بے جان تھا۔ میں نے ڈائرکٹری میں بنکاک کا کوڈ تلاش کر کے ہوٹل کی لینڈ لائن سے چاؤفان کا موبائل فون نمبر ملایا تو صبح کے سات بج رہے تھے۔

تیسری گھنٹی پر رابطہ ہو گیا۔ میری آواز پہچانتے ہی چاؤ فان تحیر زدہ آواز میں بولا ''ماسٹر! کیا تم ابھی تک نوم پنہہ میں رکے ہوئے ہو؟''

مجھے شک ہوا کہ ہمارے فرار کی خبر پھیل گئی تھی۔ میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا ''تم نے کیسے کہہ دیا کہ میں نوم پنہہ میں ہوں!''

''پلان یہی تھا اور میں نے اپنے موبائل فون کی اسکرین پر نمبر دیکھ کر تمہاری کال سنی ہے، نمبروں کے بارے میں میرا حافظہ بہت اچھا ہے۔ ابتدائی کوڈ کمبوڈیا اور نوم پنہہ کے تھے، کہو تو میں دیکھ کر تمہارا فون نمبر بھی بتا دوں۔''

''بس رہنے دو.....'' میں نے ہنس کے وہ بات ٹال دی۔ ''وہاں کی کیا خبریں ہیں؟''

''ماسٹر! مجھے سچ سچ بتا دو، گیری کہاں ہے؟'' اس نے یکا یک سوال کر دیا۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو۔ وہ وہیں ڈان کی پارٹی میں تھا۔ کیا وہ کہیں کھو گیا۔'' میں نے کسی قدر بے رخی سے کہا۔ اس کے غیر متوقع مطالبے نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔

''وہ غائب ہے۔ اس کے سارے ساتھی پریشان ہیں۔ اس کی تلاش کے لیے آج شام ڈان کو تمہاری ضرورت پیش آئی تو تم بھی غائب تھے۔ اب تمہارا خادم کسی بے مغز دیوانے کی طرح شہر اور اس کے مضافات میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔''

''کیا تمہیں گیری کی تلاش نہیں ہے؟'' میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''دونوں میں سے ایک بھی مل جائے تو ڈان کا دماغ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ پاگل ہو رہا ہے۔ اسے صدمہ ہے کہ اس نے تمہارے پاسپورٹوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی تم نکل گئے۔ اس نے غصے میں دونوں پاسپورٹ آتش دان میں پھینک دیے۔''

اس طرف میرا دھیان بھی نہیں تھا۔ اس کی زبان سے وہ خبر سن کر مجھے اطمینان ہوا کہ پاسپورٹ کے ذریعے ڈان کے ہاتھ لگنے والی میری اکلوتی تصویر ضائع ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح میں ایک مرتبہ پھر ایک نام بن کر رہ گیا تھا۔ میری کوئی تصویر بڑے دشمن تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ تمہیں جلد ترقی مل جائے۔''

''ماسٹر! ترقی کی بات مت کرو۔ آج وہ بڑی بڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنکھیں نکال کر مجھ پر یوں غرا رہا تھا کہ میرا دم نکل رہا تھا۔ ترقی تو دور کی بات ہے۔ فی الحال اس کا غصہ اترنا چاہیے۔ اسے ذرا بھی شک ہوگیا کہ میں نے تمہاری مدد کی ہے تو وہ لاتیں مار مار کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔''

''تم فکر نہ کرو.....'' میں نے اسے دلاسا دیا۔'' ہمارا منصوبہ بے داغ تھا۔ سیسو پھون کی طرف آنے جانے والوں کے ذریعے صبح شام میں یہ خبر بنکاک میں گردش کرنے لگے گی کہ نان فینگ نے پھوم فاٹ کے بھیجے ہوئے چار غیر ملکیوں کو نوم پنہہ پہنچایا ہے۔ ڈان کا سارا غصہ پھوم فاٹ کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ تم صاف بچے رہو گے ہوسکتا ہے کہ پھوم فاٹ کے فتنے سے ہمیشہ کے لیے تمہاری اور لی کی جان چھوٹ جائے۔''

''شکر یہ کہ تم نے مجھے یہ بات یاد دلا دی۔'' اس کی آواز ممنونیت سے لبریز ہوگئی۔'' یہ چھپنے والی خبر نہیں ہے، ضرور پھیلے گی۔ ڈان نے میرے اوسان اس طرح خطا کیے کہ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ میری مانو تو تم بھی نوم پنہہ سے فوراً نکل جاؤ۔ خبر ملتے ہی ڈان نان فینگ کو اٹھوالے گا وہ کچا آدمی ہے۔ ذرا سی مار پڑی تو ڈان کو تمہارے ہوٹل تک لے آئے گا، تم پکڑے گئے تو مجھے بدھا بھی نہیں بچا سکے گا۔''

اس کے خوف پر میں دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا، میں نے محض اسی اندیشے کے سد باب کے لیے نان فینگ کے بتائے ہوئے کسی ہوٹل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ کوئین ہوٹل میں قیام کی تجویز بھی اسی احتیاط کی وجہ سے مسترد کی تھی۔ ویسے بھی ہمیں نوم پنہہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا تھا۔ کوئی گڑبڑ ہونے سے پہلے ہم وہاں سے ہزاروں میل دور نکل گئے ہوتے۔

چاؤفان سے کئی کارآمد باتیں معلوم ہوگئیں۔ اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ ہمیں نوم پنہہ میں فوری طور پر کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔ لیکن کسی بھی وقت خرابی کا آغاز ہوسکتا تھا۔

چاؤفان سے گفتگو ختم کرنے کے بعد میں بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ دو سگریٹ پھونک کر بھی چین نہ آیا تو میں نے آواز بند کر کے ٹیلی ویژن کھول دیا تاکہ رنگین اور متحرک تصویروں سے ہی دل بہلاتا رہوں۔

غزالہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ پچھلی شام لمبی نیند لے لینے کے باوجود اس کی وہ مدہوشی ظاہر کر رہی تھی کہ بنکاک سے نوم پنہہ تک کے طویل سفر نے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دیا تھا۔

بستر پر لیٹ کر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے میں غسل خانے میں جا گھسا۔ ارادہ یہ تھا کہ پوری طرح تیار ہو کر ناشتا کرنے کے لیے نیچے جاؤں گا اور واپسی پر دیکھوں گا کہ بقیہ لوگوں میں سے کون کون بیدار ہو چکا تھا۔

میں کمرے سے نکلنے والا تھا کہ اول خان کی کال آگئی۔ میں نے پہلی گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھایا تو اس کی تحیر زدہ آواز آئی۔'' اوہ.....! تم جاگ رہے ہو!''

''میں کوثر اور صمد خان کے نکاح کے بعد ایک پل کے لیے بھی نہیں سویا..... یہ.....''

میری وضاحت پوری ہونے سے پہلے اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خوش مزاجی سے میری بات اچک لی۔'' یہ ان دونوں کے جاگنے کی رات تھی۔ تم کیوں نہیں سو سکے!''

''سچ پوچھو تو میں اب بھی ان کے لیے فکر مند ہوں۔ دونوں تنک مزاج اور منہ پھٹ ہیں۔'' میں نے اپنی تشویش ظاہر کی۔'' ان کے درمیان کسی بات پر ٹھن گئی تو یہ زبردستی کی شادی کراچی پہنچتے پہنچتے خطرات سے دوچار ہوجائے گی۔''

''ایسی پریشان کن باتیں نہ سوچو.....'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔'' ویرا بہت سمجھ دار لڑکی ہے، وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ مجھے اس کی صلاحیتوں پر پورا اعتماد..... تم نے مجھے کن باتوں میں الجھا لیا۔ میں نے یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ جلال کے کمرے سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔''

''تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہاری طرف آرہا ہوں۔'' میں نے کہا، اس نے کھلے دل سے اجازت دے دی اور میں اس کے کمرے کی طرف ہولیا۔

راستے میں میں نے جلال کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور ذرا سی دیر تک جواب کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف پھیلی ہوئی مکمل خاموشی نے اول خان کی دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کردی، وہاں سے فون کا جواب مل رہا تھا نہ دستک کا۔

میری طرح اول خان بھی تیار تھا۔ وہ ہمیشہ سے سحر خیزی کا عادی تھا۔ مجھے بارہا تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ رات گئے اپنے گھر لوٹنے کے باوجود اپنے وقت پر بستر چھوڑ دیتا تھا۔ یہی حال جلال کا بھی تھا۔ وہ ان حرام خور سرکاری افسروں میں سے نہیں تھا جو قوم کے سرمائے سے بھاری تنخواہیں لینے کے باوجود دن چڑھے اپنے دفتروں کا رخ کرتے ہیں اور برائے نام کچھ فائلیں ادھر ادھر کر کے اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے خوش گپیاں کرتے ہیں پھر قبل از وقت اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

جلال کو حالات کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ وہ پاکستان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اپنے کام ادھورے چھوڑ کر ہمارے پاس دوڑا چلا آیا تھا۔ سب کچھ بلکہ اس سے بھی زیادہ طے ہو جانے کے بعد اس کے دماغ پر واپسی کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ سلطان شاہ اور ویرا کی شادی میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی۔ وہ ایسے وقت ظہور میں آئی جب ہم سب ذہنی طور پر الجھے ہوئے تھے۔ میری دانست میں وہ جلال کی شخصیت کا کمال تھا کہ وہ دونوں کو کی پس و پیش کیے بغیر یکا یک ایک دوسرے سے زیادہ رضامند نظر آنے لگے اور اول خان نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر انہیں نکاح کے مقدس رشتے میں باندھ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ ہر طرف سے آسودہ اور مطمئن ہونے کے بعد جلال خاموشی سے نشستوں کے حصول کے لیے نکل گیا ہوگا۔

میری رائے سن کر اول خان کی تشویش رفع ہو گئی۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ پکا سپاہی تھا۔ معمول سے ہٹی ہوئی کوئی بھی بات سامنے آتے ہی اس کی جنگی جبلت بیدار ہو جاتی تھی۔ جس کے نتیجے میں اس کے ذہن میں منفی امکانات کا نزول شروع ہو جاتا۔ وہ ایک سے زائد مواقع پر مجھ سے اعتراف کر چکا تھا کہ دلیری اور ہوشیاری بلکہ مکاری کے ساتھ دشمن سے لڑنا اور یکا یک اور ڈھیر کر دینا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ باتوں کے داؤ پیچ وغیرہ سے وہ بہت دور تھا۔ اس داؤ پیچ میں حالات کا تجزیہ کر کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ امکانات پر سر کھپانا بھی شامل تھا!

ہم دونوں کوئین ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر ڈائننگ ہال میں پہنچے تو ناشتے کے لیے میزیں لگی ہوئی تھیں۔ سارے لوازم دو میزوں پر خوب صورتی سے ڈھیر تھے مگر مہمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کام سے آئے ہوئے مہمان جلال کی طرح اپنے دھندوں پر نکل چکے تھے۔ چھٹی پر آنے والے شاید اپنے کمروں میں پڑے دیر تک سونے کا مزے لوٹ رہے تھے۔

ہم دونوں نے بڑی میزوں پر سے پلیٹیں اٹھائی ہی تھیں کہ اول خان نے زور سے مجھے کہنی ماری۔ میں نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا اور میری گردن غیر ارادی طور پر اس طرف گھوم گئی جدھر وہ دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے وہ منظر بہت روح پرور اور سکون بخش تھا۔

سلطان شاہ اور ویرا ہم سے پہلے ایک میز پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ سلطان شاہ بہت لاڈ سے چمچے کے ذریعے گلاب جامن نما کوئی مٹھائی ویرا کو کھلا رہا تھا۔ ان دونوں کے چہروں کی تازگی اور بشاشت قابل دید تھی۔ وہ دونوں لیلیٰ مجنوں کی طرح ایک دوسرے کی ذات میں یوں کھوئے ہوئے تھے جیسے ان کے سوا وہاں کوئی تیسرا موجود نہ تھا۔

''زیادہ غور سے نہ دیکھو، انہیں نظر نہ لگ جائے'' اول خان نے دھیرے سے کہا ''اب ان کے مرادوں کے دن آئے ہیں۔ اللہ انہیں سدا یوں ہی ایک جان، دو قالب رکھے۔''

ہم اپنی پلیٹوں میں اپنی پسند کی اشیا لے کر دانستہ ایک دور افتادہ میز پر چلے گئے تاکہ ہماری موجودگی ان کے چونچلوں میں حارج نہ ہو۔ انہیں مفاہمت، رواداری اور ایک دوسرے کے لطیف جذبوں کو سمجھنے کے لیے نئی زندگی کی ابتدائی مرحلے میں خلوت کی ضرورت تھی۔ انہیں اپنے گرد و پیش میں بیٹھے ہوئے اجنبیوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سب چند لمحوں کے ساتھی تھے۔ وہاں سے اٹھتے تو شاید زندگی میں دوبارہ کبھی ان سے سامنا نہ ہوتا۔ ہمیں دیکھ کر وہ فوری طور پر محتاط ہو جاتے۔ ہم دونوں میں سے کوئی اس وقت کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم جلد ہی وہاں سے نکل گئے۔ ان دونوں کو پتا بھی نہیں چلا کہ ہم وہیں موجود تھے۔ وہ دونوں میز کے گرد یوں جم کر بیٹھے ہوئے تھے جیسے رات کا کھانا بھی اسی میز پر کھانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ انہیں یوں منہمک اور خوش دیکھ کر میرا دل آسودہ ہو گیا۔

ہمیں ناشتے میں مشکل سے نصف گھنٹا لگا ہوگا۔ نمٹ کر اوپر گئے تو وہاں نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ جلال لوٹ آیا تھا۔ اس نے انٹرکام کا استعمال کر کے غزالہ کو اٹھا دیا تھا۔

''سب کہاں غائب تھے۔'' ہمیں دیکھتے ہی وہ بولائے ہوئے انداز میں بولا ''صمد اور کوثر ایسے بے سدھ سو رہے ہیں کہ میں فون کر کر کے زچ آ چکا ہوں.....''

''سکون سے کام لو!'' میں نے اس کی بات کاٹ دی ''یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟''

اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مجھے گھورا پھر الفاظ چبا چبا کر بولا ''مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم ایک بچے کی پرواز سے یہاں سے نہ نکلے تو کل تک یہیں پڑے رہیں گے۔''

''کیا نوم پنہہ بین الاقوامی پروازوں کے سلسلے میں اتنا یتیم ہے؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا ''یومیہ صرف ایک پرواز ہے۔''

''یہاں سے براہِ راست کراچی کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں ہے۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا ''بنکاک کی دس پروازیں ہیں۔ تمہاری وجہ سے ادھر کا رخ کرنا خطرناک ہو چکا ہے۔ ڈان کے کسی گرگے نے دیکھ لیا تو آفت آ جائے گی۔ ہانگ کانگ کے لیے صبح سویرے تین پروازیں نکل چکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ ایک چھوٹی ایرلائن کی آخری پرواز ایک بجے روانہ ہوگی۔ میں اس کے ٹکٹ لے آیا ہوں۔''

اس کی بات نہایت معقول تھی۔ میں نے غزالہ کو اسی لمحے ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی طرف بھیج دیا تاکہ وہ ہنسوں کے جوڑے کو وہاں سے بلا لائے۔

''ہمیں صرف دو گھنٹے کے لیے ہانگ کانگ میں ٹرانزٹ کرنا ہوگا۔ وہاں سے کیتھی پیسیفک کی پرواز پر کراچی کے لیے نشستیں کنفرم ہو چکی ہیں۔'' کچھ وقفے کے بعد اس نے دوبارہ بتانا شروع کیا۔ ''ہم شام سے پہلے کراچی پہنچ سکتے ہیں۔''

سلطان شاہ اور ویرا کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر سن کر وہ قدرے پرسکون ہو چکا تھا۔ وہ اوپر آتے ہی اپنے تھیلے اٹھا کر روانہ ہو سکتے تھے۔

اس وقت ہم تینوں جلال کے کمرے میں موجود تھے۔ چند منٹ میں بقیہ نفری بھی آ گئی۔ سلطان شاہ حیران تھا کہ ہمیں اس کی ڈائننگ ہال میں موجودگی کی خبر کیسے ملی؟ وہ کسی وضاحت یا مذاق کا وقت نہیں تھا۔ ان دونوں کو صورتِ حال کی نزاکت کا علم ہوا تو وہ بھی اپنے کمرے میں جا گھسے۔ میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ چند گھنٹوں کی قلیل سی مدت میں ویرا کی زبان کی تیزی اور طراری کو قرار آ چکا تھا۔ وہ کوئی حجت کیے بغیر سلطان شاہ کے اشاروں پر عمل کر رہی تھی۔

میں نے پچھلی شام ہوٹل کے کاؤنٹر پر پانچویں ساتھی کی آمد کا عذر پیش کر کے اپنے کوائف ادھورے چھوڑ دیے تھے۔ فارم پر ذہن میں آنے والے نام الٹ ٹپ لکھ دیے تھے جو ہمارے لیے آنے والے پاسپورٹوں سے مختلف تھے۔ ہوٹل چھوڑتے ہوئے وہ قصہ اٹھانا ناگزیر تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہم دو دو کی ٹولیوں میں وہاں سے نکلیں۔

ٹولیاں قدرتی طور پر وجود میں آ چکی تھیں۔ پہلے جلال اور اول خان نے لفٹ کا رخ کیا۔ ان کو اپنا حساب بے باق کر کے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنا تھا۔ ان کے بعد نئے جوڑے کی باری آئی۔ انہیں اپنی چابی کاؤنٹر پر دے کر خاموشی سے نکل جانا تھا۔ ان سے کوئی نہ پوچھتا کہ وہ واپس آئیں گے یا ہمیشہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

چند منٹ کا وقفہ دے کر میں غزالہ کے ساتھ نیچے اترا تو سلطان شاہ اور ویرا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ جلال اور اول خان کاؤنٹر پر کھڑے بے چینی سے اپنے حساب کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ہماری طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ میں نے چابی دی تو کلرک نے مجھے پہچان کر پاسپورٹوں کے ہارے میں سوال کیا۔

''ہمارا پانچواں ساتھی پھنس گیا ہے۔'' میں نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''ہم کو اسے چھڑانے کے لیے فوری طور پر جانا پڑ رہا ہے۔''

اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ''کیا اس سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے؟''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب کے پاسپورٹ غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے۔ وہ سیسو پھون سے اگلی سرحدی چوکی پر ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنے کے جرم میں دھر لیا گیا ہے۔ جب تک ہم وہاں جا کر سرحدی پولیس کو یقین نہیں دلائیں گے کہ وہ پاسپورٹ ہمارے ہیں جو غلطی سے اس کے پاس رہ گئے تھے، اس کی جان نہیں چھوٹے گی۔''

''اوہو..... یہ بہت برا ہوا۔ اب میرے ریکارڈ کا کیا ہوگا!'' اس کے چہرے پر تشویش کی علامات ابھر آئیں ''میں نے بھروسا کر کے تمہیں کمرے دے دیے تھے۔ مجھ سے جواب طلب کیا جائے گا کہ میں نے تمہارے پورے کوائف لیے بغیر کمرے کیوں دیے؟''

''کچھ کر لو۔'' میں نے اسے آنکھ مار کر کہا ''مشکل یہ ہے کہ ہم چاروں کا چوکی پر جانا ضروری ہے ورنہ صرف ایک آدمی چلا جاتا۔ ذرا سی بے پروائی سے وقت کے ساتھ پیسا بھی برباد ہوگا۔''

''دیکھنا پڑے گا۔'' اس نے ہمارے روم کارڈز پر نظر دوڑاتے ہوئے نسبتاً دھیمی آواز میں کہا۔ ''ان معاملات میں حساب نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں رقم چھوڑنی ہوگی۔ واپس لوٹ کر پاسپورٹ دکھاؤ گے تو فائنل بل بنا دیا جائے گا۔ پیسے بھی واپس مل جائیں گے۔''

میرے حساب سے ہمارے تین چار سو ڈالر فاضل جمع تھے۔ سودا برا نہیں تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو میدان صاف تھا۔ جلال اور اول خان حساب کر کے باہر جا چکے تھے۔

''گڈ لک!'' میں نے فضا میں ہاتھ لہرا کے کہا ''واپسی پر تم سے ملاقات ہوگی۔''

ہم دونوں باہر نکلے اور نکلتے چلے گئے۔ ہوٹل کے پورچ میں ان چاروں کا کوئی پتا نہیں تھا۔ احاطے سے باہر جانے پر وہ کچھ دور کھڑے ہوئے نظر آ گئے۔ سب کی نگاہیں ہماری طرف لگی ہوئی تھیں۔

ان لوگوں نے وقت برباد نہیں کیا تھا۔ دو خالی ٹیکسیاں ان کے قریب رکی ہوئی تھیں۔

جلال ہمارے ساتھ آ گیا۔ اول خان دوسری ٹیکسی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سلطان شاہ اور ویرا کے ساتھ سوار ہوگیا۔ دونوں ٹیکسیاں آگے پیچھے نوم پنہہ انٹرنیشنل ایرپورٹ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

''ہوٹل میں پاسپورٹ کا کیا مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا؟'' راستے میں جلال نے پوچھا۔

ہوٹل سے الگ الگ ٹکڑیوں میں روانہ ہونے کی تجویز کو اس نے میری احتیاط پر محمول کیا تھا۔ وہ پورے قصے سے بے خبر تھا۔ میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ دیر تک ہنستا رہا۔ اسے حیرت تھی کہ میں نے کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے اپنے پانچویں ساتھی کے پکڑے جانے کی کہانی کیسے گھڑلی۔ وہ کہانی بے داغ تھی۔ ایک سے زیادہ پاسپورٹ رکھنا ہمیشہ سے جرم ہے۔ جرم کی تردید کے لیے یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ بقیہ پاسپورٹ غلطی سے رہ گئے تھے۔ ثبوت کے طور پر ہر فاضل پاسپورٹ کے حامل متعلقہ حکام کے پاس پیش ہونا ضروری تھا۔

''ایسی باتیں آرام دہ بستر میں سکون سے لیٹ کر سوچی جاسکتی ہیں۔ بگڑے ہوئے حالات میں ان کا کسی عام ذہن میں آنا محال ہے'' اس نے ہنستے ہوئے کہا ''الجھن یا پریشانی کی صورت میں انسان کی رہی سہی عقل بھی ماؤف ہوجاتی ہے۔''

''سرحدی تجربات تازہ تھے۔ میں نے ان سے فائدہ اٹھالیا۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں شروع سے دیکھتا چلا آرہا ہوں کہ دیکھی اور سنی ہوئی ہر بات تمہارے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔ ضرورت پڑتی ہے تو یہ سب تمہیں بروقت یاد آجاتا ہے۔''

''اس میں میری کسی کوشش کا دخل نہیں ہوتا۔ سب کچھ خود بہ خود ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب ہمارا مراجعت کا سفر شروع ہوگیا ہے۔ ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اب ڈی این اے کی تصدیق کا مرحلہ کب سر ہوگا؟ تم ہدایات کب دو گے؟''

''ہوٹل سے نکلتے ہی وہ پہلا کام تھا جو میں نے کر ڈالا۔ فون پر ہدایات دے دی ہیں۔ اوکاڑہ میں میرے آدمی تیار تھے۔ وہ آج ہی گداگر کے جسم سے سیمپل لے کر کراچی روانہ کردیں گے۔ یہ سمجھ لو کہ تمہاری خودکشی کا ڈراما میرے کیریر کا سب سے بڑا جوا ہے۔ میں اس کے لیے پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ صرف تمہاری رضامندی ضروری تھی۔''

''میں کبھی وہاں نہیں گیا۔'' میں نے سوچتے ہوئے کہا ''مگر میرا اندازہ ہے کہ اوکاڑہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں جدید طبی سہولتیں عنقا ہوں گی۔''

''وہ ایسی ہی جگہ ہے۔'' اس نے میری تائید کی ''اس شہر کی اہمیت اس چھاؤنی کی وجہ سے ہے جو آبادی سے بارہ کلومیٹر پرے ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ چھاؤنی کے کمانڈنٹ ملٹری اسپتال کے کمانڈنگ آفیسر سے میں بات کر کے آیا تھا۔ میرے آدمی جس وقت بھی مطلوبہ شخص کو لے کر اوکاڑہ کینٹ کے سی ایم ایچ پہنچیں گے۔ ذرا سی دیر میں سیمپل لے کر محفوظ کرلیا جائے گا۔ یہ سارے پہلو میری نظروں میں تھے۔''

''امریکا سے رپورٹ آنے میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا۔ اس وقت تک میری پوزیشن کیا ہوگی؟ ڈسنے والے اندیشے ایک مرتبہ پھر میرے دماغ میں سر ابھار رہے تھے۔

''تم فکرمند کیوں ہورہے ہو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ اب تم ڈینی نہیں قمر علی ہو، ایک نیا نام، ایک نئی شخصیت!''

''یہ سوچ کر دل اداس ہوجاتا ہے کہ اب نام بھی میرا اپنا نہیں رہے گا۔ بس ایک تڑپ یہ زخم سہنے کی ہمت دے رہی ہے کہ اب میں اپنے وطن، اپنے گھر لوٹ جاؤں گا۔''

''نہ، نہ..... یہ نہ سوچنا۔'' اس نے تیزی سے کہا ''تم اپنے وطن ضرور لوٹ رہے ہو مگر بھول کر بھی اپنے گھر کا رخ نہیں کرو گے۔ وہ ڈینی کا گھر ہے جو خودکشی کرچکا ہے۔ اسے سرکاری تحویل میں لے کر نیلام کردیا جائے گا۔ رقم کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ جائے گی۔ یہ مہینوں بلکہ سالوں کی کہانی ہوگی۔ اب تم ایک نئے گھر میں بہت سکون سے اپنی نئی زندگی کی ابتدا کرو گے، جہاں کوئی ہاتھ تمہاری طرف نہیں اٹھ سکے گا۔''

مجھے اپنے معدے میں گرہیں سی پڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مجھے جہانگیر یاد آگیا۔ میں نے بے ساختہ پوچھا ''میں جہانگیر اور سلمیٰ سے تو مل سکوں گا نا؟''

''نہیں!'' جلال کی آواز سرد اور سپاٹ ہوگئی ''بہ ظاہر نام بدل لینا بہت آسان معلوم ہوتا ہے لیکن تم نے ایک بہت مشکل مگر اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تمہارے حق میں وہ بیم کن سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگا۔ اس پر نگاہیں لگی رہیں گی۔ تم کو ہر ایسی چیز اور فرد سے دور رہنا ہوگا جس کے ذریعے تمہاری شناخت ہوسکے۔ تم خوش اخلاق اور ملنسار ہو۔ بہت جلد اپنے نئے دوست بنالو گے۔''

''تو کیا تم بھی میرے لیے شجر ممنوعہ بن جاؤ گے..... اول خان کا کیا ہوگا؟ یہ تنہائیاں تو مجھے کھا جائیں گی، یہ سب میرے گمان میں بھی نہیں آسکا تھا۔''

''دیکھو، تم پھر جذباتی ہورہے ہو۔ ہماری بات دوسری ہے۔ ہمارے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں، ہم سیکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ ہم ڈینی کی شناخت نہیں ہیں۔ تم سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملتے جلتے رہیں گے۔ جہانگیر کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ تمہارا جگری دوست ہے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا ہے۔ تمہارے دوست اور دشمن، سب جانتے ہیں کہ صرف تم اس سے ملتے ہو۔ تم نے ادھر کا رخ بھی کیا تو مشکلات کا آغاز ہو جائے گا۔''

''کڑی پابندیاں ہیں نام بدلنے کی۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر تھکی ہوئی آواز میں کہا ''امریکی کتوں نے مجھے اپنی مٹی پر اجنبی بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ مجھے چوروں کی طرح اپنے ماضی سے بالکل کٹ کر نئی زندگی گزارنی ہوگی۔ کاش! میری دعا قبول ہو، میں ایک بیٹے کا باپ بن جاؤں پھر میں بیس برس بھی انتظار کر لوں گا۔ میں نے قانون سے ماورا جنگ لڑی ہے۔ میں اپنے بیٹے کو قانون کے رکھوالوں میں شامل کروں گا۔ میرے خون کو قانون کی طاقت اور پشت پناہی حاصل ہوگی تو وہ ان کتوں سے میری ساری محرومیوں کا حساب چکا لے گا۔''

''میری دلی دعا ہے کہ اللہ تمہیں نرینہ اولاد عطا کرے۔'' وہ بولا۔

ٹیکسی میں کچھ دیر کے لیے روح کو کاٹنے والا سکوت چھا گیا۔ شاید کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ آخر میں نے ہی وہ سکوت توڑا۔ سوال میرے ذہن میں بگولوں کی طرح چکرانے لگے تھے۔ ''میرا گھر نہیں ہے تو میں کراچی پہنچ کر کہاں جاؤں گا؟''

''میرے محکمے کا آرام دہ ریسٹ ہاؤس تمہاری واپسی کا منتظر ہے۔ جب چاہو، تم اپنی پسند کا کوئی مکان خرید لینا۔'' اس کی آواز پست ہو گئی۔

''مکان خرید لینا۔'' میں نے استہزائی لہجے میں اس کے کہے ہوئے آخری الفاظ دہرائے پھر کہا ''شاید تم کو علم نہیں کہ میری ساری پونجی جہانگیر کی بیوی کے پاس امانت ہے۔ مجھے ان سے ملنے کی ممانعت ہے۔ ان کے لیے میں خودکشی کر چکا ہوں.....''

''تم اپنے ذہن پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال رہے ہو۔ یہ تمہارے مسائل نہیں ہیں۔ تم بھول گئے کہ ہم اوپر کی ہدایت پر سرکاری حیثیت میں آئے ہیں تاکہ تمہیں باور کرا سکیں کہ اب تمہاری ہر ضرورت کو پورا کرنا ریاست کے ذمے ہوگا۔ تم امریکیوں سے نالاں ہو، ٹھیک ہے۔ ٹھنڈے دل سے یہ بھی سوچو کہ تمہارا ملک تمہاری خدمات کا کیسا کھلا اعتراف کر رہا ہے۔''

جلال کے حساب کتاب میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ اپنا پورا ہوم ورک کر کے کراچی سے روانہ ہوا تھا۔ وہ خود وقت اور حالات کے دھارے پر بہہ رہا تھا۔ سامنے آنے والی ٹھوس زمینی حقیقتوں کو لوٹانا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اس سے جو کچھ ممکن تھا، وہ کر رہا تھا۔ اس کی ذات سے ان ہونی باتوں کی توقع عبث تھی۔

ٹیکسی آہستگی سے رک گئی۔ میں جلال سے باتوں میں اس طرح الجھا رہا کہ مجھے یہ پتا ہی نہیں چلا کہ کب ہم ایئرپورٹ کی حدود میں داخل ہوئے اور کب دونوں ٹیکسیاں لاؤنج کے سامنے پہنچ گئیں۔

ٹیکسی سے اترنے تک میرے دل و دماغ کا ابال کچھ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ جب میں نے سلطان شاہ کو بہت محبت کے ساتھ ویرا کا بازو تھام کر گاڑی سے اتارتے ہوئے دیکھا تو میرا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ دل سے رہی سہی کلفت بھی زائل ہو گئی۔

دوسری ٹیکسی میں آنے والوں کو میرے اور جلال کے مذاکرات کا کوئی علم نہیں تھا۔ سب پاکستان واپسی کے خیال سے نہال تھے۔ سلطان شاہ اور ویرا کی خوشی دیدنی تھی۔ انہوں نے پوری دنیا کا چکر لگانے کے بعد آخر کار ایک دوسرے کی صورت میں اپنی زندگی کے ہم سفر پا لیے تھے۔

ٹریفک کے ہجوم اور فاصلے کی وجہ سے اس سفر میں کافی وقت ضائع ہو گیا تھا۔ پھر بھی ہم متعلقہ کاؤنٹر کھلنے سے چند منٹ پہلے ہال میں پہنچ گئے۔

ہم میں سے کسی کے پاس زیادہ اسباب نہیں تھا۔ جلال ہمیں چھوڑ کر کاؤنٹر کی طرف گیا تو میں اول خان کو اپنے ساتھ لے کر دوسروں سے الگ ہو گیا۔

''تم پاکستان سے آئے ہو، ابھی تک جہانگیر کی کوئی خیر خبر نہیں سنائی۔'' میں نے علیحدگی میں اس سے شکوہ کیا۔

اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور بولا ''میں دانستہ اس کا ذکر کرنے سے کترا رہا تھا۔ تمہاری خودکشی کی خبر پر اس کا حال بہت ابتر ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا..... میری خودکشی کا واقعہ کتنا پرانا ہے؟''

''جلال نے سب کچھ بہت تیزی سے ایک ساتھ کر ڈالا۔'' وہ بتانے لگا ''اس قیدی کی خودکشی کا واقعہ پرانا نہیں ہے۔ یہ پرسوں شام کی خبر ہے۔ میں کل اپنے باس کے حکم پر گوادر سے کراچی پہنچا تو اخبارات کے پہلے صفحے پر وہ سنسنی خیز خبر نمایاں تھی۔ میں جلال کے کھیل سے واقف تھا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم صدف مینشن کے قیدی بنو۔ تمہارے شبہے میں دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمیوں کی گرفتاری اور باز پرس کی خبریں کئی روز سے آ رہی تھیں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ تم بنکاک میں ہو۔ مجھ پر نئی خبر کا کوئی اثر نہیں ہوا مگر مجھے جہانگیر کی فکر تھی۔ پہلے میں جلال سے ملا۔ اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں مجھے پوری بریفنگ دے ڈالی۔ ہماری روانگی میں وقت باقی تھا۔ میں نے دلاسا دینے کے لیے جہانگیر کو فون کیا تو وہ پھٹ پڑا۔ میری آواز سنتے ہی ایسا پھوٹ پھوٹ کر رویا کہ میرا دل پانی ہوگیا۔ وہ تمہیں اپنا دوست، مربی، باپ اور نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے بین سے میرا دل پھٹ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے جانے سے وہ یتیم ہوگیا۔ شدید خواہش کے باوجود میں اسے یہ بتانے کی ہمت نہیں کرسکا کہ تم زندہ ہو۔ تمہاری خودکشی ایک سوچا سمجھا ڈراما ہے۔''

''وہ واقعی مجھے یاد کر کے برسوں روئے گا۔'' میں نے اداسی سے کہا ''اس کی شراب نوشی بڑھ جائے گی۔ اسے کوئی نہیں سمجھا سکے گا۔ وہ میری دوستی پر بہت ناز کرتا ہے۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔ وقت سدا ایک جیسا نہیں رہتا'' اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے کہا ''ظلم و تکبر کا یہ دور کبھی نہ کبھی ختم ہوگا اور تم اپنے دوستوں میں پہنچ جاؤ گے۔''

''امید.....'' میں نے زہرخند کے ساتھ کہا ''یہ امید ہی انسان کو زندہ رکھتی ہے ورنہ اور کیا رکھا ہے زندگی میں۔ تم نے جلال کو جہانگیر کے بارے میں بتا دیا تھا؟''

''ایک ایک لفظ بتا دیا تھا۔'' اول خان نے پرزور لہجے میں کہا ''جہانگیر کا حال سن کر وہ بھی آزردہ ہوگیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ تمہاری دوستی اور دشمنی، دونوں میں شدت کی انتہا ہوتی ہے۔ دوست تمہارے لیے روتے ہیں، دشمن تمہارا خون پی جانا چاہتے ہیں۔''

''وہ بہت گہرا اور گھنا ہے'' میں نے پُرخیال آواز میں کہا ''راستے میں اس سے جہانگیر کے بارے میں کافی باتیں ہوئی ہیں لیکن وہ جہانگیر کے صدمے کے بارے میں ایک لفظ بھی اپنی زبان پر نہیں لایا۔''

''وہ ذہین ہے، جانتا تھا کہ وہ سب سن کر تمہیں خوشی نہیں ہوگی۔''

اسی لمحے جلال لپکتا ہوا ہماری طرف آ گیا۔ کاؤنٹر کھل چکا تھا۔ وہ جلد از جلد کارروائیوں سے گزر کر بورڈنگ لاؤنج میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔

کاؤنٹر پر اس وقت تک صرف ہم لوگ تھے۔ شاید وہاں سے جانے والے سامان سے لدے پھندے ہوتے ہوں گے۔ لڑکی کو حیرت ہوئی کہ چھ کا گروپ ہونے کے باوجود ہمارے پاس ہلکے پھلکے دستی سامان کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

جلال کی پھیلائی ہوئی ہڑبونگ میں غزالہ کا ناشتا رہ گیا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ میں سب کو لے کر بورڈنگ لاؤنج کے کیفے میں پہنچ گیا۔ جہاں ہم بورڈنگ کا اعلان ہونے تک سکون سے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

سب کے کان پیجنگ سسٹم پر وقفے وقفے سے ابھرنے والی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ کمبوڈین لہجے میں بولی جانے والی انگریزی کو ہلکی سی گونج نے دوآتشہ کر دیا تھا جس سے ہمارے کان مانوس نہیں تھے پھر بھی پرواز کا نمبر سمجھ میں آ رہا تھا۔

ہر اعلان کے بعد لاؤنج میں بھرے ہوئے مسافروں کی ایک بڑی کھیپ اٹھ کر کسی دروازے کے سامنے صف آرا ہوتی اور دروازے کے پار غائب ہوجاتی۔ نئے آنے والے ان کی جگہ لے لیتے۔ مسافروں کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ نوم پنہہ کا بین الاقوامی ہوائی اڈا خاصا مصروف رہتا تھا۔

آخرکار ہماری بورڈنگ کی ہدایت بھی آ گئی۔ وہ اعلان سنتے ہی اول خان افسردہ لہجے میں بولا ''بگل بج گیا..... کوچ ہونے والا ہے، یہاں ڈینی کا باب بند ہوگیا۔''

جلال نے عصیلی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ اس وقت ہر قسم کی جذباتی گفتگو سے پرہیز کرنا چاہ رہا تھا۔ میں ان دونوں کو نظر انداز کر کے اپنے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہمارے طیارے نے رینگتے رینگتے یکایک پوری قوت سے دوڑ لگا کر زمین چھوڑ دی۔

مسکراہٹوں کی سرزمین سے ہمارا رشتہ ٹوٹ گیا۔ ڈان، چاؤنان، پھوم فاٹ، مادام لی سیاؤ فینگ اور اس کی فتنہ انگیز ادائیں، گوی..... سب کچھ پیچھے، بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ہم بلندی پر ہانگ کانگ کی طرف اڑے جا رہے تھے جہاں سے ہمیں اپنی اگلی منزل کے لیے روانہ ہونا تھا۔ وہ وہی منزل تھی جس کے لیے پچھلی رات تک میرا دل بارہا تڑپتا رہا تھا۔

جلاوطنی ختم ہوگئی تھی۔ پورا کارواں وطن واپس جا رہا تھا۔

☆☆☆

مین ریلوے لائن پر ساہیوال اور اوکاڑہ کے درمیان گیمبر کا چھوٹا سا اسٹیشن آتا ہے جس کے مختصر پلیٹ فارم پر ہر وقت دھول اڑتی رہتی ہے۔ مخصوص مال گاڑیوں کے علاوہ کوئی میل یا ایکسپریس ٹرین یہاں نہیں رکتی، تیز وسل بجاتی ہوئی، پٹریوں کے ساتھ بنی ہوئی جھونپڑیوں اور کچے مکانوں کے قریب سے گزرتی چلی جاتی ہے۔

اسٹیشن کے ایک طرف گرانڈ ٹرنک روڈ ہے جس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ دور تک اوکاڑہ چھاؤنی کا فوجی علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ ریلوے لائن کے پار بسی ہوئی بستی کا نام گیمبر ہے جہاں عیسائی اقلیت کی کچھ تعداد بھی ایک قبیلے کی صورت میں رہتی ہے۔ وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ لیکن حسن سلوک کے ساتھ رہتے بستے ہیں۔ گیمبر میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

آبادی سے آگے کھیت ہی کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان میں نے اپنی نئی دنیا بسائی ہوئی ہے۔ میرے پاس گاڑی بھی ہے اور زرعی زمین بھی جہاں گیمبر اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے ہاری کام کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں غزالہ کی محبت کی اسیر ہیں۔ روز ہی دو چار ہمارے گھر چلی آتی ہیں اور غزالہ کو پھلی بھی نہیں پھوڑنے دیتیں۔ گھر کے سارے کام کاج کرنے کے ساتھ میرے دو سالہ بیٹے شمشیر علی کو کسی نازک پھول کی طرح ہاتھوں ہاتھ رکھتی ہیں۔

کبھی کبھی میں غزالہ اور شمشیر کو گاڑی میں اپنے ساتھ لے کر اوکاڑہ کی طرف نکل جاتا ہوں جہاں وہ خستہ تن اور بدحال گداگر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کیے رہتا ہے جس کے استخوانی بدن سے چرائے ہوئے چند ریشوں نے ہمیشہ کے لیے ڈینی کا نام امریکیوں کے ریکارڈ سے خارج کر دیا۔ میرے خلاف کھلی ہوئی فائلیں بند ہو چکی ہیں اور میں اس زرعی ویرانے میں قمر علی کے نام سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب شمشیر ہوش سنبھالے گا اور میں اسے اپنی زندگی کے کھوئے ہوئے باب سنا سکوں گا۔

جب جاتا ہوں، اس گداگر کو اتنا کچھ دے آتا ہوں کہ وہ چند دن بے فکری سے گزار سکے لیکن دوبارہ جاتا ہوں تو اسے پھر اسی حال میں پاتا ہوں..... ہاتھ پھیلائے ہوئے۔ نہ جانے وہ میرے دیے ہوئے پیسوں اور کپڑوں کا کیا کرتا ہے۔

میرے لیے کراچی میں اچھوت بن کر رہنا ناممکن تھا۔ وہ کرب میرے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ میں نے جلال کے محکمے کے ریسٹ ہاؤس میں رہتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی بقیہ زندگی کسی دور افتادہ اور گم نام مقام پر گزاروں گا۔ غزالہ کو وہیں چھوڑ کر میں نکلا اور پشاور کا ٹکٹ خرید کر خیبر میل میں سوار ہو گیا۔ میل کے نام پر سسک سسک کر سفر طے کرتی ہوئی گاڑی مجھے بہت پسند آئی کیونکہ اس کے ذریعے مجھے راستے کے چپے چپے کو غور سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔

گیمبر پر میری نظر ٹھہر گئی۔ ٹرین وہاں نہیں ٹھہری۔ اوکاڑہ اتر کر میں نے دو دن ان اطراف میں لگائے اور جلال کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اگلے ایک ہفتے میں میرے لیے اس گھر کا بندوبست ہو گیا۔

ویرا کے تیور نکاح ہوتے ہی بدلے بدلے سے نظر آنے لگے تھے۔ وہ ایسی شوہر پرست نکلی کہ کراچی پہنچنے کے دوسرے روز سلطان شاہ کے ساتھ اس کے گاؤں روانہ ہو گئی۔ ان دونوں کے حق میں یہی بہتر تھا کہ وہ جلد از جلد کراچی سے دور چلے جائیں۔ وہ کئی بار میرے پاس آ چکے ہیں۔ کئی کئی دنوں تک ہم چاروں ایک کمرے میں بند ہو کر ماضی کی اچھی اور بری یادوں کے سحر میں کھوئے رہتے ہیں۔ وہ اپنے گاؤں لوٹ جاتے ہیں تو میں پھر ڈینی سے قمر علی بن جاتا ہوں، جس کے بینک اکاؤنٹ میں ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو نہ جانے کہاں سے بیس ہزار روپے جمع ہو جاتے ہیں جو ہم تینوں کے مختصر خاندانوں کے لیے کافی سے زیادہ ہوتے ہیں۔ فصلوں کی آمدنی جمع ہوتی رہتی ہے جو اللہ نے چاہا تو شمشیر کی تعلیم وتربیت کے اخراجات پورے کرنے کے کام آئے گی۔

کراچی سے گیمبر آ کر ایک بڑا سکھ ملا ہے۔ جلال اور اول خان بے خوف ہو کر ہمارے پاس چلے آتے ہیں۔ کراچی کی طرح یہاں دیواروں کے کان نہیں ہوتے۔ ان کے لیے میں پرانا ڈینی ہوتا ہوں۔ ان ملاقاتوں میں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے کوئی کھوئی ہوئی چیز پالی ہو۔

مجھے بس ایک قلق ہے کہ میں اب تک جہانگیر سے ملنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ مجھے اس دن کا انتظار ہے جب میرا بیٹا کچھ بڑا ہو کر بولنے اور سمجھنے کے قابل ہو سکے۔ اس وقت میں اسے اور غزالہ کو ساتھ لے کر جہانگیر کے گھر ضرور جاؤں گا تاکہ شمشیر بچپن ہی سے یہ جان سکے کہ اس کا باپ کن لوگوں کی عزت کیا کرتا تھا۔ وہ باتیں اسے ذہن نشین کرا دی گئیں تو وہ بڑا ہو کر بھی اپنے ان بزرگوں کا احترام کرے گا جنہوں نے اس دھرتی کی آن کے لیے اپنا بہت کچھ قربان کر دیا۔

میری طرح جہانگیر بھی ایک بیٹے کا باپ تھا۔ اس کا لخت جگر شیر خواری کے دنوں میں دشمنوں کے ہاتھوں اغوا کے بعد لاہور میں اپنے ننھیال میں پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ شمشیر سے کئی سال بڑا اور ہوشیار تھا۔ ان دونوں بچوں کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ ان کے بڑوں نے اپنی مٹی کا قرض کیسے چکایا ہے۔ یہ کام ہم مل جل کر ہی کر سکتے تھے۔

میں آج بھی گیمبر میں رہ رہا ہوں۔ اس دن کے انتظار میں جب میرا بیٹا بچپن کی بھول بھلیاں سے نکل کر ہوش مندی کی دنیا میں قدم رکھے گا۔ یہ زخم دھیرے دھیرے میرے سینے کا ناسور بن رہا ہے کہ اب میں ڈینی نہیں قمر علی ہوں!

(ختم شد)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk